

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر

بول بالا ہے ترا ذکر ہے اُونچا تیرا

الحمد للہ کہ کتاب لاجواب نافع شیخ وشاب مفید عاقل موقظ غافل
مستغنیہ

جاء الحق وزهق الباطل

المعروف فیصلہ مسائل

(جلد اول)

اضافات جدیدہ و ضمیمہ عجیبہ کے ساتھ
جس میں موجودہ زمانہ کے عام مختلف فیہ مسائل کا نہایت متقنہ مدلل فیصلہ کر دیا گیا ہے
مُصَنَّف

حضرت حکیم الامت مولانا مفتی الحاج احمد یار خاں صاحب اجماعی بدایونی مدظلہ
سرپرست مدرسہ نوشیہ گجرات پاکستان

بہتمام

محمد اقتدار خاں عرف مصطفیٰ میاں

ناشر:- مفتی اقتدار احمد خان مالک نعیمی کتب خانہ گجرات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - خَالِقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِينَ وَالصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ
 عَلَى مَنْ كَانَ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ - أَجْمَلِ الْأَجْمَلِينَ - أَلَمْلَمِ الْأَلَمْلَمِينَ
 سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ أَجْمَعِينَ

دیباچہ

دین اسلام کو دنیا میں تشریف لائے ہوئے آج تقریباً پورے چودہ سو برس گزرے اس عرصہ میں اس پاک دین نے ہزار ہا بلاؤں سے مقابلہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس بلبہاتے ہوئے چمن پر بہت سی تیز آنڈھیاں آئیں اور اپنا اپنا زور دکھا کر چلی گئیں۔ مگر الحمد للہ کہ یہ چمن اسی طرح سرسبز و شاداب رہا۔ اس آفتاب پر بار ہا تاریک بادل اور غبار آئے مگر یہ آفتاب اسی طرح چمکتا و نکلتا رہا اور کیوں نہ ہوتا کہ رب تعالیٰ خود اس دین کا محافظ و ناصر ہے خود فرماتا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ
 ہم نے ہی قرآن اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔
 کبھی اس پر زبردی بادل آئے اور کبھی حجاجی غبار۔ کبھی مامونی طاقت نے اس کے سامنے آنے کی جرأت کی اور کبھی تاتاری قوتیں اس سے ٹکرائیں، کبھی خارجی شورش نے اس سے مقابلہ کیا اور کبھی رفس کی طاقت نے اس کو زیر کرنے کی کوشش کی مگر وہ سب کی سب اس پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔ اور یہ پہاڑ اسی طرح اپنی جگہ مضبوطی سے قائم رہا۔ اَقَامَهَا اللَّهُ وَآدَامَهَا اللَّهُ تعالیٰ اس کو قائم و دائم رکھے۔

مگر ان تمام فتنوں میں زبردست فتنہ اور تمام مصیبتوں میں خطرناک مصیبت دہا پیوں نجدیوں کا فتنہ تھا۔ جس کی خبر مخبر صادق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی اور طرح طرح سے اس فتنہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب ذکر الیمین والشام میں بخاری کے حوالہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن دریا نے رحمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جوش میں ہے بارگاہ الہی میں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی جا رہی ہے۔

اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَايَمِنَا اے اللہ ہمارے لیے ہمارے شام میں برکت دے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمِينِنَا اے اللہ ہم کو ہمارے یمن میں برکت دے حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا وَفِي تَجْدِنَا یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ ہمارے نجد میں برکت دے پھر حضور علیہ السلام نے وہ ہی دعا فرمائی۔ شام اور یمن کا ذکر فرمایا۔ مگر نجد کا نام نہ لیا۔ انہوں نے پھر توجہ دلائی کہ وَفِي تَجْدِنَا حضور یہ بھی دعا فرمائی کہ نجد میں برکت ہو عرض میں بار یمن اور شام کے لیے دعائیں فرمائیں۔ بار بار توجہ دلائے پھر نجد کو دعا نہ فرمائی بلکہ آخر میں فرمایا۔

هَذَاكَ السَّيِّئُ لَا يَزِيْلُ دَافِعُنْ | میں اس اذی محروم خطہ کو دعا کس طرح فرماؤں دلا
وَمِنْهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ - | تو زلزلے در فتنے ہونگے۔ اور دہان شیطان کی وہ پیدا ہوگا
اس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک میں دجال کے فتنہ کے بعد نجد کا فتنہ تھا جس کی اس طرح خبر دی۔

اسی طرح مشکوٰۃ جلد اول کتاب القصاص باب قتل اہل الردۃ میں بحوالہ انسائی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام ایک بار کچھ مال غنیمت تقسیم فرما رہے ہیں۔ ایک شخص نے پیچھے سے عرض کیا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہ کیا حضور علیہ السلام نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ ہمارے بعد تم کو ہم سے بڑھ کر کوئی عادل نہ ملے گا۔ پھر فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم اس سے پیدا ہوگی جو قرآن پڑھیں گے مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا اور اسلام سے ایسے نکل جائیں گے۔ جیسے تیر شکار سے۔ پھر فرمایا۔

سَيَمْلَأُهُمُ النَّحْلِيُّ لَا يَزَالُونَ يَخْرُجُونَ | یعنی ان کی پیمان سر منڈانا ہے یہ نکلے ہی ہیں
حَتَّىٰ يَخْرُجَ إِخْرَهُمْ مَعَ الدَّجَالِ فَإِذَا | گے یہاں تک کہ ان کی آخری جماعت دجال کے
لَقِيَهُمْ هُمْ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ | ساتھ ہوگی اگر تم اُن سے ملو تو جان لو کہ وہ تمام خلق میں شر ترین ہیں
اس میں ان کی پیمان فرمائی گئی۔ سر منڈانا آج بھی دہان اس سے خالی شکل ہی سے ملیں گے۔ کہیں فرمایا کہ بت پرستوں کو چھوڑیں گے اور مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ دیکھو بخاری جلد اول کتاب الانبیاء متفصل قصہ یاجوج ماجوج۔ مسلم اور مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اول۔ اسی

جگہ مشکوٰۃ میں یہ بھی ہے۔

لَئِنْ أُوْصِرْ كُتِبَ عَلَیْهِمْ اَلْقَتْلُ عَاجِلًا۔ | اگر انہیں ہم پاتے تو قوم عاد کی طرح قتل فرمادیتے۔

آج بھی دیوبندی عام طور پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں۔ مگر لغت کرتے ہیں تو مسلمانوں سے اور ان کے ہمیشہ حملے مسلمانوں پر خاص کر اہل حرمین پر ہی ہوتے۔

اس فرمان عالی کے مطابق بارہویں صدی میں نجد سے محمد ابن عبدالوہاب پیدا ہوا۔ اس نے کیا کیا۔ اہل حرمین و دیگر مسلمانوں پر ظلم کیے۔ اس کی داستان تو سیف الجبار اور بلاق محمدیہ علیٰ ارفغات النجدیہ وغیرہ کتب تاریخ میں دیکھو۔ ان کے کچھ ظلم علامہ شامی نے اپنی کتاب رد المحتار جلد سوم باب البغات کے شروع میں اس طرح بیان فرمائے ہیں۔

حَمَا وَتَعَفَّى فِیْ رَمَانَا فِیْ اَتْبَاعِ عَبْدِ اَوَّهَابِ
الَّذِیْنَ حَرَّجُوا مِنْ تَجْدٍ وَتَغَلَّبُوا
عَلَى الْحَرَمَیْنِ وَكَانُوا یَنْتَحِلُوْنَ اِلٰی
الْحَنَاطِیْقَةِ لَیْكُنْ هُمْ اِعْتَقَدُوْا اَنَّهُمْ هُمُ
الْمُسْلِمُوْنَ وَاَنَّ مَنْ خَلَفَ اِعْتِقَادَ هُمْ
مُشْرِكُوْنَ وَاِسْتَبَاحُوا بِذٰلِكَ قَتَلَ
اَهْلَ السَّنَةِ وَ قَتَلَ عَلَمَاءَ هِمُ حَتّٰی
حَسَبَ اللّٰهُ شَوْكَتَهُمْ وَ حَرَّبَ
بِلَادَهُمْ وَ ظَفَرَ بِهُمْ عَسَاكِرَ الْمُسْلِمِیْنَ
عَامَ ثَلَاثٍ وَ ثَلَاثِیْنَ وَ مِائَتَیْنِ وَ اَلْفٍ۔

سیف الجبار وغیرہ میں ان کے مظالم بمشمار بیان فرمائے کہ مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں بے گناہوں کو بے دریغ قتل کیا اور حرمین شریف کے رہنے والوں کی عورتوں اور لڑکیوں سے زنا کیا ان کو غلام بنایا انکی عورتوں کو اپنی لونڈیاں۔ سادات کو رام کو بہت قتل و غارت کیا مسجد نبوی شریف کے تمام قالین اور جہاز و فانوس اٹھا کر نجد سے گئے۔ تمام صحابہ کو رام اور اہلیت مظالم کی قبروں کو گرہ زد میں سے ملا دیا یہاں تک کہ یہ بھی ارادہ کیا کہ عناصر گنبد خضرا جن کے گرد روزانہ صبح و شام ملائکہ صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں۔ اس کو

مجھے گرا دیا جائے۔ مگر جو شخص اس بڑی نیت سے روئے پاکستان پر گیا اس پر خدائے پاک نے ایک سانپ مقرر فرمایا۔ جس نے اس کو ہلاک کیا اور رب الغلین نے اپنے نبی کی اس آخری آرام گاہ کو ان سے محفوظ رکھا۔ غرضیکہ ان کے مظالم بے حد تکلیف رہے۔ جن کے بیان سے کلیجہ منہ کو آتا ہے یہ زید نے اہل بیت کی دشمنی ان کی زندگی میں ہی کی۔ مگر تیرہ سو برس کے بعد صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کو ان کی قبروں میں ستانان دہائیوں ہی کے ہاتھ سے ہٹا۔ اب بھی جو کچھ ابن سعود نے حرمین شریفین میں کیا وہ ہرجائی پر روشن ہے مگر مکہ میں میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کسی صحابی کی قبر شریف کا نشان بھی نہیں ملتا کہ کوئی فاتحہ بھی پڑھوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت میں میں نے ایک شامیہ لگا ہوا دیکھا جہاں کتے گدھے بے تکلف پھر رہے تھے۔ اس جگہ پہلے ایک قبر بنا ہوا تھا جہاں لوگ جا کر نازیباں پڑھتے تھے اور اس کی زیارت کرتے تھے یہ حضرت آمنہ خاتون کا مکان تھا اور اسی جگہ اسلام کا آفتاب چمکا۔ مگر اب اس کی یہ بے حرمتی کی گئی **فَاللّٰهُ الْمُسْتَكْبٰی**۔

یہ تو تھے عرب کے واقعات۔ لیکن ہم کو اس وقت ہندوستان سے گفتگو کرنی ہے وہاں میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام تھا مولوی اسماعیل، اس نے محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا اردو میں خلاصہ کیا۔ جس کا نام رکھا تقویۃ الایمان اور اس کی ہندوستان میں اشاعت کی۔ وہاں انہیں شہید کہتے ہیں کیونکہ یہ حضرت اسی تقویۃ الایمان کی بدولت سرحدی سچانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے دیکھو انوار آفتاب صداقت۔ مگر مشہور کیا کہ سکھوں کے ہاتھوں مرے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ وہاں نے جسے دیا ہے لقب شہید و ذبح کا + وہ شہید لیے نجد تھا وہ ذبح تیغ خیار ہے اگر سکھوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہوتے تو امرتسر یا مشرقی پنجاب کے کسی اور شہر میں مارے جاتے۔ کیونکہ یہ ہی سکھوں کا مرکز تھا۔ سرحد تو سچانوں کا ملک ہے وہاں یہ مارے گئے معلوم ہوا کہ انہیں مسلمانوں نے قتل کیا اور ان کی لاش بھی غائب کر دی۔ اسی لیے ان کی قبر ہی نہیں۔

نیز دیوبندیوں کی مشہور کتاب ارواحِ ثلاثہ کے صفحہ نمبر ۱۳۹ پر ہے کہ سید احمد صاحب نے پہلا جہاد یا محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا۔ اس جہاد میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی۔ مولوی محمد اسماعیل دہلوی، مولوی محمد حسین صاحب پامپوری سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ نیز مولوی اسماعیل صاحب کامیرنشی میرالال تھا (حیاء طیبہ) اور توپچی راجہ رام تھا غرضیکہ وہاں

دیوبندیوں کے قلمی، زبانی اور تلواروں کے حملے مسلمانوں ہی پر ہونے۔ ابھی حال کا واقعہ ہے۔ جو ۲۴ دسمبر ۱۹۶۱ء کے کوہستان وغیرہ تمام اجارات میں پھپکا کر ایک دیوبندی عبدالقادر نامی نے پہلے تو حضرت داتا گنج بخش لاہوری کے آستانہ مقدس پر قلمی اشتہارات لگائے جن میں تحریر تھا کہ میت کے پاس دعا قبول کرنے کی طاقت نہیں۔ ان کے مزارات پر غنیمتیں مانگنا شرک و بدعت ہے۔ پھر رات کے آخری حصہ میں تمام آستانہ پر مٹی کے تیل میں بھیکے ہوئے کپڑے رکھ دیئے سوئے ہوئے زائرین کے کپڑوں میں بھی مٹی کا تیل چھڑک دیا، دیا سلائی جلا کر آگ لگا چاہتا ہی تھا کہ پکڑا گیا۔ یہ واقعہ رات کے تین بجے ہوا اگر یہ ایک سیکنڈ کا موقع پالیتا تو سارا دربار اور سارے محلے اور ان تمام انسانوں کو جلا دیتا۔ یہ ہے ان ظالموں کی توحید۔ اور تبلیغ اسی گروہ نے ایک دن پہلے مسجد وزیر خاں کے صحن میں جو مزار ہے اُسے آگ لگانے کی کوشش کی۔ آگ لگا بھی دی مگر چونکہ وہاں کدو کی سامان نہ تھا۔ اس لیے صرف دیواریں کالی تو ہو گئیں مگر آگ باقاعدہ نہ لگ سکی۔ کوہستان ۲۴ دسمبر ۱۹۶۱ء بروز پیر۔

اسمعیل کے معتقدین دو گروہ بنے ایک تو وہ جنہوں نے اماموں کی تقلید کا انکار کیا جو غیر مقلد یا دہائی کہلاتے ہیں۔ دوسرے وہ جنہوں نے دیکھا کہ اس طرح اپنے کو ظاہر کرنے سے مسلمان ہم سے نفرت کرتے ہیں انہوں نے اپنے کو حنفی ظاہر کیا۔ ناز روزے میں ہماری طرح ہمارے سامنے آئے۔ ان کو کہتے ہیں، گلابی یا دیوبندی۔ بھلا میرے آقا دعوے محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم معجزہ دیکھو کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہاں سے تَحَوُّنُ الشَّيْطَانِ یعنی شیطانی گروہ نکلے گا۔ اردو میں تَحَوُّنُ الشَّيْطَانِ کا ترجمہ ہے دیوبند۔ دیوار دیو کہتے ہیں شیطان کو اور بند یعنی گروہ تابع دیوار یا منافق مقلوبی ہے۔ یعنی بند دیو شیطان کی جگہ یعنی۔۔۔ لیکن ان دونوں فرقوں کے عقیدے بالکل ایک ہیں۔ اعمال میں کچھ ظاہری اختلاف ہے۔ دونوں محمد ابن عبد الوہاب کو اچھا جانتے ہیں۔ اس کے عقائد کے حامی، چنانچہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب لنگوہی اپنے فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب التعلیق صفحہ ۱۱۹ میں لکھتے ہیں:-

محمد ابن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو دہائی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا جلیبی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد

بڑھ گئے۔ ان میں فساد اُگیا ہے۔ اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حقیقی نہیں
مانگی، جنس کا سا ہے۔ رشید احمد۔

لیکن موجودہ زمانہ میں بمقابلہ غیر مقلدین کے زیادہ خطرناک دیوبندی ہیں کیونکہ عام مسلمان انکو
پہچان نہیں سکتے ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں حضور علیہ السلام کی ایسی توہینیں کیں کہ کوئی کھلا ہوا
مشرک بھی نہیں کر سکتا۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کے پیشوا جتنے ہیں اور اسلام کے اکیلے ٹھیکیدار۔

مولوی اشرف علی صاحب خاٹوی نے حفظ الایمان میں حضور علیہ السلام کے علم کو جانوروں کے
علم کی طرح بتایا۔ مولوی غیل احمد صاحب انبیٹھوی نے اپنی کتاب برائین قاطعہ میں شیطان اور
ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام کے علم سے زیادہ بتایا۔ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے نماز میں
حضور علیہ السلام کے خیال کو گندھے اور بیل کے خیال سے بدتر لکھا۔ مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے
تحدیر الناس میں حضور علیہ السلام کو خاتم النبیین یعنی آخری نبی ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ حضور
علیہ السلام کے بعد اگر کوئی بھی نبی آجائے تب بھی خاتمیت میں کچھ فرق نہ آئے گا خاتم کے معنی میں اصل نبی دیگر
نبی غار منی ہیں۔ یہ جی مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ میں برہنہ نبی ہوں۔ نرنیک مرزا غلام احمد اس
مسئلہ میں ان کا شاگرد رشید ہوا۔

ان صاحبوں کے یہاں توحید کے معنی میں انبیاء کی توہین جیسے کہ روافض کے یہاں حب علی کے
معنی میں بغض صحابہ کرام حالانکہ یہ توحید تو شیطانی توحید ہے۔ اس نے حضرت آدم کی عظمت سے انکار
کیا۔ نبی کے سامنے نہ جھکا۔ پھر جو اس کا حشر ہوا وہ آج تک لوگ دیکھ رہے ہیں کہ ہر جگہ اس کی لادخول سے
تواضع کی جاتی ہے۔

اسلامی توحید ہے اللہ تعالیٰ کو ایک باننا، اس کے محبوبوں کی عزت و عظمت کو ناجس کی تعلیم ہے لا الہ
الا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ پہلے جزد میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ دوسرے میں عظمت مصطفیٰ کا
اظہار آج کل جس جگہ بھی دیکھا گیا مسلمانوں میں اہل سنت اور دیوبندیوں میں جگہ جگہ پڑے ہوئے ہیں۔ ہر جگہ
خانہ جنگی ہے ہر کار خیر کو روکنے کی کوشش کہیں علم غیب پر بحث ہے تو کہیں حضور علیہ السلام کے حاضر و ناظر
ہونے پر تکرار کہیں محفل میلاد فاتحہ پر بحث کہیں مزارات اولیاء اللہ پر قبہ بنانے پر مناظرہ۔ اگرچہ ان میں
سے ہر ایک مسائل میں اہلسنت نے اعلیٰ درجہ کی تصانیف شائع فرمائیں جیسے مسئلہ تقلید میں انتصار الحق

معتمد حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ علم غیب میں الکلیۃ العلیا معتمد حضرت صدر الافاضل استاد می مرشد مولانا الحاج محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی مدظلہ، تلمیذ فاتحہ وغیرہ میں انوار ساطعہ معتمد حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب بیڈل رامپوری اور مسئلہ حاضر و ناظر عروس و زیارت قبور و تمام مسائل میں تصنیفات اعلیٰ حضرت مجدد مائتہ حاضرہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سترۃ العزیز وغیرہ۔ مگر خیال یہ تھا کہ کوئی کتاب ایسی لکھی جائے جو ان تمام بحثوں کی جامع ہو جس کے پاس وہ کتاب ہو وہ تقریباً ہر مسئلہ میں مخالف سے گفتگو کر سکے اور مسلمانوں کے عقائد کو ان لوگوں سے بچا سکے اس لیے میں نے حَسْبِيَ اللَّهُ اس کام کی ہمت کی۔ ہمت تو کردی مگر اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا بچھ کو پورا پورا احساس ہے شریع کرنا میرا کام ہے اور اس کو اختتام پر پہنچانا میرے رب کے کرم پر موقوف ہے۔

اس کتاب میں ہر مسئلہ پر مختصر مگر جامع بحث کی گئی ہے۔ جن اصحاب کو دیا وہ تفصیل منظور ہو وہ مسئلہ علم غیب میں الکلیۃ العلیا کا مطالعہ کریں کہ ایسی کتاب اس مسئلہ میں آج تک نہیں لکھی گئی اسی طرح دیگر مباحث میں اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سترۃ العزیز کی تصنیفات کا مطالعہ کریں۔

ہدایات

اس کتاب میں حسب ذیل باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

- (۱) اپنے دعوے کی وضاحت۔
- (۲) اس کے دلائل قرآن و حدیث اور بزرگان دین، محدثین و مفسرین کے اقوال سے۔
- (۳) اس کی تائید مخالفین کی کتابوں سے۔
- (۴) مخالفین کے اعتراضات آیات قرآنیہ اور احادیث و اقوال فقہاء سے۔
- (۵) اعتراضات کے جوابات قرآن و احادیث و اقوال علماء کی روشنی میں۔
- (۶) اپنے دعوئی کے عقلی دلائل۔
- (۷) مخالفین کے عقلی اعتراضات۔
- (۸) ان کے عقلی جوابات۔

(۹) اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ حتی الامکان کتابوں کا صفحہ نہ نقل کیا جائے کیونکہ صفحے بدل جاتے ہیں بلکہ باب اور فصل اور اگر تفسیر کا حوالہ ہو تو پارہ، سورۃ اور آیت۔

ناظرین اگر غور سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو ایک سمندر پارین گے جس سے بیش قیمت موتی حاصل ہوں گے اس کتاب میں سخت الفاظی اور کج بحثی سے پرہیز کیا گیا ہے اہل انصاف سے اُمید ہے کہ حق قبول کریں اور باطل سے پھینک کر اسی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے دَمًا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْہِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

اس کتاب کا نام حضرت قبلہ عالم امیر ملت شیخ المشائخ قطب الوقت عالم ربانی پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری، نظارۃ العالی و دامت برکاتہم القدسیہ نے جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ تجویز فرمایا ہے میں نہایت فخر سے اس کتاب کو اسی نام سے موسوم کرتا ہوں اور اپنے رب سے امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کو اس مہم بامستی فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائے۔ میرے لئے کفارہ سیّا بنائے اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

ضمیمہ درجی نوٹ، مسلمانوں کا اصرار ہوا کہ اس کتاب میں تین مباحث اور زیادہ کیے جائیں سلطنتِ مصطفیٰ، عصمتِ انبیاء، میں رکعتِ تراویح۔ چنانچہ اس سے پہلے ایڈیشن میں یہ تین بحثیں بڑھا دی گئیں اور بھی دلائل کی زیادتی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماوے۔

ناچیز احمد یار خاں نعیمی ادھانوی بلوچی

ناظم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان

۳ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ بروز ایمان افزہ شنبہ مبارکہ

اس ایڈیشن میں مضامین اور دلائل بہت سے زیادہ کیئے گئے اور ایک رسالہ طلاق الاولیٰ فی حکم الطلاق
اشتملہ بڑھایا گیا۔ جس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی نہ کہ
ایک۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

الحمد للہ یہ کتاب اب ۲۸۵۰ روپے میں اٹھائی سو بار چھپ رہی ہے اکثر بار دو دو ہزار چھپی اور
اللہ تعالیٰ کے فضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم سے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، افریقہ، لندن وغیرہ
دور دراز ممالک میں پہنچی یہ سب رب تعالیٰ کی کرم نوازی ہے اس ۱۸ ایسیویں ایڈیشن میں بہت
تھوڑا سا اضافہ کیا گیا ہے۔

احمد یار خاں نعیمی بدایونی

مدرسہ نوشیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان

۱۹ شوال ۱۳۸۵ھ ۲۲ فروری ۱۹۶۶ء در شنبہ

نوشنویس عنایت اللہ بمقام جھتی محرم ڈاکخانہ ٹھٹھہ عالیہ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

چونکہ اس کتاب میں ہر مسئلہ کے متعلق قرآنی آیات پیش کی جاویں گی۔ اور ان آیات کی تفسیر بھی بیان ہوگی۔ اس لیے تفسیر قرآن کے متعلق حسب ذیل باتیں لحاظ میں رکھنا ضروری ہیں۔
ایک تو ہے قرآن کی تفسیر، دوسری قرآن کی تاویل۔ تیسری قرآن کی تحریف، ان کی علیحدہ علیحدہ تعریفیں ہیں اور علیحدہ علیحدہ احکام۔

(۱) قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا حرام ہے۔ بلکہ اس کے لیے نقل کی ضرورت ہے قرآن کی جائز تاویل اپنے علم و معرفت سے کرنا جائز اور باعثِ ثواب ہے، قرآن پاک کی تحریف کرنا کفر ہے۔
تفسیر قرآن کریم کے وہ احوال بیان کرنا ہیں جو عقل سے معلوم نہ ہو سکیں۔ ان میں نقل کی ضرورت ہو جیسے آیات کا شان نزول یا آیات کا نسخ و منسوخ ہونا۔ اگر کوئی شخص بغیر حوالہ نقل اپنی رائے سے کہے کہ فلاں آیت منسوخ ہے یا فلاں آیت کا یہ شان نزول ہے تو معتبر نہیں۔ بلکہ کہنے والا گنہگار ہے۔
(۲) مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں ہے:-

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلَيْسَ بَشَيْءٍ مَّقْعَدٌ مِنَ النَّارِ۔
جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔
مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے، مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَاصَابَ مَقْعَدًا خَطَاً۔
جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا پس صحیح کہہ گیا تو بھی اس نے غلطی کی۔

اب تفسیر قرآن کے چند مرتبے ہیں۔ تفسیر القرآن۔ یہ سب سے مقدم ہے۔ اس کے بعد تفسیر قرآن بالاحادیث۔ کیونکہ حضور علیہ السلام صاحب قرآن ہیں۔ ان کی تفسیر قرآن نہایت ہی اعلیٰ۔ پھر قرآن کی تفسیر صحابہ کرام کے قول سے خصوصاً فقہاء صحابہ اور خلفائے راشدین کی تفسیر۔
رہی تفسیر قرآن تابعین یا تبع تابعین کے قول سے۔ یہ اگر روایت سے ہے تو معتبر ورنہ غیر معتبر یا خود اہل علم کلمۃ اللہ للعلماء گوشتوی قدس سرہ۔

(۳) تاویل قرآن یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کے مضامین اور اس کی باریکیاں بیان کرے۔ اور صرفی و نحوی

قواعد سے اس میں طرح طرح سے نکات نکالے۔ یہ اہل علم کے لئے جائز ہے۔ ان میں نقل کی ضرورت نہیں اس کا ثبوت قرآنی آیات اور احادیث نبویہ و اقوال فقہائے ہے۔

رب کریم فرماتا ہے پارہ ۵ سورۃ نساء۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ دَلُواكَانَ مِنْ عِنْدِ
غَيْرِ اللَّهِ لَوْ جَدَّادُ فِيهِ الْخَمَلَاكَ كَثِيرًا
تو کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

تفسیر روح البیان میں اس آیت کے ماتحت يَتَذَكَّرُونَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں يَتَذَكَّرُونَ وَيَتَفَقَّهُونَ
مَا فِيهِ یعنی کیوں نہیں غور کرتے اس کے معنی ہیں اور کیوں نہیں عقل سے دیکھتے۔ ان غویوں کو جو قرآن میں ہیں۔
مشکوٰۃ کتاب القصاص فصل اول میں ہے کہ کسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے سوا کچھ اور بھی عطیہ مصطفیٰ ہے علی الصلوٰۃ والسلام۔ تو فرمایا کہ
مَا عِنْدَنَا إِلَّا مَا فِي الْقُرْآنِ إِنِ الْآخِرُهُمَا يُعْطَى
رَجُلٌ فِي كِتَابِهِ۔ ہمارے پاس اس قرآن کے سوا اور کچھ نہیں ہاں وہ علم و فہم ہے جو کسی کو کتاب الہی کے متعلق مطاکر دی جاتی ہے۔

اسی حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔

وَالْمَرْءُ أَدْمِنُهُ مَا يَسْتَنْبِطُ بِهِ الْمَعَانِي
وَيَذَرُكَ بِهِ الْأَشَارَاتُ وَ
الْعُلُومُ الْخَفِيَّةُ۔

اس فہم سے مراد وہ علم ہے جس سے قرآن کے معنی مستنبط
کئے جائیں اور جس سے اشارات معلوم ہوں اور چھپے
ہوئے علوم کا پتہ لگے۔

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآنی معنی میں غور کرنا اور علم و عقل سے کام لینا اس سے مسائل کا استنباط کرنا جائز ہے۔ ہر جگہ نقل کی ضرورت نہیں۔

تفسیر کے لغوی معنی ہیں ظاہر کرنا اور تاویل کے معنی
ہیں لوٹنا علم تفسیر قرآن پاک کے ان حالات کا
جاننا ہے جو اللہ کی مراد کو بتائیں ملاقات انسانی کے
مطابق پھر اسکی دو قسمیں ہیں ایک تو تفسیر اور تفسیر وہ ہے جو نقل
کے بغیر نہ معلوم ہر کے اور ایک تاویل اور تاویل وہ
ہے جس کو عربی تاویل سے معلوم کر سکیں پس تاویل

جمل حاشیہ جلالین میں ہے۔ أَصْلُ التَّفْسِيرِ
الْكَشْفُ وَأَصْلُ التَّأْوِيلِ الرَّجُوعُ وَعِلْمُ
التَّفْسِيرِ عِلْمٌ عَنْ أَحْوَالِ الْقُرْآنِ مِنْ حَيْثُ
دَلَّاهُ عَلَى مَرَادِ اللَّهِ تَعَالَى بِحَسَبِ الطَّاقَةِ
الْبَسْرِيَّةِ ثُمَّ هُوَ قِسْمَانِ تَفْسِيرٌ وَهُوَ مَا لَا
يُذَكُّكَ إِلَّا بِالنَّقْلِ كَأَسْبَابِ التَّزْوِيلِ وَتَاْوِيلٌ

هَؤُلَاءِ يَكْفُرُونَ بِالْقُرْآنِ عِدَالَهُمْ بَيْنَهُ
تَقْوَىٰ مِمَّا يَتَخَلَّوْنَ بِالْكَرَامَةِ وَالْكَرَامَةِ فِي جَوَارِ
التَّوْبِيلِ بِالْكَرَامَةِ بِشَرْطِهِ دُونَ التَّخْيِيرِ
أَنَّ التَّخْيِيرَ كَشَرَاءٍ عَلَى اللَّهِ قَطْعٌ بِاللَّهِ
عَنِ يَهْدِ اللَّفْظِ هَذَا الْمَعْنَى وَلَا يَجُوزُ إِلَّا
بِتَوْقِيفٍ وَلِذَا أَجَزَ مَا الْحَاكِمُ بِأَنَّ تَقْوَىٰ
الصَّحَابَةِ فِي حُكْمِ الْمَرْفُوعِ وَالتَّوْبِيلِ تَرْجِيحُ
لِأَحَدِ الْمُحْتَمَلَاتِ يَدُلُّ عَلَى قَطْعٍ -

کا تعلق فہم سے ہے اور تاویل کے واسطے سے جواز
ہونے میں اور تفسیر کے واسطے سے ناجائز ہونے میں
یہ ہے کہ تفسیر تو حائزے پاک پر گواہی دینا ہے اور اس
کا یقین کرنا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کلمہ کے یہ
ہی معنی مراد کیے ہیں اور یہ بغیر بتائے جواز نہیں کسی
لئے حاکم نے فیصلہ کر دیا کہ صحابہ کی تفسیر مرفوعہ حدیث
کے حکم میں ہے اور تاویل چند احتمالات میں سے بعض
کو ترجیح دے دینے کا نام ہے وہ بھی بلا یقین -

مرآۃ شرح مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں مَن قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِذَلِكَ كَمَا تَحْتَمِلُ فَرَأَتْهُ
أَيُّ تَكَلَّمَ فِي مَعْنَاهُ أَوْ فِي مَرَاتِبِهِ مِنْ تِلْكَ
نَفْسِهِ مِنْ غَيْرِ تَتَّبِعَ أَقْوَالَ الْأَيْمَنِ مِنْ
أَهْلِ اللُّغَةِ وَالْعَرَبِيَّةِ لِلْقُرْآنِ عِدَالَهُ الشَّرْعِيَّةِ
بَلْ يَحْسِبُ مَا يَفْقَهُهُ عَقْلُهُ وَهُوَ مِمَّا
يَتَوَقَّفُ عَلَى النُّقْلِ كَأَسْبَابِ النُّزُولِ وَالنَّاسِخِ
وَالْمَنْسُوخِ -

یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے معنی یا اسکی
قرأت میں اپنی طرف سے کلام کرے لغت اور زبان
جہانے والے اماموں کے قول کی تلاش نہ کرے شریعی
قاعدوں کا لحاظ نہ رکھے بلکہ اس طرح کہہ دے جسکو اسکی عقل
چاہے حالانکہ یہ معنی ایسے ہوں کہ جب کا سمجھنا نقل پر موقوف
ہو جیسے کہ شان نزول اور ناسخ و منسوخ -

ترمذی جلد دوم کتاب التفسیر کے شروع میں ہے -

وَهَكَذَا أُرِيدَ عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ
أَصْحَابِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَغَيْرِهِمْ أَنَّهُمْ
شَدَّ وَافِي هَذَا فِي أَنْ يُقَرَّرَ الْقُرْآنُ بِغَيْرِ عِلْمٍ

بعض اہل علم صحابہ کرام وغیرہ سے یہ ہی روایت ہے
کہ وہ حضرات اس میں بہت سختی کرتے تھے - کہ
قرآن کی تفسیر بغیر علم کی جائے -

اس حدیث کے حاشیہ میں مجمع البحار سے نقل فرمایا -

لَا يَجُوزُ أَنْ يُرَادَ أَنْ لَا يَتَكَلَّمَ أَحَدٌ فِي
الْقُرْآنِ إِلَّا بِمَا سَمِعَهُ فَإِنَّ الصَّعَابَةَ كُنْ
قَسْرًا وَاخْتَلَفُوا فِيهِ عَلَى وَجْهِ دَلِيلٍ

یہ تو جائز نہیں کہ اس عبارت کی یہ مراد ہو کہ کوئی بھی
قرآن میں بغیر سنے ہوئے کچھ کلام ہی نہ کرے کیونکہ صحابہ
کرام نے قرآن کی تفسیر میں سنی اور آپس میں بہت طرح

كُلُّ مَا قَالُوْهُ سَمِعُوْهُ مِنْهُ وَلَا تَنْهَ
لَا يَفِيْدُ دُعَاءُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَللّٰهُمَّ
فَقَرِّهْ فِي الدِّيْنِ وَعَلَيْهِ التَّوَكُّلُ -

ان میں اختلاف رہا اور ان کی سر بات تو سنی ہوئی تھی
نیز پھر حضور علیہ السلام کا یہ دعا فرمانا سیکار ہوگا کہ اے
اللہ! اگر وہی فقرہ دے اور ان کو تاویل سکھا دے۔

نیز حضرت امام غزالی نے احیاء العلوم باب ششم میں فصل چہارم اس مقصد کے لئے مقرر کی ہے کہ قرآن کا
سمجھنا بغیر نقل بھی جائز ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے ایک ظاہری معنی میں اور ایک باطنی علماء ظاہری
معنی کی تحقیق کرتے ہیں۔ اور صوفیائے کرام باطنی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو
سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ۷۰ اوٹ بھر دوں۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص قرآن سمجھ لیتا ہے
وہ فہمائی علوم کو بیان کر سکتا ہے۔ پھر جو حدیث میں یہ آیا کہ جو شخص اپنی رائے سے قرآن میں کہے وہ خطا کا رعبہ۔
اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ جن باتوں کا علم بغیر نقل نہیں ہو سکتا۔ ان کو رائے سے بیان کرنا حرام ہے۔ دیکھو
اس کی پوری بحث احیاء العلوم شریف کے اسی باب اسی فصل میں۔

نیز ائمہ دین کا قرآنی آیات میں بڑا اختلاف رہتا ہے ایک صاحب کسی جگہ وقف کرتے ہیں۔ تو دوسرے
اور جگہ ایک صاحب اسی ایک آیت سے ایک مسئلہ نکالتے ہیں۔ دوسرے صاحب اس کے خلاف۔ جیسے کہ
تہمت زنا لگانے والے کی گواہی متشابہات کا علم وغیرہ۔ تو اگر آپ اپنے علم سے کلام الہی میں بالکل کلام
نہیں کر سکتے ہر بات کے لئے نقل کی ضرورت ہے تو یہ اختلاف کیسا۔

۳) تحریف یہ ہے کہ قرآن کے ایسے معنی یا مطلب بیان کرے جو کہ اجماع امت یا عقیدہ اسلام یا اجماع
مفسرین کے خلاف ہو یا خود تفسیر قرآن کے خلاف ہو اور کہے کہ اس آیت کے وہ معنی نہیں ہیں بلکہ یہ معنی
ہیں۔ جو میں نے کہے یہ صریح کفر ہے جیسے کہ آیات قرآنہ اور قرأت متواترہ کا انکار کفر ہے ایسے ہی قرآن کے
متواتر معنی کا انکار کفر جیسے کہ مولوی قاسم صاحب نے خاتم النبیین کے معنی کیے۔ اصلی نبی۔ اور معنی آخری
نبی کو خیال غلام یعنی غلط کہا اور نبوت کی دو قسمیں کر ڈالیں۔ اصلی اور ماریضی۔ حالانکہ امت کا اجماع اور
احادیث کا اتفاق اس پر ہے کہ خاتم النبیین کے معنی میں آخری نبی۔ اور حضور علیہ السلام کے زمانہ میں یا
بعد کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا۔ یہ تحریف ہے۔ اسی طرح ان کلام کی جن آیتوں میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت
کی گئی ہے وہاں مفسرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد غیر خدا کو پوجنا ہے جیسے وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ
مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ خدا کے سوا ان کو نہ پوجو۔ جو نفع نقصان نہ پہنچا سکیں۔

نیز قرآن کریم خود اس کی تفسیر فرماتا ہے وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ يَحْمِلْهُ اللَّهُ مِنْهُ سَوْرَةً مَعْبُودٌ
کو چمچے

اب اس تفسیر اور اجماع مفسرین کے ہوتے ہوئے جو کہے کہ غیر اللہ کو پکارنا منع ہے۔ وہ قرآن میں
تخریف کرتا ہے اس بحث کو خوب اچھی طرح خیال میں رکھنا چاہیے بہت فائدہ مند ہے اور آئندہ کام آئیگی۔

تقلید کی بحث

تقلید کے باب میں پانچ باتیں خیال میں رہنا ضروری ہیں (۱) تقلید کے معنی اور اس کی قسمیں۔
(۲) تقلید کو کسی ضروری ہے اور کوئی منع (۳) تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں (۴) تقلید کے واجب
ہونے کے دلائل (۵) تقلید پر اعتراضات اور ان کے مکمل جوابات اس لئے اس بحث کے پانچ باب کیے جاتے ہیں

باب اول

تقلید کے معنی اور اس کے اقسام میں

تقلید کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی۔ دوسرے شرعی۔ لغوی معنی ہیں۔ قلاوہ در کردن بستن گلے میں
ہا ری ایٹ ڈالنا۔ تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے پر لازم شرعی جانتا یہ سمجھ کر کہ اس کا
کلام اور اس کا کام ہمارے لئے حجت ہے کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔ جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب
کا قول و فعل اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

حاشیہ حامی باب متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صفحہ ۶۶ پر شرح مختصر المنار سے نقل کیا اور
عبارت نور الانوار بحث تقلید میں بھی ہے۔

التَّقْلِيدُ اتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَيْرِهِ فِيمَا سَمِعَهُ يَقُولُ
أَوْ فِعْلِهِ عَلَى مَرَعٍ أَنَّهُ مُحِيقٌ بِمَا
تَقْلِيدُ كَيْفَ الْمَعْنَى فِي هَذَا
نظیر فی الدلیل۔

نیز امام غزالی کتاب المستصفیٰ جلد دوم صفحہ ۴۸ میں فرماتے ہیں التَّقْلِيدُ هُوَ قَبُولُ قَوْلِ بِلَا حُجَّةٍ۔

مسلم الثبوت میں ہے اَلْتَقْلِيدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ ترجمہ وہ ہی جو اور پر بیان ہوا اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انکا سر قول و فعل دلیل شرعی ہے تقلید میں جو تا ہے۔ دلیل شرعی کو نہ دیکھنا۔ لہذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد۔ اسی طرح صحابہ کرام و ائمہ دین حضور علیہ السلام کے امتی میں نہ کہ مقلد اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا کیونکہ کوئی بھی ان عاملوں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لیے حجت نہیں بناتا۔ بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا یہ فتویٰ غلط تھا۔ کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے خلاف قول امام ابو حنیفہ کے کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مشدہ فرمادیں تو بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہو گا یہ فرق ضرور یاد رہے۔

تقلید دو طرح کی ہے۔ تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے روزے، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل میں ائمہ دین کی اطاعت کی جاتی ہے اور تقلید غیر شرعی دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا ہے جیسے طبیب لوگ علم طب میں بوعلی سینا کی اور شاعر لوگ دانت، امیر یا مرزا غالب کی یا نحوی و صرفی لوگ سید برہ اور خلیل کی پیروی کرتے ہیں اسی طرح ہر پیشہ وراپنے پیشہ میں اس فن کے ماہرین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ تقلید دنیاوی ہے۔

صوفیائے کرام جو وظائف و اعمال میں اپنے مشائخ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ اس لئے کہ یہ شرعی مسائل حرام و حلال میں تقلید نہیں ہاں جس چیز میں تقلید ہے وہ دینی کام ہے۔

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف میں ہے تو حرام ہے اگر خلاف اسلام نہ ہو تو جائز ہے بڑھی عورتیں اپنے باپ و داداؤں کی ایجاب کی ہوئی شادی مٹی کی ان رسموں کی پابندی کریں جو خلاف شریعت ہیں تو حرام ہے اور طبیب لوگ جو طبی مسائل میں بوعلی سینا وغیرہ کی پیروی کریں جو کہ مخالف اسلام نہ ہوں تو جائز ہے اسی پہلی قسم کی حرام تقلید کے بارے میں قرآن کریم جگہ جگہ ممانعت فرماتا ہے اور ایسی تقلید کرنے والوں کی برائی فرماتا ہے۔

اور اس کا کہا نہ مانو جب کارل ہم نے اپنی ماورے غافل کر دیا

وَلَا تَطِيعُ مَنْ أَغْطَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا

وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا

مَنْ ذَاكَ جَاهِدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُقَرِّبَ لِي مَا لَيْسَ
لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

وَإِذْ أَخْبَلَهُمُ نَعْمًا لَوْ الْإِنْسَانُ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى
الرَّسُولِ قَالُوا احْشَبْنَا مَا وَعَدَنَا عَلَيْهِ
أَبَاءُنَا أَوَلَوْ كَانُوا أَبَاءَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
شَيْئًا وَلَا يَرْفَعُونَ

وَإِذْ أَخْبَلَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا
بَلَىٰ نَتَّبِعُ مَا الْفَرِيقَيْنَا عَلَيْهِ
أَبَاءُنَا

اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام جس سے
گزر گیا۔ اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک
بھڑا اس کو جس کا تجھ کو علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔

اور جب ان سے کہا جاتے کہ اگر اس طرف جواز
نے اتارا اور رسول کی طرف کہیں ہم کو وہ بہت ہے
جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ اگرچہ ان کے
باپ دادا کچھ نہ جانتے اور نہ راہ پر ہوں۔

اور جب ان سے کہا جاورے کہ اللہ کے اتارے
ہوئے پر چلو تو کہیں گے ہم تو اس پر چلیں گے جس پر
اپنے باپ دادا کو پایا۔

ان میں اور ان جیسی آیتوں میں اسی تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ دادوں
کے حرام کاموں میں کی جاورے کہ چونکہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے ہم بھی ایسا کریں گے۔ چاہے یہ کام
جہاز ہو یا ناجہاز۔ یہی شرعی تقلید اور آمد دین کی اطاعت اس سے ان آیات کو کوئی تعلق نہیں ان آیتوں
سے تقلید آمد کو شرک یا حرام کہنا محض بے دینی ہے۔ اس کا بہت خیال ہے۔

دوسرا باب

کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے کن میں نہیں

تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل میں طرح کے میں (۱) عقائد (۲) وہ احکام جو صراحتہ قرآن
یا یک یا حدیث شریف سے ثابت ہوں اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو (۳) وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے
استنباط و اجتہاد کے نکلے جائیں۔

عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ تفسیر روح البیان آخر سورہ ہود زیر آیت نَصِيْبُهُمْ غَيْرُ مَنْقُوضٍ
میں ہے وَفِي الْآيَةِ دَمُّ التَّقْلِيدِ وَهُوَ تَقْبُولُ قَوْلَ الْغَيْرِ بِلاَ كَيْلٍ وَهُوَ جَائِزٌ فِي الْفُرُوعِ وَالْعَمَلِيَّاتِ

وَلَا يَجُوزُ فِي أَصُولِ الدِّينِ وَالْإِعْتِقَادَاتِ بَلْ لَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالِاسْتِدْلَالِ اِذَا كُنِيَ سَمًّا
 پوچھے کہ توحید و رسالت وغیرہ تم نے کیسے مانی تو یہ نہ کہا جاوے گا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمانے
 سے یا کفر اکبر سے بلکہ دلائل توحید و رسالت سے کیونکہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ مقدمہ شامی بحث تقلید
 المفصول مع الافضل میں ہے :-

رَعْنِ مُعْتَقِدًا مَا أَمَى عَمَّا تَعْتَقِدُهُ مِنْ غَيْرِ
 الْمَسَائِلِ الْفُرْعَانِيَّةِ مَا يَحِبُّ اِئْتِقَادَهُ عَلَى
 كُلِّ مَكْلَفٍ يَلْزَمُ تَقْلِيدَ رَأْيِهِ وَهُوَ مَا عَلَيْهِ أَهْلُ
 السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَهُمْ أَكْثَرُ أَعْمَارِهِ وَالْمَأْتِيْدِيَّةُ
 نیز تفسیر کبیر بارہ دس زیر آیت فَاجْرُهُ حَتَّى يَمْعَمَ كَلَامَ اللَّهِ میں ہے هَذِهِ الْآيَةُ تَدُلُّ عَلَى
 أَنَّ التَّقْلِيدَ غَيْرُ كَافٍ فِي الدِّينِ وَأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالِاسْتِدْلَالِ صَرَحَ احکام میں
 بھی کسی کی تقلید جائز نہیں۔ پانچ نمازیں، نماز کی رکعتیں، تیس روزے، روزے میں کھانا پینا حرام ہونا
 یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت نص سے صراحت ہے اس لئے یہ نہ کہا جائے گا کہ نمازیں پانچ اس لئے ہیں
 یا روزے ایک ماہ کے اس لئے ہیں کہ کفر اکبر میں لکھا ہے یا امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے بلکہ اس کے لئے
 قرآن و حدیث سے دلائل دیئے جائیں گے۔

جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں۔ ان میں غیر مجتہد
 پر تقلید کرنا واجب ہے مسائل کی جو ہم نے تقسیم کر دی اور بتایا کہ کون سے مسائل تقلید یہ ہیں اور کون سے
 نہیں اس کا بہت لحاظ ہے بعض موقع پر غیر مقلد اعراض کرتے ہیں کہ مقلد کو حق نہیں ہوتا کہ دلائل سے
 مسائل نکالے پھر تم لوگ نماز روزے کے لئے قرآنی آیتیں یا احادیث کیوں پیش کرتے ہو اس کا جواب
 بھی اس امر میں آگیا کہ روزہ و نماز کی فرضیت تقلیدی مسائل سے نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مولائے احکام خبر
 وغیرہ میں تقلید نہ ہوگی۔ جیسے کہ مسئلہ کفر یزید وغیرہ۔ نیز قیاسی مسائل میں فقہا کا قرآن و حدیث سے
 دلائل پیش کرنا صرف مانے ہوئے مسائل کی تائید کے لئے ہوتا ہے وہ مسائل پہلے ہی سے قول امام
 سے مانے ہوئے ہوتے ہیں تو بلا نظر فی الدلیل کے یہ معنی نہیں کہ مقلد دلائل دیکھے ہی نہیں بلکہ یہ کہ دلائل
 سے مسائل حل نہ کرے۔

تیسرا باب

کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں

متکلف مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد۔ دوسرے غیر مجتہد۔ مجتہد وہ ہے۔ جس میں اس قدر علمی لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی اشارات درموز سمجھ سکے اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے اس سے مسائل نکال سکے۔ ناسخ و منسوخ کا پورا علم رکھنا ہو۔ علم صرف و نحو و بلاغت، وغیرہ میں اس کو پوری مہارت حاصل ہو احکام کی تمام آیتوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ ذکی اور خوش فہم ہو ویکھو تفسیر احمدیہ وغیرہ جو کہ اس درجہ پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے۔ غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لئے تقلید منع۔ مجتہد کے چھ طبقے ہیں (۱) مجتہد فی الشرع (۲) مجتہد فی المذہب (۳) مجتہد فی المسائل (۴) اصحاب الترجیح (۵) اصحاب الترجیح (۶) اصحاب التبع (۷) مقدمہ شامی بحث طبقات الفقہاء (۸) مجتہد فی الشرع وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے۔ جیسے چاروں امام ابو حنیفہ شافعی۔ مالک۔ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۲) مجتہد فی المذہب وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں اور ان اصول سے مسائل شرعیہ فرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں جیسے امام ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ اجمعین۔ کربہ قواعد میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد۔

(۳) مجتہد فی المسائل وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل فرعیہ دونوں میں مقلد ہیں۔ مگر وہ مسائل جن سے متعلق آئمہ کی تصریح نہیں ملتی۔ ان کو قرآن و حدیث وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں۔ جیسے امام طہاوی اور قاضی خان، شمس الآئمہ سمرخانی وغیرہم۔

(۴) اصحاب تخریج وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے، بل ان آئمہ میں سے کسی کے محل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں جیسے امام کرخی وغیرہ۔

(۵) اصحاب ترجیح وہ حضرات ہیں جو امام صاحب کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو قول روایت میں آئے تو ان میں

سے کس کو ترجیح دیں۔ یہ وہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو تو کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں کہ بذاتِ اولیٰ یا بذاتِ اصح و فیہ جیسے صاحب تقدیری اور صاحب بدیہ (۴) اصحاب تمیز وہ حضرات ہیں جو ظاہر مذہب اور روایات نادرہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی اور اقویٰ میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں۔ اور صحیح روایات اور معتبر قول کو لیں۔ جیسے کہ صاحب کنز اور صاحب درمختار وغیرہ۔

جن میں ان چھ وصفوں میں سے کچھ بھی نہ ہوں۔ وہ مقلد محض ہیں۔ جیسے ہم اور ہمارے زمانہ کے عام علماء کہ ان کا صرف یہ ہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتادیں۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مجتہد کو تقلید کرنا حرام ہے تو ان چھ طبقوں میں جو صاحب حسن و جرح کے مجتہد ہوں گے۔ وہ اس درجہ سے کسی کی تقلید نہ کریں گے۔ اور اس سے اوپر والے درجہ میں مقلد ہوں گے جیسے امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کہ یہ حضرات اصول اور قواعد میں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں چونکہ خود مجتہد ہیں۔ اس لئے ان میں مقلد نہیں۔

ہماری اس تقریر سے غیر مقلدوں کا یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ جب امام ابو یوسف رحمہما علیہما رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور مقلد ہیں تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ جگہ مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ تو یہ ہی کہا جاوے گا۔ کہ اصول و قواعد میں یہ حضرات مقلد ہیں۔ اس میں مخالفت نہیں کرتے اور فرعی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں یہی خود مجتہد ہیں۔ وہ کسی کے مقلد نہیں۔

یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم بہت سے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہو اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو چھوڑتے ہو پھر تم حنفی کیسے؟ جواب اگیا کہ بعض درجہ کے فقہاء اصحاب ترجیح بھی میں جو چند قولوں میں سے بعض کو ترجیح دیتے ہیں اسی لئے ہم کو ان فقہاء کا ترجیح دینا جو قول ملا اس پر فتویٰ دیا گیا یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم اپنے کو حنفی پھر کیوں کہتے ہو۔ یوسف یا محمدی یا ابن مبارک کی کہو اکیس تو بہت سی جگہ تم ان کے قول پر عمل کرتے ہو امام ابو حنیفہ کا قول چھوڑ کر۔ جواب یہ ہی ہوا کہ چونکہ ابو یوسف و محمد و ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے اصول اور قوانین پر بستے ہیں۔ لہذا ان میں سے کسی بھی قول کو لینا درحقیقت امام صاحب ہی کے قول کو لینا ہے جیسے حدیث پر عمل درحقیقت قرآن پر عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے مثلاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ کوئی حدیث صحیح ثابت

ہو جاوے تو وہ ہی میراندہ ہے۔ اب اگر کوئی محقق فی المذاہب کوئی صحیح حدیث پا کر اس پر عمل کرے تو وہ اس سے غیر مقلد نہ ہوگا۔ بلکہ حنفی ہی رہے گا۔ کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدے سے عمل کیا ہے پوری بحث دیکھو مقدمہ شامی مطلب صحیح عن الامام اذ اصتم الحدیث فہو صدقہی امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوئی ہے تو وہ میراندہ سب بنی یعنی ہر مشد اور ہر حدیث میں میں نے بہت جرح قدح اور تحقیق کی ہے تب اسے اختیار کیا چنانچہ حضرت امام کے یہاں ہر مشد کی بڑی چھان بین ہوتی تھی۔ مجتہد شاگردوں سے نہایت تحقیقی گفتگو کے بعد اختیار فرمایا جاتا تھا۔

اگر یہ مختصر سی تقریر خیال میں رکھی گئی تو بہت مشکوکوں کو انشاء اللہ حل کر دے گی اور بہت کام آویگا بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ ہم میں اجتہاد کرنے کی قوت ہے لہذا ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ اس کے لیے بہت طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اجتہاد کے لیے کس قدر علم کی ضرورت ہے اور ان حضرات کو وہ قوت علمی حاصل ہے یا نہیں۔

حضرت امام رازی، امام غزالی وغیرہ امام ترمذی و امام ابو داؤد وغیرہ حضور غوث پاک حضرت بابائے اسیطامی۔ شاہ بہاول الحق نقشبند اسلام میں ایسے پایہ کے علماء اور مشائخ گزرے کہ ان پر اہل اسلام حقیقتاً بھی فخر کریں کم ہے۔ مگر ان حضرات میں سے کوئی صاحب بھی مجتہد نہ ہوئے بلکہ سب مقلد ہی ہوئے خواہ امام شافعی کے مقلد ہوں۔ یا امام ابو حنیفہ کے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ زمانہ موجودہ میں کون ان کی قابلیت کا ہے جب ان کا علم مجتہدینے کیلئے کافی نہ ہوا۔ تو جن بے چاروں کو ابھی حدیث کی کتابوں کے نام لینا بھی نہ آتے ہوں وہ کس شمار میں ہیں۔

ایک صاحب نے دعویٰ اجتہاد کیا تھا میں نے اُن سے صرف اتنا پوچھا کہ سورۃ تکوین سے کس قدر مسائل آپ نکال سکتے ہیں اور اس میں حقیقت، مجاز، صریح و کنایہ ظاہر و باطن کتنے ہیں۔ ان بے چارے نے ان چیزوں کے نام بھی نہ سنے تھے۔

چوتھا باب

تقلید واجب ہونے کے دلائل میں

اس باب میں ہم دو فصلیں لکھتے ہیں۔ پہلی فصل میں تو مطلقاً تقلید کے دلائل ہیں۔ دوسری میں تقلید شخصی کے دلائل۔

فصل اول۔ تقلید کا واجب ہونا قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور ائمتہ اور اقوال مفسرین سے ثابت ہے۔ تقلید مطلقاً بھی اور تقلید مجتہدین بھی ہر ایک تقلید کا ثبوت ہے۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔
ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا۔ (سورہ فاتحہ)

اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں اور تمام مفسرین محدثین فقہاء، اولیاء اللہ، غوث و قطب و ابدال اللہ کے نیک بندے ہیں وہ سب ہی مقلد گوڑے لہذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا۔ کوئی محدث و مفسر ولی غیر مقلد نہ گزارا۔ غیر مقلد وہ ہے جو مجتہد نہ ہو۔ پھر تقلید نہ کرے۔ جو مجتہد ہو کہ تقلید نہ کرے۔ وہ غیر مقلد نہیں۔ کیونکہ مجتہد کو تقلید کرنا منع ہے۔

(۲) لَا يَكُفِّرُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا دَسَّهَا سِرَّةً بَقَرَةٍ۔
اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاعت بھی اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاعت سے زیادہ کام کی خدا تعالیٰ کو تکلیف نہیں دیتا۔ تو جو شخص اجتہاد نہ کر سکے اور قرآن سے مسائل نہ نکال سکے۔ اس سے تقلید نہ کرانا اور اس سے استنباط کرنا طاعت سے زیادہ بوجھ ڈالنا ہے جب غریب آدمی پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں تو بے علم پر مسائل کا استنباط کرنا کیونکر ضروری ہوگا۔

(۳) وَالسَّائِقُونَ إِلَّا دَلُّوا مِنْ الْمُهَاجِرِينَ
وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُمْ۔
اور سب میں اگلے پھلے مہاجر و انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

معلوم ہوا کہ اللہ ان سے راضی ہے جو مہاجرین اور انصار کی اتباع یعنی تقلید کرتے ہیں۔ یہ بھی تقلید ہوتی۔

۴۴) أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ دَاوُدِیْ | اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور
الْأَمْرَ مِنْكُمْ۔ | حکم والوں کی جو تم میں سے ہوں۔

اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اللہ کی (قرآن، رسول علیہ السلام کی (حدیث) اور والوں کی (فقہ و استنباط کے علماء، مگر کلمہ اطیعوا اور جبکہ لایا گیا۔ اللہ کے لئے ایک اور رسول علیہ السلام اور حکم والوں کے لئے ایک۔ کیونکہ اللہ کی صرف اس کے فرمانے میں ہی اطاعت کی جائے گی نہ کہ اس کے فعل میں اور نہ اس کے سکوت میں۔ وہ کفار کو روزی دیتا ہے کبھی ان کو ظاہری فتح دیتا ہے وہ کفر کرتے ہیں مگر ان کو فرار عذاب نہیں بھیجتا۔ ہم اس میں رب تعالیٰ کی پیروی نہیں کر سکتے کہ کفار کی امداد کریں مغلط نبی علیہ السلام دامام مجتہد کے کہ ان کا حکم ان کا سرکام اور ان کا کسی کو کچھ کام کرتے ہوئے دیکھ کر غامض ہونا۔ عینوں چیزوں میں پیروی کی جاوے گی۔ اس فرق کی وجہ سے وہ جبکہ أَطِيعُوا بولا اگر کوئی کہے کہ امر والوں سے مراد سلطان اسلامی ہے تو سلطان اسلامی کی اطاعت شرعی احکام میں کی جاوے گی نہ کہ خلاف شرع چیزوں میں اور سلطان وہ شرعی احکام علماء مجتہدین ہی سے معلوم کرے گا حکم تو سب میں تقیہ کا ہوتا ہے۔ اسلامی سلطان محض اس کا جاری کرنے والا ہوتا ہے۔ تمام رعایا کا حاکم بادشاہ اور بادشاہ کا حاکم۔ عالم مجتہدین یا نتیجہ وہ بنی نکلا کہ اولی الامر علمائے مجتہدین ہی ہوتے اور اگر بادشاہ اسلامی بھی مراد ہو جب بھی تقلید تو ثابت ہو ہی گئی۔ عالم کی نہ ہوئی بادشاہ کی ہوئی۔ یہ بھی خیال رہے کہ آیت میں اطاعت سے مراد شرعی اطاعت ہے۔

ایک نکتہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ احکام تین طرح کے ہیں۔ ملاحظہ قرآن سے ثابت جیسے کہ جس عورت غیر حاملہ کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے ان کے لئے حکم مَرُوا أَطِيعُوا اللہ دو مرتبے وہ جو صراحتہ حدیث سے ثابت ہیں۔ جیسے کہ چاندی سونے کا زیور مرد کو پہننا حرام ہے اس کے لئے فرمایا گیا وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ تیسرے وہ جو نہ تو صراحتہ قرآن سے ثابت ہیں نہ حدیث سے جیسے کہ چادر منسو کی حرمت قطعی ہے۔ اس کے لئے فرمایا گیا أَدْنَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ تین طرح کے احکام اور تین حکم۔

۵۵) فَاسْتَلْزِمُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ | تو اسے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں۔
اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص جس مسئلہ کو نہ جانتا مہربہ وہ اہل علم سے دریافت کرے۔ وہ

اجتہادی مسائل جن کے نکالنے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ مجتہدین سے دریافت کیئے جائیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تاریخی واقعات ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی آیت سے ثابت ہے لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اس آیت کے کلمات مطلق بغیر قید کے ہیں اور پوچھنے کی وجہ ہے نہ جاننا تو جس چیز کو ہم نہ جانتے ہوں اس کا پوچھنا لازم ہے۔

(۷) دَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ اَلَيْسَ

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کی اتباع (تقلید) ضروری ہے۔ یہ حکم بھی عام ہے کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں۔

(۸) وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَشْرَاجِنَا ذُرِّيًّا قَرَّةً وَأَعِيْنَ دَاجِلُنَا لَمْ يُتَّقِئْنَ اِمَامًا۔

اور وہ جو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں میں ٹھنڈک اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

فَتَقْتَدِيْ بِاَلْمُتَّقِيْنَ دِيْقَتَدِيْ بِنَا اَلْمُتَّقُوْنَ۔

ہم پرہیزگاروں کی پیروی کریں اور پرہیزگار ہماری پیروی کریں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی پیروی اور ان کی تقلید ضروری ہے۔

(۹) فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ كَآفَّةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔

تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنا میں اس امید پر کہ وہ بھیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص پر مجتہد بننا ضروری نہیں۔ بلکہ بعض توفیقہ بین اور بعض دوسروں کی تقلید کریں۔

(۱۰) وَلَوْ رُدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَالْاُولٰٓئِ الْاَوَّلِيْنَ مِنْهُمْ لَعَلَّمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنِيْطُوْنَهُ مِنْهُمْ۔

اور اگر اس میں رسول اور امراء کے لوگوں کی طرف رجوع کرنے کو توفیق دیا جائے اس کی حقیقت جان لیتے وہ جو استنباط کرتے ہیں۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ احادیث اور اخبار اور قرآنی آیات کو پہلے استنباط کرنے والے علماء

کے سامنے پیش کرے۔ پھر جس طرح وہ فرمادیں اس پر عمل کرے۔ خبر سے بڑھ کر قرآن و حدیث ہے لہذا اس کا مجتہد پر پیش کرنا ضروری ہے۔

(۱۰) يَوْمَ نَدْعُوهُ اَنْ اُنَاثِبَ بِاَمَامِهِمْ | جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائیگے۔
اس کی تفسیر تفسیر روح البیان میں اس طرح ہے۔

اَزْمَقَدَّيْمٍ فِي الدِّيْنِ قِيْعَالُ يَا حَنْفِيؑ | یا امام دینی پیشوا ہے۔ پس قیامت میں کہا جاوے گا کہ اے حنفی اے شافعی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلا یا جاوے گا۔ یوں کہا جاوے گا کہ اے حنفی اے شافعی اے مالکیو چلو! تو جس نے امام ہی نہ پکڑا۔ اس کو کس کے ساتھ بلا یا جائے گا۔ اس کے بارے میں صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی امام نہیں۔ اس کا امام شیطان ہے۔

(۱۱) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَلَا نُوْمِرُ بِمَا اٰمَنَ الشُّفْعَاءُ | یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسا ایمان لاؤ جیسا کہ مخلص مومن ایمان لاتے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا یہ بے وقوف ایمان لاتے۔

معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہ ہی معتبر ہے جو صالحین کا سامنہ۔ تو مذہب بھی وہ ہی ٹھیک ہے جو نیک بندوں کی طرح ہوا وہ تقلید ہے۔

اقوال مفسرین محدثین

دارمی باب الافتخار بالعلماء میں ہے۔ اَخْبَرَنَا يَحْيٰى قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَطِيَّوَةَ اَطْبَعُوْا اللّٰهَ وَاَطْبَعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلٰى الْاَمْرِ مِنْكُمْ قَالُوْا اُوْلُوْا اَلْعِلْمِ دَالْفِقْهِ۔

تفسیر خازن زیر آیت۔

فَاَسْأَلُوْا اَهْلَ الزِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

خبر دی ہم کو یحییٰ نے انہوں نے کہا کہ عجب سے کہا عبد اللہ نے انہوں نے عطا سے روایت کی کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے اہل علم کی۔ فرمایا عطا نے کہ اولوالعلم اور فقہ و ائمہ حضرت تیرے

پس پوچھو تم ذکر والوں سے اگر تم نہیں جانتے

فَاسْأَلُوا الْهُمَمِينَ الْعُلَمَاءَ مِنْ أَهْلِ الْقُرْآنِ - تم ان مومنین سے پوچھو جو قرآن کریم کے علماء ہیں۔
تفسیر منثور میں اسی آیت فَاَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ کی تفسیر میں ہے۔

أَخْرَجَ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الرِّجْلَ يَصِلُ وَيَصُومُ وَيَعْبُدُ وَيَعْرِضُ وَ إِنَّهُ لَمَنَاقِقُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ بِمَاذَا دَخَلَ عَلَيْهِ الْيَتَاقُ قَالَ لِيُطْعِمَهُ عَلَى إِمَامِهِ وَإِمَامُهُ مَنْ قَالَ قَالَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ فَاَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔
تفسیر صادی سورہ کہف وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ کی تفسیر میں ہے۔

وَلَا يَجُوزُ تَقْلِيدُ مَا عَدَا الْمَذَاهِبَ الْأَرْبَعَةَ وَلَوْ وَافَقَ قَوْلُ الصَّحَابَةِ وَالْحَدِيثُ الصَّحِيحُ وَالْأُتَمُّ فَالْخَارِجُ مِنَ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ ضَالٌّ مُضِلٌّ وَرُبَّمَا آذَاهُ ذَلِكَ لِكَيْفَ لَمْ يَأْتِ أَخْذُ بَطْوَاهِ الْكِتَابِ وَالشَّعْءُ مِنْ أَهْوَالِ الْكُفْرِ۔
یعنی چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ صحابہ کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو۔ جو ان چار مذہبوں سے خارج ہے وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ کیوں کہ حدیث و قرآن کے محض ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے۔

احادیث - مسلم جلد اول صفحہ ۵۵ باب بیان انَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ میں ہے۔

عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْدِّينُ النَّصِيحَةُ ثَلَاثًا لِمَنْ قَالَ لِلَّهِ وَكَتَابِهِ وَرَسُولِهِ وَلَا يَمُوتُ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ۔
تیمم داری سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دین خیر خواہی ہے ہم نے عرض کیا کس کی؟ فرمایا اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی۔ اور مسلمانوں کے امام کی اور عام مومنین کی۔

اس حدیث کی شرح نووی میں ہے۔
وَقَدْ يَتَنَاولُ ذَلِكَ عَلَى الْأَيْمَةِ الَّذِينَ

یہ حدیث ان اماموں کو بھی شامل ہے جو علمائے دین

ہیں اور علماء کی خیر خواہی سے ہے ان کی روایت کی ہوئی احادیث کا قبول کرنا اور ان کے احکام میں تقلید کرنا اور ان کے ساتھ نیک گمان کرنا۔

هُمْ عَلَمَاءُ الْإِسْلَامِ وَإِنْ مِنْ تَبِيعَتِهِمْ قَبُولُ مَا سَمِعُوا مِنْهُمْ فِي الْأَحْكَامِ وَإِحْسَانُ الْقَلْبِ بِهِمْ

دوسری فصل تقلید شخصی کے بیان میں

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ میں بجالا مسلم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

جو تمہارے پاس آوے حالانکہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو رہو چاہتا ہو کہ تمہاری لاعلمی توڑ دے اور تمہاری جماعت کو متفرق کر دے تو اس کو قتل کر دو۔

مَنْ آتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ وَيَفْرَقَ بَيْنَ جَمَاعَتِكُمْ فَأَقْتُلُوهُ

اس میں مراد امام اور علماء دین ہی ہیں۔ کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جائز نہیں ہے۔

مسلم نے کتاب الامارۃ میں ایک باب باندھا بَابُ دُجُوبِ طَاعَةِ الْأَمْرَاءِ فِي غَيْرِ مَعْصِيَةٍ یعنی امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی کی اطاعت ضروری ہے۔ مشکوٰۃ شریف کتاب البیوع باب الفرائض میں بروایت بخاری ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت ابن مسعود کے بارے میں فرمایا لَا تَسْأَلُونِي مَاذَا أَمَرَ هَذَا الْخَبْرُ فَبَيْنَكُمْ جَبْ تَنْكِ كَرِيهَ عِلَامَ تَم میں رہیں۔ مجھ سے مسائل نہ پوچھو۔ معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اطاعت نہ کرے اور ہر مقلد کی نظر میں اپنا امام افضل ہوتا ہے۔

فتح القدیر میں ہے۔ مَنْ تَوَلَّى أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا لَا يَعْلَمُ أَنَّ فِيهِمْ مَنْ هُوَ أَدْنَىٰ بِدَالِكَ وَأَعْلَمُ مِنْهُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَجَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ۔

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل اول میں ہے۔

جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا مالک ہو پھر ان پر کسی کو حاکم بنائے حالانکہ جانتا ہو کہ مسلمانوں میں اس سے زیادہ مستحق اور قرآن و حدیث کا جاننے والا ہے تو اس نے اللہ و رسول علیہ السلام اور عام مسلمانوں کی خیانت کی۔

جو مر جائے حالانکہ اس کے گلے میں کسی کی بیعت نہ ہو۔ وہ جہالت کی موت مرا۔

مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔

اس میں امام کی بیعت یعنی تقلید اور بیعت اولیاء سب ہی داخل ہیں ورنہ بتاؤ فی زمانہ ہندوستانی وہابی کس سلطان کی بیعت میں ہیں۔

یہ تو چند آیات و احادیث تھیں۔ اس کے علاوہ اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر قیامت لگئی۔ اب امت کا عمل دیکھو۔ تو تبع تابعین کے زمانہ سے اب تک ساری امت موجود اس ہی تقلید کی حامل ہے کہ جو خود مجتہد نہ ہو۔ وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے اور اجماع امت پر عمل کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ضروری ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

اور جو رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راستہ چلے ہم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں گے اور اسکو دوزخ میں داخل کریں گے۔ اور کیا ہی بڑی جگہ بیٹھنے کی ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ فَاُولَٰئِكَ مَاتُوا وَلَهُمْ جَهَنَّمُ ذُرًىٰ مَصِيئًا۔

جس سے معلوم ہوا کہ جو راستہ عام مسلمانوں کا ہو اس کو اختیار کرنا فرض ہے اور تقلید پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنت میں ہے۔

بڑے گروہ کی پیروی کر دیکو نیز جو جماعت مسلمین سے علیحدہ راہ دہ علیحدہ کر کے جہنم میں بھیجا جائیگا۔ جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ شَرِّ شَرِّ فِي الدُّنْيَا۔

نیز حدیث میں ہے۔ مَا سَرَّكَ الْإِسْلَامُ مِنْ حَسَنَاتِهِ حَسَنَاتُهُ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج بھی اور اس سے پہلے بھی عام مسلمان تقلید شخصی ہی کو اچھا جانتے آئے اور مقلد ہی ہوئے آج بھی عرب و عجم میں مسلمان تقلید شخصی ہی کرتے ہیں اور جو غیر مقلد ہو وہ اجماع کا منکر ہو اگر اجماع کا اعتبار نہ کر دو خلافت صدیقی و فاروقی کس طرح ثابت کر دے وہ بھی تو اجماع امت سے ہی ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ جو شخص ان دونوں خلافتوں میں سے کسی کا بھی انکار کرے کانفر ہے دیکھو شامی وغیرہ اسی

طرح تقلید پر بھی اجماع ہوا۔

تفسیر خازن زیر آیت دُکُونُوا صِحَّ الصَّادِقِينَ ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار سے فرمایا کہ قرآن شریف نے مہاجرین کو ساداتین کہا اُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ اور پھر فرمایا دُکُونُوا صِحَّ الصَّادِقِينَ سچوں کے ساتھ رہو۔ لہذا تم بھی علیحدہ خلافت نہ قائم کرو۔ ہمارے ساتھ رہو ایسے ہی میں غیر مقلدوں سے کہتا ہوں کہ سچوں نے تقلید کی ہے تم بھی ان کے ساتھ رہو۔ مقلد بنو۔

عقلی دلیل :- دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کر سکتا۔ ہر مہر اور علم کے قواعد سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ دین کا معاملہ تو دنیا سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوگی۔ علم حدیث میں بھی تقلید ہے کہ فلاں حدیث اس لئے ضعیف ہے کہ بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔ اس کا قول ماننا یہی تو تقلید ہے۔ قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے کہ فلاں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے قرآن کے اعراب آیات سب ہی تقلید ہی تو ہے نمازیں جب جماعت ہوتی ہے تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں حکومت اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ریل میں بیٹھتے ہیں تو ایک انجن کی ساری میل والے تقلید کرتے ہیں۔ نفسیکہ انسان ہر کام میں مقلد ہے اور خیال رہے کہ ان سب صورتوں میں تقلید شخصی ہے۔ نماز کے امام دو نہیں۔ بادشاہ اسلام دو نہیں۔ تو شریعت کے امام ایک شخص دو کس طرح مقرر کر سکتا ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب آداب السفر میں ہے۔

إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ | جبکہ تین آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں

پانچواں باب

تقلید پر اعتراضات اور جوابات کے بیان میں

مسئلہ تقلید پر مخالفین کے اعتراضات دو طرح کے ہیں۔ ایک داحیات طعنہ اور تمسخران کے

جوابات ضروری نہیں۔ دوسرے وہ جن سے مقلدین کو غیر مقلد دھوکا دیتے ہیں۔ اور عام مقلدین

وہو کا کھالیتے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں:-

سوال :- (۱۱) اگر تقلید ضروری تھی تو صحابہ کرام کسی کے مقلد کیوں نہ ہوئے ؟
جواب :- صحابہ کرام کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو حضور علیہ السلام کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں کہ آمد دین امام ابو حنیفہ و شافعی و غیرہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کی پیروی کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

أَصْحَابِي كَالْجَوْمِ بِأَتِهِمْ أَتَدَّ يَتَمُّ | میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جن کی پیروی کرو گے ہدایت پالو گے۔
 اِهْتَدَيْتُمْ۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ ۲ | تم لازم کمزور میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو یہ سوال تو ایسا ہے۔ جیسے کوئی کہے ہم کسی کے امتی نہیں۔ کیونکہ ہمارے بنی علیہ السلام کسی کے امتی نہ تھے تو امتی نہ ہونا سنت رسول اللہ ہے۔ اس سے یہ ہی کہا جاوے گا کہ حضور علیہ السلام تو خود نبی ہیں سب آپ کی امت ہیں وہ کس کے امتی ہوتے۔ ہم کو امتی ہونا ضروری ہے ایسے ہی صحابہ کرام تمام کے امام ہیں۔ ان کا کون مسلمان امام ہوتا۔

نہر سے پانی اس کھیت کو دیا جاوے گا جو دریا سے دور ہو۔ بکترین کی آواز پر وہ ہی نماز پڑھیکا جو امام سے دور ہو لب دریا کے کھیتوں کو نہر کی ضرورت نہیں۔ صنف اول کے مقتدیوں کو بکترین کی ضرورت نہیں صحابہ کرام صنف اول کے مقتدی ہیں۔ وہ بلاد وسط سینہ پاک مصطفیٰ علیہ السلام سے فیض لینے والے ہیں ہم چونکہ اس بحر سے دور ہیں لہذا کسی نہر کے حاجت مند ہیں۔ پھر سمندر سے ہزار ہا دریا جاری ہوتے ہیں۔ جن سب میں پانی تو سمندر ہی کا ہے مگر ان سب کے نام اور راستے جہاں کوئی لنگا کہلاتا ہے کوئی جہاں ایسے ہی حضور علیہ السلام۔ آب رحمت کے سمندر ہیں۔ اس سینہ میں سے جو نہر امام ابو حنیفہ کے سینہ سے ہوتی ہوئی آئی اسے حنفی کہا گیا جو امام مالک کے سینہ سے آئی وہ مذہب مالکی کہلایا۔ پانی سب کا ایک ہے مگر ان جہاں گاہ اور ان نہروں کی سمیں ضرورت پڑی نہ کہ صحابہ کرام کو جیسے حدیث کی اسناد ہمارے لینے ہے صحابہ کرام کیلئے نہیں۔

سوال (۱۲) رہبری کے لئے قرآن و حدیث کافی ہیں! میں کیا نہیں جو کفر سے حاصل کریں قرآن فرماتا :-
 وَلَا تَطِيعُوا الْإِنْسَانَ الْإِنْفِي كِتَابِ مبینہ | اور نہ ہے کوئی تر در خشک چیر جو ایک روشن کتاب میں بھی نہ ہو

اور بیشک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لیے آسان فرما دیا تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب سے آسان قرآن سب کے لیے آسان بھی ہے پھر کس لیے مجتہد کے پاس جاویں۔

جواب ۱۔ قرآن وحدیث بیشک رامہیری کے لیے کافی ہیں۔ اور ان میں سب کچھ ہے۔ مگر ان سے مسائل نکالنے کی قابلیت ہونا چاہیے۔ سمندر میں موتی ہیں۔ مگر ان کو نکالنے کیلئے غوطہ خور کی ضرورت ہے۔ آئمہ دین اس سمندر کے غوطہ زن ہیں۔ طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے۔ مگر ہم کو حکیم کے پاس جانا اور اس سے نسخہ تجویز کرانا ضروری ہے۔ آئمہ دین طبیب ہیں وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ ان میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان کیا ہے۔ نہ کہ اس سے مسائل استنباط کرنے کیلئے۔ اگر مسائل نکالنا آسان ہیں تو پھر حدیث کی بھی کیا ضرورت ہے قرآن میں سب کچھ ہے اور قرآن آسان ہے نیز پھر قرآن سکھانے کے لیے نبی کیوں آئے۔ قرآن میں ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ط اور وہ نبی ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ قرآن وحدیث روحانی دوا ہیں۔ امام روحانی طبیب

سوال ۲۰۔ قرآن کریم نے تقلید کرنے والوں کی برائیاں فرمائی ہیں۔ فرماتا ہے۔

اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ

انہوں نے اپنے پاروں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ

اور یہ کہ یہ ہی میرا سیدھا راستہ ہے تو اس پر چلو اور راہیں نہ چلو کہ تم کو اس کی راہ سے جدا کر دیں گی۔

وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَقَرَّبَ إِلَى بَكْمٍ

تو کہیں بلکہ ہم تو اس چلیں گے جس پر اپنے باپ ڈاکو پایا

قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا

ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ و رسول کے حکم کے سامنے امام کی بات ماننا طریقہ کفار ہے اور سیدھا راستا ایک ہی ہے چار راستہ حنفی، شافعی وغیرہ ٹیڑھے راستہ ہیں وغیرہ۔

جواب ۲۔ جن تقلید کی قرآن کریم نے بُرائی فرمائی ہے۔ اس کو ہم پہلے باب میں بیان کر چکے ہیں۔

وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فِي يَهُودِيَّتٍ يَانَصْرَانِيَّةٍ وَغَيْرِهِ خِلَافِ اسْلَامِ رَاسْتِے مراد میں حنفی شافعی وغیرہ چند راستے نہیں۔ بلکہ ایک شکیں کی چار سرکیں یا ایک دریا کی چار نہریں ہیں۔ ورنہ پھر تو غیر مقلدین کی جماعتیں ثنائی اور غزنوی کا کیا حکم ہے۔ چند راستے ہوتے ہیں۔ عقائد بدلنے سے چاروں مذہب کے عقائد یکساں ہیں صرف اعمال میں فزوی اختلاف ہے جیسا کہ خود صحابہ کرام میں اختلاف رہا۔

سوال (۴) ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار مت مان کسی کا قول و کردار

دین حق را چار مذہب ساختند فتنہ در دین نبی انداختند !

جواب :- یہ شعر اصل میں چار الویوں کا ہے ۔

ہوتے ہوئے کبریا کی گفتار مت مان نبی کا قول و کردار

دوسرا شعر بھی اس طرح ہے ۔

مسجد و دشت علیحدہ ساختند فتنہ در دین نبی انداختند

چار مذہب کا جواب ہم نے اپنے دیوان میں دو شعروں میں اس طرح دیا ہے ۔

چار در سل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں

آتش رآب خاک بیا دسب کا انبی سے ہے ثبات چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

چار کا عدد تو خدا کو بڑا ہی پیارا ہے۔ کتاب میں بھی چار بھیجیں۔ اور دین بھی چار ہی بنائے انسان کا

خمیر بھی چار ہی چیزوں سے کیا وغیرہ۔ جب مقصود کے چاروں راستے گھر گئے تو چہرہ دہان پہنچانا ناممکن کیونکہ

راستے چار ہی ہو سکتے ہیں۔ عمارت کعبہ کے ارد گرد چار طرف نماز ہوتی ہے۔ مگر رخ سب کا کعبہ کو ایسے ہی حفظ

علیہ السلام تو کعبہ ایمان میں۔ چاروں مذہبوں نے چاروں راستے گھیر لیے۔ وہاں کسی راستے سے وہاں پہنچینگے؟

کسی نے کیا خوب کہا ۔

مذہب چار چوں چہار راہ اند بہر منت جو جاہ و میثاق

خود کے مینی از چہار طرف کعبہ را چوں تو سجدہ بنیاتی

جس طرح قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے اسی طرح حدیث کے ہوتے ہوئے

فقہ کی ضرورت ہے فقہ قرآن و حدیث کی تفسیر ہے اور جو حکم کہ ہم کو یہ حدیث میں ملے نہ قرآن میں اس کو

فقہ ہی بیان فرماتا ہے ۔

سوال ۱۵: تقلید میں غیر خدا کو اپنا حکم بنانا جہاد پر شرک ہے لہذا تقلید شخصی شرک ہے ب
تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰہِ | نہیں ہے حکم مگر اللہ کا

جواب: اگر غیر خدا کو حکم یا بیچ بنانا شرک ہے۔ تو حدیث ماننا بھی شرک ہو نیز سارے محدثین
مفسرین شرک ہو گئے کیونکہ ترمذی ابو داؤد و مسلم وغیرہ حضرات تو مقلد ہیں۔ اور امام بخاری وغیرہ مقلدوں
کے شاگرد و کچھ عینی شرح بخاری۔ ہم نے دیوان سالک میں اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ
جو تیری تقلید شرک ہوتی محدثین سالک ہوتے شرک بخاری و مسلم ابن ماجہ امام اعظم ابو حنیفہ!
کہ جتنے فقہا محدثین میں تمہارے دشمن دشمن ہیں ہوں واسطے سے کہ بے وسیلہ امام اعظم ابو حنیفہ!

جس روایت میں ایک فاسق راوی آجائے۔ وہ روایت ضعیف یا مضعوف ہے تو جس روایت میں
کوئی مقلد آجائے تو مشرک کیا لہذا وہ بھی باطل۔ پھر ترمذی و ابو داؤد و خود مقلد میں شرک ہو گئے
ان کی روایات ختم ہوئیں بخاری وغیرہ پہلے ہی ختم ہو چکی کہ وہ مشرکوں کے شاگرد ہیں اب حدیث کہاں
سے لاؤ گے۔ قرآن پاک فرماتا ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَانْعَشُوا
حَاكِمًا مِّنْ اٰہِلِهٖ وَحَكَمًا
مِّنْ اٰہِلِہَا۔

اور اگر تم کو میان بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو
ایک حکم مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک بیچ
عورت والوں کی طرف سے بھیجو۔

حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما نے جنگ صفین میں حکم بنایا۔ خود حضور علیہ السلام نے بنی
قرظہ کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بنایا۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی
حکم خدائے پاک ہی کا ہے اور جو اس کے سوا کے احکام میں۔ علماء فقہاء اور مشائخ کے اسی طرح احکام حدیث
یہ تمام بالواسطہ خدائے تعالیٰ ہی کے حکم ہیں۔ اگر یہ معنی ہوں کہ کسی کا حکم سوائے خدا کے ماننا شرک ہے تو
آج تمام دنیا حج کا فیصلہ کچھ یوں کے مقدمات کو مانتی ہے۔ سب ہی مشرک ہو گئے۔

سوال ۱۶: قیاس مجتہدن ہے اور ظن کرنا گناہ ہے۔ قرآن میں اس سے ممانعت ہے۔ قرآن فرماتا ہے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا
كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ
اِثْمٌ ۚ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ

اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی
گمان گناہ ہو جاتا ہے اور عیب ڈھونڈو اور ایک
دوسرے کی غیبت نہ کرو لہذا دین میں صرف کتاب و

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

سنت پر عمل چاہیے

اصل دین آمد کتاب اللہ مقدم داشتن
 پس حدیث مصطفیٰ از جان مسلم داشتن
 جواب۔ اس کا جواب خاتمہ میں آدیکا کہ قیاس کے کہتے ہیں اور اس کے احکام کیا ہیں۔

سوال (۷) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جو حدیث صحیح ثابت ہو جاوے۔ وہ ہی میرا مذہب ہے
 لہذا ہم نے ان کے قول حدیث کے خلاف پا کر چھوڑ دیئے انشاء اللہ غیر متقدموں کو اس سے زیادہ دلائل نہ
 ملیں گے ان ہی کو بنا بگاڑ کر یا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

جواب۔ بیشک امام صاحب کا یہ حکم ہے کہ اگر میرا قول کسی حدیث کے مقابل واقعہ ہو جائے
 تو حدیث پر عمل کرنا میرے مذہب پر عمل کرنا ہے۔ یہ تو امام صاحب کا انتہائی تقویٰ ہے اور واقعہ
 بھی یہ ہے کہ قیاس مجتہدوں میں ہوتا ہے جہاں نص موجود نہ ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس زمانہ میں
 دنیا میں ایسا کون محدث ہے جو احادیث کا اس قدر علم رکھتا ہو کہ تمام احادیث پھر اس کی تمام اشاروں
 پر اطلاع رکھتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ امام صاحب نے یہ حکم کس حدیث سے لیا ہے۔ ہم لوگوں کی نظر
 مصالح سے آگے نہیں ہوتی پھر کس طرح فیصلہ کر سکتے ہیں کہ امام کا یہ فرمان کسی حدیث سے ماخوذ نہیں
 یوں تو حدیث میں بھی آتا ہے (مقدمہ فقیر احمدیہ صفحہ ۴۷)

إِذَا بَلَغَ لَكُمْ مِثْرِي حَدِيثٌ فَأَخْرَجْتُمُوهُ عَلَى كِتَابِ
 اللَّهِ فَإِنْ وَافَقَهُ فَأَقْبَلُوهُ وَإِلَّا فَارْجُوهُ

جب تم کو میری کوئی حدیث پہنچے تو اس کو کتاب اللہ
 پیش کرو اگر اس کے موافق ہو تو قبول کرو ورنہ رد کرو۔

تو اگر کوئی چکاڑا لوی کہے کہ بہت احادیث چونکہ خلاف قرآن ہیں اس لئے ہم حدیث کو چھوڑتے ہیں
 قرآن میں ہے کہ میراث تقسیم کو حدیث میں ہے کہ بنی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ جس طرح یہ کلام وارد
 ہے تمہارا قول بھی رد ہے۔

سوال (۸) امام اعظم کو حدیث نہیں آتی تھی۔ اس لئے ان کی روایات بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ سب
 جواب۔ امام اعظم بہت بڑے محدث تھے۔ بغیر حدیث والی اس قدر مسائل کیلئے استنباط ہو سکتے
 تھے ان کی کتاب میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی کتاب میں امام محمد سے ان کی حدیث والی معلوم ہوتی ہے
 حضرت صدیق اکبرؓ کی روایات بہت کم ملتی ہیں تو کیا وہ محدث نہ تھے کمی روایت استنباط کی وجہ سے ہے۔
 امام صاحب کی تمام روایات صحیح ہیں کیونکہ ان کا زمانہ حضور سے بہت قریب ہے بعد میں بعض روایات

میں ضعف پیدا ہوا بعد کا ضعف حضرت امام کو مضر نہیں جس قدر اساد بھی ضعف بھی پیدا ہوا۔

لطیفہ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ چاروں مذہب حق ہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے حق تو صرف ایک ہی ہوگا۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ واجب ہے تو یا تو واجب ہوگی یا مکروہ۔ دونوں مسئلے صحیح کس طرح ہو سکتے ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ حق کے معنی یہاں صحیح یا واقعہ کے موافق نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ چاروں مذاہب میں سے کسی کی پیروی کر لو خدا کے یہاں کچھ نہ ہوگی۔ کیونکہ مجتہد کی خطا بھی معاف ہے۔ امیر معاویہ اور مولیٰ علی اسی طرح عائشہ صدیقہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین میں جنگ بھی ہوئی۔ اور حق پر ایک ہی صاحب تھے مگر دونوں کو حق پر کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی کی کلمہ عند اللہ نہیں ہوگی جنگل میں ایک شخص کو خبر نہیں کہ قبلہ کدھر ہے۔ اس نے اپنی رائے سے چار رکعت چار طرف پڑھیں کیونکہ رائے بدلتی رہتی یہ بھی منہ پھیرنا۔ قبلہ تو ایک ہی طرف تھا مگر نماز صحیح ہو گئی چاروں قبلہ درست ہیں۔ بلکہ مجتہد خطا بھی کرے تو بھی ایک ثواب پاتا ہے۔ قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی اجتہاد کی خطا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی درستی رائے بیان فرمائی۔ مگر کسی پر عتاب نہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا: **كَلَّا اَتَيْنَاكَ حُكْمًا وَعِلْمًا** مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب العمل فی القضاء میں ہے۔

اِذَا حُكِمَ بِحُكْمِكَ فَاجْتَهِدْ وَاَمَّا قَوْلُهُ
اَجْرًا وَاِذَا حُكِمَ فَاجْتَهِدْ فَاخْطَا
قَوْلُهُ اَجْرًا وَاَحَدًا رَمَتْهُ عَلَيْهِ

اس سے یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ اگر شافعی رفع یدین کرے تو ٹھیک ہے اور اگر غیر مقلد کرے تو جرم ہے کیونکہ شافعی حاکم شرع مجتہد سے فیصلہ کر کے رفع یدین کر رہا ہے اگر غلطی کرتا ہے تو بھی معاف اور چونکہ غیر مقلد نے کسی مجتہد سے فیصلہ نہ کرایا۔ لہذا اگر صحیح بھی کرتا ہے تو بھی خطا کا رہے جیسے کہ آج حاکم کے بغیر فیصلہ کوئی شخص خود ہی قانون کو ہاتھ میں لے کر کوئی کام کرتا ہے مجرم ہے لیکن اگر حاکم کچھ بھی فیصلہ کرے اگر وہ ہی کام کیا تو اس پر جرم نہیں۔ حاکم جوابدہ ہے اگر حاکم نے غلطی کی ہے تو بھی اس کی پوزیشن دیکھو حضور علیہ السلام نے بدر کے قیدیوں سے محض قیاس پر نہ دیا پھر آیت اسکے خلاف آئی معلوم ہوا کہ اس قیاس سے رب راضی نہیں مگر وہ نہ دیا کہ وہی واپس نہ کرایا گیا۔ بلکہ ارشاد ہوا **فَكُلُوا مِمَّا عَمِلْتُمْ**

حَدَّثَنَا لَا حَيْثُ بَاءُ مَا لَمْ يَكُنْ لِحَالٍ طَبِيبٌ، مَعْلُومٌ هُوَ أَنَّ خَطَايَا اجْتِهَادِي بِكَوْنِي بِكَوْنِي مَبْنِي.

حاشیہ قیاس کی بحث :- شریعت کے دلائل چار ہیں، قرآن و حدیث، اجماع امت اور

قیاس، اجماع کے دلائل تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کا بھی حکم ہے اور حدیث کا بھی کہ غلام جماعت مسلمین کے ساتھ رہو۔ جو اس سے علیحدہ ہو وہ جہنمی ہے۔

قیاس کے معنی لغت میں اندازہ لگانا اور شریعت میں کسی فرعی مسئلہ کو اصل مسئلہ سے حکمت اور حکم میں ملا دینا یعنی ایک مسئلہ ایسا دینا کہ جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں ملتا تو اس کی مثل کوئی وہ مسئلہ لیا جو قرآن و حدیث میں ہے اس کے حکم کی علت معلوم کر کے کہا کہ چونکہ وہ علت یہاں بھی ہے لہذا اس کا یہ حکم ہے جیسے کسی نے پوچھا کہ عورت کے ساتھ غلام کرنا کیسا ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ حالت حیض میں عورت سے جماع حرام ہے کیوں؟ پلیدی کی وجہ سے۔ اور اس میں بھی پلیدی ہے لہذا یہ بھی حرام ہے۔ کسی نے پوچھا کہ جس عورت سے کسی کے باپ نے زنا کیا۔ وہ اس کے لئے حلال ہے۔ یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ جس عورت سے کسی کا باپ نکاح کرے وہ بیٹے کو حرام ہے۔ واپی یا جڑی کی وجہ سے لہذا یہ عورت بھی حرام ہے۔ اس کو قیاس کہتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ قیاس کرنا لا محبت ہو سہر کس نکاح کا قیاس معتبر نہیں۔ قیاس اصل میں حکم شریعت کو ظاہر کرنا ہے خود مستقل حکم نہیں۔ یعنی قرآن و حدیث کا حکم ہوتا ہے مگر قیاس اسے یہاں ظاہر کرتا ہے قیاس کا ثبوت قرآن و حدیث و افعال صحابہ ہے قرآن فرماتا ہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ

تو عبرت لو اسے نگاہ والو۔

یعنی کفار کے حال پر اپنے کو قیاس کر دو اگر تم نے ایسی حرکات کیں تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔

نیز قرآن نے قیامت کے ہونے کو نیند پر اسی طرح کھیتی کے خشک ہو کر سرسبز ہونے پر قیاس فرما کر بتایا۔

اول سے آخر تک کفار کی مثالیں بیان فرمائی ہیں یہ بھی قیاس ہے۔ بخاری کتاب الاعتصام میں ایک باب ہے

بَابُ مَنْ شَبَّهَ أَحَدًا مَعْلُومًا

جو کسی قاعدہ معلومہ کو ایسے قاعدے سے تشبیہ

يَأْتِلُ مَبْنِي قَدْ بَيَّنَّ اللَّهُ حُكْمَهَا

وے جس کا حکم خدا نے بیان فرمایا ہے تاکہ اس میں

لِيَفْقَهُم بِهِ السَّائِلُ

اس سے سمجھ لے۔

اس میں ایک حدیث نقل کی۔ جس میں حضور علیہ السلام نے ایک عورت کو قیاس سے حکم فرمایا۔

لَا إِمْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ | ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی

وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحْجَّ
أَفَأَحْجَّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حَجِّي عَنْهَا أَرْبَعِينَ
لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكَ دِينَ أَكُنْتَ تَقْضِيهِ
قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَقْضُوا الَّذِي لَهُ فَإِنَّ
اللَّهَ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ -

اور عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی، کیا
میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا ہاں کرو۔ اگر
تمہاری ماں پر قرض ہو تو قرض اس کو ادا کر تیں عرض کیا
ہاں۔ فرمایا وہ بھی قرض ادا کرو جو اللہ کا ہے کیوں کہ
اللہ اولے قرض کا زیادہ مستحق ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب ما علی الولاۃ اور ترمذی جلد اول شریع ابواب الاحکام اور دارمی میں ہے
کہ جب حضرت معاذ ابن جبل کو حضور علیہ السلام نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟
عرض کیا کتاب اللہ سے۔ فرمایا اگر اس میں نہ پایا تو عرض کیا کہ اس کے رسول کی سنت سے فرمایا اگر اس
میں بھی نہ پایا تو عرض کیا کہ۔

أَجْهَدُ بِرَأْيِي وَلَا أُوْثِقُ فَقَالَ فَصَوَّبَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدْرِهِ
وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ
رَسُولِ اللَّهِ لِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُولُ اللَّهِ

اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ راوی نے فرمایا کہ
پس حضور علیہ السلام نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور
فرمایا اس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے
قاصد کو اسکی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہیں۔

اس سے قیاس کا پُر زور ثبوت ہوا۔ چونکہ حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں اجماع نہیں ہو سکتا
اس لیے اجماع کا ذکر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نہ کیا۔ اسی طرح صحابہ کرام نے بہت سے احکام اپنے
قیاس سے دیئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو قیاس فرما کر مثل دلویا جو بغیر مہر
نکاح میں آئی اور شوہر مر گیا (دیکھو نسائی جلد دوم صفحہ ۸۸)

نسائی شریف جلد دوم کتاب القضاء باب الحكم باتفاق اہل العلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعود روایت ہے
آج کے بعد سے جس پر کوئی فیصلہ پیش آجائے تو قرآن
شریف سے فیصلہ کرے اگر ایسی چیز پیش آگئی جو
قرآن شریف میں نہیں ہے تو اس سے فیصلہ کرے
جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا لیکن اگر ایسی
چیز پیش آجائے جو نہ تو قرآن شریف میں ہو اور نہ اللہ

فَمَنْ عَرَضَ لَهُ مِنْكُمْ قَضَاءٌ بَعْدَ الْيَوْمِ
فَلْيَقْضِ بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ فَإِنْ جَاءَهُ
أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَلْيَقْضِ بِمَا تَقَضَى
بِهِ نَبِيُّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ
جَاءَهُ أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا تَقَضَى

بِهِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَقْضِ
بِمَا قَضَى بِهِ الصَّالِحُونَ فَإِنْ جَاءَكَ
أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا قَضَى بِهِ
نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا قَضَى
بِهِ الصَّالِحُونَ فَلْيُجْتَنِبْهُ رَأْيَهُ -

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو اس پر
فیصلہ کرو چونکہ لوگوں نے فیصلہ کیا ہو لیکن اگر وہ
چیز پیش آگئی جو نہ تو قرآن شریف میں ہے اور نہ
اس کا فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نہ صالحین
نے تو اپنے قیاس سے اجتہاد کرے۔

امام نسائی اسی حدیث کے متعلق اسی جگہ فرماتے ہیں -

قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ هَذَا الْحَدِيثُ جَيِّدٌ

یہ حدیث بڑی کھری ہے بڑی کھری ہے۔

نسائی شریف میں اس جگہ حضرت قاضی شریح سے روایت ہے فرمایا کہ انہوں نے حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں دریافت کیا کہ میں فیصلہ کیسے کروں تو آپ نے جواب دیا -

انہیں حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قرآن شریف فیصلہ کرو۔
اگر اس میں نہ ہو تو سنت رسول اللہؐ سے فیصلہ کرو۔
اور اگر نہ کتاب اللہ میں ہو نہ سنت رسول اللہؐ
میں تو اس سے فیصلہ کرو جو اللہ کے نیک لوگوں نے
فیصلہ کیا ہو (اجماع امت) لیکن اگر نہ وہ مسئلہ
قرآن میں ہو نہ سنت میں اور نہ ہی اس کے
متعلق صالحین کا فیصلہ ہو تو چاہو تو پیش قدمی
کرو اور چاہو مہلت لو میں تمہارے لئے مہلت
ہی کو بہتر جانتا ہوں۔

فَكَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ رَأَيْتُ بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ
فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَيَسْئَلْ رَسُولَ
اللَّهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا فِي
سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا
بِمَا قَضَى بِهِ الصَّالِحُونَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي
كِتَابِ اللَّهِ وَلَا فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَقْضِ بِهِ الصَّالِحُونَ فَإِنْ
شِئْتَ فَتَقَدَّمْ وَإِنْ شِئْتَ فَتَأَخَّرْ وَلَا أَدْرِي
التَّأَخَّرُ الْإِحْيَاءُ أَمْ لَا وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ -

ان دونوں حدیثوں میں کتاب - سنت، اجماع امت اور قیاس کا ایسا صریح ثبوت ہے کہ اس کا نہ
انکار ہو سکتا ہے۔ نہ کوئی تاویل۔ اب وہ اعتراض جو غیر مقلد کرتے ہیں اِجْتَنِبُوا الْاَشْيَاءَ الَّتِي لَا تَقَرَّبُ
کہ بہت ظن سے بچو۔ اس میں ظن سے مراد بدگمانیاں ہیں یعنی مسلمانوں پر بدگمانیاں نہ کیا کرو اسی لئے اس
آیت میں اس کے بعد غیبت وغیرہ کی ممانعت ہے ورنہ قیاس اور غیبت میں کیا تعلق جیسے رب تعالیٰ
فرماتا ہے اِنَّمَا النَّجْوَى مِنَ الشَّيْطَانِ مَشْوَرَةٌ كَمَا يَشِيْطُ اَنَّهُ يَاسُوْرُ بَيْنَ الشَّيْطَانِ وَبَيْنَ النَّاسِ
تو کیا ہر مشورہ شیطان کا

ہے۔ نہیں بلکہ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشورے ہوں وہ شیطانی ہیں ایسے ہی یہ ہے اور جس قیاس کی برائیاں آئی ہیں۔ وہ وہ قیاس ہے جو حکم خدا کے مقابلہ میں کیا جائے جیسا کہ شیطان نے حکم سجدہ پا کر قیاس کیا اور حکم الہی کو رو کر دیا یہ کفر ہے۔ غیر مقتدر بھی کہتے ہیں کہ قرآن فرماتا ہے اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ اِلَيَّ اِنَّمَا حَصَصْتُمْ كَيْفَ تَشَاءُ جس سے معلوم ہوا کہ سوائے وحی کے اور کسی چیز کی پیروی نہ کی جائے نہ اجماع کی نہ قیاس کی صرف قرآن و حدیث کی پیروی ہو مگر انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اجماع و قیاس پر عمل بھی قرآن و حدیث پر ہی عمل ہے کہ قیاس مظہر ہے۔

آخر میں میں منکرین قیاس سے دریافت کرتا ہوں کہ جن چیزوں کی تصریح قرآن و حدیث میں نہ ملے یا بظاہر احادیث میں تعارض واقع ہو وہاں کیا کر دے؟ مثلاً ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا کیسی ہے؟ اسی طرح اگر جمعہ کی نماز میں رکعت اول میں جماعت تھی۔ رکعت دوم میں جماعت چھپے سے بھاگ گئی اب ظہر پڑھیں یا جمعہ؟ اسی طرح دیگر مسائل قیاسیہ میں کیا جواب ہو گا؟ اس پر یہ بہتر ہے کہ کسی امام کا دامن پکڑ لو۔ اللہ توفیق دے۔

بحث علم غیب

اس میں ایک مقدمہ ہے اور دو باب اور ایک خاتمہ بلند و کرم

مقدمہ

اس میں چند فصلیں ہیں

پہلی فصل

غیب کی تعریف اور اس کے اقسام کے بیان میں

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بداعت عقل میں آسکے لہذا پنجاب والے کے لیے بمبئی غیب نہیں کیونکہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھ آیا ہے یا سن کر کہہ رہا ہے کہ بمبئی ایک شہر ہے۔ یہ حواس سے علم ہوا۔ اسی طرح کھانوں کی لذتیں اور ان کی خوشبو وغیرہ غیب نہیں کیونکہ یہ

چیزیں اگر پرانے چھپی ہیں۔ مگر دوسرے حواس سے معلوم ہیں جن اور ملائکہ اور جنت و دوزخ ہمارے لیے اس وقت غیب ہیں۔ کیونکہ نہ انکو حواس سے معلوم کر سکتے ہیں اور نہ بلا دلیل عقل سے۔ غیب دو طرح کا ہے۔ ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے دوسرا وہ جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں پہلے غیب کی مثال جیسے جنت و دوزخ اور جنائے پاک کی ذات و صفات کہ عالم کی چیزیں اور قرآن کی آیات دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے غیب کی مثال جیسے قیامت کا علم کہ کب ہوگی۔ انسان کب مرے گا اور عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، بد بخت ہے یا نیک بخت کہ ان کو دلائل سے بھی معلوم نہیں کر سکتے۔ اسی دوسرے غیب کو مفاتیح الغیب کہا جاتا ہے اور اس کو پروردگار عالم نے فرمایا فَلَا يَظْهَرُ عَلَيَّ غَيْبِيهِ أَحَدٌ الْأَمِنْ أَرَضَيْتُ مِنْ رَسُولٍ۔ تفسیر بیضاوی یُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے ماتحت ہے۔

وَالْمُرَادُ بِهِ الْخَفِيُّ الَّذِي لَا يَدْرِكُهُ الْحِسُّ وَلَا تَقْنَنِيهِ بَدِئَةُ الْعَقْلِ۔
غیب سے مراد وہ چھپی ہوئی چیز ہے جسکو حواس نہ پاسکیں اور نہ بدیہتہ اس کو عقل پہنچا ہے۔

تفسیر کبیر سورہ بقرہ کے شروع میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُ جَهْمُورِ الْمُتَفَسِّرِينَ أَنَّ الْغَيْبَ هُوَ الَّذِي يَكُونُ غَائِبًا عَنِ الْحَاذِلَةِ ثُمَّ هَذَا يَنْقَسِمُ إِلَى مَا عَلَيْهِ دَلِيلٌ وَإِلَى مَا لَا دَلِيلَ عَلَيْهِ۔
عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے چھپا ہوا ہو۔ پھر غیب کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جس پر دلیل ہے دوسرے وہ جس پر کوئی دلیل نہیں۔

تفسیر روح البیان میں شروع سورہ بقرہ یُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے ماتحت ہے۔

وَهُوَ مَا غَابَ عَنِ الْحِسِّ وَالْعَقْلِ غَيْبَةً كَامِلَةً بَحِثْ لَا يَدْرِكُ بِوَاحِدَةٍ مَهَا بَدِئًا بِطَرِيقِ الْبَدَاهَةِ وَهُوَ تَسْمَانِ تَسْمُهُ لَدَلِيلٍ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِي أُرِيدَ بِقَوْلِهِ عِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ وَتَسْمُهُ نَصَبٌ عَلَيْهِ دَلِيلٌ كَالصَّائِغِ وَصِفَاتِهِ وَهُوَ الْمُرَادُ۔
غیب وہ ہے جو حواس اور عقل سے پورا پورا چھپا ہوا ہو اس طرح کہ کسی ذریعہ سے بھی ابتداءً حکم کھلا معلوم نہ ہو سکے۔ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم جس پر کوئی دلیل نہ ہو وہ ہی اس آیت میں مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں دوسری قسم وہ جس پر دلیل قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ اور اسکی صفات۔ وہ ہی اس جگہ مراد ہے۔

فاسدہ رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ بوناگ سے سونگھی جاتی ہے اور لذت زبان سے آواز کان

سے محسوس ہوتی ہے۔ تو رنگت زبان و کان کے لیے غیب ہے اور بونگھ کے لیے غیب اگر کوئی اللہ کا بندہ ہو اور لذت کو ان کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے وہ بھی علم غیب اصفانی ہے جیسے اعمال قیامت میں مختلف شکلوں میں نظر آئیں گے۔ اگر کوئی ان شکلوں میں یہاں دیکھ لے تو یہ بھی علم غیب ہے۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

وَمَا مِنْهَا شَيْءٌ يُرَىٰ أَذْهَوٰرٌ | تَمَرٌ وَتَشْقِصِي الْأَافَاتِ

کوئی مہینہ اور کوئی زمانہ عالم میں نہیں گزرتا مگر وہ ہمارے پاس ہو کر اعجازت لے کر گزر جاتا ہے۔ اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے یا بہت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آ سکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علم غیب۔ جیسے حضور علیہ السلام نے آئینہ پیدا ہونے والی چیزوں کو ملاحظہ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہناوند میں حضرت ساریہ کو مدینہ پاک سے دیکھ لیا اور ان تک اپنی آواز پہنچا دی۔ اسی طرح کوئی پنجاب میں بیٹھ کر مکہ معظمہ یا دیگر دور دراز ملکوں کو مثل کعبہ دست کے دیکھ کر سب غیب ہی میں داخل ہیں۔

بند لیلالات کے جو چھپی ہوئی چیز معلوم کی جادو سے وہ علم غیب نہیں مثلاً کسی آدمی کے ذریعہ سے عورت کے پیٹ کا پتہ معلوم کرتے ہیں۔ یا کہ ٹیلیفون اور ریڈیو سے دور کی آواز سن لیتے ہیں۔ اس کو علم غیب نہ کہیں گے۔ کیونکہ غیب کی تعریف میں عرض کر دیا گیا کہ جو حواس سے معلوم نہ ہو سکے۔ اور ٹیلیفون یا ریڈیو میں سے جو آواز نکلی۔ وہ آواز حواس سے معلوم ہونے کے قابل ہے اگر سے جو پیٹ کے بچہ کا حال معلوم ہوا۔ یہ بھی غیب کا علم نہ ہوا جبکہ آدمی اس کو ظاہر کر دیا تو اب غیب کہاں رہا۔ خلاصہ یہ کہ اگر کوئی آدمی چھپی چیز کو ظاہر کر دے۔ پھر ظاہر ہو چکنے کے بعد ہم اس کو معلوم کر لیں تو علم غیب نہیں

دوسری فصل ضروری فوائد کے بیان میں

علم غیب کے مسئلہ میں گفتگو کرنے سے پہلے یہ چند باتیں خوب خیال میں رکھی جادیں تو بہت فائدہ ہوگا اور بہت سے اعتراضات خود بخود ہی دفع ہو جائیں گے۔

۱۔ نفس علم کسی چیز کا بھی ہو برا نہیں۔ بلکہ بری باتوں کا کرنا یا کرنے کے لیے سیکھنا برا ہے بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض علم دوسرے علموں سے زیادہ افضل ہوں جیسے علم عقائد علم شریعت۔ علم تقویٰ دوسرے

(۱۶) سارے انبیاء اور ساری مخلوق کے علوم حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ اس کو مولوی محمد قاسم صاحب نافو قوی نے تحذیر القاس میں مانا ہے۔ جس کے سارے حوالے آتے ہیں تو جس چیز کا علم کسی مخلوق کو بھی ہے وہ حضور علیہ السلام کو ضرور ہے بلکہ سب کو جو علم ملاہ حضور علیہ السلام ہی کی تقسیم سے ملا۔ جو علم شاگرد استاد سے لے ضروری ہے کہ استاد بھی اس کا ہائے والا ہو۔ انبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام بھی ہیں۔ اس لیے ہم حضرت آدم و حضرت خلیل اللہ علیہما السلام کے علم سے بھی بحث کریں گے۔

(۱۷) قرآن اور لوح محفوظ میں سارے واقعات کل ماکان و مایکون میں اور اس پر ملائکہ اور بعض اولیاء و انبیاء کی نظریں ہیں اور ہر وقت وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیش نظر ہے۔ اس کے حوالہ بھی آتے ہیں۔ اس لیے ہم لوح محفوظ اور قرآنی علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔ اسی طرح کاتب تقدیر فرشتہ کے علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔

یہ تمام بحثیں علم مصطفیٰ علیہ السلام کے ثابت کرنے کو ہوں گی۔

تیسری فصل علم غیب کے متعلق عقیدہ اور علم غیب کے مراتب کے بیان میں

علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں (از خالص الاعتقاد صفحہ ۵)

(۱) اللہ عز و جل عالم بالذات ہے۔ اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

(۲) حضور علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیب کا علم دیا۔

(۳) حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم و خلیل علیہما السلام اور ملک الموت و شیطان بھی خلقت میں۔ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں ان کا انکار کفر ہے۔

(۱) قسم و ووم ادبیائے کرام کو بھی بالواسطہ انبیائے کرام کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانچ غیبوں میں سے سب سے جزئیات کا علم دیا۔ جو اس قسم و ووم کا منکر ہے وہ گمراہ اور بد مذہب ہے کہ صد ہا احادیث کا انکار کرتا ہے۔

(۱) قسم سوم حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملا کہ جب ہوگی۔

(۲) تمام گزشتہ اور آئندہ واقعات جو لوح محفوظ میں ہیں ان کا بلکہ ان سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔

(۳) حضور علیہ السلام کو تحقیقت روح اور قرآن کے سارے مقناہات کا علم دیا گیا۔

چوتھی فصل: جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلائل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا

ضروری ہے ہے (ازاحتہ الغیب صفحہ ۴۴)

- (۱) وہ آیت قطعی الدلائل جو جس کے معنی میں چند احتمال نہ شکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔
- (۲) اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی نفی ہو کر سمجھنے نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام فرما دیں مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا۔
- (۳) صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرمانا کافی نہیں ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی مصلحت سے ظاہر نہ کیا ہو اسی طرح حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ خدا ہی جانے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا مجھے کیا معلوم وغیرہ کافی نہیں کہ یہ کلمات کبھی علم ذاتی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔
- (۴) جس کے لیے علم کی نفی کی گئی ہو وہ واقعہ ہو اور قیامت تک کا ہو ورنہ کل صدقات الہیہ اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعوے نہیں کرتے یہ چار تفصیلات خوب خیال میں رکھی جائیں۔

پہلا باب

علم غیب کے ثبوت کے بیان میں

اس میں چھ تفصیلات ہیں۔ پہلی فصل میں آیات قرآنیہ سے ثبوت۔ دوسری میں احادیث سے ثبوت۔ تیسری میں احادیث کے شارحین کے۔ چوتھی میں علمائے ائمہ اور فقہاء کے اقوال۔ پانچویں میں خود منکرین کی کتابوں سے ثبوت۔ چھٹی میں عقلی دلائل اور آیات اللہ کے علم غیب کا بیان۔

پہلی فصل آیات قرآنیہ میں

(۱) وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ - اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کیں۔

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَعْنَى تَعْلِيمِهِ أَسْمَاءَ الْمُسَمَّيَاتِ أَنَّه تَعَالَى أَرَادَ الْأَجْنَاسَ الَّتِي خَلَقَهَا وَ عَلَّمَهُ أَنْ يَتْلُوَ اسْمَهُ فَرَسٌ وَ هَذَا اسْمُهُ

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ نے ان کو وہ تمام جنسیں دکھائی دیں جس کو پیدا کیا ہے اور ان کو بتا دیا کہ اس کا نام گھوڑا

كَبِيرٌ وَهَذِهِ السُّمَةُ كَذَا وَعَنْ إِبْنِ عَبَّاسٍ عَلِمَهُ اسْمُ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الْقُصْعَةِ وَالْمَعْرُفَةِ -

اور اس کا نام اونٹ اور اس کا نام فلاں ہے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کو ہر چیز کے نام سکھا دیئے یہاں تک کہ پیالی اور چٹوڑے کے بھی۔

تفسیر خازن میں اسی آیت میں یہ بھی مضمون بیان فرمایا اتنا اور بھی زیادہ فرمایا۔ وَقِيلَ عَلِمَهُ أَدَمُ أَسْمَاءَ الْمَلَائِكَةِ وَقِيلَ أَسْمَاءَ ذُرِّيَّتِهِ وَقِيلَ عَلِمَهُ اللُّغَاتُ كُلَّهَا -

کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں کے نام سکھا دیئے اور کہا گیا ہے کہ ان کی اولاد کے نام اور کہا گیا کہ ان کو تمام زبانیں سکھادیں۔

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ قَوْلُهُ أَنَّى عَلِمَهُ صِفَاتُ الْأَشْيَاءِ وَتَعَوُّظَهَا وَهُوَ الْمَشْهُورُ أَنَّ الْمُرَادَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ خَلْقٍ مِنْ أَحْكَاسِ الْمَخْدُوكَاتِ مِنْ جَمِيعِ اللُّغَاتِ الْمُخْتَلِفَةِ الَّتِي يَتَكَلَّمُ بِهَا وَلَدَا أَدَمَ الْيَوْمَ مِنَ الْعَرَبِيَّةِ وَالْفَارِسِيَّةِ وَالرُّومِيَّةِ وَغَيْرِهَا -

آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات سکھا دیئے اور یہ بھی مشہور ہے کہ مراد مخلوق میں سے ہر حادث کی جنس کے سارے نام ہیں جو مختلف زبانوں میں ہونگے۔ جبکہ اولاد آدم آج تک بول رہی ہے عربی۔ فارسی۔ رومی وغیرہ۔

تفسیر الباعث میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقِيلَ أَسْمَاءَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ وَقِيلَ أَسْمَاءَ خَلْفِهِ مِنَ الْمُعْقُولَاتِ وَالْمَحْسُوسَاتِ وَالْمُتَخَيَّلَاتِ وَالْمَوْجُودَاتِ وَالْهَمَمَاتِ مَعْرِفَةً ذَوَاتِ الْأَشْيَاءِ وَأَسْمَاءَ هَا وَخَوَاصِهَا وَمَعَارِفَهَا أَصُولَ الْعِلْمِ وَتَوَائِينَ الصَّنَعَاتِ وَتَفَاصِيلَ الْأَنْبَاءِ وَكَيْفِيَّةَ اسْتِعْمَالِهَا -

کہا گیا ہے کہ حضرت آدم کو گزشتہ اور آئندہ چیزوں کے نام بتا دیئے اور کہا گیا ہے کہ اپنی ساری مخلوق کے نام بتا دیئے عقلی، حسی، خیالی، وہمی چیزیں بتا دیں ان چیزوں کی ذات، ان کے نام ان کے خاصے ان کی پہچان، علم کے قواعد، ہنر و کمال، قانون، ان کے اوزاروں کی تفصیل اور ان کے استعمال کے طریقے کا علم حضرت آدم کو الہام فرمایا۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَيَأْتِيهِمْ أَحْوَالُهَا وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا مِنْ الْمُنَافِعِ

اور حضرت آدم کو چیزوں کے حالات سکھائے اور جو کچھ ان

الدَّيْنِيَّةِ وَالْدَّيْنِيَّةِ وَعَلَّمَ أَسْمَاءَ الْمَلَائِكَةِ
وَأَسْمَاءَ ذُرِّيَّتِهِ وَأَسْمَاءَ الْحَيَوَانَاتِ وَ
الْجَمَادَاتِ وَصَدَّعَهُ كُلَّ شَيْءٍ وَأَسْمَاءَ الْمَدِينِ
وَالْقُرَى وَأَسْمَاءَ الطَّيْرِ وَالشَّجَرِ وَمَا يَكُونُ
وَأَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ يَخْلُقُهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ
وَأَسْمَاءَ الْمُطْعَمَاتِ وَالْمَشْرُوبَاتِ وَكُلِّ
نَعِيمٍ فِي الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ فِي الْخَيْرِ
عَلَّمَهُ سَبْعَ مِائَةِ أَلْفٍ لُغَاتٍ -

میں دینی و دنیاوی نفع میں وہ بتائے اور انکو فرشتوں کے
نام انکی اولاد اور حیوانات اور جمادات کے نام بتائے
اور ہر چیز کا بنانا بتایا تمام شہروں اور گاؤں کے نام
پرندوں اور درختوں کے نام جو جو چکایا جو کچھ بھی ہوگا
ان کے نام اور جو قیامت تک پیدا فرمائے گا ان کے
نام اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام جنت کی ہر
نعمت جو فیکہ ہر چیز کے نام بتا دیئے حدیث میں ہے
کہ حضرت آدم کو سارا کھ زبا میں سکھائی گئیں۔

ان تفسیروں سے اتنا معلوم ہوا ماکان اور مایکوں کے سارے علوم حضرت آدم علیہ السلام کو ویشے
گئے زبا میں چیزوں کے نفع و ضرر بنانے کے طریقے۔ آلات کا استعمال سب دکھادیئے۔ لیکن اب
میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کو تو دیکھو۔ حق یہ ہے کہ یہ علم آدم میرے آقا کے علم کے
دیا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرہ ہیں۔

شیخ ابن عربی فتوحات کبریٰ باب دہم میں فرماتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ اور نائب آدم
علیہ السلام ہیں۔

أَوَّلُ نَائِبٍ كَانَ لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَحَلِيفَتُهُ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے خلیفہ ہیں۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل
کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے۔ حضور علیہ السلام کی پیدائش پاک سے قبل سارے انبیاء
حضور علیہ السلام کے نائب تھے یہ مولوی قاسم صاحب نے بھی تذخیر الناس میں لکھا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان
کریں گے خلیفہ کے علم کا یہ حال ہے۔

نسیم الریاض شرح شفا فاضلی عیاض میں ہے۔

حضور علیہ السلام پر ساری مخلوقات از حضرت
آدم نافرور قیامت پیش کی گئیں پس ان کے پیمان
لیا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب نام سکھائے

إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَرَضَتْ عَلَيْهِ الْغَلَائِقُ
مِنْ لَدُنِ آدَمَ إِلَى يَوْمِ النَّارِ عَقَوْعَةً فَهَمُّ
كُلِّهِمْ كَمَا عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا -

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کو جانتے پہچانتے ہیں۔
 (۲) وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا | اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہوں۔
 تفسیر عزیز می میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

حضور علیہ السلام اپنے نور نبوت کی وجہ سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے پس حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں کو اور تمہارے ایمان درجات کو اور تمہارے نیک با اعمال اور ہبا اخلاص اور نفاق کو پہچانتے ہیں۔ لہذا ان کی گواہی دنیا میں حکم شرع امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔

رسول علیہ السلام مطلع است بنور نبوت بر دین ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان و وحییت حجابی کہ بلل از ترقی محبوب ماندہ است کلام است پس اے شناسندگان ایمان شمارا در درجات ایمان شمارا و اعمال بدو نیک شمارا و اخلاق و نفاق شمارا المذا شہادت اور دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول واجب العمل است۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یہ اس بنا پر ہے کہ کلمہ شہید میں محافظ اور خبر دار کے معنی بھی شامل ہیں اور اس معنی کے شامل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو عادل کہنا اور صفائی کی گواہی دینا گواہ کے حالات پر مطلع ہونے سے ہو سکتا ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی مسلمانوں پر گواہی دینے کے معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر دیندار کے دینی مرتبہ کو پہچانتے ہیں پس حضور علیہ السلام مسلمانوں کے گناہوں کو ان کے ایمان کی حقیقت کو ان کے اچھے بُرے اعمال کو ان کے اخلاص اور نفاق وغیرہ کو نور حق سے پہچانتے ہیں اور حضور علیہ السلام کی امت بھی قیامت میں ساری امتوں کے یہ حالات جانے لگی مگر حضور علیہ السلام کے نور سے

هَذَا أَصْبَغِي عَلَى تَقْمِيْنِ الشَّهِيدِ مَعْنَى الرَّقِيبِ وَالْمُطْلِعِ وَالْوَجْهَ فِي إِعْتِبَارِ تَقْمِيْنِ الشَّهِيدِ الْإِشَادَةُ إِلَى أَنَّ التَّعْدِيلَ وَالْثُرُكِيَّةَ إِنَّمَا يَكُونُ عَنْ خُبْرَةٍ وَمَوَاقِبَةٍ بِحَالِ الشَّاهِدِ - وَمَعْنَى شَهَادَةِ الرَّسُولِ عَلَيْهِمُ إِطْلَاعُهُ رُبَّمَا كُلِّ مُتَدَرِّجٍ بَدَائِنِهِ فَهُوَ يَعْرِفُ دُنُوبَهُمْ وَحَقِيقَةَ إِيْمَانِهِمْ وَأَعْمَالَهُمْ وَحَسَنَاتِهِمْ وَسَيِّئَاتِهِمْ وَ إِخْلَاصَهُمْ وَنِفَاقَهُمْ وَغَيْرَ ذَلِكَ بِنُورِ الْحَقِّ دَامَتْهُ يَعْرِفُونَ ذَلِكَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ بِنُورِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ -

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ثُمَّ يَوْمَئِذٍ يَمْحَمَدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
فَيُسْأَلُهُ عَنْ أُمَّتِهِ فَيُزَكِّيهِمْ
وَيُشْهِدُ بَصَدُ قِيَّتِهِمْ۔

پھر قیامت میں حضور علیہ السلام کو بلا یا جاوے گا اور آپ کی امت کے حالات پوچھے گا تو
حضور علیہ السلام سے آپ کی امت کے حالات پوچھے گا تو
آپ انکی صفائی کی گواہی دیں گے اور انکی سچائی کی گواہی دیں گے۔

تفسیر مدارک پارہ ۲ سورہ بقرہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ثُمَّ يَوْمَئِذٍ يَمْحَمَدُ فَيُسْأَلُ عَنْ حَالِ
أُمَّتِهِ فَيُزَكِّيهِمْ وَيُشْهِدُ بَعْدَ النَّتِ
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ بَعْدَ التَّكْمُرِ۔

پھر حضور علیہ السلام کو بلا یا جاوے گا اور آپ کی امت کے حال پوچھے
جائیں گے پس آپ اپنی امت کی صفائی بیان کرینگے اور انکی
عدل و نیکی کی گواہی دیں گے لہذا حضور تمہاری عدالت کو بتائے ہیں۔

اس آیت اور ان تفاسیر میں یہ فرمایا گیا کہ قیامت کے دن دوسرے انبیائے کرام کی امتیں بارگاہ الہی
میں عرض کریں گی کہ ہمارے پاس تیرا کوئی پیغمبر نہ پہنچا۔ ان امتوں کے نبی عرض کریں گے کہ خدایا ہم ان میں
گئے، تیرے احکام پہنچائے مگر ان لوگوں نے قبول نہ کیے۔ رب تعالیٰ کا ایذا کو حکم ہوگا کہ چونکہ قدم بدی ہو
اسنا کوئی گواہ لاؤ۔ وہ اپنی گواہی کے لئے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش فرمائیں گے مسلمان گواہی دیں گے کہ
خدایا تیرے پیغمبر تھے ہیں انہوں نے تیرے احکام پہنچائے تھے۔

اب دو باتیں تحقیق کے لائق ہیں۔ اول یہ کہ یہ مسلمان گواہی کے قابل ہیں یا نہیں (فاسق و فاجر اور کافر
کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ مسلمان پر سب سے گوارہ کی گواہی قبول ہے) دوسرے یہ کہ ان لوگوں نے اپنے سے پہلے
پیغمبر نکالنا نہ دیکھا نہ تھا۔ پھر گواہی کس طرح دے رہے ہیں مسلمان عرض کریں گے کہ خدایا ہم سے تیرے
محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پہلے پیغمبروں نے تبلیغ کی تھی اس کو سن کر ہم گواہی دے
رہے ہیں تب حضور علیہ السلام کو بلا یا جاوے گا اور حضور علیہ السلام دو باتوں کی گواہی دیں گے ایک یہ کہ یہ لوگ
فاسق یا کافر نہیں تاکہ ان کی گواہی قبول نہ ہو۔ بلکہ مسلمان اور پرہیزگار ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہاں ہم نے ان
سے کہا تھا کہ پہلے نبیوں نے اپنی قوم تک احکام الہیہ پہنچائے تب ان پیغمبروں کے حق میں ڈگری ہوگی۔

اس واقعہ سے چند باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام قیامت تک کے مسلمان کے ایمان
اثمال روزہ، نماز و نیت سے بالکل خبردار ہیں ورنہ پہلی یعنی صفائی کی گواہی کیسی ممکن نہیں کہ ایک مسلمان کا
مجھ کوئی حال آپ سے چھپا رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی آنے والی نسل کا حال معلوم فرمایا

کہ نہ دیا ان کی اولاد بھی اگر ہوئی تو کافر ہوگی وَلَا یَلِدُ ذَا الْاَلْحَادِ الْقَدَّارَ ہذا تو ان کو غرق کر دے حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچے کو قتل فرمایا اس کا آئندہ حال معلوم کر لیا تھا کہ آئندہ اگر زندہ رہا تو مکش ہوگا تو سید الانبیاء علیہ السلام پر کسی کا حال کیونکر چھپ سکتا ہے دوسرے یہ کہ گذشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کے حالات حضور علیہ السلام نے بنور نبوت دیکھے تھے اور آپ کی گواہی دیکھی ہوئی تھی اگر سنی ہوئی ہوئی تو ایسی گواہی تو اس سے پہلے مسلمان بھی دے چکے تھے سنی گواہی کی انتہا دیکھی گواہی پر ہوتی ہے تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ تو جانتا ہے کہ نبی سچے ہیں مگر پھر بھی گواہیاں لے کر فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی طرح اگر حضور علیہ السلام مقدمات میں تحقیق فرمادیں اور گواہیاں وغیرہ لیں تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضور علیہ السلام کو خبر نہ ہو۔ بلکہ مقدمات کا قاعدہ یہ ہی ہوتا ہے اور زیادہ تحقیق اس کی دیکھنا ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمن بہ آیات القرآن میں دیکھو۔ اسی گواہی کا ذکر آئندہ آیت میں بھی ہے۔

(۳) وَجَعَلْنَا بَآئِكَ عَلَىٰ شَهِيدًا
اور اے محبوب تم کو ان سب پر گواہ بنا کر ہم لاؤ گے۔
تفسیر نیشاپوری میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

إِنَّ رُوحَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَهِيدٌ عَلَىٰ
اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی روح مبارک تمام رگوں
اور دلوں اور نفوس کو دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام
نے فرمایا کہ اللہ نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے
تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَأَعْلَمُ أَنَّهُ يَعْرِضُ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ
حضور علیہ السلام پر آپ کی امت کے اعمال صبح و شام
السَّلَامُ أَعْمَالُ أُمَّتِهِ غَدَوَةٌ وَعَشِيَّةٌ فَيَعْرِضُهُمْ
پیش کیے جاتے ہیں لہذا آپ امت کو انکی علامات
يَسْمِيَاهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَلِذَاكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ
جانتے ہیں اور انکے اعمال کو بھی اس لئے آپ ان پر لکھی دینگے۔
تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

أَيُّ شَهِيدٍ أَعْلَىٰ مِنَ أَمَنِ بِالْإِيمَانِ وَعَلَىٰ
حضور علیہ السلام گواہ ہیں مومنوں پر ان کے ایمان کے
مَنْ كَفَرَ بِالْكَفْرِ وَعَلَىٰ مَنْ نَاقَضَ بِالنِّفَاقِ
کافروں پر ان کے کفر کے اور منافقوں پر ان کے نفاق کے
اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام از اول تا روز قیامت تمام لوگوں کے کفر و ایمان

وفاق و اعمال وغیرہ سب کو جانتے ہیں اسی لئے آپ سب کے ہی گواہ ہیں یہی تو علم غیب ہے۔

۴۴) مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔
وہ کون ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اس کے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ أَوَّلِيَّاتِ الْأُمُورِ قَبْلَ الْخَلْقِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ أَحْوَالِ الْقِيَامَةِ
حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے اولی معاملات بھی جانتے ہیں اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال میں وہ بھی جانتے ہیں۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنَ الْأُمُورِ الْأَوَّلِيَّاتِ قَبْلَ الْخَلْقِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ أَحْوَالِ الْقِيَامَةِ وَفَنَعَ الْخَلْقَ وَغَضِبَ السَّيِّئِينَ
حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کرنے کے پہلے کے واقعات اور انکے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں قیامت کے احوال مخلوق کی گھبراہٹ اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ آیت الکرسی میں مَنْ ذَا الَّذِي سے لے کر الْإِنَّمَا شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی تک تین صفات حضور علیہ السلام کے بیان ہوئے۔ باقی اول و آخر میں صفات الیہ ہیں۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس کوئی بغیر اجازت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا اور جن کو شفاعت کی اجازت ہے وہ حضور علیہ السلام ہیں اور شفیع کے لئے ضروری ہے کہ گنہگاروں کے انجام اور ان کے حالات سے واقف ہوتا کہ نا اہل کی شفاعت نہ ہو جادے اور مستحق شفاعت اس سے محروم نہ رہ جائیں جیسے طبیب کے لئے ضروری ہے کہ قابل علاج اور لا علاج مریضوں کو جانے لے کر فرمایا گیا يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ کہ جن کو ہم نے شفیع بنایا ہے۔ اس کو تمام کا علم بھی دیا ہے کیوں کہ شفاعت کبرئے کے لئے علم غیب لازم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قیامت میں منافقین کو نہ پہچانیں گے۔ یا حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہیں کہ میرا انجام کیا ہو گا محض غلط اور بے دینی ہے جیسا کہ آئندہ آتا ہے وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ الْهَامُ كِنَايَةً عَنْهُ عَلَيْهِ
السَّلَامُ يَعْنِي هُوَ شَاهِدٌ عَلَى أَحْوَالِهِمْ
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ سِيرِهِمْ وَمَعَامِلَاتِهِمْ
وَقَصَصِهِمْ وَمَا خَلَفَهُمْ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ
وَأَحْوَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
شَيْئًا مِنْ مَعْلُومَاتِهِ إِلَّا مَا شَاءَ مِنْ مَعْلُومَاتِهِ
عِلْمُ الْأَوْلِيَاءِ مِنْ عِلْمِ الْأَنْبِيَاءِ بِمَنْزِلَةٍ
قَطْرَةٌ مِنْ سَبْعَةِ أَجْحَرٍ وَعِلْمُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ
عِلْمِ نَبِيِّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهَذِهِ الْمَنْزِلَةِ وَعِلْمُ
نَبِيِّنَا مِنْ عِلْمِ الْحَقِّ سُبْحَانَهُ بِهَذِهِ الْمَنْزِلَةِ
فَعَلَّ مَنْ سُوِّلَ وَتَبَيَّنَ وَفِي أَخْبَارِهِ
يَقْدَرُ الْقَائِلِيَّةُ وَالْأَسْتَعْدَادُ
مِمَّا لَدَيْهِ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَعْدُرَهُ
أَوْ يَتَقَدَّرَ عَلَيْهِ

تفسیر غازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِي أَنْ يَطْلِعَهُمْ عَلَيْهِ وَهُمْ الْأَنْبِيَاءُ وَ
الرُّسُلُ وَلِيَكُونَ مَا يَطْلِعُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ عِلْمِ
غَيْبِهِ دَلِيلًا عَلَى نُبُوَّتِهِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى
فَلَا يَطْلُهُمْ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدٌ إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ

تفسیر معالم التنزيل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِي لَا يُخَيِّطُونَ شَيْئًا مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ
إِلَّا بِمَا شَاءَ مِمَّا اخْبَرَ بِهِ الرُّسُلُ

احتمال یہ بھی ہے کہ اس ضمیر سے حضور علیہ السلام مراد ہیں
یعنی حضور علیہ السلام لوگوں کے حالات کو مشاہدہ کرنے والے
ہیں اور ان کے سامنے کے حالات جانتے ہیں ان کے اخلاق
معاملات اور ان کے قصے وغیرہ اور ان کے سچے کے حالات بھی
جانتے ہیں آخرت کے احوال جنتی، دوزخی لوگوں کے حالات اور
وہ لوگ حضور علیہ السلام کے معلومات میں سے کچھ بھی نہیں
جانتے مگر اسی قدر جتنا کہ حضور چاہیں اور اللہ کا علم علم
انبیاء کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندر
کے سامنے اور انبیاء کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے سامنے
اسی درجہ کا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام کا علم رب
العلمین کے سامنے اسی درجہ کا پس ہر نبی اور ہر رسول
اور ہر ولی اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق
حضور سے ہی لیتے ہیں اور کسی کو یہ ممکن نہیں کہ
حضور علیہ السلام سے آگے بڑھ جائے۔

یعنی خدا تعالیٰ ان کو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے اور وہ انبیاء
ورسول ہیں تاکہ ان کا علم غیب پر مطلع ہونا ان کی نبوت
کی دلیل ہو جیسے رب فرمایا ہے کہ پس نہیں ظاہر فرماتا
اپنے غیب خاص پر کسی کو سوائے اس رسول کے جس رب رضی ہے

یعنی یہ لوگ علم غیب کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر کہ
خدا چاہے جس کی خبر رسولوں نے دی۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے اتنا معلوم ہوا کہ اس آیت میں یا تو خدا کا علم مراد ہے کہ خدا کا علم کسی کو حاصل نہیں ہاں جس کو رب ہی دینا چاہے تو اس کو علم غیب حاصل ہوتا ہے اور رب نے تو انبیاء کو دیا اور انبیاء کے ذریعہ سے بعض مومنین کو دیا۔ لہذا ان کو بھی بر عطا تے الہی علم غیب حاصل ہوا کہنا ویاس کا ذکر آئندہ آوے گا۔

یا یہ مراد ہے کہ حضور علیہ السلام کے علم کو کوئی نہیں پاسکتا۔ مگر جس کو حضور علیہ السلام ہی دینا چاہیں تو عطا فرمادیں۔ لہذا از حضرت آدم تا روز قیامت جس کو جس قدر علم ملا۔ وہ حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے اس میں حضرت آدم اور فرشتوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت ہم علم اذہم کی آیت کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اسے عام لوگوں کو غیب کا علم دے۔ ہاں اللہ چاہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔

۵، مَا كَانَ اللَّهُ لِيُظِلَّكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ۔
تفسیر میفادی میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اس کفر و ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے لیکن اللہ اپنی پیغمبری کیسے جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اس کی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیب کی انکو خبر دیتا ہے یا ان کیلئے ایسے ملائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُؤْتِيْ أَحَدَكُمْ عِلْمَ الْغَيْبِ فَيُظِلَّ عَلَى مَا فِي الْقُلُوبِ مِنْ كُفْرٍ وَ إِيْمَانٍ وَ لَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ لِرُسَالِهِ مَنْ يَّشَاءُ فَيُوحِيْ اللَّهُ وَيُخَوِّرُكَ بِبَعْضِ الْمَغْشِيَّاتِ أَوْ يُصِيبُ لَهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ۔

تفسیر خازن میں ہے۔

لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے جسے پس انکو خبردار کرتا ہے بعض علم غیب پر

لَكِنَّ اللَّهَ يُصْطَفِيْ وَيَخْتَارُ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ فَيُظِلُّهُ عَلَى بَعْضِ عِلْمِ الْغَيْبِ
تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لیکن ان باتوں کا بطور غیب پر مطلع ہونے کے جان لینا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔ (مجلد معنی یہ ہیں کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جسکو چاہتا

فَمَا مَعَرَفَةٌ ذَلِكَ عَلَى سَبِيلِ الْإِعْلَامِ مِنَ الْغَيْبِ فَهُوَ مِنْ خَوَاصِّ الْأَنْبِيَاءِ (مجلد) الْمَعْنَى لَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ أَنْ يُصْطَفِيْ مِنْ

رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ قَبْطُوعُهُ عَلَى الْغَيْبِ (محلین)
وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ فَتَعْرِفُوا
الْمُنَافِقِينَ قَبْلَ التَّمْيِيزِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُجَنِّبُنِي
وَالْمُتَحَنِّنِينَ مَنْ يَشَاءُ قَبْطُوعُهُ عَلَى غَيْبِهِ كَمَا أطلع
النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى حَالِ الْمُنَافِقِينَ

روح البیان میں ہے -

فَإِنَّ غَيْبَ الْحَقَائِقِ وَالْأَحْوَالِ لَا يَكْشِفُ
بِلَا وَاسِطَةٍ الرَّسُولُ

ہے چون لیتا ہے پس ان کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔
خدا تعالیٰ تم کو غیب پر مطلع نہیں کرے گا تاکہ فرق کرنے
سے پہلے منافقوں کو جان لو۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے
چھپات لیتا ہے تو اس کو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے
جیسا کہ نبی علیہ السلام کو منافقین کے حال پر مطلع فرمایا

کیونکہ حقیقتوں اور حالات کے غیب نہیں ظاہر
ہوتے بلکہ رسول علیہ السلام کے واسطے سے -

اس آیت کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدا کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین
نے جو فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے علم الہی کے مقابلہ میں بعض اور کل ماکان و مایکون بھی مذکور ہے علم کا بعض ہے۔
(۱) وَ عَلِمْتَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ
اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔

یعنی اس حکام اور علم غیب (تفسیر کبیر)
اللہ نے آپ پر قرآن اتارا اور حکمت آوری اور انگو
ان کے مجیدوں پر مطلع فرمایا اور انکی حقیقتوں پر واقف کیا۔
یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں اور
کہا گیا ہے کہ انکو علم غیب میں وہ وہ باتیں سکھائیں جو آپ
جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی میں کہ انکو چھپی چیزیں
سکھائیں اور ان کے راز پر مطلع فرمایا اور منافقین کے
مکر و فریب آپ کو بتا دیئے (ملک)
دین اور شریعت کے امور سکھائے اور چھپی ہوئی
باتیں دلوں کے راز بتائے۔

أَمَّا مِنَ الْأَحْكَامِ وَالْغَيْبِ
أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ أَطْلَعَكَ
عَلَى أَسْرَارِهِمْ أَدَّ أَقْفَكَ عَلَى حَقَائِقِهِمَا
يَعْنِي مِنَ أَحْكَامِ الشَّرْعِ وَأُمُورِ الدِّينِ وَ
قَبْلَ عِلْمِكَ مِنَ عِلْمِ الْغَيْبِ مَا لَمْ تَكُنْ
تَعْلَمُ وَقَبْلَ مَعْنَاهُ عِلْمَكَ مِنْ حَقَائِقِ
الْأُمُورِ وَأَطْلَعَكَ عَلَى صَوَائِرِ الْقُلُوبِ وَ
عِلْمَكَ مِنَ أَحْوَالِ الْمُنَافِقِينَ وَ كَيْدِهِمْ
مِنْ أُمُورِ الدِّينِ وَالشَّرَائِعِ أَوْ مِنْ حَقَائِقِ
الْأُمُورِ وَ صَوَائِرِ الْقُلُوبِ -

تفسیر حسینی بحر الحقائق سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں -

”اَلْعِلْمُ مَا كَانَ دَمَا يَكُونُ هَسْتُ كَرَحَقِّ سَجَانُ دَرَشَبِ
اسرارِ ابدان حضرت عطا فرمود چنانچہ در حدیثِ معراج
ہست کہ من در زیرِ پوشِ بودم قطره در حلق من نچیند و غلقت
مَا كَانَ دَمَا يَكُونُ -
جامع البیان قَبْلَ تَزْوِيلِ ذَالِكَ مِنْ
حَقِیْقَاتِ الْأُمُورِ -

یہ ماکان اور مایکون کا علم ہے کہ حق تعالیٰ نے شیعہ معراج
میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ چنانچہ معراج شریف
کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے ایک قطرہ ہمارے حلق
میں ڈالیں ہم نے سارے گوشہ اور آئینہ کے واقعات معلوم کر لیے۔
یعنی آپ کو وہ سب باتیں بتا دیں جو قرآن کے نزول
سے پہلے آپ نہ جانتے تھے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دے
دی گئی۔ کلمہ ماعربی زبان میں غوم کہے لیے ہوتا ہے تو آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام
دین کے سارے واقعات، لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں تھا سب ہی بتا
دیا اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں اپنی طرف سے قید ہے جو قرآن و حدیث اور
اُمت کے عقیدے خلاف ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

(۲) مَا قَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ
إِنَّ الْقُرْآنَ مُشْتَمِلٌ عَلَى جَمِيعِ الْأَحْوَالِ
تفسیر انوار التذلیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے:-

یَعْنِي النَّوْحَ الْمُحْفُوظَ فَإِنَّهُ مُشْتَمِلٌ عَلَى
مَا يَجْبُرُ فِي الْعَالَمِ مِنْ جَلِيلٍ وَدَقِيقٍ
لَمْ يُحْمَلْ فِيهِ أَمْرٌ حَيَوَانٍ وَلَا جَمَادٍ
تفسیر عرائس البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے:-

أَيُّ مَا قَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ ذِكْرُ أَحَدٍ مِنَ
الْمَخْلُوقِينَ لَا يَجْزِي ذِكْرُهُ فِي الْكِتَابِ إِلَّا
الْبُيُوتُ دُونَ بَأْتِ الْأَمْرِ الْمَعْرِفَةِ -
یعنی اس کتاب میں مخلوقات میں سے کسی کا ذکر نہ
چھوڑا ہے لیکن اس ذکر کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وہ
جنکی معرفت کے انوار سے تائید کی گئی ہو۔

امام شعرانی طبقات کبریٰ میں فرماتے ہیں:- ما خروا ز ادخال السنان صفر ۵۵
اگر خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کے بند قفل کھول دے تو

لَا طَلَعْتُمْ عَلَى مَا فِي السَّمْعَانِ مِنَ الْعُلُومِ وَ
اسْتَعْنَيْتُمْ عَنِ النَّظَرِ فِي سِوَاهُ فَإِنَّ فِي
جَمِيعِ مَا رَقِيعَةٍ فِي صَفَحَاتِ الْوُجُودِ قَالَ اللَّهُ
تَعَالَى مَا فَطَرْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

تم ان علوم پر مطلع ہو جاؤ جو قرآن میں ہیں اور تم قرآن
کے سوا دوسری چیز سے بے پرواہ ہو جاؤ۔ کیونکہ قرآن میں
تمام وہ چیزیں ہیں جو وجود کے صفوں میں بھی ہیں رب تعالیٰ
فرماتا ہے۔ مَا فَطَرْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

اس آیت اور ان تفسیروں سے معلوم ہوا کہ کتاب میں دنیا و آخرت کے سارے حالات موجود ہیں
اب کتاب سے مراد یا تو قرآن ہے یا لوح محفوظ۔ اور قرآن بھی حضور علیہ السلام کے علم میں ہے اور لوح محفوظ
بھی جیسا کہ آئندہ آدے گا۔ تو نتیجہ نکلا کہ تمام دنیا و آخرت کے حالات حضور علیہ السلام کے علم میں ہوئے
کیونکہ سارے علوم قرآن اور لوح محفوظ میں ہیں۔ اور قرآن و لوح محفوظ حضور کے علم میں ہیں۔

(۸) وَلَا تَطِبُّ وَلَا يَأْبِسُ إِلَّا فِي كِتَابِ
مُبِينٍ

اور نہیں ہے کوئی تڑا و خشک جو روشن کتاب
میں نہ لکھا ہو۔

روح البیان، هُوَ اللّٰوْحُ الْمَحْفُوظُ فَقَدْ ضَبَطَ
اللّٰهُ فِيهِ جَمِيعَ الْمُقَدَّرَاتِ الْكَوْنِيَّةِ لِقَوْلِهِ
تَرْجِعْ إِلَى الْعِبَادِ يَغْرِهَا الْعُلَمَاءُ بِاللّٰهِ

تفسیر کبریٰ یہی آیت، وَقَدْ لَا هَذَا الْكِتَابِ
أَمْوَرٌ أَحَدُهَا أَنَّهُ تَعَالَى كَتَبَ هَذِهِ الْأَحْوَالِ
فِي اللّٰوْحِ الْمَحْفُوظِ لِتَقِيفِ الْمَلَائِكَةِ عَلَى نِقَازِ
عِلْمِ اللَّهِ فِي الْمَعْلُومَاتِ فَيَكُونُ ذَلِكَ عِبْرَةً
تَامَةً كَامِلَةً لِلْمَلَائِكَةِ الْمُؤَيَّدِينَ بِاللّٰوْحِ
الْمَحْفُوظِ لِأَنَّهُمْ يَقَارِبُونَ بِمَا يَجِدُونَ
فِي صَحِيفَتِهِ هَذَا الْعَالَمَ فَيَجِدُونَ مَوَاقِفًا
تفسیر غازی یہی آیت، وَالثَّانِي أَنَّ الْمُرَادَ بِالْكِتَابِ
الْمُبِينِ هُوَ اللّٰوْحُ الْمَحْفُوظُ لِأَنَّ اللَّهَ كَتَبَ
فِيهِ عِلْمَ مَا يَكُونُ وَمَا كَانَ كَانَ قَبْلَ أَنْ

وہ لوح محفوظ ہے کہ اللہ نے اس میں ساری ہو سکتے
والی چیزیں جمع فرما دیں ان فائدہ دہی وجہوں سے جو
بندوں کی طرف لوٹتے ہیں انکو علمائے ربانی جانتے ہیں
اس لکھنے میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ
ان حالات کو لوح محفوظ میں اس لیے لکھا تھا تاکہ ملائکہ
خبردار ہو جائیں ان معلومات میں علم الہی جاری ہو جائے
پس یہ بات ان فرشتوں کے لیے پوری پوری عبرت بن
جائے جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں کیونکہ وہ فرشتے ان
واقعات کا اس تحریر سے مقابلہ کرنے میں جو عالم میں
نئے ہوتے رہتے ہیں تو اس کو لوح محفوظ کے موافق پاتے ہیں
دوسری توجیہ یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ
ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ ہو گا اور جو کچھ
آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکا سب کا علم

لکھ دیا اور ان تمام چیزوں کے کھنے سے اس کتاب میں
نافذ یہ ہے کہ فرشتے اس کے علم کے جاری کرنے پر
واقف ہو جائیں۔

وہ کتاب یا تو علم الہی ہے یا لوح محفوظ
تفسیر نور المقياس میں تفسیر ابن عباس میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یہ تمام چیزیں لوح محفوظ میں ہیں کہ ان کی مقدار
ادراں کا وقت بیان کر دیا گیا ہے۔

أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَفَاثَتْهُ
إِحْصَاءُ الْأَشْيَاءِ طَرَفًا فِي هَذَا الْكِتَابِ يَتَقَيَّفُ
الْمَلَائِكَةُ عَلَى إِنْفَازِ عَلَيْهِ۔

تفسیر مدارک یہی آیت ہے هُوَ عَلِيمُ اللَّهِ وَاللَّوْحِ

تفسیر نور المقياس میں تفسیر ابن عباس میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔
كُلُّ ذَلِكَ فِي اللّٰوْحِ الْمَحْفُوظِ مُبَيَّنٌّ
مِنْهَا دَهَاهَا وَفَتْهَا۔

اس آیت ادراں تفسیر سے معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں ہر شے کا وزن و اتزان و اس کے ہر چیز کے اور لوح
محفوظ کو فرشتے اور اللہ کے خاص بندے جانتے ہیں اور علم مصطفیٰ علیہ السلام ان سب کو محیط ہے
لہذا یہ تمام علوم علم مصطفیٰ علیہ السلام کے دریا کے قطرے ہیں۔

اور جو ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے
ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن دین و دنیا کی
ہر چیز کا روشن بیان بنا کر بھیجی تفصیل
واجمالی۔

۹۰ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
تفسیر حسینی یہی آیت نَزَّلْنَا فَرَسًا مِّنْ عِلْمِكَ
الْكِتَابَ بِرُتُوبِ الْقُرْآنِ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ بَيَانِ رُشْنِ بَرِّ
ہم چیز از امور دین و دنیا تفصیل و اجمال

تفسیر روح البیان یہی آیت يَتَعَلَّقُ بِأُمُورِ الدِّينِ
مِنْ ذَلِكَ أَحْوَالُ الْأُمَمِ وَأَسْبَابُ هِمِّ
تفسیر اتقان یہی آیت قَالَ الْجَاهِدُ يَوْمَ مَا
مِنْ شَيْءٍ فِي الْعَالَمِ الْآخِرِ فِي كِتَابِ اللَّهِ
فَقِيلَ لَهُ فَإِنَّ ذِكْرُ الْغَائِنَاتِ فَقَالَ فِي
قَوْلِهِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا
عِيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ۔

اس کے بیان کیلئے جو دینی چیزوں سے تعلق رکھتی ہوں
اور اس میں سے امتوں اور ان کے پیغمبروں کے حالات ہیں
حضرت مجاہد نے ایک دن فرمایا کہ عالم میں کوئی شے
ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو تو ان سے کہا گیا کہ مراد کیا
ذکر کہاں ہے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت میں ہے
کہ تم پر گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جس میں
کوئی رہتا نہ ہو اور تمہارا دامن سامان ہو۔

اس آیت ادراں تفسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ چیز ہے اور قرآن رب تعالیٰ
نے محبوب علیہ السلام کو سکھایا الرَّحْمَنُ عَلِيمٌ الْقُرْآنُ ۵ یہ تمام چیزیں علم مصطفیٰ علیہ السلام میں آئیں

۱۰) وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ -

جہاں میں یہ ہی آیت، تَفْصِيلَ الْكِتَابِ تَبَيَّنُ مَا كَتَبَ اللَّهُ تَعَالَى مِنَ الْأَحْكَامِ وَغَيْرِهَا (جہاں میں یہ ہی آیت، اُنہی فی اللوح المحفوظ روح البیان یہ ہی آیت) اُنہی وَتَفْصِيلَ مَا حَقَّقَ وَأَثْبَتَ مِنَ الْحَقَائِقِ وَالْأَسْرَاجِ وَفِي التَّأْوِيلَاتِ النَّجْوِيَّةِ اُنہی تَفْصِيلَ الْجُمْلَةِ الَّتِي هِيَ الْمُقَدَّمُ الْمَكْتُوبُ فِي الْكِتَابِ الَّذِي لَا يَنْطَرِقُ إِلَيْهِ الْحَوَرُ وَالْأَثْبَاتُ لِأَنَّهُ أَرْتَى أَبَدِيٌّ -

اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے قرآن سب کی تفصیل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ یہ تفصیلی کتاب ہے اس میں وہ احکام اور ان کے سوا دوسری چیزیں بیان کی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیں۔ یعنی لوح محفوظ میں تمام تفصیل ہے۔

یعنی یہ قرآن اُن شرعی اور حقیقت کی چیزوں کی تفصیل ہے جو ثابت کی جا چکی ہیں اور تاویلات نہیں ہے کہ اس تمام کی تفصیل ہے جو تقدیر میں آچکی ہیں اور اس کتاب میں کبھی جا چکی ہیں جس میں تو بدل نہیں جوتا کیونکہ وہ کتاب ازلی وابدی ہے۔

اس آیت و تفسیر سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم میں احکام شرعیہ اور تمام علوم موجود ہیں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ قرآن میں سارے لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔ اور لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ وَلَا يَأْبِسُ كَلَامِي فِي كِتَابٍ مُبِينٍ اور قرآن حضور علیہ السلام کے علم میں ہے۔ الرَّحْمَنُ أَعْلَمُ الْقُرْآنَ لہذا سارا لوح محفوظ حضور علیہ السلام کے علم میں ہے کیونکہ قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔

یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں اپنے سے اگلی کلاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔

یعنی اس قرآن میں جو آپ پر اتارا گیا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس چیز کی تفصیل ہے جسکی آپ کو ضرورت ہو حلال اور حرام منزائیں اور احکام اور قصے اور نصیحتیں اور مثالیں۔ ان کے علاوہ اور چیزیں جن کی بندوں کو اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں ضرورت پڑتی ہے۔

یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہے جسکی دین و دنیا

۱۱) مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى وَلَكِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ (تقریر بیان یہ ہی آیت) یَعْنِي فِي هَذَا الْقُرْآنِ الْمَثْرَلِ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ تَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ تَحْتَاجُ إِلَيْهِ مِنَ الْحَدَالِ وَالْحَرَامِ وَ الْحُدُودِ وَالْأَحْكَامِ وَالْفَضَائِلِ وَالْمَوَاضِعِ وَالْأَمْثَالِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْعِبَادُ فِي أَمْرِ دِينِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ -

تفسیر جہاں میں ہے وَتَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ دین و دنیا

چیز ہا کہ محتاج باشد در دین و دنیا۔

مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْعَالَمِ الْآخِرِ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى
(۱۲) الرَّحْمَنُ ۚ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۚ خَلَقَ الْإِنْسَانَ
عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۚ

تفسیر معالم التنزیل و حسینی یہی آیت خَلَقَ
الْإِنْسَانَ اُنْحَى مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَهُ
الْبَيَانَ يَعْنِي بَيَانَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ

تفسیر خازن یہی آیت۔

قِيلَ أَرَادَ بِالْإِنْسَانَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِي بَيَانَ مَا كَانَ وَ
مَا يَكُونُ لِذَلِكَ عَلَيْهِ السَّلَامُ رُبِّي عَنْ خَبَرِ
الْأَدَلِيِّ وَالْأَخْبَرِيِّ عَنْ يَوْمِ الدِّيْنِ۔

روح البیان یہی آیت، وَ عَلَّمَهُ نَبِيَّتًا عَلَيْهِ
السَّلَامُ الْقُرْآنَ وَأَسْرَارَ الْأَلْوَهِيَةِ كَمَا
قَالَ وَعَلِمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔

تفسیر مدارک یہی آیت (الْإِنْسَانَ أَيِ الْخَيْرِ
أَوِ الدَّمَرِ أَوْ مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

و معالم التنزیل یہی آیت، وَقِيلَ الْإِنْسَانَ
هَهُنَا مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ وَبَيَانُهُ عَلِمَكَ
مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔

تفسیر حسینی یہی آیت یا وجود محمد را یا موزانید

اور سکھایا ان کو جو ہو چکا ہے یا ہوگا۔

ان آیتوں اور تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اس کا سارا علم حضور علیہ الصلوٰۃ و

میں ضرورت ہو۔ (کتاب الاماثل لابن سراقہ میں ہے)

علم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔

رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی
جان نمد کو پیدا کیا ماکان و یا کون کا بیان اُس کو سکھایا
اللہ نے انسان یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری اگلی پچھلی
باتوں کا بیان سکھادیا۔

کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
کہ ان کو اگلے پچھلے امور کا بیان سکھادیا گیا کیونکہ حضور
علیہ السلام کو اگلوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے
دن کی خبر سے دی گئی۔

یعنی ہمارے نبی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے قرآن اور
اپنی ربوبیت کے مجید سکھائے جیسا کہ نور رب تعالیٰ
نے فرمایا کہ آپ کو سکھادیں وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے
انسان سے مراد جنس انسانی ہے یا آدم علیہ السلام
یا حضور علیہ السلام۔

کہا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضور
علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ
تمام باتیں سکھائیں جو نہ جانتے تھے۔

یا مراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کی ذات کو

السلام کو دیا گیا۔

(۳) مَا أَنْتَ بِنِعْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَجْحَدُ بِهِ
تفسیر روح البیان یہی آیت، یَسْتَوِرُ عَلَيْهَا
كَانَ فِي الْأَرْضِ وَمَا سَيَكُونُ إِلَّا إِلَى الْآبَدِ
إِنَّ الْبَحْرَ هُوَ الشَّكْرُ بَلْ أَنْتَ عَالِمٌ بِمَا
كَانَ وَخَيْرٌ بِمَا سَيَكُونُ۔

اس آیت و تفسیر سے علم غیب کُلّی ثابت ہوا۔
(۴) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا
مُتَحَوِّضٌ وَنُلْعَبُ۔

تفسیر و مشرور طبری یہی آیت، عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ
قَالَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ
قَالَ سَرَجُلٌ مِنَ الْمُنَافِقِينَ يُحَدِّثُنَا مُحَمَّدٌ
أَنَّ نَاقَةَ فَلَانٍ بَوَّادٍ كَذَا وَكَذَا وَمَا يُدْرِيهِ
بِالْغَيْبِ۔

اس آیت اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے غیب کا انکار کرنا منافقین کا کام تھا جس کو
قرآن نے کفر قرار دیا۔

(۵) فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ
أَمَرَ تَضَى مِنْ رَسُولٍ۔

تفسیر کبیرہ یہی آیت، أَمَى دَوَّمَ وَتَوَدَّرَ الْقِيَمَةِ
مِنَ الْغَيْبِ الَّذِي لَا يُظْهِرُهُ اللَّهُ لِأَحَدٍ
فَإِنْ قِيلَ فَإِذَا أَحْمَلْتُمْ ذَلِكَ عَلَى الْقِيَمَةِ
فَكَيْفَ قَالَ إِلَّا مَنِ أَمَرَ تَضَى مِنْ رَسُولٍ مَعَ
أَنَّهُ لَا يُظْهِرُ هَذَا الْغَيْبَ لِأَحَدٍ قُلْنَا بَلْ

تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

یعنی آپ سے وہ باتیں چھپی ہوئی نہیں ہیں جو ازل
میں تھیں اور وہ جو اب تک ہوئی۔ کیونکہ جن کے معنی
ہیں چھپنا بلکہ آپ اس کو جانتے ہیں جو ہو چکا اور
خبردار ہیں اُس سے جو ہوگا۔

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے
کہ تم قیروں ہی ہنسی کھیل میں تھے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے
اس آیت کے نزول کے بارے میں وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ
کہ ایک منافق نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
خبر دیتے ہیں کہ فلاں کی اور شنی فلاں جنگل میں ہے
ان کو غیب کی کیا خبر۔

اس آیت اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے غیب کا انکار کرنا منافقین کا کام تھا جس کو
قرآن نے کفر قرار دیا۔

تو اپنے غیب کسی کو مستط نہیں کرتا سوائے اپنے
پسندیدہ رسولوں کے۔

یعنی قیامت کے آنے کا وقت ان غیبیوں میں سے
ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پر ظاہر نہیں فرماتا پس اگر کہا
جوادے کہ جب تم نے اس غیب کو قیامت پر محمول کر لیا تو
اب رب تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا کہ پسندیدہ رسول کو محالاً
یہ غیب تو کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا جاتا تو ہم کہیں گے کہ رب

يُظهِرُهُ عِنْدَ قَرِيبٍ الْقِيَمَةِ -

تفسیر عربی ص ۱۴۲ - آخر بہ نسبت بہ مخلوقات
غائب است غائب مطلق است مثل وقت آمدن قیامت
واحکام کو فیروز و شرعیہ باری تعالیٰ در بروز و بروز شریعت
و مثل حقائق ذات و صفات او تعالیٰ علی اسمائیل
اس قسم بر غیب خاص او تعالیٰ نیز می نامند فَلَ يُظْهِرُهُ
عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا اِنْ مَطَّلَعُ نَفْسٍ كُنْدَ غَيْبِ غَاثٍ خَوْ
بِجَنَاسٍ لَّا كَمُكْرٍ لَّا رَاكِبٌ مِیْكَدُوا لَ كَسَ رَسُولٌ بَاشِدْ
خواہ از جنس ملک خواہ از جنس بشر مثل حضرت مصطفیٰ
علیہ السلام اور انہا بعضے از نبوب خاصہ خود می فرمادہ -
اَلْقِسْرَانِیَہِ (یَسْمُ) اَلْاَمْنِ یَعْبُطْفِیْہِ لَیْسَالِیْہِ
وَتَبْوِیْتِہِ فَيُظْهِرُہُ عَلٰی مَنْ یَّشَاءُ مِنْ الْغَیْبِ
حَتّٰی یَسْتَدْلَ عَلٰی نَبْوِیْتِہِ بِمَا یُخْبِرُ بِہِ
مِنْ الْمُغَیْبَاتِ فَيَكُونُ ذَلِکَ مُعْجَزَۃً لَّہُ
رد المحتار البیان یہ ہایت، قَالَ ابْنُ الشَّیْخِ اَنَّہُ
تَعَالٰی لَا یُطْلِعُ عَلٰی الْغَیْبِ الَّذِی یَخْصُصُ بِہِ
تَعَالٰی عَلِمَہُ اِلَّا لِمَا تَقْضٰی الَّذِی یَكُونُ رَسُوْلًا
وَمَا لَا یَخْصُصُ بِہِ یُطْلِعُ عَلَیْہِ غَیْرُ الرَّسُوْلِ

تعالیٰ قیامت کے قریب ظاہر فرمادینگا۔

جو چیز تمام مخلوقات سے غائب ہو وہ غائب مطلق ہے
جیسے قیامت کے آنے کا وقت اور روزانہ اور ہر چیز
کے پیدائشی اور شرعی احکام اور جیسے پروردگار کی
ذات و صفات بر طریق تفصیل اس قسم کو رب
تعالیٰ کا خاص غیب کہتے ہیں پس اپنے خاص غیب
پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ اس کے سوا جس کو پسند
فرماوے اور وہ رسول ہوتے ہیں خواہ فرشتے کی جنس
سے ہوں یا انسان کی جنس سے جیسے حضرت مصطفیٰ علیہ
السلام ان کو اپنے بعض خاص غیب پر ظاہر فرماتا ہے
سوا اس کے جس کو اپنی نبوت اور رسالت کیلئے چن
لیا پس ظاہر فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے غیب کا کمال
نبوت پر دلیل کمزری جاوے اُن غیب چیزوں سے جس
کی وہ خبر دیتے ہیں پس یہ اُن کا معجزہ ہوتا ہے۔

ابن شیخ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اس غیب پر جو اس کے
خاص ہے کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسول
کے اور جو غیب کہ رب سے خاص نہیں اس پر غیر
رسول کو بھی مطلع فرمادیتا ہے۔

اس آیت اور ابن تقاسیر سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا خاص علم غیب حتیٰ کہ قیامت کا علم بھی
محض علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا اب کیا شے ہے جو علم مصطفیٰ علیہ السلام سے باقی رہ گئی۔
۱۶۱) فَأَدْحٰی اِنِّیْ عَسِیْدٌ مَّا اَدْحٰی -

مدارج النبوة جلد اول واصل رویتہ الہی میں ہے۔

معراج میں رہنے حضور علیہ السلام پر جو سارے علوم

فَأَدْحٰی الْاٰیۃِ بِتَمَامِ عُلُوْمٍ وَمَعْلَفٍ وَحَقَائِقٍ وَبَشَارَاتٍ

واشارات، اخبار و آثار و کلمات و کمالات در
محیط این ایہام داخل است و ہمدرا شامل و کثرت و
عظمت اوست کہ مبہم آورد و بیان نہ کرد اشارات
بانکہ جز علم علام الغیوب و رسول محبوب بر آن محیط
تواند شد مگر آن چہ آں حضرت بیان
کرده -

اور معرفت ادر بشارتیں اور اشک ادر خبریں اور کرامتیں کمالات
وحی فرماتے وہ اس پہلیم میں داخل ہیں اور سب شامل ہیں
انکی زیادتی اور عظمت ہی کی وجہ سے ان پر نہ کو بطور ایہام
ذکر کیا بیان نہ فرمایا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان علوم
غیبیہ کو سوائے نب تعالیٰ اور محبوب علیہ السلام کے کوئی نہیں
عطا کر سکتا۔ بل جن قدر حضور نے بیان فرمایا وہ معلوم ہے۔

اس آیت اور عبارت سے معلوم ہوا کہ معراج میں حضور علیہ السلام کو وہ علوم عطا ہوئے۔ جن کو
نہ کوئی بیان کر سکتا ہے ورنہ کسی کے خیال میں آسکتے ہیں ماکان و مایکون تو صرف بیان کے لائق ہے۔
ورنہ اس سے بھی کہیں زیادہ کی عطا ہوئی -

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ه

یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
لوگوں کو اس سے مطلع فرما دیتے ہوں -

(معالم التنزیل یہ ہی آیت) عَلَى الْغَيْبِ وَخَبِيرِ
الْسَّمَاءِ وَمَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ مِنَ الْخَبَائِرِ الْقَصَصِ
بِضَنِينٍ اَنی بِمُخْبِرٍ يَقُولُ اِنَّهٗ يَاتِيهِ عِلْمُ
الْغَيْبِ فَلَا يَخْطُبُ بِهِ عَلَيْكُمْ بَلْ يَعْلَمُكُمْ وَ
يُخَبِّرُكُمْ وَلَا يَكْتُمُ كَمَا يَكْتُمُ الْكَافِرُ
(فازن یہ ہی آیت) يَقُولُ اِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ
يَاتِيهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَخْطُبُ بِهِ عَلَيْكُمْ
بَلْ يَعْلَمُكُمْ -

حضور علیہ السلام غیب پر اور آسمانی خبروں پر اور
ان خبروں و قصصوں پر بخبر نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ
حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے پس وہ
اس میں تم پر بخبر نہیں کرتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں اور تم
کو خبر دیتے ہیں جیسے کہ کامن چھپاتے ہیں ایسے نہیں چھپا
مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب
آتا ہے و تم پر اس میں غل نہیں فرماتے۔ بلکہ تم کو
سکھاتے ہیں -

اس آیت و عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام لوگوں کو علم غیب سکھاتے ہیں۔ اور سکھائے گا۔ وہ
ہی جو خود جانتا ہے -

وَعَلَّمَهُ مِنْ كَدِّ نَا عَلَمًا -

اور ان کو اپنا علم لدنی عطا کیا یعنی حضرت خضر کو

ہیضادی میں یہی آیت، اَتَىٰ مِمَّا يَخْتَصُّ نَبَأُ لَا يَعْلَمُ إِلَّا بِتَوْقِيفِنَا وَهُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ۔

حضرت خضر کو وہ علم سکھائے جو ہمارا ساتھ خاص ہیں بغیر ہمارے بتائے کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیب ہے

تفسیر ابن جریر میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا كَانَ مِنْ جَلَدٍ يَعْلَمُ عِلْمُ الْغَيْبِ قَدْ عَلِمَ ذَلِكَ (روح البیان یہی آیت) ثُمَّ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالْاَخْبَارُ عَنْهَا يَأْتِيهِ تَعَالَى كَمَا مَآذِ هَبْ اَكْبَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ۔

حضرت خضر نے فرمایا تھا حضرت موسیٰؑ سے کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے وہ خضر علم غیب جانتے تھے کہ انہوں نے کیا۔ حضرت خضر کو جو لدنی علم سکھایا گیا وہ علم غیب ہے اور اس غیب کے متعلق خبر دینا ہے خدا کے حکم سے جیسا کہ اس طرف ابن عباسؓ کہتے ہیں۔

(تفسیر دارک یہی آیت) يَغْنِي الْاِخْبَارُ مَا بِالْغَيْبِ وَقِيلَ اَلْعِلْمُ الَّذِي مِمَّا حَصَلَ لِلْعَبْدِ بِطَرِيقِ الْاِلْهَامِ۔

یعنی حضرت خضر کو غیب کی خبریں دیں اور کہا گیا ہے کہ علم لدنی وہ ہوتا ہے جو بندے کو الہام کے طریقہ پر حاصل ہو۔

(تفسیر حازن یہی آیت) اَتَىٰ عِلْمُ الْبَاطِنِ الْاِلْهَامُ۔

یعنی حضرت خضر کو علم باطن الہام کے طریقہ پر عطا فرمایا

اس آیت و تفسیر میں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت خضر کو بھی علم غیب عطا فرمایا تھا۔

جس سے لازم آیا کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا ہوا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوق الہی سے زیادہ عالم ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام بھی مخلوق ہیں۔

(۱۹) وَكَذَلِكَ نُرِي اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

(تفسیر حازن یہی آیت) اَقِيْمَ عَلَى صُفْحَةٍ وَ كُشِفَ لَهُ عَنِ السَّمٰوٰتِ حَتَّى رَآى الْعَرْشَ وَ اَلْكَرْمَ سَبَّأً وَ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ كُشِفَ لَهُ عَنِ الْاَرْضِ حَتَّى نَظَرَ اِلَى اَسْفَلِ الْاَرْضَيْنِ وَ رَأَى مَا فِيْهَا مِنَ الْعَجَائِبِ۔

حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کو صغیرہ پر کھڑا کیا گیا اور ان کیلئے آسمان کھول دیئے گئے یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جو کچھ آسمانوں میں ہے دیکھ لیا اور آپ کیلئے زمین کھولی گئی یہاں تک کہ انہوں نے زمینوں کی سبھی زمین اور ان عجائبات کو دیکھ لیا جو زمینوں میں ہیں۔

(تفسیر دارک یہی آیت) قَالَ مُجَاهِدٌ فُرِجَتْ لَهُ

عجاہد نے فرمایا کہ ابراہیمؑ علیہ السلام کے ایسے ساتوں

السَّمَوَاتِ السَّبْعُ فَنَظَرَ إِلَى مَا فِيهِنَّ
حَتَّىٰ انْتَهَىٰ نَظْرُهُ إِلَى الْعَرْشِ وَفَرِحَتْ
لَهُ الْأَرْضُ ضُوءَ السَّبْعِ حَتَّىٰ نَظَرَ إِلَى مَا
فِيهِنَّ -

روح الیوان یہی آیت عجائب و بدائع
آسمانوں میں مازدود عرش تا تحت الثریٰ پر منکشف

آسمان کھول دیئے گئے ہیں انہوں نے دیکھ لیا۔
جو کچھ آسمانوں میں ہے یہاں تک کہ ان کی نظر عرش
تک پہنچ گئی اور ان کے ایسے سات زمینیں کھولی گئیں
کہ انہوں نے وہ چیزیں دیکھ لیں جو زمینوں میں ہیں۔
ابراہیم کو آسمان دزمین کی عجائبات و غرائب دکھائے
اور عرش کی بلندی سے تحت الثریٰ تک کھول دیا۔

تفسیر ابن جریر ابن ابی حاتم میں اسی آیت کے تحت ہے -

إِنَّهُ جَلَّ لَهُ الْأَمْرُ مَرَّةً وَاعْلَانِيَّتُهُ قَلَمٌ
يَخْفُ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ أَعْمَالِ الْخَلَائِقِ -
(تفسیر کبیر یہی آیت) إِنَّ اللَّهَ شَقَّ لَهُ السَّمَوَاتِ
حَتَّىٰ رَأَىٰ الْعَرْشَ وَ الْكُرْسِيَّ وَ إِلَى
حَيْثُ يَنْتَهَىٰ إِلَيْهِ تَوْقِيَةُ الْعَالَمِ
الْجِسْمَانِيَّ وَ رَأَىٰ مَا فِي السَّمَوَاتِ مِنْ
الْعَجَائِبِ وَ الْبَدَائِعِ وَ رَأَىٰ مَا فِي بَطْنِ
الْأَرْضِ مِنْ الْعَجَائِبِ وَ الْغَرَائِبِ -

حضرت ابراہیم پر کھلی پوشیدہ تمام چیزیں کھل گئیں
پس ان پر مخلوق کے اعمال میں سے کچھ بھی چھپا نہ رہا۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کیلئے آسمانوں کو چیر دیا
یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جہان تک جہانی
علم کی فوقیت ختم ہوتی ہے دیکھ لیا۔ اور وہ عجیب و
غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو آسمانوں میں ہیں۔ اور
وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو زمین کے
پیٹ میں ہیں۔

اس آیت اور ان تفسیری عبارات سے معلوم ہوا کہ از عرش تا تحت الثریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو
دکھائے گئے اور مخلوق کے اعمال کی بھی ان کو خبر دی گئی اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے
تو ماننا پڑے گا کہ حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم عطا ہوئے۔

خیال رہے کہ عرش کے علم میں لوح محفوظ بھی آگئی۔ اور لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے اس کو ہم پہلے بیان
کر چکے۔ لہذا ماکان و مایکون کا علم تو ان کو بھی حاصل ہوا۔ اور علم ابراہیمی اور علم حضرت آدم علیہ السلام
حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے۔

(۲۰) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ يَا قَاهِ الْأَنْبِيَاءِ يَا بَنِي آدَمَ - اس کی
تفسیر میں روح الیوان و کبیر و خازن میں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تمہیں کھانے کے گذشتہ و آئندہ کے

سارے حالات بتا سکتا ہوں کہ غلہ کہاں سے آیا اور اب کہاں جائے گا۔ تفسیر کبیر نے تو فرمایا کہ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ کھانا نفع دے گا یا نقصان۔ یہ چیزیں وہ ہی بتا سکتا ہے جو ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہو پھر فرماتے ہیں۔
 ذَلِكُمْ مِمَّا عَلَّمَنِی رَبِّیْ - یہ علم تو میرے علم کا بعض حصہ ہے۔
 اب بتاؤ کہ حضور علیہ السلام کا علم کتنا ہوگا۔ علم یوسفی تو علم مصطفیٰ کے سمندر کا قطرہ ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدْخُرُوْنَ
 فِیْ بُيُوتِكُمْ - میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو کچھ جمع کرتے ہو۔

دیکھو کھانا گھر میں کھایا اور رکھا گیا۔ جہاں عیسیٰ علیہ السلام موجود نہیں تھے اور انکی خبر آپ باہر سے رہے ہیں یہ ہے علم غیب۔

(۲۱) یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَن
 أَشْيَاءٍ إِن تَبْذُلُوا لَكُمْ نَسُؤَكُمْ - اے ایمان والو ایسی باتیں ہمارے محبوب سے نہ پوچھو کہ اگر تم پرتلاش کر دو جاویں تو تمہیں ناگوار ہوں۔

بخاری شریف میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کی عن ابن عباس قَالَ كَانَ قَوْمٌ
 یَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَخْرُوا الرَّجُلَ مَنْ إِنِّیْ وَیَقُولُ الرَّجُلُ
 اِنَّ نَاقَتِیْ فَاتَوَلَّ اللَّهُ فِیْهِمْ هَذِهِ الْاٰیَةُ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَن اَشْیَاءٍ
 تَحْتَمِلُ - مخالفین سے ان دلائل کے جواب کچھ نہیں بنتے صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ جن آیات
 میں کُلُّ شَیْءٍ کا ذکر ہوا یا فرمایا گیا مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ان میں مراد شریعت کے احکام ہیں نہ کہ وحی
 اس کے لیے چند دلائل لاتے ہیں۔

۱، کُلُّ شَیْءٍ غیر متناہی رہے انہما میں اور غیر متناہی چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو ہونا منطقی قاعدے
 سے بالکل باطل ہے دلیل تسلسل سے۔

(۲) بہت سے مفسرین نے بھی کُلُّ شَیْءٍ کے معنی کیے ہیں مِنْ اُمُورِ الدِّیْنِ یعنی دین کے احکام
 جیسے جلالین وغیرہ۔

(۳) قرآن پاک میں بہت جگہ کُلُّ شَیْءٍ فرمایا گیا ہے مگر اس سے بعض چیزیں مراد ہیں جیسے وَ
 اُوتِیْتُمْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ لِّیْقِسَ کُلُّ شَیْءٍ دُمِی گئی۔ حالانکہ بلقیس کو بعض چیزیں ہی دی گئی تھیں

مگر یہ دلائل نہیں صرف غلط فہمی ہے اور دھوکا۔ ان کے جوابات یہ ہیں :-
عربی زبان میں کلمہ کل اور کلمہ ماعوم کے لئے آتے ہیں۔ اور قرآن کا ایک ایک کلمہ قطعی ہے اس
میں کوئی قید لگانا محض اپنے قیاس سے جائز نہیں۔ قرآن پاک کے عام کلمات کو حدیث آماد سے
بھی خاص نہیں بنا سکتے چربائیکہ محض اپنی رائے سے۔

۱) كُلُّ شَيْءٍ غَيْرُ مُتَنَاهٍ نہیں۔ بلکہ متناہی میں۔ تفسیر کمیز زیر آیت وَ أَخْطَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا
قُلْنَا لَا شَكَّ اِنْ اِخْصَاءَ الْعَدَدِ اَيَّمَا يَكُونُ
فِي الْمُتَنَاهِي فَاَمَّا لَفْظَةِ كُلِّ شَيْءٍ فَاِنَّهَا لَا تَدُلُّ
عَلَى كَوْنِهِ غَيْرَ مُتَنَاهٍ لِاَنَّ الشَّيْءَ عِنْدَنَا هُوَ
الْمَوْجُودُ دَاوِمًا وَالْمَوْجُودَاتُ مُتَنَاهِيَةٌ فِي الْعَدَدِ
تفسیر روح البیان میں اسی آیت وَ أَخْطَى كُلِّ شَيْءٍ کے ماتحت فرمایا۔

۲) وَ هَذِهِ الْآيَةُ مِمَّا يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى اَنَّ الْعَدَدَ
لَيْسَ بِشَيْءٍ اِنَّهُ لَوْ كَانَ شَيْئًا لَكَانَتْ
الْاَشْيَاءُ غَيْرَ مُتَنَاهِيَةً وَ كَوْنُهُ اَخْطَى
عَدَدًا هَا يُقْتَضَى كَوْنُهَا مُتَنَاهِيَةً لِاَنَّ اِخْصَاءَ
الْعَدَدِ اَيَّمَا يَكُونُ فِي الْمُتَنَاهِي۔
اس آیت سے اس پر بڑی دلیل پکڑی جاتی ہے کہ
معلوم (غیر موجود) شئی نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بھی شئی
ہوتی تو چیزیں غیر متناہی رہے لہذا ہوا جاتیں۔ اور
چیزوں کا شمار میں آنا چاہتا ہے کہ چیزیں متناہی ہوں
کیونکہ عدد سے شمار متناہی کی ہو سکتی ہے۔

۳) اگر بہت سے مفسرین نے كُلِّ شَيْءٍ سے صرف شریعت کے احکام مراد لیے ہیں تو بہت سے
مفسرین نے کلی علم غیب بھی مراد لیا ہے اور جبکہ بعض دلائل نفی کے ہوں۔ اور بعض ثبوت کے۔ تو
ثبوت والوں کو ہی اختیار کیا جاتا ہے۔

۴) اور انوار بحث تعارض میں ہے۔ وَالْمُثَبِّتُ اَوَّلِي مِنَ النَّازِلِ ثابت کرنے والے دلائل نفی کرنے
والے سے زیادہ بہتر ہیں۔ تو جن تفسیروں کے حوالہ ہم پیش کر چکے ہیں۔ چونکہ ان میں زیادہ کا ثبوت ہے
لہذا وہ ہی قابل قبول ہیں۔ نیز كُلِّ شَيْءٍ کی تفسیر خود احادیث اور علمائے امت کے اقوال سے ہم بیان
کریں گے کہ کوئی ذرہ کوئی قطرہ ایسا نہیں جو حضور علیہ السلام کے علم میں نہ آگیا ہو اور ہم مقدمہ کتاب میں کچھ
چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالحدیث اور تفسیر دل سے بہتر ہے لہذا حدیث ہی کی تفسیر مانی جاوے گی۔

نیز جن مفسرین نے امور دین سے تفسیر کی انہوں نے بھی دوسری چیزوں کی نفی تو نہ کی۔ لہذا تم نفی کہاں سے نکالتے ہو؟ کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے اس کی نفی کیسے ہوگی۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **تَقْلِبْهُمُ الْآخِرَةُ** یعنی تمہارے کپڑے تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔ تو کیا کپڑے سردی سے نہیں بچاتے؟ مگر ایک چیز کا ذکر نہ فرمایا۔ نیز دین تو سب ہی کو شامل ہے۔ عالم کی کون سی چیز ایسی ہے۔ جس پر دین کے احکام حرام حلال وغیرہ جاری نہیں ہوتے تو ان کا یہ فرمانا کہ دینی علم مکمل کر دیا سب کو شامل ہے۔

(۳) بلقیس وغیرہ کے قصہ میں جو کھل شئی آیا ہے۔ وہاں قرینہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کھل شئی سے مراد سلطنت کے کاروبار کی کل چیزیں ہیں۔ اس لئے وہاں گویا عجازی معنی مراد لئے گئے یہاں کو نسا قرینہ ہے جس کی وجہ سے کھل شئی کے حقیقی معنی اچھوڑ کر عجازی معنی مراد لئے عبادین خیال رہے۔ کہ قرآن کریم نے ہد ہد کا قول نقل فرمایا کہ اس نے کہا **أَدْنَيْتُ مِنْ كَلِّ شَيْءٍ** بلقیس کو ہر چیز دی گئی خود رب نے یہ خبر نہ دی۔ ہد ہد سمجھا کہ بلقیس کو دنیا بھر کی تمام چیزیں مل گئیں مگر مصطفیٰ علیہ السلام کے لئے خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **نَبِّئْنَا نَا كَلِّ شَيْءٍ** ہد ہد غلطی کر سکتا ہے رب کا کلام غلط نہیں ہو سکتا اس نے تو یہ بھی کہا **دَكَّاهُ عَرَشُ عَظِيمٍ** کیا تخت بلقیس عرش عظیم تھا۔ بلکہ قرآن کی اور آیتیں تو بتا رہی ہیں کہ کھل شئی سے مراد یہاں عالم کی تمام چیزیں ہیں۔ فرماتا ہے۔ **وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ** کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ یا قرآن کریم میں نہ ہو پھر آنے والی احادیث اور علماء اور محدثین کے قول بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز کا حضور علیہ السلام کو علم دیا گیا۔ ہم حاضر و ناظر کی بحث میں انشاء اللہ بتائیں گے کہ تمام عالم ملک الموت کے سامنے ایسا ہے۔ جیسا ایک طشت۔ اور ابلیس ان کی آن میں تمام زمین کا چکر لگالیتا ہے۔ اور یہ دیوبندی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ساری مخلوقات سے زیادہ حضور علیہ السلام کا علم ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کو بھی ان چیزوں کا علم ہو۔ حضرت آدم اور کاتب تقدیر فرشتہ کا علم ہم علوم خمسہ کی بحث میں بتائیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ سارے علوم خمسہ ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام تو ساری مخلوق سے زیادہ عالم لہذا حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم بلکہ اس سے زیادہ ماننا پڑیں گے۔ ہمارا مدعے ہر حال میں ثابت ہے۔ **وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ**۔

دوسری فصل

علم غیب کی احادیث کے بیان میں

اس فصل میں ہم نمبر دار احادیث بیان کرتے ہیں۔ پھر اسی نمبروں کی ترتیب سے تیسری فصل میں ان حدیثوں کی شرح بیان کریں گے۔

(۱) بخاری کتاب بدء الخلق اور مشکوٰۃ جلد دوم باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء میں حضرت فاروق سے روایت ہے:

قَامَ قَيْنَا سِرَّ سَوَّلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَقَامًا فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتَّى
دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ
مَنَازِلَهُمْ حَقِيقَةُ ذَلِكَ مَنْ حَقِيقَةُ وَ
نَسِيَّةٍ مَنْ نَسِيَّةٍ۔

حضور علیہ السلام نے ہم میں ایک جگہ قیام فرمایا۔
پس ہم کو ابتداء پیدائش کی خبر دے دی۔ یہاں تک
کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ گئے اور جہنمی اپنی
میں جس نے یاد رکھا۔ اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا
وہ بھول گیا۔

اس جگہ حضور علیہ السلام نے دو قسم کے واقعات کی خبر دی۔ ۱۔ عالم کی پیدائش کی ابتدا کس طرح
ہوئی ۲۔ پھر عالم کی انتہا کس طرح ہوگی۔ یعنی از روز ازل تا قیام قیامت ایک ایک ذرہ و قطرہ بیان کر دیا
(۲) مشکوٰۃ باب المعجزات میں مسلم سے بروایت عمرو ابن الخطیب اسی طرح منقول ہے مگر اس
میں اتنا اور ہے۔

فَأَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ
الْقِيَامَةِ فَأَعْلَمْنَا أَحْفَظْنَا۔

ہم کو تمام ان واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک دنیا
میں ہیں ہم میں بڑا عالم وہ ہے جو ان باتوں کا زیادہ حافظ ہے۔

(۳) مشکوٰۃ باب الخلق میں بخاری و مسلم سے بروایت حضرت حذیفہ ہے۔

مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ إِلَى
يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَقِيقَةُ مَنْ
حَقِيقَةُ وَنَسِيَّةٍ مَنْ نَسِيَّةٍ۔

حضور علیہ السلام نے اس جگہ قیامت تک کی کوئی
چیز نہ چھوڑی مگر اس کی خبر دے دی جس نے یاد
رکھا یا یاد رکھا بھول گیا وہ بھول گیا۔

(۴) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں مسلم سے بروایت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ رَدَّىٰ لِي الْأَرْضَ مِنْ فَرْعَيْنِ مَشْرِقِي

اللہ نے میرے لیے زمین سمیٹ دی پس میں نے

الْأَرْضِ وَمَعَارِبَهَا۔

زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔

(۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں عبدالرحمن بن عائش سے روایت ہے۔

ہم نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ پر رکھا جس کی ٹھنک ہم نے اپنے قلب میں پائی پس تمام آسمان و زمین کی چیزوں کو ہم نے جان لیا۔

رَأَيْتُ مَرِيَّةَ عَمْرٍو وَجَلَّ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ
فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ
بُرْذَهَابَيْنِ شَرَّيْنِ فَعَلِمْتُ مَا فِي
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ۔

(۶) شرح مواہب اللدنیہ للزرقانی میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمایا پس ہم اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت تک جوئیلا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ دَفَعَنَا إِلَى مَا نَظَرْنَا إِلَيْهَا
وَأَلَى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ
كَأَنَّمَا نَنْظُرُ إِلَى كَفِّي هَذَا۔

(۷) مشکوٰۃ باب المساجد بروایت ترمذی ہے۔

فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ۔

پس ہمارے لیے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور ہم نے پہچان لی

(۸) مسند امام احمد بن حنبل میں بروایت ابو زر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

ہم کو حضور علیہ السلام نے اس حال پر چھوڑا کہ کوئی پرندہ اپنے پر بھی نہیں ہلاتا۔ مگر اس کا ہم کو علم بتا دیا۔

لَقَدْ تَرَكْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَمَا يَحْرُكُ طَائِرٌ جَنَاحِيهِ إِلَّا ذَكَرْنَا مَنَّهُ مُنْجِلًا

(۹) مشکوٰۃ باب الفتن فصل ثانی میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

میں نے چھوڑا حضور علیہ السلام نے کسی فتنہ چلائیوں کو دنیا کے ختم ہونے تک جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تک پہنچے گی مگر ہم کو اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے قبیلے کا نام بتا دیا۔

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ
قَائِدٍ فِتْنَةٍ إِلَى أَنْ تَقْضَى الدُّنْيَا يُبْلَغُ مِنْ
ثَلَاثِ مِائَةِ فَصَاعِدًا قَدْ سَمَاهُ لَنَا بِاسْمِهِ
وَأَسْمِ أَبِيهِ وَأَسْمِ قَبِيلَتِهِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

(۱۰) مشکوٰۃ باب ذکر الانبیاء میں بخاری سے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) کو اس قدر ہلکا کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑہ کو زمین لگانے کا حکم دیتے تھے

خَفِيفٌ عَلَى دَاوُدَ الْقُرْآنُ أَنْ فَكَانَ يَأْمُرُ
دَوَابَّهُ فَتَسْرِعُ بِقِيعَرٍ الْقُرْآنُ أَنْ قَبِلَ

أَنْ تَسْرَجَ

یہ حدیث اس جگہ اس لیے بیان کی گئی کہ اگر حضور علیہ السلام نے ایک وعظ میں ازاوّل تا آخر وقت بیان فرمادیتے تو یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔ جیسا کہ حضرت داؤد ان کی آن میں ساری روبرو شریف پڑھ لیتے تھے۔

(۱۱) مشکوٰۃ باب مناقب اہل البیت میں ہے۔

تِلْدٌ قَاطِمَةٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ عَلَامًا يَكُونُ فِي حَجْرِكَ - حضور علیہ السلام نے خبر دی کہ فاطمہ زہرا کے فرزند پیدا ہوگا۔ جو مہربانی پرورش میں رہے گا۔

(۱۲) بخاری باب اثبات عذاب القبر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے۔

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ فَقَالَ لِمَ يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَيْبَرٍ أَمْ أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَهُ يَسْتَمِرُّهُ مِنَ الْبُؤْسِ وَآمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالْقِمِيمَةِ ثُمَّ اخْدَجَرِيْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَنِي كُلَّ قَبْرِ وَاحِدَةٍ وَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا - حضور علیہ السلام دو قبروں پر گزرے جن میں عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا کہ ان دونوں شخصوں کو عذاب دیا جا رہا ہے۔ کسی دشوار بات میں عذاب نہیں ہو رہا ہے ان میں سے ایک تو عذاب سے بچتا تھا اور دوسرا چٹکی کیا کرتا تھا پھر ایک تر شاخ لے کر اسکو آدھا آدھا چیرا پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں سے عذاب میں کمی کی جاوے گی۔

(۱۳) بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ اور تفسیر خازن میں زیر آیت لَا تَسْأَلُوْا عَنْ شَيْءٍ إِنْ تَبَدَّلَ لَكُمْ هُوَ۔

قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ نَذَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ أَنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا أُمُورًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ أَحَبَّ أَنْ يُسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلَيْسَتْ عَنْهُ قَوْلَ اللَّهِ لَا تَسْأَلُوْا فِي شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرَكُمْ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ أَيْنَ مُدْخِلِي قَالَ النَّارُ فَقَامَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ

حضور علیہ السلام منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات میں پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھئے قسم خدا کی جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کوئی بات ہم نہ پوچھو گے مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں۔ عبد اللہ

حَدَّثَنَا فَقَالَ مَنْ أَنَّى قَالَ أَبُو لَك حَدَّثَنَا
ثُمَّ كَثُرَ أَنْ يَقُولَ سَلُونِي سَلُونِي -

ابن جذاذ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون
ہے فرمایا جذاذ پھر بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو۔

خیال رہے کہ جہتی یا جنتی ہونا علوم خمسہ میں سے ہے کہ سعید ہے یا شقی اسی طرح کون کس کا بیٹا
ہے یہ ایسی بات ہے کہ جس کا علم سولہ اس کی ماں کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا قربان ان نگاہوں کے
ہو کہ اندھیرے اجالے، دنیا و آخرت سب کو دیکھتی ہیں۔

(۱۴) مشکوٰۃ باب مناقب علی میں ہے۔

قَالَ يَوْمَ خَبَّرَ الْأَعْطَيْنِ هَذِهِ الرَّايَةُ
عَدَا أَمْرًا جَلًّا يَقْتَضِي اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ حُجُبُ
اللَّهُ وَمِنْ سُؤْلِهِ -

حضرت علیہ السلام نے خبر کے سن کر فرمایا کہ ہم کل یہ جھنڈا
اس کو دیں گے جسکے ہاتھ پر اللہ خبر فتح فرمادینگا اور
وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

(۱۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں ابو زر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

عَرَضْتُ عَلَى أَعْمَالُ أَمَّتِي حَسَنَةً وَسَيِّئَةً
فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا الْأَذَى يَمَاطُ
عَيْنَ الْكَرْبِيِّ -

مہم پر ہماری امت کے اعمال پیش کیے گئے اچھے بھی
اور برے بھی ہم نے انکے اچھے اعمال میں وہ تکلیف دہ
چیز بھی پائی جو راستے سے ہٹا دی جائے۔

(۱۶) مسلم جلد دوم کتاب الجہاد باب غزوہ بدر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا
مَصْرَعٌ فَلَا يَضْعُ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هَهُنَا
هَهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعٍ يَدِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ
ہے اور اپنے دست مبارک کو اُدھر اُدھر زمین پر رکھتے
تھے راوی نے فرمایا کہ کوئی بھی مقتولین میں سے حضور
علیہ السلام کے ہاتھ کی جگہ سے ذرا بھی نہ ہٹا۔

خیال رہے کہ کون کس جگہ مرے گا۔ یہ علوم خمسہ میں سے ہے جس کی خبر حضور علیہ السلام جنگ بدر
میں ایک روز پہلے ہی دے رہے ہیں۔

(۱۷) مشکوٰۃ باب المعجزات میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

فَقَالَ رَجُلٌ تَاللَّهِ إِنْ رَوَيْتُكَ الْيَوْمِ
ذَنْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ الذَّنْبُ الْمُنْجَبُ

شکاری آدمی نے کہا کہ میں نے آج کی طرح کبھی نہ
دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کر رہا ہے تو بھیڑیا بولا کہ اس سے

مِنْ هَذَا أَرْجُلٌ فِي النَّضَلَاتِ بَيْنَ
الْحَرَّتَيْنِ يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَطَى وَمَا هُوَ
كَائِنْ بَعْدَ كُمْ -

عجیب بات یہ ہے کہ (ایک صاحب حضور) دو میدانوں کے درمیانی نخلستان (مدینہ) میں ہیں اور تم کو گذشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں۔

(۱۸) تفسیر خازن پارہ ۴ زیر آیت - مَا كَانَ اللَّهُ لِيُكَفِّرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ -

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَعْرُضَتْ عَلَى
أَمَتِي فِي صُورِهَا فِي الطَّيْنِ كَمَا عَرَضَتْ
عَلَى آدَمَ وَأَعْلَمْتُ مَنْ يُؤْمِنُ بِي وَمَنْ
يُكْفِرُ بِي فَبَلَغَ ذَلِكَ الْمُنَافِقِينَ قَالُوا اسْتِغْثَا
زَعَمَ مُحَمَّدٌ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَ
مَنْ يَكْفُرُ بِهِ لَمْ يَخْلُقْ بَعْدُ وَ تَحْنُ
مَعَهُ وَمَا يَعْرِفُنَا فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللَّهَ
وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ طَعَنُوا
فِيَّ عَلَيَّ لَأَتَسَلُّونِي عَنْ شَيْءٍ فِيمَا بَيْنَكُمْ
وَبَيْنَ السَّاعَةِ إِلَّا أَنْبَأْتُكُمْ بِهِ -

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پر ہماری امت پیش فرمائی گئی اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں جس طرح کہ حضرت آدم پر پیش ہوئی تھی ہم کو بتایا گیا کون ہم پر ایمان لادے گا اور کون کفر کیا یہ خبر منافقین کو بھی تو وہ نہیں کر سکتے تھے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کو لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر و مومن کی خبر ہو گئی تھی تو ان کے ساتھ ہیں اور ہم کو نہیں پہچانتے یہ خبر حضور علیہ السلام کو بھی تو آپ منبر پر کھڑے ہوتے اور خدا کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا تو مومن کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعن کرتے ہیں اب قیامت تک کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم ہم سے پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم میں طعن کرنا منافقوں کا طریقہ ہے دوسرے یہ کہ قیامت تک کے واقعات سارے حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔

(۱۹) مشکوٰۃ کتاب الفتن باب الملاحم فصل اول میں مسلم سے روایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے -
إِنِّي لَأَعْرِفُ أَسْمَاءَهُمْ وَأَسْمَاءَ آبَائِهِمْ
وَأَلْوَانَ خَبِيرِهِمْ خَوَارِسَ أَوْ مِنْ
خَبِيرٍ قَوَارِسَ عَلَى ظَهْرِ الْأَمْسَاحِ -

ہم ان کے (وہاں سے جہاد کی تیاری کرنے والوں) نام ان کے باپ و اول کے نام ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتے ہیں وہ روئے زمین پر بہترین سوار ہیں۔

(۲۰) مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر و عمر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ کیا کوئی الیائہی ہے جس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہوں فرمایا ہاں وہ عمر ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے سارے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کی پوری خبر ہے اور آسمانوں کے تمام ظاہر و پوشیدہ تاروں کا بھی تفصیلی علم ہے۔ حالانکہ بعض بعض تارے اب تک فلاسفہ کو سائنسی آلات سے بھی معلوم نہ ہو سکے۔ حضور علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ عمر کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی برابر ہی یا کمی بیشی وہ ہی بتا سکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدار بھی معلوم ہو۔

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی قدر پر کفایت کی گئی ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس طرح ہے۔ جیسے اپنی کف دست۔ خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ماسوائے اللہ کو تو عالم اجسام، عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان، عالم ملکوت، عرش و فرش وغیرہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے اور عالم میں لوح محفوظ بھی ہے جس میں سارے حالات ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگلے پچھلے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں۔ تیسرے یہ معلوم ہوا کہ تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر جو کام کیے جاویں وہ بھی نگاہ مصطفیٰ علیہ السلام سے پوشیدہ نہیں کہ عبد اللہ کے والد حذیفہ کو بتایا۔ چوتھے یہ معلوم ہوا کہ کون کب مرے گا۔ کہاں مرے گا۔ کس حال میں مرے گا۔ کافر یا مومن، عورت کے پیٹ میں کیا ہے یہ بھی میرے حضور علیہ السلام پر مخفی نہیں غرضیکہ ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ علم میں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تیسری فصل

شارحین احادیث کے اقوال میں دوبارہ علم غیب

(۱) عینی شرح بخاری۔ فتح الباری ارشاد الساری شرح بخاری۔ مرقاة شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۱ کے تحت ہے۔
 فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ أَخْبَرَ فِي الْمَجْلِسِ الْوَحِيدِ بِجَمِيعِ أَحْوَالِ الْمَخْلُوقَاتِ مِنْ ابْتَدَائِهَا إِلَى انْتِهَائِهَا۔
 اس حدیث میں دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ہی مجلس میں ساری مخلوقات کے سارے حالات کی ابتداء تا انتہاء خبر دے دی۔

(۲) مرقاة شرح مشکوٰۃ اور مشرح شفا الملام علی قاری و زرقانی شرح مواہب۔ نسیم الریاض شرح شفا میں حدیث نمبر ۱ میں ہے۔

مَا صَدَلَهُ أَنَّهُ طَوَى لَهُ الْأَرْضَ وَجَعَلَهَا
تَجْمُوعَةً كَهَيْئَةِ كَفِّ فِيهِ مِرْوَةٌ يُنْظَرُ
إِلَى جَمْعِهَا وَطَوَاهَا بِتَقْرِيبِ بَعِيدِهَا
إِلَى قَرِيبِهَا حَقًّا اِطْلَعْتُ عَلَى مَا
فِيهَا -

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کیلئے زمین
سمیٹ دی گئی اور اسکو ایسا جمع فرمایا گیا جیسے ایک ہاتھ
میں آئینہ ہو اور وہ شخص اُس پُر سے آئینہ کو دیکھتا ہے
اور زمین کو اس طرح سمیٹا کہ دور والی کو قریب کر دیا اسکے
قریب کی طرف یہاں تک کہ ہم نے دیکھ لیا کہ زمین کو کون جین ہیں

(۵) مرقاة شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۷ کے ماتحت ہے -

فَعَلِمْتُ بِسَبَبِ دُخُولِ ذَلِكَ الْفَيْضِ مَا
فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَعْنِي مَا أَعْلَمَهُ اللَّهُ
مِمَّا فِيهِمَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهَا
وَهُوَ عِلْمُهُ عَنْ سِعَةِ عِلْمِهِ الَّذِي تَمَّ اللَّهُ
وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَيْ جَمِيعِ الْأَكْبَانَاتِ الَّتِي
فِي السَّمَوَاتِ بَلْ وَمَا قَوْفُهَا كَمَا يُسْتَفَادُّ
مِنْ قِصَّةِ الْمَعْرَاجِ وَالْأَرْضِ هِيَ بِمَعْنَى
الْجَنَسِ وَجَمِيعِ مَا فِي الْأَرْضِ مِنَ السَّبْعِ
بَلْ وَمَا تَحْتَهَا كَمَا أَفَادَهُ إِخْبَارُهُ عَلَيْهِ
السَّلَامُ عَنْ الثَّوْمَرِ وَالْحَوْتِ الَّذِي عَلَيْهِمَا
الْأَرْضُونَ -

اس فیض کے پہنچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان
لیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی آسمان وزمین
میں وہ چیزیں جو اللہ نے بتائیں فرشتے اور درخت وغیرہ
یہ آپ کے اس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ
نے آپ پر ظاہر فرمایا۔ ابن حجر نے فرمایا کہ جان لی وہ
تمام مخلوقات جو آسمانوں (بلکہ جو اس کے اوپر ہے)
جیسا کہ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے اور زمین
میں ہے اور تمام وہ چیزیں جو ساتوں زمین بلکہ جو
اس سے نیچے ہیں جیسا کہ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا
ہے جن میں حضور علیہ السلام نے گائے اور مچھلی کی خبر
دی ہے جن پر زمینیں قائم ہیں -

اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے -

تعبات است از حصول تمام علوم جزوی و کلی احاطہ
یہ حدیث تمام جنی و کلی علموں کے حامل ہوا اور اسکے اساطہ کا بیان ہے

(۷) اشعة اللمعات میں حدیث نمبر ۷ کے ماتحت بیان فرمایا -

پس ظاہر شدہ ہر چیز از علوم و شناختہ ہمراہ
علامہ زرقانی شرح مواہب میں اسی حدیث نمبر ۷ کے ماتحت فرماتے ہیں -
یعنی ہمارے سامنے دنیا ظاہر کی گئی اور کھولی گئی کہ ہم

بِجَمِيعِ مَا فِيهَا قَانَا أَنْظُرْ إِلَيْهَا وَإِلَى
مَا هُوَ كَائِنْ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ خَالِنَا
أَنْظُرْ إِلَى كَفَىٰ هَذِهِ إِشَارَةً إِلَى أَنَّهُ نَظَرُ
حَقِيقَةٍ دُنِعَ بِهِ أَنَّهُ أُرِيدَ بِالنَّظَرِ الْعِلْمُ-

نے اسکی تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا پس ہم اس دنیا کو
جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں
جیسے کہ اس میں اسطرح اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے
حقیقتہً ملاحظہ فرمایا یہ احتمال دفع ہو گیا کہ نظر سے مراد علم ہے۔

(۸) امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں زیر حدیث نمبر ۱۰ فرماتے ہیں۔

وَلَا شَكَّ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَطْلَعَهُ عَلَىٰ أَزِيدٍ مِنْ
ذَلِكَ وَالْقَىٰ عَلَيْهِ عِلْمُهُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ

اس میں شک نہیں کہ اللہ نے حضور کو اس سے بھی زیادہ
پر مطلع فرمایا اور آپ کو سارے کچلے پھلے حضرات کا علم دیا

ملا علی قاری مرقاۃ میں حدیث نمبر ۱۰ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضَىٰ أَمَىٰ سَبَقَ مِنْ خَبَرِ
الْأَوَّلِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَا هُوَ كَائِنْ بَعْدَكُمْ
أَمَىٰ مِنْ نَبَأِ الْآخِرِينَ فِي الدُّنْيَا وَآخِرَتِهَا
أَحْوَالِ الْأَجْمَعِينَ فِي الْعُقُبَىٰ -

تم کو حضور علیہ السلام اگلوں کی گزری ہوئی خبریں
دیتے ہیں اور جو کچھ تمہارے بعد پھلوں کی خبریں ہیں
وہ بھی بتاتے ہیں۔ دنیاوی حالات اور آخرت کے
سارے حالات۔

(۹) مرقاۃ میں حدیث نمبر ۱۰ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فِيهِ مَعَ كَوْنِهِ مِنَ الْمُعْجَزَاتِ دَلَالَةٌ عَلَى
أَنَّ عِلْمَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُحِيطٌ بِالْكَائِنَاتِ
وَالْجَزْئِيَّاتِ مِنَ الْكَائِنَاتِ وَغَيْرِهَا -

اس حدیث میں معجزہ ہونیکے ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی
دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام کا علم کلی اور جزئی
واقعات کو گھیرے ہوئے ہے۔

محدثین کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام تمام عالم کو اور اس میں ازاوے تا ابد ہونے
والے واقعات کو اس طرح ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جیسے کوئی اپنے ہاتھ میں آئینہ لے کر اس کو دیکھتا ہے اس
عالم میں لوح محفوظ بھی ہے دوسرے یہ معلوم ہوا کہ تمام اولین و آخرین یعنی انبیاء و ملائکہ و اولیاء کا علم آپ
کو عطا فرمایا گیا۔ انبیاء میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت خضر علیہم السلام داخل ہیں۔ اور ملائکہ میں
حاملین عرش اور حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں اور انکا علم تو سارے ماکان و مایکون کو محیط ہے۔ تو حضور
کے علم کا کیا پوچھنا۔ اس وسعت علم میں علوم خمسہ بھی آگئے۔

پہلی فصل

علمائے اُمت کے اقوال کے بیان میں مبراہ علم غیب

مدارج النبوة کے خطبہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں -

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ يَكُنْ شَيْئًا عَظِيمًا - وہ ہی اول ہے وہ ہی آخر وہ ہی ظاہر ہے وہ ہی پوشیدہ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے -

یہ حدیث کی حمد بھی ہے اور نعتِ مصطفیٰ علیہ السلام بھی چنانچہ فرماتے ہیں -

تَوَسَّلْ إِلَى اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَنَا اسْتَبْهِمُ بِهَذَا شَيْئًا وَأَحْكَامُ اللَّهِ وَأَحْكَامُ وَصَفَاتِ حَقِّ دَاسْمَاءِ وَأَفْعَالِ وَأَثَارُ جَمِيعِ عُلُومِ ظَاهِرٍ وَبَاطِنٍ أَوَّلٍ وَآخِرِ أَحَاطَ بِهِ وَهُوَ مُصَدِّقُ قَوْلِ كُلِّ دِينٍ عَظِيمٍ شَدِيدٍ - حضور علیہ السلام تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں اور انہوں نے خدا نے پاک کی شائیں اس کے احکام حق تعالیٰ کے صفات اور افعال اور ساری باطنی اول و آخر کے علوم کا احاطہ فرمایا ہے -

اسی مدارج جلد اول باب پنجم در ذکر فضائل آنحضرت صفحہ ۴۴ میں ہے -

از زمان آدم تا فناء اولی بروے علیہ السلام مشافہ ساختند تا سبہ احوال اور از اول و آخر معلوم گردود و یاران خود را نیز از بعضی احوال خبر داد - حضرت آدم سے صورت چوکنے تک تمام حضور علیہ السلام پر ظاہر فرمایا تا کہ اول سے آخر تک کے سارے حالات آپ کو معلوم ہو جائیں اور حضور علیہ السلام نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی -

علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں -

وَقَدْ تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ وَاتَّفَقَتْ مَعَانِيهَا عَلَى إِطْلَاعِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ وَلَا يَنَاقِي الْأَلِيَّةَ الدَّالَّةَ عَلَى أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ لِأَنَّهُ الْمُنْتَقَى عَلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ غَيْرِ وَسِطَةٍ أَمَّا إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ بِإِعْلَامِ اللَّهِ فَمُحَقَّقٌ يَقُولُهُ تَعَالَى الْكَافِرِينَ أَرَضَيْتَ مِنْ رَسُولٍ - احوال اس پر متواتر ہیں اور انکے معانی اس پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ سکون آیتوں کے خلاف نہیں جو اس پر طاعت کرتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا کیونکہ جس غیب کی نفی ہے وہ علم بغیر واسطہ ہے ذاتی لیکن حضور کا غیب مطلع ہونا اللہ کے بتائے ہوئے ثابت ہے کہ اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسول کے

شفاعہ شریف میں قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ماخوذ از خرپتی شرح قصیدہ برہ)۔

اللہ نے حضور علیہ السلام کو خاص فرمایا تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرما کر اور اپنی امت کے مصلحت اور گزشتہ امتوں کے واقعات اور اپنی امت کے اونی سے اونی واقعہ پر خبردار فرمادیا اور تمامی معرفت کے فنون پر مطلع فرمادیا جیسے دل کے حالات، فرائض عبادات اور علم حساب۔

حَصَّ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِإِلْطَافٍ عَلَى جَمِيعِ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَصَالِحِ أُمَّتِهِ وَكَانَ فِي الْأُمَمِ مَأْسِيَكُونَ فِي أُمَّتِهِ مِنَ التَّقْيِيرِ وَالْقَطْمِيرِ وَعَلَى جَمِيعِ فُنُونِ الْمَعَارِفِ كَأَحْوَالِ الْقُلُوبِ وَالْفَرَائِضِ وَالْعِبَادَةِ وَالْحِسَابِ -

قصیدہ برہہ میں ہے۔

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَصَرَ تَهْمَا دُنيا و آخرت آپ ہی کے کرم سے ہے شرح قصیدہ برہہ مصنف علامہ ابوالیمیم بھجوری میں اس شعر کے ماتحت ہے۔

اگر کہا جاوے کہ حبیب روح و قلم کا علم حضور کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے بعض کو ان کے علوم میں جواب دیا جاویگا کہ بعض آخرت کے حالات کا علم ہے کی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبر دی کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہ ہی لکھا ہے جو قیامت تک جوئے والا ہے۔

قَالَ قِيلَ إِذَا كَانَتْ عِلْمُ اللُّوحِ وَالْقَلَمِ بَعْضُ عُلُومِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا الْبَعْضُ الْأَخَرُ أَجِيبَ بَأَنَّ الْبَعْضَ الْأَخَرُ هُوَ مَا أَخْبَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَحْوَالِ الْآخِرَةِ لِإِنَّ الْقَلَمَ إِنَّمَا كَتَبَ فِي اللُّوحِ مَا هُوَ كَاتِبٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ -

علامہ قاری محل العقد شرح قصیدہ برہہ میں اسی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اور لوح و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کے بعض اس لیے ہیں کہ حضور کے علوم منقسم ہیں جزئیات اور کلیات اور حقائق اور معرفت اور ان معرفت کی طرف تک تعلق ذات اور صفات سے ہے لہذا لوح و قلم کا علم حضور کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور حضور علیہ السلام کے علم کی سطحوں کا ایک حوت۔

وَكُنْ عُلُومُهُمَا مِنْ عُلُومِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّ عُلُومَهُ تَنَزَّوَتْ إِلَى الصَّلَاتِ وَالْعِزِّ بَيِّنَاتٍ وَحَقَائِقٍ وَمَعَارِفٍ وَعَوَائِرٍ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَعِلْمُهُمَا يَكُونُ تَهْمًا مِنْ مَجْهُورٍ عَلَيْهِ وَحَقٌّ قَائِمٌ سَكُونٍ عَلَيْهِ -

ان عبارتوں نے فیصلہ فرمادیا کہ وہ لوحِ دقلم جن کے علوم کو قرآن نے فرمایا کہ
 وَلَا تَسْطِیْبُ وَلَا یَآئِسْ اِلَّا فِیْ کِتَابِ مُبِیْنٍ | کوئی خشک و زحیرہ الہی نہیں جو لوحِ محفوظ میں نہ ہو
 اس کے علوم علمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندروں کا ایک قطرہ ہے تو معلوم ہوگا کہ مَا کَانَ ذَا اَیَّاتٍ
 کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے دفتر کا ایک نقطہ ہے۔

امام بوصیری صاحب قصیدہ برہہ اپنے دوسرے قصیدہ اتم القریٰ میں فرماتے ہیں
 وَسَمِعَ الْعَالَمِیْنَ عَلِمًا وَجِلْمًا ۝ کَهُوَ بَحْرٌ لَّمْ نَعْبِرْهَا اِلَّا غِیَا ۝
 حضور علیہ السلام نے اپنے علم و خلاق سے جہانوں کو گھیر لیا۔ پس آپ ایسے سمندر ہیں کہ اس کو گھیرنے
 والے نہ گھیر سکے۔ شیخ سلیمان جمل اس شعر کی شرح میں فتوحاتِ احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

یعنی آپ کا علم تمام جہانوں یعنی جن و انسان اور
 فرشتوں کے علم کو گھیرے ہوئے ہے کیونکہ رب تعالیٰ
 نے آپ کو تمام عالم پر خبردار فرمایا پس اگلے پچھلوں
 کا علم سکھایا اور مَا کَانَ ذَا اَیَّاتٍ اور حضور علیہ السلام
 کے علم کے لئے علم قرآن کافی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے
 سَمِیْخَاسِ کِتَابِیْنَ کُوْنِیْ حَیْرًا مَّذْکُوْرًا
 اَمِیْ وَسَمِعَ عَلِمًا عَلُوْمَ الْعَالَمِیْنَ اِلَّا اَنْسَ وَالْجِنَّ
 وَلِلْمَلَائِکَةِ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَطْلَعَهُ عَلٰی الْعَالَمِ
 کُلِّہِ فَعَلِمَهُ عَلِمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَمَا
 کَانَ وَمَا یَکُوْنُ وَحَسْبُکَ عَلِمُهُ عَلِمُهُ
 الْقُرْآنِ وَتَدَّ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَا فَرَّطْنَا
 فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ۔

امام ابن حجر مکی اس شعر کی شرح میں افضل القدیٰ میں فرماتے ہیں۔
 لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَطْلَعَهُ عَلٰی الْعَالَمِ
 کُلِّہِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَمَا کَانَ
 وَمَا یَکُوْنُ۔
 کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو
 تمام جہان پر خبردار فرمایا پس آپ نے اولین و آخرین
 اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا اس کو جان لیا۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوگا کہ سارے جہان والوں کا علم حضور علیہ السلام کو دیا گیا۔ جہان والوں میں حضرت
 آدم و ملائکہ اور ملک الموت اور شیطان وغیرہ سب ہی ہیں۔ اور ملک الموت و شیطان کے لئے علم غیب
 تو یہ بندی بھی مانتے ہیں۔

امام بوصیری صاحب قصیدہ برہہ میں فرماتے ہیں۔
 وَكَلَّمَهُمْ مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ ۝ غَرَّ نَا مِنْ الْبَحْرِ اَوْ مَرَّ شَقَا مِنْ الدِّیَمِ

تمام رسول حضور علیہ السلام سے ہی لینے والے ہیں۔ ہر سمندر سے ایک چلو تیر بارش سے چھینٹا
علامہ خرپوٹی شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

إِنَّ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ كُلِّ دَلِيلٍ مِنْهُمْ طَلَبُوا
وَأَخَذُوا الْعِلْمَ مِنْ عَلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
الَّذِي كَانَتْ فِي السَّعَةِ وَالْكَرَمِ مِنْ كَرَمِهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِي هُوَ كَالدَّيْمِ لَا تَنُفِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ مُفِضٌ وَهُمْ مُسْتَقَاضُونَ
لَدَنَّهُ تَعَالَى خَلَقَ ابْتَدَأَ وَوَحَّه عَلَيْهِ
السَّلَامُ وَصَحَّ عُلُوُّ الْأَنْبِيَاءِ وَعِلْمُ مَا كَانَ
وَمَا يَكُونُ ثُمَّ خَلَقَهُمْ فَأَخَذُوا عُلُوَّهُمْ
مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

میر نبی نے حضور علیہ السلام کے اس علم سے مانگا اور
لیا جو وسعت میں سمندر کی طرح ہے اور سب نے
کرم حضور علیہ السلام کے اس کرم سے حاصل کیا
جو تیر بارش کی طرح ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فیض
دینے والے ہیں اور وہ نبی فیض لینے والے کیونکہ
رب تعالیٰ نے اولاً حضور علیہ السلام کی روح پیدا
فرمائی پھر اس روح میں نبیوں کے اور ماکان دیا کیونکہ
علم رکھنے پھر ان رسولوں کو پیدا فرمایا پس ان سب
نے اپنے علوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیے

حافظ سلیمان ابریز شریف صفحہ ۲۵۸ میں فرماتے ہیں۔

يَعْلَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْعَرَشِ إِلَى الْقُرْشِ
وَيَطْلِعُ عَلَى جَمِيعِ مَا فِيهَا وَهَذَا الْعُلُوُّ
يَا لِنِسْبَةِ إِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَالْفِ مِنْ
سِتِّينَ جُرْءُ الْقُرْشِ الْغُرْشِ۔
امام تطلانی مواہب میں فرماتے ہیں۔

حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک کو جانتے ہیں اور
جو کچھ ان میں ہے اس کی خبر رکھتے ہیں اور یہ سارے
علوم حضور علیہ السلام کی نسبت سے لیے ہیں جیسے
الف ۶۰ جزو کی نسبت سے جو قرآن کریم میں۔

الْبُؤَةِ مَا خُوذَةُ مِنَ الْكِبَاءِ بِمَعْنَى الْخَبَرِ
أَيَّ أَلْطَعَهُ اللَّهُ عَلَى الْغَيْبِ۔

نبوت بنا سے مشتق ہے جس کے معنی میں خبر یعنی اللہ
نے اُن کو غیب پر خبردار فرمایا۔

مواہب لدین جلد دوم صفحہ ۱۹۲ القم الثانی فیما
لَا شَكَّ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ أَلْطَعَهُ عَلَى
أَمْرٍ يَدُ مِنْ ذَلِكَ وَالْقِي عَلَيْهِ عِلْمُ
الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام
کو اس سے بھی زیادہ پر اطلاع دی اور آپ پر انگوٹوں
پھیلوں کا علم پیش کر دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات مشریف جلد اول مکتوب ۳۱۰ میں فرماتے ہیں ۔

علم کہ مخصوص بہ اوست سجاء من الحق مسل را اطلاع ہے بشیئہ
مدارج البیروہ جلد اول میں ہے از بعضہ صلی ازل
فصل شنیہ شدہ کہ بعضہ از عرفا کتابے نوشتہ اند اثبات کردہ
انکہ آن حضرت را تمام علوم الہی معلوم مسخر بود و دای سخن
بظاہر مخالف بیاسے را زد و راست تا قائل انچہ قصد باشد

یہ عبارت یہاں اس لیے پیش کی گئی کہ بعض لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم خدا کے علم کے برابر
مانا اور فرق صرت ذاتی اور عطائی کا جانا ۔ مگر شیخ عبدالحق نے ان کو مشرک نہ فرمایا ۔ بلکہ ثابت کیا ۔ معلوم
ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم غیب ماننا شرک نہیں ۔ میرزا بدرسالار کے خطبہ میں ہے ۔ کَانَ
صَوَادِقُ التَّصْدِيقَاتِ لِبَطَانِهَا مَوْجِبَةً إِلَى حَضْرَتِهِ الْأَقْدَسِ وَحَقَائِقُ التَّصَوُّرَاتِ
بِأَنْفُسِهَا مَا يَلِدُ إِلَى جَنَابِ الْمُفْعَدِّسِ فَرُوجُهُ الْمُعْلَى مَوْكِرُ الْمَعْقُولَاتِ تَصَوُّرَاتِهَا
تَصْدِيقَاتِهَا وَنَفْسُهُ الْعُلْيَا مَتَّبِعُ الْعَقَلِيَّاتِ نَظِيرُهَا دَظِيرُهَا يَا تَهَا اس کی شرح لاء اللہ
مصنف غلام بھیجے میں اس عبارت کے ماتحت ہے قَدْ آتَاهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَامِعٌ بَيْنَ جَمِيعِ
أَحْكَامِ الْعُلُومِ ۔ سبحان اللہ اس عبارت نے پورے عقایدیے منطقیوں نے بھی ہلکا ہوت میں پیشانی رگڑ دی ۔

مولانا ابجر العلوم عبدالحق لکھنوی علیہ الرحمۃ خطبہ حاشی میرزا بدرسالار میں فرماتے ہیں ۔

عَلِمَهُ عُلُومًا مَا أَحْتَوَى عَلَيْهِ الْعِلْمُ الْأَعْلَى
وَمَا اسْتَطَاعَ عَلَى إِحَاطَتِهَا اللَّوْحُ الْأَوَّلِيُّ لَهُ
يَلِدُ الدَّهْرُ مِثْلَهُ مِنَ الْأَزَلِ وَلَمْ يُولَدْ إِلَى الْأَبَدِ
فَلَيْسَ لَهُ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كَمُؤَادِ أَحَدٍ
علامہ شذوائ جمع النہایہ میں فرماتے ہیں ۔

قَدْ وَارَدَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يُخْرِجِ الشَّيْءَ
عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
یہ وارد ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا
سے نہ نکالا یہاں تک کہ آپ کو ہر چیز پر مطلع فرمایا ۔
شرح عقائد نسفی صفحہ ۷۵ میں ہے ۔

بِالْجَمَلَةِ الْعِلْمُ بِالْغَيْبِ أَمْرٌ نَفَرَ بِهِ اللَّهُ
تَعَالَى لَا سَبِيلَ إِلَيْهِ لِلْعِبَادِ إِلَّا بِإِذْنِهِ مِنْهُ
أَوْ إِيَّاهُ مَا يُطِيعُ نِعْمَ الْمُحْضَرَةُ أَوْ الْكَرَامَةُ -

در مختار شروع کتاب الحج میں ہے -

فَرَضَ الْحَجَّ سَنَةً تَسْعَ وَإِنَّمَا آخِرُهُ
عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْتَمِدُ لِعَذَائِرٍ مَعَ عَلَيْهِ
بِقِيَامِ حَيَاتِهِ لِيَكْمَلَ التَّبْلِيغُ -

خلاصہ کلام یہ ہے کہ غیب جاننا ایک ایسی بات ہے جو خدا
سے خاص ہے بندو کو اس تک کوئی راہ نہیں بغیر رب
کے بتائے یا الہام فرمائے معجزے یا کرامت کے طریقہ پر

حج ۹ھ میں فرض ہوا اور حضور علیہ السلام نے اس کو سنا
تک مؤخر فرمایا کسی مذہبی وجہ سے اور حضور علیہ السلام کو اپنی
زندگی پاک کے باقی رہنے کا علم بھی تھا تاکہ تبلیغ پوری ہو جائے

اس عبارت سے معلوم کہ کب وفات ہوگی اس کا جاننا علوم خمسہ سے ہے مگر حضور علیہ السلام کو اپنی وفات کی
خبر تھی کہ ۹ھ میں نہ ہوگی - اسی لیے اس سال حج نہ فرمایا - ورنہ حج فرض ہوتے ہی اس کا ادا کرنا ضروری
ہے کیونکہ ہم کو موت کی خبر نہیں -

خرپوتی نے شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت بیان فرمایا -

وَأَقْعَوْنَ كَذِبًا عِنْدَ حَدِيثِهِ وَفِي حَدِيثٍ
يُرْوَى عَنْ مَعَاذِيهِ أَنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ بَيْنَ يَدَيْهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهُ أَلَيْسَ الدَّوَاءُ وَحَرِّ النَّفْعِ
وَأَقْوِ الْبَاءَ وَفَرَّقِ السَّيْنِ وَلَا تَعْوِزِ الْيَمِينُ مَعَ أَنَّهُ
عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكْتُبْ وَلَمْ يَقْرَأْ مِنْ كِتَابٍ كَذَلِكَ -

حضرت امیر معاویہ سے حدیث مروی ہے کہ وہ حضور علیہ
السلام کے سامنے کھڑے کرتے تھے پس حضور علیہ السلام
نے ان کو فرمایا کہ دو دست اس طرح رکھو - قلم کو پھیرا - بک
سیدھا کرو - سین میں فرق کرو - اور دیم کو ٹیڑھا نہ کرو - باوجودیکہ
حضور علیہ السلام نے لکھنا نہ دیکھا اور نہ اگلوں کی کتاب پڑھی -

تفسیر روح البیان میں زیر آیت وَلَا تَخْطُ بِمِثْنِكَ ہے -

كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْخَطُوطَ وَيُحِبُّ عَنْهَا

اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام علم خط بھی بخوبی جانتے تھے - اسکی پوری تحقیق ہماری کتاب شان

حبیب الرحمن آیات القرآن میں دیکھو - مثنوی شریف میں ہے -

مُتَمَرِّمٌ كُنْ وَرِجْشَمُ خَاكِ اَدْلِيَاءِ

کا ملاں از دور نامست بشنوند

بلکہ پیش از زادن تو سالہا

دیده باشندت بچندین سالہا

حال تو دانستد یک موبو نرا نگہ پر بستند از اسرار بو
اسی مثنوی شریف میں مولانا کفار قیدیوں کا ایک واقعہ نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ارشاد فرمایا ہے

بنگرم سہ عالم بنیم نہاں آدم و حوا نرسہ از جہاں
من شمارا وقت ذرات الست ویدہ ام پالستہ و نکوس و پست
از حدوث آسمان بے عمد آنچہ دانستہ بدم افزوں نہ شد

یعنی ہم سارے جہان کو اس وقت سے دیکھ رہے ہیں جب آدم و حوا پیدا بھی نہ ہوئے تھے اے کافر قیدیو ہم نے تمہیں میثاق کے دن مومن اور فکازی دیکھا تھا۔ اس لیے تمہیں قید کیا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ یہ ستون آسمان کی پیدائش ہم نے دیکھی ہے اس سے کچھ نہ زیادہ ہوا۔
علمائے کرام کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے سارے انبیاء ملائکہ سے زیادہ علوم عطا فرمائے لوح محفوظ و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علموں کا قطرہ ہے اور عالم کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس چشم حق بین سے مخفی رہی ہو۔

نامحسوس فصل

مخالفین کی تائید کے بیان میں

اب تک تو موافقین کی عبارات سے علم غیب حضور علیہ السلام کے لیے ثابت کیا گیا۔ اب مخالفین کے اکابر کی وہ عبارات پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے مسئلہ علم غیب بخوبی حل ہو جاتا ہے۔
عاجی امداد اللہ صاحب شقائق امدادیہ صفحہ ۱۱۰ میں فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء و اولیاء کو نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں۔ دریافت و ادراک مغیبات کا ان کو ہوتا ہے۔ اصل میں یہ علم حق ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کو حدیبیہ اور حضرت عائشہ کے معاملات کی خبر نہ تھی۔ اس کو دلیل اپنے دعویٰ کی سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے۔
(ماخوذ از انوار غیبیہ صفحہ ۲۵)

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لطائف رشیدیہ صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہ السلام کو ہر

وہ مشاہدہ امور غیبیہ اور تیسقظ حضور حق تعالیٰ کا رہتا ہے، کَمَا قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَصَحَّحْتُمْ قَلِيلًا وَكَبَّيْتُمْ كَثِيرًا اور فرمایا اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ (الانوار غیبیہ صفحہ ۳۲) مولوی اشرف علی صاحب بھٹاؤنی تکمیل الیقین مطبوعہ ہندوستان پرنٹنگ پریس صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل و اولیاء غیب اور آئندہ کی خبر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب خدا غیب اور آئندہ کے حوادث کو جانتا ہے اس لیے کہ ہر حادثہ اس کے علم سے اسی کے ارادے کے متعلق ہونے سے اسی کے فعل سے پیدا ہوتا ہے تو پھر اس سے کون امر مانع ہو سکتا ہے کہ یہ ہی خدا ان رسل و اولیاء میں سے جسے چاہے اسے غیب یا آئندہ کی خبر دے دے۔ اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں کہ فطرت انسانی کا یہ مقصد نہیں کہ وہ بذاتہ اور خود مغیبات میں سے کسی شے کو جان سکے۔ لیکن اگر خدا کسی کو بتادے تو اس کو کون روک سکتا ہے۔ پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ وہ خدا کے بتانے سے ہی معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ لوگ اور دوسرے دیتے ہیں۔ ان میں سے ایسا کوئی نہیں جو بذاتہ علم غیب کا دعویٰ کرے یا جو چنانچہ شریعت محمدیہ بالذات علم غیب کے دعویٰ کرنے کو اعلیٰ درجہ کے ممنوعات میں شمار کرتی ہے۔ اور جو اس کا دعویٰ کرے اس کو کافر بتاتی ہے۔

مولوی محمد تاسم صاحب نافو توئی تحذیرات اس کے مفہوم پر لکھتے ہیں۔ علو اولین مثلاً اور میں اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علم رسول اللہ میں مجتمع ہیں۔ اسی طرح سے عالم حقیقی رسول اللہ میں اور اشیاء باقی اور اولیاء بالعرض ہیں۔

اس آخری عبارت پر غور کرنا چاہیے کہ مولوی تاسم صاحب نے حضور علیہ السلام میں اولین اور آخرین کا علم جمع مانا ہے۔ اور اولین میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت ابراہیم علیہم السلام اسی طرح سارے ملائکہ حاملانِ عرش و حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں۔ لہذا ان سب کے علوم سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ ہو نا چاہیے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

چھٹی فصل

علم غیب کے عقلی دلائل اور اولیاء کے علم غیب کے بیان میں
چند عقلی دلائل سے بھی علم ماکان و مایکون کا ثابت ہے وہ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت الہیہ کے وزیر اعظم بلکہ خلیفہ اعظم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ اللہ بنایا گیا۔ تو حضور علیہ السلام اس سلطنت کے خلیفہ اعظم اور زمین میں نائب رب العالمین ہیں۔ اور سلطنت کے مقرر کردہ حاکم ہیں۔ دو وصف لازم ہیں۔ ایک تو علم دوسرے اختیارات۔ اس دنیاوی سلطنت کے حکام جس قدر بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی قدر ان کی معلومات اور اختیارات زیادہ ہوتے ہیں۔ کلکٹر کو سارے ضلع کا علم و اختیارات۔ وائسرائے کو سارے ملک کے متعلق علم و اختیارات ضروری ہیں۔ کہ ان دو وصفوں کے بغیر وہ حکومت کر ہی نہیں سکتا۔ اور سلطانی قانون رعایا میں جاری ہی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرات انبیاء میں جن کا جس قدر بڑا درجہ اسی قدر ان کے اختیارات اور علم زیادہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کو رب العالمین نے ان کے علم ہی سے ثابت فرمایا کہ چونکہ ان کو اتنا وسیع علم دیا ہے وہ ہی خلافت الہیہ کے لیے موزوں ہیں پھر ملائکہ سے سجدہ کرنا ان کے اختیارات خصوصاً کا ثبوت تھا کہ ملائکہ بھی ان کے سامنے جھک گئے۔ چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے عالم کے نبی اور عرش و فرش کے لوگ آپ کے امتی ہیں۔ لہذا ضروری تھا کہ آپ کو تمام انبیاء سے زیادہ علم اور زیادہ اختیارات دیئے جائیں۔ اسی لیے بہت سے معجزات دکھائے گئے۔ چاند اشارے سے پھاڑا۔ ڈوبا ہوا سورج واپس فرمایا۔ بادل کو حکم دیا۔ پانی برسایا۔ پھر حکم دیا۔ کھل گیا۔ یہ سب اپنے خدا داد اختیارات کا اظہار تھا۔

(۲) مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں لکھا ہے۔ کہ انبیاء امت سے علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ رباعمل۔ اس میں بظاہر کبھی امتی نبی سے بڑھ جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ عمل میں امتی نبی سے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر علم میں نبی کا زیادہ ہونا ضروری ہے اور حضور علیہ السلام کے امتی تو ملائکہ بھی ہیں لَیْکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ سَدِیْرًا تو علم میں حضور علیہ السلام کا ملائکہ سے زیادہ ہونا ضروری ہے ورنہ پھر حضور علیہ السلام کس وصف میں امت سے افضل ہوں گے اور ملائکہ حاضرین لوح محفوظ کو تو ناکان و مایکون کا علم ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ علم ہو۔

(۳) چند سال کامل اس کی صحبت میں رہ کر انسان عالم بن جاتا ہے حضور علیہ السلام قبل ولادت پاک بچہ زرد بر سر رب تعالیٰ کی بارگاہ خاص میں حاضر ہے تو حضور کیوں نہ کامل عالم ہوں۔ روح البیان نے لَقَدْ جَاءَکُمْ کِتَابُہِ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت جبریل نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ایک تارہ ستر ہزار سال بعد چمکتا تھا۔ اور میں

اسے بہتر سزا دے چکے دیکھا۔ فرمایا۔ وہ تارا ہم ہی تھے۔ حساب لگا لو گنتے کرو ڈبریں دہ بار خاص میں حاضری پڑی۔
 (۴) اگر شاگرد کے علم میں کچھ کمی رہے تو اس کی صرف چار ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔ اولاً تو یہ کہ شاگرد ذہال تھا۔ اساتذہ سے پورا فیض لے نہ سکا۔ دوم یہ کہ اساتذہ کامل نہ تھا کہ مکمل سکھانہ سکا۔ سوم یہ کہ اساتذہ تو بخیل تھا کہ پورا پورا علم اس شاگرد کو نہ دیا یا اس سے زیادہ کوئی اور پیارا شاگرد تھا کہ اس کو سکھانا چاہتا ہے۔ چوتھے یہ کہ جو کتاب پڑھائی وہ ناقص تھی۔ ان چار وجہوں کے سوا اور کوئی وجہ ہو سکتی ہی نہیں۔
 یہاں سکھانے والا پروردگار کیلئے داسے محبوب علیہ السلام۔ کیا سکھایا قرآن اور اپنے خاص علوم بتاؤ آیا رب تعالیٰ کامل اساتذہ نہیں۔ یا رسول علیہ السلام لائق شاگرد نہیں؟ حضور علیہ السلام سے زیادہ کوئی اور پیارا ہے؟ یا کہ قرآن مکمل نہیں؟ جب ان میں سے کوئی بات نہیں۔ رب تعالیٰ کامل عطا فرما والا محبوب علیہ السلام کامل لینے والے۔ قرآن کریم کامل کتاب الرحمن ۞ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۞ وہ ہی سب سے زیادہ مقبول بارگاہ۔ پھر علم کیوں ناقص ہو۔

(۵) رب تعالیٰ نے ہر بات لوح محفوظ میں کیوں لکھی۔ لکھنا تو اپنی یا ارادت کے لیے ہوتا ہے کہ بھول نہ جائیں۔ یاد دہانوں کے بتانے کے لیے رب تعالیٰ تو بھول سے پاک لہذا اس نے دوسری ہی کے لیے لکھا اور حضور علیہ السلام تو دوسروں سے زیادہ محبوب لہذا وہ تحریر حضور کے لیے ہے۔
 (۶) غیبوں کی غیب رب تعالیٰ کی ذات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیوار کی تنافرمانی تو فرمادیا گیا۔ لَنْ تَوَفِّيَ تَمِّمَ کو دیکھ نہ سکو گے۔ جب محبوب علیہ السلام نے رب ہی کو معراج میں اپنی ان ظاہری مبارک آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو عالم کیا چیز ہے جو آپ سے چھپ سکے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کرداروں درود
 دیوار الہی کی بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو۔ مرقاة مشرح مشکوٰۃ باب
 الایمان بالقدر فضل اول کے آخر میں ہے۔

کَمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 سَمِعَ فِي النَّبِيِّ إِذْ يُقَالُ لَهُ تَوَسَّعًا
 حضور علیہ السلام نے دنیا میں رب کو دیکھا۔ کیونکہ
 خود نور ہو گئے تھے۔

(۷) شیطان دنیا کا گمراہ کرنے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہادی۔ گویا شیطان دہائی
 بیماری ہے۔ اور نبی علیہ السلام طیب مطلق۔ رب تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے اتنا وسیع

علم دیا کہ دنیا کا کوئی شخص اس کی نگاہ سے غائب نہیں۔ پھر اُسے یہ بھی خبر ہے کہ کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ کون نہیں۔ اور جو گمراہ ہو سکتا ہے۔ وہ کس حید سے۔ ایسے ہی وہ مردین کے ہر مسئلہ سے خبردار ہے اس لئے ہر نیکی سے روکتا ہے۔ ہر برائی کو تباہ ہے۔ اس نے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا لَا أَخْفِي عَنْكَ أَحْمَعِيْنِ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِيْنَ۔ جب گمراہ کرنے والے کو اتنا علم دیا گیا۔ تو ضرور ہی کہ دنیا کے طیب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دینے کے لئے اس سے کہیں زیادہ علم دے ہوں کہ آپ ہر شخص کو اس کی بیماری کو اس کی استعداد کو اس کے علاج کو جانیں۔ درنہ ہدایت کمال نہ ہوگی۔ اور رب تعالیٰ اعتراف ہی پرے گا کہ اس نے گمراہ کرنے والے کو قوی کیا اور مادی کو کمزور رکھا۔ لہذا گمراہی تو کامل رہی اور ہدایت ناقص رہی۔

(۸) رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے خطاب سے پکارا کیا اَيْدِيْهَا النَّبِيُّ اور نبی کے معنی میں خبر دینے والا۔ اگر اس خبر سے صرف دین کی خبر وارد ہو تو ہر مولوی نبی ہے اور اگر دنیا کے واقعات وارد ہوں تو ہر اخبار۔ ریڈیو، خط، تار بھیجنے والا نبی ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ نبی میں نبی خبریں معتبر ہیں یعنی فرشتہ کی اور عرش کی خبر دینے والا جہاں تار، اخبار کا مرنہ آسکیں۔ وہاں نبی کا علم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل یہاں تک تو حضور علیہ السلام کے علم غیب کی بحث تھی۔ اب یہ بھی جاننا چاہیے کہ حضور علیہ السلام کے صدقے سے اولیائے کرام کو بھی علم غیب دیا جاتا ہے۔ مگر ان کا علم نبی علیہ السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور ان کے علم کے سمندر کا قطرہ۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کتاب عقائد تالیف شیخ ابو عبد اللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں۔
 الْعَبْدُ يَتَقَلُّ فِي الْاَحْوَالِ حَتَّى يُصِيْرَ اِلَى
 نَعْتِ الرَّؤُفَايَةِ فَيَعْلَمُ الْغَيْبَ۔
 اسی مرقاۃ میں کتاب عقائد سے نقل فرمایا۔

بندہ حالات میں منتقل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ روحانیت کی صفت پالیتا ہے۔ پس غیب جانتا ہے۔

يَطْلِعُ الْعَبْدُ عَلَى حَقَائِقِ الْأَشْيَاءِ وَدَيَّ جَلِّي
 لَهُ الْغَيْبُ وَغَيْبُ الْغَيْبِ۔

کامل بندہ چیزوں کی حقیقتوں پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس پر غیب اور غیب الغیب کھل جاتے ہیں۔

مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۱۰۱ بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ وَفَضْلِهَا میں فرماتے ہیں۔

پاک و صاف نفس جبکہ بدنی ملائقوں سے خالی ہو جائے ہیں تو متنی کر کے بزم بالا سے مل جاتے ہیں اور ان پر کوئی پردہ

النَّفْسُ مِنَ الذِّكْرِ الْقُدْسِيَّةِ إِذَا تَجَرَّدَتْ
 عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِيَّةِ خَرَجَتْ وَانْصَلَتْ

بِالْمَلَأَةِ الْأَعْلَى وَلَمْ يَبْقَ لَهُ حِجَابٌ قَتَرَى لُكُلًا
كَالسَّاهِدِ بِنَفْسِهِ هَا أَوْ بِأَخْبَارِ الْمَلَكِ لَهَا۔

باقی نہیں رہتا پس وہ تمام چیزوں کا مثل محسوس و
حاضر کے دیکھتے ہیں خواہ تو اپنے آپ یا فرشتے کے اہام سے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عریضی سورہ جن میں فرماتے ہیں : اطلاع مبروح محفوظ و دیدن نقوش نیز
از بعضے اولیاء بتواتر منقول است۔ مبروح محفوظ کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بھی بطریق تواتر
منقول ہے۔ امام ابن حجر کی کتاب الاعلام میں اور علامہ شامی سل الجہام میں فرماتے ہیں۔

أَلْحَاقُ صَّيْغُورٌ أَنْ يَعْلَمَ الْغَيْبُ فِي قَضِيَّةٍ
أَوْ قَضَايَا كَمَا دَعَى كَثِيرٌ مِنْهُمْ وَاشْتَهَرَ۔

جابر سے کہ خاص خاص حضرت کسی معاملہ یا فیصلہ میں متنب
لیں جیسا کہ بہت ادا کیا اللہ سے رقع ہوا اور یہ شہو بھی ہو گیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب الطاف القدس میں فرماتے ہیں۔

”نفس کلید بجائے جسد عارف سے شود و ذات و عارف
بجائے روح اور ہمہ عالم علم حضوری سے میند۔“

زرقانی مثنوی جلد ۱ ص ۲۸ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ فِي لَطَائِفِ الْمَنِّ إِحْلَاءُ الْعَبْدِ عَلَى غَيْبٍ
مِنْ غُيُوبِ اللَّهِ بِدَلِيلِ خَبَرِ الْفَقْوَا مِنْ
فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ
لَا يَسْتَعْرِبُ وَهُوَ مَعْنَى كُنْتُ بَصَرَهُ الْأَدْنَى
يَبْصُرُ بِهِ فَيَمُنُ الْحَقُّ بَصْرَهُ فَاتَّجَلَّى عَنْهُ
عَلَى الْغَيْبِ لَا يَسْتَعْرِبُ۔

لطائف المنن میں فرمایا کہ کامل بندے کا اللہ کے
غیبوں میں سے کسی غیب پر مطلع ہو جانا عجیب نہیں
اس حدیث کی وجہ سے کہ مومن کی دانائی سے ڈرو
کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور یہ ہی اس
حدیث کے معنی ہیں کہ رب فرماتا ہے کہ میں اس
کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے پس اسکا

دیکھنا حق کی طرف سے ہوتا ہے لہذا اس کا غیب پر مطلع ہونا کچھ عجیب بات نہیں۔

امام شعرانی ایواہیت والحواس میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يَجْزِهِدَيْنِ الْقَدَمُ فِي عُلُومِ الْغَيْبِ | غیبی علوم میں مجتہدین کا قدم مضبوط ہے۔

حضور غوث اک فرماتے ہیں۔

نَظَرْتُ إِلَى بِلَادِ اللَّهِ جَمْعًا * كَخَرِّ دَلِيلَةٍ عَلَى حُكْمِ انْقِصَائِي !
میں نے اللہ کے سارے شہر وں کو اس طرح دیکھ لیا۔ جیسے چند رائی کے دانے ہوئے ہوں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی زبدۃ الاسرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔
 قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَا أَبْطَالُ يَا أَبْطَالُ هَلُمُّوْا
 وَخُذُوا عَنْ هَذَا الْبَحْرِ الَّذِي لَا سَاحِلَ لَهُ
 وَبَعْرَةٌ مَرَّتِي إِنَّ السَّعْدَاءِ وَالْأَشْقِيَاءَ يُعْرِضُونَ
 عَلَيَّ وَأَنْ بُوْدُودَةً عَيْنِي فِي الْلَوْجِ الْمُحْفَظِ
 وَأَنَا غَائِبٌ فِي حِجَارِ عِلْمِ اللَّهِ -

مولانا جامی نعمات الانس میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ کا قول نقل فرماتے
 حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ گفتہ اند کہ زمین و نظر ازل
 چوں سفرۂ ایستہ نامی گویم کہ چون ناخن است تیغ
 چیز از نظر ایشان غائب نیست -

امام شعرانی کبریت احمر میں فرماتے ہیں۔
 وَأَمَّا شَيْعُنَا السَّيِّدُ عَلِيُّ بْنُ الْحَوَاضِ رَضِيَ اللَّهُ
 عَنْهُ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَا يَكْمُلُ الرَّجُلُ عِنْدَنَا
 حَتَّى يَعْلَمَ حَرَكَاتِ مُرِيدِهِ فِي إِمْتِقَالِهِ
 فِي الْأَصْلَابِ وَهُوَ مِنْ يَوْمِ أَلَسْتُ إِلَى
 اسْتَقَرَّ أَمْرُهُ فِي الْجَنَّةِ أَوْ فِي النَّارِ -

شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

ثُمَّ إِنَّهُ يَجْذِبُ إِلَى حَيْزِ الْحَقِّ فَيُصِيرُ
 عَبْدَ اللَّهِ فَيَتَجَلَّى لَهُ كُلُّ شَيْءٍ -

مشکوٰۃ جلد اول کتاب الدعوات باب ذکر اللہ والتقرب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ہر ذات بخاری
 رب تعالیٰ فرماتا ہے پس جبکہ میں اس بندے سے محبت
 ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے
 اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ

یَمِشْنِیٰ بِرہا۔
 بن جاتا ہوں جس سے وہ کھڑا ہے اور اس کا پاؤں جس سے چلتا ہے۔
 یہ بھی خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام والیاس علیہ السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں۔ اور یہ حضرات اب امتِ مصطفیٰ علیہ السلام کے دلی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حبیب تشریف لائیں گے وہ بھی اس امت کے دلی کی حیثیت سے ہوں گے۔ ان کے علوم کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علوم بھی اب حضور علیہ السلام کی امت کے اولیاء کے علوم ہیں۔

دوسرا باب

علم غیب پر اعتراضات کے بیان میں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل ان آیاتِ قرآنیہ کے بیان میں جو مخالفین پیش کرتے ہیں۔ دوسری فصل احادیث کے بیان میں۔ تیسری فصل اقوالِ علماء و فقہاء کے بیان میں۔ چوتھی فصل عقلی اعتراضات کے بیان میں۔

اس باب کے شروع سے پہلے بطور مقدمہ چند ضروری بحثیں قابلِ غور ہیں۔

۱، جن آیات و احادیث یا اقوالِ فقہاء میں حضور علیہ السلام کے علم غیب کی نفی ہے ان میں یا تو ذاتی علم مراد ہے۔ یا مامی معلومات یعنی رب تعالیٰ کے معلومات کی برابر مطلق علم کی نفی نہیں درج پھر ان آیات و احادیث میں جو ثبوتات میں بیان کر چکے ہیں۔ مطابقت کیوں کر ہوگی۔

علامہ ابن حجر قتادہ حدیثیہ میں اس قسم کے تمام دلائل کے جواب میں فرماتے ہیں۔

مَعْنَاهَا لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ إِلَّا سِتْقَالًا لَا دَرَجَةً
 إِحْاطَةً إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى أَمَّا الْمُعْجَزَاتُ وَ
 أَنْكَرُ أَمَاتٍ فَيَا عَلَامَ اللَّهِ تَعَالَى۔
 ان کے معنی یہ ہیں کہ مستقل طور پر (ذاتی) اور احاطہ کے طور پر کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے لیکن معجزات اور کرامات پس وہ خدا کے بتانے سے ہوتی ہیں۔

مخالفین کہتے ہیں کہ جن دلائل میں علم غیب کا ثبوت ہے اس سے مراد مسائلِ دینیہ کا علم ہے۔ اور جن میں نفی ہے ان سے مراد باقی دنیاوی چیزوں کے علوم ہیں۔ مگر یہ توجیہ ان آیاتِ قرآنیہ اور

احادیث صحیحہ و اقوال علمائے اہل سنت کے خلاف ہے جو ہم نے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا علم اسی طرح محض فو کا علم سب ہی چیزوں کو شامل ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ قدام عالم ہمارے مثل ہاتھ کے ہے لہذا یہ توجیہ بالکل باطل ہے۔

(۱۲) مخالفین کے پیش کردہ وہ دلائل کہ رب فرماتا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا حضور فرماتے ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا یا فقہا فرماتے ہیں کہ جو غیر خدا کے لئے علم غیب مانے وہ کافر ہے یہ خور مخالفین کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض علوم غیبیہ کے تو وہ بھی قائل ہیں۔ صرف جمیع ماکان و مایکون میں اختلاف ہے ان آیات و اقوال فقہا سے تو وہ بھی نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ اگر ایک بات کا بھی علم مانا۔ ان دلائل کے خلاف چلنا سالیہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئہ ہوتی ہے۔

(۱۳) مخالفین کہتے ہیں کہ ان دلائل میں کل علم غیب کی نفی ہے نہ کہ بعض کی۔ تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا۔ کیونکہ ماکان و مایکون علم الہی کے سمندروں کا قطرہ ہے۔ ہم بھی حضور علیہ السلام کے لئے علم الہی کے تقادیر میں بعض ہی علم کے قائل ہیں۔ (۱۴) مخالفین کہتے ہیں کہ علم غیب خدا کی صفت ہے لہذا غیر خدا کے لئے ماننا کفر ہے اس کفر میں وہ بھی داخل ہو گئے۔ کیونکہ صفت الہیہ میں اگر ایک میں شرکت مانی تو کفر ہوا سب میں مانی تو کفر ہوا جو شخص عالم کی ایک چیز کا خالق کسی بندے کو مانے وہ بھی بے دین ہے۔ تمام عالم کا خالق کسی کو مانے تو بھی کافر اور وہ بھی بعض علم غیب تو حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کرتے ہیں ہیں۔ پھر کفر سے کیسے بچے ہاں یہ کہو کہ ذاتی علم خدا کی عطائی علم حضور علیہ السلام کی صفت لہذا شرک نہ ہوا۔ یہ ہی ہم کہتے ہیں۔

پہلی فصل

آیات قرآنیہ کے بیان میں

(۱) اَقُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ۔

اس آیت کی چار توجہیں مفسرین نے کی ہیں۔ اولاً یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔ دوم یہ کہ کل علم کی نفی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ کلام تواضع اور انکسار کے طور پر بیان فرمادیا گیا ہے۔ چہاں یہ کہ آیت کے معنی یہ ہیں میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی دعویٰ علم غیب کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی ملاحظہ ہوں تفاسیر

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔
يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ عَطْفًا
عَلَى لَا أَقُولُ لَكُمْ أَيْ قُلْ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ
فَيَكُونُ فِيهِ دَلَالَةٌ أَنَّ الْغَيْبَ بِأَلْسِنَتِ قُلُلٍ
لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ۔

اس آیت میں یہ احتمال بھی ہے کہ لا اعلم کا عطف لا
اقول پر ہو یعنی اے محبوب فرماؤ کہ میں غیب نہیں جانتا
تو اس میں دلالت اس پر ہوگی کہ غیب بالاستقلال
یعنی ذاتی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر سیادوی یہی آیت۔

لَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ مَا لَكُمْ يَوْمَ حِجْزٍ إِلَى أَوْ لَمْ
يَكُنْ صَبْرٌ عَلَيْهِ دَلِيلٌ۔

میں غیب نہیں جانتا جب تک اسکی چھ پرہیز نہ کی
جدا سے یا کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔

یہ اس سے مراد کل علم کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهُ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ يَدُلُّ عَلَى إِمْتِنَانِهِ
بِأَنَّهُ غَيْرُ عَالِمٍ بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ۔

یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضرت علیہ السلام کے اس
اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے

یہ کلام بطور تواضع و انکسار فرمایا گیا۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَأَمَّا لَفِي عَنْ نَفْسِهِ الْفَرِيقَةَ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ
تَوَاضَعًا لِلَّهِ تَعَالَى وَاعْتِرَافًا لِلْعَبُودِيَّةِ
فَلَسْتُ أَقُولُ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَدْعِيهِ۔

حضرت علیہ السلام نے ان چیزوں کی اپنی ذات کو بے نفی فرمایا
رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار
فرمایا ہوئے یعنی میں اسمیں کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر رائس البیان میں ہے۔ وَتَوَاضَعٌ حِينَ
أَقَامَ نَفْسَهُ مَقَامَ الْإِنْسَانِيَّةِ بَعْدَ أَنْ كَانَ
أَشْرَفَ خَلْقِ اللَّهِ مِنَ الْعَرْشِ إِلَى التُّرَى وَ
أَظْهَرَ مِنَ الْكَرَّةِ وَبَيِّنَ وَالرُّوحَانِيَّةِ
خُضُوعًا لِعِبَادَتِهِ وَخُشُوعًا لِمَلَكُوتِهِ۔

حضرت علیہ السلام نے انکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو انسانیت
کی جگہ میں رکھا اور نہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق
میں اشرف ہیں اور ملائکہ اور روحانیین سے زیادہ سترے
ہیں۔ یعنی تعالیٰ کی شان جباری کے سامنے عاجزی کے طور پر
اسکی سطوت کے سامنے ہستی کے ظہار کے طریقہ پر یہ فرمایا۔

یہ دعویٰ علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے۔ أَيْ لَا أَدْعِي الْقُدْرَةَ
عَلَى كُلِّ الْمَقْدُورَاتِ وَالْعِلْمَ بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ۔

یعنی میں تمام مقدورات پر قدرت رکھنے اور تمام
معلومات کے جلنے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر کبیرہ یہی آیت۔ اَمَّا لَا اَدْعٰی كُوْنِيْ
مَوْصُوْفًا يَعْلَمُ اللّٰهُ وَيَجْمَعُ هٰذِيْنَ الْكَلَامِيْنَ
حَصَلَ اَنَّهُ لَا يَدْعٰى اِلٰلِهَیَّةَ۔

روح البیان یہی آیت عَطَفَ عَلٰی عِنْدِيْ
خَرَاتِنِ اللّٰهِ وَلَا مَذْكِرَةً لِلنَّفْيِ اَيْ وَلَا اَدْعٰی
اَنِّيْ اَعْلَمُ الْغَيْبَ مِنْ اَعْمَالِهِ تَعَالٰی عَلٰی اَنّٰهَا
عِنْدِيْ وَلٰكِنْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ فَمَنْ قَالَ اِنَّ
نَبِيَّ اللّٰهِ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ اَخْطَا فِيْهَا اَصَابَ
تفسیر مارک یہی آیت۔

وَمَحَلَّ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ النَّصْبُ عَطْفًا عَلٰی
مَحَلِّ عِنْدِيْ خَرَاتِنِ اللّٰهِ كَاَنَّهُ مِنْ جُمْلَةِ
الْمَقُوْلِ كَاَنَّهُ قَالَ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ هٰذَا الْقَوْلُ
وَلَا هٰذَا الْقَوْلُ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ۔

تفسیر نیشاپوری۔ اَمَّا قَوْلُ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُوْنُ فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّ الْغَيْبَ يَاسْتَقْدَلُ لَا يَعْلَمُ اِلَّا اللّٰهُ
فَكَتَبَهُ۔ اس آیت میں لَا اَقُوْلُ دو جگہ ہے پہلے لَا اَقُوْلُ کے بعد دو چیزوں کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ
میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ دوسرے لَا اَقُوْلُ کے بعد صرف
ایک چیز کا ذکر ہے میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس لئے کہ پہلے دو میں تو دعویٰ کی نفی ہے اور مدعی کا
ثبوت اور دوسرے قول میں دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور
میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے۔ اُوْتِيْتُ مَقَاتِيْمَ خَرَائِنِ
الْكَافِرِيْنَ مُشْكُوَّةً بِابِ سِيْدِ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی مجھ کو زمین کے خزانوں کی گنجیاں دے دی گئیں اور علم
غیب کی احادیث ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور نہ میں واقع میں فرشتہ ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر یہ نکتہ
نہیں۔ تو ایک ہی جگہ لَا اَقُوْلُ کافی تھا۔ دو جگہ کیوں لایا گیا اگر ہماری بیان کی ہوئی تو جہیں نہ کی جاویں
تو یہ آیت مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب تو وہ بھی مانتے ہیں۔ اور یہ آیت بالکل نفی کر رہی

یعنی میں اللہ کے علم سے متصف ہونیکا دعویٰ نہیں کرتا
اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور
علیہ السلام خدا ہونیکا دعویٰ نہیں کرتے۔

اس کا عطف عِنْدِيْ خَرَائِنِ اللّٰهِ پر ہے اور لا
زائد ہے نفی کا یا ودلانے والا یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ
خدا کے فعل میں غیب جانتا ہوں اس بنا پر کہ خَرَائِنِ اللّٰهِ
میرے پاس تو ہیں مگر میں یہ کہتا نہیں۔ تو جو شخص یہ کہے نبی
اللہ غیب نہیں جانتا تھے اس نے غلطی کی اس آیت میں حسین مصعبی

وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ کا اعراب زبر ہے عِنْدِيْ
خَرَائِنِ اللّٰهِ کے محل پر عطف کی وجہ سے کیونکہ یہ
بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں
فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ۔

تفسیر نیشاپوری۔ اَمَّا قَوْلُ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُوْنُ فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّ الْغَيْبَ يَاسْتَقْدَلُ لَا يَعْلَمُ اِلَّا اللّٰهُ
فَكَتَبَهُ۔ اس آیت میں لَا اَقُوْلُ دو جگہ ہے پہلے لَا اَقُوْلُ کے بعد دو چیزوں کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ
میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ دوسرے لَا اَقُوْلُ کے بعد صرف
ایک چیز کا ذکر ہے میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس لئے کہ پہلے دو میں تو دعویٰ کی نفی ہے اور مدعی کا
ثبوت اور دوسرے قول میں دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور
میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے۔ اُوْتِيْتُ مَقَاتِيْمَ خَرَائِنِ
الْكَافِرِيْنَ مُشْكُوَّةً بِابِ سِيْدِ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی مجھ کو زمین کے خزانوں کی گنجیاں دے دی گئیں اور علم
غیب کی احادیث ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور نہ میں واقع میں فرشتہ ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر یہ نکتہ
نہیں۔ تو ایک ہی جگہ لَا اَقُوْلُ کافی تھا۔ دو جگہ کیوں لایا گیا اگر ہماری بیان کی ہوئی تو جہیں نہ کی جاویں
تو یہ آیت مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب تو وہ بھی مانتے ہیں۔ اور یہ آیت بالکل نفی کر رہی

ہے۔ نیز یہاں نکتہ میں کفار سے خطاب ہے یعنی اے کافر وہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے میں تم چور ہو۔ چوروں کو خزانے نہیں بتائے جاتے۔ تم شیطانوں کی طرح اسرار کی چوری نہ کرو۔ رب تعالیٰ نے بھی شیطان کو آسمان پر جانے سے اسی لئے روکا کہ وہ چور ہے۔ یہ تو صدیق سے کہا جادیکا کہ مجھے خزانہ الہیہ کی کنجیاں سپرد ہوئیں نیز یہاں عہدی فرما کر بتایا کہ خزانہ میرے پاس نہیں میری ملک میں ہیں۔ کیونکہ خزانہ خزانچی کے پاس اور مالک کی ملک میں ہوتا ہے میں خزانچی نہیں۔ کیا نہ دیکھا کہ ان کے اشارہ پر بادل برسا۔ ان کی انگلیوں سے چٹھے جاری ہوئے۔

(۳) وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَبْرِ۔ اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو میں تبارک میں بہت بھلائی جمع کر لی۔

اس آیت کے بھی مفسرین نے تین مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام بطور انکار کے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں تمام معلومات الہیہ جاننے کی نفی کرنا مقصود ہے تیسرے یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔

نیم اریاض میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ فَإِنِ الْمُنْفَىٰ عِلْمُهُ مِنْ غَيْرِ دَاسِطَةٍ وَأَمَّا إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِأَعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَىٰ فَأَمْرٌ مُّتَحَقِّقٌ بِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ۔ علم غیب کا ماننا اس آیت کے منافی نہیں کہ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ الخ کیونکہ نفی علم بغیر واسطہ کی ہے لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتا واقع ہے نبیؐ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا الخ معلومات الہیہ جاننے کی نفی ہے۔

شرح مواقف میں میر سید شریف فرماتے ہیں۔

الْإِطْلَاعُ عَلَىٰ جَمِيعِ الْمَغْیِبَاتِ لَا يَحْتِجُ لِلنَّبِيِّ وَلَيْدًا أَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ (الْأَيْ كُلِّ جَمِيعِ مَغْیِبَاتٍ غَيْرِ مَتَنَا هَبِیَّةٍ۔ تمام غیبوں پر مطلع ہونا نبی کیلئے ضروری نہیں اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ الا یہ تمام غیب غیر متناہی ہیں۔ یہ کلام انکار کے طور پر ہے۔ اگر تم کہو کہ یہ آیت گذشتہ کلام کے خلاف ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی غیبوں پر مطلع

أَنَّهُ أُطْلِعَ عَلَى جَمِيعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
فَالْجَوَابُ أَنَّهُ قَالَ ذَلِكَ تَوَاضَعًا

تفسیر خازن میں جمل حاشیہ جلال سے اسی آیت کے ماتحت نقل کیا۔

پس اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام نے بہت غیبوں کی خبر دی ہے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں اور علم غیب تو حضور علیہ السلام کا ہونا چہرہ ہے تو ان باتوں میں اور اس آیت میں کہ تَوَاضَعًا عَلَّمَ الْغَيْبَ مطابقت کس طرح ہوگی تو میں کہوں گا کہ یہاں احتمال یہ ہے کہ یہ کلام انگسار کے طریق پر فرمایا ہو اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا بغیر خدا کے بتائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کلام غیب پر مطلع ہونے سے پہلے کا ہو جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو غیب پر مطلع فرمایا تو خبریں دیں۔

علامہ سلیمان جمل نے فتوحات المہاشیہ جلد ۱۸ صفحہ ۲۵۸ میں اسی کی شکل فرمایا۔
یعنی فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا الخ پس اس آیت میں اس پر دلالت ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی خدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا۔

حضور علیہ السلام کا علم غیب جانتا نہ جاننے کی طرح ہے۔ کیونکہ آپ کو اس چیز کے بدلنے پر قدرت نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیں۔ تو معنی یہ ہوتا ہے کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہو تا اس طرح کہ میں اپنی مراد کے واقع کرنے پر قادر ہوتا۔ تو خیر بہت سی جمع کر لیتا۔ یہ تو خیر نہایت ہی نفیس ہے کیونکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا۔

فَإِنْ قُلْتُمْ قَدْ أَخْبَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْمَغَيَّبَاتِ قَدْ جَاءَتْ أَحَادِيثُ فِي الصَّحِيحِ بِذَلِكَ وَهُوَ مِنْ أَعْظَمِ مُعْجَزَاتِهِ فَكَيْفَ الْجَمْعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ تَوَلِيهِ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ قُلْتُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ قَالَهُ تَوَاضَعًا ذَا أَجْبَاءٍ وَالْمَعْنَى لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا أَنْ يُطْلِعَنِي اللَّهُ عَلَيْهِ وَيَقْدِرَهُ لِي وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ قَالَ ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يُطْلِعَهُ اللَّهُ عَلَى الْغَيْبِ فَلَمَّا أُطْلِعَهُ اللَّهُ أَخْبَرَهُ بِهِ۔

أَيُّ قَوْلٍ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُونُ فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ الْغَيْبَ بِالْإِسْتِقْلَالِ لَا يَعْلَمُ إِلَّا اللَّهُ۔

تفسیر صاوی یہ ہی آیت اَدَّ أَنْ عَلِمَهُ بِالْمَغَيَّبِ كَلَّا عَلَيْهِ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ لَا قُدْرَةَ لَهُ عَلَى تَغْيِيرِ مَا قَدَّرَ اللَّهُ فَيَكُونُ الْمَعْنَى حِينَئِذٍ لَوْ كَانَ لِي عَلَيْهِ حَقِيقَتِي بِأَنْ أَقْدِرَ عَلَى مَا أُرِيدُ وَتَوَضَّعَ لَا سَكَلْتُ مِنَ الْخَيْرِ یہ تو خیر نہایت ہی نفیس ہے کیونکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا۔

اور مجھ کو تکلیف نہ پہنچتی۔ اور صرف کسی چیز کا جاننا خیر جمع کرنے اور مصیبت سے بچنے کے لئے کافی نہیں۔ جب تک کہ خیر کے حاصل کرنے اور مصیبت سے بچنے پر مستقل قدرت نہ ہو۔ مجھ کو علم ہے کہ بڑھاپا آدیکھا اور اس وقت مجھ کو یہ تکلیف پہنچیں گی۔ مگر مجھے بڑھاپے کے دفع کرنے پر قدرت نہیں۔ مجھے آج خبر ہے کہ غلہ چند روز کے بعد گراں ہو جاوے گا۔ کہ میرے پاس آج روپیہ نہیں۔ کہ بہت سا غلہ خرید لوں خرید نہیں سکتا۔ معلوم ہوا کہ خیر حاصل کرنا۔ مصیبت سے بچنا علم اور قدرت دونوں پر موقوف ہے اور یہاں قدرت کا ذکر نہیں۔ تو علم غیب سے وہ علم مراد ہے جو قدرت حقیقی کے ساتھ ہو یعنی علم ذاتی جو لازم الوہیت ہے جس کے ساتھ قدرت حقیقی لازم ہے ورنہ آیت کے معنی انہیں درست ہوتے۔ کیونکہ مقدم اور تالی میں لزوم نہیں رہتا اور اس کے بغیر قیاس درست نہیں ہوتا۔

نیز دیوبندی تو اس آیت کے یہ معنی لکھتے ہیں کہ اگر میں غیب جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی مصیبت نہ پہنچتی۔ مگر یہ کہ نہ میرے پاس خیر ہے اور نہ میں مصیبت سے بچا لہذا غیب نہیں جانتا۔ ہم یہ ترجمہ کر سکتے ہیں کہ عوز کرو اگر میرے پاس خیر ہو اور میں مصیبت سے بچوں تو سمجھ لو کہ مجھے علم غیب بھی ہے میرے پاس بہت خیر تو ہے۔ مَن يُوْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا نَبَرْنَا اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ۔ نَبَرْنَا يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ۔ اور میں مصیبت سے بھی محفوظ کہ رب تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُكَ مِنَ النَّاسِ لَهَذَا مَجْهٌ علم غیب بھی ہے۔ یہ آیت تو علم غیب کے ثبوت میں ہے نہ کہ انکار میں۔

بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور ان کا یہ کلام اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔ عیباً کہ معنی نہیں۔

اور اسی کے پاس میں کجیاں غیب کی ان کو وہ ہی جانتا ہے۔

روح البیان یہی آیت وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ إِلَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ وَقْتُ السَّاعَةِ بِإِعْلَامِ اللَّهِ وَهُوَ لَا يَنَاقِي الْحَصْرَ فِي الرِّايَةِ كَمَا لَا يَخْفَى ۱۳۱ وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ (غیب کی کنجیوں) سے مراد یا تو غیب کے خزانے ہیں۔ یعنی سارے معلومات الہیہ کا جاننا یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر

قادر ہونا۔ کیونکہ کبھی کام یہ ہی ہوتا ہے کہ اس سے قفل کھولا جائے اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کر دی جائے اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت پروردگار ہی کو ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَكَذَلِكَ هُمُ الْتَمَّازُونَ عَلِيمًا بِجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ
عَبَّرَ هَذَا الْمَعْنَى بِالْعِبَادَةِ الْمَذْكُورَةِ وَ عَلَى
التَّهْدِيقِ الثَّانِي لَمَّا أَدْمِنَهُ الْقُدْرَتِ عَلَى كُلِّ امْتِنَانٍ
تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ان چیزوں کے نقشِ باندھنے کا قلم جو ایسی کبھی ہے جس سے
ان چیزوں کے پیدائش کا دروازہ کھولا جاتا ہے رانگی
مناسب صورتوں پر (اور وہی ملکوت ہے) پس ہر چیز کے
ملکوت کے قلم سے ہر چیز کی ہستی ہوتی ہے اور ملکوت کا
قلم اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لیے کہ غیب سے مراد پیدا کرنا

وَقَلَمُ تَقْوِيمِهَا الَّذِي هُوَ مِفْتَاحُ يَفْتَحُ
بِهِ بَابُ عِلْمِ تَكْوِينِهَا عَلَى صُورَتِهَا وَلَوْ أَنَّهَا
هِيَ الْمَلَكُوتُ فَتَقَلَمُ مَلَكُوتٍ كُلِّ شَيْءٍ يَكُونُ
كُلِّ شَيْءٍ وَقَلَمُ الْمَلَكُوتِ بِيَدِ اللَّهِ لَا تَنْ
الْغَيْبِ هُوَ عِلْمُ التَّكْوِينِ۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔
لَا تَنْ اللَّهُ تَعَالَى لَمَّا كَانَ عَلِيمًا بِجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ
عَبَّرَ هَذَا الْمَعْنَى بِهَذِهِ الْعِبَادَةِ وَ عَلَى التَّهْدِيقِ
الثَّانِي يَكُونُ الْمَعْنَى أَعْيُنُ الْأَخْرَافِ الْغَيْبِ
الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ الْكَامِلَةُ عَلَى كُلِّ امْتِنَانٍ

کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے
تو اس کے معنی کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری
تفسیر پر اس کے معنی یہ ہونگے کہ اس کے نزدیک غیب کے
مخلنے میں اور اس سے مراد ہے ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ

یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی کنجیاں بغیر تعلیم الہی کوئی نہیں جانتا۔ تفسیر اہل البیان میں ہے۔
قَالَ الْحَسَنُ يُرَى لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَمَنْ يُطْلَعُ
عَلَيْهَا مِنْ خَلِيلٍ وَحَبِيبٍ أَيْ لَا يَعْلَمُهَا
أَلَا دُونَ وَالْآخِرُونَ قَبْلَ إِظْهَارِهَا
تَعَالَى ذَلِكَ لَهُمْ۔

تفسیر عنایت القاضی یہی آیت دجہ اختصا

حرمی نے فرمایا کہ ان کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ
کے اور سوائے ان محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے
کوئی نہیں جانتا یعنی ان کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر
فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔

ان غیب کی کنجیوں کے خلاف اللہ کے ساتھ خاص ہوئی وجہ

یہ ہے کہ عیسیٰ وہ ہیں اس طرح ابتداء خدا کے مساوی نہیں جانتا

اس آیت کے اگر وہ مطلب نہ بیان کئے جا دیں جو ہم نے بتائے تو یہ منافقین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی مانتے ہیں۔ اور اس میں علم غیب کی باطل نفی ہے۔

نکلتے۔ بعض صاحبوں نے مجھ سے فرمایا کہ علیحضرت قدس سرہ نے اس جگہ ایک نکتہ لکھا ہے۔ دیکھ کر اس آیت میں ہے۔ عِندَہٗ مَقَاتِحُ الْغَيْبِ۔ دوسری میں ہے۔ لَہٗ مَقَالِیدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ مفاہم اور مقالید دونوں کے معنی میں کنجیاں اور اگر مفاہم کا اول و آخر حرف یعنی م۔ ح لو۔ اور مقالید کا اول و آخر حرف یعنی م۔ لو۔ تو بنتا ہے مُحَمَّدٌ (صلی اللہ علیہ وسلم) جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ذاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنجی ہے لَا یَعْلَمُہَا اَکْثَرُ مِنْہٗ اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام جیسے میں دیا کوئی نہیں جانتا۔ حقیقت محمدیہ کو رب ہی جانے مفاہم جمع اس لئے بولا کہ آپ کی ہر اور رحمت الہی کی کنجی ہے آپ کا نورِ عالم کی کنجی کُلُّ الْخَلْقِ مِنْ نُّوْرِی قیامت میں آپ کا سجدہ شفاعت کی کنجی ہے جنت میں آپ کا نام ہر نعمت کی کنجی اور جنت میں آپ کا جانا سب کے لئے جنت کے کھلنے کی کنجی ہے۔ دیکھو ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمن۔

نکتہ ۱۰۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے پاس غیب کی کھیاں ہیں اب یہ سوال ہے کہ اس کنجی سے کسی کے لیے دروازہ غیب کھولا بھی گیا یا نہیں؟ یا کسی کو کوئی کنجی دی گئی یا نہیں؟ اس کا جواب قرآن وحدیث سے پوچھو قرآن فرماتا ہے۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ہم نے آپ کے لیے ظاہر طور پر کھول دیا۔ کیا کھول دیا؟ اس کی نفیس تو جہیں ہماری کتاب شان معیب الرحمن من آیات القرآن میں دیکھو۔ قفل اور کنجی میں وہ ہی چمک رہی جاتی ہے۔ جو کھول کر نکالنی ہو اور جسے نکالنا نہ ہو وہ زمین میں دفن کر دی جاتی ہے۔ پتہ لگا کہ غیب کسی کو دینا تھا اس لیے کنجی بھی بھیجی۔

حدیث میں ہے۔ اُدْنِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ مِجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو کبھی دی بھی گئی آپ کے لیے فتح باب بھی ہوا۔

(۴) قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ

اس آیت کے بھی مفسرین نے دو مطلب بیان فرما غیب فاتی کوئی نہیں جانتا۔ کلی غیب کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر المودج جلیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ بغیر دلیل یا بغیر تائید یا سارے غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق کو اس پر مطلع نہ کیا گیا ہو۔

مَعْنَاهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ أَوْ لَا يَعْلَمُ إِلَّا جَمِيعُ الْغَيْبِ -

تفسیر مدارک یہی آیت وَالْغَيْبُ مَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَلِيلٌ وَلَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ مَخْلُوقٌ

مدارک کی اس توجیہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں جو علم عطائی ہو وہ غیب ہی نہیں کہا جاتا غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ اب کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ جن آیات میں غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی کی ہے، اس آیت کے کچھ آگے ہے۔ مَا مِنْ غَائِبٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مَبْنُونٍ جس سے معلوم ہوا کہ ہر غیب لوح محفوظ یا قرآن میں محفوظ ہے۔

آیت لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَغَيْرِهِ كَيْفَ يَعْلَمُ ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام آئندہ کی باتیں جانتے ہیں جواب اس کے معنی یہ ہیں کہ غیب کو مستقل طور پر ذاتی کوئی نہیں جانتا لیکن معجزات اور کرامات پس یہ رب کے بتانے سے حاصل ہونے لگے کہ بالاستقلال

فتاویٰ امام نووی مَا مَعْنَى قَوْلِ اللَّهِ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَأَشْبَاهِ ذَلِكَ مَعَ أَنَّهُ قَدْ عَلِمَ مَا فِي غَيْدِ الْجَوَابِ مَعْنَاهُ لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ اسْتِقْلَالًا وَأَمَّا الْمُعْجِزَاتُ وَالْكَرَامَاتُ فَحَصَلَتْ بِإِعْلَانِ اللَّهِ لَا اسْتِقْلَالًا۔

امام ابن حجر کی حدیث میں فرماتے ہیں۔

جہاں اس آیت کے بارے میں جو کچھ کہا اسکی امام نووی نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے انہوں نے کہا کہ غیب مستقل طور پر سارے معلومات الہیہ کوئی نہیں جانتا یہ کلام ان آیات کے خلاف نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ نفی بے واسطہ علم کی ہے لیکن اللہ کی تعلیم سے جہاں یہ ثابت ہے۔

مَا ذَكَرْنَاهُ فِي الْأَيَاتِ صَوَّرَ بِهِ التَّوْحِيدَ فِي فَتَاوَاهُ فَقَالَ لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ اسْتِقْلَالًا وَاعْلَمَ إِحْاطَةً بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ -

شرح شفاء خفاجی میں ہے هَذَا الْأَيْتَانِ فِي الْأَيَاتِ الدَّالَّةِ عَلَى أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ فَإِنَّ التَّفْهِيمَ عَلَمًا مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ أَمَّا إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ بِإِعْلَانِ اللَّهِ فَأَمْرٌ مُتَعَقِّقٌ -

اگر اس آیت کے یہ مطلب نہ مانے جاویں تو مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی بعض غیبوں کا علم

حضور علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اور اس میں بالکل کی نفی ہے۔ نیز انہوں نے شیطان و ملک الموت کو علم غیب مانا ہے دیکھو براہین قاطعہ صفحہ ۵۰۔ پھر اس آیت کا کیا مطلب بتائیں گے قرآن کریم میں ہے اِنَّا نَحْكُمُ
 بِاللّٰهِ حَكْمَ خَدَاۤءِ سَاكِسِيۡ كَا نَهِيۡنَ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ خَدَاۤءِ هٰی وَهٗ تَمَامِ حٰیزِیۡنِ
 جَوَآ سَمٰنِ دَرِیۡنِ مِیۡنِ مِیۡنِ۔ وَكُفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا اللّٰهُ كَا نِیۡ گَوٰہ ہے۔ وَكُفٰی بِاللّٰهِ وَكُیۡلًا اللّٰهُ كَا نِی
 وکیل ہے۔ وَكُفٰی بِاللّٰهِ حَسِیۡبًا اللّٰهُ كَا نِی حَسَابِ لَیۡنِ والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حکومت، ملکیت، گواہی، وکالت، حساب لینا سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ
 خاص ہے۔ اب بادشاہ اسلام کو حاکم، سر شخص کو اپنی چیزوں کا مالک، مشرکین کو وکیل محاسب اور عام
 لوگوں کو مقدمات کا گواہ مانا جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان آیات میں حکومت ملکیت وغیرہ
 سے حقیقی اور ذاتی مراد ہے اور دوسروں کے لئے یہ اوصاف بہ عطائے الہی مانے گئے اسی طرح آیات
 غیب میں بھی توجیہ کرنا لازم ہے کہ حقیقی کی غیر سے نفی ہے اور عطائی کا ثبوت۔

۱۵۱ دَمَا عَلَّمْنَاكَ الشَّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيۡ لَهٗ اِنْ
 اُوہو اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْآنٌ مُّبِیۡنٌ
 اور ہم نے ان کو شعر کہنا سکھایا اور نہ وہ انکی شان
 کے لائق ہے وہ تو نہیں مگر نصیحت اور درشن قرآن۔

مفسرین نے اس آیت کے تین مطلب بتائے ہیں اولایہ کہ علم کے چند معنی ہیں۔ جاننا بلکہ دمشق
 و تجربہ وغیرہ اس جگہ علم کے دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی کا
 ملکہ نہ دیا نہ یہ کہ ان کو اچھا بُرا صحیح غلط شعر پہچانتے کا شعور نہ دیا۔ دوسرے یہ کہ شعر کے دو معنی ہیں
 ایک تو وزن و قافیہ والا کلام (غزل) دوسرے جھوٹی اور دہی و خیالی باتیں چاہے نظم ہوں یا نثر اس
 آیت میں یہ دوسرے معنی ہی مراد ہیں۔ یعنی ہم نے ان کو جھوٹی اور دہی باتیں نہ سکھائیں وہ جو کچھ فرماتے
 ہیں حق ہے۔ تیسرے یہ کہ شعر سے مراد اس جگہ اجمالی کلام ہے۔ یعنی ہم نے ان کو ہر چیز کی تفصیل بتائی ہے
 نہ کہ محض اور اجمالی باتیں وَ تَفْصِيۡلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ عَلَّمَ مَعْنٰی مَلِكِ قُرْآنِ كَرِیۡمِ فرماتا ہے۔ وَ عَلَّمْنَاهُ مَنۡعَةً
 لِّبُۡوٰیۡنِ تَكْمِلَہ اور ہم نے ان کو تمہارا ایک پہناؤ بنانا سکھایا۔

دینی نے حضرت جابر سے روایت کیا۔ عَلَّمُوۡا بَیۡتَکُمُ الرَّحْمٰنِ یعنی اپنی اولاد کو تیرا نذری سکھا۔
 روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَالۡاَصَمُّ اَنۡتَہٗ كَانَ لَا يَحِیۡتُہٗ وَ لٰكِنۡ كَانَ
 زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ شعر بخوبی پڑھتے نہ تھے۔

يَمَيِّزُ جَيِّدَ الشَّعْرِ وَدَرِيَّةَ

لیکن اچھے اور دبی شعر میں فرق فرمالتے تھے۔

روح البیان یہی آیت اِن الْحَمْدَ مَعَالِيهِ اِنَّمَا هُوَ اِنْشَاءُ الشَّعْرِ آپ کے لئے شربنا منع تھا۔ شعر کے معنی میں جھوٹا کلام کفار کہہ کرتے تھے کہ قرآن کریم شعر ہے اور حضور علیہ السلام شاعر ہیں۔ یٰۤاَيُّهَا شَاعِرُ اس شعر سے ان کی مراد تھی جھوٹا کلام تو ان کے اس کہنا کی تردید اسی آیت نے کرنی کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ اِنَّ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَذِكْرٌ اَنْ مَّبِیْنٌ وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن یہاں اگر شعر سے مراد منظوم کلام ہو تو اس عبارت سے آیت کا کیا تعلق ہوگا۔

مذکر یہی آیت اٰی مَا عَلَّمْنَا النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَوْلَ الشَّعْرِ اَوْ مَا عَلَّمْنَاکَ تَعْلِیْمَ الْقُرْآنِ الشَّعْرَ عَلٰی مَعْنٰی اَنَّ الْقُرْآنَ لَیْسَ بِشَعْرِ خَازِنِ یَہِیْ آیَتٍ دَلَمَّا کَفٰی اَنْ یَّکُوْنَ الْقُرْآنُ مِنْ جِنْسِ الشَّعْرِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَذِکْرٌ اَنْ مَّبِیْنٌ

یعنی ہم نے نبی علیہ السلام کو شعر کہنا نہ سکھایا یا ہم نے ان کو قرآن کی تعلیم سے شعر نہ سکھایا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم شعر نہیں۔

جیسا کہ اس کی تردید فرمادی کہ قرآن کریم شعر کی جنس سے ہو تو رب تعالیٰ نے فرمادیا کہ نہیں ہے وہ مگر نصیحت اور روشن قرآن۔

خَازِنٌ قَبِلَ اِنَّ کَفَّارَ قَرْمِیْنٍ قَالُوْا اِنَّ مَّحَمَّدًا شَاعِرٌ وَمَا یَقُوْلُهُ شِعْرٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَنْذِیْرًا لَّهُمْ وَمَا عَلَّمْنَا الشَّعْرَ۔

کہا گیا ہے کہ کفار قریش نے کہا تھا کہ حضور علیہ السلام شاعر ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں (قرآن) وہ شعر ہے اس کی تکذیب کیلئے رب تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

تنبیہ اس جگہ مخالفین یہ سوال کرتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی زبان پاک شعر کے موافق نہ تھی یعنی آپ کوئی شعر پڑھتے تھے تو وزن بگڑ جاتا۔ دیکھو اسی خازن میں ہے۔

اٰی مَا یَسْهَلُ لَہٗ ذٰلِکَ وَمَا یُصْلِحُ مِنْہُ حَیْثُ لَوْ اَمَّا اَدْ نَظَمَ شِعْرٌ لَّمْ یَتَّاتْ لِذٰلِکَ۔

یعنی آپ کو شعر پڑھنا آسان نہ تھا اور آپ سے درست نہ آتا ہوتا تھا اگر کسی شعر کو نظم فرمایا کیا ارادہ فرماتے تو نہ ہو سکتا یعنی ہم نے آپ کو اس طرح کیا ہے کہ اگر آپ شعر پڑھنے کا ارادہ فرمادیں تو آسان نہ ہو۔

مذکر اٰی جَعَلْنَا مَّحِیْثُ لَوْ اَرَادَ قَرْمٌ شِعْرٌ لَّمْ یَسْهَلْ۔

آپ کو شعر آسان نہیں بہا تک کہ اگر کسی کو اد فرمائے ارادہ فرمادیں تو آپ سے ٹوٹا ہو سنا جاتا ہے۔

تفسیر کبیر وَمَا یَسْهَلُ لَہٗ حَتّٰی اَنّٰہُ اِنْ تَمَثَّلَ لَہٗ بَیْتُ شِعْرٍ مِّمَّہٗ مِنْہُ مَبْرَاحًا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شعر کا علم اور ہے شعر کا پڑھنا اور بڑے بڑے شعراء اور علماء کا کر پڑھ نہیں سکتے بہت سے نعت خواں اور قوال علم شعر نہیں رکھتے۔ مگر شعر پڑھنے پر پورے قادر ہوتے ہیں۔ آپ روٹی پکانا جانتے نہیں مگر اچھی بڑی، موٹی باریک خوب جان لیتے ہیں۔

آپ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو شعر پڑھنے کا ملکہ اور شوق نہ تھی۔ نہ کہ شرعی پیمان نہ تھی۔ یہ ہی ہم نے کہا تھا۔ حضور علیہ السلام کو بعض شعر پسند تھے اور بعض ناپسند۔ درج البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

كَانَ أَحَبَّ الْحَدِيثِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشَّعْرُ وَبِضَا
كَانَ أَبْغَضَ الْحَدِيثِ إِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشَّعْرُ۔
حضور علیہ السلام کو شعر بہت پسند بھی تھا۔ اور
نہایت ناپسند بھی۔

نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض شعراء کے شعر پڑھے ہیں اور ان کی تعریف فرمائی ہے۔ جیسے کہ الْأَكْلُ شَيْءٌ مَا خَلَدَ اللَّهُ بِأَهْلٍ أَكَلَ حَبَّ بُرِّ شَعْرٍ عِجَانٍ نَهْنٍ تَوْدِ تَعْرِيفَ فَرْمَا كَيْسَا وَشَعْرٍ مراد اجمالی یعنی غیر مفصل کلام اور متعے ہیں۔ درج البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ الشَّيْخُ الْأَكْبَرُ أَعْلَمُ أَنَّ الشَّعْرَ حَقٌّ
لِلْإِجْمَالِ وَاللَّغْوِ وَالتَّوْصِيَةِ أَيْ مَا وَزَنَّا
مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ شَيْئًا وَلَا الْغَرْ نَا وَلَا
حَطِينًا وَبِشَيْءٍ وَنَحْنُ نُرِيدُ شَيْئًا وَلَا جَعَلْنَا
لَهُ الْخُطَابَ حَيْثُ لَمْ يَفْهَمْ۔
جاننا چاہیے کہ شعر اجمالی اور پھسلنے اور اشاروں کا
مقام ہے یعنی ہم نے حضور علیہ السلام کے لئے کسی چیز
کے اشارے نہ کیئے اور نہ یہ کیا کہ ہم ارادہ کچھ فرمائیں اور
خطاب کچھ کریں اور ان سے اس طرح اجمالی کلام نہ
فرمایا کہ سمجھ میں نہ آوے۔

(۴) مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ
مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ۔
ان نبیوں میں سے کسی کا احوال تم سے بیان فرمایا
اور کسی کا احوال نہ بیان فرمایا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے چند توجہیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں تمام انبیاء کے حالات کا علم دینے کی نفی نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں صراحت ذکر کی نفی ہے۔ یعنی بعض انبیاء کے واقعات صراحتاً بیان نہ فرمائے۔ دوسرے یہ کہ ذکر تفصیلی کی نفی ہے۔ اور اجمالی ذکر سب کا فرمایا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ وحی ظاہر میں سب بیان نہ ہوا۔ وحی حقیقی میں سب ذکر فرمایا گیا۔ تفسیر صادی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔
إِنَّ الشَّيْءَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنْ
حضور علیہ السلام دینا سے تشریف نہ لے گئے۔

الذُّنْيَا حَتَّىٰ عَلَيْهِمْ جَمِيعُ الْاُنْيَا تَفْصِيْلًا
كَيْفَ لَا وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ مِنْهُ وَخَلَقَهُمْ
لَيْلَةً الْاَوَّلَىٰ فِي بَيْتِ الْمَقْدَسِ وَكَذَلِكَ
الْعِلْمُ الْمَكْنُوْنُ وَاِنَّمَا تَرَكَ بَيَانُ قَصَصِهِمْ
لِاَمْتِهِ رَحْمَةً بِهِمْ فَلَمْ يُكَلِّفْهُمْ اِلَّا بِمَا
كَانُوا يُطِيقُوْنَ -

یہاں تک کہ تمام انبیاء کو تفصیلاً جان یا۔ کیونکہ
جانیں وہ سب غیر آپ ہی سے پیدا ہوئے اور
شب معراج بیت المقدس میں آپ کے مقتدی تھے
لیکن یہ علم مکنوں ہے اور ان پیغمبروں کے قصے
چھوڑ دیئے امت کے لئے ان پر رحمت فرماتے
ہوئے پس ان کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۵۰ میں ہے -

هَذَا الْاِسْنَانِي قَوْلُهُ تَعَالَى مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ
تَقْصُصُ عَلَيْكَ لِاَنَّ الْمَنْغِي هُوَ تَفْصِيْلُ
وَالثَّابِتُ هُوَ الْاِحْمَالُ اَوِ الْاَنْفِي مَقِيْدًا يَأْتِي
الْعَلِيَّ وَالْتَّبُوْتُ مُتَحَقِّقًا بِالْوَحْيِ الْحَقِيْقِي -
قرآن فرماتا ہے كَلَّمَ تَقْصُصُ عَلَيْكَ مِنْ
اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَنْثِيْتُ بِهِ قَوَادِكُ
(۱) يَوْمَ يَجْمَعُ اللهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَا
اُحْبَبْتُمْ قَالُوْا اِلَّا عَلِمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ
عَلَّامُ الْغُيُوْبِ -

یہ کلام اس آیت کے خلاف نہیں کہ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ
تَقْصُصُ عَلَيْكَ کیونکہ نفی تو علم تفصیل کی ہے اور
ثبوت علم جمالی کا ہے یا نفی وحی ظاہر قرآن کی ہے
اور ثبوت وحی خفی احادیث کا ہے -

اور سب کچھ ہم تم کو رسولوں کی خبریں سناتے ہیں -
جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں -

جس دن اللہ جمع فرمادے گا رسولوں کو - پھر فرمادے گا
کہ تم کو کیا جواب ملا - عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں
ہے شک تو ہی غیبیوں کا خوب جاننے والا ہے -

مفسرین نے اس آیت کریمہ کی دو توجہیں فرمائی ہیں اولاً یہ کہ خدا یا تیرے علم کے مقابلہ میں ہم کو
علم نہیں - دوسرے یہ کہ آدباً یہ عرض کیا گیا - تیسرے یہ کہ قیامت میں جس وقت نفسی نفسی فرمائے
کا وقت ہوگا اس وقت انبیائے کرام یہ فرمائیں گے - بعد میں پھر عرض کریں گے کہ ہم نے اپنی قوم کو تبلیغ
احکام کی مگر انہوں نے نہ مانا - وہ کفار کہیں گے کہ ہم کو احکام نہ پہنچے - جس پر امت مصطفیٰ علیہ السلام انبیائے
کرام کی گواہی دے گی - تفسیر حازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے -

پس اس قول کی بناء پر پیغمبروں نے اپنی ذات سے
علم کی نفی کی اگرچہ وہ جانتے تھے کیونکہ علم اللہ کے

قَعْلِيْ هَذَا الْقَوْلِ اِنَّمَا نَعُوْا الْعِلْمَ عَنْ
اَنْفُسِهِمْ وَاِنْ كَانُوْا حُلَمَاءَ لِاَنَّ عَلِمَهُمْ

صَاحِبِ كَلَامٍ عَلِيمٍ عِنْدَ عَلِيمٍ اللَّهُ

مَلَكٌ قَالُوا ذَلِكَ تَأْدِيبٌ أُنِيَ عَلَيْنَا
سَاقِطٌ مَعَ عِلْمِكَ فَكَاتَهُ لَا عِلْمَ لَنَا
تفسير کبیر یہی آیت اِنَّ الرَّسُلَ عَلَیْهِمُ
السَّلَامُ لَمَّا عَلِمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰیہِ لَا یَجْهَلُ
حَلِیْمٌ لَا یَسْقُہُ عَادِلٌ لَا یُظْلِمُ عَلِیْمُوْا اَنَّ
قَوْلَهُمْ لَا یُعِیْدُ خَیْرًا وَلَا یَدْفَعُ شَرًّا
قَالَ ذَبْ فِي السَّكُوْتِ وَتَقْوِیْضِ الْاُمْرِ اِلٰی
اللّٰهِ وَعَدْلِهِ فَقَالُوا لَا عَلِیْمَ لَنَا۔

یہ صادی یہی آیت وَتَقْبَلُ الْمُحْنَةَ لَا عَلِیْمَ لَنَا اِلٰی
جَنْبِ عَلِیْمٍ۔

روح البیان یہی آیت اِنَّ هٰذَا الْجَوَابَ یَكُوْنُ
فِيْ بَعْضِ مَوَاطِنِ الْقِیَمَةِ وَتَرْجِعُ حَقُوْمُ لَهُمْ
اِلَیْهِمْ فَیَسْهَرُوْنَ عَلٰی قَوْمِهِمْ اَنْتُمْ تَلْبَغُوْا
الرِّسَالَةَ دَاخِلٌ قَوْمَهُمْ کَیْفَ رَدُّوْا عَلَیْهِمْ
(۸) وَمَا اَدْرِیْ مَا یَفْعَلُ فِیْ ذَلٰلِکُمْ۔

اس سے منافقین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو نہ تو اپنی خبر تھی۔ نہ کسی اور کی کہ قیامت میں
ہم سے کیا معاملہ کیا جادے گا۔ لیکن اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ اولیٰ یہ کہ اس آیت میں
وَرَاٰیْتِیْ کی نفی ہے۔ نہ کہ علم کی۔ وراست اکل اور قیاس سے چمانے کو کہتے ہیں۔ یعنی میں بغیر وحی اپنے
قیاس سے یہ امر نہیں جانتا۔ وحی سے جانتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتانا
سے پہلے کی ہے۔ لہذا یہ منسوخ ہے۔

تفسیر صادی میں ہے یہی آیت مَا خَرَجَ
عَلِیْہِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی عَلَمَهُ اللّٰهُ

علم کے سامنے مثل نہ ہونے کے ہو گیا۔

ان انبیاء نے یہ عرض کیا دُبَا یعنی جملہ علم تیرے
علم کے ساتھ ساتھ ہے پس گویا ہم کو علم ہی نہیں
دار عازن، انبیاء کے کلام نے جب جان لیا کہ اللہ عالم
ہے بے علم نہیں۔ علیم ہے سفید نہیں۔ انصاف والا
ہے ظالم نہیں تو وہ سمجھ گئے کہ ان کی بات نہ تو جھوٹی
کا فائدہ دے گی اور نہ مصیبت کو دفع کرے گی۔ پس ادب
خاموشی میں رہے اور معاملہ کو اللہ کے عدل کی طرف سپرد
کر دینے میں رہے لہذا انہوں نے عرض کر دیا کہ ہم کو علم نہیں
کہا گیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو تیرے
علم کے مقابل علم نہیں۔

یہ جواب قیامت کے بعض موقعوں میں ہو گا۔ اور
اس کے بعد حواس قائم ہوں گے تو اپنی قوم پر گواہی
دیں گے کہ ہم نے مسات کی تبلیغ فرمادی اور ہماری
قوم نے کیا جواب دیا (ملخصاً)

اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جادیا گیا اور کہا گیا

کہ ان سے اور مومنین سے اور کافروں سے دنیا اور
آخرت میں کیا کیا جادیا گیا۔

کہ ان سے اور مومنین سے اور کافروں سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا جاوے گا۔

فِي الْقُرْآنِ مَا يُعْمَلُ بِهِ دِيَالُ الْمُؤْمِنِينَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ أَجْمَلًا وَكَفْصِيلًا -

علامہ الرحمان ابن محمد دمشقی رسالہ نسخ و منسوخ میں فرماتے ہیں - وَمَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ نَسِيخٌ يَقُولُهُ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ آيَاتِ مَا أَدْرِي مَنْسُوخٌ هِيَ إِنَّا فَتَحْنَاكَ عَنْهُ -

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ کلام و عزائم کی قسم ہمارا اور حضور علیہ السلام کا تو یکساں حال ہے انکو ہم پر کوئی زیادتی اور بزرگی نہیں اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ کر دیکھتے ہوتے تو ان کو بھیجئے والا خدا نہیں بتا دیتا کہ ان سے کیا معاملہ کرے گا

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فَرِحَ الشُّرِكُ كَوْنُ فَعَلُوا وَاللَّاتِ وَالْعَزَازِي مَا أَمْرُنَا دَأَمُو مُحَمَّدًا إِلَّا وَاحِدًا أَوْ مَالَهُ عَلَيْنَا مِنْ مَزِيَّةٍ وَفَضْلٍ لَوْلَا أَنَّهُ مَا بَدَعَ مَا يَقُولُهُ لَخَبَرَهُ الَّذِي بَعَثَهُ بِمَا يَفْعَلُ بِهِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَالْآيَةِ إِفْعَالُ الصَّحْبَةِ هُنَيْئًا لَكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ تَدَّ عَلِمْتَ مَا يَفْعَلُ بِكَ فَمَا ذَا يَفْعَلُ بِنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ وَالْآيَةِ وَأَنْزَلَ دَبْسُ الْمُؤْمِنِينَ يَا نَبِيَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلًا كَثِيرًا وَهَذَا قَوْلُ أَنَسٍ وَتَدَادَةٌ وَغَيْرُهَا قَالُوا إِنَّمَا هَذَا قَبْلُ أَنْ يُخْبَرَ بِغُفْرَانِ ذَنْبِهِ وَإِنَّمَا أُخْبِرَ بِغُفْرَانِ ذَنْبِهِ عَامَ الْحُدُيَّةِ فَتَسِيخٌ ذَلِكَ -

تو رب نے یہ آیت اناری لیغفر لک اللہ ما تقدّمہ پس صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو آپ نے تو جان لیا جو آپ کے ساتھ ہوگا ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا تو یہ آیت اتنی کر دل فرمایا گیا۔ اللہ مسلمان مرد اور عورتوں کو جنتوں میں لایا اور یہ آیت اتنی کہ مسلمانوں کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے یہ حضرت انس اور قتادہ و عکرمہ کا قول ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے کی ہے جبکہ حضور علیہ السلام کو ان کی مغفرت کی خبر دی گئی مغفرت کی خبر آپ کو حدیبیہ کے سال دی گئی تو یہ آیت منسوخ ہو گئی۔

اگر کوئی کہے کہ آیت کا ادری خبر ہے اور منسوخ نہیں ہو سکتی تو اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بہت سے علمائے نسخ خبر ما رکھتے ہیں - جیسے دَانَ تَبْدَأُ الْآيَةِ لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا سَ مَنْسُوخٌ هِيَ ایسے ہی لَا أَدْرِي کَوْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ سَ مَنْسُوخٌ مَانَا تَفْسِيرُ کَبِيرِ

در منشور و ابوالسعود) دوسرے یہ کہ یہاں گویا فرمایا گیا۔ قُلْ لَا تُدْعَوْنَ إِلَى ادِّعَاءِ مَنْ دَعَا إِلَيْهِمْ - نفع کا تعلق اسی سے ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض آیات صورت میں خبر اور معنی میں حکم میں جیسے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ مِمَّا لَمْ يُنْهَى عَلَيْهِنَّ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ وَغَيْرُهُ ان جیسی خبروں کا نفع جانتے ہیں چوتھے یہ کہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ ان تفاسیر و احادیث پر ہے جن سے نفع ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے مذکور بالا مطلب نہ بیان کیے جادیں تو صد یا احادیث کی مخالفت ہوگی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن لَوَاءُ الْحَمْدِ ہمارے ہاتھ میں ہوگا آدم و آدمیان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ شفاعت کبریٰ ہم فرمائیں گے۔ ہمارا حوض ایسا ہوگا۔ اس کے برتن اس طرح کے ہوں گے وغیرہ وغیرہ ابو بکر جنتی ہیں۔ حسن و حسین جو انان جنت کے سردار ہیں۔ فاطمہ زہرا خواتین جنت کی سردار ہیں کسی کو فرمایا کہ تو جہنمی ہے۔ ایک آدمی بہت اچھی طرح جہاد کر رہا ہے صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ آخر کار اس نے خودکشی کی۔ اگر معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو اپنی جی خبر نہ ہو تو اپنی اور دیگر حضرات کی یہ خبریں کس طرح سنا رہے ہیں وہ تو جس کے ایمان کی رجسٹری فرمادیں۔ وہ کامل مومن ہے اس جگہ بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر کفایت کرتا ہوں، خدا دست سچ عطا فرمادے۔ آمین۔

۹) لَا تَعْلَمُوهُمْ فَتُخِنَ تَعْلَمُوهُمْ۔
اس آیت سے مخالفین دلیل کھڑے ہیں کہ حضور علیہ السلام دربار میں آنے والے منافقوں کو نہ پہچانتے تھے پھر علم غیب کیسا؟ مگر مفسرین نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس آیت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔
وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ اور ضرور تم ان کو بات کے طریقے سے پہچان لو گے لہذا یہ آیت منسوخ ہے۔
یا یہ توجیہ ہے کہ بغیر ہمارے بتائے انکو نہیں پہچانتے۔ حمل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ كَيْفَ نَعْلَمُ عَنْهُمْ بِحَالِ الْمُنَافِقِينَ
وَأَشْبَهَتْهُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ
فِي لَحْنِ الْقَوْلِ فَالْجَوَابُ أَنَّ آيَةَ التَّسْفِي
نَزَلَتْ قَبْلَ آيَةِ الْإِنْفِاقِ۔
اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام کے منافقین کا حال جاننے کی نفی کیوں کی گئی حالانکہ آیت وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ میں اس کے جائز ثابت ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ نفی کی آیت ثبوت کی آیت سے پہلے اتری ہے اس آیت کے بعد کوئی بھی منافق حضور علیہ السلام

الْقَوْلَ جَعَلَكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَكُمْ مِّنَافِي
عِندَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْكَفَرَةُ وَكَيْفَ تِلْكَ مَنَافِي
عَلَى فَسَادٍ بَاطِلِهِ وَنِفَاقِهِ -

تفسیر رضادی یہ ہی آیت -

خَفِيَ عَلَيْكَ حَالُهُمْ مَعَ كَمَالِ فِطْنَتِكَ وَ
صِدْقِ قَسْرَتِكَ -

آپ پر ان کا حال باوجود آپ کی کمال سمجھ اور سچی
مردم شناسی کے مخفی رہ گیا -

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں اندازے سے پتہ لگا لینے کی نفی ہے۔ اگر اس آیت کی یہ
توجہ نہیں ملے گی جاویں تو ان احادیث کی مخالفت ہوگی جن سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام منافقوں
کو چھپاتے تھے۔ مگر پردہ پوشی سے کام لیتے تھے -

یعنی شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۲۱ میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے -

خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ
الْجُمُعَةِ فَقَالَ أَخْرَجْ يَا فَلَانُ فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ
فَأَخْرَجَ مِنْهُمْ كَأْسًا فَقَضَ حَتَمَهُ -

حضور علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھا۔ پس
فرمایا کہ اے فلاں نکلی جا کیونکہ تو منافق ہے ان میں
سے بہت سے آدمیوں کو درسا کر کے نکال دیا -

شرح شفا علی قاری جلد اول صفحہ ۲۴۱ میں فرماتے ہیں -

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الْمُنَافِقُونَ مِنَ الرِّجَالِ
ثَلَاثَةَ مِائَةٍ وَ مِنَ النِّسَاءِ مِائَةٌ وَ سَبْعِينَ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
منافقین مرد تین سو تھے اور عورتیں ایک سو ستر -

ہم اثبات علم غیب میں ایک حدیث پیش کر چکے ہیں۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ
ہم پر ہماری امت پیش کی گئی۔ لہذا ہم نے منافقوں اور کفار اور مومنین کو پہچان لیا۔ اس پر منافقین نے
اعتراض کیا اور قرآن کی آیت ان کے جواب کے لیے آئی۔ ان سب دلائل میں مطابقت کرنے کے
لیے یہ توجہ کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کلام اظہار غضب کے لیے ہوتا ہے اگرچہ کو باپ مارنے لگے اور
کوئی باپ سے بچاتے تو وہ کہتا ہے کہ اس خلیفہ کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں اس سے علم کی نفی نہیں
(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَقْصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا حضور علیہ السلام نے عبد اللہ ابن
ابی منافق کی نماز جنازہ یا تو پڑھ لی یا پڑھنا چاہی فاروق اعظم نے منع کیا۔ مگر ان کی عرض نہ مسمی تب یہ

آیت اتری جس میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ سے روکا گیا۔ اگر علم غیب تھا تو منافق کا جنازہ کیوں پڑھا؟

جواب اس منافق کا حضرت عباس پر کچھ احسان تھا اور اس کا فرزند غلصہ مومن تھا اور خود اس منافق نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضور پڑھائیں۔ اس وقت تک اس کی ممانعت نہ تھی۔ لہذا یہی مصلحت سے اجازت پر عمل فرمایا۔ تغیر کبیر روح البیان نے فرمایا کہ اس کی وصیت علامت توبہ تھی اور شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ جس پر حضور نے عمل فرمایا۔ رب کو منظور نہ تھا کہ حبیب کا دشمن غلام ہی عزت بھی پاوے۔ لہذا قرآن کریم نے حضرت فاروق کی تائید فرمادی غرض کہ اس مسئلہ کو علم غیب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا منافق ہونا ظاہر تھا۔ مگر اس نماز میں بہت سی مصلحتیں تھیں۔ کویم کا کرم غیر اختیاری ہوتا ہے۔ اور پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظم کو پتہ لگ جائے مگر حضور کو پتہ نہ لگے۔

(۱۱) دَسِئْتُكَ عَنِ الرُّوحِ قَتَلَ الرُّوحُ مِنْ
أَمْرِ سَرِّي دَهْ أَدَيْتَهُ مِنَ الْعِلْمِ لَا تَلِيلَةَ

اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ کہ روح میرے
رکے حکم سے ایک چیز ہے اور تم کو علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

مخالفین اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہ تھا کہ روح کیا چیز ہے لہذا آپ کو علم غیب ملی نہ ہوا اس میں تین امور قابل غور ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ ہم نے حضور علیہ السلام کو یہ علم نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام نے کہاں فرمایا کہ مجھے روح کا علم نہیں ملا۔ لہذا اس آیت کو نفی علم روح کی دلیل بنانا محض غلط ہے۔ اس میں تو پوچھنے والے کافروں سے فرمایا گیا کہ تم کو علم بہت تھوڑا سا دیا گیا ہے تم کو روح کی حقیقت کا علم نہیں دوسرے یہ کہ قَتَلَ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ سَرِّي کے معنی حضرت قبلہ عالم شیخ مر علی شاہ صاحب فاضل گولڑوی علیہ الرحمۃ نے سیفِ مشکینی میں حضرت محی الدین ابن عربی سے یہ نقل فرمایا کہ قَتَلَ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ سَرِّي فرماؤ کہ روح امر رب سے ہے۔ یعنی عالم بہت سے ہیں عالم عناصر، عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان وغیرہ تو روح عالم امر کی چیز ہے اور تم لوگ عالم عناصر کے تم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے کیونکہ اے کافر تم کو تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ روح البیان میں زیر آیت۔ لَا تَدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ہے۔

لَا تَدْرِكُهُ تَجَادَرَتْ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ عَنْ عَالَمِ الْعَنَاصِرِ
ثُمَّ عَنْ عَالِمِ الطَّبَعِيَّةِ ثُمَّ عَنْ عَالِمِ الْأَرْوَاحِ

حضور علیہ السلام معراج کی رات عالم عناصر سے آگے
پھر عالم طبیعت سے پھر عالم ارواح سے یہاں

حَتَّىٰ وَصَلَ إِلَىٰ عَالَمِ الْأَمْرِ وَعَيْنَ الزَّائِرِ
مِنْ عَالَمِ الْأَجْسَامِ فَأَنْشَجَ عَنِ الْكَلِّ دَرَاهِمِي
مَرْتَبَةً بِأَكْثَلِ -

تک کہ عالم امر تک پہنچے اور سب کی آنکھ عالم اجسام
سے پس آپ ان تمام چیزوں سے علیحدہ
ہو گئے اور رب تعالیٰ کو کل ذات سے دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں حضور علیہ السلام نے عالم امر کی میری نہیں فرمائی۔ بلکہ خود
بھی عالم امر میں سے بن گئے۔ اور اپنے رب کو دیکھا۔ اور اسی عالم امر کی روح بھی ہے۔ پھر آپ پر
روح کیونکر معنی رہ سکتی ہے۔ جس طرح ہم جب کوکبے پہناتے ہیں علیہ السلام آدمی بشر اور آدمی روح
نہیں کیونکہ حضرت مریم تو بشر تھیں اور حضرت جبریل روح تھا اُسَلْنَا إِلَيْهَا مَرْوَحًا سَمِعْنَا مِنْهُ حَقًّا
مریم کے پاس اپنی روح یعنی جبریل کو بھیجا۔ اور آپ کی پیدائش حضرت جبریل کی پھونک سے
ہوئی۔ اس لئے دونوں امور آپ میں موجود ہیں۔ فتوحات کلیہ باب ۵۵، ۵۶ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں۔
تَكَانَ تَصْفَهُ بَشَرًا أَوْ نِصْفَهُ الْآخِرُ نَوْحًا
حضرت مسیح نصف بشر اور نصف دوم پاک روح
مَطْمَرًا مَلَكًا لِأَنَّ جِبْرِيلَ دَهَبَهُ لِيَمْرُؤٍ
ہیں کیونکہ جبریل نے حضرت مریم کو انہیں بخشا۔

اور ان کی پیدائش بھی حضور علیہ السلام کے نور سے ہے۔ تو گویا حضور علیہ السلام از سر تا پا روح ہیں
روح البیان نے اسی آیت لَا تَذَرُكَ کے ماتحت لکھا۔

الْحَقِيقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ هِيَ حَقِيقَةُ الْحَقَائِقِ
وَهُوَ التَّوَجُّدُ الْعَامُّ الشَّامِلُ -
حقیقت محمدیہ تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے اور
وہ ہی وجود عام ہے۔

لہذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ روح وہ جو امر یعنی کن سے بلا واسطہ پیدا ہو۔ اور وہ تو حقیقت
محمدیہ ہے۔ کہ بلا واسطہ ان کی پیدائش ہے اور سب کی پیدائش ان کے نور سے ہے مطلب یہ ہوا کہ عالم
کی روح حقیقی میں ہوں۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ یہاں روح سے قرآن یا جبریل مراد ہیں۔ کفار نے
سوال کیا تھا کہ قرآن کیا ہے شعر ہے یا کہانت یا جبریل کون ہیں؟ اور کیسے آتے ہیں۔؟ جواب دیا
گیا کہ قرآن امر الہی ہے نہ شعر ہے نہ جادو۔ جبریل امر الہی سے آتے ہیں وَمَا يَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ
اسی کبیر میں ہے۔

جب حضور علیہ السلام خدا کو پہچانیں تو روح کو
کیوں نہ پہچانیں۔

فَإِذَا كَانَ مَعْرِفَتُ اللَّهِ تَعَالَىٰ مُمَكِّنَةً بَلْ
حَاصِلُهُ فَأَيُّ مَنَاجِدٍ يَسْتَعْمِلُ مِنْ مَعْرِفَةِ اللَّهِ

تفسیر سے یہ کہ مفسرین و محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم تھا۔ تفسیر خازن نے اسی آیت کے ماتحت لکھا۔

کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو حقیقت روح معلوم تھی لیکن اسکی خبر نہ دی کیونکہ یہ خبر نہ دنیا کی نبوت کی علامت اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم روح سے خاص ہے۔

قِيلَ إِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَيْهِ مَعْنَى
الزُّوْجِ لَكِنْ لَمْ يُخْبَرْ بِهِ لِأَن تَرْكَ الْأَخْبَارِ
كَانَ عِلْمًا لِنَبِيِّنَا وَالْقَوْلُ الْأَصَحُّ أَنَّ اللَّهَ
اسْتَأْذَنَ يَعْلَمُ الزُّوْجَ۔

اس عبارت میں علم روح ماننے والوں کو مشرک نہ کہا گیا اور نہ ان کے قول کو غلط بتایا۔

تفسیر روح البیان اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

حضور علیہ السلام کی شان اس سے بلند ہے کہ آپ روح سے واقف ہوں حالانکہ آپ اللہ سے واقف ہیں رب نے آپ پر احسان بتایا کہ فرمایا کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ آپ کو بتا دیا۔

جَلَّ مَنْصَبُ حَبِيبِ اللَّهِ أَنْ يَكُونَ
مُجَاهِلًا بِالزُّوْجِ مَعَ أَنَّهُ عَالِمٌ بِاللَّهِ
وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِ يَقُولُهُ وَعَلَّمَكَ
مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔

کہا گیا ہے کہ سوال روح کی پیدائش کے متعلق تھا کہ روح مخلوق بھی ہے یا نہیں اور رب کا فرمان میں اُمیرِ رقی روح کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے لہذا یہ جواب کیا اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں روح کا علم ہونے سے بحث ہی نہیں ہو رہی ہے

تفسیر مدارک یہ ہی آیت و قیل كَانَ السَّوَالُ
عَنِ خَلْقِ الزُّوْجِ يَعْنِي مَخْلُوقًا أَمْ كَالِقَوْلِ
مِنْ أَمْرِ مَنِّي دَلِيلُ خَلْقِ الزُّوْجِ فَكَانَ جَوَابًا
اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں روح کا علم ہونے سے بحث ہی نہیں ہو رہی ہے

یہاں تو ذکر مخلوقیت روح کا ہے، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۰۷ میں ایذا رسان گفتار فقرہ صحابہ را میں شیخ مؤمن عارف یہ بحث کس طرح کر سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے حقیقت روح کے علم کی نفی کرے حالانکہ آپ نے ان کو اپنی ذات و صفات کا علم دیا ہے اور ان پر علوم اولیٰ و آخرین کھول دیئے حضور علیہ السلام کے علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے وہ تو اس دیر کا ایک قطرہ اور شعلہ کا ایک ذرہ ہے۔

یہاں تو ذکر مخلوقیت روح کا ہے، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۰۷ میں ایذا رسان گفتار فقرہ صحابہ را میں شیخ مؤمن عارف یہ بحث کس طرح کر سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے حقیقت روح کے علم کی نفی کرے حالانکہ آپ نے ان کو اپنی ذات و صفات کا علم دیا ہے اور ان پر علوم اولیٰ و آخرین کھول دیئے حضور علیہ السلام کے علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے وہ تو اس دیر کا ایک قطرہ اور شعلہ کا ایک ذرہ ہے۔

احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں۔ وَلَا تَنْظُنْ أَنَّ
ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ مَكْشُوفًا لِرَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
فَإِنَّ مَنْ لَمْ يَعْرِفْ نَفْسَهُ كَيْفَ يَعْرِفُ اللَّهَ
سُبْحَانَهُ فَلَا يَبْعَدُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ مَكْشُوفًا
لِبَعْضِ الْأَوْيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ۔

تم یہ گمان نہ کرنا کہ روح حضور علیہ السلام کو ظاہر نہ
تھی۔ کیونکہ جو اپنے کو نہ پہچانے گا۔ وہ اللہ کو کس
طرح پہچان سکتا ہے یہ بھی بعید نہیں
کہ روح بعض اولیاء و علماء کو
ظاہر ہو۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم روح عطا ہوا بلکہ حضور کے صدقے سے بعض علماء و
اولیاء کو بھی ملا۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا۔ مگر وہ بلا دلیل ہے۔ نیز جب ثبوت و نفی کے ملائ
ہوں تو ثبوت کو اختیار کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ ہم قاعدہ اصول کا بیان کر چکے ہیں۔

(۱۲) عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَا أَذْنَتْ رُوحُهُ غُرُودَهُ تَبُوكَ فِي بَعْضِ مَنَاقِبِهِ نَعْنِ غُلُظْ بَهَانَهُ كَرَكَةِ شَرَكَةِ نَكِي۔
حضور علیہ السلام کو ان کی جبر سازی کا پتہ نہ لگا اور انہیں جہاد میں نہ جان لی اجازت دے دی اس آیت میں
آپ پر عتاب فرمایا گیا کہ کیوں اجازت دی۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا۔ تو اصل حال آپ پر ظاہر ہوتا۔

جواب۔ نہ اس آیت میں آپ پر عتاب ہے اور نہ حضور ان کے فریب سے بے خبر تھے۔ بلکہ حضور
علیہ السلام نے انکی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اجازت دی۔ رب نے فرمایا کہ اے مجرموں کے پردہ پوش !
آپ نے ان کو رسوا کیوں نہ کیا؟ عتاب غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کون سی ہوئی تھی؟ عَفَا اللَّهُ کلمہ دعا ہے
نہ کہ عتاب۔

(۱۳) يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسُهَا
فَيَسْأَلُونَكَ مِنْ دَكْرِهَا۔

اس آیت سے مخالفین دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہ تھا کہ کب ہوگی۔ لہذا آپ
کو علم غیب ملی نہ ہوا۔ جواب صحیح یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ علم بھی عطا فرمایا مفسرین نے
اس آیت کی چند توجیہیں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ آیت علم قیامت عطا کرنے سے پہلے کی ہے دوم یہ کہ اس سے
مقصود سائلین کو جواب دینے سے روکنا ہے نہ کہ آپ کے علم کی نفی۔ تیسرے یہ کہ اس آیت میں فرمایا گیا۔ اَنْتَ مِنْ
دَكْرِهَا آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہیں آپ کو دیکھ کر ہی جان لینا چاہیئے کہ قیامت قریب ہے۔
چوتھے یہ کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں آپ یہ باتیں بتانے نہیں بھیجے گئے۔

تفسیر صادی یہ ہی آیت -

وَهَذَا أَقْبَلُ إِعْلَامِهِ بِوَقْتِهَا فَلَا يَنَاقِي أَنَّهُ عَلَيْهِ
السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى
أَعْلَمَهُ اللَّهُ بِجَمِيعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ -

روح البیان یہ ہی آیت -

قَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ إِلَى أَنَّ النَّبِيَّ
عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ دَقَّتِ السَّاعَةِ
بِإِعْلَامِ اللَّهِ وَهُوَ لَا يَنَاقِي الْآيَةَ

یہ آیت حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کی خبر دینے
پہلے کی ہے لہذا اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ
السلام دنیا سے نکلے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو
دنیا و آخرت کے سارے علوم دے دیئے۔

بعض مشائخ اُدھر گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کے
وقت جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور یہ قول اس
آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔

روح البیان میں یہ ہی آیت بارہ و نیرایت کیسے لُٹاؤں گے کَاذِبٌ حَقِیْ عَنْهَا میں بھی ہے اور وہاں
یہ بھی ہے کہ دنیا کی کل عمر ۷ ہزار سال ہے۔ یہ روایت صحیحہ ثابت ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ
السلام کو قیامت کا علم ہے۔

کہا گیا ہے کہ قیما کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی
ان کا سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قیامت کی نشانیوں میں
سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں پس ان کو یہ دلیل
کافی ہے قیامت قریب ہونے پر۔

یا حضور علیہ السلام قیامت کا بہت ہی ذکر فرماتے تھے اور
اسکے بارے میں سوال کیے جاتے تھے یہاں تک کہ آیت اتری پس
آیت تعجب ہے آپ کے زیادہ ذکر قیامت فرمانے پر۔

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کس قدر ذکر قیامت فرماتے ہیں۔

یا قیما کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی یہ سوال کس شمار میں
ہے پھر فرمایا کہ آپ اس قیامت کی نشانیوں میں

تفسیر خازن یہ ہی آیت دَقِّلْ مَعْنَاهُ فَيَمَّا
إِنْكَارُ سِئَالِهِمْ أَى فَيَمَّا هَذَا السَّوَالُ ثُمَّ
قَالَ أَنْتَ يَا مُحَمَّدٌ مِنْ ذِكْرِهَا أَى مِنْ
عَلَامَتِهَا لِأَنَّكَ اخِرُ الرُّسُلِ فَلَمَّا هُمْ ذَلِكَ
دَلِيلًا عَلَى دُورِهَا -

تفسیر دارک یہ ہی آیت اَوْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَزَلْ يَذْكُرُ السَّاعَةَ وَيَسْئَلُ
عَنْهَا حَتَّى نَزَلَتْ رَفْعُ تَعْجَبٍ مِنْ كَثْرَةِ ذِكْرِهَا -

دارک یہ ہی آیت اَوْ فَيَمَّا إِنْكَارُ لِسِئَالِهِمْ
عَنْهَا أَى فَيَمَّا هَذَا السَّوَالُ ثُمَّ قَالَ أَنْتَ

مِنْ ذِكْرِهَا وَأَنْتَ الْخَيْرُ الْأَنْبِيَاءُ عِلْمًا مِنْ
عِلْمِ مَا دُونِهَا فَلَا مَفْزَعَ لِمَا لَمْ يَكُنْ

سے میں کہہ کر آپ خیر نبی ہیں۔ قیامت کی علامتیں ایک
علامت ہیں اب انکے قیامت کے پوچھنے کے کوئی معنی ہی نہیں

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا قیامت کے متعلق پوچھنا لغو ہے آپ خود اس کی علامت ہیں وہ

قِيلَ فَيَمَّا أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا مُتَّصِلٌ بِالسُّوَالِ
أَيُّ يَسْتَلْزِمُكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّكَانَ مُؤَدَّهَا
وَيَقُولُونَ أَيْنَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا لَمْ
أَسْتَأْذِنْ فَقَالَ إِلَى مَرَاتِكَ

اور کہا گیا ہے کہ فیمّا اَنْتَ سوال سے ملا ہوا ہے
یعنی کفار آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا قیام کب
ہوگا؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا علم کہاں سے
آیا پھر رب تعالیٰ نے اپنی بات شروع کی اِلٰی مَرَاتِكَ

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار نے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے ہے۔ رب نے فرمایا کہ اللہ کی

طرف سے تو یہ آیت علم قیامت کا ثبوت ہے۔ مدرک یہی آیت۔

إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ مَّنْ يَخْشَاهَا أَيْ لَمْ تَبْعَثْ
لِتَعْلِمَهُمْ يَوْفَى السَّاعَةِ إِنَّمَا أَنْتَ الْخَر

یعنی آپ اس لیے نہیں بھیجے گئے کہ ان کو قیامت
کے وقت کی خبر دیں۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار کا یہ کہنا کہ اگر آپ قیامت کی خبر دے دیں تو آپ نبی ہیں درحقیقت
محض سیودہ ہے کیونکہ قیامت کی خبر دینا نبوت کے فرائض میں سے نہیں۔ نبی کے لئے تبلیغ احکام
ضروری ہے۔ مدارج النبوة جلد دوم صفحہ ۴۴ وصل ایذا رسانی کفار فقرہ صحابہ را میں ہے۔

یعنی بعض علماء نے روح کی طرح حضور کو قیامت کا علم بھی دیا۔

”وَبَعْضُهُمْ عِلْمًا سَاعَةً نِزَالًا مِّنْ سَمَاءٍ أَوْ مِثْلَ ذَلِكَ“
(۱۴) يَسْتَلْزِمُكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا
عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ

تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اس کو خوب تحقیق کر
رکھا ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے

مخالفین اس آیت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہیں۔ اس کے دو
جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں دیا۔ اس میں تو یہ ہے کہ
اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ دینے کی نفی نہیں۔ دوم یہ کہ یہ علم قیامت دینے سے قبل کی آیت ہے۔

جس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام

تَفْسِيرُ صَادِي فِي آيَةِ وَالَّذِينَ يَجْعَلُونَ
الْإِيمَانَ بِهِ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْتَقِلُ

دنیا سے منتقل نہ ہوئے یہاں تک کہ رب نے

مِنَ الدُّنْيَا حَتَّىٰ أَعْلَمَهُ اللَّهُ بِجَمِيعِ الْمَغْیَبَاتِ
الَّتِیْ تَحْصُلُ فِی الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَهُوَ یَعْلَمُ مَا
کَمَا هِیَ عَیْنٌ یَّقِیْنٌ لِّمَا دَرَدَ مِنْ فِعْثٍ
لِی الدُّنْيَا فَاَنَا أَنْظُرُ فِیْهَا کَمَا أَنْظُرُ لِی کِفْیٌ
هٰذَا وَدَرَدَ أَنَّهُ أَطْلَعَ لِی الْجَنَّةَ وَمَا
فِیْهَا وَالنَّارَ وَمَا فِیْهَا وَغَیْرَ ذٰلِکَ مِمَّا
تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ وَذٰلِکِنْ أُمِرَ بِکِتْمَانِ بَعْضِهَا

آپ کو تمام غائب چیزیں بتا دیں جو دنیا اور آخرت
میں آیا کہ ہمارے سامنے دنیا پیش کی گئی۔ پس ہم اس
میں اس طرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ میں یہ
مبھی آیا ہے کہ ہم کو حقیقت اور دہان کی نعمتوں اور روز
اور دہان کے عذابوں پر اطلاع دی گئی علاوہ ازیں
اور متواتر خبریں ہیں لیکن بعض کے چھپانیکا حکم دیا گیا

تفسیر خازن میں اس آیت میں ہے کہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ یَسْئَلُونَكَ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا حَقُّی عَلَیَّ
یہ لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ ان پر بڑے مہربان ہیں۔ اور آپ ان کو بتا ہی دیں گے حالانکہ
یہ اسرار الہی میں سے ہے انیسار سے چھپا نا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔ مگر
اقتدار کی اجازت نہیں۔

اعترض ۱ یَسْئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا
عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ۔

جواب تفسیر صادی یہی آیت اِنَّمَا وَدَّتِ
التَّوَالِ وَالْأَفْئِدَةُ یَعْرِجُ نَبِیْنَا عَلَیْهِ السَّلَامُ
حَتَّىٰ أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلٰی جَمِیعِ الْمَغْیَبَاتِ
وَمِنْ جُمْلَتِهَا السَّاعَةُ۔

روح البیان یہی آیت۔

وَلَیْسَ مِنْ شَرَطِ النَّبِیِّ أَنْ یَعْلَمَ الْغَیْبَ
بِغَیْرِ تَعْلِیْمٍ مِنَ اللَّهِ تَعَالٰی۔

اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں لہذا اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جاننے پر دلیل
پکڑنا غلط ہے۔ تفسیر صادی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

الْمَعْنٰی لَا یُفِیْدُ عِلْمَهُ غَیْرُهُ تَعَالٰی فَلَا یُسْتَفٰی

اور نبی کی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے
بغیر بتائے غیب جانے۔

معنی یہ ہیں کہ قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں

پکڑنا غلط ہے۔

أَنَّ مَرَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَّ
يَخْرُجُ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى أَطْلُعَ عَلَى مَا كَانَ
وَمَا يَكُونُ وَمَا هُوَ كَائِنْ دَمِنْ جَمَلَتِهِ
عِلْمُ السَّاعَةِ -

دے سکتا۔ پس یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی
علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک
کہ رب تعالیٰ نے ان کو سارے اگلے پچھلے واقعات پر
مطلع فرما دیا۔ ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔

مخالفین علم قیامت کی نفی کی دلیل میں شروع مشکوٰۃ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل
نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا أَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ مجھے قیامت کے متعلق خبر دیجئے تو فرمایا -
مَا الْمُسْتَوَّلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ یعنی اس بارے میں ہم سائل سے زیادہ جاننے والے نہیں
ہیں سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں۔

مگر یہ دلیل بھی محض لغو ہے دوسرے ایک یہ کہ اس میں حضور علیہ السلام نے اپنے جاننے کی نفی
نہیں کی بلکہ زیادتی علم کی نفی کی۔ درنہ فرماتے لَّا أَعْلَمُ میں نہیں جانتا۔ اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد
فرمائی؟ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اے جبریل اس مسئلہ میں میرا اور مہتار علم برابر ہے کہ مجھ کو
بھی خبر ہے اور تم کو بھی اس مجمع میں یہ پوچھ کر اظہار کرنا مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ جواب سن کر حضرت
جبریل نے عرض کیا - فَأَخْبِرْ عَنْ أَمَارَاتِهَا تو قیامت کی نشانیاں ہی بتا دیجئے اس پر حضور علیہ
السلام نے چند نشانیاں بیان فرمائیں کہ اولادنا فرماں ہوگی اور کمین لوگ عزت پائیں گے وغیرہ وغیرہ
کو قیامت کا بالکل علم ہی نہ ہو۔ ان سے اس کے نشان پوچھنا کیا معنی؟ نشان اور پتہ تو جاننے والے
سے پوچھا جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے قیامت قائم ہونے کا دن بتایا۔ مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے۔

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ -

کلید کی اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا۔

بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ

کھاتین

ہم اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں۔

(مشکوٰۃ باب خطبہ یوم الجمعہ)

یعنی ہمارے زمانہ کے بعد پس قیامت ہی ہے اور اس قدر علامات قیامت ارشاد فرمائیں کہ ایک
بات بھی نہ چھوڑی۔ آج میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ابھی قیامت نہیں آ سکتی کیونکہ نہ ابھی وصال آیا نہ حضرت

مسح و مہدی نہ آفتاب مغرب سے نکلا۔ ان علامات نے قیامت کو بالکل ظاہر فرمادیا پھر قیامت کا علم نہ ہونے کے کیا معنی؟ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنہ نہ بتایا کہ فلاں سنہ میں قیامت ہوگی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک میں سنہ مقرر ہی نہ ہوئی تھی۔ سنہ ہجری بعد فاروقی میں مقرر ہوئی کہ ہجرت توزیع الاول میں ہوئی مگر سنہ ہجری کا آغاز محرم سے ہوتا ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ سال میں جو کوئی بھی اہم واقعہ ہوا اس سے سال منسوب کر دیا۔ سال فیل، سال فتح، سال حدیبیہ وغیرہ۔ تو سنہ ہجری کس طرح بتایا جاسکتا تھا۔ اس دن کے علامات وغیرہ سب بتادیئے اور جزات اس قدر تفصیلی علامتیں بیان کرے وہ بے علم کس طرح ہو سکتی ہے؟ نیز ہم ثبوت علم غیب میں وہ حدیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے من و عن واقعات بیان کر دیئے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ قیامت کا علم نہ ہو کیونکہ دنیا ختم ہوتے ہی قیامت ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا تو جو آخری واقعہ ارشاد فرمایا وہ ہی دنیا کی انتہا ہے اور قیامت کی ابتداء دوہلی ہوئی چیزوں میں سے ایک کی انتہا کا علم دوسری کے ابتداء کا علم ہوتا ہے۔ اس پر خوب غور کر لیا جاوے۔ نہایت نفیس تحقیق ہے جو حضرت صدر الافاضل شیخ استاذی مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے ایک تقریر کے دوران میں ارشاد فرمائی۔

اعترضوا ان الله عتده علم الساعة و
يُنزِلُ الْغَيْثُ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَنْفُسِ حَاوِلُوا مَا
تَدْرِي نَفْسٌ مِمَّا اَتَتْكُمْ غَدًا وَمَا
تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ اَرْضٍ تَمُوتُ اِنَّ
اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارنا ہے میز اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرگی بیشک اللہ جاننے والا بتاؤ والا ہے۔

اس آیت سے مخالفین کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں یہ اللہ کی صفت ہے جو کسی غیر کیلئے ثابت کرے وہ مشرک ہے اسی کو علوم غمہ کہتے ہیں قیامت کب ہوگی، بارش کب ہوگی، عودت کے پیٹ میں لوکاں ہے یا لڑکی اور کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا؟ اس آیت کی تائید میں شروع مشکوٰۃ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے قیامت کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ فَيَخْبِسُ لَا يَعْلَمُ هُنَّ اِلَّا اللهُ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ يَعْنِي

پانچ چیزیں وہ ہیں جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ہم علومِ خمر کے بارے میں نہایت منصفانہ تحقیق کرتے ہیں اور ناظرین سے انصاف کی توقع اور اپنے رب سے تائید قبول رکھتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال پھر اس حدیث کے متعلق محدثین کے اقوال پھر اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

تفسیرات احمدیہ زیر آیت مذکورہ۔

اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جائز ہے کہ خدا پاک اپنے دیوانوں اور محبوبوں میں سے جس کو چاہے سکھائے اس قول کے قرینہ سے کہ اللہ جاننے والا بتانے والا ہے خیر معنی خیر۔

وَلَا تَقُولُ إِنَّ عَلِيمَ هَذِهِ الْخَمْسَةِ
وَأَنْ لَا يَعْلَمَهَا أَحَدٌ إِلَّا اللَّهُ لَكِنْ يَجُوزُ أَنْ
يَعْلَمَهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ مُجِبِّهِ وَأَدْلِيَاءِ
بِقَرِينَةٍ قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَيْرٌ
بِمَعْنَى الْخَيْرِ۔

تفسیرِ صادی آیت مَاذَا تَكْلِمُ غَدَا کے ماتحت فرماتے ہیں۔

یعنی ان باتوں کو کوئی اپنے آپ نہیں جانتا لیکن کسی بندے کا اللہ کے بتانے سے جانتا اس سے کوئی مانع نہیں جیسے انبیاء اور بعض اولیاء رب نے فرمایا کہ یہ لوگ خدا کے علم کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر رب چاہے اور فرمایا کہ اپنے غیب پر کسی کو ظاہر نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسولوں کے پس اگر خدا تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کو بعض غیبیوں پر مطلع فرماوے تو کوئی مانع نہیں پس علم نبی کا معجزہ اور دل کی کرامت ہوگا اسی لیے علماء نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ ان کو ان پانچوں باتوں پر رب نے مطلع فرمادیا۔

أَمَّا مِنْ حَيْثُ دَاتَهَا وَأَمَّا بِإِلَٰهِ عِلْمِ اللَّهِ
لِلْعَبْدِ فَلَا مَانِعَ مِنْهُ كَالْأَنْبِيَاءِ
وَبَعْضُ الْأَوْلِيَاءِ قَالَ تَعَالَى وَلَا يَحِيطُونَ
بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ قَالَ تَعَالَى
فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا
مَنْ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَلَا مَانِعَ
مِنْ كَوْنِ اللَّهِ يُطْلِعُ بَعْضَ عِبَادِهِ
الْمُضِلِّينَ عَلَى بَعْضِ الْمَغْشَاةِ فَتَكُونُ
مُعْجِزَةً لِلنَّبِيِّ وَكَرَامَةً لِلرُّسُلِ وَلِذَلِكَ
قَالَ الْعُلَمَاءُ الْخَيْرُ أَنَّهُ لَمْ يَخْرُجْ
نَبِيِّنَا مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى أَطْلَعَهُ عَلَى
تِلْكَ الْخَمْسِ۔

تفسیر اس البیان زیر آیت یَعْلَمُ مَا فِي الْأَحْكَامِ ہے۔

مِمَّعْتُ أَيْضًا مِنْ بَعْضِ الْأَدْلِيَاءِ أَنَّهُ
أَخْبَرَ مَا فِي الرِّحْمِ مِنْ ذَكِّدَ أَشْئٍ وَ
سَرَّيْتُ يَعْنِي مَا أَخْبَرَ۔

ہم نے بعض ادیاء کو سنا کہ انہوں نے پیٹ کے
بچہ لڑکی یا لڑکے کی خبر دی اور ہم نے اپنی آنکھوں
سے دہی دیکھا۔ جس کی انہوں نے خبر دی تھی۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا دَوِيَ عَنِ الْأَنْبِيَاءِ وَلَا لِيَاءِ مِنَ الْأَخْبَارِ
عَنِ الْغُيُوبِ فَيَتَعَلَّمُ اللَّهُ تَعَالَى إِمَّا بِطَرِيقِ
الْوَحْيِ أَوْ بِطَرِيقِ الْأَلْهَامِ وَالْكَشْفِ وَكَذَا أَخْبَرَ
بَعْضُ الْأَدْلِيَاءِ عَنْ نُزُولِ الْمَطَرِ وَأَخْبَرَ عَمَّا
فِي الرِّحْمِ مِنْ ذَكِّدَ أَشْئٍ وَقَعَّ كَمَا أَخْبَرَ۔

اور جو غیب کی خبریں انبیاء و ادیاء سے مرسے ہیں۔
پس یہ اللہ کی تعلیم سے ہے یا وحی یا الہام کے
طریقے سے۔ اور اسی طرح بعض ادیاء نے بارش
آنے کی خبر دی اور بعض نے رحم کے بچہ لڑکے یا
لڑکی کی خبر دی تو وہ ہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔

قیامت کے علم کی تحقیق ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ جو علوم خمسہ میں سے ہے۔

ان تفاسیر کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے علوم خمسہ اپنے حبیب علیہ السلام کو دینے
اور اس آیت میں خمیر یعنی مخبر ہے۔ اس کے متعلق اور بھی تفاسیر کی عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر
اس پر اختصار کرتا ہوں۔ اب رہی مشکوٰۃ شروع کتاب الایمان کی حدیث کہ یہ پانچ چیزیں کوئی نہیں
جانتا اس کی شرح میں ملاحظہ ہوں امام قرطبی، امام عینی، امام قسطلانی شرح بخاری میں اور ملا علی قاری
مرفاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اول میں اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فَمِنْ أَدْعَى عَلِمَ شَيْئًا مِنْهَا غَيْرَ مُسْتَسِدٍّ
إِلَى سَرِّسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ كَاذِبًا فِي دَعْوَاهُ۔

پس جو شخص ان پانچوں میں سے کسی چیز کے علم کا
دعوے کرے حضور علیہ السلام کی طرف بغیر نسبت
کیئے ہوئے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

لمعات میں شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

أَمَّا دَلَا يَعْلَمُ بِدُونِ تَعْلِيمِ اللَّهِ تَعَالَى۔
مرد یہ ہے کہ ان پانچوں باتوں کو بغیر اللہ کے بتا کوئی نہیں
اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں مراد آنت کہ بے تعلیم الہی بحساب
مقتل اینہا راند انداز امور الغیب اند کہ جز خدا سے تعالیٰ کہے ال راند اند کہ دے تعالیٰ از نزد خود کہے

وحی والہام بدنامہ مراد یہ ہے کہ ان امور غیب کو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے عقل کے انداز سے کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جس کو اللہ اپنی طرف سے بتا دے۔ وحی یا الہام سے۔ امام تطلانی مشرح بخاری کتاب التفسیر سورہ رعد میں فرماتے ہیں۔

لَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللَّهُ
وَالْأَمْرُ أَتَى مَنْ مَرَّ سَوْدٍ فَإِنَّهُ
يُطْلِعُهُ عَلَى غَيْبِهِ وَالْوَلِيُّ التَّابِعُ لَهُ
يَأْخُذُ أَغْصَنَهُ۔

کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی سوائے
اللہ کے اور پسندیدہ رسول کے کیونکہ رب تعالیٰ
اس کو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے اور ان کا تابع
ہو ان سے وہ غیب لیتا ہے۔

انجام الحماجد حاشیہ ابن ماجہ باب اشراط الساعة زیر حدیث حَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللَّهُ ہے۔

أَخْبَرَنَا الصِّدِّيقُ زُجَّجَتْهُ بِلَتْ حَارِجَةً
أَتَتْهَا حَامِلَةٌ بِنْتُ قَوْلَدَتْ بَعْدَ
وَقَاتِهِ أَمْ كَلْتُمْ مَبْنَتْ ابْنِي بَكْرٍ فَهَذَا مِنْ
الْفَرَسَةِ وَالظَّنِّ وَيُصَدِّقُ اللَّهُ فَرَسَةً
الْمُؤْمِنِينَ۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی بنت خارجه
کو خبر دی کہ وہ بیٹی سے حاملہ ہیں۔ لہذا صدیق کی
وفات کے بعد ام کلثوم بنت صدیق پیدا ہوئیں
پس یہ فرست اور ظن ہے خدا تعالیٰ مومن کی
فرست کو سچا کر دیتا ہے۔

سید شریف عبدالعزیز مسعود تاب الابریز میں فرماتے ہیں۔

هُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ مِنْ شَيْءٍ
مِنَ الْخَمْسِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْآيَةِ وَكَيْفَ
يَخْفَى ذَلِكَ وَالْأَقْطَابُ السَّبْعَةُ مِنْ أُمَّتِهِ
الشَّرِيفَةِ يَعْلَمُونَ نَهَاوَهُمْ دُونَ الْغَوْثِ فَكَيْفَ
بِالْغَوْثِ فَكَيْفَ يَسْتَدِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ
الَّذِي هُوَ سَبَبُ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْهُ كُلُّ شَيْءٍ

حضور علیہ السلام پر ان پانچ مذکورہ میں سے کچھ بھی
چھپا ہوا نہیں اور حضور پر یہ امور مخفی کیونکر ہو سکتے
ہیں حالانکہ آپ کی امت کے ساتھ قطب ان کو
جانتے ہیں پس غوث کا کیا پوچھنا اور پھر سید الانبیاء
صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کہنا جو ہر چیز کے سبب
ہیں اور جن سے ہر چیز ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی روض النضر شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْآهْوُ مَعْنَاهُ بِأَنَّهُ لَا
يَعْلَمُهَا أَحَدٌ بِذَاتِهِ إِلَّا هُوَ لَكِنَّ قَدْ يَعْلَمُ بِهِ

حضور علیہ السلام کا فرمانا الْآهْوُ اس کے معنی یہ ہیں
کہ ان کو اپنے آپ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن کبھی اللہ

يَا عَلَامِ اللَّهِ فَإِنَّ ثَمَّ مَنْ يَعْلَمُهَا وَقَدْ
وَجَدْنَا ذَلِكَ يُغَيِّرُ وَاحِدًا كَمَا رَوَيْنَا جَمَاعَةً
عَلِمُوا مَتَى يَمُوتُونَ وَعَلِمُوا مَا فِي الْأَرْحَامِ

کے بتائے جان لیتے ہیں کیونکہ یہاں وہ لوگ ہیں جو
جانتے ہیں ہم نے متعدد کو ایسا پایا جیسے عمر نے ایک ملکوت
کو دکھا کر وہ جان لیتے ہیں کہ کب تک وہ جانتے ہیں ملک کے پتہ کو

یہی علامہ جلال الدین سیوطی خدائے شریف میں فرماتے ہیں۔

عُرِضَ عَلَيْهِ مَا هُوَ كَائِنٌ فِي أُمَّتِهِ حَتَّى
تَقُومُ السَّاعَةُ

حضور علیہ السلام پر تمام وہ چیزیں پیش کر دی گئیں
جو آپ کی امت میں قیامت تک ہونیوالی ہیں۔

علامہ بیجویری شرح قصیدہ بردہ صفحہ ۷۷ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْيَا
إِلَّا بَعْدَ أَنْ أَعْلَمَهُ اللَّهُ بِهَذِهِ الْأُمُورِ الْخَمْسَةِ
جَمْعُ النِّبَايَةِ فِي عِلْمِ شَنَاوِي فَرَمَاتے ہیں۔

حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف لے گئے مگر اسکے بعد کہ
اللہ نے آپ کو ان پانچوں چیزوں کا علم بتا دیا۔

قَدْ دَرَدَانِ اللَّهُ تَعَالَى لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيَّ
عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے
خارج نہ کیا یہاں تک کہ ہر چیز پر مطلع کر دیا۔

یہی علامہ شَنَاوِي اسی جمع النبیایہ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ الْمُفَسِّرِينَ لَا يَعْلَمُ هَذَا الْخَمْسَ عِلْمًا
لَدُنِّيَا ذَاتِيًّا وَلَا وَسِطَةً إِلَّا اللَّهُ فَالْعِلْمُ
بِهَذَا الصِّفَةِ مِمَّا اخْتَصَّ اللَّهُ بِهِ وَامَّا
بِوَسِطَةٍ فَلَا يَخْتَصُّ بِهِ

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پانچ باتوں کو ذاتی
طور پر بلا واسطہ تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پس
اس طرح کا علم خدا سے خاص ہے لیکن علم بالواسطہ
وہ خدا سے خاص نہیں۔

فتوحات دہلیہ شرح اربعین نووی میں فاضل ابن عطیہ فرماتے ہیں۔

الْحَقُّ كَمَا قَالَ جَمْعُ أَنَّ اللَّهَ لَمْ يَقْضِ نَبِيَّتَنَا
عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ عَلَى كُلِّ مَا أَنَّهُمْ
عَنْهُ إِلَّا أَنَّهُ أُمُورٌ يَكْتُمُ بَعْضُهَا وَالْإِعْلَامُ بِبَعْضِ

حق وہ ہی ہے جو ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ نے حضور
علیہ السلام کو وفات دی یہاں تک پوشیدہ چیزوں پر خبردار کر دیا
لیکن بعض کے چھپانے اور بعض کے بتانے کا حکم دیا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب لبنان محدثین صفحہ ۱۱ میں نقل می کند کہ والد شیخ ابن حجر فرزند فیہ ریت

کبیدہ خاطر حضور شیخ رسید۔ شیخ فرمود کہ از پشت تو فرزند سے خواہد آمد کہ بعلم خود دنیا را پر کند

نقل ہے کہ شیخ ابن حجر کے والد کا کوئی تجربہ جیتا تھا۔ ملول دل ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیخ نے فرمایا کہ تہدی پشت سے ایسا فرزند ہو گا کہ اپنے علم سے دنیا کو بھر دے گا۔

یہاں تک تو علوم خمسہ کے نقلی دلائل تھے۔ اسکی عقلی دلیل یہ ہے کہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا علم تمام مخلوق سے زیادہ ہے۔ جس کا حوالہ ہم تحذیر الناس سے پیش کر چکے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں کا علم دیا گیا یا نہیں۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ شکم مادر میں پتھر بننے کا ذکر فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ
لَيَعْنِي بِحَرْبِ تَعَالَى أَيْكَ فَرَشْتَةٍ كَوَاجِبَاتٍ تَبَاكَرُ هَيْبَتُهَا
فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَحُكْمَهُ وَدَرَجَتَهُ وَشَقِيئَهُ
أَوْ سَعِيدَهُ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ
یعنی پھر رب تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتیں تبا کر بھیجتا ہے
وہ فرشتہ لکھ جاتا ہے اسکا عمل اسکی موت اس کا رزق
اور یہ کہ نیک نجات ہے یا بد نجات پھر روح پھونکی جاتی ہے
یہ ہی علوم خمسہ میں اور تمام موجودہ اور گزشتہ لوگوں کی یہ پانچ باتیں وہ فرشتہ کاتب تقدیر جانتا
ہے مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

كُتِبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ
اللَّهُ زَمِينَ وَاسْمَانِ كِيَدَائِشٍ سَعَى حِمَاسٍ مَهْزَارٍ
الْهَوَاتِ وَالْأَكْمَرُضِ بِخَمْسِينَ أَلْفِ سَنَةٍ
بَرِسَ پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں۔

معلوم ہوا کہ ہر کون محفوظ میں علوم خمسہ میں۔ تو وہ ملائکہ جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء میں
کی نظر لوح محفوظ پر رہتی ہے ان کو یہ علوم خمسہ حاصل ہوئے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ
میشاق کے من حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اولاد آدم کی روحیں سیاہ و سفید رنگ میں دکھادی گئیں کہ سیاہ
روحیں تو کافروں کی ہیں اور سفید مسلمانوں کی۔ معراج میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام
کو اس طرح دکھا کر ان کے واسطے جانب سفید اور بائیں جانب سیاہ رنگ کی ارواح میں یعنی جنتی و دوزخی
لوگ مومنوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کفار کو ملاحظہ فرما کر غمگین۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر
میں ہے۔ کہ ایک دن حضور علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کٹا میں لیے ہوئے جمع صحابہ میں تشریف
لائے۔ اور واسطے ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ اس میں تمام جنتی لوگوں کے نام مع ان کے
قبیلے کے ناموں کے ہیں۔ اور دوسری کتاب میں تمام دوزخیوں کے نام مع ان کے قبائل کے ہیں۔
اور آخر میں ان ناموں کا ٹول بھی لگا دیا گیا ہے کہ کل کتنے۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے مرقا

میں فرمایا۔ الظَّاهِرُ مِنَ الْاَشْأَاتِ اَنَّهُمْ حَسِبَانِ وَقِيلَ تَمَثَّلْ۔ اشارہ ہے یہ ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ کتابیں دیکھنے میں آرہی تھیں۔ اسی مشکوٰۃ باب عذاب القبر میں ہے کہ جب مردہ نکیرین کے امتحان میں کامیاب یا ناکام ہوتا ہے تو نکیرین کہتے ہیں۔ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنْتَ تَقُولُ هَذَا اِمْ تَوَّابٌ پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا۔ معلوم ہوا کہ نکیرین کو امتحان نیت سے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کا علم ہوتا ہے۔ امتحان تو فقط پابندی قانون یا معترض کا منہ بند کرنے کو ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کسی صالح آدمی کی بیوی اس سے لڑتی ہے تو جنت سے حور پکارتی ہے کہ یہ تیرے پاس چند دن کا مہمان ہے۔ پھر ہمارے پاس آئیو الا ہے اس سے جھگڑا نہ کر۔ مشکوٰۃ کتاب النکاح فی عشرۃ النساء معلوم ہوا کہ حور کو بھی خبر ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ بالآخر ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے جنگ بدر میں ایک دن پہلے زمین پر نشان لگا کر فرمایا کہ یہاں فلاں کا فرم سے گا اور یہاں فلاں۔ موت کی زمین کا علم ہوا مشکوٰۃ کتاب النکاح ان احادیث سے معلوم ہوا کہ علوم خمسہ کا علم اللہ نے بعض بندوں کو بھی دیا ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا علم ان سب کے علموں کو محیط تو کس طرح ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علوم خمسہ حاصل نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ پانچ علوم عطائی حادث ہو کر خدا کی صفت نہیں۔ ورنہ کسی کو ان میں سے ایک بات کا بھی علم نہ ہوتا۔ نعمت الہی میں مشرکت نہ تو کلا جائز نہ بعضاً۔ ان دلائل کے جواب اشارۃ مخالف سے نہ بن سکیں گے۔

اعترضوا بِمَا يَكْفُرُ بِاَدِلَّةِ اِلَّا اللّٰهُ۔ متشابہات آیات کی تاویل رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہات آیات کا علم نہ تھا۔

جواب۔ اس آیت میں یہ کہاں فرمایا گیا کہ ہم نے متشابہات کا علم کسی کو دیا بھی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ عَلَّمَ الْقُرْآنَ۔ اپنے حبیب کو رحمان نے قرآن سکھایا۔ جب رب نے سارا قرآن حضور کو سکھایا تو متشابہات بھی سکھا دیئے۔ اسی لئے حنفی مذہب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام متشابہات کو جانتے ہیں ورنہ ان کا نازل کرنا بیکار ہوگا۔ شافعیوں کے نزدیک علماء بھی جانتے ہیں وہ وَالَّذِيْنَ اِيْتُوْنَ فِي الْعِلْمِ پر وقف کرتے ہیں۔ شوافع کے ہاں اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ اور مضبوط علماء کے سوا کسی کو نہیں۔

دوسری فصل

نفی غیب کی احادیث کے بیان میں

مخالفین نفی غیب کے لئے بہت سی احادیث پیش کرتے ہیں ان سب کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے رب نے فلاں چیز کا علم نہ دیا بلکہ کسی میں تو ہے۔ اللہ اعلم کسی میں ہے مجھے کیا خبر کسی میں ہے کہ فلاں بات حضور علیہ السلام نے نہ بتائی۔ کسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فلاں سے یہ بات پوچھی۔ اور یہ تمام باتیں علم کی نفی ثابت نہیں کرتیں۔ نہ بتانا یا پوچھنا یا اللہ اعلم فرمانا اور بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے بہت سی باتیں خدا نے بندوں کو نہ بتائیں۔ سوال کے باوجود مخفی رکھا۔ بہت سی چیزوں کے متعلق پروردگار عالم فرشتوں سے پوچھتا ہے کیا اس کو بھی علم نہیں۔ ایک حدیث صحیح قطعی الدلائل ایسی لاؤ جس میں عطائے علم غیب کی نفی ہو مگر انشاء اللہ نہ لاسکیں گے۔ یہ جواب نہایت کافی تھا۔ مگر پھر بھی ان کی مشہور احادیث عرض کر کے جواب عرض کرتا ہوں۔ وَاِلَّا لِلّٰهِ التَّوْفِیْقُ ۝

اعترض (۱) مشکوٰۃ باب اعلان النکاح کی پہلی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام ایک نکاح میں تشریف لے گئے جہاں انصار کی کچھ بچیاں دت بجا کر جنگ بدر کے مقتولین کے مرنے کے گیت گانے لگیں ان میں سے کسی نے یہ مصرع پڑھا۔

وَفِیْنَا نَبِیَّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَیْبِ ۝ ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چھوڑ دو۔ وہ ہی گائے جاؤ جو پہلے گا رہی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہیں تھا اگر موتا تو آپ ان کو یہ کہنے سے نہ روکتے۔ سچی بات سے کیوں روکا۔ **جواب** :- اولاً تو غور کرنا چاہیے کہ یہ مصرع خود ان بچیوں نے تو بنایا ہی نہیں۔ کیونکہ بچیوں کو شعر بنانا نہیں آتا۔ اور نہ کسی کافر و مشرک نے بنایا۔ کیوں کہ وہ حضور علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے تھے لامحالہ یہ کسی صحابی کا شعر ہے۔ بتاؤ وہ شعر بنانے والے صحابی معاذ اللہ مشرک ہیں یا نہیں؟ پھر حضور علیہ السلام نے نہ تو اس شعر بنانے والے کو برا کہا نہ شعر کی مذمت کی۔ بلکہ ان کو گانے سے روکا۔ کیوں روکا؟ چار وجہ سے اولاً تو یہ کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرے۔ تو بطور انکسار کہتے ہیں۔ ارے میاں! یہ باتیں چھو

وہ ہی باتیں کر رہے تھے انکسار فرمایا۔ دوم یہ کہ کھیل کود لگانے بجائے کے درمیان نعت کے اشعار پڑھنے سے منافعت فرمائی اس کے لیے ادب چاہیے۔ تیسرے یہ کہ غیب کی نسبت اپنی طرف کرنے کو ناپسند فرمایا۔ چوتھے یہ کہ مرثیہ کے درمیان نعت ہونا ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ آج کل نعت خواں کرتے ہیں کہ نعت و مرثیہ کو ملا کر پڑھتے ہیں۔ مرتبہ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

لَكُمْ أَمَّةٌ نَسَبَتْ عِلْمَ الْغَيْبِ إِلَيْهِ لَكِنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَأَمَّا يَعْلَمُ الرَّسُولُ مِنَ الْغَيْبِ مَا آتَتْهُ آدِلُكُمْ أَمَّةٌ أَنْ يُدَكَّرَ فِي أَثْنَاءِ ضَرْبِ الدَّقِّ دَأْنَاءِ مَوْثِقَةٍ الْفَتَى لِعَلِّهِ مَنْصِبُهُ عَنْ ذَالِكَ -

منع فرمایا علم کی نسبت اپنی طرف کرنے کو۔ کیونکہ علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول وہ ہی غیب جانتے ہیں جو اللہ بتائے یا یہ ناپسند کیا کہ آپ کا ذکر دن بجانے میں یا مقتولین کے مرثیہ کے درمیان کیا جاوے کہ آپ کا ذکر اس سے اعلیٰ ہے۔

اشعۃ المعانی میں اسی حدیث کے ماتحت ہے

شامین نے کہا ہے حضور علیہ السلام کا اس کو منع فرمانا اس لیے ہے کہ میں میں علم غیب کی نسبت حضور کی طرف ہے لہذا انکو ناپسند آئی اور بعض نے فرمایا کہ آپ کا ذکر شریف کھیل کود میں مناسب نہیں۔

ما لفتہ اند کہ منع آنحضرت ازین قول بحجت آن است کہ درو سے اسناد علم غیب است بر آنحضرت را تا نوش آمد بعضے گویند کہ بحجت آن است کہ ذکر شریف دے در اثنا مو مناسب نہ باشد۔

اعتراض ۱۲۰ مدینہ پاک میں انصار باغوں میں نذر درخت کی شکل مارہ درخت میں لگاتے تھے تاکہ پھل زیادہ دے اس فعل سے انصار کو حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس کام کو عربی میں تلقیع کہتے ہیں انصار نے تلقیع چھوڑ دی۔ مذکور کی شان پھل گھٹ گئے اس کی شکایت سرکار عالم کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا۔ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ | اپنے دنیاوی معاملات تم جانتے ہو۔

معلوم ہوا کہ اگر یہ علم نہ تھا کہ تلقیع روکنے سے پھل گھٹ جائیگا اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا۔ **جواب** : حضور علیہ السلام کا فرمانا اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ اظہار ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو۔ جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے ہیں بھائی تو جانا۔ اس سے نفی علم مقصود نہیں۔ شرح شفاء غلطی قاری بحث معجزات میں فرماتے ہیں۔

وَحَصَّهُ اللَّهُ مِنَ الْإِطْلَاعِ عَلَى جَمِيعِ مَصَالِحِ اللَّهِ تَعَالَى اِنَّمَا حُضُرُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَوْنُهَا دِينِي وَدُنْيَايَ

الَّذِي آوَىٰ إِلَيْهِ وَإِلَيْهِ لَتَرْجِعُنَّ بِأَنفُسِكُمْ يَوْمَ تُنْفَخُ الْأَشْجَارُ وَيُنْزَلُ السَّحَابُ ۚ نَبِّئِ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِحَقِّ مَا يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْفِيلِ ۖ إِنَّا فَتْنَاهُ أَفْئِدَةً بَآئِنَةً عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَعَلَ الْفُلُكَيْنِ مَرْجًا ۖ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا كُرْسِيَّ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَعَلْنَا بَيْنَ يَدَيْهِ الْبَحْرَيْنِ مَرْجًا مَّحْمُودًا ۚ وَنَبِّئِ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِحَقِّ مَا يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْفِيلِ ۖ إِنَّا فَتْنَاهُ أَفْئِدَةً بَآئِنَةً عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَعَلَ الْفُلُكَيْنِ مَرْجًا ۚ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا كُرْسِيَّ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَعَلْنَا بَيْنَ يَدَيْهِ الْبَحْرَيْنِ مَرْجًا مَّحْمُودًا ۚ وَنَبِّئِ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِحَقِّ مَا يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْفِيلِ ۖ إِنَّا فَتْنَاهُ أَفْئِدَةً بَآئِنَةً عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَعَلَ الْفُلُكَيْنِ مَرْجًا ۚ

مسلحتوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا اس پر اثر نہیں ہے کہ حضور نے انصار کو درختوں کی تلقیح کرتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ تم اس کو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا انہوں نے چھوڑ دیا تو کچھ بھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے دنیاوی معاملات تم جانو۔ شیخ سنوسی نے فرمایا کہ آپ نے چاہا تھا کہ ان کو خلافت عادت کام کر کے باب توکل تک پہنچادیں۔ انہوں نے نہ مانا تو فرمایا کہ تم جانو۔ اگر وہ مان جائے اور در ایک سال نقصان برداشت کر لیتے تو اس محنت سے بچ جاتے۔

علامہ علی قاری اسی شرح شفا جلد دوم صفحہ ۲۳۸ میں فرماتے ہیں۔

وَلَوْ تَبَيَّنَا عَلَىٰ كَلَامِهِ أَفَاتُوا فِي الْفِتَنِ لَقَعْنَا مِنْهُمْ كُفْلَةً مِّنَ الْعَاجِلَةِ ۚ

اگر وہ حضرات حضور کے فرمان پر ثابت ہوتے تو اس فتنہ میں فوجیت لہجہ تارے اور ان سے اس تلقیح کی محنت دور ہو جاتی۔

نفل الخطاب میں علامہ قیسری سے نقل فرمایا۔

وَلَا يَغْرُبُ عَنْ عَلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ مِنْ حَيْثُ مَوَّبَتْهُ وَإِنْ كَانَ يَقُولُ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ

حضور علیہ السلام کے علم سے زمین و آسمان میں ذرہ بھر چیز بھی پوشیدہ نہیں اگرچہ آپ فرماتے تھے کہ دنیاوی کام تم جانو۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کبھی کاشتکاری نہ کی تھی اور نہ کاشتکاروں کی صحبت حاصل کی۔ مگر زمانہ قحط آنے سے پہلے حکم دیا کہ غلہ خوب کاشت کرو۔ اور فرمایا۔

فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرَّاهُ فِي سُنْبُلِهِ

کہ جو کچھ کاٹو اس کو بالی ہی میں رہنے دو۔

یعنی گیہوں کی حفاظت کا طریقہ سکھایا۔ آج بھی غلہ کو بھوسے میں رکھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں ان کو کھیتی باڑی کا خفیہ راز کس طرح معلوم ہوا؟ اور فرمایا۔

إِجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي خَفِيفٌ عَلَيْهِمْ

مجھ کو زمین کے خزانوں پر مقرر کر دو میں اس کا محافظ اور ہر کام جانتے والا ہوں۔

یہ ملکی انتظامات وغیرہ کس سے سیکھے؟ تو کیا حضور علیہ السلام کی واثاقی اور حضور کا علم حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی کم ہے۔ معاذ اللہ۔

اعترض (۲) ترمذی کتاب التفسیر سورہ الغام میں ہے کہ حضرت مسروق عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا یا کسی شئی کو چھپا یا دہ جھوٹا ہے۔

وَمَنْ ذَعَرَ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي عَدْنٍ فَقَدْ أَعْظَمَ الْفِرْيَةَ عَلَى اللَّهِ۔
اور جو کہے کہ حضور علیہ السلام کل کی بات جانتے ہیں اُس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔

جواب: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ عینوں باتیں اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہیں آپ کے یہ قول اپنی رائے سے ہیں۔ اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرماتیں بلکہ آیات سے استدلال فرماتی ہیں رب تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت پیش فرمائی۔ اور اب تک جمہور اہل اسلام اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ دیکھو اس کی تحقیق مدارج اور نسیم الیاض وغیرہ میں ہماری کتاب شان حبیب الرحمن سورہ والنجم میں۔ اسی طرح صدیقہ کا فرمانا کہ حضور علیہ السلام نے کوئی چیز نہ چھپائی۔ اس سے مراد احکام شرعیہ تبلیغیہ ہیں۔ درود بہت سے اسرار الہیہ پر لوگوں کو مطلع نہ فرمایا۔

مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضور علیہ السلام سے دو قسم کے علوم ملے۔ ایک وہ جس کی تبلیغ کر دی۔ دوسرے وہ کہ اگر تم کو بتاؤں تو تم میرا گلا کاٹو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امرا الہیہ نا محرم سے چھپائے گئے۔ اسی طرح صدیقہ کا یہ فرمان کہ کل کی بات حضور

علیہ السلام نہیں جانتے تھے۔ اس سے مراد ہے بالذات نہ جانتا در نہ صدقہ اصداث اور قرآنی آیات کی مخالفت لازم آدے گی۔ حضور علیہ السلام نے قیامت کی، وصال کی، امام مہدی کی اور جو من کوثر کی شفا، بلکہ امام حسین کی شہادت کی۔ جنگ بدر ہونے سے پیشتر کفار کے قتل کی۔ اور حجۃ قتل کی خبر دی۔ نیز اگر صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے ظاہری معنی بھی کیے جادیں تو مخالفین کے بھی تو خلاف ہے کہ وہ بھی بہت سے غیب کا علم مانتے ہیں اہل اس میں بالکل نفی ہے۔ مجھے آج یقین ہے کہ کل پخشید ہوگا۔ سورج نکلے گا۔ ابلت آدے گی۔ یہ بھی تو کل کی بات کا علم ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے معراج سمجھائی کا بھی انکار فرمایا مگر یہ ہی کہا جاتا ہے کہ واقعہ معراج انکے نکاح میں آنے سے پیشتر کا ہے جو اب تک انکے علم میں نہ آیا تھا۔

اعتراض (۴) صدیق اکبرؓ کا ہار گم ہو گیا۔ جبکہ تلاش کرایا گیا نہ ملا پھر اونٹ کے نیچے سے برآمد ہوا اگر حضور علیہ السلام کو علم تھا تو لوگوں کو اسی وقت کیوں نہ بتادیا کہ ہار وہاں ہے۔ معلوم ہوا کہ علم نہ تھا۔

جواب: اس حدیث سے نہ بتانا معلوم ہوتا کہ نہ جاننا اور نہ بتانے میں صدمہ یا حکمتیں ہوتی ہیں حضرت صحابہ نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ رب تعالیٰ نے نہ بتایا تو کیا خدا سے پاک کو بھی علم نہیں؟ مرضی الہی یہ تھی، کہ صدیق کا ہار گم ہو، مسلمان اس کی تلاش میں یہاں تک جاویں ظہر کا وقت آجادے پانی نہ ملے۔ تب حضور علیہ السلام سے عرض کیا جاوے کہ اب کیا کریں تب آیت یتیم نازل ہو جس سے حضرت صدیق کی عظمت قیامت تک کے مسلمان معلوم کر لیں کہ ان کی طفیلی ہم کو یتیم کا حکم ملا۔ اگر اسی وقت ہار بتا دیا جاتا۔ تو آیت یتیم کیوں نازل ہوتی۔ رب کے کام اسباب سے ہوتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ جو آنکھ قیامت تک کے حالات کو مشاہدہ کرے۔ اس سے اونٹ کے نیچے کی چیز کس طرح مخفی رہے۔ شان محبوب علیہ السلام پہچاننے کی خدا تو فتن دے۔

اعتراض (۵) مشکوٰۃ باب المحض والشفاعہ میں ہے۔

عرض پر ہمارے پاس کچھ تو ہیں آئنگی جبکہ ہم پہچانتے ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے ہیں پھر ہمارے اور ان کے درمیان آر کر دی جاوے گی ہم کہیں گے کہ یہ تو ہمارے لوگ ہیں تو کہا جاوے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کیے پس ہم فرمائیں گے وہی ہو دوری ہوا اس کو جو میرے بعد دین بدلے۔

لَا يَدْرِي عَلَىٰ أَقْوَامٍ أُخِرُ فُهُمْ وَيَعْبُرُ فَوْقِي
ثُمَّ يَحَالُ يَتَنَبَّئِي وَبَيْنَهُمْ فَأَقُولُ
إِنَّهُمْ مَتَىٰ قِيَمَالُ إِنَّكَ لَا تَذَرُهُ
مَا أَحَدٌ ثَوَّابَعْدَكَ فَأَقُولُ
سُحْقًا سَحْقًا لِمَنْ غِيَرُ

بَعْدِي

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت میں بھی اپنے پرانے اور مومن و کافر کی پہچان نہ ہوگی کیونکہ آپ مرتدین کو فرمائیں گے کہ یہ میرے صحابہ ہیں اور ملائکہ عرض کریں گے کہ آپ نہیں جانتے۔

جواب: حضور علیہ السلام کا ان کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا کہ ان کو آنے و دیر تو ہمارے بڑے مخلص صحابہ ہیں اور ملائکہ کا یہ عرض کرنا ان کو سنا کر نمکین کرنے کے لیے ہوگا۔ ورنہ ملائکہ نے ان کو یہاں تک آنے ہی کیوں دیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جہنمی کافر سے کہا جاوے گا۔

عَذَابٌ مَّكِيدٌ - تو تو عورت کرم والا ہے۔

ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْمَكِيدُ -

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ هَذَا رَبِّيَ مِثْلُ رَبِّ هَـ

پھر غور کی بات تو یہ ہے کہ آج تو حضور علیہ السلام اس سارے واقعہ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں

أَعْرِضْ عَنْهُمْ جَمْعُ مَنْ كُفِرَ بِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

علامات ہوں گی۔ اعضاء و منو کا پکنا، پہر اورانی ہونا، یَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ہاتھ میں نامہ اعمال کا ہونا، پیشانی پر سجدہ کا داغ ہونا۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ اور کفار کی علامت

ہوگی ان کے خلاف ہونا۔ اور ان لوگوں کو ملائکہ کا روکنا۔ ان کی اذیت کی خاص علامت ہوگی جو آج بیان ہو

رہی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اتنی علامات کے ہوتے ہوئے حضور ان کو نہ پہچانیں۔ نیز آج تو حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے جنتی و جہنمی لوگوں کی خبر دے دی۔ عشرہ مدبرہ کو بشارت دی۔ دو کتا میں صحابہ کرام کو دکھادیں

جن میں جنتی اور جہنمی لوگوں کے نام ہیں وہاں نہ پہچانے کے کیا معنی؟ حضور علیہ السلام کو خبر نہیں۔ رب

تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَعْرِضُ الْمُجْرِمُونَ لِيُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

الشُّجُوذُ معلوم ہوا کہ قیامت میں نیک و بد لوگوں کی علامات چہرہ پر ہوں گی۔

مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعہ میں ہے کہ جنتی مسلمان جہنمی مسلمانوں کو کھانے کے لئے جہنم میں جائیں گے

اور ان کی پیشانی کے داغ سجدہ دیکھ کر ان کو بل پکے کے بعد نکالیں گے اور ان سے فرمایا جاوے گا۔

فَمَنْ دَخَلَ ثُمَّ رَفَعَ قَلْبَهُ حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرَجُوهُ۔ جس کے دل میں رانی کے برابر ایمان پاؤ۔ اس کو نکال دے جاؤ۔

دیکھ جنتی مسلمان و جہنمی مسلمان کے دل کے ایمان کو پہچانتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کے دل

میں کس درجہ کا ایمان ہے۔ دینار کے برابر یا درہ کے برابر۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چہرہ دیکھ کر علامات

دیکھ کر بھی خبر نہیں ہوتی کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے۔

اعتراف ۶۶، بخاری جلد اول کتاب الجنائز میں حضرت ائمہ العار کی روایت ہے۔

وَاللّٰهُ مَا اَدْرِى دَاۤءَا سَمُوۡلُ اللّٰهِ مَا يَفْعَلُ بِنِّی۔ خدا کی قسم میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں

کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بھی خبر نہ تھی کہ قیامت میں مجھ سے کیا معاملہ ہوگا۔

جواب :- اس جگہ علم کی نفی نہیں۔ بلکہ درایت کی نفی ہے۔ یعنی میں اپنے اہل دقتاس سے نہیں جانتا

کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ بلکہ اس کا تعلق وحی الہی سے ہے تو اسے ام العلماء تم پریشان باطن مطلقاً کے جتنی ہونے کی گواہی محض قیاس سے دے رہی ہو یہ معتبر نہیں۔ اس غیب کی خبروں میں تو انبیاء کرام بھی قیاس نہیں فرماتے۔ درنہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ ہم اولاد آدم کے سزاوار ہیں اس روز لوگو! الحمد للہ ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم وادامیان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہونگے ان کی مطابقت کس طرح کی جادے گی۔

اعتراف نہ بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب حدیث انک میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگی۔ آپ اس میں پریشان تو رہے مگر بغیر وحی آئے ہوئے کچھ نہ فرما سکے کہ یہ تہمت صحیح ہے یا غلط اگر علم غیب ہوتا تو پریشانی کیسی؟ اور اتنے روز تک خاموشی کیوں فرمائی۔

جواب۔ اس میں بھی نہ بتانا ثابت ہے نہ کہ نہ جاننا۔ نہ بتانے سے نہ جاننا لازم نہیں آتا۔ غور کرنے بھی بہت روز تک ان کی عصمت کی آیات نہ آئیں تو کیا رب کو بھی خبر نہ تھی نیز بخاری کی اسی حدیث میں ہے۔
مَّا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا
میں اپنی بیوی کی پاکدامنی ہی جانتا ہوں۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے، وقت سے پہلے اظہار نہیں اور یہ تو ہو سکتا ہی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ پر بدگمانی ہوئی ہو کیونکہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو عتاباً فرمایا۔

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ إِطَّعْتُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ
یعنی مسلمان مردوں و عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور فوراً کیوں نہ کہا کہ یہ کھلا جہاد بتانا ہے

پتہ لگا کہ نزول بارت سے پہلے ہی مسلمانوں پر نیک گمانی واجب اور بدگمانی حرام تھی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے معصوم ہیں۔ تو آپ بدگمانی سرگز نہیں فرما سکتے۔ ہاں آپ کا فوراً یہ فرمانا **هَذَا الْفَلَکُ مُبِیْنٌ** آپ پر واجب نہ تھا کیونکہ آپ کے گھر کا معاملہ تھا۔ رہی پریشانی اور اتنا سکوت، یہ کیوں ہوا؟ پریشانی کی وجہ معاذ اللہ لاعلمی نہیں ہے۔ اگر کسی عورت و عظمت دے کو غلط الزام لگا دیا جاوے اور وہ خود جانتا بھی ہو کہ یہ الزام غلط

ہے۔ پھر بھی اپنی بدنامی کے اندیشہ پر پریشان ہوتا ہے لوگوں میں اس افواہ کا پھیلنا ہی پریشانی کا باعث ہوا۔ اگر آیات کے نزول کا انتظار نہ فرمایا جاتا۔ اور پہلے ہی سے عصمت کا اظہار فرمایا جاتا تو منافقین

کہتے کہ اپنی اہل خانہ کی حمایت کی۔ اور مسلمانوں کو تہمت کے مسائل نہ معلوم ہوتے اور پھر مقدمات کی تحقیقات کرنے کا طریقہ نہ آتا اور صدیقہ انکبر لے کو صبر کا وہ ثواب نہ ملتا جواب ملا۔ اس تاخیر میں صدیقہ

ہیں۔ اور یہ تو مسئلہ عقائد کا ہے کہ نبی کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ
لِلْخَبِيثَاتِ ۔

اس گندگی سے مراد گندگیِ زنا ہے۔ یعنی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کافروں کو بھی کہہ کر کفر

سمت جرم ہے۔ مگر گھونٹی چیز نہیں۔ ہر شخص اس سے عار نہیں کرتا اور زنا سے ہر طبیعت نفرت اور عار کرتی ہے اسی لئے ایثار کی بیوی کو کبھی خواب میں احتلام نہیں ہوتا۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الغسل کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر تعجب فرمایا کہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ اور اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں بھی ہے۔ تو کیا حضور علیہ السلام کو عقیدے کا یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا کہ صدیقہ سید الانبیاء کی زوجہ پاک میں ان سے یہ تصور ہو سکتا ہی نہیں۔ نیز مرضی الہی یہ تھی کہ محبوب علیہ السلام کی عصمت کی گواہی ہم براہ راست دیں اور قرآن میں یہ آیات اتار کر قیامت تک کے مسلمانوں سے تمام دنیا میں ان کی پاکدامنی کے خطبے پڑھوا دیں کہ نمازی نمازوں میں ان کی عفت کے گیت گایا کریں اب اگر حضور علیہ السلام خود ہی بیان فرمادیتے تو یہ خبریاں حاصل نہ ہوتیں مگر خدا تعالیٰ علم تو تھا اظہار نہ تھا۔

لطف یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے تہمت لگائی۔ تو رب تعالیٰ نے ان کی صفائی خود بیان نہ فرمائی بلکہ ایک شیر خوار بچہ کے ذریعہ پاکدامنی سے پاکدامنی ظاہر فرمادی۔ حضرت مریم کو تہمت لگی۔ تو شیر خوار روح اللہ سے ان کی عصمت ظاہر کی۔ مگر محبوب علیہ السلام کی محبوبہ زودجر کو الزام لگا تو کسی بچہ یا فرشتہ سے عصمت کی گواہی نہ دلائی گئی۔ بلکہ یہ گواہی خود خالق نے دی اور اس گواہی کو قرآن کا جزو بنایا۔ تاکہ یہ گواہی ایمان کا رکن بنے اور مخلوق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت کا پتہ چلے۔

تنبیہ :- ایک جہل ہے ایک نسیان ایک ذہول۔ جہل نہ جاننا ہے۔ نسیان جان کر حافظہ سے نکل جانا۔ ذہول یہ ہے کہ کوئی چیز حافظہ میں ہو مگر ادھر توجہ نہ رہے۔ ایک شخص نے قرآن نہ پڑھا دوسرے نے حفظ کر کے بھلا دیا۔ تیسرا شخص حافظہ کامل ہے۔ اگر کسی وقت کوئی آیت اُس سے پوچھی بتا نہ سکا۔ توجہ نہ رہی۔ پہلا تو قرآن سے جاہل۔ دوسرا ناسی، تیسرا ذلیل، چوتھا، انبیائے کرام کو بعض وقت

کسی خاص چیز کا نسیان ہو سکتا ہے۔ مگر بعد میں اس پر قائم نہیں رہتے۔ قرآن کریم میں آیہ السلام کے لیے فرماتا ہے۔ **فَلَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً** مآوہ مجھوں گے کہ ہم نے ان کا قصد نہ پایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نظر لوح محفوظ پر تھی۔ یہ تمام واقعات پیش نظر تھے۔ مگر انسانی کمزوری کے لئے نسیان ہو گیا۔ قیامت میں شفیع کی تلاش میں سارے مسلمان جن میں محدثین و مفتیین و فقہاء سب ہی ہیں۔ اختیار کرام کے پاس جائیں گے کہ آپ شفاعت فرمادیں۔ وہ شفاعت نہ تو کریں گے اور نہ شفیع المذنبین کا صحیح پتہ دیں گے۔ خیال سے فرمادیں گے کہ حضرت نوح کے پاس جہاد۔ دلائل جہاد۔ دلائل جہاد شاید وہ تمہاری شفاعت کریں۔ حالانکہ دنیا میں سب کا عقیدہ تھا اور ہے کہ قیامت میں شفیع المذنبین حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ یہ بہادری کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ رہی۔ اگر حضور علیہ السلام کسی وقت کوئی بات نہ بتائیں تو اس کی وجہ دھول (ادھر توجہ کا نہ ہونا) ہو سکتی ہے۔ بے علمی ثابت نہ ہو گی اب تعالیٰ فرماتا ہے **وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الْغَافِلِينَ** اگرچہ آپ اس سے پہلے واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بے پرواہ تھے غافل فرمایا جابل نہ فرمایا۔ غافل وہ کہ واقعہ علم میں ہے مگر ادھر دھیان نہیں۔ گلستان میں فرماتے ہیں کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا ہے

زمصرش بوسے پیرا بن مشیدی * چادر چاہ کنگاشش ندیدی!

کہ آپ نے حضرت یوسف کے کرتے کی خوشبو مصر سے تو پائی۔ مگر کنگاش کے کنویں میں رہے۔ تو

آپ معلوم نہ کر سکے۔ جواب دیا ہے

بگفت لحوال مابرق جهان است | دے پیدا دیگر دم نہان است

گئے بظاہر اعلیٰ نشینیم !! | گئے بر پشت پائے خود نہ بینیم

فرمایا کہ ہمارا حال سحلی کی تربط کی طرح ہے کبھی ظاہر کبھی چھپا ہوا۔ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ ماہ کنگاش مصر میں تھی دے رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وَأَعْلَمُ مِنْ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ | مجھے خدا کی بات سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو نہیں معلوم

روح البیان پارہ بارہ زیر آیت **وَلَقَدْ أَمَرْنَا نُوحًا أَنْ تَوَخَّاهُ** میں ہے کہ رب تعالیٰ کو اپنے پیاروں کا رونا بہت پسند ہے حضرت نوح اتنا روئے کہ نام ہی نوح ہوا۔ یعنی توجہ اور گریہ

زار کی کرتے والے۔ حضرت یعقوب کے رونے کے لیے فراق یوسف سب ظاہری تھا ورنہ ان کا رونا باندی

درجات کا سبب تھا۔ لہذا ان کا یہ رزنا حضرت یوسف سے بے خبری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ الحیا زفقلاً
الحقیقۃً مثنوی میں ہے۔

عشقِ یابی نیست این کار نیست ۛ حسنِ یابی عکسِ رُسارِ نیست

خوشِ بیاید نالہ شبِ یائے تو ۛ ذوقِ ہوا دمِ بیارِ بہائے تو

بنیامین کو مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک حیلہ سے روک لیا۔ بھائیوں نے اگر قسم
لگائی اور قافلے والوں کی گواہی پیش کی کہ بنیامین مصر میں شاہی قیدی بنایا گئے مگر فرمایا۔

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً ۚ کہ تمہارے نفس نے تمہیں حیلہ سکھا دیا۔

یعنی یوسف کو بھی میری اولاد نے ہی جلا کیا اور بنیامین کو بھی، میری اولاد یعنی حضرت
یوسف نے حیلہ ہی سے روکا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ کی خبر ہے۔ پھر نظامِ مصر میں یعقوب
علیہ السلام کے دو فرزند رہ گئے تھے ایک تو بنیامین دوسرے یہودا۔ مگر فرماتے ہیں۔

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَكُنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ قریب ہے کہ ابراہیم تنہا کو مجھ سے ملائے۔

تین کون تھے؟ تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی تو تھے۔ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام
کو گھر میں بند کر کے بُری خواہش ظاہر کرنا چاہی تو اس بند مکان میں یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف
کے پاس پہنچے اور دانت تلے انگلی دبا کر اشارہ کیا کہ سرگز نہیں۔ اسے فرزندیکام تھا ہاں نہیں ہے کہ تم نبی
کے بیٹے ہو جس کو قرآن فرماتا ہے وَهَكَذَا يُهَاكُلُوا ۚ وہ بھی زینا کا قصد کر بیٹے اگر رب کی وکیل نہ
اَنْ سَرَّ اَنْ يَبْرَهَانَ مَرَّتَهُ۔ ۛ دیکھ لیتے۔

یہ بھی خیال رہے کہ برادرانِ یوسف علیہ السلام نے خبر دی کہ ان کو بھیر دیا گیا اور آپ کو قمیص اور
بھیر پیسے کی خبر۔ ان کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا تھا کہ بھیر پیسے نے غرض کیا تھا کہ ہم پرانیابا کا گوشت حرام
ہے۔ دیکھو تفسیر خازن، روح البیان سورۃ یوسف۔ پھر آپ اپنے فرزند کی تلاش میں جنگل کیوں نہ گئے؟
معلوم ہوا کہ باخبر تھے مگر راز دار تھے۔ جانتے تھے کہ فرزند سے مصر میں ملاقات ہوگی۔ اسی طرح یوسف علیہ
السلام کو بہت سے موقع ملے۔ مگر والد کو اپنی خبر نہ دی۔ معلوم ہوا کہ حکم کا انتظار تھا کنعان سے بیٹھے
ہوئے یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں کی ایک ایک بات کو دیکھ لیں۔ مگر حضور علیہ السلام اپنی تبلیہ
ملازمہ صدیق کی بیٹی حضرت صدیقہ کے حالات سے بے خبر ہوں۔ مگر حیرت کہ ان کو اتنا علم دیتا ہے ظنا

ضبط بھی دیتا ہے کہ دیکھتے ہیں مگر بے مضیٰ الہی رازنا شرم نہیں کرتے ہیں اللہ اَعْلَمَ حَيْثُ يَجْعَلُ
میں سَأَلْتُہماری یہ تقریر اگر خیال میں رہی تو بہت مفید ہوگی۔ اِنْشَاء اللہ

اعتراض (۸) حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعض ازدواج کے گھر شہد ملاحظہ فرمایا۔
اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آپ کے دہن پاک سے مغفیر کی بو آ رہی ہے۔ تو فرمایا
کہ ہم نے مغفیر نہیں استعمال فرمایا۔ شدید پاتے۔ پھر حضور نے اپنے پر شہد حرام کر لیا۔ جس پر یہ آیت
اتری لَمْ يَجْعَلْ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ مَعْلُومًا ہوا کہ اپنے دہن پاک کی بو کا بھی علم نہ تھا کہ اس سے
بو آ رہی ہے یا نہیں۔

جواب: اس کا جواب اسی آیت میں ہے۔ تَبْتَغِي مَوَاصِلَ آذَانِكَ اے حبیب یہ
حرام فرمانا آپ کی بے خبری سے نہیں بلکہ ان معترض ازدواج کی رضا کے لئے ہے نیز اپنے منہ کی بو غیب
نہیں محسوس پیر سے ہر صبح الدماغ محسوس کر لیتا ہے کیا دیوبندی انبیاء کے حواس کو بھی ناقص مانے
لگے ان کے حواس کی قوت کو مولانا نے بیان فرمایا ہے

نطق آب و نطق خاک و نطق گل

بہت محسوس از حواس اہل دل

فلسفی گو منکر حنانہ است

از حواس اولیاء بیگانہ است!

اعتراض (۹) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا تو خبر میں زہر آور کو روشت کیوں کھالیا۔ اگر جانتے
ہوئے کھایا تو یہ خودکشی کی کوشش ہے۔ جس سے نبی معصوم ہیں۔

جواب: اس وقت حضور علیہ السلام کو یہ بھی علم تھا کہ اس میں زہر ہے اور یہ بھی خبر تھی کہ زہر ہم
پر حکم الہی اثر نہ کرے گا۔ اور یہ بھی خبر تھی کہ رب تعالیٰ کی مرضی یہ ہی تھی کہ ہم سے کھالیں تاکہ بوقت
وفات اس کا اثر نہ لٹے اور ہم کو شہادت کی وفات عطا فرمائی جاوے راضی برضا تھے۔

اعتراض (۱۰) اگر حضور علیہ السلام کو علم غیب تھا تو تبر معونہ کے منافقین دھوکے سے آپ سے ستر (۷)
صحابہ کرام کیوں لے گئے! جنہیں دہان لے جا کر شہید کر دیا۔ اس آفت میں انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے کیوں بچھڑایا۔

جواب: جی ہاں حضور علیہ السلام کو یہ بھی خبر تھی کہ یہ متعونہ والے منافقین ہیں اور یہ بھی خبر تھی کہ یہ
لوگ ان ستر صحابہ کو شہید کیوں گے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خبر تھی کہ مرضی الہی یہ ہی ہے اور ان ستر کی شہادت

کا وقت آیا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا بندے کی شان ہے ابراہیم علیہ السلام تو معنی الہی پا کر فرزند پر پھڑکی سے کرتیار ہو گئے کیا یہ بے گناہ پر ظلم تھا؟ نہیں بلکہ رضائے مولیٰ پر رضا تھی۔ اچھا بتاؤ رب تعالیٰ کو تو خبر تھی کہ گوشت میں زہر ہے۔ اور پیڑ معونہ والے ان ستر کو شہید کر دیں گے۔ اس نے وحی بھیج کر کیوں نہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

تیسری فصل

علم غیب کے خلاف عبارات فقہاء کے بیان میں

اعتراض (۱) افتادوی قاضی خاں میں ہے۔

وَجُلٌ تَزَوَّجَ يَغْيِرُ شُهُودَ فَقَالَ الرَّجُلُ دَ الْمَرْءُ عُدَاوَةٌ لِّرَسُولِ اللَّهِ كَوَاهُ كَرِيمٌ قَالُوا أَيْ كُونُ كُفْرًا إِلَّا أَنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَهُوَ مَا كَانَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ حِينَ كَانَ فِي الْحَيَاةِ فَكَيْفَ بَعْدَ الْمَوْتِ

اعتراض (۲) شرح فقہ اکبر میں ملا علی قادی علی الرحمتہ فرماتے ہیں۔

وَذَكَرَ الْحَنْفِيَّةُ تَصَرُّفًا بِالْكَفْرِ بِاعْتِقَادِ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِعَادَ صَاحِبِهِ قَوْلِهِ تَعَالَى قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ۔

کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو مرد اور عورت نے کہا کہ ہم نے خدا اور رسول کو گواہ کیا تو لوگوں نے کہا ہے کہ یہ قول کفر ہے کیونکہ اس نے اعتقاد کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ تو غیب زندگی میں نہ جانتے تھے چہ جائیکہ موت کے بعد

حنفیوں نے صراحت ذکر کیا ہے کہ یہ اعتقاد کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے کفر ہے کیونکہ یہ عقیدہ خدا کے پاک کے اس فرمان کے خلاف ہے کہ فرما دو آسمانوں اور زمین کا غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا کفر ہے۔

جواب :- ان دونوں عبارتوں کا اجمالی اور الزامی جواب تو یہ ہے کہ محض لغین بھی حضور علیہ السلام کو بعض علم غیب مانتے ہیں۔ لہذا وہ بھی کافر ہوئے کیونکہ ان عبارتوں میں کُلُّ یا بعض کا تو ذکر نہیں بلکہ یہ ہے کہ جو بھی حضور کو علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ خواہ ایک کا مانے یا زیادہ کا۔ تو وہ بھی خیر مائیں مولوی

اشرف علی صاحب تھانوی نے حفظ الایمان میں بچوں، یتیموں اور جانوروں کو بعض علم غیب مانا ہے۔
مولوی خلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ میں شیطان اور ملک الموت کو وسیع علم غیب مانا۔ مولوی قاسم
صاحب نے تحذیر الناس میں اس کمال ہی کو دیا کہ ساری مخلوقات سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ مانا اب
ان تینوں صاحبوں پر کیا حکم لگایا جاوے گا؟ تفصیلی جواب یہ ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں ہے
قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ مَا فِي الْقُلُوبِ مَا لَمْ يَكُنِ الْغَيْبُ مَعَهُ فَكَيْفَ يَكُونُ الْغَيْبُ مَعَهُ
ان کو یہ قول پسند نہ ہو۔ شامی جلد پنجم صفحہ ۴۴۵ میں ہے۔

لَفْظَةُ قَالُوا تَذَكَّرْ فِيمَا فِيهِ خِلَافٌ لَفْظُ قَالُوا دَلِيلٌ بَوْلَا جَانَا هُ جِهَانِ اخْتِلَافِ هُو
غِيَةِ الْمَسْتَلِ مَشْرَحِ مَنِتَةِ الصَّلَى مَبْثُ قُرْتِ مِیْ هُ

قاضی خان کا کلام ان کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ
کرتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا قَالُوا لَمْ يَكُنِ الْغَيْبُ مَعَهُ
قَالُوا لَكُنْ مِیْ اِشَارَةِ اَدھر ہے کہ یہ قول پسندیدہ
اور یہ اماموں سے مروی نہیں جیسا کہ ہم نے بیان
کیا کیونکہ یہ فقہاء کی عبارت میں شائع ہے اس معلوم
ہے جو ان کی تلاش کرے۔

وَرَمَّحَكَ كِتَابَ الْفُتُوحِ مِیْ هُ

ایک شخص نے نکاح کیا اللہ اور رسول کی گواہی سے
تو نہیں جائز ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جاوے گا۔
اس عبارت کے ماتحت شامی نے تا تاریخائے نقل کیا۔

تَذَكَّرْ فِيمَا فِيهِ خِلَافٌ لَفْظُ قَالُوا دَلِيلٌ بَوْلَا جَانَا هُ جِهَانِ اخْتِلَافِ هُو

وَفِي الْحُجَّةِ ذِكْرٌ فِي الْمُنْقَطِ لَا يَكْفُرُ لَكَ الْأَشْيَاءُ
تَعْرِضُ عَلَى رُوحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
وَأَنَّ الرُّسُلَ يَعْرِضُونَ بَعْضُ الْعَيْبِ قَالَ
اللَّهُ تَعَالَى فَلَا يُظْهِرُ عَلَى عَيْنِهِ أَحَدًا إِلَّا
مَنْ أَمَرَ تَضَلَّى مِنْ رُسُولِي قُلْتُ بَلْ ذَكَرُوا

منقطع میں ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ تمام چیزیں
حضور علیہ السلام کی روح پر پیش کی جاتی ہیں اور
رسول بعض غیب جانتے ہیں رب نے فرمایا ہے کہ
پس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب پر کسی کو سوائے
پسندیدہ رسول کے میں کہتا ہوں کہ کتب عقائد میں

فِي كِتَابِ الْعَقَائِدِ أَنَّ مِنْ جُمْلَةِ كَوَامِلِ
الْأَدْلِيَاءِ الْإِطْلَاقُ عَلَى بَعْضِ الْمَغْشِيَّاتِ

جسے کہ ادیانہ اللہ کی کرامات میں سے، بعض
غیبوں پر مطلع ہونا بھی ہے۔

شامی باب المرتبہ میں مسئلہ بزازیرہ ذکر فرما کر فرمایا۔

حَاصِلُهُ أَنَّ دَعْوَى الْغَيْبِ مَعَارَضَةٌ لِنَقْيِ
الْقُرْآنِ كَيْفَرُهَا إِلَّا إِذَا اسْتَدْرَكَ صَرِيحًا
أَوْ دَلَالَةً إِلَى سَبَبِ كُوْنِهَا إِذَا لَهَا -

اس کا خلاصہ یہ ہے دعوتی علم غیب نفس قرآنی کے
خلاف ہے کہ اس سے کافر ہوگا مگر جبکہ اس کو صریح
یا دلالت کسی سبب کی طرف نسبت کر دے جیسے کہ حق یا الہام

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق۔ اور خزائن الروایات میں ہے۔

وَفِي الْمُضْمَرِّ اتِّصَافُ أَتَمِّهِ أَنْ لَا يَكْفُرُ
لِأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ دَعْوَى
عَلَيْهِمُ الْأَشْيَاءُ فَلَا يَكُونُ كُفْرًا -

مضمرات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا
کیونکہ انبیائے کرام غیب جانتے ہیں اور ان پر چیزیں
پیش کی جاتی ہیں۔ پس یہ کفر نہ ہوگا۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عقیدہ علم غیب پر فتور کفر لگانا غلط ہے۔ بلکہ فقہاء کا بھی عقیدہ
ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب دیا گیا۔

ملا علی تاری کی عبارت پوری نقل نہیں کی۔ اصل عبارت یہ ہے جو مطلب واضح کرتی ہے۔

ثُمَّ أَعْلَمَهُ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يَعْلَمُوا الْغَيْبَاتِ
مِنَ الْأَشْيَاءِ إِلَّا مَا أَعْلَمَهُ هُمُ اللَّهُ وَذَكَرَ
الْحَقِيقَةَ صَرِيحًا بِالتَّكْفِيرِ الْخ -

پھر جان کر انبیائے کرام غیب چیزوں کو نہیں جانتے
سوائے اس کے جو ان کو اللہ بتا دین اور حقیقیوں نے
کفر کا تصریح کی جو نبی علیہ السلام کو علم غیب جانتے ہیں

اب پورا مطلب معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کو علم غیب ذاتی ماننے کو ملا علی قاری کفر فرماتے ہیں
نہ کہ عطائی۔ کیونکہ عطائی کو تو مان رہے ہیں اور پھر ان کی عبارتیں ہم ثبوت علم غیب میں پیش کر
چکے ہیں کہ ملا علی قاری حضور علیہ السلام کو تمام ممالک و مایوں کا علم مانتے ہیں۔

چوتھی فصل

علم غیب پر عقلی اعتراضات کے بیان میں

اعتراض ۱۱۔ علم غیب خدا کی نعمت ہے اس میں کسی کو شریک نہ کرنا شرک فی العفت ہے۔

لہذا حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا شرک ہے۔

جواب :- غیب جاننا بھی خدا کی نعمت ہے حاضر چیزوں کا جاننا بھی خدا کی صفت ہے۔ **عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** اسی طرح سنا دیکھنا زہ موزا سب خدا کی صفات ہیں۔ تو اگر کسی کو حاضر چیز کا علم مانا یا کسی کو سمیع یا بصر یا سمی مانا ہر طرح شرک ہوا۔ فرق یہ ہی کیا جاتا ہے کہ جہاں سنا دیکھنا زہ موزا خدا کے دینے سے ہے اور حادث ہے۔ خدا کی یہ صفات ذاتی اور قدیم پھر شرک کیسا؟ اسی طرح علم غیب نبی عطا فی اور حادث اور متناہی ہے۔ رب کا علم ذاتی قدیم اور کل معلمات غیر متناہی ہے نیز یہ شرک تو ہم پر بھی لازم ہے۔ کیونکہ تم حضور علیہ السلام کے لیے علم غیب مانتے ہو بعض ہی کا ہستی۔ اور خدا کی صفت میں کلاً و بعضاً ہر طرح شرک کرنا شرک ہے۔ نیز موزا حسین علی صاحبہاں بھی وائے جو مولوی رشید احمد صاحب کے خاص شاگرد ہیں۔ اپنی کتاب **ملقۃ المہیران** زیر آیت **يَعْلَمُ مُسْتَقَرًّا ۙ وَمُسْتَوْدَعًا ۙ كُلُّ شَيْءٍ مُّبِينٌ** میں لکھتے ہیں کہ خدا کو ہر وقت مخلوقات کے اعمال کا علم نہیں ہوتا۔ بلکہ بندے جب اعمال کر لیتے ہیں۔ تب علم ہوتا ہے۔ اب تو علم غیب خدا کی صفت، ربی ہی نہیں۔ پھر کسی کو علم غیب ماننا شرک کیوں ہوگا۔

اعترض (۳) حضور علیہ السلام کو علم غیب کب حاصل ہوا۔ تم کبھی تو کہتے ہو کہ شبِ معراج منہ میں نظرہ دیکھا گیا اس سے علم غیب ملا اور کبھی کہتے ہو کہ موزا میں رب کو دیکھا کہ اس نے اپنا دست قدرت حضور علیہ السلام کے شانہ پر رکھا۔ جس سے تمام علوم حاصل ہوئے۔ کبھی کہتے ہو کہ قرآن تمام چیزوں کا بیان ہے۔ اس کے نزول ختم ہونے سے علم غیب ملا۔ اس میں کوئی بات درست ہے۔ اگر نزول قرآن سے پہلے علم مل چکا تھا تو قرآن سے کیا ملا۔ تحصیل حاصل محال ہے۔

جواب :- حضور علیہ السلام کو نفس علم غیب تو ولادت سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ آپ ولادت سے قبل عالم ارواح میں نبی تھے۔ **كُنْتُ نَبِيًّا ۖ وَادَّعَىٰ إِلَيَّ الطِّينُ وَالْمَاءُ** اور نبی کہتے ہی اس کو میں جو غیب کی خبر رکھے مگر ماکان و مایکون کی تکمیل شبِ معراج میں ہوئی۔ لیکن یہ تمام علوم شہودی تھے کہ تمام اشیاء کو نظر سے مشاہدہ فرمایا۔ پھر قرآن نے ان ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا اسی لیے قرآن میں ہے۔ **تَبَيَّنَا كُلَّ شَيْءٍ** ہر چیز کا بیان، اور معراج میں **هَؤُلَاءِ فَتَحْتَنِي فِي كُلِّ شَيْءٍ** دعوۃ میں دیکھنا اور ہے بیان کچھ اور۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر ان کو تمام چیزیں دکھادیں۔ بعد میں

ان کے نام بتائے۔ وہ مشاہدہ تھا اور یہ بیان۔ اگر چیزیں دکھائی نہ گئی تھیں تو ثَمَّةٌ عَنْهُمْ عَلٰی الْمَلَائِكَةِ کے کیا معنی ہوں گے۔ یعنی پھر ان چیزوں کو ملائکہ پر پیش فرمایا لہذا دونوں قول صحیح ہیں کہ معراج میں بھی علم ہوا۔ اور قرآن سے بھی۔ اگر کہا جاوے کہ پھر نزول قرآن سے فائدہ کیا سب باتیں تو پہلے ہی سے حضور کو معلوم تھیں۔ بتائی جاتی ہے نامعلوم چیز۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن صرف حضور علیہ السلام کے علم کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے ہزار ہا دیگر فائدے ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ اس کی تلاوت وغیرہ نہ ہوگی اگر نزول قرآن حضور علیہ السلام کے علم کے لئے ہے تو بعض سورتیں دوبار کیوں نازل ہوئیں۔

تفسیر مدارک میں ہے۔ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ مَكِّيَّةٌ وَ قِيلَ مَدَنِيَّةٌ وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا مَكِّيَّةٌ وَمَدَنِيَّةٌ نَزَلَتْ بِمَكَّةَ ثُمَّ نَزَلَتْ بِالْمَدِينَةِ۔ سورۃ فاتحہ کی ہے اور کہا گیا ہے کہ مدنی ہے۔ اور صحیح تفسیر یہ ہے کہ یہ کی بھی ہے اور مدنی بھی اولاً مکہ میں نازل ہوئی پھر مدینہ میں۔

مشکوٰۃ حدیث معراج میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو شب معراج میں پانچ نمازیں اور سورہ بقرہ کی آخری آیات عطا ہوئیں۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے سوال کیا کہ معراج تو مکہ معظمہ میں ہوئی اور سورہ بقرہ مدنی ہے۔ پھر اس کی آخری آیات معراج میں کیسے عطا ہوئیں؟ تو جواب دیتے ہیں۔

حَاصِلُهُ أَنَّهُ مَا دَفَعَتْ تَكَرُّرُ الْوُحْيِ فِيهِ تَعْظِيمًا لَهُ وَإِحْتِمَالًا لِإِسْنَانِهِ فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ بِلَا وَاسِطَةٍ جِبْرِيلَ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس میں وحی مکرر ہوئی حضور علیہ السلام کی تعظیم اور آپ کے احتیاطی شان کیلئے۔ پس اللہ نے اس رات بغیر واسطہ جبریل وحی فرمادی۔

اسی حدیث کے ماتحت لمعات میں ہے۔

نَزَلَتْ عَلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةُ الْمِعْرَاجِ بِلَا وَاسِطَةٍ ثُمَّ نَزَلَ بِهَا جِبْرِيلُ فَأَنْبَتَ فِي الْقَصَا

شب معراج میں یہ آیات بغیر واسطہ کے تئیں پھر ان کو جبریل نے اتارا تو قرآن میں رکھی گئیں۔

بتاؤ کہ دوبار نزول کس لئے ہوا؟ حضور علیہ السلام کو تو پہلے نزول سے علم حاصل ہو چکا تھا۔ نیز ہر سال ماہ رمضان میں جبریل امین حضور علیہ السلام کو سارا قرآن سناتے تھے۔ مقدمہ نور الانوار تعریف کتاب میں ہے۔ لَآئِهَ كَانَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَفْعَةً وَاحِدَةً فِي كُلِّ شَهْرٍ رَمَضَانَ جُمْلَةً بِنَاوِيہِ نزول کیوں تھا؟ بلکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو تمام آسمانی کتابوں کا پورا علم تھنا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

یعنی اسے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے وہ رسول
آگئے جو تمہاری بہت سی چھپائی ہوئی کتاب کو ظاہر
فرماتے ہیں اور بہت سے درگزر فرماتے ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ
لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ
وَيَعْلَمُ عَنِ كَثِيرٍ۔

اگر حضور علیہ السلام کے علم میں ساری کتب آسمانی نہیں تو ان کا ظاہر فرمانا یا نہ فرمانا کیا معنی حقیقت
یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اول ہی سے قرآن کے عارف تھے۔ مگر قرآنی احکام نزول سے قبل جاری نہ فرمائے
اسی لئے جناری کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے غار حرا میں پہلی بار گوشہ عرض کیا اِقْرِءْ اَوْ
پڑھئے یہ نہ عرض کیا کہ فلاں آیت پڑھئے اور پڑھو اسی سے کہتے ہیں جو جانتا ہو۔ حضور علیہ السلام نے
فرمایا مَا تَأْتِيْنَا بِفَلَانٍ میں نہیں پڑھئے والا میں تو پڑھانے والا ہوں۔ پڑھ تو پہلے ہی لیا ہے لوح محفوظ میں قرآن ہے اور
حضور علیہ السلام کے علم میں پہلے ہی سے ہے۔ آپ ولادت سے پہلے نبی صاحب قرآن ہیں۔ بغیر
وحی کے نبوت کیسی؟ لہذا ماننا ہوگا کہ قبل ولادت ہی قرآن کے عارف ہیں۔ آج بھی بعض بچے حافظ پیدا
ہوتے ہیں حضرت علیؑ نے پیدا ہوتے ہی فرمایا اِنَّا نِي الْكِتَابِ رب نے مجھے کتاب دی۔ معلوم ہوا
کہ ابھی سے کتاب کو جانتے ہیں۔ بعض مغیروں کے لئے فرمایا اِنِّيْنَا هُ الْحَكْمَةُ صَبِيًّا ہم نے انہیں بچپن
ہی سے علم و حکمت دی۔ حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے امت کی شفاعت کی۔ حالانکہ سجدہ اور
شفاعت حکم قرآنی ہے۔ حضور غوث پاک نے ماہ رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ یہ بھی حکم قرآنی ہے۔
نور الانوار کے خطبہ میں غلو کی بحث میں ہے یعنی اِنَّ الْعَمَلْ بِالْقُرْآنِ كَانَ جَبَلًا كَثُ مِنْ غَيْرِ تَكْلِفِ
معلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنا حضور علیہ السلام کی پیدائشی عادت ہے ہمیشہ حلیمہ دانی کا ایک پستان پاک
چوسا۔ دوسرا بھائی کے لئے چھوڑا۔ یہ عدل و انصاف بھی قرآنی حکم ہے۔ اگر ابتداء سے قرآن کے
عارف نہیں تو یہ عمل کیسے فرما رہے ہیں۔ دیوبندیوں کا ایک مشہور اعتراض یہ بھی ہے کہ تمہاری سب
آیتوں کے عموم سے لازم آتا ہے کہ حضور کا علم رب کے برابر ہو۔ مگر تم ان آیتوں میں قیامت تک
کی قید لگاتے ہو مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں نہ تو قیامت کی قید ہے نہ ماکان و مایکون کا ذکر۔ اور
ایک دفعہ خاص ہونے سے آئندہ حضور کا دروازہ کھل جاتا ہے دیکھو کتب اصول۔ لہذا ہم ان
آیتوں میں احکام شریعی کی قید لگاتے ہیں یعنی اس سے صرف شرعی احکام مراد ہیں۔ جواب اس کا
یہ ہے کہ یہاں آیت میں تخصیص نہیں۔ بلکہ عقلی استثنا ہے کیونکہ رب کا علم غیر متناہی ہے مخلوق کا

دارغ غیر مقتضای علوم حقیقیں لے سکتا۔ برہان تسلسل وغیرہ سے لہذا مقناہی ہوگا۔ احادیث سے یہ
لگا کر قیامت تک اس کی حضور نے خبر دی اسی لیے یہ دعویٰ کیا گیا استثنائاً کا اور حکم ہے تخصیص کا حکم و مسل
دیکھو اَقْبِمُوا اِلَیَّ الْمَوْتَ سے بچے دیوانے حاشہ خارج ہیں یہ تخصیص نہیں بلکہ استثناء ہے۔

فقیر نے یہ مختصری تقریر علم غیب کے متعلق کر دی۔ اس کی زیادہ تحقیق کرنا بہر طور سارہ مبارکہ النظر العلیا
کا مسئلہ کر دے جو کچھ میں نے کہا یہ اس بحر کی ایک لہر ہے چونکہ مجھے اور مسائل پر بھی گفتگو کرنا ہے۔ لہذا
اسی پر اکتفا کرنا ہوں۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَاصْحَابِہٖ اٰلِہٖ
بِرَحْمَتِہٖ وَہُوَ اَمْرٌ حَمْدُہٗ الرَّاحِمِیْنَ ۵

حاضر و ناظر کی بحث

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں
مقدمہ حاضر و ناظر کی لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق میں

حاضر کے لغوی معنی میں سامنے موجود ہونا یعنی غائب نہ ہونا المصباح المنیر میں ہے۔ حاضر حَضَرَ
مَجْلِسِ الْقَاضِیِّ وَحَضَرَ الْغَائِبِ حُضُورًا قَدِیْمًا مِنْ غَیْبَتِہٖ مُتَقَبِّلًا اِلَیْہِ اَلْاَرَبِ میں ہے
حاضر حاضر شونہ۔ ناظر کے چند معنی ہیں۔ دیکھنے والا، آنکھ کا نال، نظر، ناک کی رگ، آنکھ کا پانی، المصباح
المنیر میں ہے۔ وَالتَّالِظُ السَّوَادُ اِلَیَّ الصَّغْرِ مِنَ الْعَیْنِ الَّذِیْ یَبْصُرُ بِہٖ الْاِنْسَانُ شَخْصًا۔
قاموس اللغات میں ہے۔ وَالتَّالِظُ السَّوَادُ فِی الْعَیْنِ اَوِ الْبَصَرِ بِفِیْہِ وَ عَرَفَ فِی الْاَنْفِ
وَفِیْہِ مَاءُ الْبَصَرِ۔ مختار الصحاح میں ابن ابی بکر رازی کہتے ہیں۔ التَّالِظُ فِی الْمُقْلَةِ السَّوَادُ الْاَصْغَرُ
الَّذِیْ فِیْہِ الْمَاءُ الْعَیْنُ۔ جہاں ہمارے نظر کام کرے وہاں تک ہم ناظر ہیں اور جس جگہ تک
ہمارے دسترس ہو کہ تصرف کر لیں وہاں تک ہم حاضر ہیں۔ آسمان تک نظر کام کرتی ہے وہاں تک ہم
ناظر، یعنی دیکھنے والے ہیں مگر وہاں ہم حاضر نہیں۔ کیونکہ وہاں دسترس نہیں۔ اور جس حجرے یا گھر میں
ہم موجود ہیں وہاں حاضر ہیں کہ اس جگہ ہمارے پہنچ ہے۔ عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں
کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ کہ تمام عالم کو اپنے کف و دست کی طرح دیکھے اور دور و قریب کی
آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور ہر ایک کو اس پر جا بجا جہنم و دوزخ کی حاجت روائی کرے۔

یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اُسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے ان سب معنی کا ثبوت بزرگانِ دین کے لیے قرآن و حدیث و اقوالِ علماء سے ہے۔

پہلا باب

حاضر و ناظر کے ثبوت میں

اس میں پانچ فصلیں ہیں

پہلی فصل - آیات قرآنیہ سے ثبوت

(۱) یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَمَرْنَا سَلْمَكَ شَهِيدًا وَ مُبَشِّرًا وَ نَذِيرًا دَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَ سِرًا حَاضِرًا۔

اے غیب کی خبریں بتانے والے بیشک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دینا اور ڈر سنانا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانا اور چمکاوینے والا آفتاب۔

شاید کے معنی گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی، گواہ کو شاید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ موقع پر حاضر ہوتا۔ حضور علیہ السلام کو شاید یا تو اس لیے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالم غیب کی دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں ورنہ سارے انبیاء گواہ تھے یا اس لیے کہ قیامت میں تمام انبیاء کی عینی گواہی دیں گے یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آپ کا مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ ہونا ہے کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کیسے مگر سن کر، حضور علیہ السلام نے دیکھ کر۔ اسی لیے معراج صرف حضور کو ہوئی۔ سراج منیر آفتاب کو کہتے ہیں وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے ہر گھر میں موجود۔ آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔

(۲) وَ كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُونُوا الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔

اور بات یہ نہیں ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔

(۳) فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَ جِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا۔

تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تم کو ان سب گواہ نگہبان بنا کر لائیں۔

ان آیتوں میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء کرام کی امتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے۔ انبیاء کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دیے تھے اور اپنی گواہی کے لئے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش کریں گے ان کی گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا۔ تم بغیر دیکھے کیلئے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جاوے گی۔ آپ دو گواہیاں دیں گے ایک تو یہ کہ غیبیوں نے تبلیغ کی۔ دوسری یہ کہ یہ میری امت والے قابل گواہی ہیں۔ بس مقدمہ ختم۔ انبیاء کرام کے حق میں ڈگری۔ اگر حضور علیہ السلام نے گذشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے ملاحظہ نہ فرمایا تھا تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوتی؟ جیسی کہ امت کی گواہی پر جرح ہوتی تھی معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی۔ اس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔ اس آیت کی تحقیق ہم بحث علم غیب میں کر چکے ہیں۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾ بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے
 عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ۔ وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔

اس آیت سے تین طرح حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے ایک یہ کہ جَاءَكُمْ میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور علیہ السلام تشریف لائے جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عالم میں ہر جگہ ہیں تو حضور علیہ السلام بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ دوم یہ فرمایا گیا مِّنْ أَنفُسِكُمْ تمہاری نفسوں میں سے ہیں یعنی ان کا اتنا تم میں ایسا ہے جیسے جان کا قالب میں آنا کہ قالب کی رگ رگ اور رو نگئے رو نگئے میں موجود اور ہر ایک سے خبردار رہتی ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے ہر فعل سے خبردار ہیں۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جان
 ہیں مجھ میں دیکھ مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ منائی ہے!

اگر آیت کے صرف یہ معنی ہوتے کہ وہ تم میں سے ایک انسان میں تو مَنَّكُمْ کافی تھا مِّنْ أَنفُسِكُمْ کیوں ارشاد ہوا؟ تیسرے یہ کہ فرمایا گیا عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہماری راحت و تکلیف کی ہر وقت حضور کو خبر ہے تب ہی تو ہماری تکلیف سے

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت تک ہر جگہ موجود ہیں بلکہ روح البیان میں فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سعید و شقی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کا ذکر تیسری فصل میں آتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَأَعْلَمُو أَنِّي فِيكُمْ مَرَسُولَ اللَّهِ | جان لو کہ تم سب میں رسول اللہ تشریف فرما ہیں
یہ تمام صحابہ کرام سے خطاب ہے، اور صحابہ کرام تو مختلف جگہ رہتے تھے معلوم ہوا کہ حضور
سب جگہ ان کے پاس ہیں۔

وَكَذَلِكَ نُبَيِّنُ آيَاتِنَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ | اور اسی طرح ہم آیتیں کو دکھاتے ہیں۔ ساری
السموات والارض - بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رب نے تمام عالم بچشم سر ملاحظہ کر دیا۔ حضور علیہ
السلام کا درجہ ان سے اعلیٰ ہے لہذا ضروری ہے کہ آپ نے بھی عالم کو مشاہدہ فرمایا ہو۔ اس آیت کی تفسیق
بحث علم غیب میں گذر گئی۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ | اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے
ان کو جہنمی والوں کا کیا سال کیا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ | کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے قوم غادو کیا تھا کیا کیا
قوم غاد اور اصحاب فیل کا واقعہ ولادت پاک سے پہلے کا ہے مگر فرمایا جاتا ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ
نَدِیکھا یعنی دیکھا ہے کہ کوئی کہے کہ قرآن کریم کفار کے بارے میں فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ | کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی
قرآن - تو میں ہلاک کر دیں۔

کفار نے اپنے سے پہلے کفار کو ہلاک ہوتے نہ دیکھا تھا۔ مگر فرمایا گیا کہ کیا نہ دیکھا انہوں نے تو اس
کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کفار کے اجڑے ہوئے ملک اور تباہ شدہ مکانات کا دیکھنا مراد ہے
اور چونکہ کفار مکہ اپنے سفر دل میں ان مقامات سے گزرتے تھے اس لیے فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ
کہ عبرت کیوں نہیں لےتے۔ حضور علیہ السلام نے نہ تو ظاہر میں دنیا کی سیاحت فرمائی اور نہ قوم غاد وغیرہ
کے اجڑے ہوئے ملکوں کو بظاہر دیکھا۔ اس لیے ماننا ہوگا کہ یہاں نور نبوت سے دیکھنا مراد ہے۔

۱۱) قرآن کریم جگہ جگہ فرماتا اذ قال رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ جِبْكَ اٰپ کے رب نے فرشتوں سے کہا اذ قالَ مُوسٰی لِقَوْمِهٖ جِبْكَ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا وغیرہ وغیرہ۔ اس مگر مفسرین معذور نکالتے ہیں اذ کو یعنی اس واقعہ کو یاد کرو۔ اور یاد وہ چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے سے دیکھی جھالی ہو اور توجہ نہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام گزشتہ واقعات حضور کے دیکھے ہوئے ہیں بلکہ الیٰہ نے لکھا ہے کہ حضرت آدم کے سارے واقعات حضور علیہ السلام مشاہدہ فرما رہے تھے اس کا ذکر آگے آتا ہے، اگر کوئی کہے کہ بنی اسرائیل سے بھی خطاب ہے وَاِذْ نَجَّيْنَاكَ مِنْ اِلٰہِ فِرْعَوْنَ۔ اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم نے فرعون سے نجات دی تھی۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ کے یہودی اس زمانہ میں کہاں تھے مگر مفسرین یہاں بھی اذ کو یاد فرماتے ہیں۔ جواب دیا جادیکا کہ ان بنی اسرائیل کو تاریخ میں واقعات معلوم تھے۔ کتب تواریخ پڑھی تھیں۔ اس طرٹ ان کو توجہ کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے نہ کسی سے پریشان کتب تاریخ کا مطالعہ فرمایا اور نہ کسی تاریخ کی صحبت میں رہے، نہ تعلیم یافتہ قوم میں پرورش پائی اب آپ کو بجز فوریت علم کا ذریعہ کیا تھا۔

۱۲) اَلَّذِیْ اٰوٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ | نبی مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تھذیب الناس صفحہ ۱۸ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اذلی کے معنی قریب ترین ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوئے نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں سب زیادہ قریب ہم سے ہماری جان اور جان سے بھی قریب نبی علیہ السلام میں اور زیادہ قریب چیز بھی چھپی رہتی ہے۔ اسی زیادتی قریب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے۔

تنبیہ :- اس جگہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم مقلد ہو اور مقلد کو آیات یا احادیث سے دلیل لینا جائز نہیں وہ تو قول امام پیش کرے۔ لہذا تم صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی پیش کر سکتے ہو اس کا جواب چند طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ آپ خود حاضر و ناظر نہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اس بارے میں امام صاحب کا قول پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ تم تقلید کی بحث میں غرض کر چکے ہیں کہ مسئلہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ بلکہ مسائل فقہیہ اجتہادیہ میں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے۔ تیسرے یہ کہ صریح آیات و احادیث سے مقلد بھی استدلال کر سکتا ہے۔ ہاں ان سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا۔

طحاوی میں ہے -

وَمَا فِيهِمُ الْأَحْكَامُ مِنْ تَحِيّ الظَّاهِرِ وَالنَّصِ
وَالْمُفْتِرِ فَلَيْسَ مُخْتَصَّيْهِ (آءِ بِالْمُجْتَمِعِ)
بَلْ يَقْدِرُ عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ الْأَعْمَى

مسلم الثبوت میں ہے۔

وَأَيْضًا شَاعَ وَذَاعَ احْتِجَاجُهُمْ سَلَفًا وَ
خَلَفًا بِالْعُمُومَاتِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ

جو احکام ظاہر نفس و مفسر سے سمجھے جاویں۔ وہ
مجتہد سے خاص نہیں۔ بلکہ اس پر عام علماء قاض
ہیں۔

نیز عام آیات سے دلیل پکڑنا خلف و سلف میں
بغیر کسی انکار کے شائع ہے۔

قرآن بھی فرماتا ہے فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اگر تم نہ جانتے ہو تو ذکر
والوں سے پوچھو۔ اجتہادی مسائل ہم نہیں جانتے ان میں آئمہ کی تقلید کرتے ہیں اور صریح آیات کا ترجمہ
جانتے ہیں اس میں تقلید نہیں۔ چوتھے یہ کہ مسند حاضر و ناظر پر فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال بھی آئینہ
فصلوں میں آرہے ہیں دیکھو اور غور کرو کہ حاضر و ناظر کا عقیدہ سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

دوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے بیان میں

اس میں تمام وہ احادیث پیش کی جاویں گی جو مسئلہ علم غیب میں گزر چکی ہیں۔ خصوصاً حدیث نمبر ۷۰
۱۸۹ و ۱۹۰ جن کا مضمون یہ ہے کہ تم تمام عالم کو مثل کف دست دیکھ رہے ہیں۔ ہم پر ہماری امت اپنی
صورتوں میں پیش ہوئی اور ہم ان کے نام، ان کے باپ دادوں کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ جانتے
ہیں وغیرہ وغیرہ اسی طرح ان کی شرح میں محدثین کے اقوال گزر چکے ہیں وہ پیش کئے جاویں گے خصوصاً
مرقاۃ، زرقانی وغیرہ کی عبارات ان کے علاوہ حسب ذیل احادیث اور بھی پیش کی جاویں گی۔

مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے۔

۱۸۹ فَيَقُولُ مَا كُنْتُ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لَمْ يَحْدِثْ | نكيرين ميت پوچھتے ہیں کہ اے محمد رسول اللہ! کے باپیں کہا کرتے تھے

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث ماتحت ہے یعنی ہذا الرجل کرمی گویندا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہذا الرجل سے مراد حضور علیہ السلام

کی ذات ستورہ صفات ہے اشعۃ اللمعات میں ہی حدیث ہے یا با حصارات شریف سے درمیانے باری طاق کہ درۃ مشائخ
و علیہ السلام حاضر ساختہ باشند و درہیں جابستہ تھے است عظیم مشائخ غمزدہ را اگر برامید ایشان دی جان مہندہ زندہ و گور و زندہ
و دنیا قبر میں ظاہر ظہور آپ کی ذات شریف کو حاضر کرتے ہیں اس طرح کہ قبر میں حضور علیہ السلام کا وجود مثالی موجود کرتے ہیں اور اس

جلد شتائین نمبر کو بڑی خوشخبری ہے کہ اگر اس شادی کی امید پر جان دے دیں اور زندہ قبروں میں چلے جائیں تو اس کام قدر ہے۔ حاشیہ مشکوٰۃ میں یہی حدیث ہے۔

قَبْلَ يَكْشَفُ لِمَيِّتٍ حَتَّى يَرَى
النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرَةٌ
عَظِيمَةٌ۔

کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور یہ بڑی ہی خوشخبری ہے۔

قسطانی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۳۹۰ کتاب الجنائز میں ہے۔

قَبْلَ يَكْشَفُ لِمَيِّتٍ حَتَّى يَرَى
النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرَةٌ
عَظِيمَةٌ۔

کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور یہ مسلمان کیلئے بڑی خوشخبری ہے اگر ٹھیک رہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہذا الرجل معہود و سہنی کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتے مردہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ جو تیرے زمین میں موجود ہیں انہیں تو کیا کہتا تھا؟ مگر یہ درست نہیں کیونکہ ایسا ہوتا تو کافر میت سے سوال نہ ہوتا کیونکہ وہ تو حضور علیہ السلام کے تصور سے خالی الذہن ہے۔ نیز کافروں کے جواب میں یہ نہ کہتا۔ میں نہیں جانتا بلکہ پوچھتا تو کس کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ اس کے لاء اُدِجی کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کو آنکھوں سے دیکھ تو رہا ہے مگر پہچانتا نہیں اور یہ اشارہ خارجی ہے۔ اس حدیث اور عبارتوں سے معلوم ہوا کہ قبر میں میت کو حضور علیہ السلام کا دیدار اگر سوال ہوتا ہے کہ تو اس شمس الضحیٰ بدر الدجی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تیرے سامنے جلوہ گر ہیں۔ کیا کہتا تھا ہذا اشارہ قریب ہے معلوم ہوا کہ قریب کے پھر پوچھتے ہیں۔ اسی لئے حضرات صرفیائے کرام اور عشاق موت کی تسکرتے ہیں اور قبر کی پہلی رات کو دو لہلہ کے دیدار کی رات کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ جان تو جلتے ہی جائیگی قیامت یہ ہے کہ یہاں مرنے پر مٹھرا ہے نظارہ تیرا مولانا اسی فرماتے ہیں۔

آج چھوٹے نہ سماؤں گے کفن میں اسی * جس کے جویاں تھے ہے اُس گل کی ملاقات کی رات
سم نے اپنے دیوان میں عرض کیا ہے کہ
مرد کی پہلی شب و دو لہا کی دید کی شب * اس شب پر عید صدقے اس کا جواب کیسا

اسی لئے بزرگانِ دین کئے وصال کے دن کو روزِ عرس کہتے ہیں، عرس کے معنی میں شادی کیونکہ عروس یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دہلیا کے دیدار کا دن ہے۔

اور ایک وقت میں ہزار ہا جنگی ہزاروں مردے دفن ہوتے ہیں۔ تو اگر حضور علیہ السلام حاضر ناظر نہیں ہیں تو ہر جنگی جلوہ گرمی کیسی؟ ثابت ہوا کہ حجاب ہماری نگاہوں پر ہے۔ لہذا اس حجاب کو اٹھا دیتے ہیں جیسے کہ دن میں کوئی خیمہ میں بیٹھا ہو اور آفتاب اس کی نگاہ سے غائب ہو کسی نے اس خیمہ کو اوپر سے ہٹا کر سورج دکھا دیا۔

(۲) مشکوٰۃ باب التحریص علی قیام اللیل میں ہے۔

اِسْتَيْقِظْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَيْلَةً فَرَعَا يَقُوْلُ سُبْحَنَ اللهِ مَاذَا اُنْزِلَ
الْاَيُّلَةُ مِنَ الْخُرَائِيْنِ وَمَاذَا اُنْزِلَ مِنَ الْفَيْئِ
ایک شب حضور علیہ السلام گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے
فرماتے تھے کہ سبحان اللہ اس رات میں کس قدر خزا
اور کس قدر فتنے اتارے گئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے فتنوں کو بچشمِ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ باب المعجزات میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

نَعَى النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَيْدًا اَوْ جَعْفَرًا ابْنَ
مَرْءَةٍ اَحَدَةِ النَّاسِ قَبْلَ اَنْ يَّاتِيَهُمْ خَبْرُهُمْ
فَقَالَ اَخَذَ الرَّايَةَ رَيْدًا فَاُصِيبَ اِلَى حَقِّي
اَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِنْ سَيُوفِ اللهِ يَعْنِي
خَالِدَ ابْنَ الْوَلِيدِ حَتَّى قَتَعَ اللهُ عَلَيْهِمْ
حضرت علیہ السلام نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ کی
ان کی خبر موت آنی سے پہلے لوگوں کو خبر موت دے
دی۔ فرمایا کہ اب مجھ کا زید نے لے لیا اور وہ شہید
ہو گئے۔ یہاں تک کہ جند اللہ کی تلوار خالد بن ولید
نے لیا تاکہ کہ اللہ نے ان کو فتح دے دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ روزِ جہنم میں منورہ سے بہت ہی ترسے ہوئے ہو کر کچھ ہو رہا ہے اس کو حضور کریم سے دیکھ رہے ہیں

(۴) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات کے بعد باب وفات النبی علیہ السلام میں ہے۔

وَ اِنَّ مَوْعِدَكُمْ اَلْحَوْضُ وَ اِنِّي كَا نَظَرٍ اِلَيْهِ
وَ اَنَا فِي مَقَامِي
تمہاری عزائت کی جگہ حوض کوثر ہے۔ میں اس کو
اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔

(۵) مشکوٰۃ باب تسویتہ النصفین ہے اَقِيْمُوا صُفُوْكُمْ
فَاِنِّي اَمْرُكُمْ مِنْ دَرَايِي
اپنے نصفیں سیدھی رکھو کیونکہ ہم تم کو اپنے پیچھے بھی
دیکھتے ہیں۔

۱۴۱) ترمذی جلد دوم باب العلم باب مَا جَاءَ فِي ذَهَابِ الْعِلْمِ مِنْ هَيْسَ -

کُنَّا مَعَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَتَخَصَّصَ بَصِيرَةً
إِلَى التَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ هَذَا أَذَانٌ يُخْتَلَسُ
الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتَّى لَا يَفْقِدُوا مِنْهُ
عَلَى شَيْءٍ -

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقاة کتاب العلم میں فرماتے ہیں -
فَكَانَتْ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا لَفَظَ إِلَى التَّمَاءِ كَوْشِفَ
بِأَقْتَرَابِ أَجَلِهِ فَأَخْبَرَنَا ذَلِكَ -

۱۴۲) مشکوٰۃ مشرور باب الفتن فصل اول میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے
ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں فرمایا -

قَالَتْ أَمْرٌ إِلَى الْفِتَنِ تَفْعَلُ خِلَالِ مِائَتَيْكُمْ كَوْنِ الْفِتْرِ
معلوم ہوا کہ یزیدی و حجازی فتنے جو عرس کے بعد ہونے والے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے -

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق بین آئندہ کے واقعات اور دور قریب کے
حالات اور حوض کوثر جنت و دوزخ وغیرہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں - حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدام
کو بھی خدائے قدوس یہ قدرت و علم عطا فرماتا ہے -

۱۴۱) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات میں ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر کا سرور ساریہ کو بنا کر نبی اور بھیجا
فَبَيْنَمَا عُمَرُ يُخَاطِبُ فَبَحَلَّ يُصَيِّعُ بِأَسَارِيَةٍ
پکارنے لگے کہ اسے ساریہ پہاڑ کو لو -

کچھ عرصہ کے بعد اس لشکر سے اہل اہل نے بیان کیا کہ تم کو دشمن نے شکست دے دی تھی کہ تم نے کسی پکارنے
والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ ساریہ پہاڑ کو لو - تو تم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے لیا جتنا کہ انکو شکست دے دی -

۱۴۲) امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکابر اور علامہ جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر علی حارث ابن نعمان اور
حارث ابن نعمان رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا - تو کہنے لگے مجھ سے سوال فرمایا
سہ مولانا ذیل احمد سکندری علی الرحمۃ نے حیدرآباد سے فقہ اکابر کا نسخہ حاصل کیا - اسکی شرح الدلائل شرح فقہ اکبر لکھی - جس میں وہ

دعویٰ کرتے ہیں کہ اصل فقہ اکبر ہے - اس پر دفعہ کیا گیا - ان تمام نسخوں میں نہیں ہے - یہ مطبوعہ فقہ اکبر آباد میں موجود ہے -

کے حادثہ تم نے کس حال میں دن پایا میں نے عرض کیا کہ سچا مومن جو گرفتار کیا گیا ایمان کی کیا حقیقت میں نے عرض کیا
 میں گویا عرش الہی کو ظاہر دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا
 جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملنے ہوئے
 اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے دیکھتا ہوں۔
 اسی قصہ کو مشنوی شریف میں نقل کیا ہے۔

ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من ۰ ہست پید تم چوں بت این پیش من
 یک بیک وامی شناسم خلق را ۰ سمجو گندم من ز جو در آسیا
 کہ بہشتی کہ دزیگانہ کی است ۰ پیش من پیدا جو مورد و ماہی است
 من بگویم یا فرد بسندم نفس ۰ لب گزیدش مصطفیٰ یعنی کہ بس

میرے سامنے ۸ بہشت اور ۷ دوزخ ایسے ظاہر ہیں۔ جیسے ہندو کے سامنے بت ہیں ہر ایک
 مخلوق کو ایسا پہچانتا ہوں جیسے چکی میں جو ادھر گیہوں۔ کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون۔ میرے سامنے
 یہ سب مچھلی اور چوئی کی طرح ہیں۔ چپ رہوں یا کچھ ادھر کوں۔ حضور نے ان کا منہ کھڑ دیا کہ بس۔
 جب اس آفتاب کے ذریعہ کی نظر کا یہ حال کہ جنت و دوزخ، عرش و فرش، جنتی و دوزخی کو اپنی
 آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس آفتاب کو بین کی نظر کا کیا پوچھنا ہے۔

(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف جماعت صحابہ کو پڑھائی بحالت نماز ہاتھ اٹھا بائیں کچھ لینا چاہتے
 ہیں بعد نماز صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز میں یہ جنبش کیسی تھی۔ فرمایا ہم پر جنت پیش کی گئی چاہا کہ ہم اس
 کا ایک خوشہ توڑ لیں۔ مگر چھوڑ دیا تاکہ لوگوں کا علم بالغیب قائم رہے۔ اگر یہ توڑ لیتے تو لوگ تاقیامت اس
 سے کھاتے رہتے اس سے پتہ لگا کہ حضور مدینہ میں کھڑے ہیں ہاتھ اٹھایا تو جنت میں پہنچا جسم مدینہ میں ہے
 ہاتھ جنت الفردوس کے بلانے کے خوشہ پر یہ ہے حاضر ناظر کے معنی۔ اسی طرح حضور کا ہاتھ مدینہ منورہ
 سے ہماری ڈوبتی کشتی پر پہنچ کر بڑا پار کر سکتا ہے۔

تیسری فصل حاضر ناظر کا ثبوت فقہاء اور علماء اُمت کے اقوال سے

(۱۱) در مختار جلد سوم باب المرتدین بحث کرامات اولیاء میں ہے۔

يَا حَاضِرُ يَا نَاطِرُ لَيْسَ بِكَفَرٍ -

اے حاضر اے ناظر کہنا کفر نہیں ہے -

شامی میں اسی کے ماتحت ہے -

فَإِنَّ الْحَضُورَ بِمَعْنَى الْعِلْمِ شَائِعٌ مَا يَكُونُ
مِنْ تَجَوُّزِ ثَلَاثَةِ إِذْ هُوَ رَأْيُهُمْ وَالنَّاطِرُ
بِمَعْنَى الدَّوْيَةِ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ بَرِيٌّ
فَالْعَيْنُ يَا عَالِمُ مَنْ رَأَى -

دباز یہ کہتا ہے کہ حضور یعنی علم مشہور ہے قرآن میں ہے
کہ نہیں ہوتا میں کا مشورہ مگر رب ان کا چوتھا ہوتا ہے
اور ناظر یعنی دیکھنا ہے سب فرماتا ہے کیا نہیں جانتا کہ
اللہ دیکھتا ہے پس اس کے معنی یہ ہو کہ اسے علم دیکھنے والے

(۲) در مختار جلد اول باب کیفیت الصلوة میں ہے -

وَيَقْصِدُ بِالْفَاطِ الشَّهَادَةَ الْأَشْكَاهُ أَنَّ
يُحْيَى عَلَى اللَّهِ وَيُسَلِّمُ عَلَى نَبِيِّهِ نَفْسِهِ

القیات کے لفظوں میں خود کہنے کی نیت کرے گویا
نازی کہ تجھے اور خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کر رہا ہے

شامی میں اسی عبادت کے ماتحت فرماتے ہیں -

أَيُّ لَا يَقْصِدُ الْإِخْبَارَ وَالْحِكَايَةَ عَمَّا
دَقَّعَ فِي الْمَعْرَاجِ مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمِنْ
تَرْبِيَةِ وَمِنْ الْمَلَكِيَّةِ -

یعنی القیات میں معراج کے اس کلام کے قصہ کی نیت
نہ کرے جو حضور علیہ السلام اور رب تعالیٰ اور ملائکہ کے
درمیان ہوا -

فقہاء کی ان عبادت سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاضر ناظر کہنا کفر نہیں ہے اور القیات میں حضور
علیہ السلام کو حاضر جان کر سلام عرض کر کے القیات کے، متعلق تہ بھی عبارات آتی ہیں مجمع البرکات میں
شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں ”وہ علیہ السلام براحوال واعمال امت مطلع است برمقربان و
خاصان درگاہ خود مفیض و حاضر و ناظر است“ حضور علیہ السلام امت کے حالات و اعمال پر مطلع ہیں اور
حاضر ہیں یا درگاہ کو فیض پہنچانے والے اور حاضر و ناظر ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ ہزدم سنی بہ
سلوک اقرب السبل بالتوجه الی سید الرسل میں فرماتے ہیں۔ ”باچندین اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علماء امت
ہست یک کس را درین مسئلہ خلائی نیست کہ آنحضرت علیہ السلام بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم تاویل
و اتم و باقی است و براعمال امت حاضر و ناظر است و مطالبان حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و
مرتبی را و خال السان“ اس اختلاف و مذاہب کے باوجود جو علمائے امت میں ہے اس میں کسی کا اختلاف
نہیں کہ حضور علیہ السلام حقیقی زندگی سے بغیر تاویل و مجاز کے احتمال کے باقی اور دائم ہیں اور امت

کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور حقیقت کے طلبکار اور حاضرینِ بارگاہ کو فیضِ رسال اور مربی۔
شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح توح القیب صفحہ ۳۳ میں فرماتے ہیں: ”اُمّ ابیہ علیہم السلام حیات حقیقی دنیاوی حی و باقی و متصرف اندر ہیں جاسن نیست۔“ ابیہ علیہم السلام دنیاوی حقیقی زندگی سے زندہ اور باقی و عمل درآمد فرمانے والے ہیں اس میں کوئی کلام نہیں۔

مرقات باب مَا يُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَ الْمَوْتَ کے آخر میں ہے۔

ایسی ادیان ان کے ایک آن میں چند جگہ ہو سکتے ہیں اور ان کے بیک وقت چند اجسام ہو سکتے ہیں۔

وَلَا بُعَادَ عَنِ الْكَذِّبَاءِ حَيْثُ طُوِّتْ لَمْ يَلَاذِقُوا
وَحَصَلَ لَهُمْ أَبَدَانٌ مَكْتَسِبَةٌ مُتَعَدِّدَةٌ
وَحَدُّهَا فِي أَمَا كُنْ مُخْتَلِفَةٍ فِي أَنْ دَاخِلِ
شَفَائِهِمْ جَعَانِ لَمْ يَكُنْ فِي الْمَيِّتِ أَحَدٌ فَقُلْ
السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

جب گھر میں کوئی نہ ہو تو تم کہو کہ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

اس کے ماتحت ملا علی قاری شرح شفاء میں فرماتے ہیں۔

کیونکہ نبی علیہ السلام کی درج مبارک مسلمانوں کے گھر د میں حاضر ہے۔

إِنَّ مَنْ رُوِيَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَاضِرًا فِي
يَوْمَاتِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ۔

شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج النبوة میں فرماتے ہیں: ”ذکر کن اور درود بفرست بروے علیہ السلام و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات و می بینی تو اور امتاد باجلال و تعظیم و ہیبت و حیاء و بلا کہ وے علیہ السلام می بیند و حی ثنود کلام ترا زیر کر وے علیہ السلام متصف است بصفات البیہدیکے از صفات الہی آن است کہ آنجا جِلْسِ مَنْ ذُکِرْتِ“ حضور علیہ السلام کو یاد کرو اور درود بھیجو اور حالت ذکر میں ایسے ہو کہ حضور حالت حیات میں تمہارے سامنے ہیں اور تم ان کو دیکھتے ہو ادب اور جلال اور تعظیم اور ہیبت و حیاء رہو اور جانو کہ حضور علیہ السلام دیکھتے اور سنتے ہیں تمہارے کلام کو کیونکہ حضور علیہ السلام صفات الہی سے موصوف ہیں اور اند کی ایک صفت یہ ہے کہ میں اپنے زائر کا ہم نشین ہوں۔ امام ابن الحاجر مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب جلد دوم صفحہ ۳۸ فصل ثانی زیارۃ قبرہ الشرف میں فرماتے ہیں۔

وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ نَالَا فَوَقَّ بَيْنَ
بہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام

مَوْتِهِ وَحَيَاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
فِي مُشَاهَدَتِهِ لَأَمَّتِهِ وَمَعْرِفَتِهِ
بِأَحْوَالِهِمْ دِيْنًا لِيَعْلَمَ دَعْوَايَهُمْ وَخَوَاطِرَهُمْ
وَدَالِكَ جَلِيٌّ عِنْدَهُ لَا خَفَاوِيهِ -

کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں اپنی
امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات دینا
اور ارادے اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں یہ
آپ کو بالکل ظاہر ہیں۔ اس میں پوشیدگی نہیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں -

وَقَالَ الْغَزَالِيُّ سَلَّمَ عَلَيْهِ إِذَا دَخَلْتَ فِي
الْمَسْجِدِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَحْضُرُ فِي الْمَسْجِدِ

امام غزالی نے فرمایا کہ جب تم مسجدوں میں جاؤ تو حضور
علیہ السلام کو سلام عرض کرو کیونکہ آپ مسجدوں میں موجود ہیں

نیرم الراضی شرح شفا تاضی عیاض جلد سوم کے آخر میں ہے -

الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ جِهَةِ الْأَجْسَامِ
وَالْقَوَائِمِ مَعَ الْبَشَرِ دَبَّوْا طِنُهُمْ وَقَوَّاهُمْ
الرُّوحَانِيَّةُ مَلَكَتُهُ وَلِدَا تَرَايَ مَشَارِقَ
الْأَرْضِ وَمَغَارِبِهَا تَسْمَعُ أَطْيَاطَ السَّمَاءِ
وَتَسْمَعُ مَرَاتِحَ جَنَدِهَا إِذَا أَمَرَ الدَّانِقُ إِلَى إِلَهُهِمْ -

انبیائے کرام جسمانی اور ظاہری طور پر بشر کے ساتھ
ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں ملکی ہیں اسی
لیے وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھتے ہیں اور
آسمانوں کی چڑچڑاہٹ سنتے ہیں اور جبریل کی
خوشبو پالیتے ہیں جب وہ ان پر اترتے ہیں۔

دلائل الخیرات کے خطبہ میں ہے -

وَقِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ أَرَأَيْتَ صَلَوةَ الْمُضِلِّينَ
عَلَيْكَ مِمَّنْ غَابَ عَنْكَ وَمَنْ يَأْتِي
بَعْدَكَ مَا خَالَهُمْ عِنْدَكَ فَقَالَ أَسْمَعُ صَلَوةَ
أَهْلِ مَعْجَرَتِي وَأَغْرَهُمْ وَتَعْرَضُ عَلَيَّ
صَلَوةُ غَيْرِهِمْ عَنْ صَدَا -

حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کے دور رہنے والوں
اور بعد میں آنے والوں کے درودوں کا آپ کے
نزدیک کیا حال ہے تو فرمایا کہ ہم محبت والوں کے درود
تو خود سنتے ہیں اور انکو پہچانتے ہیں اور غیر مجتہدین کا
درود ہم پر پیش کر دیا جاتا ہے۔

شفا تاضی عیاض جلد دوم میں ہے -

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ إِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ أَقُولُ
السَّلَامَ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ
وَبَرَكَاتُهُ -

علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں
مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ سلام ہو آپ
اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکات۔

اسکی تائید ابو ذر ابن ماجہ باب الدعاء عند دخول المسجد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔
 مدارج النبوة صفحہ ۴۵۰ جلد دوم قسم چہارم وصل حیات انبیاء میں ہے: "اگر بعد ازاں گوئید کہ حق تعالیٰ
 جبرئیلؑ راہ لے کر تھے تو قدرت نے تجسیدہ است کہ در ہر مکملے کو خواہ تشریف بخشد خواہ بعینہ خواہ بمثال
 خواہ بر اسمان خواہ بر زمین خواہ در قبر یا غیر وہ صورتے وارد باوجود ثبوت نسبت خاص بقبر در ہر حال "۔
 اس کے بعد اگر کہیں کہ "ب تعالیٰ نے حضورؐ کے جسم پاک کو ایسی حالت و قدرت بخشی ہے کہ جس مکان میں
 چاہیں تشریف لے جائیں خواہ بعینہ اس جسم سے خواہ جسم مثالی سے خواہ آسمان پر خواہ قبر میں تو درست
 ہے۔ قبر سے ہر حال میں خاص نسبت رہتی ہے۔ مصلح الہدایت ترجمہ عارف المعارف مصنف شیخ
 شہاب الدین سہروردی صفحہ ۱۶۵ میں ہے۔ "بس باید کہ بندہ پھنساں کہ حق سبحانہ را پیوستہ بر جمع احوال
 خود ظاہر و باطن واقف و مطلع بیند رسول اللہ علیہ السلام را نیز ظاہر و باطن حاضر و ناظر۔ تا مطالعہ صورت
 تعظیم و وقار و سموارہ بہ محافظت آداب حضرتش دلیل بود و از مخالفت و سے سر او علاناً شرم دارد و
 یہ صحیح و دقیقہ از وقایع آداب صحبت و فروغ گزارد۔" بس چاہیے کہ بندہ جس طرح حق تعالیٰ کو ہر حال
 میں ظاہر و باطن طور پر واقف جانتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کو بھی ظاہر و باطن حاضر جانے تاکہ
 آپ کی صورت کا دیکھنا آپ کی ہمیشہ تعظیم و وقار کرنے اور اس بارگاہ کے ادب کی دلیل ہو جاوے اور
 آپ کی ظاہر و باطن میں مخالفت سے شرم کرے اور حضور علیہ السلام کی صحبت پاک کے ادب کا کوئی
 دقیقہ نہ چھوڑے۔

فقہاء و علماء امت کے ان اقوال سے حضور علیہ السلام کا حاضر ناظر ہونا بخوبی واضح ہوا اب ہم آپ کو
 یہ دکھاتے ہیں کہ نمازی نماز میں حضور علیہ السلام کے متعلق کیا خیال رکھے اس کے متعلق ہم در مختار اور
 شامی کی عبارتیں تو شروع فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ دیگر بزرگان دین کی اور عبارتیں سنئے اور اپنے
 ایمان کو تازہ کیجئے۔ اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب التہجد اور مدارج النبوة جلد اول صفحہ ۱۳۵ باب
 پنجم ذکر فضائل آنحضرت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: "و بعضی عنہا گفتہ اند کہ این مجتہد
 سرایان حقیقت محمدیہ است در ذرات موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت در ذرات مصلیان موجود
 حاضر است پس مصطفیٰ را باید کہ ازین معنی آگاہ باشد و ازین شہود غافل نہ بود تا انوار قرب و اسرار معرفت منور
 و افراز گردد۔" بعض عارفین نے کہا ہے کہ القیات میں یہ خطاب اس لئے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے

ذبحہ میں اور ممکنات کی ہر فرد میں سرایت کیے ہے۔ پس حضور علیہ السلام نمازوں کی ذات میں موجود و حاضر ہیں نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس شہور سے غافل نہ ہوتا کہ قرب کے نور اور معرفت کے جمیدوں سے کامیاب ہو جاوے۔ احیاء العلوم جلد اول باب چہارم فصل سوم نمازی کی باطنی شرطوں میں امام غزالی فرماتے ہیں۔ وَأَخْضَرْنِي قَلْبِيكَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَفَضَّلَهُ الْكَلِمَةُ وَقُلَّ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ اور اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو اور آپ کی ذات پاک کو حاضر جانو اور کہو السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ اسی طرح مرقاة باب التہجد میں ہے۔ مسک الختام میں نواب صدیق حسن خاں بھوپالی دہلوی صفحہ ۲۴۳ پر وہی عبارت لکھتے ہیں جو ہم نے ابھی اشعۃ اللمعات کی التہیات کے بارے میں لکھی کہ نمازی کو چاہیے کہ حضور کو حاضر و ناظر جان کر التہیات میں سلام کرے پھر یہ شعر لکھتے ہیں۔

دوراء عشق مرحلہ قرب و بعد نیست * می بینمت عیان و دعائی فرستمت
عشق کی راہ میں دور و قریب کی منزل نہیں ہے * میں تم کو دیکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں!
علامہ شیخ محمد فرماتے ہیں۔ وَخَوِطِبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَأَنَّهُ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ تَعَالَى يَكْشِفُ لَهُ عَنِ الْمُصَلِّينَ مِنْ أُمْتِهِ خُتْمٌ يَكُونُ كَالْحَاضِرِ يَشْهَدُ لَهُمْ بِالْعَقْلِ أَعْمَاءُ لَهُمْ وَلَيْسَ كَوْنُ تَدَاكُرِ مَحْضُورِهِ سَبَبًا لِيَمْنِيهِ الْخُشُوعُ وَالْخُضُوعُ۔

مشکلہ حاضر و ناظر پر بعض فقہی مسائل بھی موقوف ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ رُوح مشرق میں ہو اور رُوح مغرب میں اور بچہ پیدا ہو۔ اور رُوح کہتا ہے کہ بچہ میرا ہے تو بچہ اُسی کا ہے کہ شاید یہ ولی اللہ ہو اور کرامت سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا ہو۔ دیکھو شامی جلد دوم باب ثبوت النسب۔ شامی جلد سوم باب المرتدین مطلب کرامات اولیاء میں ہے۔

وَطَيَّ السَّافَةَ مِنْهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ رَوَيْتَ لِي الْأَرْضَ ضُحًى وَدَيْدَلُ عَلَيْهِ مَا اور راستہ طے کرنا بھی اسی کرامت میں سے ہے حضور کو فرمانے کی وجہ کر میرے لیجئے زمین سمیٹ دی گئی۔

قَالُوا فَيَمَنْ كَانَ فِي الْمَشْرِقِ وَتَزَوَّجَ
امْرَأَةً بِالْمَغْرِبِ فَأَتَتْ بِوَلَدٍ يَلْحَقُهُ
فِي التَّائِيهِ خَلِيلَةٌ إِنَّ هَذِهِ
الْمَسْئَلَةُ تُؤَيِّدُ الْجَوَانَ -

شام، یہی وہ ام و الا نصاب ماذ کدرہ
الامام السنی حین سئل عما یحکمی
ان الکعبۃ کانت تزور واحد من الاولیاء
هل يجوز اتول به فقال نقص العادة
على سبيل النكر امة لاهل الولاية جائز
عند اهل السنة -

اس پر وہ مسئلہ دلائل کتاب ہے جو فقہاء نے کہا کہ
کوئی شخص مشرق میں ہو اور مغرب میں جتنے والی عورت
نکاح کرے پھر وہ عورت چوتھے تو پھر اس سے ملحق ہوگا اور تین
خانیہ میں کہ یہ مسئلہ اس کرامت کے جائز ہوگی تا یہ کہ کتاب ہے
الافان کی بات وہ ہے جو امام نسفی نے اس وقت
کہی جبکہ ان سے سوال کیا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ
کہ ایک نماز کی زیارت کرنے جاتا ہے کیا یہ کہنا جائز
ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لیے خلاف عادت
کام کرامت کے طریقہ پر اہل سنت کے نزدیک
جائز ہے -

۳، عبارت سے معلوم ہوا کہ کعبہ شریف بھی اولیاء اللہ کی زیارت کرنے کے لیے عالم میں چکر لگاتا ہے
تفسیر روح البیاء سورہ نمک کے آخر میں ہے -

امام غزالی نے فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دنیا میں
سیر فرمانے کا اپنے صحابہ کرام کی روحوں کے ساتھ اعتقاد
ہے آپ کو بہت سے اولیاء اللہ نے دیکھا ہے -

قَالَ الْإِمَامُ الْغَزَّالِيُّ وَالرَّسُولُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
لَهُ الْخِيَارُ فِي طَوَافِ الْعَالَمِ مَعَ أَمْرِ وَاحِدٍ
الصَّحَابَةِ لَقَدْ رَأَاهُ كَثِيرٌ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ -

انتباہ الاذکیاء، فی حیات الاولیاء میں علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۲ پر فرماتے ہیں -

النَّظَرُ فِي أَعْمَالِ أُمَّتِهِ وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمْ
مِنَ السَّيِّئَاتِ وَالِدُعَاءُ بِكُشْفِ الْبَلَاءِ عَنْهُمْ
وَالْتَرَدُّ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ مِنَ الْبُرُكَةِ فِيهَا
وَحُضُورُ جَنَادَةٍ مِنْ صَالِحِي أُمَّتِهِ فَإِنَّ
هَذِهِ الْأُمُورَ مِنْ أَشْغَالِهِ كَمَا وَدَّتْ
بِعَذَلِكَ الْحَدِيثُ وَالْآثَارُ -

اپنی امت کے اعمال میں نگاہ رکھنا ان کے لیے گناہوں
سے استغفار کرنا ان سے دفع ہلاک و عافیت اور اپنی امت
زمین میں آنا جانا اس میں برکت ہے اور اپنی امت
میں کوئی صالح آدمی مر جاوے تو اس کے جنازے
میں جانا یہ چیزیں حضور علیہ السلام کا مشغلہ ہیں جیسے
کہ اس پر احادیث اور آثار آتے ہیں -

۱، فرامہ المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں: باب تبارک، مشاہدہ می کنند در بیارہ، ایمان و ملائکہ را

وہم کلام می شوند بایشان۔ "صاحب دل حضرات جانتے ہوئے انبیاء و ملائکہ کو دیکھتے ہیں۔ اور ان سے بات چیت کرتے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شرح صدور میں فرماتے ہیں۔

اِنْ اَعْتَقَدَ النَّاسُ اَنَّ رُوْحَهُ دَمِثَالَهُ فِي
وَقْتُ قِرَاءَةِ الْمُؤَلِّدِ وَخَتْمِ رَمَضَانَ
وَقِرَاءَةِ الْقِصَاصِ يَحْضُرُ جَلَسًا۔

مولوی عبدالحی صاحب۔ ۱۰ سالہ ترویج الجنان تبشیر مع حکم مشرب الذخاں میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نعت خوان تھا اور حق تعالیٰ ہیٹا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تم مولود شریف پڑھتے ہو تو ہم رونق افروز مجلس ہوتے ہیں۔ مگر جب حق آجیا ہے۔ تو ہم فوراً مجلس سے واپس ہو جاتے ہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نگاہ پاک ہر وقت عالم کے ذرہ ذرہ پر ہے اور انہ ازل تلاوت قرآن، محفل میلاد شریف اور نعت خوانی کی مجالس میں اسی طرح صالحین کی نماز جنازہ میں خاص طور پر اپنے جسم پاک سے تشریف فرما ہوتے ہیں۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت اِنَّا اَمْسَلْنَاكَ شَهِدًا ہے۔

فَاِنَّهٗ لَمَّا كَانَ اَوَّلَ تَخْلُوْقٍ خَلَقَهُ اللهُ كَانَ
شَهِدًا اَوْحَدًا اٰيَةً الْحَقِّ وَشَهِدًا بِمَا
اُخْرِجَ مِنَ الْعَدَمِ اِلَى الْوُجُوْدِ مِنَ الْاَرْدَاكِ
وَالنَّفُوْسِ وَالْاَجْسَادِ وَالْاَرْدَاكِ وَالْاَجْسَادِ
وَالْمَعَادِنِ وَالنَّبَاتِ وَالْحَيَوَانِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
وَالْجِنِّ وَالشَّيْطٰنِ وَالْاِنْسَانِ غَيْرِ ذَلِكَ لِثَلَاثِشِدَّةٍ
عَنْهُ مَا يُمْكِنُ لِلْخَلُوْقِ وَاَسْرَادِ اَعْمَالِهِ وَجَلَالِهِ
اسی جگہ کچھ اگلے کر فرماتے ہیں۔

فَشَهِدًا خَلَقَهُ وَمَلَجَرَاۤى عَلَيْهِ مِنَ الْاَخْرَامِ
وَالْاَخْرَامِ مِنَ الْجَنَّةِ بِسَبَبِ الْخَالِفَةِ وَمَاتَابِ

حضور علیہ السلام نے حضرت آدم کا پیدا ہونا انکی تعظیم و احترام اور خطا پر جنت سے علیحدہ ہونا اور پھر توبہ قبول ہونا آخر

اللَّهُ عَلَيْهِ إِلَى الْآخِرِ مَا جَزَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَشَاءَ
خَلَقَ إِبْلِيسَ وَمَا جَزَى عَلَيْهِ -

تک کے انکے سارے معاملات جو ان پر گزرنے سب دیکھا
اور ابلیس کی پیدائش اور جو کچھ اس پر گذر اس کو بھی دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور نے عالم ظہور میں جلوہ گری سے پہلے ہر ایک کے ایک ایک حالات کا مشاہدہ فرمایا۔
یہ ہی صاحب روح البیان کچھ آگے چل کر اسی مقام پر فرماتے ہیں -

قَالَ بَعْضُ الْكِبَارِ إِنَّ مَعَ كُلِّ سَعِيدٍ رَقِيبَةً
مِنْ رُوحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ هِيَ الرَّقِيبَةُ الْقَبِيضَةُ
عَلَيْهِ دَلَمَّا قُبِضَ الرُّوحُ الْحَمِيدُ عَنِ آدَمَ
الَّذِي كَانَ بِهِ دَالِمًا لَا يُضِلُّ وَلَا يُنْسِي جَزَى
عَلَيْهِ مَا جَزَى مِنَ الْبَشَرِ وَمَا يَتَّبَعُهُ -

بعض اکابر نے فرمایا کہ ہر سعید کے ساتھ حضور علیہ
السلام کی روح رہتی ہے اور یہی رقیبہ عقیبہ سے
مراد ہے اور جس وقت روح محمدی کی توجہ دائی حضرت
آدم سے ہٹ گئی تب ان سے لیان اور اس کے
نتائج ہوئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایان نکل جاتا ہے۔
روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایان سے مراد توجہ مصطفیٰ ہے یعنی جو مومن کوئی اچھا کام کرتا ہے تو
حضور کی توجہ کی برکت سے کرتا ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ ان کی بے توجہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس
حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی ثابت ہوا۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں
وَإِذَا سَمِعْتُ فَعَنْكَ قَوْلًا طَيِّبًا
وَإِذَا أَنْفَضْتُ فَلَا أَدْرِي إِيَّالَيْهِ
جب میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر سنتا ہوں اور جب دیکھتا ہوں تو آپ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا

چوتھی فصل حاضر ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتب ابول سے

تخذیر الناس صفحہ ۱۰ میں مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کہتے ہیں کہ الشَّيْءُ أَوَّلِي بِالْمَوْمِنِينَ
مِنْ الْفُسْهَمِ كَوْبَعْدِ لِحَاطِ صَلَ مِنْ الْفُسْهَمِ کے دیکھے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام
کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب ہے کہ ان کی جائزوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اعلیٰ بمعنی
اقرب ہے۔ ترجمہ صراط مستقیم مصنف مولوی السلیل دہلوی صفحہ ۱۳ میں جو بھی ہدایت حب عشقی کے بیان
میں کوئلے اور آگ کی مثال دے کر کہتے ہیں - اسی طرح سب اس طالب کے نفس کامل کو رحمانی خوش
اور مجذب کی مویں احدیت کے دریاؤں کی تہ میں کھینچ کر لے جاتی ہے تو اَنَا الْحَقُّ اور لَيْسَ نِي حَقِّي

سَوَى اللَّهِ كَأَوَّلِهِ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَيَصْرُوهَ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّذِي يَبْطِشُ بِهِ اور روایت کی رو سے لِسَانَهُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ بِهِ اسی حالت کی حکایت ہے۔ اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ تو خدائی طاقت سے دیکھتا سنتا اور چھوٹا اور بولتا ہے۔ یعنی عالم کی ہر چیز کو دیکھتا ہے بزر و نزدیک کی چیزوں کو کہہ دیتا ہے یہی حاضر و ناظر کے معنے ہیں اور جب معمولی انسان فنا فی اللہ ہو کر اس درجہ میں پہنچ جاوے تو سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر فنا فی اللہ کون ہو سکتا ہے تو بدرجہ اولیٰ حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے۔ امداد السلوک صفحہ ۱۰ میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

مرید بھی یقین سے جا کہ شیخ کی مسح ایک جگہ میں قید نہیں ہے مرید جہاں بھی ہو دور ہو یا نزدیک اگرچہ سیر کے جسم سے دور ہے لیکن سیر کی روحانیت دور نہیں جب بات بخت ہو گئی تو بر وقت سیر کی یاد رکھے اور ملی تعلق اس سے ظاہر ہوا دور ہو وقت اس سے فائدہ لیتا ہے مرید واقعہ جات میں سیر کا محتاج ہوتا ہے شیخ کو اپنے دل میں حاضر کر کے زبان حال سے اس مانگے سیر کی روح اللہ کے حکم سے منور افکار کی۔ مگر پورا تعلق منقطع ہے اور شیخ سے اسی تعلق کی وجہ دلی زبان گویا ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ اس کو صاحب الہام کر دیتا ہے۔

”ہم مرید یقین داند کہ روح شیخ مقید ایک مکان نیست پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعد اگرچہ شیخ دور اما روحانیت اور نیست چون اس امر محکم دارد ہر وقت شیخ زبیاں دارد و ربط قلب پیدا آید ہر دم مستفید بود مرید در حال واقعہ محتاج شیخ بود۔ شیخ را القلب حاضر آوردہ بلسان حال سوال کند البتہ روح شیخ باذن اللہ تعالیٰ القادخاں کرد و مگر ربط تام منقطع است و بسبب ربط قلب شیخ را لسان قلب ناظمی شود و بسوئے حق تعالیٰ راہ سے کشاں و حق تعالیٰ اور احدث می کند۔“

اس عبارت میں حسب ذیل فائدے ہیں (۱) سیر کا مریدوں کے پاس حاضر و ناظر ہونا (۲) مرید کا تقویٰ شیخ میں رہنا (۳) سیر کا حاجت ردا ہونا (۴) مرید خدا کو چھوڑ کر اپنے سیر سے مانگے (۵) سیر مرید کو افکار کرتا ہے۔ (۶) سیر مرید کا دل جاری کر دیتا ہے۔ جب سیر میں ربط قہیں ہیں تو جو ملائکہ اور انسانوں کے شیخ الشیوخ میں صلی اللہ علیہ وسلم ان میں یہ چھ صفات ماننا کیوں شرک ہے؟ اس عبارت نے تو مخالفین کے سارے مذہب پر پانی ہی پھیر دیا وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ سب تقویۃ الایمان ختم۔ حفظ الایمان صفحہ ۱۰ میں مولوی

اشرت علی صاحب تھا تو ہی لکھتے ہیں کہ ابو یزید سے پوچھا گیا ہے زمین کی نسبت تو آپ نے فرمایا یہ کوئی چیز کمال کی نہیں دیکھو ابلین مشرق سے مغرب تک ایک لمحہ میں قطع کر جاتا ہے۔

اس عبادت میں صاف اقرار ہے کہ آقا فنا مشرق سے مغرب تک پہنچ جانا اہل اللہ کو تو کیا کفار و شیطاں سے بھی ممکن ہے بلکہ ہوتا رہتا ہے اور یہ حاضر و ناظر کے معنی ہیں۔ تقویۃ الامیان کے لحاظ سے شرک ہے۔ مک الختام مصنفہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی دہلی کی عبارت ہم بحث ثبوت میں پیش کر چکے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ التعمات میں السلام علیک سے خطاب اس لئے ہے کہ حضور علیہ السلام عالم کے ذرہ ذرہ میں موجود ہیں۔ لہذا غازی کی ذات میں موجود و حاضر ہیں۔

ان عبارات سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہے۔

پانچویں فصل حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت دلائل عقلیہ سے

ال اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جامع کمالات ہے یعنی تمام کمالات کہ دیگر انبیائے کرام یا آئینہ ادبیائے عظام یا کسی مخلوق کو مل چکے یا ملیں گے وہ سب بیکراں سے بھی زیادہ حضور علیہ السلام کو عطا فرما دیئے بلکہ حضور ہی کے ذریعہ سے ان کو ملے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ قَبْهَذَا هُوَ اقْتَدَا بِآپ اُن سب کی راہ چلو۔ اس کی تفسیر درج البیان میں ہے۔

فَجَمَعَ اللَّهُ كُلَّ خَصْلَةٍ فِي حَبِيبِهِ عَلَيْهِ
السَّلَامُ۔

اللہ نے ہر نبی کی خصلت حضور علیہ السلام کو عطا فرمائی۔

مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری : آچھ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
نیز مولوی محمد قاسم صاحب تذییر الناس صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں اور انبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر امتوں کو پہنچاتے ہیں۔ غرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ نقل اور عکس محمد ہے اس قاعدے پر بہت سے دلائل قرآن و احادیث و اقوال علماء سے پیش کیے جاسکتے ہیں۔ مگر چونکہ مخالفین اس کو انتہے میں۔ اس لئے اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ تو پہلا قاعدہ یہ مسلم ہے کہ جو صفت کمال کی مخلوق کو ملی وہ انعم علی وجہ الہی حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر و ناظر

مہر عطا کیا گیا انشا پرے گا کہ یہ صفت بھی حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر ناظر ہونا کس کس مخلوق کو عطا ہوا۔ ہم نے اس بحث، حاضر ناظر کے مقدمہ میں عرض کر دیا ہے کہ حاضر ناظر ہونے کی تین معنی ہیں ایک جگہ رہ کر تمام عالم کو مثل کعبہ دست کے دیکھنا۔ ایک ان میں عالم کی سیر کر لینا اور صدائے کوں پر کسی کی مدد کر دینا اس جسم یا جسم مثالی کا منفرد جگہ موجود ہو جانا۔ یہ صفات بہت سی مخلوقات کو ملی ہیں۔

۱۱۔ روح البیان اور خازن و تفسیر کبیر وغیرہ تفاسیر میں پارہ ۱، سورہ انفصام۔
 حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدُكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا | یعنی ملک الموت کے پیشہ ساری زمین طشت

سیر کر لیتا ہے بجلی تار ٹیلیفون اور لائٹ سپیکر کی قوت کا یہ عالم ہے کہ آدھے سینکڑ میں زمین کے قطر کو طے کر لیتے ہیں حضرت جبریل کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب آدھے کنویں سے نیچے چلے اور حضرت جبریل سدرہ سے چلے یوسف علیہ السلام ابھی کنویں کی تہ کو نہ پہنچے تھے کہ جبریل سدرہ سے وہاں پہنچ گئے۔ دیکھو تفسیر روح البیان زیر آیت اَنْ يَّجْعَلُوْا لِيْ غِيَاثَةَ الْيَقِيْنِ حضرت خلیل نے خلق اسماعیل پر پھری چلائی۔ ابھی پھری روڑ نہ نہ ہوئی تھی کہ جبریل سدرہ سے مع ذنبہ خلیل اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت سلیمان کے وزیر آصف ابن برخیا نے ایک پلک جھپکنے سے پہلے بلقیس کا تخت بین سے لاکر شام میں حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر کر دیا جس کا ثبوت قرآن میں ہے کہ اَنَا اَنْتَ لِكَ بِمِ قَبْلَ اَنْ يَّزُوْدَ اَيْدِيَكَ طَرَفُ لَکْ مَعْلُوْم ہوا کہ آصف کو یہ بھی خبر تھی کہ تخت کہاں ہے۔ خیال کرنا چاہیے کہ پلک جھپکنے سے پہلے بین گئے بھی اور لوٹ بھی آئے اور اتنا ذوقی تخت بھی لے آئے۔ رہی یہ بحث کہ حضرت سلیمان میں تخت لائے کی طاقت تھی یا کہ نہیں وہ ہم اسی بحث کے دوسرے باب میں بیان کریں گے انشاء اللہ۔

معراج میں سارے انبیاء نے بیت المقدس میں حضور علیہ السلام کے چھپے نماز ادا کی۔ حضور براق پر تشریف لے گئے۔ اور براق کی رفتار کا یہ عالم کہ حد نظر اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ مگر رفتار انبیاء کا یہ عالم کہ ابھی بیت المقدس میں مقعدی تھے اور ابھی مختلف آسمانوں پر پہنچ گئے حضور فرماتے ہیں کہ ہم نے فلان آسمان پر فلان پیغمبر سے ملاقات کی جس سے معلوم ہوا کہ براق کی یہ برق رفتار ڈیڑھاں بھی کہ دو لہا گھوڑے پر سوار ہو کر خزاں ہی جایا کرتے ہیں اور انبیاء کی خدمت گزاری کا وقت تھا۔ ابھی بیت المقدس میں اور ابھی افلاک پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعة اللمعات آخر باب زیارة القبور میں فرمایا کہ ہر شخص اپنے کے دن مروجوں کی رو میں اپنے خویش و اقارب کے یہاں جا کر ان سے ایصال ثواب کی تمنا کرتی ہیں۔ اب اگر کسی میت کے خویش و اقارب دوسرے ممالک میں بھی رہتے ہوں تو وہاں ہی پہنچیں گی۔

ہماری اس گفتگو سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ سارے عالم پر نگاہ رکھنا ہر جگہ کی آنا فنا سیر کر لینا ایک وقت میں چند جگہ پایا جانا یہ وہ حقائق ہیں کہ رب نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں۔ اس سے دو باتیں لازم آئیں ایک تو یہ کہ کسی بندے کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا شرک نہیں کہ شرک کہتے ہیں۔ خدا کی ذات و صفات میں کسی اور کو شریک ماننا۔ یہاں یہ نہیں دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کے خدام میں ہر جگہ

رہنے کی طاقت ہے تو حضور علیہ السلام میں بدرجہ اولیٰ یہ صفت ہے۔

(۲) دنیا میں پانی اور دانہ ہر جگہ موجود نہیں۔ بلکہ خاص خاص جگہ ہے۔ پانی تو کنوئیں اور تالاب و دریا وغیرہ میں ہے دانہ کھیت یا گھر دلوں وغیرہ میں۔ مگر ہوا اور دھوپ عالم کے گوشہ گوشہ میں ہے کہ فلاں کے نزدیک خلا محال ہے ہر جگہ ہوا ہے۔ اس لئے کہ ہوا اور روشنی کی ہر وقت ہر چیز کو ضرورت ہے اور حبیب خدا علیہ السلام کی بھی ہر مخلوق الہی کو ہر وقت ضرورت ہے جیسا کہ ہم روح البیان وغیرہ کے حوالے سے ثابت کر چکے تو لازم ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر جگہ جلوہ گری ہے۔

(۳) حضور علیہ السلام تمام عالم کی اصل میں۔ *وَكُلُّ الْخَلْقِ مِنِّي* تو سرئی اور اصل کا اپنی فرع میں مادہ سارے مشتقات میں ایک کا سارے عددوں میں رہنا ضروری ہے۔

ہر ایک ان سے ہے وہ ہر اک میں ہیں وہ ہیں ایک عالم حساب کے
بنے وہاں کی وہ ہی بنا وہ نہیں جو ان سے بنا نہیں!

دوسرا باب (۲)

مسئلہ حاضر و ناظر پر اعتراضات کی بیانیہ

اعتراف (۱) ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے *عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ* اَبْكُلْ شَيْءٍ حَاطٌّ لِّهَذَا غیر میں یہ صفت ماننا شرک فی الصفت ہے۔

جواب :- ہر جگہ میں حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔ خدا نے تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے کتب عقائد میں ہے۔ *لَا يَخْرُجُ عَلَيْهِ شَيْءٌ مَّا تَدْرَأُ يَسْتَعْمِلُ عَلَيْهِ مَكَانٌ*۔ خدا پر نہ زمانہ گزرے کیونکہ زمانہ سفلی اجسام پر زمین میں رہ کر گزرتا ہے انہیں کی عمر موتی ہے۔ چاند سورج تارے سور و غلمان فرشتے بلکہ آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام معراج میں حضور علیہ السلام زمانہ سے علیحدہ ہیں اور نہ کوئی جگہ خدا کو گھیرے خدا تعالیٰ حاضر ہے مگر بغیر جگہ کے اسی لئے *ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ* کو متشابہات سے مانا گیا ہے اور *اَبْكُلْ شَيْءٍ حَاطٌّ* وغیرہ آیات میں مفسرین فرماتے ہیں *عَلَمًا وَقَدْرًا* یعنی اللہ کا علم اور اس کی قدرت عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔

وہی لامکان کے مکین ہوئے سر عرش تخت نشین ہوئے !

وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکان وہ خدا ہے جن کا مکان نہیں

خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسول خدا ہی کی شان ہو سکتی ہے اور اگر ان بھی یا جائے بغیر محال۔ تو بھی حضور علیہ السلام کی یہ صفت عطائی۔ حادث مخلوق قبضہ الہی میں ہے اور خدا کی یہ صفت ذاتی قدیم غیر مخلوق ہے کسی کے قبضے میں نہیں اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ جیسے کہ حیوۃ سمع بصر وغیرہ فتادے رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۱ میں ہے۔ "فخر دو عالم علیہ السلام کو مولود میں حاضر جاننا بھی غیر ثابت ہے اگر اے اعلام اللہ تعالیٰ جاننا ہے تو شرک نہیں ورنہ شرک ہے۔" یہی مضمون براہین قاطعہ صفحہ ۲۲ میں ہے مولوی رشید احمد صاحب نے رجسٹری نوادہ کر غیر خدا کو ہر جگہ حاضر نہ کرنا جاننا بہ عطا الہی شرک نہیں اگر کوئی کہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ حقیقت وجوب قدم وغیرہ دیگر صفات الہیہ بھی پیغمبروں کو عطائی مان و اور حضور کو خالق واجب قدیم کہا کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صفات قابل عطا نہیں کہ ان پر الوہیت کا مدار ہے، وجوب، قدیم، خلق، نہ مرنا دیگر صفات کی تجلی محکومات میں بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے سمع بصریات وغیرہ مگر ان میں بھی بڑا فرق ہوگا رب کی یہ صفات ذاتی، واجب، نہ مٹنے والی اور مخلوق کی عطائی، ممکن، فانی ہے

جو ہوتی خدائی بھی دینے کے قابل خدا بن کے آنا وہ بس خدا

اعتراف (۲) قرآن کریم نے فرمایا۔ وَمَا كُنْتُ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ۔
آپ ان کے پاس نہ تھے جبکہ وہ لوگ اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال رہے تھے۔

حضرت مریم کے حاصل کرنے کے لیے۔

وَمَا كُنْتُ لَدَيْهِمْ إِذْ اجْتَمَعُوا أَمْرَهُمْ۔
وَمَا كُنْتُ بِجَانِبِ الْعَرْشِ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ۔
آپ ان کے پاس نہ تھے جبکہ انہوں نے اپنے معاملہ پر اتفاق کیا
آپ مغربی کنارہ میں نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کی طرف حکم بھیجا۔

وَمَا كُنْتُ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا۔
آپ طور کی طرف نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کو آواز دی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ گزشتہ زمانہ میں جو یہ مذکورہ واقعات ہوئے اس وقت آپ دہلی موجود نہ تھے نہات ظاہر ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں۔

جواب :- یہ سوال اس وجہ سے ہے کہ معترض کو حاضر و ناظر کے معنی کی خبر نہیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حاضر و ناظر کی تین صورتیں ہیں ایک جگہ کہ کوسارے عالم کو دیکھنا۔ ان کی آن میں سارے عالم کی سیر کر لینا۔ ایک وقت میں چند جگہ ہونا۔ ان آیات میں فرمایا گیا کہ آپ باین جسم پاک دہاں موجود نہ تھے ان میں یہ کہاں ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرما رہے تھے اس جہد غصہ فری سے وہاں نہ ہونا اور ہے اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا کچھ اور بلکہ آیات مذکورہ بالا کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسے محبوب علیہ السلام آپ وہاں باین جسم موجود نہ تھے لیکن پھر آپ کو ان واقعات کا علم اور مشاہدہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ سچے نبی ہیں یہ آیات تو حضور کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کر رہی ہیں۔ تفسیر صادی میں دَعَا كُنْتَ يَحْيَا نَبِيَّ الطُّوْسِ الْآيَةِ کی تفسیر میں ہے :-

یعنی یہ فرمانا کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کی جگہ نہ تھے جسمانی لحاظ سے ہے عالم روحانی کی حیثیت سے حضور علیہ السلام ہر رسول کی رسالت اور آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے جسمانی ظہور تک کے تمام واقعات پر حاضر ہیں۔

وَهَذَا يَنْظُرُ إِلَى الْعَالَمِ الْجُمْهُمِ لَا قَامَةَ الْحُجَّةِ عَلَى الْخَصِمِ وَأَمَّا يَنْظُرُ إِلَى الْعَالَمِ الرَّحْمَنِ فَهُوَ حَاضِرٌ رَسَالَةٍ كُلِّ رَسُولٍ وَمَا دَعَمَ مِنَ لَدُنْ أَدَمَ إِلَى أَنْ ظَهَرَ بِحُجَّتِهِ الشَّرِيفِ (تفسیر ابوی سورہ قصص)

نیز ہجرت کے دن غار ثور میں صدیقِ صدق کو لیے ہوئے جلوہ گر ہیں کہ کفار مکہ دروازہ غار پر آپہنچے حضرت صدیق پریشان ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ | غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ تو ہے مگر ان کفار کے ساتھ نہیں لہذا خدا ہر جگہ نہیں کیونکہ کفار بھی تو عالم ہی میں تھے نیز غزوہ احد سے فارغ ہو کر کفار سے خطاب فرمایا۔

اللَّهُمَّ إِنَّا أَعْلَمُ بِمَا لَكُمْ | اللہ ہمارا مولیٰ ہے تمہارا مولیٰ کوئی نہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی سلطنت و حکومت فقط مسلمانوں پر تو ہے کفار پر نہیں۔ مولیٰ بمعنی والی۔ تو جس طرح اللہ دونوں کلاموں میں توجیہ کر دے کہ پہلے کلام سے مراد ہے کہ اللہ رحم و کرم سے ہمارے ساتھ ہے اور جبہ و قہر سے کفار کے ساتھ اور دوسرے کلام میں مراد ہے کہ مدد و کاروائی تمہارا ہے تمہارا والی تو ہے مگر ناصر اور مہربان نہیں اسی طرح اہل ایمان سے بھی کہا جائیگا کہ بطریقِ ظاہر باین جہد غصہ فری آپ اس وقت انکے پاس نہ تھے۔

اعترض ۱۳) قرآن کریم فرماتا ہے: **وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوا عَلَى الْقَدَرِ لَمَّا عَلِمُوا مَكْرَهُنَّ**۔
 اور کچھ مدینہ والے ان کی خوشبوگئی ہے۔ نفاق ان کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔
 اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر نہیں رہنا آپ کو منافقین کے اندر مافی الذل کی بھی خبر ہوتی حالانکہ آپ ان سے بے خبر تھے۔

جواب: اس کا تفصیل جواب ہم بحث علم غیب میں اسی آیت کے تحت دے چکے ہیں۔

اعترض ۱۴) بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ زید ابن ارقم نے عبداللہ ابن ابی کی شکایت کی کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے لا تَقْفُوا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ سَلَامًا کو کچھ حرق نہ دو۔ عبداللہ ابن ابی نے بارگاہ الہی میں آکر چھوٹی قرآن کھالی کہ میں نے یہ نہ کہا تھا فَصَدَّقَهُمْ وَكَذَّبَنِي حضور علیہ السلام نے ان کو سچا مان لیا اور مجھ کو جھوٹا۔ اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ تو ان ابی کی غلط فہمی کیوں کر نہ جب آیت کریمہ نازل ہو کر زید ابن ارقم کی تصدیق کی تو یہ سچے ہوئے۔

جواب: عبداللہ ابن ابی کی تصدیق فرمادینے سے لازم نہیں کہ آپ کو اصل واقعہ کا علم بھی نہ ہو شرم مقدمہ میں ضروری ہے کہ یا تو مدعی گواہ پیش کرے۔ ورنہ مدعی علیہ قسم بکا کہ مقدمہ جیت لیگا کیونکہ تاقاضی کا فیصلہ مدعی کی گواہی یا مدعا علیہ کی قسم پر ہوتا ہے نہ کہ تاقاضی کے ذاتی علم پر زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ مدعی تھے کہ ابن ابی نے تو میں کی اور ان ابی منکر چونکہ حضرت زید کے پاس گواہی نہ تھی عبداللہ کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا۔ پھر جب قرآن نے زید کی گواہی دی تب اس گواہی سے انکی تصدیق ہوئی۔ قیامت میں گذشتہ کفار اینار کی تبلیغ کا اٹھ کر یں گے اور اینار دعویٰ رب العلیہ امت مصطفیٰ علیہ السلام سے انبیاء کرام کے حق میں گواہی لیکر اینار کلام کی تصدیق فرمایا۔ اسی طرح کفار عرض کریں گے وَاللّٰهِ رَبِّ اَمَّا كُنَّا نَسْتَبْشِرُكَ بِخَدَاكِ قَسَمِ ہم مشرک نہ تھے تب انکے نامہ اعمال اور ملائکہ اور ان کے اعضاد سے گواہی لیکر ان کے خلاف فیصلہ ہوگا۔ تو کیا رب کو بھی اصل واقعہ کا پتہ نہ تھا۔ ضرور تھا مگر یہ قانون کی پابندی ہے کذب نبی کے معنی ہیں کہ میری بات نہ مانی۔ یہ معنی انہیں کہ مجھ کو جھوٹا فرمایا۔ کیونکہ جھوٹا فاسق ہوتا ہے اور تمام صحابہ عادل ہیں اور کسی مسلمان کو بلا دلیل فاسق نہیں کہا جاسکتا۔ کبھی دیوبندی کہتے ہیں کہ کیا نبی علیہ السلام گندی جگہ اور دوزخ میں بھی حاضر ہیں۔ ان کو ملان ماننا بے ادبی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا ہر جگہ حاضر ہونا ایسا ہے جیسے سورج کی شعاع یا نور نظر یا فرشتوں کا ہر جگہ ہونا کہ یہ چیزیں ہر جگہ موجود ہیں۔ مگر گندی سے گندی نہیں ہوتی

بتاؤ تم رب کو ان سب جگہ حاضر مانتے ہو یا نہیں؟ اگر مانتے ہو تو اس کی بے اہلی ہوئی یا نہیں۔ نورانی
گندی بجائے پڑنے سے ناپاک نہیں تو حقیقت محمدیہ جسے سب نور فرماتے اس پر ناپاکی کے اس کام کو کیوں جاری رکھتے
اعتراف (۵) ترمذی میں ابن مسعود سے روایت ہے۔

لَا يَزَالُ يُعَذِّبُكَ عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِكَ
فَأَمَّا أَحِبُّ أَنْ أَسْأَلَكُمْ وَأَنَا سَلِيمٌ مِنَ الْمَعْدَرِ
الْحَضُورِ عَلَى التَّكْلَامِ بِجَدِّ حَاضِرٍ بَوَسْتِ تَوْبَةٍ مَنِ بَعَاثَ كَيْفَ اضْطُرَّتْ تَحْتِي - آپ کو دیے یہ خبر رہتی۔

جواب :- انبیائے کرام کے علم شہوری میں ہر وقت ہر چیز رہتی ہے مگر ہر چیز پر ہر وقت تو ہر
رہنا ضروری نہیں۔ اس کے متعلق ہم بحث علم غیب میں حاجی امداد اللہ صاحب کی عبارت پیش کر
چکے ہیں۔ اب حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ہم کو لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ دلا کر کسی کی طرف
سے ناراض نہ ہوا۔ ایسا بنا کر شام ہوا۔ درود کی دعا کہ جسے جب تک ہم تم کو چھوڑے رہیں تم بھی
چھوڑے رہو۔

اعتراف (۶) پہنچے ہیں جسے مَنِّي صَلَّيْ عَلَى عَبْدِكَ
قَبْرِي سَمِعْتَهُ وَمَنِّي صَلَّيْ عَلَى نَائِيَا
أَبْلَغْتَهُ۔
جو شخص ہم پر ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے
تو ہم خود سنتے ہیں اور خود سے درود بھیجتا ہے
تو ہم تک پہنچایا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دور کی آواز آپ تک نہیں پہنچتی مگر نہ پہنچاتے جانے کی کیا ضرورت ہے۔
جواب :- اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ درود ہم نہیں سنتے۔ مطلب بالکل ظاہر ہے کہ قریب
والے کا درود تو صرف خود سنتے ہیں۔ اور دور والے کا درود سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے ہم حاضر
و ناظر کے ثبوت میں دلائل الخیرات کی وہ روایت پیش کر چکے ہیں کہ اہل محبت کا درود تو ہم نفس نفیس
خود سن لیتے ہیں۔ اور غیر محبت والوں کا درود پہنچایا جاتا ہے تو دور و قریب سے مراد دلی دوری قریبی
ہے نہ کہ مسافت کے لحاظ سے۔

گر بے مینی و پیش مینی در مینی پیش مینی
پہنچائے جانے سے لازم نہیں آتا کہ آپ اس کو سنتے ہی نہیں۔ درود ملائکہ بندوں کے اعمال بارگاہ
الہی میں پیش کرتے ہیں تو کیا رب کو خبر نہیں۔ درود کی پیشی میں بندوں کی عزت ہے کہ درود پاک کی

برکت سے ان کا یہ رتبہ ہوا کہ غلاموں کا نام شہنشاہ انام کی بارگاہ میں آگیا۔ مُنْعَى اللّٰهِ عَلَیْہِمْ وَتَلَم۔
 فقہار فرماتے ہیں کہ نبی کی توہین کرنے والے کی توہین قبول نہیں۔ دیکھو شامی باب المرتدین کیونکہ یہ
 توہین حق العیالو ہے جو توہرے معاف نہیں ہوتا اگر توہین کی حضور کو خبر نہیں ہوتی تو یہ حق العید کیونکہ
 بنی۔ غیبت اسی وقت حق العید بنتی ہے جب اس کی خبر اس کو ہو جاوے جس کی غیبت کی گئی در حق اللہ
 رہتی ہے۔ دیکھو شرح فقہ اکبر مصنف ملا علی قاری۔

کتاب علماء الافہام مصنف ابن قیم شاگرد ابن تیمیہ صفحہ ۳، حدیث نمبر ۱۰۰۰ ہے۔
 لَیْسَ مِنْ عِبَادِ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بِاَعْیَ صَوْتِہٖ
 یعنی کوئی کہیں سے درود شریف پڑھے مجھے اسکی
 آواز نہ سنی جتنی ہے۔ یہ درود بعد وفات بھی رہیگا۔
 حَدِیثٌ کَانَ قَدْ اَبْعَدَ فَاَتَیْتُکَ اَلَّ وَبَعْدَ وَفَاتِیْ۔

جلال الافہام مطبوعہ ادارہ الطباعة المنیرية صفحہ ۳، انیس الجلیس مصنف مولانا جلال الدین سیوطی صفحہ
 ۲۲۲ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔
 اَحَابَیَّ اِلَیَّ اَحْوَانِیْ سَلَوْا عَلَیَّ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ اَلَا تَنْبِیْ وَ
 اَلْجَمْعَہُ یَعْدُو فَاَتَیْتُکَ اَلَّ اَسْمَعُ صَلَوَاتُکُمْ بِیْلَہُ اَسْطَہُ

یعنی ہر جمعہ و پیر کو مجھ پر درود زیادہ پڑھو میری وفات
 کے بعد کیونکہ میں تمہارا درود بلا واسطہ سنتا ہوں۔
 اعترض (۱) فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔
 مَن قَالَ اِنَّ اَمْرَہُ دَامَ الْمُسْتَاخِجَ حَاضِرَہُ تَعْلَمُ

جو کہے کہ مشائخ کی روحیں حاضر ہیں بجا نہیں ہیں وہ
 کافر ہیں۔
 یُکْفَرُ۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۵۵ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین و الواصلین و الوہیت
 از علم غیب نشین فریادہر کس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدرات ثابت کنند یعنی نبی اور پیغمبروں کے
 لئے خدائی صفات جیسے علم غیب اور ہر جگہ سے ہر شخص کی فریاد سنا اور تمام ممکنات پر قدرت ثابت کرتے
 ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدائی صفت ہے۔ کسی اور میں ماننا مزاح
 کفر ہے۔ بزازیہ فقہ کی معتبر کتاب ہے وہ حکم کفر دے رہی ہے۔

جواب: ۱۔ فتاویٰ بزازیہ کی ظاہر عبارت کے زو میں تو مخالفین بھی آتے ہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ ہم
 اہل السلوک مختلف مولوی رشید احمد صاحب کی عبارت میں کچکے ہیں۔ جس میں انہوں نے نہایت صفائی
 سے شیخ کی روح کو مریدین کے پاس حاضر جانے کی تعلیم دی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ بزازیہ کی عبارت

میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کس جگہ روح مشائخ کو حاضر جانے پر جگہ یا بعض جگہ اس اطلاق سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مشائخ کی روح کو ایک جگہ بھی حاضر جانے یا ایک بات کا بھی علم مانے تو کافر ہے اب مخالفین بھی ارواح مشائخ کو ان کی قبر یا مقام علیین برزخ وغیرہ جہاں وہ رہتی ہیں۔ وہاں تو حاضر مانینگے ہی بس بس کہیں بھی مانا کفر ہوتا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ ہم اس بحث حاضر ناظر میں شامی کی عبارت پیش کی ہے کہ میں کریم حاضر یا ناظر کہنا کافر نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ ہم اشعۃ اللمعات اور احیاء العلوم بلکہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی دہلوی کی عبارت بیان کی ہے کہ میں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نمازی اپنے قلب میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر اللہ عَزَّوَجَلَّ اٰتٰہَا التَّحٰی کھے۔ اب ان اکابر فقہاء پر بیزاری کا فتویٰ جاری ہو گیا یا نہیں۔ لہذا مانا ہو گا کہ بیزاری میں جس حاضر ناظر ماننے کو کفر یا اہبار مانا ہے وہ حاضر ناظر ہونا ہے جو صفت اللہ ہے یعنی ذاتی، قدیم، واجب، بغیر کسی جگہ میں ہونے کو ایسا حاضر ہونا بس کی صفت ہے وہ ہر جگہ ہے مگر کسی جگہ میں نہیں۔ پہلے سوال کے جواب میں ہم فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب ابداعات صغیرہ کی عبارت اور بزمین، ناطقہ صفحہ ۲۲ کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ مولوی رشید احمد خلیل احمد صاحبان بھی اس فتوے میں ہم سے متفق ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت بالکل واضح ہے کہ مشائخ و انبیاء کی قدرت، اہم مقدرات اللہ پر اللہ کی طرف ان کا کفر ہے۔ درمختصر شاہ عبدالعزیز صاحب وَیَكُوْنُ الْمَرْسُوْلُ عَلَیْكُمْ سَیِّدًا کے ماتحت حضور علیہ السلام کو حاضر ناظر مانتے ہیں۔ ان کی بحث علم غیب میں اسی آیت مذکورہ کے ماتحت لکھ چکے ہیں۔

اعتراف (۸) اگر حضور حاضر بھی ہیں اور نور بھی تو چاہیے کہ رات میں کبھی اندھیرا نہ ہو مگر ہر جگہ اندھیرا ہوتا ہے لہذا تو حضور نور نہیں یا نور میں مگر ہر جگہ حاضر نہیں۔

جواب اس کے دو ہیں ایک لازمی دوسرا تحقیقی۔ جواب لازمی تو یہ ہے کہ قرآن مجید نور ہے اور ہر گھر میں بھی نیز فرشتے نور بھی ہیں اور ہر انسان کے ساتھ بھی نیز رب تعالیٰ نور بھی ہے اور ہر ایک کے ساتھ بھی مگر پھر بھی رات کو اندھیرا ہوتا ہے لہذا تو فرشتے۔ قرآن۔ نبی تعالیٰ نور نہیں یا عامہ نور نہیں۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن۔ فرشتوں کی نورانیت ایمانی ہے اور نور کو دیکھنے کے لئے دیکھنے والے میں بصیرت کا نور چاہیے بعض مقبول لوگ وہ نور اب بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

اعتراف (۹) بعض مخالفین جب کوئی راستہ نہیں پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم امیر ہیں ہر جگہ پہنچ جانا یہ طاعت مانتے ہیں۔ اسی طرح آصف ابن برخیا اور مالک الموت اور ملائکہ میں یہ طاعت تسلیم کرتے ہیں مگر یہ نہیں مانتے کہ وہ مخلوق کے

کمالات پیغمبروں میں یا حضور علیہ السلام میں جمع ہیں۔ مولوی قاسم صاحب تحفہ بالناس میں لکھتے ہیں کہ رہا عمل اس میں بسا اوقات غیر نبی نبی سے بڑھ جاتے ہیں جو مالمذنبین میں مولوی حسین احمد صاحب نے لکھا کہ دیکھو تخت عقیس لانے کی طاقت حضرت سلیمان میں تھی اور آصف بن یحییٰ در تاج خود ہی کیوں نہ لے آتے اسی طرح ہمدرد نے کہا کہ اَحَلَّتْ لِي مَا لَكَ تَحْتَ طَبْعِهِ خَيْرًا اے سلیمان میں وہ بات معلوم کر کے یا ہوں جس کی خبر آپ کو نہیں نیز بید کی آنکھ زمین کے اندر کا پانی دیکھ لیتی ہے اسی سے وہ حضرت سلیمان کی خدمت میں متناہا کہ جنگ میں نہیں کے اندر کا پانی بتائے اور حضرت سلیمان کو اس کی خبر نہ تھی معلوم ہوا کہ انبیاء کے علم و طاقت سے غیر نبی بلکہ جانور کا علم و طاقت زیادہ ہو سکتا ہے۔

جواب: غیر نبی میں نبی سے زیادہ یا کسی اور نبی میں حضور علیہ السلام سے زیادہ کمال ماننا صریح آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ اور اجماع اُمت کے خلاف ہے خود مخالفین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی عبارات جہم پیش کرتے ہیں۔ یہ آٹھواں اعتراض خور اپنے مذہب کو چھوڑنا ہے۔ شفا شریف میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ فلاں کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ وہ کافر ہے۔ کسی بھی کمال میں کسی کو حضور علیہ السلام سے زیادہ ماننا کفر ہے کوئی غیر نبی نبی سے نہ تو علم میں بڑھ سکتا ہے نہ عمل میں۔ اگر کسی کی عمر سو سال ہو اور وہ اس تمام مدت میں عبادت ہی کرے اور کہے کہ میری عبادت تو سو سال کی ہے اور حضور علیہ السلام کی عبادت کل پچیس برس کی۔ لہذا عبادت میں حضور سے میں بڑھ گیا وہ بے دین ہے۔ ان کے ایک مجدد کے کا جو ثواب ہے وہ ہمارے لاکھوں برس کی عبادت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مدت یہ ہوا اگر اس کی محنت زیادہ ہوئی مگر قرب الہی، درجہ اور ثواب میں نبی سے اس کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ شان نبی تو بہت بلند و بالا ہے۔ شکوہ باب فضائل الصحابہ میں ہے کہ میرے صحابی کا تھوڑے جو خیرات کرنا تمہارے برابر بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ شمعون بنی اسرائیل نے ایک ہزار ماہ یعنی ۳۰ سال چار ماہ مسلسل عبادت کی۔ مسلمانوں کو اس پر رشک ہوا کہ ہم اس کا درجہ ثواب کیسے پائیں تو آیت کریمہ اُتاری لَيْلَةَ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ شب قدر تو ہزار ماہ سے بھی بہتر ہے۔ یعنی اے مسلمانو تم کو ہم ایک شب قدر دیتے ہیں کہ اس شب میں عبادت بنی اسرائیل کی ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے تو حضور علیہ السلام کی ایک ایک ساعت لاکھوں شب قدر سے افضل ہے۔ جس مسجد پاک کے ایک گوشہ میں سید الانبیاء ارام فرما میں یعنی مسجد نبوی دلائل کی ایک رکعت پچاس ہزار کے برابر ثواب رکھتی ہے۔ جن کے قریب میں ہماری عبادت ایسی چھوٹی چھلتی ہے تو ان کی عبادت کا کیا پوچھنا ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ آصف بن برخیا میں تخت لانے کی طاقت تھی نہ کہ حضرت سلیمان میں محض یہودہ کو اس

قرآن کریم فرماتا ہے ۔

وَقَالَ الَّذِينَ عِنْدَهُ عِلْمُ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَنَّكَ إِلَيْكَ طَرَفَكَ
 اس نے کہا جس کو کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت
 بلقیس کو آپ کے پاک چھکنے سے پہلے اپنے خدمت کر دوں گا
 معلوم ہوا کہ آصف کی یہ قدرت علم کتاب کی وجہ سے تھی ۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کو اسم اعظم یاد تھا
 جس سے وہ یہ تخت لائے ۔ ان کو یہ علم حضرت سلیمان کی برکت سے ملا ۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ان میں
 یہ قدرت ہو اور ان کے ساتھ سیدنا سلیمان علیہ السلام میں نہ ہو بلکہ یہ کہ پھر آپ خود کیوں نہ لائے دجہ بالکل ظاہر
 ہے کہ کام کرنا خدا کا کام ہے نہ کہ سلاطین کا وہ بدیہ سلطنت چاہتا ہے کہ خدام سے کام لیا جاوے ۔ بادشاہ
 اپنے نوکروں سے پانی منگو کر پیتا ہے تو کیا خود اس میں پانی لینے کی طاقت نہیں ۔ رب العالمین دنیا کے
 سارے کام فرشتوں سے کرتا ہے کہ بارش برسانا جہاں نکالنا ۔ پیٹ میں بچہ دینا سب ملائکہ کے سپرد
 ہے تو کیا خدا میں یہ طاقت نہیں ہے ۔ کیا فرشتے خدا سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں ۔

تفسیر روح البیان نے زیر آیت قَصَبًا مِّنْ شَجَرَةٍ مَّتَّعْنَا بَعْثُیْ پارہ پنجم سورہ نساء بیان فرمایا ہے
 کہ حضرت سلیمان کا آصف کو بلقیسی تخت لانے کا حکم دینا اس لئے تھا کہ آپ نے اپنے وزیر سے اترنا نہ چاہا
 یعنی یہ کام خدام کا ہے ۔ اسی طرح ہد ہ کا قول قرآن نے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جسکی
 آپ کو خبر نہیں ۔ قرآن نے کہاں فرمایا کہ واقعی آپ کو خبر نہ تھی ہد ہ سمجھا کہ شاید اس کی خبر حضرت کو نہ
 ہوگی یہ کہہ دیا لہذا اس سے سند نہیں پوچھی جا سکتی ۔

نیز ہد ہ نے عرض کیا کہ اَحَطْتُ بِمَا كُنْتُ تَحْطُ بِهِ میں وہ بات دیکھ کر آیا ہوں آپ نے نہ دیکھی یعنی اس
 ملک میں آپ بہ این جسم شریف مشاہدہ فرمانے نہ گئے خبر کی نفی نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو سب کچھ
 خبر تھی مگر مشا الہی یہ تھا کہ اتنا بڑا کام ایک ہد ہ چڑھایا کہ ذریعہ ہونا کہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کے پاس
 بیٹھنے والے جانور وہ کام کر دکھاتے ہیں جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہو سکتے اگر حضرت سلیمان کو خبر نہ تھی
 تو آصف ابن برخیا بغیر کسی سے پتہ پوچھنے میں کے شہر میں بلقیس کے گھر کیسے پہنچے اور ان کی آن میں تخت
 کیسے لے آئے ؟ معلوم ہوا کہ سارا ملک میں حضرت آصف کے سامنے تھا تو پھر حضرت سلیمان سے کیسے منفی رہ
 سکتا ہے ۔ یوسف علیہ السلام کو باپ کا پتہ معلوم تھا ۔ مگر وقت سے پہلے اپنی خبر نہ دی تاکہ غلط سانی پڑے
 اور آپ کی شان دنیا کو معلوم ہو ۔ پھر باپ سے ملاقات ہو ۔ نر نہ میں کے نیچے کا پانی معلوم کرنا ہد ہ کی یہ خدمت

مختی سلاطین ان کاموں کو آپ نہیں کرتے۔ مشنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے موزے اتار کر رکھ دینے کو ایک چیل نے چھٹ کر ایک موزہ اٹھایا اور اوپر سے جا کر اٹا کر کے پھینک دیا۔ جس میں سے سانپ نکلا۔ حضور علیہ السلام نے چیل سے دریافت فرمایا کہ تو نے یہ موزہ کیوں اٹھایا؟ عرض کیا کہ جب میں رتی ہوئی آپ کے سر مبارک کے مقابل آئی تو آپ کے سر سے آسمان تک وہ نور تھا کہ اس میں آکر چھو پر زمین کے ساتوں طبقے روشن ہو گئے۔ اس سے میں نے آپ کے موزے کے اندر کا سانپ دیکھ لیا تو اس خیال سے اٹھایا کہ شاید آپ بے توجہی میں اس کو پہن لیں اور آپ کو تکلیف پہنچ جاوے مولنا فرماتے ہیں کہ

مار در موزہ بہ سیسم از ہوا ! ۛ نیست از من عکس تست اے مصطفیٰ
پھر حضور نے فرمایا کہ

گر چہ ہر غیبی خدا مارا نمود ۛ دل دریں لحظہ بحق مشغول بود
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بار عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آج بہت تیز بارش آئی اور آپ تبرستان میں تھے آپ کے کپڑے کیوں تر نہ ہوئے؟ فرمایا کہ عائشہ تم نے کیا اڑھا ہوا ہے؟ عرض کیا کہ آپ کا تہ بند شریف فرمایا کہ
گفت بہر آن نمود اے پاک حبیب ۛ چشم پاک را خدا باران غیب !
نہست این باران از من ابر شما ۛ بہت باران دیگر و دیگر سما !
اے محبوبہ اس تہ بند شریف کی برکت سے تمہاری آنکھوں سے غیب کے پردے کھل گئے۔ یہ بارش نور کی تھی نہ کہ پانی کی بارش۔ اس کا باران اور آسمان ہی دوسرا ہے۔ اے عائشہ یہ کسی کو نظر نہیں آیا کرتی۔ تم نے ہمارے تہ بند کی برکت اس کو دیکھ لیا۔ بد بد کی آنکھ کو یہ طاقت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پانی ڈالنے کی برکت سے ملی اور حضرت سلیمان کی صحبت سے۔

اعتراف (۹) اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو مدینہ پاک حاضر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔
جواب : جب خدا ہر جگہ ہے تو کعبہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر معراج میں حضور علیہ السلام کے عرش پر جانے کا کیا نامہ تھا؟ جناب مدینہ منورہ دار السلطنت ہے۔ اور حاصل یہی گاہ جیسے کہ برقی طاق ہے۔ جیسے پادشاہ اس بلکہ ادب اللہ کی قبر مختلف پادروں کے قلعے ہیں۔ ان کی بھی زیارت ضروری ہے۔

اعتراف (۱۰) اگر حضور حاضر ناظر ہیں تو تم لوگ نماز کی امامت کیوں کرتے ہو ہر جگہ حضور ہی امام ہونے چاہئیں۔

جواب: کسی آیت یا حدیث میں یہ نہیں کہ حضور کی موجودگی میں کوئی امامت نہیں کر سکتا۔ حضرت صدیق اکبر نے حضور کی حیات شریف میں ۷ نمازیں پڑھائیں۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے حضور کی موجودگی میں نماز فجر پڑھائی۔ خود حضور انور نے اُن کے پیچھے ایک رکعت پڑھی۔ جناب امامت کے لئے ضروری ہے کہ امام حاضر بھی ہو نظر بھی آئے نماز بھی پڑھائے حضور حاضر ہیں اور تمام جہان کو ملاحظہ فرما رہے ہیں مگر وہ تو نظر نہیں آتے ناظر ہیں مگر منظور نہیں نیز آپ یہ نماز کسی کو نہیں پڑھاتے کہ یہ نماز اسی عالم کی چیز ہے حضور دوسرے عالم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور حضور پر اب نماز فرض نہیں ہم پر فرض ہے فرض والا نفل والے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا۔

حضور علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث

اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ: نبی کی تعریف اور ان کے درجات کے بیان میں

عقیدہ: نبی وہ انسان مرد ہیں جن کو اللہ نے احکام شریعی کی تبلیغ کے لئے بھیجا (شرح عقائد) لہذا نبی نہ تو غیر انسان ہو اور نہ عورت۔ قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا أَمْرُنَا بِمَنْ قَبْلِكَ إِلَّا بَرَاءٌ لَّنَا نُنْفِئُ جُنَّ اور ہم نے آپ سے پہلے نہ بھیجا مگر ان مردوں کو جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ اَلَيْسَ هُمْ۔

معلوم ہوا کہ جن فرشتہ، عورت وغیرہ نبی نہیں ہو سکتے۔ عقیدہ نبی ہمیشہ اعلیٰ خاندان اور عالی نسب میں سے ہوتے ہیں اور نہایت عمدہ اخلاق ان کو عطا ہوتے ہیں۔ ذیل قوم اور ادنیٰ حرکات سے محفوظ (بہار شریعت) بخاری جلد اول کے شروع میں ہے کہ جب ہر قتل بادشاہ روم کے پاس حضور علیہ السلام کا فرمان عالی پہنچا کہ اَسْلِمْتُ اَسْلِمْتُ اسلام لے آ سلامت رہے گا۔ تو قتل نے اوسنیان کو بلا کر حضور علیہ السلام کے متعلق کچھ سوالات کیے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ کَيْفَ نَسَبُ فَيَسِّرْ لَنَا قَمِمْ اِن کا خاندان و نسب کیا ہے؟ اوسنیان نے کہا هُوَ قَيْنَا ذُو نَسَبٍ وہ ہم میں نہایت اعلیٰ خاندان والے میں یعنی قریشی

ہاشمی و مطلبی میں صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں سبر قل نے کہا وَكَذَلِكَ الرَّسُولُ مُمِثِّلٌ فِي قَوْمِهِمَا
 ہمیشہ انبیائے کرام عالی قوم و اعلیٰ خاندان میں بھیجے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام
 عالی خاندان میں تشریف لاتے ہیں۔

تنبیہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے یعنی معاذ اللہ بھنگیوں، چماروں، ہندوؤں
 بدھ اور عینی وغیرہ میں ان ہی کی قوم سے آئے۔ ہذا لال گرد، کرشن، گوتم بدھ وغیرہ چونکہ نبی تھے اس لئے
 ان کو بڑا کہو۔ قرآن فرماتا ہے۔ لَکَلِّ قَوْمٍ هَادٍ سِرِّ قَوْمٍ مِّنْ ہَادِیِّہِمْ۔ نیز عورتیں بھی نبی ہوئی ہیں۔ کیونکہ
 حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت مریم کو وحی ہوئی اور جس کو وحی ہو وہ نبی ہے۔ دَاوْحٰیْنَا اِلٰی اٰمِرٍ
 مَّوْسٰی وَغَیْرَ ہٰذِیْہِ عَوْرَتِیْنِیْہِمْ۔ مگر یہ دونوں قول غلط ہیں اول تو اس لئے کہ وہ آیت پوری نہیں
 بیان کی اور ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔ آیت یہ ہے۔ اِنَّمَا اَنْتَ مُنذِرٌ وَلَکَلِّ قَوْمٍ هَادٍ سِرِّ قَوْمٍ مِّنْ ہَادِیِّہِمْ
 سنانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہو۔ یعنی ہر قوم کا ہادی ہونا حضور علیہ السلام کی صفت ہے۔ دیگر انبیاء
 خاص خاص قوموں کے نبی ہوتے تھے اور اسے محبوب قوم ہر قوم کے نبی ہو۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ
 اس آیت کے یہ ہی معنی ہیں کہ ہر قوم میں ہادی ہوئے تو یہ کہاں ہے کہ ہر قوم میں اس ہی قوم سے
 ہادی ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ اشرف قوم میں نبی آئے۔ دیگر تو میں بھی ان کے ماتحت رہیں۔ حضور علیہ
 السلام قریشی ہیں۔ مگر چٹکان، شیخ سید غفرانیکہ ساری قوموں بلکہ ساری مخلوق کے نبی ہیں نیز لفظ ہادی
 عام ہے کہ نبی ہو یا غیر نبی۔ تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر قوم میں اس قوم میں سے بعض بعض کے لئے
 رہبر ہوئے۔ بلکہ مہادیو، کرشن وغیرہ کی ہستی کا بھی شرعی ثبوت نہیں قرآن و حدیث نے ان کی خبر
 نہ دی۔ صرف بت پرستوں کے ذریعہ ان کا پتہ لگا وہ بھی اس طرح کہ کسی کے چار ہاتھ کسی کے چھ پاؤں
 کسی کے منہ پر ہاتھ کی سی سونڈ کسی کے چوڑ پر لنگور کی سی دم۔ ان کے نام بھی گھڑے ہوئے
 اور ان کی صورتیں بھی۔ رب نے عرب کے بت پرستوں کو فرمایا۔

اِنَّہِیْ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّیْتُمْوْہَا اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُکُمْ | یہ تہارے اور تہارے باپ دادا کے گھڑے نام ہیں

جب ان کے ہونے کا ہی یقین نہیں تو انہیں نبی مان لینا کون سی عقلمندی ہے۔

دوسرے قول اس لئے غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے دل میں القاریا الہام
 کیا گیا تھا جسے قرآن نے اَوْحٰیْنَا سے تعبیر کیا وحی یعنی الہام بھی آتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے

رحم فرما اس تو اور تیرے کی حیثیت اور ہے۔

۱۱) قرآن کریم فرماتا ہے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ

رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تم کو خبر نہ ہو۔

ضبطی اعمال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے مدارج بعد اول و عمل از جملہ رعایت حقوق ادیت میں ہے مخوانید اور ابنا م مبارک اور چنانکہ می خوانید بعضے از شما بعض را بلکہ گویند یا رسول اللہ یا نبی اللہ یا توفیر و توجیع یا نبی علیہ السلام کو ان کا نام پاک سے کرنے بلا وجہ بعض بعض کو جلاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ توفیر و عزت کے ساتھ۔ تفسیر روح البیان زہریت لَا تَجْعَلُوا ہے۔

وَالْمَعْنَى لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ كَمَا يَأْتَاهُ وَتَمَيَّنْ تَكُونُ لَهُ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا لِاسْمِهِ مِثْلُ يَا مُحَمَّدٌ وَيَا ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ وَلَكِنْ بَلَقَ بِهِ الْعَظُمُ مِثْلُ يَا سَيِّدِي اللَّهُ وَيَا رَسُولَ اللَّهِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَيَا أَيُّهَا الرَّسُولُ

معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض لوگ بعض کو نام سے پکارتے ہیں جیسے یا محمد اور یا ابن عبد اللہ وغیرہ لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکارو جیسے یا نبی اللہ یا رسول اللہ عیسیٰ کہ خود رب تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا النبی یا ایہا الرسول

ان آیات قرآنیہ اور اقوال مفسرین و محدثین سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا جاوے نہ در میں کلام میں ہر اوامیں۔

۱۲) دنیاوی عظمت والوں کو بھی ان کا نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔ ماں کو والدہ صاحبہ، باپ کو والد ماجد، بھائی کو بھائی صاحب جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اگر کوئی اپنی ماں کو باپ کی بیوی یا باپ کو ماں کا شوہر کہے یا اس کا نام لے کر پکارے یا اس کو بھیا وغیرہ کہے۔ تو اگر یہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب گستاخ کہا جائیگا کہ برابر ہی کے کلمات سے کیوں یا رکھا۔ حضور علیہ السلام تو خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں ان کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے۔ مگر میں بہن ماں بیوی بیٹی سب ہی عورتیں ہیں مگر ان کے نام و کام و احکام جدا گانہ جو ماں کو بیوی یا بیوی کو ماں کہہ کر پکارے وہ بے ایمان ہی ہے اور جو ان سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے ایسے ہی جو نبی کو امتی یا امتی کو نبی کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے دیوبندیوں نے نبی کو امتی کا درجہ دیا ایمان کے

پیشوا مولوی اسماعیل نے سید احمد بریلوی کو نبی کے برابر کسی دی دیکھو صراط مستقیم کا خاتمہ معاذ اللہ۔

۱۳) رب تعالیٰ جس کو کوئی خاص وجہ عطا فرمائے۔ اس کو عام القاب سے یکساں اس کے ان مراتب عاری کا انکار کرنا ہے اگر دنیاوی سلطنت کی طرف سے کسی کو نزاع یا خانہ بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی یا آدمی بچہ یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب سے یاد نہ کرنا جرم ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکومت کے عطا کردہ ہو تو ان خطابات سے ناراض نہ ہوں جس ذات عالی کو رب کی طرف سے نبی رسول کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھائی وغیرہ کہنا جرم ہے۔

(۴) خود پروردگار عالم نے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو یا محمد یا انا مومنین کہہ کر نہ پکارا بلکہ یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المرسل یا ایہا المشرور وغیرہ پکارے القاب سے پکارا جلا کر دہ رب ہے تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں۔

۱۵) قرآن کریم نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ وہ انبیاء کو بشر کہتے تھے۔

قَالُوا مَا آتٰنَاكَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا لَكِنِ اتَّخَذَتْهُ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِذَا الْخُسُوفُ ذُوٰہ

کافروں نے نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان دے ہو وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی بہت سی آیات ہیں اسی طرح مساوات بتانا یا انبیاء کو اس کی شان گھٹانا طریقہ ابلیس ہے کہ اس نے کہا خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ

مطلب یہ کہ میں ان سے افضل ہوں۔ اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم ہیں اور پیغمبروں میں کیا فرق ہے۔ ہم بھی بشر وہ بھی بشر بلکہ ہم زندہ وہ مرے یہ سب ابلیسی کلام ہے۔

دوسرا باب

مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے بیان میں

۱) قرآن فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اے محبوب فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔

اس آیت قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ حضور بھی ہماری طرح بشر ہیں اگر نہیں ہیں تو آیت معاذ اللہ چھوٹی

ہو جاوے گی۔ جواب: اس آیت میں چند طرح غور کرنا لازم ہے ایک یہ کہ فرمایا گیا ہے قُلْ اے محبوب

آپ فرمادو۔ تو یہ کلمہ فرمانے کی صرف حضور علیہ السلام کو اجازت ہے کہ آپ بطور انکار و تواضع فرمادیں یہ نہیں کہ

قُولُوا إِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِّثْلُنَا اے لوگو تم کہا کرو کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔ بلکہ قل میں اس جانب اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات تم کہہ دو ہم تو نہ کہیں گے۔ ہم تو فرمائیں گے۔ شاہد اَوْ مُبَشِّرٌ اَوْ نَذِيرٌ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاَدْبِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ہم تو فرمائیں گے یا اَيُّهَا الْمُرْسَلُ يَا اَيُّهَا الْمُنَادِي وَغَيْرِہ ہم تو اپنی شان بڑھائیں گے آپ انکار لایہ فرما سکتے ہیں۔ نیز اس آیت میں کفار سے خطاب ہے چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے لہذا فرمایا گیا کہ اے کفار تم مجھ سے گھراؤ نہیں میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں۔ شکاری جانوروں کی سی آواز نکال کر شکار کرتا ہے۔ اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے اگر دیوبندی بھی کفار ہیں سے ہی میں تو ان سے بھی یہ خطاب ہو سکتا ہے ہم مسلمانوں سے فرمایا گیا اِنَّكُمْ مِّثْلِيْ۔ طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر اور خود آئینہ کے پیچھے کھڑے ہو کر بولتے ہیں تاکہ طوطا اپنا عکس آئینہ میں دیکھ کر سمجھے کہ یہ میرے جنس کی آواز ہے انیسائے کرام رب کا آئینہ ہیں آواز زبان ان کی ہوتی ہے اور کلام رب کا۔ گفت من آئینہ مثقول دوست۔ یہ عکس کا لحاظ ہے دوسرے اس طرح کہ حَتِّكَمُ آیت ختم نہ ہوئی بلکہ آگے آ رہا ہے یُوحٰی اِلٰی + یُوحٰی اِلٰی کی قید ایسی ہے جیسے ہم کہیں کر زید و دیگر حیوانات کی طرح حیوان ہے مگر ناطق ہے تو ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق پیدا کر دیا کہ اس قید سے زید تو اشرف المخلوقات انسان ہوا۔ اور دوسرے حیوانات اور شے اسی طرح وحی کی صفت نے نبی اور امتی میں بہت بڑا فرق بنادیا۔ حیوان اور انسان میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے مگر بشریت اور شان مصطفویٰ میں ۲۷ درجہ فرق ہے اولاً گھر پھر شہید پھر متقی پھر دلی پھر اہل پھر اذنا پھر قطب پھر غوث پھر غوث الاعظم پھر تابعی پھر صحابی پھر جابر پھر صدیق پھر نبی پھر رحمۃ للعالمین وغیرہ یہ ۲۷ مراتب کا اجمالی ذکر ہے۔ تفصیل دیکھنا ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمان میں ملاحظہ کرو۔ تو عام بشر اور مصطفیٰ علیہ السلام میں شرکت کیسی؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی کہے اللہ ہماری طرح موجود ہے۔ اللہ ہماری طرح سمیع و بصیر ہے کیونکہ کلمہ موجود و علیم ہر جگہ بولا جاتا ہے جس طرح ہماری موجودیت اور رب کی موجودیت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایسے ہی ہماری بشریت اور محبوب علیہ السلام کی بشریت میں کوئی نسبت نہیں۔ مولانا ثنائی میں فرماتے ہیں۔

اے ہزاراں جبریل اندر بشر بہر حق سوئے غریبان یک نظر

حضور علیہ السلام کی بشریت ہزار جبریل حیثیت سے اعلیٰ ہے۔

تیسرے اس طرح کو قرآن کریم میں ہے۔ مَثَلُ نُورٍ كَمِثْلِكَوَيْفَ هَامِصْبَا حَرْبِ كَے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کراس میں ایک چراغ ہے۔ اس آیت میں بھی کلمہ مثل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نور خدا چراغ کی طرح روشنی ہے اسی طرح قرآن میں ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ بِمَا يَكْفِيهِ إِلَّا أَمْرًا آمَنَّا لَكُمْ۔
بازوؤں سے اُڑتا ہو کر وہ تمہاری طرح امتیں میں۔

یہاں بھی کلمہ امثال موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے اوجھسا ہے ہرگز نہیں تیرا اما کا حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی یعنی میں نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح خالص بندہ ہوں جیسے باروت و باروت کا کہنا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ۔

چوتھے اس طرح کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایمان عبادات، معاملات، غرضیکہ کسی شئی میں ہم جیسے نہیں ہر بات میں فرق عظیم ہے۔ حضور علیہ السلام کا کلمہ ہے اَنَا سَرُّ سُوْلٍ اَللّٰہِیْنَ اللہ کا رسول ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں تو کافر و مجاہدین حضور علیہ السلام کا ایمان دیکھی ہوئی چیزوں پر کہ رب کو جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرمایا۔ ہمارا ایمان سنا ہوا ہے ہمارے لیے ارکان اسلام پانچ حضور علیہ السلام کے ایسے چار یعنی آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ دیکھو شامی شروع کتاب الزکوٰۃ۔ ہم پر پانچ نمازیں فرض حضور علیہ السلام پر چھ یعنی تنجید بھی فرض و مِنَ اللَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِہِ نَافِلَةً لَّکَ ہم کو چار بیویوں کی اجازت حضور علیہ السلام کے لیے کوئی پابندی نہیں جس قدر چاہیں۔ ہماری بیویاں ہمارے مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کی ازواج پاک سب مسلمانوں کی مائیں و اُمراء و اَجْہُ اُمَّہَاتُہُمْ کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں وَلَا تَنْکِحُوْا اَزْوَاجَہُ مِنْ بَعْدِہِ اَبْدًا ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہو جنہو کی میراث نہ بٹے ہمارا پیشاب پائسنا نہ پاک حضور علیہ السلام کے فضلات شریفہ امت کے لیے پاک ردیکھو شامی باب الانجاس، مرقات باب احکام المیاء فصل اول میں ہے۔ وَمِنْ کَمَّ اَحْتَادُ کَثِیْرٍ مِّنْ اَصْحَابِنَا طَهَارَةُ فَضْلَاتِہِ اسی مرقاۃ باب الستر کے شروع میں ہے۔ وَ لَبِذَٰ جَمْعُہُ الْبُطِیْبَةُ فَتَشْرَبُ دَمُہُ اسی طرح مدارج النبوة میں جلد اول و صل عرق شریف صفحہ ۲۵ میں بھی ہے۔ یہ تو شرعی احکام میں فرق بتائے گئے ورنہ لاکھوں امور میں فرق عظیم ہے۔ ہم کو اُس ذات کریم سے کوئی نسبت ہی نہیں یوں سمجھو کہ بے مثل خالق کے بے مثل بندے میں سے

بے شک حق کے مظہر جو پھر مثل تمہارا کیونکر ہو ۴ نہیں کوئی تمہارا ہم رتبہ نہ کوئی تمہارا ہم پایا
اس قدر فرق عظیم ہوتے ہوئے مشابہت کے کیا معنی۔

پانچویں ۲۱ طرح کہ اس آیت میں ہے بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ نہیں ہے کہ انسانٌ مِثْلُكُمْ بشر کے معنی
ہیں ذوالبشر۔ یعنی ظاہری چہرے مہرہ والا۔ بشر کہتے ہیں ظاہر کھال کو۔ تو معنی یہ ہونے کہ میں ظاہر رنگ
ورپ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں کہ اعضائے بدن دیکھنے میں کیسا معلوم ہوتے ہیں گو حقیقت یہ ہے
یوحیٰ الٰہی ہم صاحب وحی ہیں۔ یہ گفتگو بھی فقط ظاہر ہی طور پر ہے۔ درہ ہمارے ظاہری اعضا کو حصو
علیہ السلام کے اعضا مبارک سے کوئی نسبت نہیں۔ قدرت الہی تو دیکھو کہ کون کا عجب شریف کھاری کنویں
میں پڑے پانی کو میٹھا کر دے۔ حدیث کے خشک کو میں میں پڑ جاوے تو پانی پیدا کر دے حضرت جابرؓ
ہانڈی میں پڑ کر شور بادر بویاں بڑا دے۔ آٹے میں پڑے تو آٹے میں برات دے۔ صدیق کے پاؤں
میں پہنچ کر ساپ کے زہر کو زہر کرے۔ عبداللہ ابن قتیبہ کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں پہنچ کر ہڈی
کو جڑ دے۔ حضرت علیؓ کی دھتی ہوئی آنکھ میں لگے تو کھل الجواہر کا کام دے۔ آج ہزار روپیہ کی دوا بھی
اس قدر اثر نہیں رکھتی۔ اگر سہرا پاک سے ختم پاک تک ہر عضو شریف، برکات دیکھنا میں تو ہمارا کتنا
شان حبیب الرحمن کا مطالعہ کر دے ہمارے ہر عضو کا سایہ۔ حصو کے کسی عضو کا سایہ نہیں پڑتا پاک میں
مشک و عنبر سے بہتر خوشبو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پچھلے اس طرح کہ شیخ عبدالحق مدارج النبوۃ جلد اول باب سوم وصل ازالہ شبہات میں فرماتے ہیں و
در حقیقت متشابہات از علماء آلِ رامعانی لائق تاویلات رائق کردہ راجع بحق ساختہ اندہ یہ آیات حقیقت
میں متشابہات ہیں کہ علماء نے ان کے مناسب معانی اور بہتر تاویلیں کر کے حق کی طرف پھیرا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح یَسْدُ اللہُ فَوْقَ اَیْدِیْہِمُ یَا مَثَلُ تُوْسِرَہِ کَیْشِکُوۃٍ و غیرہ آیات جو
بظاہر شان خداوندی کے خلاف معلوم ہوتی ہیں وہ متشابہات ہیں۔ اس طرح اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ و غیرہ وہ آیات
جو بظاہر شان مصطفوی کے خلاف ہیں تو ابہات میں لہذا ان کے ظاہر سے دیکھ کر نا غلط ہے۔

ساتویں اس طرح کہ روزہ وصال کے بارے میں حصو نے فرمایا اَنتُمْ مِثْلِیْ تم میں ہم جیسا کون ہے
بیٹھ کر نفل پڑھنے کے بارے میں فرمایا اَلِیْکَ تِیْ لَسْتُ کَا حِدٍ مِّنْکُمْ لیکن تم تمہاری طرح نہیں سمجھا کر
نے بہت موقوف پر فرمایا اِنَّمَا مِثْلُہُ ہم میں حضور علیہ السلام کی طرح کون ہے، احادیث تو فرما رہی ہیں

(۳) قرآن فرماتا ہے: **وَالِی مَدِیْنَتَیْنِ اَخَا هَمَزٌ**
شُعْبَا دَالِی ثَمُوْدُ اَخَاهُ صِلِحَا دَالِی عَادُ اَخَاهُ
 ان آیات میں رب نے انبیائے کرام کو مدین ثمود اور عاد کا
 بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ انبیاء امتیوں کے بھائی ہوتے ہیں۔

جواب: حضور علیہ السلام نے اپنے کرم کریمانہ سے بطور تواضع و انکسار فرمایا: **اَخَا کُم** اس فرمانے سے
 ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیلئے ملی؟ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں
 تو رعایا کو حق نہیں کہ بادشاہ کو خادم کہہ کر پکارے۔ اسی طرح رب ارشاد فرمایا کہ حضرت شعیب و صالح
 و ہود علیہم السلام مدین اور ثمود اور عاد و قوموں میں سے تھے۔ کسی اور قوم کے نہ تھے یہ بتانے کے لئے **اَخَا**
 فرمایا۔ یہ کہاں فرمایا ہے کہ ان کی قوم والوں کو بھائی کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور ہم پہلے باب میں
 ثابت کر چکے ہیں کہ انبیائے کرام کو برابری کے لفظ سے پکارنا حرام ہے اور لفظ بھائی برابری کا لفظ ہے۔
 باپ بھی گوارہ نہیں کرتا کہ اس کا بیٹا اس کو بھائی کہے۔

اعترض (۴): قرآن کہتا ہے: **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ** مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور حضور
 علیہ السلام بھی مومن ہیں لہذا آپ بھی ہم مسلمانوں کے بھائی ہوئے تو حضور علیہ السلام کو کیوں نہ بھائی کہا
 جادے۔

جواب: پھر تو خدا کو بھی اپنا بھائی کہو کیونکہ وہ بھی مومن ہے قرآن میں ہے: **اَللّٰهُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ**
اَلْمُؤْمِنِیْنَ اور ہر مومن آپس میں بھائی۔ لہذا خدا بھی مسلمانوں کا بھائی معاذ اللہ۔ نیز بھائی کی بیوی بھائی ہوتی
 ہے اور اس سے نکاح حلال اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں ان سے نکاح کرنا حرام ہے قرآن
 کریم لہذا نبی ہمارے لئے مثل والد ہوئے والد کی بیوی ماں ہے نہ کہ بھائی کی۔ جناب ہم تو مومن ہیں
 اور حضور علیہ السلام عن ایمان۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

كَأَلِ الصِّدِّیْقِیْنَ اَلْغَافِرِیْنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ كَمَیْرٍ یَّا
 یعنی غار ثور میں صدق بھی تھا صدیق بھی تھے۔
 حضور علیہ السلام اور عام حبیب میں صرف لفظ مومن کا اشتراک ہے جیسے رب اور عام مومنین میں نہ کہ
 حقیقت مومن میں تمام اور طرح مومن ہیں اسکی تفصیل ہم جواب نمبر ۱ میں بیان کر چکے ہیں۔

اعترض (۵): حضور علیہ السلام اولاد آدم ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے اور زندگی گزارتے
 ہیں بیمار ہوتے ہیں، موت آتی ہے اتنی باتوں میں شرکت ہوتے ہوئے انکو بشر یا اپنا بھائی کیوں کہا جادے۔
جواب: اس کا فیصلہ مشنوی میں خوب فرمایا ہے۔

گفت اینک ما بشر ایشان بشر
ما دایشان بسته خواہیم و خور
این نہ دانستند ایشان از عئے
ہست فرقتے در میاں بے انتہا
ہر دو یک گل خورد و زنبور و نحل
زائ کے شمش زائ دیگر عمل
ہر دو گول آہو گیا خوردند و آب
زین کے سر گین شد و زائ مشکناں
این خورد و گرد و پیدی زین جدا
داں خورد و گرد و سہ نور خدا

کفار نے کہا کہ ہم اور پیغمبر بشر ہیں کیونکہ ہم اور وہ دونوں کھانے سونے میں والہ ہیں اندھوں نے یہ نہ جانا کہ انجام میں بہت بڑا فرق ہے۔ بھڑا اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہے مگر اس سے زہر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دونوں ہرن ایک ہی دانہ پانی کھاتے پیتے ہیں۔ مگر ایک سے پاخانہ دوسرے سے مشک بنتا ہے۔ یہ جو کھاتا ہے اس سے پلیدی بنتی ہے نئی کے کھانے سے نور خدا ہوتا ہے۔

یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میری کتابت کُن کیساں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی روشنائی سے ایک کا غلہ۔ ایک ہی قلم سے لکھی گئیں۔ ایک ہی قسم کے حروف تہجی سے دونوں بنیں ایک ہی پسین چھپیں۔ ایک ہی جلد ساز نے جلد باندھی۔ ایک ہی الماری میں رکھی گئیں پھر ان میں فرق ہی کیا ہے مگر کوئی بیوقوف بھی نہیں کہے گا کہ ان ظاہری باتوں سے ہماری کتاب قرآن کی طرح ہو گئی۔ تو ہم صاحب قرآن کی مثل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہ نہ دیکھا کہ حضور کا کلمہ پڑھا جاتا ہے اُن کو معراج ہوئی ان کو نماز میں سلام کرتے ہیں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام انبیاء و اولیاء اُن کے خدام بارگاہ ہیں۔ یہ اوصاف ماو شتا تو کیا ملائکہ کو بھی نہ ملے۔

مَحَمَّدٌ بَشَرٌ لَّا كَا الْبَشَرِ ۖ يَاقُوتُ حَجَرٌ لَّا كَا الْحَجَرِ

حضور علیہ السلام بشر ہیں عام بشر نہیں یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھر نہیں

بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ اگر حضور کو بشر کہنا حرام ہے تو چاہیے کہ انسان یا عبد کہنا بھی حرام ہو کہ ان سب کے معنی قریب قریب ہیں پھر تم کلمہ میں عَبْدُہ دَرَسُولُہ کیوں کہتے ہو؟

جواب یہ ہے کہ لفظ بشر کفار بہ نیت امانت کہتے تھے اور نبی کو رب نے انسان یا عبد بطور تعظیم فرمایا خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلِمَةَ الْكِبَرِ اُدْرَأْسُرِی عَبْدُہ کَلِمَہ لَہُ اَبْدَیَہ اَلْفَاظُ تَعْظِیْمًا کہنا جائز ہے اور بشر کہنا حرام ہے جیسے رَاعِیْنَا اُدْرَأْظُرْنَا ہم معنی ہیں۔ مگر رَاعِیْنَا کہنا حرام ہے کہ طریقہ کفار ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے

عبد و گدگدہ چیز سے دگر ۛ او سراپا انتظار او منتظر

حضور کی عبدیت سے رب کی شان ظاہر ہوتی ہے اور رب کی عظمت سے ہماری عبدیت چمکی و زیر بھی شاہی خادم ہے اور سپاہی بھی مگر وزیر سے بادشاہ کی شان کا ظہور اور شاہی نوکری سے سپاہی کی عزت۔ **اعتراف** (۲) شامی ترمذی میں حضرت صدیقہ کی روایت ہے کہ فرماتی ہیں کَانَ بَشَرٌ مِّنَ الْبَشَرِ حضور علیہ السلام بشروں میں سے ایک بشر تھے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام نے عائشہ صدیقہ کو اپنی جنت سے مشرف فرمایا چلا۔ تو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ کا بھائی ہوں کیا میری دختر آپ کو حلال ہے۔ دیکھو حضرت عائشہ نے حضور علیہ السلام کو بشر کہا اور صدیق نے اپنے کو حضور کا بھائی بتایا۔

جواب: بشر یا بھائی کہہ کر پکارنا یا محاورہ میں نبی علیہ السلام کو یہ کہنا حرام ہے عقیدہ کے بیان یا روایت مسائل کے اور احکام میں۔ حضرت صدیقہ یا صدیق رضی اللہ عنہما عام گفتگو میں حضور علیہ السلام کو بھائی یا بشر نہ کہتے تھے یہاں ضرورت اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے صدیقہ اکبر نے تو یہ فرما رہی ہیں کہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک نہایت بے شکلفی اور سادگی سے عام مسلمانوں کی طرح گزری کہ اپنا سہرا کام اپنے ہاتھ ہی سے انجام دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر نے مشد در یافت کیا کہ حضور نے مجھے خطاب اخوت سے نوازا ہے کیا اس خطاب پر حقیقی بھائی کے احکام جاری ہونگے یا نہیں؟ اور میری اولاد حضور کو حلال ہوگی یا نہیں؟ ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں۔ حضرت غیل نے ایک ضرورت پر حضرت سادہ کو فرمایا هَذَا أَخِي يَمِيرُ بِهِنَ میں حالانکہ وہ آپ کی بیوی تھیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ حضرت سادہ اب آپ کو بھائی کہہ کر پکارتیں۔

سچ ان حضرات کا عام محاورہ دکھاتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ السلام رشتہ میں صدیقہ کے زوج اور سیدنا علی کے بھائی حضرت عباس کے بھائی کی اولاد میں۔ مگر یہ حضرات جب بھی روایت حدیث کرتے ہیں تو صدیقہ یہ نہیں فرماتیں کہ میرے زوج تھے فرمایا یا حضرت عباس یا حضرت علی رضی اللہ عنہما یہ نہیں کہتے کہ ہمارے بھتیجے یا ہمارے بھائی نے یہ فرمایا۔ سب یہی فرماتے ہیں قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَجَّهْتُ رِشْتَةً لِحَافِئِهِ بھائی میں وہ بھی بھائی نہیں کہتے۔ تو ہم کمینوں غلاموں کو کیا اتنے بھائی کہیں؟

نسبت خود بگت کروم دین منفعہ سلم
زانکہ نسبت بگت کوٹے تو شد بے ادبی است
ہزار بار بشویم دین بگت و گلاب
منور نام تو گفتن کمال بے ادبی است

جناب شروع اسلام میں تو یہ حکم تھا کہ حضور علیہ السلام سے کچھ عرض کرنا چاہے۔ وہ پہلے کچھ صدقہ دے دے بعد میں عرض کرے۔ قرآن فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَجَّيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِ مُؤَابَّيْنَ يَدَيَّ نَجَّوْا كُمْ صَدَقَةٌ

یعنی اے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عمل بھی کیا کہ ایک دینار خیرات کر کے دس مسائل دریافت کیے (تفسیر خازن یہ ہی آیت) پھر یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا۔ مگر محبوب علیہ السلام کی عظمت شان کا پتہ لگ گیا کہ ناز میں رب سے ہم کلام ہو تو صرف وضو کرو لیکن حضور علیہ السلام سے عرض معروض کرنا ہو تو صدقہ کر دو پھر بھائی کہنا کہاں رہا ؟

بحث نداء یارسول اللہ یا نعرہ یارسول اللہ

حضور علیہ السلام کو دور یا نزدیک سے پکارنا جائز ہے۔ اُن کی غلامی زندگی پاک میں بھی اور بعد وقت شریف بھی خواہ ایک ہی شخص عرض کرے یا رسول اللہ یا ایک جماعت مل کر نعرہ رسالت لگائے۔ یا رسول اللہ ہر طرح جائز ہے۔ اس بحث کو ہم دو باب میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا باب

نداء یارسول اللہ کے ثبوت میں

حضور علیہ السلام کو نداء کرنا قرآن کریم فعل ملائکہ فعل صحابہ اور عمل امت سے ثابت ہے قرآن کریم نے بہت مقامات میں حضور علیہ السلام کو نداء فرمائی یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المرسل یا ایہا المؤمنین وغیرہ ان تمام آیات میں حضور علیہ السلام کو پکارا گیا ہے۔ ہاں دیگر انبیاء کرام کو ان کے نام سے پکارا یا موسیٰ یا عیسیٰ یا یحییٰ یا ابراہیم یا آدم وغیرہ مگر محبوب علیہ السلام کو پیارے پیارے انقباسے ندائی فرمائی کہ یا آدم است با پدر انبیاء خطاب یا ایہا النبی خطاب محمد است

بلکہ قرآن کریم نے عام مسلمانوں کو بھی پکارا یا ایہا الذین آمنوا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہمارے محبوب علیہ السلام کو پکارو مگر اچھے انقباسے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ لِيُنْصِتَ لَكُمْ دُعَاءَ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔

اس میں حضور علیہ السلام کو پکارنے سے نہیں روکا گیا بلکہ فرمایا گیا ہے کہ اؤں کی طرح نہ پکارو۔ قرآن نے فرمایا
 اَدْعُوهُمْ لَابَاءِہُمْ اُنْ کَانَ کے باپ کی طرف نسبت کر کے پکارو۔ اس آیت میں اجازت ہے کہ
 زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پکارو۔ مگر اُن کو ابن حارثہ کہو ابن رسول اللہ نہ کہو۔ اسی طرح کفار کو اجازت
 دی گئی کہ وہ اپنے مدکاروں کو اپنی مدد کیلئے باپیں دعوٰ اللہ اَشْہَدُ اَنْکُمْ مِنْ دَوِّنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ہ
 مشکوٰۃ کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے عرض کیا یا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ نِذَیْ لَیْ گئی
 مشکوٰۃ باب وفات النبی میں ہے کہ بوقت وفات ملک الموت نے عرض کیا۔ یا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰہَ اَرْسَلَنِیْ
 اِلَیْکَ نَذِیْرًا پائی گئی۔ ابن ماجہ باب صلوة الحاجہ میں حضرت عثمان ابن حنیف سے روایت ہے کہ ایک
 نابینا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مطالب دعا ہوئے اُن کو یہ دعا ارشاد ہوئی۔

اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور تیری طرف حضور علیہ
 السلام نبی الرحمہ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں یا محمد صلی اللہ علیہ
 وسلم میں نے آپ کے فریضے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت
 توجہ کی تاکہ حاجت پوری ہو اے اللہ میرے لیے حقیر کی شفاعت
 قبول فرما ابواسحق نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اللّٰہُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ وَ اَتُوْجِبُہُ اِلَیْکَ
 یَحْمَدُ نَبِیَّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ
 تَوَجَّهْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ہِذِہُ
 لِتَقْضِیَ اللّٰہُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیْ۔ قَالَ اَبُو
 اِسْحٰقَ ہٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔

بیدعا قیامت تک کے مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے اس میں نذر بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے مدد بھی مانگی ہے
 عالمگیری جلد اول کتاب الحج آداب زیارت قبر نبی علیہ السلام میں ہے ثُمَّ یَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ
 اللّٰہِ اَشْہَدُ اَنَّکَ سَرَّ سُوْلُ اللّٰہِ اے نبی آپ پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں
 پھر فرماتے ہیں وَ یَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْفَہُ سَرَّ سُوْلُ اللّٰہِ: السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا صٰلِحِبَ رَسُوْلِ
 اللّٰہِ فِی الْغَاۓرِ پھر فرماتے ہیں۔ یَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ: السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُظْہِرَ
 الْاِسْلَامِ: السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُکَسِّرَ الْاَصْنَامِ یعنی صدیق اکبر کو یوں سلام پیش کرے کہ آپ پر سلام
 ہوا اے رسول اللہ کے سچے جانئین۔ آپ پر سلام ہوا اے سول اللہ کے غار کے ساتھی۔ اور حضرت فاروق
 کو یوں سلام کرے آپ پر سلام ہوا اے مسلمانوں کے امیر آپ پر سلام ہو۔ اے اسلام کو چمکانے والے
 آپ پر سلام ہوا اے نبیوں کے تورنے والے رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اس میں حضور علیہ السلام کو بھی نذر
 ہے اور حضور کے پہلو میں آرام فرمانے والے حضرت صدیق و فاروق کو بھی۔ اکابر اُمت اولیاء ملت

مشائخ و بزرگان دین اپنی دعاؤں اور وظائف میں یا رسول اللہ کہتے ہیں قصیدہ بروہ میں ہے
 يَا كَرَمَ الْخَلْقِ مَا لِي مِنْ لَدُنْكَ
 سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَاثِثِ الْعَمَمِ
 اے بہترین مخلوق آپ کے سامیرا کوئی نہیں کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں

امام زین العابدین فرماتے ہیں اپنے قصیدہ میں ہے

يَا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ أَدْرِيكَ لِيذِينَ الْعَابِدِينَ
 مَحْبُوسُ آيِدِي الظُّلُمِ فِي مَوْكِبِ الْمُرُودِهِمْ
 اے رحمتہ للعالمین زین العابدین کی مدد کو پہنچو
 وہ اس اور عام میں ظالموں کے ہاتھوں میں قید ہے
 مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ہے

ز مجھ کو برآمد جانِ عالم ز رحم یا نبی اللہ ترسم
 نہ آخر رحمۃ للعالمین ز محروماں چراغِ نشینی

جہاں سے عالم کی جان نکل رہی ہے۔ یا نبی اللہ رحم فرما و رحم فرماؤ۔ کیا آخر آپ رحمۃ للعالمین
 نہیں ہیں پھر ہم مجرموں سے فارغ کیوں ہو بیٹھے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں ہے

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جَنَّتِكَ قَاصِدًا
 أَمْ جَوْسِرَ صَالِكَ وَاحْتَجِّي بِجَمَّالِكَ

اے پیشواؤں کے پیشوا میں دلی قصد سے آپ کے حضور آیا ہوں آپ کے رضا کا امیدوار ہوں
 اور اپنے کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ ان اشعار میں حضور کو نذر بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے استغاثہ

بھی اور یہ نذر دور سے بعد وفات شریف ہے۔ تمام مسلمان نماز میں کہتے ہیں اَللّٰمُ عَلَيَّ
 أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارنا واجب ہے۔

احتیاجات کے متعلق ہم شامی اور اشعۃ اللمعات کی عبارتیں حاضرہ و ناظر کی بحث میں پیش کر چکے ہیں وہاں دیکھو
 یہ گفتگو تھی تنہا۔ یا رسول اللہ کہنے کی۔ اگر بہت لوگ مل کر لغو رسالت لگائیں تو بھی جائز ہے کیونکہ

جب ہر شخص کو یا رسول اللہ کہنا جائز ہو تو ایک ساتھ ملکر بھی کہنا جائز ہے چند مباح چیزوں کو ملانے سے مجبور
 مباح ہی ہوگا جیسے بریائی حلال ہے۔ اس لئے کہ حلال چیزوں کا مجبور ہے نیز اس کا ثبوت صریح یہی ہے۔

مسلم آخر جلد دوم باب حدیث الحجۃ میں حضرت براہ رحمۃ اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور علیہ
 السلام ہجرت فرما کر مدینہ پاک داخل ہوئے۔

فَصَعِدَ الرَّجُلُ وَالنِّسَاءُ ذَوْنَ الْبُيُوتِ وَ
تَفَرَّقَ الْعُلَمَاءُ فَالْحَدِيثُ فِي الطَّرِيقِ يَسْأَلُونَ
يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ

تو عورتیں اور مرد گھروں کی چھتوں پر بیٹھ گئے اور
بچے اور غلام گلی کو چوں میں تفریق ہو گئے نعرے لگاتے
پھرتے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ

اس حدیث مسلم سے نعرہ رسالت کا دوسرا ثبوت ہوا اور معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام نعرہ نکالیا کرتے
تھے۔ اسی مندرجہ ہجرت میں ہے کہ صحابہ کرام نے جلوس بھی نکالا ہے اور جب بھی حضور علیہ السلام
سفر سے واپس مدینہ پاک تشریف لاتے تو اہل مدینہ حضور علیہ السلام کا استقبال کرتے اور جلوس نکالتے دیکھو مشکوٰۃ
و بخاری وغیرہ جگہ جگہ میں میٹھیک یا نشست جلوس اس کی جمع ہے جیسے جملہ کی جمع جملود۔ معنی
کوڑہ ناز و ذکر الہی کا جلسہ ہے کہ ایک ہی جگہ ادا ہوتی ہے اور حج ذکر کا جلوس اس میں گھوم پھر کر ذکر ہوتا ہے
قرآن سے ثابت ہے کہ تابلوت سکینہ کو ملا کر شکل جلوس لائے۔ بوقت ولادت پاک اور مزارع میں فرشتوں
نے حضور کا جلوس نکالا۔ اور اچھوں کی نقل کرنا بھی باعث ثواب ہے۔ ہذا یہ مروج جلوس اس اصل کی نقل ہے۔
اور باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

نارایا رسول اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اللہ کے سوا ان کو نہ پکارا جو حق کو نفع و نقصان نہ
پہنچا سکیں۔

«اَلْقُرْآنُ کَرِیْمٌ فَرَمَاتَا هُوَ ذَلَّكَ تَدْعُ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ۔

معلوم ہوا کہ غیر خدا کا پکارنا منع ہے۔

خدا کے سوا ان کو پکارتے ہیں جو ان کے لیے نافع
و مضر نہیں۔

وَمِنْ دُوْنِ مَنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ
وَلَا یَضُرُّهُمْ۔

ثابت ہوا کہ غیر خدا کو پکارنا بت پرستوں کا کام ہے۔

جواب۔ ان جیسی آیتوں میں جہاں بھی لفظ دعا ہے اس سے مراد بلانا نہیں بلکہ پوچھنا اور دیکھنا جہاں میں اور
دیگر تفاسیر معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پوجو۔ دوسری آیات اس معنی کی تائید کرتی ہیں رب فرماتا
ہے وَمَنْ یَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَخُذْ ذَرَّةً مِّنْ دُوْنِ مَا یَعْبُدُ لَکَ (عبادت کرے) معلوم ہوا کہ

غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے اگر ان آیات کے یہ معنی نہ کیے جائیں تو ہم نے جو آیات و احادیث اور علماء دین کے اقوال پیش کیے جن میں غیر خدا کو پکارا گیا ہے سب شرک ہو گا۔ پھر زندہ کو پکارو یا مردہ کو، سامنے والے کو پکارو یا دور والے کو سب ہی شرک ہو گا ورنہ ہم لوگ بھائی بہن و دوست آشنا کو پکارتے ہی ہیں۔ تو عالم میں کوئی بھی شرک سے نہ بچا۔ نیز شرک کہتے ہیں غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات میں شامل کرنا کسی کو آواز دینا پکارنا اس میں کون سی صفت الہی میں داخل کرنا ہے پھر یہ شرک کیوں ہوا؟

۱۸۷ فَاذْكُرُوا اللَّهَ تَبَاً مَا دَعَاكُمْ عَلَيْهِ جُنُوبَكُمْ | پس اللہ کو کھرمے بیٹھے اور اپنی گردنوں پر یاد کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اٹھتے بیٹھتے غیر خدا کا نام جپنا شرک ہے صرف خدا ہی کا ذکر چاہیے۔

جواب: اس آیت سے ذکر رسول اللہ کو حرام یا شرک سمجھنا ناراضی ہے۔ آیت تو یہ فرما رہی ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو ہر حال میں ہر طرح خدا کا ذکر کر سکتے ہو۔ یعنی نماز میں تو پابندی تھی کہ لیسر وضو نہ ہو، مسجد رکوع اور قعدہ میں تلاوت قرآن کریم نہ ہو بلا عذر بیٹھ کر یا لیٹ کر نہ ہو مگر جب نماز سے فارغ ہو چکے تو یہ پابندیاں اٹھ گئیں۔ اب کھرمے بیٹھے بیٹھے ہر طرح خدا کو یاد کر سکتے ہو۔

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں ایک یہ کہ یہ امر فَاذْكُرُوا اللَّهَ وجوب کے لیے نہیں صرف جواز کے لیے ہے کہ نماز کے علاوہ چاہے خدا کو یاد کرو خواہ غیر خدا کو خواہ بالکل خاموش رہو ہر بات کی اجازت ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ امر وجوب کے لیے بھی ہو تو بھی ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی نفی نہیں تاکہ ذکر اللہ کے واجب ہونے سے یہ حرام ہو جاوے بلکہ ذکر اللہ کی نفی عدم ذکر اللہ ہے تیسرے یہ کہ اگر ذکر اللہ کی نفی ذکر غیر اللہ مان بھی لی جاوے تب بھی ایک نفی کے واجب ہونے سے دوسری نفی زیادہ سے زیادہ حرام ہوگی نہ کہ شرک۔ مگر خیال رہے کہ حرام یا فرائض ہونا فعل کی صفت ہے نہ کہ عدم فعل کی۔ چوتھے یہ کہ حضور علیہ السلام کا ذکر بالواسطہ خدا ہی کا ذکر ہے مَن يَطْبَعْ { جس نے رسول اللہ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ الرسول فَقَدْ اطاع الله۔

جب کلمہ نماز حج و روضہ خطبہ اذان غرض کہ ساری عبادات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر داخل اور ضروری ہے تو نماز سے خارج انکا ذکر اٹھتے بیٹھتے کیوں حرام ہو گا جو شخص ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے درود شریف یا کلمہ پڑھے تو حضور کا ذکر کر رہا ہے ثواب کا مستحق ہے۔ پانچویں اس سطر کہ تَبَّتْ يَدَايْیَیْ تَحْتَہَا اور سورہ

منافقوں اور وہ آیات جن میں کفار یا بتوں کا ذکر ہے ان کا پڑھنا ذکر اللہ ہے یا نہیں ضرور ہے کیونکہ یہ قرآنی آیات ہیں۔ ہر کلمہ پر ثواب ہے اگرچہ ان آیات میں مذکور کفار یا بت ہیں مگر کلام تو اللہ کا ہے۔ کلام الہی کا ذکر تو ذکر اللہ ہو۔ مگر رحمت الہی یا نور الہی محمد رسول اللہ کا ذکر ذکر اللہ نہ ہو یہ کیا انصاف ہے قرآن میں ہے قَالَ يَذَرُ عَوْنُ فِرْعَوْنَ نَعْمَ يَذَرُ عَوْنُ فِرْعَوْنَ پڑھنے پر عیسٰی ثواب اور لفظ فِرْعَوْنَ پڑھنے پر پچاس ثواب کیونکہ ہر حرف کے دس ثواب ہیں تو فرعون کا نام قرآن میں پڑھا گیا پچاس نیکیاں ملیں۔ اور محمد رسول اللہ کا نام لیا۔ تو مشرک ہو گیا یہ کیا عقل ہے؟ ساتویں اس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام فراق حضرت یوسف میں اٹھتے بیٹھتے حضرت یوسف کے نام کی رٹ فرماتے تھے اور ان کی یاد میں اس قدر روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اسی طرح حضرت آدم فراق حضرت حوا میں، حضرت امام زین العابدین فراق امام حسین میں اٹھتے بیٹھتے ان کے نام جپا کرتے تھے اور بزبان حال یہ کہتے تھے سو

حال من در ہجرت والہ کرم الذی یعقوب نیست اولہ سرگرم کردہ بود و من پدر گم کردہ ایم
بتاؤ ان پر حکم مشرک جاری ہو گیا یا نہیں اگر نہیں تو آج جو عاشق ہر حال میں اپنے نبی کی یاد کرے وہ کیوں مشرک ہو گا؟ ایک تاجرون رات تجارت کا ذکر کرتا رہتا ہے طالب علم دن رات ہر حال میں سبق یاد کرتا ہے وہ بھی غیر خدا کا نام جپ رہا ہے وہ کیوں مشرک نہیں۔

خوش آوینا اگر پنجاب میں ہمارا اور مولوی شہار اللہ امرتسری کا اسی مسئلہ نذر یا رسول اللہ پر مناظرہ ہوا۔ شہار اللہ صاحب نے یہی آیت پیش کی۔ ہم نے صرف تین سوال کیے ایک یہ کہ قرآن میں امر کتنے معنی میں آیا ہے اور یہاں کون سے معنی میں استعمال ہوا؟ دوسرے یہ کہ ایک تقیض کے واجب ہونے سے دوسری تقیض حرام ہوگی یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ ذکر اللہ کی تقیض کیا ہے؟ ذکر غیر اللہ یا عدم ذکر اللہ؟ جس کا جواب یہ دیا کہ آپ نے ان سوالات میں اصول فقہ اور منطق کو دخل دیا ہے یہ دونوں علم بدعت ہیں گویا کہ جاہل رہنا سنت ہے پھر ان سے سوال کیا کہ بدعت کی صحیح تعریف ایسی کر دو جس سے محفل میلاد تو حرام رہے اور اخبار المجدیث نکالنا سنت ہو یہ سوالات اب تک ان تمام پر قائم ہیں۔ ابھی وہ زندہ ہیں کوئی صاحب ان سے جوابات دلا دیں ہم مشکور ہوں گے مگر اب افسوس کہ شہار اللہ صاحب تو بغیر جواب دیئے دنیا سے چلے گئے کاش کوئی ان کے معتقد صاحب جواب دے کر ان کی تسخیر کو خوش کریں۔

اعتراف ۱۱، بخاری جلد دوم کتاب الاستیذان بحث مصافحہ باب الاخذ بالیدین میں حضرت ابن مسعود

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو حضور علیہ السلام نے التحیات میں اَللّٰهُمَّ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ سکھایا فَلَمَّا قِضَ قُلْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو ہم نے التحیات میں یوں پڑھا اَللّٰهُمَّ عَلَی النَّبِیِّ عینی شرح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں -

حدیث کے غلابری معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام حضور کی زندگی پاک میں السلام علیک کان خطاب سے کہتے تھے لیکن جبکہ حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو خطاب چھوڑ دیا اور لفظ غائب سے ذکر کیا اور کہنے لگے اَللّٰهُمَّ عَلَی النَّبِیِّ۔

فَقَالُوا هَآ أَنْتُمْ مَا أَتَوْا بِقَوْلٍ لَّنَآ اَللّٰهُمَّ عَلَیْکَ بِكَانَ الْخِطَابُ فِی حَیَاةِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِمَّا مَاتَ تَرَكُوا الْخِطَابَ وَآذَكُرُواہُ یَكْفِی الْغِیْبَةَ فَصَارُوا یَقُولُونَ اَللّٰهُمَّ عَلَی النَّبِیِّ۔

اس حدیث اور شرح کی عبارت سے معلوم ہوا کہ التحیات میں السلام علیک کہنا زندگی پاک مصطفیٰ علیہ السلام میں تھا حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد التحیات میں بھی نذر کو چھوڑ دیا گیا تو جب صحابہ کرام نے التحیات میں سے نذر کو نکال دیا تو جو شخص نماز کے خارج میں یا رسول اللہ وغیرہ کہے تو بالکل ہی شرک ہے جواب۔ بخاری اور عینی کی یہ عبارت تو آپ کے بھی خلاف ہیں کیونکہ آج تک کسی امام مجتہد نے التحیات کے بدلنے کا حکم نہ دیا۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی۔ اور امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی التحیات اختیار فرمائیں۔ مگر دونوں التحیات میں اَللّٰهُمَّ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ ہے غیر مقلد بھی خواہ ثنائی ہوں یا غزنی یہ ہی خطاب والی التحیۃ پڑھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے التحیات کو بدلا اور حدیث مرفوع کے مقابل اجتہاد صحابی قبول نہیں۔ اور ان صحابہ کرام نے بھی اس لئے تبدیل نہ کیا کہ نذر غائب حرام ہے۔ ورنہ زندگی پاک میں دور رہنے والے صحابہ خطاب والی التحیات نہ پڑھتے۔ آخر میں خیر، مگر نہ۔ نجد۔ عراق تمام جگہ نماز ہوتی تھی۔ تو اس میں وہ ہی التحیات پڑھی جاتی تھی۔ نذر غائب برابر ہوتی تھی۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو حجاز میں تشریف فرما تھے اور نذر والی التحیات ہر جگہ پڑھی جارہی تھی نہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا نہ صحابہ کرام نے کچھ شبہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے التحیات سکھاتے وقت یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ التحیات صرف ہماری زندگی پاک میں ہے اور ہماری وفات تشریف کے

بعد دوسری پڑھنا۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۱۷ میں ہے: لہذا صیغہ خطاب کو بدلنا ضروری نہیں اور اس میں تقلید بعض صحابہ کی ضروری نہیں۔ ورنہ خود حضور علیہ السلام فرماتے کہ بعد میرے انتقال کے خطاب نہ کرنا۔ بہر حال صیغہ خطاب رکھنا اولیٰ ہے۔ اصل تعلیم اسی طرح ہے۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ بعض صحابہ کا یہ فعل حجت نہیں ورنہ لازم آوے گا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں شرک ہوتا رہا۔ اور منع نہ فرمایا گیا۔ بعد میں بھی بعض نے بدلنا نہ کر کے رکھ دیا۔ بلکہ مراتب باب التہذیب فیہ فصل میں ہے۔ وَ اَمَّا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ كُنَّا نَقُولُ اِنَّهُمْ هُوَ اَبْنِ عَوْنَتِهِ دَمْرُ دَايَةِ الْبَخَارِيِّ اصَحُّ فَيُحَايِسُنْتُ اَنَّ ذَلِكَ كَيْسٌ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ بَنِي مِنْ فِيهِمُ الرَّادِي عَنْهُ وَ لَفْظُهَا فَلَمَّا تَضَيُّعُ فَلَمَّا سَلَّمْتُ بَعَثَنِي عَلَى النَّبِيِّ فَقَوْلُهُ فَلَمَّا سَلَّمْتُ يَحْتَمِلُ اَنَّهُ ارَادَ بِهِ اِسْتَقْرَرُ دَنَا عَلٰی مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے التیجات پر گزرتے ہوئے یہ سرفرازی کی فہم ہے نہ کہ اصل واقعہ بعض دہائی کہتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ ہماری آواز سنتے ہیں شرک ہے کیونکہ دور کی آواز سننا تو خدا ہی کی صفت ہے غیر خدا میں یہ طاقت ماننا شرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو یار رسول اللہ صیغہ غوث وغیرہ کہنا جائز ہے۔ جیسے ہوا کو ندا دیا کرتے ہیں "سن اے باد صبا" وغیرہ کہ وہاں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہوا سنتی ہے آج کل عام دہائی یہ ہی غلط فہم پیش کرتے ہیں فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ میں بھی اسی پر زور دیا ہے۔

جواب: دور سے آواز سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں۔ کیونکہ دور سے آواز تو وہ سنے جو پکارنے

والے سے دور ہو۔ رب تعالیٰ تو سرگ سے بھی زیادہ قریب ہے خود فرماتا ہے۔

تَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ وَ اِذَا سَاَلْتَ جِبَادِي عَنِّي فَاِنِّي قَرِيبٌ -

ہم تو شاہِ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں جب میرے بندے آپ میرے بارے میں پوچھیں تو فرماؤ کہ قریب میں ہوں۔ اے میرے جلال و جلال کے برابر قریب ہی ہوں۔

لہذا پروردگار تو قریب ہی کی آواز سننا ہے ہر آواز اس سے قریب ہی ہوتی ہے کہ وہ خود قریب ہے اور اگر مان لیا جواسے کہ دور کی آواز سننا اس کی صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو اس کی صفت ہے لہذا کیا کہ قریب والے کو بھی سامع سمجھ کر نہ پکارو۔ ورنہ مشرک ہو جاؤ گے سب کو بہر احوال۔ نیز جس طرح دور کی

سَلِيمٌ وَجُنُودُهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

تفسیر روح البیان وغیرہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ آپ نے تین میل سے چوٹی کی یہ آواز سنی خیال کرو کہ چوٹی کی آواز اور تین میل کا فاصلہ کیسے یہ شرک ہو کر نہیں؟ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر ہے کہ فن کے بعد میت قبر میں سے باہر والوں کے پاؤں کی آواز سنتی ہے اور زائرین کو دکھتی اور بھیجتی ہے اسی لیے قبرستان میں جا کر اہل قبور کو سلام کرنا چاہیے اس قدر مٹی کے نیچے ہو کر اتنی آواز کو سننا کس قدر دور کی آواز سننا ہے۔ کہو شرک ہو یا کہ نہیں؟ ہم بحث علم غیب اولیاء اللہ میں مشکوٰۃ کتاب الدعوات کی حدیث نقل کر چکے ہیں کہ اللہ کا ولی خدائی طاقت سے دیکھتا، سنتا اور چھوتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ اپنی قوت عطا فرماوے۔ وہ اگر دور سے سنے تو کیوں شرک ہے؟ مخالفین کے معتمد اور معتبر عالم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فتاویٰ عبدالحی کتاب العقائد صفحہ ۴۴ میں اس سوال کے جواب میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ لَمْ یَلِدْ لَمْ یُولَدْ لَمْ یَحْضَرْ عَلَی الصَّلٰوۃ وَالسَّلَام کی شان ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ حَضَرَ عَلَی السَّلَام کی صفت ہے ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا۔ جبکہ آپ چہل روزہ تھے آپ نے فرمایا کہ مادر مشفقہ نے میرا ہاتھ مضبوط باندھ دیا تھا۔ اس کی اذیت سے مجھ کو رونا آتا تھا۔ اور چاند منع کرتا تھا۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ اُن دنوں آپ چہل روزہ (چالیس دن) کے تھے یہ حال کیونکہ معلوم ہوا کہ فرمایا لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا اور فرشتے عرش کے نیچے تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز سنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا۔ اس روایت سے تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والدہ ماجدہ کے شکم میں ہی عرش و فرش کی تمام آوازیں سنتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت اپنے نیک شوہر سے رطے تو جنت سے حور بچا کر اُسے طاعت کرتی ہے (مشکوٰۃ باب معاشرۃ النساء) معلوم ہوا کہ گھر کی کوٹھڑی کی جنگ کو حور اتنی دور سے دیکھتی اور سنتی ہے اور پھر اُسے علم غیب بھی ہے کہ اس آدمی کا انجام بخیر ہوگا۔ دور میں سے دور کی چیزیں دیکھتے ہیں ریڈیو و ٹیلیفون سے دور کی آواز سنتے ہیں۔ تو کیا نبوت ولایت کی طاعت بچی کی طاعت سے بھی کم ہے معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں حضرت بلال کے قدم کی آہٹ سنی۔ حالانکہ بلال کو معراج نہ ہوئی تھی اور اپنے گھر ہی میں تھے۔ یہاں نماز تہجد

کے لئے چل چھڑے ہوں گے وہاں آہٹ سنی جا رہی تھی اور اگر حضرت بلال بھی بحکم مثالی جنت میں پہنچے تو حاضر و ناظر کا ثبوت ہوا۔

ان سب باتوں کے متعلق مخالف یہ بھی کہے گا کہ وہ تو خدا نے سنایا تو ان حضرات نے سن لیا۔ پس ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو خدا دور کی آوازیں سناتا ہے تو یہ سنتے ہیں خدا تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی اُن کی عطائی۔ خدا کی یہ صفت قدیم۔ ان حضرات کی حادث۔ خدا کی یہ صفت کسی کے قبضہ میں نہیں ان کی یہ صفت خدا کے قبضہ میں۔ خدا کا سننا بغیر کان وغیرہ عضو کے۔ ان کا سننا کان سے اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ اس نذر کے متعلق اور بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ مگر اسی قدر پر ہی کفایت فرمے علماء تے عقلان دے انہیں پٹا ڈوئے نے میں مٹا دیکھ کے اُس نوں تھر بھی کلر پڑھے نے

بحث اولیاء اللہ و انبیاء سے مدد مانگنا

اولیاء اللہ اور انبیاء کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو رب تعالیٰ ہی کی ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں اور مسلمان کا یہ ہی عقیدہ ہوتا ہے کوئی جاہل بھی کسی دلی کو خدا نہیں سمجھتا۔ اس بحث میں دو باب ہیں۔

پہلا باب

غیر اللہ سے مدد مانگنے کے ثبوت میں

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآنی آیات احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء و محدثین اور خود مخالفین کے اقوال سے ہے ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے۔
 وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِمَّنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّ كُنتُمْ صَادِقِينَ | اور اللہ کے سوا اپنے سارے حمایتیوں کو بلاؤ۔
 اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی مثل ایک سورہ بنا کرے اور اپنی امداد کے لئے اپنے حمایتیوں کو بلاؤ۔ غیر اللہ سے مدد لینے کی اجازت دی گئی۔

قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَادِثُونَ
 كَمَا مَسَّحَ نَفْسِي فِي يَدَيْهِ
 کہا مسح نے کون ہے جو مدد کرے میری طرف اللہ کی کہا حواریوں نے تم مدد کریں گے اللہ کے دین کی۔

اس میں فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرا مددگار کون ہے۔ حضرت مسیح نے غیر اللہ سے مدد طلب کی۔

وَتَعَاذُوا عَلَى الْيَتِيمِ وَالشَّقَوِي وَلَا تَعَاذُوا
عَلَى الْإِلَهِ وَالْعَدْوَانِ۔

اس آیت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ۔

اس میں خود رب تعالیٰ نے جو کہ غنی ہے اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب تعالیٰ نے ميثاق

کے دن اور ارح انبياء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عہد لیا۔

لَسَوْفَ مُنِّيَ بِهِ وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا
مَعْلُومًا مَّا كَانَتْ لَهُمْ فِي دِينِهِمْ حِكْمَةٌ۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی مدد کا ميثاق کے دن سے حکم ہے۔

وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ
اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو اور نماز و صبر بھی تو غیر اللہ ہیں۔

وَأَعِظُوْنِي بِقُوَّةٍ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ذوالقرنین نے دیوار آسمانی بناتے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب

تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَيُّدِكَ بِنَصْرِهِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ
اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔

فرماتا ہے کہ اللہ مولانا ہے اور جبریل و صالح

المؤمنین و الذلک بَعْدَ ذَلِكَ ظَاهِرًا۔

فرماتا ہے۔ اِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ
الَّذِينَ يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ سَارِعُونَ ہ

فرماتا ہے وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ط دوسری جگہ فرماتا ہے نَحْنُ أَوْلِيَاءُ

یعنی رسول کے مددگار اللہ اور جبریل اور متقی مسلمان

میں بعد میں فرشتے ان کے مددگار ہیں۔

یعنی اے مسلمانو تمہارا مددگار اللہ اور رسول اور وہ مسلمان

میں جو زکوٰۃ دیتے ہیں نماز پڑھتے ہیں۔

کُتِبَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْأَخِرَةِ - معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بھی مددگار ہے اور مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے مگر رب تعالیٰ بالذات مددگار اور یہ بالعرض -

موسیٰ علیہ السلام کو جب تبلیغ کے لئے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو عرض کیا -
 وَاجْعَلْ لِي ذُرِّيَّتًا مِّنْ أَهْلِ هَرُونَ اَوْحَىٰ اِلَيْهِ اٰمَنَّا بِرَحْمَةِ رَبِّكَ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
 خدا یا میرے بھائی کو نبی بنا کر میرا وزیر کر دے میری پشت کو ان کی مدد سے مضبوط کر دے -

رب تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا کا سہارا کیوں لیا میں کیا کافی نہیں ہوں۔ بلکہ ان کی درخواست منظور فرمائی۔ معلوم ہوا کہ بندوں کا سہارا لینا منقہ امتیاز ہے۔

مشکوٰۃ باب السجود فضیلہ میں ربیعہ ابن کعب سلمیٰ سے روایت مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا
 سَلِّ فَقُلْتُ اَسْأَلُكَ مَا فَاقَتْكَ فِي الْجَنَّةِ
 کچھ مانگ لو میں نے کہا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی
 قَالَ اَوْ غَيْرَ ذَلِكَ فَقُلْتُ هُوَ ذَلِكَ قَالَ
 ہم اسی مانگتا ہوں۔ فرمایا کچھ اور مانگنا ہے میں نے کہا ہاں
 فَأَعِيتَنِي عَلَى نَفْسِكَ بِكُنُوزِ السَّجُودِ
 یہی فرمایا کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی۔ تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہو گئے بلکہ فرمایا وہ تو منظور ہے کچھ اور بھی مانگو۔ یہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام بھی فرماتے ہیں اِغْنِنِي اَسْأَلُ رَبِّيَ اَنْ يَّعْزِمَ لِي مِنْ رَّحْمَتِهِ مَا يَكْفِي لِي فِي الْجَنَّةِ
 زیادہ نوافل پر مٹھا کر دینے بھی غیر اللہ سے طلب مدد ہے۔ اسی حدیث پاک کے ماتحت اشعۃ الدعات میں ہے۔ "واذا اطلاق سوال کہ فرمود سَلِّ وَتَخَفِصْ نہ کرو مطلوب ہے خاص معلوم ہے شود کہ کار ہمد بدست ہمت و کرامت اوست ہر چه خواہد ہر که خواهد باذن پروردگار خود بدد ہر چه

فَاَنْ مِّنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَصَمَوَاتِهَا ۝ دَمِنَ عَلْوُكَ مِثْلَ عَلْوِ اللّٰوْحِ وَالْقَلَمِ
 اگر خیریت دنیا و عقبے آرزو داری ۝ بدگاہش بیا دہر چه می خواہی متنا کن ا
 سوال کو مطلق فرمانے سے کہ فرمایا کچھ مانگ لو۔ کسی خاص چیز سے مفید نہ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ
 سارا معاملہ حضور ہی کے ہاتھ کرنا ہے۔ جو چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دیدیں کیونکہ دنیا
 و آخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے اگر دنیا و آخرت
 کی خیر چاہتے ہو تو ان کے آستانے پر لڑو اور چہا ہو مانگ لو۔

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت ربے اور تین سو سال تک ربے چہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کعبہ پاک
سوارب تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب میرا کعبہ بغیر میرے محبوب کے ملاو کے پاک نہیں ہو سکتا۔ تو تبار اول اُن
کی نظر کو کم کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا۔

نور الانوار کے خطبہ میں خالق کی بحث میں ہے۔ هُوَ الْجَوْدُ بِأَكُونَيْنِ وَالتَّوَجُّهُ إِلَى حَاقِيقِهَا يَعْنِي
دونوں جہان اوروں کو بخش دینا اور خود خالق کی طرف متوجہ ہو جانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خالق ہے
اور ظاہر ہے کہ دونوں دوسروں کو وہ ہی بخشے گا جو خود ان کا مالک ہو گا۔ ملکیت ثابت ہوئی۔

شیخ عبدالحق کی ان عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
سے مانگو، مال مانگو، جنت مانگو، جہنم سے پناہ مانگو، بلکہ اللہ کو مانگو۔ ایک صوفی شاعر خوب فرماتے ہیں۔
محمد از تو سے خواہم خدا را ! خدا یا از تو عشق مصطفیٰ را

یا رسول اللہ میں آپ سے اللہ کو مانگتا ہوں ۔ اور اے اللہ میں تجھ سے رسول اللہ کو مانگتا ہوں
حضرت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَكَوْنُكُمْ إِذْ ظَلَمْتُمْ
أَنْفُسَكُمْ جَاءُ ذَلِكَ فَاستَغْفِرُوا اللَّهَ وَاللَّهُ تَوَّابٌ
ترجمہ۔ اس کا ترجمہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی بارگاہ میں آجائے پھر خدا سے اپنی
معفرت مانگتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس اللہ کو
پالیتے۔ مگر کس شان میں تو اباً تم جیسا تو بے قبول فرمانے والا مہربان یعنی آپ کے پاس آنے سے
اُن کو خدا مل جاتا۔ ع۔ اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری گلی میں

اشعة اللمعات کی طرح مرقاة شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت فرمایا ہے كَفَيْعُطِي لَيْلٍ
شَاءَ مَا شَاءَ حَضَرُوا عَلَيهِ السَّلَامُ جِسْنًا كَوْجُوًّا هَيْبَةً دَسَّ دِيْنًا - تفسیر کبیر جلد سوم پارہ ۷ سورۃ انعام زیر
آیت وَلَوْ اَشْرَكُوْا الْحَبِيْطُ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ہے۔

تیسرے ان میں انبیاء ہیں یہ وہ حضرات ہیں جن کو
رب نے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں جن سے
وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی ارواح پر تصرف
کر سکتے ہیں اور ان کو اس قدر قدرت و قوت

وَكَاثِرًا اَلْاَنْبِيَاءُ وَهُمْ الَّذِيْنَ اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ
تَعَالٰى مِنَ الْعِلْمِ وَالْمَعَارِفِ مَا لَا اَجْلَ لَهُ يَفْقَهُوْنَ
عَلٰى النَّصْرَةِ فِيْ بَوَاطِنِ الْخَلْقِ وَاَنْوَارِ هِمِّهِ
اَيْضًا اَعْطَاهُمُ مِنَ الْقُدْرَةِ وَالْمَكْنَةِ مَا لَا اَجْلَ لَهُ

يَقْدِرُونَ عَلَى النَّصْرِ فِي ظَوَاهِرِ الْخَلْقِ | دی ہے جس سے مخلوق کے ظہر پر تصرف کر سکتے ہیں۔
اسی تفسیر کبیر پارہ المذاد قال سر تبارک للملكية کی تفسیر میں ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی جنگل میں بھٹس جائے تو کہے۔

أَعِينُونِي عِيَادَ اللَّهِ بِرَحْمَتِهِ اللَّهُ ۝ اے اللہ کے بند میری مدد کرو رب تم پر رحم فرمائے۔

تفسیر روح البیان سورہ مائدہ پارہ ہزیر آیت وَلَيَسَّعُونَ فِي الْأَمْزَانِ فَسَادًا ہے کہ شیخ صلاح اللہ
فرماتے ہیں مجھ کو رب قدرت می ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گردوں اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو
ہلاک کروں اللہ کی قدرت سے لیکن علم صلاح کی دعا کرتے ہیں یشنوی شریف میں ہے ۷

اولیاء اہست قدرت ازالہ ۶ تیر جستہ باز گرداند ز راہ !

اولیاء کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے ۷ کہ چھوٹا ہوا تیر واپس کر لیں

اشعۃ المعات شروع باب زیارت القبور میں ہے امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوسے
حیات استمداد کردہ سے شود بوسے بعد از وفات یکے از مشائخ گفتہ دیم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف می
کنند در قبور خود مانند تر فہار ایشان در حیات خود یا بیشتر۔ تو سے سے گویند کہ ادا می قوی نزاست و
من سے گویم کہ ادا میست قوی تر و اولیاء را تصرف در اوان حاصل است و ان نیست مگر ادراج ایشان را
و ادراج باقی است ۷ امام غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے ان کی وفات کے
بعد بھی مدد مانگی جاوے ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبروں میں بھی وہ ہی عمل درانداز
ہیں جو زندگی میں کرتے تھے باز یادہ ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردہ
کی امداد زیادہ قوی۔ اولیاء کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر انکی روح کو کیونکہ ادراج باقی ہیں۔ حاشیہ
مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے :-

وَأَمَّا الْأَسْتِمْدَادُ بِأَهْلِ الْقُبُورِ فِي غَيْرِ النَّبِيِّ
عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْأَنْبِيَاءُ فَقَدْ أَنْكَرَ كَثِيرٌ مِنَ
الْفُقَهَاءِ وَاسْتَبْتَهُ الْمَشَائِخُ الْقُصُوبِيَّةُ وَبَعْضُ
الْفُقَهَاءِ قَالَ الْأَمَامُ الشَّافِعِيُّ قَبْرُ مُوسَى الْكَافِي
بِرِيَاءَتِهِ مَجْرَبٌ لَا جَابِيَةَ الدَّعَاءِ وَقَالَ الْأَمَامُ

نبی علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اہل قبور سے
دعا مانگنے کا بہت سے فقہاء نے انکار کیا اور مشائخ صوفیہ
اور بعض فقہاء نے اسکو ثابت کیا ہے امام شافعی فرماتے
ہیں کہ مری کا ظلم کی قبولیت دعا کیلئے آزمودہ تریاق ہے
اور امام محمد غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی

الْغُرَىٰ مَنْ يَسْتَعِذُّ فِي حَيَاتِهِ بِسَعْدٍ بَعْدَ وَقَاتِهِ | جاسکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا ربنا یا ربنا سے کرام سے مدد مانگنے میں تو کسی اختلاف نہیں قبول کیا۔ مدد مانگنے میں اختلاف ہے، علمائے ظاہرین نے انکار کیا صرف اہل کرام و فقہاء اہل کشف نے جائز فرمایا۔

حصن حصین صفحہ ۲۰۲ میں ہے: حَتَّىٰ أَمَرَا عَوْنًا
فَلَيْقُلْ يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي يَا عِبَادَ اللَّهِ
أَعِينُونِي يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي۔
جب مدد لینا چاہے تو کہہ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

اس کی شرح الحرمین میں علامہ علی قاری اسی جگہ فرماتے ہیں۔

إِذَا انْقَلَبْتَ دَابَّةً أَحَدُكُمْ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ
فَلْيُنَادِ يَا عِبَادَ اللَّهِ احْبِسُوا۔
یعنی جب جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو آواز دو کہ اے اللہ کے بندو اسے روک دو۔

عباد اللہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

الْمُرَادُ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَوِ الْمُسْلِمُونَ مِنْ
الْبَحْرِ أَوْ مِنْ جِهَالِ الْغَيْبِ الْمُسْتَعِينُونَ بِأَعْدَالِ
پھر فرماتے ہیں: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ يُحْتَاجُ
إِلَيْهِ الْمُسَافِرُونَ دَابَّةً فَجَرَبَ۔
یعنی بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا حین یا ربان الغیب یعنی اہل مراد ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ مثل مجرب ہے۔

شاہ عبدالغفریز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۲۰۲ پر فرماتے ہیں: باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہی کہ اعتماد باشد و اور اعوان الہی نہ اند حرام است و اگر التفات محض بجانب حق است و اور ایک از مظاہر عون الہی دانستہ و بکار خانه اسبابی و حکمت او تعالے در آن نموده بغیر استعانت ظاہر نماید و دراز عرفان نخواہد بود و در شرح نیز جائز و رواست و در ایثار و ادب ایں نوع استعانت تعبیر کرده اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لا غیر۔ سمجھنا چاہیے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ کہ اس کو مدد الہی نہ سمجھ کر حرام ہے اور اگر تو بھروسہ حق تعالے کی طرف ہے اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں جائز ہے اور اس کو ایثار و ادب الہی کی مدد کہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ حق تعالے کے غیر سے مانگنا نہیں ہے لیکن اسکی مدد سے ہے تفسیر عزیزی سورہ بقرہ صفحہ ۲۰۴ میں شاہ عبدالغفریز صاحب فرماتے ہیں: افعال غاری

الہی راتیں بخشیدیں فرزند تو وسیع رزق و شفا و مرہون و امثال ذالک را مشرکان نسبت بہ ارواح خبیثہ انسانام می نمایند و کافر می شنوند۔ از تاثیر الہی یا خواص مخلوقات اوحی و اندازا و دید و مغایر یا دعائے صلوات برنگان اود کہ ہمد از جناب او درخواستہ انجام مطلب می کنند می فہمد و در ایمان ایشان خلل نمی افتد۔ اللہ کے کام جیسے لوگ دینا رزق بڑھانا بیمار کو اچھا کرنا اور اس کی مثل کو مشرکین خبیث روحوں اور بتوں کی عورت نسبت کرتے ہیں اور کافر جو جاتے ہیں اور مسلمان ان امور کو مکمل الہی یا اس کی مخلوق کی خاصیت سے جانتے ہیں جیسے کہ وہ ایمان یا مغایر یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور ان مومنین کے ایمان میں اس سے خلل نہیں آتا۔

بستان المحمدين میں شاہ عبدالعزیز صاحب شیخ ابوالعباس احمد زردونی کے یہ اشعار نقل کرتے ہیں۔

أَنَا لِمُرِيدِي جَامِعٌ لَشَأْنِهِ * إِذَا مَا طَلَى جُورُ الْمَرَامِ بْنِ كَبْتِهِ !

وَإِنْ كُنْتُ فِي ضَيْقٍ وَكَرْبٍ وَخَشْيَةٍ * فَتَنَادِي بَأْسَ زَوْقٍ أَلَيْسَ بِسَرْعَةٍ !

میں اپنے مرید کی پرگندگیوں کو جمع کرنے والا ہوں جبکہ زمانہ کی مصیبتیں اس کو تکلیف دیں۔ اگر توتنگی یا مصیبت یا وحشت میں ہو تو پکار کر اسے زروق! میں فوراً آؤں گا۔

تفسیر کبیر و روح البیان و غازن میں سورہ یوسف زیر آیت فَبَشِّرْ فِي السَّجْنِ بَعْضَ سَيِّئِينَ ہے
أَلَا سَتَعَانَهُ بِالنِّاسِ فِي دُعَاءِ الضُّرِّ وَالظُّلْمِ جَائِدَةً أَوْ غَازِنَ زِيرَ آيَاتِ فَالْأَسَاءَةُ الشَّيْطَانُ ہے
أَلَا سَتَعَانَهُ بِالْمَخْلُوقِ فِي دُعَاءِ الضُّرِّ بِجَائِدَةٍ مُصِيبَتٍ وَدُرُكُنِي كَيْ يَسَّيْءَ مَخْلُوقٌ سَعْدَ لِيْنَا جَائِدَةً
در مختار جلد سوم باب الملقطہ کے آخر میں لکھی ہوئی چیز تلاش کرنے کے لئے ایک عمل لکھا۔

جس کسی کی کوئی چیز نگم ہو جو اسے درود چاہے کہ خدا وہ چیز واپس ملاوے تو کسی اونچی جگہ پر قبہ کو منکر کے کھڑا ہوا اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب بن علیہ السلام کو دیدیہ کرے پھر سیدی احمد ابن علوان کو پھر یہ دعا پڑھے۔ اے میرے آقا ابے احمد ابن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو فخر اولیاء سے نکال لوں گا۔ پس خدا تعالیٰ اسکی لگی ہوئی چیز ان کی برکت سے ملاوے گا۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ إِذَا ضَلَّ لَهُ شَيْءٌ ذَارَ أَنْ يُوَدِّعَ اللَّهَ عَلَيْهِ فَلْيَقِفْ عَلَى مَكَانٍ عَالٍ مُسْتَقْبِلِ الْقَبِيلَةِ وَيَقْرَأُ الْفَاتِحَةَ وَيَهْدِي ثَوْبَهَا لِلنَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ يَهْدِي ثَوْبَهَا لِسَيِّدِي أَحْمَدَ ابْنِ عَلَوَانَ يَقُولُ يَا سَيِّدِي يَا أَحْمَدَ ابْنَ عَلَوَانَ إِنْ لَمْ تُوَدِّعْ عَلَى ضَالَّتِي وَالْأَنْعَمْتَ مِنِّي دُونَ الْأَذْيَاءِ فَإِنَّ اللَّهَ يُوَدِّعُ ضَالَّتَهُ بِبُرْكَتِهِ -

اس دعائیں سید احمد ابن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی ان سے گئی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعائیں
نے بتائی حنفیوں کے فقیر اعظم صاحب در مختار نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرمائی ہیں

يَا اَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَفَاؤُ السُّوْرِى ۞ بَدَدْنِي بِجُودِكَ وَاَمْرُضْنِي بِرِضَاكَ

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُودِ مِنْكَ لَمْ يَكُنْ ۞ لِذَلِكَ حَقِيْقَةٌ فِى الْاَنَا مِ سِوَالِكَ

اے موجودات سے اکرم اور نعمت الہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ
کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرمائیے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوار ابو حنیفہ کا
خلق میں کوئی نہیں۔ اس میں حضور علیہ السلام سے صریح مدد لی گئی ہے۔ قصیدہ بردہ میں ہے

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِيْ مِنْ اَكْوَ ذِبْ ۞ سِوَاكَ عِنْدَ خُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَرِ

اے تمام مخلوق سے بہتر میرا کسے سوا کوئی نہیں ۞ جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت

اگر عجمان علماء وفقہاء و مشائخ کا کلام جمع کریں۔ جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے۔ تو
اس کے لئے دفتر درکار ہیں صرف اتنے پر ہی اتفا کرتے ہیں۔ نیز ہم سفر برائے زیارت قبور میں شامی کی
عبارت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام
ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں ان کی برکت سے کام لے جاتا ہوں۔ نیز منہ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی
الشریعت عبدالقادر مصنف ملا علی قاری صفحہ ۶۱ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔

مَنْ اسْتَعَاثَنِيْ فِىْ كُرْبَةٍ كَشِفْتُ عَنْهُ ۞
مَنْ نَادَانِيْ بِاسْمِيْ فِىْ شِدَّةٍ فَرَجَّتْ
عَنْهُ ۞ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِيْ اِلَى اللّٰهِ فِىْ
حَاجَةٍ قَضَيْتْ۔

پھر اسی جگہ ہے کہ حضور غوث پاک نماز غوثیہ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں
۱۱۔ بار سورہ اخلاص پڑھے۔ سلام پھر کہ ۱۱ بار صلوٰۃ و سلام پڑھے پھر بغداد کی طرف (جانب شمال) ۱۱ قدم چلے
برقروں پر میرا نام لے کر اپنی حاجت عرض کرے اور دو شعر پڑھے

اَيُّدِىْ رَکْبَتِيْ صَيِّمٌ دَانْتُ دَخِيْنَتِيْ ۞ وَاَظْلَمَ فِى الدُّنْيَا اَدَانْتُ نَصِيْرَتِيْ

وَعَاثَرْتُ عَلَى حَاوِي الْحَيِّ وَهُوَ مُتَجِدِدِيْ ۞ اِذَا ضَاعَ فِى الْبَيْتِ لِعَقَالٍ بَعِيْرَتِيْ

یہ کہہ کر ملا علی قاری فرماتے ہیں دَقْدُ جَبْرَتٍ ذَالِكُ مَرَّاسٍ اَصَحَّ یعنی بارگاہِ نماز غوثیہ کا تجربہ کیا گیا۔ درست نکلا کیسے حضور غوث پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مدد مانگو اور خفیوں کے بڑے معتبر عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اُسے بغیر تردید نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں سے بعد وفات مدد مانگنا جائز اور فائدہ مند ہے۔

یہاں تک تو ہم نے قرآنی آیات اور احادیث اور اقوال فقہاء و علماء و مشائخ سے ثبوت دیا اب خود منع کرنے والوں کے اقوال سے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

مولوی محمود حسن صاحب دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پارہ نکاح حاشیہ انہوں نے لکھا باقی کا مولوی شبیر احمد صاحب نے۔ اس میں آیَاتُ کَسْبِیْنَ کے تحت فرماتے ہیں ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے۔ کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے بس فیصلہ ہی کر دیا۔ یہ ہی ہمارا دعویٰ ہے۔ کوئی مسلمان بھی کسی نبی یا ولی کو خدا نہیں جانتا خدا کا فرزند محض و سید ماننا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الخط والاباحۃ صفحہ ۶۴ پر ایک سوال و جواب ہے۔

سوال :- اشعار اس مضمون کے پڑھنے پر رسول کبریا فریاد ہے + یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے +

مدد کر میرے خدا حضرت محمد مصطفیٰ + میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے + کیے ہیں۔

الجواب: ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور غفلت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع

فرمادے یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ پر ہے کہ مولوی

رشید احمد صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ ان اشعار کو بطور وظیفہ یاد و پڑھنا کیسا ہے ؟

يَا رَسُولَ اللَّهِ اَنْظُرْ حَالَنَا ۚ يَا رَسُولَ اللَّهِ اَسْمَعْ قَالَنَا !

اِسْتَجِنِي فِي بَحْرِ هَيْمَةِ مَغْرَقٍ ۚ خَذِيْدِي سَهْلَ لَنَا اَشْكَالَنَا

یا قسیدہ بردہ کا یہ شعر وظیفہ کرنا ہے

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَلَكِي مِنَ الْوُذِيَةِ ۚ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَةِ

جواب دیا کہ ایسے کلمات کو نظم ہوں یا ستر در در کرنا مکروہ تنزیہی ہے کفر و فسق نہیں۔

ان دونوں عبارتوں میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگنے کو کفر و شرک نہیں بلکہ جائز، زیادہ سے

زیادہ کردہ تشریحی کہا + قصائد قاسمی میں مولوی قاسم صاحب فرماتے ہیں کہ
مدد کر اسے کریم احمدی کہ تیرے سوا + نہیں ہے قاسم سبکس کا کوئی حامی کار
اس میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے اور عرض کیا ہے آپ کے سوا میرا کوئی بھی حامی نہیں یعنی
خدا کو بھی بھول گئے + ترجمہ صراط مستقیم اردو خانہ قیسرا افادہ صفحہ ۱۴۴ پر مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں
اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مقاصب رفیعہ صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تفرقت کرنے
کے مازون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں تم اب چاہے ڈباؤ یا تراؤ یا کس رسول اللہ
فناؤ یا رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۹ میں ہے۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے۔ اے محمد
یا عیساٰ اللہ یعنی اے اللہ کے بند میری مدد کرو۔ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں ہے بلکہ
عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے
رہاں مقرر کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبوں میں کچھ اللہ کے بندے اللہ کی مدد سے اسی لئے کہتے ہیں کہ لوگوں کی
مدد کریں ان سے مدد مانگا جائز ہے مدعی ہمارا بھی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے استمداد جائز ہے۔ رملہ فیصلہ کہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم مدد فرما سکتے ہیں یا کہ نہیں ہم اس کے متعلق بہت کچھ عرض کر چکے اور آئندہ عقلی دلائل میں بھی بیان کریں گے۔
مولوی محمود حسن صاحب اولہ کالمہ میں صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں کہ آپ اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا
حیوانات، بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ القصد آپ اصل میں مالک ہیں اور یہی وجہ کہ عدل نمبر آپ کے ذمہ واجب دانہ تھا۔
صراط مستقیم دوسری ہدایت کا پہلا افادہ صفحہ ۱۰۵ میں مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ اور حضرت تفسیر رضی اللہ تعالیٰ
عنه کیلئے شیخین پر بھی ایک گورہ فضیلت ثابست، اور وہ فضیلت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت
بالکے تظہیرت و غوثیت اور الہییت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی
وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی لاریت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سر
کرنے والوں پر مخفی نہیں۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت امیری ولایت غوثیت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں کو ملتی
دیوبندیوں کے پیروں میں حاجی امداد اللہ صاحب اپنی کتاب ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں اس مرتبہ میں پہنچ کر بندہ

خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس کو برزخ کہتے ہیں اور اس میں وجوب و امکان مساوی ہیں۔ کئی کئی پرغلبہ نہیں اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہو جاتا ہے۔ (رنیدار القلوب مطبوعہ مکتب خانہ انٹرفیہ راشد کمپنی دیوبند صفحہ ۲۹ کے مراتب کا بیان) غور کر دیر حجاب نے بندہ کو باطن میں خدا مان دیا عالم میں متصرف۔

یکشنبہ ۹ جولائی ۱۹۶۱ء کے جنگ راولپنڈی میں خبر شائع ہوئی کہ صدر پاکستان محمد یوسف خان صاحب جب امریکہ کے دورے پر گرجاچی سے روانہ ہوئے تو مولانا اقصیٰ الحق صاحب دیوبند نے صدر کے بازو پر امام مٹامن باندھا اور ۱۰ جولائی ۱۹۶۱ء کو دُشنبہ کے جنگ میں مولانا کا فوٹو شائع ہوا جس میں آپ صدر کے بازو پر امام مٹامن باندھ رہے ہیں۔ امام مٹامن کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم امام حسین کے نام کا دیوبند مسافر کے بازو پر باندھتے ہیں امام حسین اٹھے مٹامن ہیں۔ ان کے سپرد کرتے ہیں جب مسافر بحیرتِ راپس آوے تب اس روپیہ کی خاتمہ امام حسین کے نام کی کی جاوے جو ان کے سپرد مسافر کیا گیا تھا۔ دیکھو اس میں امام حسین کی مدد بھی لی گئی۔ ان کی فاتحہ بھی کی گئی اُن کی نذر بھی مانی گئی۔ جناب صدر کو ان کے سپرد بھی کیا سبحان اللہ کیسا ایمان افروز کام ہے خدا کا شکر ہے کہ دیوبند بھی اس کے قائل ہو گئے۔

امداد القنادی مصنف مولوی اشرف علی صاحب جلد ۴ کتاب العقائد و الکلام صفحہ ۹۹ میں ہے
جو استقامت و استمداد با عقائد علم و قدرت مستقل ہو وہ مشرک ہے اور جو با عقائد علم و قدرت غیر مستقل
ہو اور وہ علم قدرت کی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ مستمد مذہبی ہو یا میت "بل فیصلہ جی فرمایا
کہ مخلوق کو غیر مستقل قدرت مان کر ان سے استمداد جائز ہے اگرچہ میت ہی سے مانگی جائے یہی ہم کہتے ہیں۔
مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شمیم العلیب کے عربی اشعار کا ترجمہ
کیا جس کا نام شیر الطیب رکھا جس میں حضور علیہ السلام سے بے دریغ امداد مانگی اشعار حسب ذیل ہیں۔

شیخ الطیب ترجمہ شمیم الحبیب مصنف مولوی اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۱۲۵ -
يَا سَفِيحَ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِي * أَنْتَ فِي الْإِضْطِرِّ مُعْتَمِدِي
دستگیری کیجئے میری نبی * کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
لَيْسَ فِي مُلْجَاءِ سِدَاكَ أَعِثْ * مَسْنِي الضَّرَّ سُبْدِي سُبْدِي

جڑ تہارے ہے کہاں میری پناہ * فوج کلفت مجھ پر غالب ہوئی!

عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ * كُنْ مُعِينًا كُنْتَ لِي مُدِي

ابن عبداللہ زمانہ ہے خلافت * اسے مرے موئی خبر لیجے مری

نام احمد چوں حصینے شد حصین * پس چہ باشد ذات آل روح الامین

نشر الطیب فی ذکر ابن العجیب

اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت

دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں کے کاروبار اس عالم کے کاروبار کا پتہ دیتے ہیں اسی لیے قرآن کریم نے حشر نشر اور رب کی الوہیت کو دنیاوی مثالوں سے ثابت فرمایا ہے مثلاً فرمایا کہ خشک زمین پر بارش پڑتی ہے تو پھر سبزہ زار بن جاتی ہے۔ اسی طرح بے جان جسموں کو دوبارہ حیات دی جاوے گی نیز فرمایا کہ تم گوارا نہیں کرتے کہ تہارے۔ غلاموں میں کوئی اور شریک ہو تو ہمارے ملکیت میں تبوں وغیرہ کو کیوں شریک مانتے ہو، غرض دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے بلکہ سلطنت کے کاموں کے لیے محکمہ بنا دیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں کوئی افسر اور کوئی ماتحت۔ پھر ان تمام محکموں کا مختار یا حاکم اعلیٰ وزیر اعظم کو منتخب کرتے ہیں۔ یعنی ہر کام بادشاہ کی مرضی اس کے مشار سے ہوتا ہے۔ لیکن بلا واسطہ اس کے ہاتھ سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے اپنا علم رکھتا ہے کیونکہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے۔ اپنی اکثر ضروریات زندگی خود انجام دے سکتا ہے لیکن رعب کا تقاضا ہے کہ ہر کام خدام سے لیا جاوے اور رعایا کو ہدایت ہو جسے کو اپنی ضروریات کے وقت ان مقرر کردہ حکام کی طرف رجوع کرو۔ بیماری میں شفا خانہ جا کر ڈاکٹر سے کہو۔ مقدمات میں کچھ مری جا کر جج سے دیکھو۔ ذریعہ سے کہو وغیرہ ان رعایا میں رعایا کا ان حکام کی طرف جانا بادشاہ کی بغاوت نہیں ہے بلکہ یہ عین اس کی مشار کے مطابق ہے کہ اس نے ان کو حکام اسی لیے مقرر کیا ہے۔ ہاں اگر یہ رعایا دوسرے کو اپنا بادشاہ بنا کر اس سے مدد کے طالب ہوں تو اب یا معنی ہے کیونکہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑا اور غیر کو اپنا حاکم مانا۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو سمجھو کہ یہ ہی طریقہ سلطنت الہیہ کا ہے کہ وہ قادر ہے کہ دنیا کا بڑا چھوٹا ہر کام اپنی قدرت سے

خود ہی پورا فرما دے مگر ایسا نہیں کرنا بلکہ انتظامِ عالم کے لیے ملائکہ وغیرہم کو مقرر فرمایا اور ان کے علیحدہ علیحدہ محکمے کر دیئے۔ جہاں نکالنے والوں کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل ہیں۔ اسی طرح انسان کی صفاتِ رزق پہنچانا، بارش برسانا، ماؤں کے پیٹ میں بچے بنانا۔ ان کی تقدیر لکھنا۔ مدفون میتوں سے سوالات کرنا۔ صور چھونک کر مردوں کو زندہ کرنا۔ اور قیامت قائم کرنا۔ پھر قیامت میں جنت و دوزخ کا انتظام کرنا۔ غرض کہ دنیا و آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرما دیئے۔

اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیاراتِ خصوصی عطا فرمائے۔ کتبِ تصوف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء اللہ کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ اُن کا محتاج ہے۔ نہیں بلکہ اُن کی سلطنت کا یہ ہی تقاضا ہے پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں یہ محض ہمارا قیاس نہیں ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث اس پر شاہد ہیں۔ حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا قَالَ اَنَا رَسُولُ رَبِّكِ كَهَبٌ | اے مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں۔ آیا لَکَ غَلَامًا ذَکِیًّا۔ | ہوں تاکہ تم کو پاک فرزندوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل میاں دیتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔ | میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح باذنِ الہی بے جان کو جان بخشے ہیں۔ | قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَلْمَوْتُ الَّذِیْ دَخَلَ بِکُمْ | فرما دو کہ تم کو ملک الموت وفاتِ یُنِکے جو تم پر مقرر کیے گئے ہیں معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل جاندار کو بے جان کرتے ہیں۔ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ملیں گی جس میں متدانی کاموں کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ رب تعالیٰ احسنو علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے وَیَذِکِّرْہُمْ دَعِیْلَہُمْ اَلْکِتَابِ | ہمارے محبوب انکو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتابِ دِلِّیْ کھاتے ہیں۔

اَلْغَنَہُمْ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ۔ | انکو اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ | معلوم ہوا کہ احسنو علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گندگی سے پاک بھی فرماتے ہیں اور فیکر کو غنی بھی کرتے ہیں۔

خَذُّ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ
وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔

آپ ان کے مالوں سے صدقہ وصول فرمائیے اور
اس سے اُن کو پاک فرما دیجئے۔

معلوم ہوا کہ وہ ہی عمل خدا کے یہاں قبول ہے جو بارگاہ رسالت میں منظور ہو جائے۔
وَلَوْ أَنَّهُمْ مَرُّوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
وَقَالُوا احْسَبْنَا اللَّهَ سَيِّدُنَا اللَّهُ مِنْ
فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ۔

اور کیا اچھا ہوتا۔ اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ
رسول نے انکو دیا اور کہتے کہ اللہ ہم کو کافی ہے اب
ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور رسول دین گے۔

معلوم ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دیتے ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کہے کہ ہم کو رسول اللہ
عزت پیتے ہیں مال و اولاد دیتے ہیں تو صحیح ہے کیونکہ آیات نے یہ بتایا لیکن مقصود وہی ہو گا کہ یہ
حضرات حکومت الہیہ کے حکام ہیں رب تعالیٰ نے ان کو دیا یہ ہم کو دیتے ہیں۔ اسی طرح مصیبت کے
وقت ادیار اللہ یا انیسائے کرام سے مدد مانگنا بھی اسی طرح ہوا۔ جس طرح کہ بیماری اور مقدمہ میں
بادشاہ کی رہنمائی اور حکم سے مدد مانگتی ہے۔ قرآن نے فرمایا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ
فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ
الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ
تَوَّابًا رَحِيمًا۔

اگر یہ گنہگار اپنی جانوں پر ظلم کر کے اے محبوب تمہارے
پاس آجاتے اور پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور اے
محبوب آپ بھی ان کیلئے دعائے مغفرت فرماتے
تو یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔

عالمگیری کتاب الحج باب آداب زیارۃ قبر النبی میں فرماتے ہیں کہ اب بھی جب زائر و فتنہ پاک پر حاضری
ہو تو یہ آیت پڑھے۔ یہ تو دنیا میں تھا قبر میں تین سوال نکیرین کرتے ہیں۔ اول تو مَن رَبِّکَ تیرا رب
کون ہے، بندہ کہتا ہے کہ اللہ۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا؟ بندہ کہتا ہے کہ اسلام۔ ان سوالوں میں
اسلام کی ساری باتیں آگئیں۔ مگر ابھی پاس نہیں ہوا۔ بلکہ آخری سوال ہوتا ہے کہ اس سبز گنبد والے
آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ جب یہ سہرا اٹھ کھلو الیہ کہ ہاں میں ان کو پہچانتا ہوں۔ یہ میرے نبی محمد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ہیں تب سوالات ختم ہوتے ہیں تو قبر میں اُن کے نام کی امداد سے نجات ہوئی۔ قیامت میں
لوگ تنگ اگر شفیع کو ہی دیکھیں گے جب حضور علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جائیں گے تب
حساب و کتاب شروع ہو گا۔ وہ بھی حضور کی شفاعت سے معلوم ہوا کہ رب کو یہ منظور ہے کہ سارا عالم حضور

علیہ السلام کا ہی محتاج رہے یہاں بھی قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ اسی لئے فرمایا **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** تم رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو یعنی ہر جگہ وسیلہ مستطفی علیہ السلام کی ضرورت ہے۔

اگر یہاں وسیلہ سے مراد نیک اعمال ہی کا وسیلہ مراد ہو تو ہم جیسے گنہگار بد عمل اور مسلمانوں کے لئے دیوانے اور وہ جو ایمان لاتے ہی مر جاویں وہ سب بے وسیلہ ہی رہ جاویں۔ نیز نیک اعمال بھی تو حضور ہی کے طفیل سے حاصل ہوں گے۔ پھر بھی بالواسطہ حضور ہی کا وسیلہ ضروری ہوا۔ نبی کے وسیلہ کے کفار بھی قائل تھے۔ **وَكَاثُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ كَقَرْمُ ذَاكُمُ مَعْظَرُ حَضْرَةِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ**۔ کہ وسیلہ سے بتوں سے پاک ہوا اور حضور ہی کے وسیلہ سے قبل بنا فلنؤمن بك قبيلاً شوهها۔ بلکہ حضور ہی کے وسیلہ سے قرآن قرآن کھلایا۔ اور قرآن کی آیات حضور کے کی مدنی ہونے سے کی مدنی ہیں ورنہ وہ تو عرش پر شیطان بلا واسطہ انبیاء رب تک پہنچنا چاہتا ہے تو شائبہ مار دیتا جاتا ہے۔ اگر مدینہ کے راستے سے جاتا تو ہرگز نہ مارا جاتا یہ ہی نتیجہ ان کا بھی ہو گا جو کہتے ہیں خدا کو مان خدا کے سوا کسی کو نہ مان۔

ہماری اس تقریر سے اتنا معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا جاننا شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین قانون اسلامی اور فشاء الہی کے بالکل مطابق ہے جناب معراج میں نماز اولیاء پچاس وقت کی فرض فرمائی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر کم کرتے کرتے پانچ رکھیں آخر یہ کیوں؟ اسی لئے کہ مخلوق جانے کو نماز پچاس کی پانچ رہیں۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی مدد شامل ہے۔ یعنی اللہ کے مقبول بعد وفات بھی مدد فرماتے ہیں۔ رہا مشرکین کا اپنے بتوں سے مدد مانگنا یہ بالکل شرک ہے۔ درود ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ وہ ان بتوں میں خدائی اثر ادا ان کو چھوٹا خدا مان کر مدد مانگتے ہیں۔ اس لئے ان کو الزام شرک کہتے ہیں یعنی ان بتوں کو اللہ کا بندہ اور پھر الوہیت کا حصہ دار مانتے ہیں جیسے علیہ علیہ السلام کو عیسائی اللہ کا بندہ ہونے کے ساتھ ابن اللہ یا ثالث ثلاثہ یا عین اللہ مانتے ہیں مومن ان اولیاء و انبیاء کو محض بندہ ہی مان کر ان کو اس طرح کا حاجت روا نہیں۔ جیسے اہل دیوبند مالداروں کو مدرسہ کا معاون و مددگار یا طبیب و حاکم کو مختار حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ بتوں کو رب تعالیٰ نے یہ اعتقاد نہ دیا ہے وہ اپنی طرف سے ان کو اپنا مختار مان کر ان سے مدد و عہد طلب کرتے ہیں لہذا وہ مجرم بھی ہیں اور اللہ کے باغی بندے بھی۔ جو نبی بہترین مثال ابھی ہم دے چکے ہیں اس فرق کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمایا ہے بلا تشبیہ یا۔ بت پرست پتھر کی طرف سجدہ کرتا ہے مشرک ہے کہ اس کا

فعل اپنی ایجاد سے ہے اور مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے وہاں بھی پتھر کی عمارت ہے مگر مشرک نہیں کیونکہ اس کا سجدہ حقیقت میں خدا کو ہے نہ کہ کعبہ کو اور حکیم الہی سے ہے مشرک کا سجدہ غلاف حکیم الہی پتھر کو ہے یہ فرق ضروری ہے۔ لگاکے پانی کی تعظیم کرنا کفر ہے مگر آب زم زم کی تعظیم ایمان۔ مند کے پتھر کی تعظیم شرک ہے مگر مقام ابراہیم کی تعظیم ایمان حالانکہ وہ بھی پتھر ہی ہے۔

دوسرا باب

استمداد اولیاء اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اس مسئلہ پر مئی لفین کے چند مشہور اعتراضات ہیں وہ ہی ہر جگہ بیان کرتے ہیں۔

اعتراض (۱) مشکوٰۃ باب الاندواؤ والتخیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہراؑ سے فرمایا۔

لَا اُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا | میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔

جب آپ سے فاطمہ زہراؑ کی مدد نہ ہو سکی تو دوسروں کی کیا ہوگی ؟

جواب :- یہ اوّل تبلیغ کا واقعہ ہے مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو میں خدا

کے مقابل ہو کر تم سے عذاب دور نہیں کر سکتا۔ دیکھو پسر نوح یہاں اسی جیسے من اللہ فرمایا۔ مسلمانوں کی

حضور ہر جگہ مدد فرمائیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَا خَلَقْنَاكَ مِنْ غَدَاقٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّحِينٍ لِّبَعْضِ عِبَادِنَا

الْمُتَّقِينَ پر ہمیز نگاروں کے سوا سارے دوست قیامت میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام گناہ کبیرہ والوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے گرتوں کو سنبھالیں گے۔ شامی باب غسل

المیت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت میں سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے سوا میرے نسب

رشتہ کے۔ واقعی دیوبندیوں کی حضور مدد نہ فرمائیں گے ہم چونکہ سجدہ تعالیٰ مسلمان ہیں ہماری مدد ضرور فرمائیں گے۔

(۲) اعتراض آیاتِكَ لَعَبْدُكَ تَسْتَعِينُ ۝ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ عبادت کی طرح مدد مانگنا بھی خدا سے ہی خاص ہے جب غیر خدا کی عبادت شرک۔ تو

غیر خدا کی استمداد بھی شرک۔

جواب :- اس جگہ مدرسہ مراد حقیقی مدرسہ یعنی حقیقی کارساز سمجھ کر تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ رہا اللہ

کے بندوں سے مدد مانگنا وہ محض واسطہ فیض الہی سمجھ کر ہے جیسے کہ قرآن میں ہے اِنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ

مومن پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اس کے لئے رب تعالیٰ نے بہت مددگار بنائے۔

اعتراف (۸) شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ حضرت خلیل نے آگ میں پہنچ کر حضرت جبریل کے پوچھنے پر بھیجی ان سے مدد نہ مانگی۔ بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کوئی حاجت نہیں اگر غیر خدا سے حاجت مانگنا جائز ہوتا تو اسی شدت میں خلیل اللہ جبریل سے کیوں مدد طلب کرتے۔

جواب: یہ وقت امتحان تھا، اندیشہ تھا کہ حرف شکایت منہ سے نکالنا رب کو ناپسند ہوگا۔ اسی لئے خلیل اللہ نے اُس وقت خدا سے بھی دعا کی بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کچھ حاجت نہیں اور جس سے ہے وہ خود جانتا ہے جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ مگر اس مصیبت کے رفع ہونے کی کسی نے بھی دعا کی نہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ حضرت مرتضیٰ نے نہ حضرت فاطمہ زہرا نے رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اعتراف (۹) زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے مگر مردوں سے نہیں۔ کیونکہ زندہ میں مدد کی طاقت ہے مردہ میں نہیں۔ لہذا یہ منکر ہے۔

جواب: قرآن میں ہے وَ اِنَّكَ تَسْتَعِيْنُہُمْ تَحْجُوہُمْ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اس میں زندہ اور مردے کا فرق کہاں ہے۔ کیا زندہ کی عبادت جائز ہے مردے کی نہیں؟ جس طرح غیر خدا کی عبادت مطلقاً شرک ہے زندہ کی ہوا مردے کی استدلا بھی مطلقاً شرک ہوئی چاہیے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے ٹھکانے ہزار برس بعد امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ قدر مانتی کہ شب معراج میں پچاس نمازوں کی بجائے پانچ کرادیں۔ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ نمازیں پانچ رہیں گی مگر بزرگان دین کی مدد کے لئے پچاس مقرر فرما کر چھوڑ دیا۔ دعا سے پانچ مقرر فرمائیں۔ استدلا کے منکرین کو چاہیے کہ نمازیں پچاس پڑھا کریں۔ کیونکہ پانچ میں غیر اللہ کی مدد شامل ہے۔

نیز قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں ان کو مردہ نہ کہو اور نہ جانو۔

وَلَا تَقُوْا لَہٗۤ اِلٰہَۃَۤ اِلَّا اللّٰہُ اَمُوْاۤتٌۢ بَلْ اَحْیَآءٌۭ وَلٰکِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ
جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم احساس نہیں کرتے۔

جب یہ زندہ ہوئے تو ان سے مدد حاصل کرنا جائز ہو بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو شہداء کے بارے میں ہے جو کہ تلوار سے راہ خدا میں مارے جا دیں گے مگر یہ بلاد جہ کی زیادتی ہے اس لئے کہ آیت میں لوہے کی تلوار کا

ذکر نہیں ہے جو حضرات عشق الہی کی تلوار سے مشغول ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں (روح البیان) اسی حدیث پاک میں آیا کہ جو ڈوب کر مرے، جل جہادے، طاعون میں مرے، عورت زچگی کی حالت میں مرے۔ طالب علم مسافر وغیرہ وغیرہ سب شہید ہیں۔ نیز اگر صرف تلوار سے مقتول تو زندہ ہوں، باقی سب مرے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ مردہ ماننا لازم آوے گا۔ حالانکہ سب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرات بحیات کامل زندہ ہیں۔ نیز زندہ اور مرے سے مدد مانگنے کی تحقیق بہ ہم ثبوت استمداد میں کرچکے ہیں کہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس سے زندگی میں مدد لی جاسکتی بعد موت بھی اس سے مدد مانگی جائے اور اس کی کچھ تحقیق بوسہ تبرکات اور سفر زیارت قبور میں بھی ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ

تفسیر مادی آخر سورہ قصص وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ کی تفسیر میں ہے۔

یعنی یہاں لاندع کے معنی ہیں نہ پوجو نہ اس آیت میں اُن خدایوں کی مدد مانگو جو کہتے ہیں کہ غیر خدا خواہ زندہ ہو یا مردہ کچھ مانگا شکر ہے۔ خدایوں کی یہ بلواس جہات ہے کیونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح کہ رب ان کے ذریعے سے نفع نقصان دے کبھی واجب ہوتا ہے کہ یہ طلب اسباب حاصل کرنا ہے اور اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا عاجل۔

فَجَعَلْنَاهُ فِتْنَةً ۚ قُلَيْسَ فِي الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَى مَا رَعِمَهُ الْخَوَاصُّ مِنْ أَنَّ الطَّلِبَ مِنَ الْغَيْرِ حَيًّا وَمَيِّتًا شَرٌّ فَإِنَّهُ جَهْلٌ مُرَكَّبٌ لِذَلِكَ سَوَالُ الْغَيْرِ مِنْ أَجْلِ عِزِّ اللَّهِ النَّفْعُ أَوْ النَّصْرُ عَلَى يَدِهِ فَذَلِكَ يَكُونُ وَاجِبًا لِأَنَّهُ مِنَ التَّمَسُّكِ بِالْأَسْبَابِ وَلَا يَنْكَرُ الْأَسْبَابَ إِلَّا الْجَاهِلُونَ أَوْ جَاهِلُونَ

اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ۱۔ غیر خدا سے مانگنا صرف جاہل ہی نہیں بلکہ واجب بھی ہوتا ہے ۲۔ اس طلب کا انکار تاراجی کرتے ہیں ۳۔ لاندع میں پوجنے کی نفی ہے نہ کہ پکارتے یا مدد مانگنے کی۔ اعتراض (۱)۔ بزرگان دین کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں چل پھر نہیں سکتے اور بعد وفات بالکل رست و پا ہیں پھر ایسے کمزوروں سے مدد لینا بتوں سے مدد لینے کی طرح لغو ہے۔ اس کی برائی رب تعالیٰ نے بیان کی کہ وَأَنْ يَسْتَعِذَّ بِاللَّهِ بَابٌ شَيْئًا لَا يَسْتَنْفِذُ مِنْهُ شَيْئًا دیا یا اپنی قبروں سے کبھی بھی دفع نہیں کر سکتے۔ ہماری کیا مدد کریں گے؟

جواب:- یہ تمام کمزوریاں اس جسم فلکی پر اس لیے ظاہری ہوتی ہیں کہ اس کا تعلق روح سے کمزور ہو گیا روح میں کوئی کمزوری نہیں، بلکہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے کہ قبر کے اندر سے باہر والوں کو دیکھتی

اور قدوس کی آواز سنتی ہے۔ خصوصاً ازواجِ انبیاء۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الْحَيَاةَ كُلَّهَا لَعْنًا ۚ إِنَّهَا كَالْعَمَلِ الْبَاطِلِ (ہم نے اس کو سزا دی ہے کہ تم نہ سمجھو کہ ہر زندگی لعنہ کی ہے۔ بلکہ یہ سب کمالِ بے فائدگی کی طرح ہے۔)۔
 نہ جسمِ عمری سے کفار جن سے مردمان گئے ہیں وہ روحانی طاقت سے خالی ہیں نیز وہ پتھروں کو پناہ دینا
 جانتے ہیں جن میں درج بالکل نہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰۔ آیت مِثْلُ لَوْ كُنْتُمْ عَامِلِينَ ۖ تَتَذَكَّرُونَ عَامِلًا کی تفسیر میں ہے کہ حضرت خالد
 و عمر نے زہر پیایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضور علیہ السلام نے خبر میں زہر کھایا۔ مگر بوقتِ وفات اثر ظاہر ہوا
 کہ انہوں نے مقامِ حقیقت میں رہ کر زہر پیاتھا۔ اور زہر کا اثر حقیقت پر نہیں ہوتا۔ بوقتِ وفات بشریت
 کا ظہور تھا کہ موت بشریت پر طاری ہوتی ہے۔ لہذا اب اثر ظاہر ہوا۔ ان حضرات کو قبر کی کھلی تو کیا عالم
 کو پلٹ دینے کی طاقت ہے۔ مگر اس جانب توجہ نہیں۔ غنا کعبہ میں تین سو برس بت رہے رب
 نے دُور نہ کیئے تو کیا خدا کمر در ہے اپنے گھر سے نجاست و در نہ کر سکا؟ رب سمجھ دے۔

اعتراض (۱۱) حضرت علی اور امام حسین میں اگر کچھ طاقت ہوتی۔ تو خود دشمنوں سے کیوں شہید ہوتے
 جب وہ اپنی مصیبت دفع نہ کر سکے۔ تو تباہی مصیبت کیا دفع کریں گے؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ
 يَسْتَلِمُوكُمُ الذَّيْبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَشْفِقُ دَاوُدُ عَلَيْهِ ۖ

جواب۔ ان میں دفعِ مصیبت کی طاقت تو تھی۔ مگر طاقت کا استعمال نہ کیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ
 کی مرضی ایسی ہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا فرعون کو بھی کھا سکتا تھا۔ مگر وہاں استعمال نہ کیا ابام
 حسین رضی اللہ عنہ میں طاقت تھی کہ کربلا میں حوض کوثر منگالیتے فرات کی کیا حقیقت تھی مگر رضی برضار
 الہی تھے۔ دیکھو رمضان میں پانی ہمارے پاس ہوتا ہے۔ مگر حکم الہی کی وجہ سے استعمال نہیں کرتے بخلاف بتوں
 کے کہ ان میں طاقت ہی نہیں۔ لہذا یہ آیت انبیاء و اولیاء کے لئے پڑھنا ہے دینی ہے یہ بتوں کے لئے
 ہے۔ حضرت حسین کے نانا نے بار بار اپنی انگلیوں سے پانی کے چٹے بہاؤ سے یہ پانی جنت سے آتا تھا۔

بحث بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام

اس میں دو باب ہیں۔ پہلا باب بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام میں۔ دوسرا باب
 اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام میں

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز۔ قرآن کریم فرماتا ہے:-

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ

فرمادو کہ میں نیا رسول نہیں ہوں۔

نیز فرماتا ہے بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے۔

نیز فرماتا ہے وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا هَا مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ۔

ان آیات میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایجاد کرنا، نیا بنانا وغیرہ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ

باب الاعتصام بالکتاب والسنتہ میں ہے قَالَ التَّوَدُّعُ الْبِدْعَةُ كُلُّ شَيْءٍ عَمِلَ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ بدعت وہ کام ہے جو بغیر گذری مثال کے کیا جاوے۔

اب بدعت تین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ نیا کام جو حضور اوز کے بعد ایجاد ہوا۔ خلاف سنت کام جو

واقع سنت ہو۔ برے عقائد جو بعد میں پیدا ہوئے پہلے معنی سے بدعت دو قسم کی ہے حسنہ، سیدہ دوسرے دو

معنی سے ہر بدعت سیئہ ہی ہے جن بزرگوں نے فرمایا کہ ہر بدعت سیئہ ہوتی ہے وہاں دوسرے معنی مراد

میں وہ جو حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہاں تیسرے معنی مراد میں لہذا احادیث و اقوال علماء آپس میں

متعارض نہیں۔

بدعت کے شرعی معنی میں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں

نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوتی۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت

اعتقادی ان برے عقائد کو کہتے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے، عیسائی

یہودی، مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی نہیں۔ کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں موجود تھے۔

نیز ان عقائد کو عیسائی وغیرہ بھی اسلامی عقائد نہیں کہتے اور جب یہ تقدیر، مرجعہ، حکم الہی، غیر مقلدہ و دیوبندی

عقائد بدعت اعتقادی ہیں۔ کیونکہ یہ سب بعد کو بنے۔ اور یہ لوگ ان کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں۔ مثلاً دیوبندی

کہتے ہیں کہ خدا اجھوٹ پر قادر ہے۔ حضور علیہ السلام غیب سے جاہل با حضور علیہ السلام کا خیال نماز میں بل گدھے

کے خیال سے بدتر ہے۔ یہ ناپاک عقیدے بارہویں صدی کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ ہم شامی سے اس کا ثبوت

مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوا آلَ سَرَافَةَ ذُرِّيَّةً وَ سَرَافِيَّةً اَبْنَادًا
مَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ اَلَيْسَ عِندَ اللَّهِ مِيزَانٌ عَمَّا كَانَتْ اَعْيُنُكُمْ تَرَى اَنَّ اللَّهَ يَهْدِي كَيْفَ يَشَاءُ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ غُلَامِهِ
اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے بدعت حسنہ یعنی تارک الدنیا ہو جانے یا عبادت کیار نے اس کی
تعریف کی بلکہ اس پر اجر بھی دیا۔ ہاں ہوا سے نبھانے کے اُن پر عقاب آیا۔ فرمایا گیا۔ فَمَا سَرَعُوْهَا حَقَّ
سَرَعًا لَّيْسَ بِهَا دُكُوْهُ اِيْمَانٍ بِدَعْتٍ بِرِغَابٍ نِّمِمْ اَمَّا بَلْكَ نَحْنُ اَمَّا بَلْكَ نَحْنُ اَمَّا بَلْكَ نَحْنُ اَمَّا بَلْكَ نَحْنُ
باعث ثواب۔ مگر اس پر پابندی نہ کرنا برا خیر الامور اَدُوْهُمَا لَهَا لَهَا اِيْمَانٍ بِدَعْتٍ بِرِغَابٍ نِّمِمْ اَمَّا بَلْكَ نَحْنُ
وغیرہ پر پابندی کریں۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام کی پہلی حدیث ہے کہ مَنْ اَخَذَتْ فِيْ اَمْرِ نَاهَا اَمَّا لَيْسَ
مِنْهُ فَهُوَ سَرٌّ دُوْهُمَا لَهَا لَهَا اِيْمَانٍ بِدَعْتٍ بِرِغَابٍ نِّمِمْ اَمَّا بَلْكَ نَحْنُ اَمَّا بَلْكَ نَحْنُ اَمَّا بَلْكَ نَحْنُ
ہم نے اُن کے معنی عقیدے اس لئے کیے کہ دین عقائد ہی کا نام ہے اعمال فروع میں بے نمازی گنہگار
ہے بے دین یا کافر نہیں۔ بدعت مقلد یا تو گمراہ ہے یا کافر اس کے ماتحت مقلات میں ہے۔

وَالْمَعْنٰی اَنَّ مَنْ اَخَذَتْ فِي الْاِسْلَامِ
رَاٰهَا فَهُوَ مَرْدُوْدٌ عَلَيْهِ اَقُوْلُ فِيْ وَصْفِ
هَذَا الْاَمْرِ اَشَارَةً اِلٰی اَنَّ اَمْرَ الْاِسْلَامِ كَمَلٌ۔

ثابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا۔ اسی مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر میں ہے کہ حضرت ابن عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو فرمایا بَلَّغْنِیْ اَنَّهُ قَدْ اَخَذَتْ
فَاِنْ كَانَ اَخَذَتْ فَلَا تُقِرُّهُ مِثْنِ السَّلَامِ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر ایسا ہو تو اس کو میرا
سلام نہ کہنا۔ بدعتی کیسے ہوا؟ فرماتے ہیں:-

يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ خَسْفٌ وَ مَسْخٌ اَوْ
قَذَتْ فِيْ اَهْلِ الْقَدْرِ۔

معلوم ہوا کہ وہ قدریہ یعنی تقدیر کا منکر ہو گیا تھا۔ اس کو بدعتی فرمایا۔ درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الامت
میں ہے وَصَبَّحَ اَمْرِيْ صَاحِبِ سِدْعَةٍ
وَهِيَ اِعْتِقَادُ خِلَافِ الْمَعْرُوْدِ

بدعتی امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے بدعت اس عقیدے
کے خلاف اعتقاد رکھنا ہے جو حضور علیہ السلام سے

عَنِ الرَّسُولِ -

معروف ہیں -

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بدعت نئے اور بڑے عقائد کو بھی کہتے ہیں اور بدعت اور بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقادیہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اُس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔ یعنی بدعت اعتقادیہ والے کی۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۰ میں ہے ”جس بدعت میں ایسی شدید وعید ہے وہ بدعت فی العقائد ہے۔ جیسا کہ روافض توارج کی بدعت ہے۔“

بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی خواہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو یا اس کے بعد۔ مراتب باب الاعتصام میں ہے۔

وَفِي الشَّرْعِ إِحْدَاثٌ مَّا كُنْ فِي عَهْدِ
رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ -

بدعت مندرجہ میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو۔

اشعة اللمعات یہی باب بدعت ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت است جو کام حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو وہ بدعت ہے۔

ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے نہ زمانہ صحابہ کا لحاظ جو کام بھی ہو دینی ہو یا دنیاوی حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی ہو خواہ زمانہ صحابہ میں یا اس کے بعد وہ بدعت ہے ہاں عرف نام میں ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے یہ عرف ہے در نہ خود فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نزاع کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر فرمایا نِعْمَتُ الْمَدِينَةِ هَذِهِ يَتَوَبَّعُتُ هِيَ اچھی بدعت ہے۔

بدعت عملی دو قسم کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ بدعت حسنہ وہ نیا کام جو کہ کسی سنت کے خلاف نہ ہو جیسے محفل میلاد اور دینی مدارس اور نئے نئے عمدہ کھانے اور پرپس میں قرآن و دینی کتب کا چھپوانا اور بدعت سیئہ وہ جو کہ کسی سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والی ہو۔ جیسے کہ غیر عربی میں خطبہ جمعہ و عیدین پڑھنا یا کہ لاؤ سپیکر پر ناز پڑھنا پڑھانا کہ اس میں سنت خطبہ یعنی عربی میں نہ ہونا اور تبلیغ تکبیر کی سنت اٹھ جاتی ہے۔ یعنی بذریعہ کمپریں کے آواز پہنچانا بدعت حسنہ جائز بلکہ بعض وقت مستحب اور واجب بھی ہے اور بدعت سیئہ کردہ منہرہ می یا مکروہ تحریمی یا تراجم ہے۔ اس تقسیم کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔

بدعت حسنہ اور بدعت مسیئہ کی دلیل سنو۔ اشعۃ اللمعات جلد اول باب الاعتصام زیر حدیث و کُلُّ بِدْعٍ سَیِّئَةٌ صَلاَہُ لَکَ جَنَّةٌ وَآخِجَہُ مُوَافِقُ اَصُولٍ وَتَوَاضَعَتْ اَوَسْتُ وَیَاسَ کَرُوہُ شَدَہُ اسْتُ اَنْ رَابِدُ بَدْعٍ حَسَنٌ کُوْنِیْدُ وَآخِجَہُ مُخَالَفُ اَنْ بَاشَدُ بَاعَثَ مُخَالَاتٌ کُوْنِیْدُ۔ جو بدعت کہ اصول اور قوانین اور سنت کے موافق ہے اور اس سے قیاس کی ہوئی ہے۔ اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہے اس کو بدعت

گمراہی کہتے ہیں۔

مشکوٰۃ باب العلم میں ہے۔ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَآجُرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ إِنْ يَنْقُصُ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْءٌ ذَا مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وَرُذُهَا وَرُذُرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ إِنْ يَنْقُصُ مِنْ أَوْذَارِهِمْ شَيْءٌ۔

جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اُس کا ثواب ملے گا۔ اور اُس کا بھی جو اس پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص اسلام میں بُرا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور اُن کا بھی جو اس پر عمل کریں اور اُن کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی معلوم ہوا کہ اسلام میں کار خیر ایجاد کرنا ثواب کا باعث ہے اور برے کام نہ کرنا گناہ کا موجب۔

شامی کے مقدمہ میں فضائل امام ابوحنیفہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

قَالَ الْعُلَمَاءُ هَذِهِ أَحَادِيثٌ مِنْ تَوَاعِيدِ الْإِسْلَامِ وَهَوَانُ كُلِّ مَنْ أَبْدَعَ شَيْئًا مِنَ الشَّرِّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ وَرْزٍ مِمَّنْ اتَّخَذَ فِي يَمِيْنِهِ فِي ذَلِكَ وَكُلُّ مَنْ أَبْدَعَ شَيْئًا مِنَ الْخَيْرِ كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ كُلِّ مَنْ يَعْمَلُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسلام کے قانون میں کہ جو شخص کوئی بُری بدعت ایجاد کرے اس پر اس کام میں ساری پیروی کرنی والوں کا گناہ ہے اور جو شخص اچھی بدعت نکالے اس کو قیامت تک کے سارے پیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اچھی بدعت ثواب ہے اور بُری بدعت گناہ۔

بُری بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ اس کی بھی دلیل ملاحظہ ہو۔ مشکوٰۃ باب الاعتقاد میں ہے۔ مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ سَرَدٌ۔ جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی شے نکالے جو کر دین سے نہیں ہے تو وہ مُرَدُّ ہے۔

دین سے نہیں ہے کے معنی یہ ہیں کہ دین کے خلاف ہے۔ چنانچہ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔ ”و مراد چیز ہے است کہ مخالف و مغیران باشد“ اس سے مراد وہ چیز ہے جو کہ دین کے خلاف یا دین کو برسنے والی ہو۔ اسی مشکوٰۃ باب الاعتصام تیسری فصل میں ہے۔

مَا أَحَدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا سَرَّعَ مِثْلَهَا مِنْ
السُّنَّةِ فَتَمَسَّكَ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ أَحْدَاثٍ بَدْعَةٍ

کوئی قوم بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اتنی سنت اٹھ جاتی ہے۔ لہذا سنت کو لینا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے

اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔ ”چوں احداث بدعت رافع سنت است ہمیں قیاس اقامت سنت قاطع بدعت تنویر بود“ اور جب بدعت نکالنا سنت کو مٹانے والا ہے۔ تو سنت قائم کرنا بدعت کو مٹانے والا ہوگا۔

اس حدیث اور اسی شرح سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت سیدہ یعنی بُری بدعت وہ ہے کہ جس سے سنت مٹ جاوے۔ اسکی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیدہ کی پہچان خوب یاد رکھنا چاہیے کہ اسی بلکہ دھوکا ہوتا ہے۔

بدعت کی قسمیں اور ان کے اقسام

یہ تو معلوم ہو چکا کہ بدعت دو طرح کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیدہ۔ اب یاد رکھنا چاہیے کہ بدعت سنہ تین طرح کی ہے۔ بدعت جائز، بدعت مستحب، بدعت واجب۔ اور بدعت سیدہ دو طرح کی ہے۔ بدعت مکروہ اور بدعت حرام۔ اس تقسیم کی دلیل ملاحظہ ہو۔

أَلَسُنَّةُ إِمَامًا وَاجِبَةً كَتَعْلَمِ النَّحْوُ وَتَدْوِينِ
أُصُولِ الْفِقْهِ وَإِمَامُهُ كَمَذْهَبِ الْجَبْرِ
وَإِمَامَتُهُ وَبِهِ كَأَحْدَاثِ الزَّوَالِ وَالْمَدَائِصِ
وَكُلِّ أَحْسَانٍ لَمْ يُعْهَدْ فِي الصَّدْرِ إِلَّا ذَلِ
وَكُلِّ تَوَاتُؤٍ أَيْ بِالْجَمَاعَةِ الْعَامَّةِ وَ
إِمَامَتُهُ وَهِيَ كَزُخْرَفَةِ الْمَسْجِدِ وَإِمَامَةُ
مُبَاحَةٍ كَالْمَصَافَحَةِ عَقِيبَ الصُّبْحِ وَالْوُضُوءِ
يَكْنِيزُ الْمَاجِلَ وَالْمَشَاكِرَ

بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نحو کا سیکھنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے جبر یہ مذہب اور یا مستحب ہے۔ جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور بروہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کو فخریہ زینت دینا اور یا جائز ہے جیسے فجر کی نماز کے بعد صاف کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شہریوں میں وسعت کرنا۔

شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں ہے۔

أَيُّ صَاحِبٍ يَدْفَعُهُ مُخَرَّمَةٌ ذَا الْإِلَافَةِ
فَقَدْ تَكُونُ وَاجِبَةً كَنَصَبِ الْإِدْلَةِ وَ
تَعْلَمُ التَّحْوِ وَمَنْ دُوبَةُ كَالْحَذَاتِ تَحْوِ بِطِ
وَمَنْ رَسَتْ وَكُلِّ أَحْسَانٍ لَمْ يَكُنْ فِي الصَّدَا
الْأَوَّلِ مَكْرُوهَةً كَزُخْرَفَةِ السَّجْدِ وَمَبْلَحَةً
كَالتَّوَسُّعِ بِذِي الْمَالِكِ وَالْمَشَارِبِ وَالْيَابِ
كَمَا فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ -

یعنی حرام بدعت والے کے چھپے نماز مکروہ ہے ورنہ
بدعت تو کبھی واجب ہوتی ہے جیسے کہ دلائل قائم
کہ نادر عالم کو سیکھنا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ اور
مدرسے اور ہر وہ اچھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی ان
کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی فخریت
اور کبھی مباح جیسے عمدہ کھانے شہرتوں اور کپڑوں
میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے۔

ان عبارت سے بدعت کی پانچ قسمیں بخوبی واضح ہوتی ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ ہر بدعت حرام نہیں بلکہ بعض
بدعتیں کبھی ضروری بھی ہوتی ہیں جیسے کہ علم فقہ و اصول فقہ یا قرآن کریم کا جمع کرنا یا قرآن کریم میں اسرار لگانا
یا آج کل قرآن کریم کا چھاپنا اور دینی مدرسوں میں تعلیم کے درس وغیرہ بنانا۔

بدعت کی قسموں کی پہچانیں اور علامتیں

بدعت حسنہ اور سیئہ کی پہچان تو بتادی گئی کہ جو بدعت اسلام کے خلاف ہو یا کسی سنت کو مٹانے
والی ہو۔ وہ بدعت سیئہ۔ اور جو ایسی نہ ہو۔ وہ بدعت حسنہ ہے۔ اب ان پانچ قسموں کی علامتیں معلوم کرو۔
بدعت جہالتہ۔ ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جادے۔ جیسے
چند کھانے کھانا وغیرہ اس کا حال المرقاۃ اور شامی سے گذر گیا۔ ان کاموں پر نہ ثواب نہ عذاب۔

بدعت مستحبہ۔ وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور اس کو عام مسلمان کا ثواب جانتے ہوں
یا کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے جیسے محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگان کے عام مسلمان اس کو کار
ثواب جانتے ہیں۔ اس کو کرنے والا ثواب پاویگا۔ اور نہ کرنے والا ننگار نہیں ہوگا۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جس کام کو مسلمان
اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور حدیث
مرفوعہ میں ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔
اعمال کا مدار نیت سے ہے اور انسان کے لئے
وہی ہے جو نیت کرے۔

مرقات باب الاقسام میں ہے دُرُوْی عَنْ ابْنِ
مَسْعُوْدٍ مَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ
حَسَنٌ وَفِي حَدِيثٍ مَرْفُوعٍ وَلَا يَجْمَعُ اُمَّتٌ عَلَى اَصْلَافٍ
مَشْكُوهَةٍ شُرْعًا مِنْ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ
بِالنِّيَّاتِ وَ اِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوَى -

در مختار جلد اول بحث مستحبات و منویں ہے۔

وَمُسْتَحَبَّاتُهُ وَهُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
مَرَّةً وَتَوَكُّهُ أُخْرَى وَمَا أَحْيَاهُ السَّلَفُ

مستحب وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا ہو
کبھی چھوڑا ہو اور وہ کام جسے گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہوں۔

شامی جلد پنجم بحث قربانی میں ہے۔

فَإِنَّ الثَّبَاتَ تَجَعُّلُ الْعَادَاتِ عِبَادَاتٍ

کیونکہ نیت خیر عادات کو عبادت بنا دیتی ہے۔

اسی طرح مرقاة بحث نیت میں بھی ہے۔

ان احادیث و فقہی عباراتوں سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام نیت ثواب سے کیا جاوے یا مسلمان
اس کو ثواب کا کام جانیں۔ وہ عند اللہ بھی کار ثواب ہے۔ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں جس کے اچھے ہونے
کی گواہی دیں وہ اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ برا۔ گواہی کی نفیس بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمن
میں دیکھو اور اس کتاب میں بھی عرس بزرگان کی بحث میں کچھ اس کا ذکر آدلیگا۔ انشاء اللہ۔

بدعت واجبہ: وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع
ہو۔ جیسے کہ قرآن کے اعزاب اور دینی مدارس اور علم نحو وغیرہ پڑھنا اس کے حوالے گذر چکے۔

بدعت مکروہہ: وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جاوے۔ اگر سنت غیر مؤکدہ چھوٹی تو یہ
بدعت مکروہہ منزیہی ہے اور اگر سنت مؤکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہہ تحریمی۔ اسکی مثالیں اور حوالے گذر گئے۔

بدعت حرام: وہ نیا کام جس سے کوئی واجب چھوٹ جاوے۔ یعنی واجب کو مٹا دیالی ہو۔
در مختار باب الاذان میں ہے کہ اذان کے بعد سلام کرنا سنت میں ایجاب ہوا۔ لیکن وہ بدعت حسنہ ہے۔
اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ اذان جوئی کے بارے میں فرماتے ہیں۔ فَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ غَيْرُ مُكْرَهٍ
لِأَنَّ الْمُتَوَارِثَ لَا يَكُونُ مَكْرُوهًا وَكَذَلِكَ تَقُولُ فِي الْأَذَانِ بَيْنَ يَدَيْ الْخَلِيبِ فَيَكُونُ يَدِ
حَسَنَةً إِذْ مَا رَأَاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ اس سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام مسلمانوں
میں مروج ہو جائے باعث ثواب ہے۔

آؤ ہم آپ کو دکھائیں کہ اسلام کی کوئی عبادت بدعت حسنہ سے خالی نہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو۔

ایمان: یہ مسلمان کے بچے بچہ کو ایمان محفل اور ایمان مفصل یا کر لیا جاتا ہے۔ ایمان کی یہ دو قسمیں
اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں قرون ثلثہ میں اس کا پتہ نہیں۔

کلمہ: ہر مسلمان چھ کلمہ یاد کرتا ہے۔ یہ چھ کلمے ان کی تعداد ان کی ترکیب کہ یہ پہلا کلمہ ہے۔ یہ دوسرا اور ان کے یہ نام ہیں۔ سب بدعت ہیں جن کا قرونِ ثلثہ میں پتہ بھی نہیں تھا۔
قرآن: قرآن شریف کے تیس پارہ بنانا۔ ان میں رکوع قائم کرنا۔ اس پر اعراب لگانا۔ اس کی سنہری روپٹی جلدیں تیار کرنا۔ قرآن کو ہلک و غیرہ بنا کر چھاپنا سب بدعت ہیں جن کا قرونِ ثلثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

حدیث: حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا۔ حدیث کی اسناد بیان کرنا۔ اسناد پر جرح کرنا اور حدیث کی قسمیں بنانا کہ یہ صحیح ہے، یہ حسن، یہ ضعیف، یہ معضل، یہ بدس ان قسموں میں ترتیب دینا کہ اول نمبر صحیح ہے۔ دوم نمبر حسن، سوم نمبر ضعیف۔ پھر ان کے احکام مقرر کرنا کہ حرام و حلال چیزیں حدیث صحیح سے ثابت ہوں گی۔ اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوگی۔ غرض کہ سارا فن حدیث ایسی بدعت ہے جس کا قرونِ ثلثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

اصول حدیث: یہ فن بالکل بدعت ہے بلکہ اس کا تو نام بھی بدعت ہے۔ اس کے سارے قاعدے قانون بدعت۔

فقہ: اس پر آج کل دین کا دار و مدار ہے۔ مگر یہ بھی از اول تا آخر بدعت ہے جس کا قرونِ ثلثہ میں ذکر نہیں۔

اصول فقہ و علم کلام: یہ علم بھی بالکل بدعت میں۔ ان کے قواعد و ضوابط سب بدعت۔
نماز: نماز میں زبان سے نیت کرنا۔ بدعت۔ جس کا ثبوت قرونِ ثلثہ میں نہیں۔ رمضان میں بیس تراویح پر ہمیشگی کرنا بدعت ہے۔ خود امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ **فَعَمَّتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ** یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔

روزہ: روزہ انظار تے وقت زبان سے دعا کرنا۔ **اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ** اے اور سحری کے وقت دعا مانگنا کہ **اَللّٰهُمَّ بِالصَّوْمِ لَكَ غَدَاؤُنِيْ** بدعت ہے۔

زکوٰۃ: زکوٰۃ میں موجودہ سکہ رائج الوقت ادا کرنا بدعت ہے۔ قرونِ ثلثہ میں یہ تصویر دے سکے نہ تھے نہ ان سے زکوٰۃ جیسی عبادت ادا ہوتی تھی۔ موجودہ سکے سے غلوں سے فطرانہ نکالنا یہ سب بدعت ہیں۔

جج۔ ریل گاڑیوں، لاریوں، موٹرول، ہوائی جہازوں کے ذریعہ حج کو نا۔ موٹرول میں عرفات شریف جانا بدعت ہے اس زمانہ پاک میں نہ یہ سواریاں تھیں نہ ان کے ذریعہ حج ہوتا تھا۔

طریقیت: طریقہ کے قریب سارے مشاغل اور تقویٰ کے قریب سارے مسائل بدعت ہیں مگر قبے چلے، پاس انفاس، تصور شیخ، ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں۔ جن کا قرونِ ثلثہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔

چار سلسلے: شریعت و طریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔ ان میں سے بعض کے تو نام تک بھی عربی نہیں۔ جیسے چشتی یا نقشبندی، کوئی صحابی، تابعی، حنفی، قادری نہ ہوئے۔

اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے چمک رہے وہ دینی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؛ جب ایمان اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں۔ تو بدعت سے چھٹکارا کیسا؟

دنیاوی چیزیں: آج کل دنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد ہو گئی ہیں جن کا خیر القرون میں نام و نشان بھی نہ تھا اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، تانکر، گھوڑا گاڑی، پھر خط، لفاظہ، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، لاڈ اسپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے۔ اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔

بولو، دیوبندی، دہلوی، بغیر بدعاتِ حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

لطیفہ: ایک مولوی صاحب کسی شخص کا نکاح پڑھانے گئے۔ دو لہا کے پھولوں کا سہرا بندھا ہوا تھا۔ جاتے ہی بولے یہ سہرا بدعت ہے، شرک ہے، حرام ہے نہ حضورؐ نے باندھا نہ صحابہ کرامؓ نے نہ تابعینؒ نے نہ تبع تابعینؒ نے بتاؤ کونسی کتاب میں لکھا ہے کہ سہرا باندھو لوگوں نے سہرا کھول دیا جب نکاح پڑھا چکے تو دو لہا کے باپ نے س روپیہ کا نوٹ دیا۔ مولوی صاحب نوٹ جیب میں ڈال رکھے تھے کہ دو لہا نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ مولوی صاحب نکاح پڑھا کر روپیہ لینا بدعت ہے۔ حرام ہے۔ شرک ہے۔ نہ حضورؐ نے لیے نہ صحابہؓ نے نہ تابعینؒ نے نہ تبع تابعینؒ نے۔ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ نکاح کی فیس کو مولوی صاحب بولے یہ تو خوشی کے پیسے ہیں۔ دو لہا نے کہا کہ سہرا بھی خوشی کا تھا۔ تم کا نہ تھا۔ مولوی صاحب شرم سے ڈوب گئے۔ یہ ہے ان بزرگوں کی بدعت۔

دوسرا باب

اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات و جوابات میں

ہم نے بدعت ثلثی کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام دینی یا دنیاوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے خواہ زمانہ صحابہ کرام میں ہو یا اس کے بعد۔ اس پر دو مشہور اعتراض ہیں۔

اعتراض ۱: بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایجاد ہو۔ دنیاوی نئے کام بدعت نہیں۔ لہذا محفل میلاد وغیرہ تو بدعت ہیں اور تارٹیلیفون، ریل گاڑی کی سواری بدعت نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَلَكٌ مِنْهُ فَهُوَ مِنْ دُونِ شَيْءٍ هَامِرٍ دین میں کوئی بات نکالے وہ مردود ہے امرنا سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی حسنہ نہیں سب حرام ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ان سب کو کہا گیا کہ وہ مردوبے۔

جواب: دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے اماریت صحیحہ اور اقوال علماء و فقہاء اور محدثین کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے كُلُّ مُحْدَثٍ بِدْعَةٌ (مشکوٰۃ باب الاعتصام) ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔ نیز جہ اشعۃ اللمعات اور مرقۃ کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں اس میں دینی کام کی قید نہیں لگائی۔ نیز جہ پہلے باب میں مرقۃ اور شامی کی عبارتیں دکھا چکے کہ انہوں نے عمدہ کھانے اچھے کپڑے، بدعت جائزہ میں داخل کیے ہیں۔ یہ کام دنیاوی ہیں۔ مگر بدعت میں ان کو شمار کیا ہوا ہے قید لگانا غلط ہے۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو تو کہتے ہیں جس پر ثواب ملے۔ مستحبات، وظائف، واجبات، فرائض سب دینی کام ہیں کہ اس کو آدمی ثواب کے لئے کرتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جاوے اس پر ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔ اپنے بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہو تو ثواب ہے۔ حَتَّى اللَّقْمَةِ تَوْفَعَهَا فِي إِمْرَاتِكَ یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی زوجہ کے منہ میں دے وہ بھی ثواب۔ لہذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے۔ اب بتاؤ کہ نیت خیر سے ملا دھکھانا بدعت ہے یا نہیں؟ نیز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لئے کوئی مفید نہیں۔ کیونکہ دیوبند کا مدرسہ، وہاں کا نصاب دورہ حدیث،

تختواہ سے گردن سیمین کا پڑھانا، امتحان اور تعطیلات کا ہونا، آج قرآن پاک میں اعراب لگانا، قرآن و بخاری چھاپنا، مصیبت کے وقت ختم بخاری کرنا جیسا کہ دیوبند میں پندرہ روپیہ لے کر لایا جاتا ہے۔ بلکہ سارا فن حدیث بلکہ خوراحادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا بلکہ خود قرآن کو کاغذ پر جمع کرنا۔ اس میں کروع بنانا اس کے تیس سیارے کرنا وغیرہ وغیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ان میں سے کوئی کام نہ ہوا تھا۔ بولویہ حرام میں یا حلال؟ پچارے محفل میلاد شریف اور فاتحہ نے ہی کیا تصور کیا ہے جو صرف وہ تو اس لیے حرام ہوں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھا اور اوپر ذکر کیے ہوئے سب کام حلال۔

ہم نے مولوی شاد اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرہ میں کہا تھا کہ آپ حضرات چار چیزوں کی صحیح تعریف کریں۔ جس پر کوئی اعتراض نہ ہو جامع مانع ہو۔ تو جس قدر چاہیں ہم سے انعام لیں بدعت شرک دین، عبادت اور اب بھی اپنے رب کے بھروسہ پر کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی دیوبندی کوئی غیر مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس کا مذہب بچ جاوے۔ آج بھی ہر دیوبندی اور ہر غیر مقلد کو اعلان عام ہے کہ انکی ایسی صحیح تعریف کر دے جس سے محفل میلاد حرام ہو۔ اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد عین اسلام اور کٹے تھے ہیں کہ انشاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہو سکی ہیں اور نہ ہو سکیں گی۔ لہذا چاہیے کہ اپنے اس بلے صولے مذہب سے توبہ کریں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہوں اللہ الموفق۔ وہ حدیث جو آپ نے پیش کی۔ اس کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں یا تو ما سے مراد عقائد ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقائد پر ہوتا ہے اور اگر مراد اعمال بھی ہوں تو ان میں سے مراد وہ اعمال ہیں۔ جو خلاف سنت یا خلاف دین ہوں ہم اس کے حوالہ بھی پیش کر چکے۔

یہ کہنا کہ ہر بدعت حرام ہوتی ہے بدعت حسنہ کوئی چیز ہی نہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو ہمیشہ کی جاچکی کہ اسلام میں جو نیک کام ایجاد کرے وہ ثواب کا مستحق ہے اور جو بُرا کام ایجاد کرے وہ عذاب کا نیز شامی۔ اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارت پیش کی جاچکی ہیں کہ بدعت پانچ قسم کی ہے جائز، واجب، مستحب، مکروہ اور حرام۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ ہر بدعت حرام ہے تو مدارس وغیرہ کو ختم کر دو کہ یہ بھی حرام ہیں نیز مسائل فقہیہ اور اشغال صوفیہ جو خیر القردن کے بعد ایجاد ہوئے تمام حرام ہو جائیں گے۔ شریعت کے

چار سلسلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور طریقت کے چار سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ تمام ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام کے بعد ایجاد ہوئے پھر ان کے مسائل اجتہاد پر اور اعمال، وظیفے، مراقبے، چلے وغیرہ سب بعد کی ایجاد ہیں اور سب لوگ ان کو دین کا کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں، پھر کلمے ایمان، جمل و مفصل، قرآن کے میں پارے، حدیث کی قسمیں اور ان کے احکام کو یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، حسن ہے یا مضلل وغیرہ عربی مدارس کے نصاب، جلسہ دستار بندی، سند لینا، پگڑی بندھوانا، ان چیزوں کا کہیں قرآن و حدیث میں نام بھی نہیں۔ کوئی دیوبندی دہلوی ان چیزوں کو تو کیا ان کے نام بھی کسی حدیث سے نہیں دیکھا سکتا۔ پھر حدیث کی اسناد اور راویوں پر مروجہ جرح خیر القردن سے ثابت نہیں کر سکتا، غرض کہ شریعت و طریقت کا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں بدعت شامل نہ ہو۔

مولوی اسماعیل صاحب صراط مستقیم صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں: "نیز اگر بر طریقت نے اگرچہ اذکار و مراقبات و ریاضات و مجاہدات کی تعیین میں جو راہ و ولایت کے مبادی میں کوشش کی ہے لیکن حکم ہر سخن و قسے و ہر نکتہ مقامی وارد ہے ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر بہر قرن کے مطابق حال ریاضات و مجاہدات ہیں۔" اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کے اشغال و صوفیاء کی ایجاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں اور جائز ہیں۔ بلکہ راہ سلوک ان ہی سے طے ہوتی ہے۔ کیسے کہ اب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہر نئی چیز حرام ہے ہماننا پڑے گا کہ جو کام خلاف سنت ہو وہ بڑا ہے باقی عمدہ اور اچھا۔

اعتراف (۲) مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں سے کسی زمانہ میں ایجاد ہو جاوے وہ بدعت نہیں۔ ان زمانوں کے بعد جو کام ایجاد ہو گیا وہ بدعت ہے اور وہ کوئی بھی جائز نہیں۔ سب حرام ہیں یعنی صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کی ایجادات سنت ہیں۔ اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

۱) فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ
 الْمُهَدِّدِينَ لَكُمْ دِينَكُمْ وَعَصُوا عَنِّي بَالِئًا لِمَا جَاءَ
 اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا۔ اس کو مکر کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ جس سے

معلوم ہوا کہ ان کی ایجادات بدعت نہیں۔

۲) مشکوٰۃ باب فضائل الصحابة میں ہے خَيْرُ امَّتِي قَوْمِي ثُمَّ
 میری امت میں بہتر گروہ میرا گروہ ہے پھر وہ جوان کے متصل ہیں

الَّذِينَ يَكُونُ لَهُمْ مَثَلُ الَّذِينَ يُؤْتَوْنَهُمْ ثُمَّ إِنَّا بَعْدَ ذَلِكَ
ثَوَمَّائِهِمْ ذُنُوبُهُمْ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ

وہ جو ان کے متصل ہیں پھر اس کے بعد ایک قوم ہوگی جو بغیر
گواہ بنائے ہوئے گواہی دیتی پھر گی اور جو نجات کریں
گے۔ امین نہ ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کین زمانہ خیر میں صحابہ کرام کا تابعین کا، تبع تابعین کا اور پھر شہر اور خیر زمانہ میں جو پیدا ہو
وہ خیر یعنی سنت ہے اور شہر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ شر یعنی بدعت ہے۔ نیز مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

(۳) تَقَاتَرْتُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَصَنَعِينَ مَلَّةً
كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً قَالُوا مَنْ هِيَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي

میرے امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے ایک کے سوا
سب سہمی ہیں عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایک کون ہے
فرمایا جس پر ہم اور ہمارے صحابہ ہیں۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی جنت کا راستہ ہے ان کے ایجابات کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔ مشکوٰۃ باب الفضائل الصغی
میں ہے۔

(۴) أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ فَيَا تَهْمُ اقْتَدَيْتُمْ أَهْتَدَيْتُمْ
اس سے بھی یہ ہی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی باعث نجات ہے لہذا ان کے ایجاب کردہ کام بدعت نہیں
کیونکہ بدعت تو گمراہ کن ہے۔

جواب: یہ سوال بھی محض دھوکا ہے اس لئے کہ ہم نے مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے
کہ بدعت وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پیدا ہو۔ اس میں صحابہ کرام و تابعین کا ذکر نہیں۔ نیز
اس لئے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ترویج
کی باقاعدہ جماعت کا حکم دیا پھر ترویج کی جماعت کو دیکھ کر فرمایا۔

نِعِمَّتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ۔ یہ تو بڑی اچھی بدعت ہے۔

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مبارک فعل کو بدعت حسنہ فرمایا۔ اور ترمذی۔ ابن ماجہ۔ نسائی۔
مشکوٰۃ شریف باب القلوب میں حضرت ابومالک اشجعی سے روایت فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے نماز
فجر میں قنوت نازلہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا اسے بنی محدث۔ بیٹے یہ بدعت ہے دیکھو زمانہ صحابہ کی چیز کو
آپ بدعت سید کہہ رہے ہیں۔ اگر زمانہ صحابہ کی ایجابات کو بدعت نہیں ہوتیں تو ترویج بدعت حسنہ کیوں ہوتی
اور قنوت نازلہ بدعت سید کیوں ٹھہری۔ وہ زمانہ تو بدعت کا ہے ہی نہیں تیسرے اس لئے کہ پہلے باب میں بحوالہ

مرقات گزر چکا کہ تراویح کی جماعت بدعت مستحبہ ہے یعنی تراویح سنت اور اس کی باقاعدہ پابندی سے جماعت بدعت حسنہ انہوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کو بدعت میں داخل کیا جو پختے اس لیے کہ بخاری جلد دوم کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن میں ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہما کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ کَیْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ خَيْرٌ أَوْ وہ کام کیوں کرتے ہیں۔ جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا، صدیق نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے حضرت زید ابن ثابت نے بارگاہ صدیق رضی اللہ عنہما میں یہ ہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے آپ بدعت کیوں ایجاد کر رہے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے یعنی اچھی ہے جس سے پتہ لگا کہ فعل صحابہ کرام بدعت حسنہ ہے معنائین کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

(۱) فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ
خلفاء راشدین کے اقوال و افعال کو لغوی معنی سے سنت فرمایا گیا۔
الرَّاشِدِينَ۔

یعنی اے مسلمانوں تم میرے اور میرے خلفاء کے طریقوں کو اختیار کرو جیسے کہ ہم پہلے باب میں حدیث نقل کر چکے ہیں۔ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا أَوْ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً اس حدیث میں سنت بمعنی طریقہ ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے سُنَّةٌ مِّنْ تَدَاثُرْنَا قَبْلَكَ مَنِ رَّسَلْنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا نیز فرماتا ہے سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي كَذَخَلْتَ أَيْمَاتِ اور حدیث میں سنت سے مراد سنت شرعیہ بدعت کے مقابل نہیں۔ بلکہ بمعنی طریقہ ہے سنت الیہ اللہ کا طریقہ۔ سنت انبیاء نبیین کا طریقہ وغیرہ۔

اسی حدیث فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي کے ماتحت اشعة اللمعات میں ہے کہ حقیقت سنت خلفائے راشدین ہمارا سنت پیغمبر است کہ در زمان انحضرت علیہ السلام شہرت نیافتہ بود و در زبان ایشان مشہور و مضاف بہ ایشان شدہ۔ خلفائے راشدین کی سنت حقیقہ سنت نبوی ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی۔ ان حضرات کے زمانہ میں مشہور ہو گئی اور ان کی طرف منسوب ہو گئی اس سے معلوم ہوا کہ سنت خلفاء اس کو کہتے ہیں اصل میں سنت رسول اللہ ہو مگر اس کو مسلمانوں میں رائج کر دیا۔ خلفاء راشدین ہوں پانچویں ایسے کہ محدثین اور فقہاء فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے حکم سنت سے ملتی ہیں یعنی سنت تو نہیں۔ سنت سے الحاق کیے ہوئے ہیں اگر ان حضرات کے ایجاد فرمودہ کام سنت ہی ہوتے تو الحاق کے کیا معنی۔ نور الانوار کے مثرع میں ہے وَقَوْلُ الصَّحَابِيِّ فِيمَا

رجحان کی مخالفت جتنی کام راستہ ہے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں کہ جماعت مسلمین کا ایجاد کیا ہو کوئی بھی کام بدعت نہ ہو سب سنت ہی ہو۔ بدعت ہی ہو گا مگر بدعت حسنہ۔ جس طرح کرایمادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں۔ اسی طرح سلف الصالحین کے ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں۔ بمعنی لغوی یعنی پسندیدہ دینی طریقہ۔

ہدایت صنفِ ربیہ: جو حضرات بدعت یعنی نئے کام کو حرام مانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنی کریں گے کہ **اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَاءِ اِلَّا بِاِحْتِیاجٍ** تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہے۔ یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کرے تو وہ حرام یا منع ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کرنے سے۔ یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ و ائوال فقہار سے ثابت ہے اور غالباً کوئی مقلد کہلاتا تو اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَن اَشْیَاءٍ
اَسْأَلَهَا لَكُمْ تَسْوِکُمْ اِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا
جَیْنٌ یَنْزِلُ الْقُرْآنُ تُبَدِّلْکُمْ عَمَّا اَللّٰهُ عَنْهَا

اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو کہ جو تم پر ظاہر کی جاویں
تو تم کو بری لگیں اور اگر انکو اس وقت پوچھو گے کہ قرآن
اتر رہا ہے تو ظاہر کر دی جاویں گی اللہ انکو معاف کر چکا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا وہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی میں ہے اسی لیے قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرما کر فرمایا **وَاَدْخُلْ لَكُمْ مَا دَرَأَ اَذْ لَکُمْ اَن** کے سوا باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں نیز فرمایا۔ **وَقَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ** تم سے تفصیل در بیان کر دی گئیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند محرمات ہیں جن کی تفصیل بتا دی ان کے سوا سب حلال مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام فصل دوم میں ہے۔

اَلْحَدَّالُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فِی کِتَابِہٖ وَ اَلْحَرَامُ
مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِی کِتَابِہٖ وَ مَا سَكَتَ عَنْہُ
فَہُوَ مِیْثَاقٌ عَفِیْ عَنْہُ۔

حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور
حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور
جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کا حلال ہونا صراحتہ قرآن میں مذکور ہے دوسرے وہ جنکی حرمت میراثہ آگئی۔ تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے؛ شامی جلد اول کتاب الطہارہ بحث تعریف سنت میں ہے۔ **اَلْمُخْتَارُ اَنَّ الْاَصْلَ اِلَّا بِاِحْتِیاجٍ عَنْہُ اَلْجُہُوْرُ مِنَ اَلتَّحَنُّفِیۃِ**

وَالشَّادِعِيَّة - جہود خفی اور شافعی کے نزدیک یہ ہی مسئلہ ہے کہ اصل مباح ہوتا ہے۔ اس کی تفسیر نازن و روح البیان اور تفسیر نرائن العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ مباح ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی۔ اب جو بعض لوگ اہل سنت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کو ناجائز ہے یا حضور علیہ السلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین نے کب کیا تھا یہ محض دھوکا ہے۔ اہل سنت کو نہایتے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کو ناجائز ہے جب خدا حرام نہ کرے رسول علیہ السلام منع نہ فرمائیں اور کسی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہو نیکی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُذِیْحَىٰ اِلٰی فَحْرَ مَا عَلٰی طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ اَلَا اَنْ يَكُوْنُ مَسِيَّةً اَلَا یُزْفَرَا تَا ہے قُلْ مَا خَرَّمَ مِنْ يَدِهِ اَللّٰهِ الَّذِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهِ الطَّيِّبَاتِ مِنَ الْمَرْمٰتِ الْاٰیٰتِ ایاں سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہو نیکی دلیل ہے کہ حرام ہونے کی یہ حضرت اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الہی منطق ہے اچھا بتاؤ کہ بلوے سفر مدرس کا قیام کہاں لکھا ہے؟ کہ حلال ہے یا کسی صحابی یا تابعی نے کیا۔ جیسے وہ حلال ایسے ہی یہ بھی جائز اور حلال ہے۔

بحث محفل میلاد شریف کے بیان میں

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب تو میلاد شریف کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

میلاد شریف کے ثبوت میں

اولاً تو معلوم ہونا چاہیے کہ میلاد شریف کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا حکم کیا؟ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے دلائل کیا ہیں؟ میلاد شریف کی حقیقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا واقعہ بیان کرنا۔ حمل شریف کے واقعات۔ نور محمدی کے کرامات، نسب نامہ یا شیر خوارگی اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں پرورش حاصل کرنے کے واقعات بیان کرنا اور حضور علیہ السلام کی نعت پاک نظم یا نشر میں پڑھنا سب اس کے

کسی کو سلطنت ملے تو ہر سال اس تاریخ پر جشنِ جلوس مناتا ہے تو جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اس پر خوشی منانا کیوں منع ہوگا؟ خود قرآن کریم نے حضور علیہ السلام کا میلاد مبارک ارشاد فرمایا فرماتا ہے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ اَلَا يَرَاےْ سُلْمَانُوں تَهَارے پاس عظمت والے رسول تشریف لے گئے اس میں تو ولادت کا ذکر ہوا پھر فرمایا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ حضور علیہ السلام کا نسب نامہ بیان ہوا کہ وہ تم میں سے یا تمہاری بہترین جماعت میں سے ہیں۔ حِرَیْصٌ عَلَیْكُمْ سے آخر تک حضور علیہ السلام کی نعت بیان ہوئی آج میلاد شریف میں یہی تین باتیں بیان ہوتی ہیں۔

۱۳. لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ
بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولًا۔
اللہ نے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان میں اپنے رسول علیہ السلام کو بھیج دیا۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُولَهٗ بِالْهُدٰی
وَدِّیْنِ الْحَقِّ۔
رب العالمین وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔

غور فرمائیے کہ یہ آیات میں جن میں حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ میلاد کا ذکر سنت النبیہ ہے۔ اب اگر جماعت کی نماز میں امام یہی آیات ولادت پڑھے تو عین نماز میں میرے آقا کا میلاد ہوتا ہے۔ دیکھو امام صاحب کے چھپے مجمع بھی ہے اور قیام بھی ہو رہا ہے۔ پھر ولادت پاک کا ذکر بھی ہے بلکہ خود کلمہ طیبہ میں میلاد شریف ہے کیونکہ اس میں ہے مُحَمَّدًا رَّسُوْلَ اللّٰهِ مُحَمَّدًا رَّسُوْلَ اللّٰهِ کے رسول میں۔ رسول کے معنی میں بھیجے ہوئے اور بھیجنے کے لئے آنا ضروری ہے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہو گیا۔ اصل میلاد پایا گیا۔

قرآن کریم نے تو انبیاء علیہم السلام کا بھی میلاد بیان فرمایا ہے۔ سورہ مریم میں حضرت مریم کا حاملہ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر۔ حتیٰ کہ حضرت مریم کا دروزہ۔ اس تکلیف میں جو کلمات فرمائے کہ یٰلَیْسَ لَیَّیْنِیْ مِمَّنْ جَبَلْ هٰذَا اَپھر ان کی ملائکہ کی طرف سے تسلی پانا۔ پھر یہ کہ حضرت مریم نے اس وقت کیا غذا کھائی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے کلام فرمانا غرض کہ سب ہی بیان فرمایا۔ یہ ہی میلاد خوں بھی پڑھتا ہے کہ حضرت آمنہ خاتون نے ولادت پاک کے وقت فلاں فلاں معجزات دیکھے۔ پھر یہ فرمایا پھر اس طرح حوران بہشتی آپ کی امداد کو آئیں۔ پھر کعبہ معظمہ نے آمنہ خاتون کے گھر کو سجدہ کیا۔ وغیرہ وغیرہ وہ ہی تسکینی سنت ہے اسی طرح قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، اُن کی شیر خوارگی، اُن کی پرورش ان کا پلانا پھرنا، مدین میں جانا، حضرت شعیب کی خدمت میں جانا، وہاں رہنا اور اُن کی

بیان فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ میلاد پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں آیا ہے: حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاید حضور علیہ السلام تک خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب پاک میں یمن کرتے ہیں۔ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِثْبَرِ فَقَالَ مَوْجِ أَنْتَ أَيْسَ مِنْبَرٍ قِيَامُ فَرَاكَ وَجِھَا بِنَاؤُ مِنْ كَوْنِ هُوَا؟ سب نے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں فرمایا میں محمد ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب ہوں۔ اللہ نے مخلوق کو یہ فرمایا تو ہم کو بہتر مخلوق میں سے کیا۔ پھر ان کے دو بیٹے یسے عرب و عجم کو ان میں سے بہتر یعنی عرب میں سے کیا۔ پھر عرب کے چند قبیلے فرمائے ہم کو ان کے بہتر یعنی قریش میں سے کیا۔ پھر قریش کے چند خاندان بنائے ہم کو ان میں سے سب سے بہتر خاندان یعنی بنی ہاشم میں سے کیا۔ اسی مشکوٰۃ اسی فصل میں ہے کہ ہم قائم النبیین ہیں اور ہم حضرت ابراہیم کی دعا حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا ویدار ہیں جو انہوں نے ہماری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور چمکا جس سے شام کی عمارتیں ان کو نظر آئیں اس مجمع میں حضور علیہ السلام نے اپنا نسب نامہ اپنی نعت شریف، اپنی ولادت پاک کا واقعہ بیان فرمایا یہ ہی میلاد شریف میں ہوتا ہے۔ ایسی صد احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔

(۶) صحابہ کرام ایک دوسرے کے پاس جا کر فرمائش کرتے تھے کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی نعت شریف سناؤ۔ معلوم ہوا کہ میلاد سنت صحابہ بھی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول میں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ ابن عمر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور علیہ السلام کی وہ نعت سناؤ جو تورات شریف میں ہے۔ انہوں نے پڑھ کر سنائی۔ اسی طرح حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کی نعت پاک تورات میں یوں پاتے ہیں محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میرے پیغمبر نبی ہیں۔ میں نے خلق، نہ سخت طبعیت، ان کی ولادت مکہ مکرمہ میں اور ان کی ہجرت طیبہ میں۔ ان کا ملک شام میں ہوگا۔ ان کی امت خدائی بہت حمد کرے گی کہ رنج و خوشی ہر حال میں خدائی حمد کرے گی (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

(۷) یہ تو مقبول بندوں کا ذکر تھا۔ کفار نے بھی ولادت پاک کی خوشی منائی۔ تو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہی کر لیا۔ چنانچہ بخاری جلد دوم کتاب النکاح باب دَامَتْكُمْ اَلْاٰتِیْ اَنْضَعْتُمْ دَمَاجُہُمْ مِنْ الرِّضَاعَةِ میں ہے

قَلَمًا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرْسِلَهُ بَعْضُ
أَهْلِهِ بِشَرِّ هَيْئَةٍ قَالَ لَهُ مَاذَا أَقْبَيْتَ
قَالَ أَبُو لَهَبٍ لَمْ أَلْقِ يَعْنِي كُمْ خَيْرًا
إِنِّي سَقَيْتُ فِي هَذِهِ بَعْثًا قَتَى تَوَيْبَةً -

جب ابولہب مر گیا تو اسکو کے بعض گھروالوں نے
خواب میں برے حال میں دیکھا پوچھا کیا گزری ابولہب کہ تم
سے علیحدہ ہو کر مجھ کوئی خیر نصیب ہوئی ہاں مجھے اسٹک کی
انگلی سے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے تیسرے لونڈی کو آزاد کیا تھا

بات یہ تھی کہ ابولہب حضرت عبداللہ کا بھائی تھا۔ اس کی لونڈی ثویبہ نے اگر اس کو خبر دی کہ آج میرے
بھائی عبداللہ کے گھر فرزند محمد رسول اللہ پیدا ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس نے خوشی میں اس لونڈی
کو انگلی کے اشارے سے کہا کہ جاتو آزاد ہو۔ یہ سخت کافر تھا۔ جس کی برائی قرآن میں آ رہی ہے۔ مگر
اس خوشی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا کہ جب روزخ میں وہ پیاسا ہوتا ہے تو اپنی اس انگلی کو
چومتا ہے۔ پیاس بجھ جاتی ہے حالانکہ وہ کافر تھا ہم مومن۔ وہ دشمن تھا۔ ہم ان کے بندے بے رام۔
اس نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی۔ نہ کہ رسول اللہ کی۔ ہم رسول اللہ کی ولادت کی خوشی
کرتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو وہ کرم میں ہم ان کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے۔
دستان را کجا کنی محروم ہ تو کہ بادشمنان نظر داری
مدارج النبوة جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضاعت کے وصل میں اسی ابولہب کے واقعہ کو بیان فرما کر

فرماتے ہیں۔

° ودریں جانب داست مزمل مولید کرد در شب میلاد
آں سرد سرد سر گرفتند بل اموال نمایند یعنی ابولہب کہ کافر
بود چوں بسر در میلاد آں حضرت و بذل شیر جاریہ دے
بجست آں حضرت جزا دادہ شد تا حال مسلمان کہ کملاست
بجست و سرد و بذل مال در دے چہ باشد لیکن بایکہ
از بدعت ہا کہ عوام احدث کردہ اند از تغنی و آلات محرمہ
و منکرات خالی باشد

اس واقعہ میں مولود والوں کی بڑی دلیل ہے جو حضور
علیہ السلام کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے
اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب جو کافر تھا جب
حضور کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے
کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا ہوگا جو محبت خونی
سے بھرا ہوا ہے اور مال خرچ کرتا ہے لیکن پیاسیہ کہ مغل میلاد
شریف کو امر کی بدعتوں یعنی گانے اور حرام باجوں وغیرہ سے خالی نہ

(۸) ہر زمانہ اور ہر ملک میں علماء و اولیاء مشائخ اور عامۃ المسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جان کر کرتے رہے
اور کرتے ہیں۔ عربین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے جس ملک میں بھی

جاوے مسلمانوں میں یہ عمل پائو گے۔ ادیباء اللہ و علماء امت نے اس کے بڑے بڑے فائدے اور برکات بیان فرمائی ہیں۔ ہم حدیث نقل کر چکے ہیں کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے قرآن فرماتا ہے۔ لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ مَا كَرَّمْنَا مِنْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ حدیث پاک میں بھی ہے اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فَاَلَمْ تَرْضَ مِنْ اللّٰهِ كُفُوًا لِّمَا كَرَّمْتُمْ مِنْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ لہذا محفل میلاد پاک مستحب ہے۔

آخر مجمع البحار صفحہ ۵۵۰ میں ہے کہ شیخ محمد ظاہر محدث ربیع الاول کے متعلق فرماتے ہیں: قَدْ شَهِدْتُ امْرَأًا بِأَخْطَائِهَا رَجُلًا مَحْبُوسًا فِيهِ كُلُّ عَاوِمٍ مَعْلُومٍ بِمَا كَرَّمَ رُبَّعُ الْاَوَّلِ فِيهِ بَرَسَالٌ خَوْشِي مَنْ لَمْ يَكُنْ يَحْكُمُ بِهِ - تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورۃ فتح زیر آیت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ہے -

وَمِنْ تَعْظِيمِهِ عَمَلُ الْمَوْلِيدِ إِذَا الْمَوْلَى كُنَّ فِيهِ مُنْكَرٌ قَالَ الْإِمَامُ السَّيُوطِيُّ يُسَبِّحُ لَنَا إِظْهَارُ الشُّكْرِ لِمَوْلِيدِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِحُرْفَاتٍ هِيَ - فَقَدْ قَالَ ابْنُ الْحَجَرِ الْهَيْثُمِيُّ إِنَّ الْبِدْعَةَ الْحَسَنَةَ مُتَّقَى عَلَى نَدْبِهَا وَعَمَلُ الْمَوْلِيدِ وَاجْتِمَاعُ النَّاسِ لَهُ كَذَلِكَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ قَالَ السَّخَاوِيُّ لَمْ يَفْعَلْهُ أَحَدٌ مِنَ الْقُرُونِ الثَّلَاثَةِ وَ إِنَّمَا حَدَثَ بَعْدُ ثُمَّ لَا زَالَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ مِنْ سَائِرِ الْأَقْطَارِ وَالَّذِينَ الْكِبَارُ يَعْمَلُونَ الْمَوْلِيدَ وَيَتَصَدَّقُونَ بِأَنْوَاعِ الصَّدَقَاتِ وَيَعْتَنُونَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِيدِهِ الْكَرِيمِ وَيُظَهِّرُونَ مِنْ بَرَكَاتِهِ عَلَيْهِمْ كُلُّ نَفْسٍ عَظِيمٍ قَالَ ابْنُ الْجَوَازِيِّ مِنْ خَوَاصِهِ أَنَّهُ أَمَانٌ فِي ذَلِكَ الْعَامِ وَبَشَرَى عَاجِلَةٌ بِبَيْلِ الْبُغْتَةِ وَالْمُرَامِ وَأَذَلَّ مَنْ أَحْدَثَهُ مِنَ الْمُلُوكِ صَاحِبُ

میلاد شریف کرنا حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے جبکہ وہ
 بڑی باتوں سے خالی ہو یا مصلیٰ فرماتے ہیں کہ ہم کو
 حضور علیہ السلام کی ولادت پر نیکو کا اظہار کرنا مستحب ہے
 ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ بدعت حسنہ کے مستحب ہونے
 پر سب کا اتفاق ہے اور میلاد شریف کرنا اور
 اس میں لوگوں کا جمع ہونا بھی اسی طرح بدعت حسنہ
 ہے امام بخاری نے فرمایا کہ میلاد شریف تینوں زمانوں
 میں کسی نے نہ دیکھا بعد میں ایجاد ہوا پھر ہر طرف کے اور
 ہر شہر کے مسلمان ہمیشہ مولود شریف کرتے رہے اور کرتے
 ہیں اور طرح طرح کے صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور
 حضور علیہ السلام کے میلاد پر چھنے کا بڑا اہتمام کرتے
 ہیں۔ اس مجلس پاک کی برکتوں سے ان پر اللہ کا بڑا
 ہی فضل ہوتا ہے امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ
 میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت
 سے امن رہتی ہے اور اس میں مرادیں پوری ہونے کی
 خوشخبری ہے جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ

أَسْرَبَ وَصَفَ لَهُ ابْنُ وَحْيَةٍ كِتَابًا فِي
الْمَوْلِدِ فَاجَادَهُ بِالْقَبْرِ دِينَارًا وَقَدْ اسْتَحْجَجَ
لَهُ الْحَفِظُ ابْنَ حَجَرَ أَصْلًا مِنَ الشَّعَةِ وَ
كَذَلِكَ الْحَفِظُ الشَّيْخُ طَيِّبٌ وَرَدَّ عَلَى أَنْكَارِهَا فِي
قَوْلِهِ إِنَّ عَمَلُ الْمَوْلِدِ بِدَعَا مَذْمُومَةٌ

شاہ اربل ہے اور ابن وحیہ نے اس کے لئے میلاد شریف
کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اسکو ہزار اشرفیا
نذریں اور حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے اس کی
اصل سنت سے ثابت کی ہے اور انکار کیا ہے جو
اس کو بدعت سید کہہ کر منع کرتے ہیں۔

علامہ قاری مورود الروی میں دیباچہ کے متصل فرماتے ہیں لَا تَرَالِ أَهْلَ الْإِسْلَامِ يَخْلُقُونَ فِي
كُلِّ سَنَةٍ جَدِيدَةً وَيَعْتَنُونَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِدِ الْكَرِيمِ وَيُظَهِّرُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ بَرَكَاتِهِ كُلِّ
فَضْلٍ عَظِيمٍ اور اسی کتاب کے دیباچہ میں یہ اشعار فرماتے ہیں

بِهَذَا الشَّهْرِ فِي الْإِسْلَامِ فَضْلٌ * وَصَنَفَهُ تَفَوُّقٌ عَلَى الشُّهُورِ

سَمِيعٌ فِي سَمِيعٍ فِي رَيْبِج * وَفَوْزٌ فَوْقَ فَوْزٍ نُورِ (افوار سلطہ)
ان عبارات سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ مشرق و مغرب کے مسلمان اس کو اچھا جان کر
کرتے ہیں دوسرے یہ کہ بڑے بڑے علماء فقہاء محدثین مفسرین و صوفیاء نے اس کو اچھا جانا ہے جیسے
امام سیوطی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی، امام سخاوی، ابن جوزی، حافظ ابن حجر، غیر ہم۔ تیسرے یہ کہ میلاد پاک
کی برکت سے سال بھر تک گھر میں امن۔ مراد پوری ہونا، مقاصد برآنا حاصل ہوتا ہے۔

(۹) عقل کا بھی تقاضا ہے کہ میلاد شریف بہت مفید محفل ہے۔ اس میں چند نائدے ہیں مسلمانوں
کے دل میں حضور علیہ السلام کے فضائل سن کر حضور علیہ السلام کی محبت بڑھتی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی
اور دیگر صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی محبت بڑھانے کے لئے زیادتی و درود شریف اور
حضور علیہ السلام کے حوالہ زندگی کا مطالعہ ضروری ہے پڑھے لکھے لوگ تو کتابوں میں حالات دیکھ سکتے
ہیں۔ مگر ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے۔ ان کو اس طرح سننے کا موقع مل جاتا ہے یہ مجلس پاک غیر مسلموں
میں تبلیغ احکام کا ذریعہ ہے کہ وہ بھی اس میں شریک ہوں حضور علیہ السلام کے حالات طیبہ سنیں۔ اسلام
کی خوبیاں دیکھیں۔ خدا توفیق دے تو اسلام لے آویں۔ تیسرے یہ کہ اس مجلس کے ذریعے مسلمانوں کو
مسائل و فیہ بتانے کا موقع ملتا ہے۔ بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاؤ تو
جمع نہیں ہوتے۔ ان محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہو جاتے ہیں۔ خود میں نے

بھی اس کا بہت تجربہ کیا۔ اب اسی مجلس میں مسائل دینیہ بتاؤ ان کو ہدایت کرو اچھا موقع ملتا ہے۔
 چوتھے یہ کہ میلاد شریف میں ایسی نظمیں بنا کر پڑھی جاویں جن میں مسائل دینیہ ہوں اور مسلمانوں کو ہدایت
 کی جادے کیونکہ مقابلہ شرک کے نظم و دل میں زیادہ اثر کرتی ہے۔ اور جلد یاد ہوتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اس مجلس
 میں سنتے سنتے مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کا نسب شریف اولاد پاک، ازواج مطہرات اور ولادت پاک
 و پرورش کے حالات یاد ہو جائیں گے۔ آج مرزائی۔ رافضی وغیرہم کو اپنے مذاہب کی پوری پوری معلوم
 ہوتی ہیں۔ رافضی کے بچوں کو بھی بارہ اماموں کے نام اور خلفائے راشدین کے اسماء تبرا کرنے کو یاد
 ہوں گے مگر اہل سنت کے بچے تو کیا بوڑھے بھی اس سے غافل ہیں۔ میں نے بہت سے بوڑھوں کو
 پوچھا کہ حضور علیہ السلام کی اولاد کتنی ہے؟ دلاؤ کہتے ہیں! بے خبر پایا۔ اگر ان مجلسوں میں ان کا چرچا
 تو بہت مفید ہو۔ سنی ہوئی چیز کو نہ بگاڑو۔ بلکہ بگڑی ہوئی چیز کو بنانے کی کوشش کرو۔

(۱۰) مخالفین کے پیروں میں دعاوی ادا اللہ صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں محفل میلاد شریف کو جائز
 اور باعث برکت فرمایا چنانچہ وہ اس کے صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں کہ ”مشرک فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف
 میں شریک ہوتا ہوں۔ بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں“
 عجیب بات ہے کہ پیر صاحب تو مولود شریف کو ذریعہ برکات سمجھ کر خود ہر سال کریں اور مریدین غلصین کا عقیدہ
 ہو کہ شرک و کفر کی محفل ہے محفل میلاد! نہ معلوم کہ اب پیر صاحب پر کیا فتوے لگے گا؟

(۱۱) ہم عرس کی بحث میں عرض کریں گے کہ فقہار کے نزدیک بغیر دلیل کو اہمیت تفریحی کا بھی ثبوت نہیں
 ہو سکتا۔ حرمت تو بہت بڑی چیز ہے اور استحباب کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان اس کو اچھا جائیں
 تو جو کام شریعت میں منع نہیں اور مسلمان اس کو نیت خیر سے کرے یا کہ عام مسلمان اس کو اچھا جانتے
 ہوں وہ مستحب ہے اس کا ثبوت بدعت کی بحث میں بھی ہو چکا۔ تو محفل میلاد شریف کے متعلق کہا جا
 سکتا ہے کہ شرعیاً منع نہیں اور مسلمان اس کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں، نیت خیر سے کرتے ہیں لہذا یہ مستحب
 ہے مگر حرام کہنے والے اس کی حرمت پر کوئی قطعی الثبوت قطعی الدلائل حدیث یا آیت لائیں گے صرف
 بدعت کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔

دوسرا باب

میلاد شریف پر اعتراضات و جوابات میں

مخالفین کے اس پر حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔
اعتراض (۱) محفل میلاد بدعت ہے کہ نہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی اور نہ صحابہ کرام و تابعین کے زمانہ میں۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ لہذا مولود حرام۔

جواب: میلاد شریف کو بدعت کہنا نادانی ہے۔ ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ اصل میلاد سنت البیہ، سنت انبیاء، سنت ملائکہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سنت صحابہ کرام، سنت سلف صالحین اور عام مسلمانوں کا معمول ہے۔ پھر بدعت کیسی؟ اور اگر بدعت ہو بھی۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ ہم بدعت کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی جائز بھی ہوتی ہے اور مکروہ و حرام بھی۔ نیز پہلے باب میں تفسیر نوح البیان کے حوالے سے بتا چکے کہ یہ محفل بدعت حسنہ مستحبہ ہے حضور علیہ السلام کا ذکر کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔

اعتراض (۲) اس مجلس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں مثلاً عورتوں مردوں کو غلط غلط۔ وار بھی مندرجہ کائنات قرآنی کرنا۔ غلط روایات پڑھنا گویا کہ یہ مجلس حرام باتوں کا مجموعہ ہے۔ لہذا حرام ہے۔

جواب: اولاً یہ حرام چیزیں ہر مجلس میلاد میں ہوتی نہیں۔ بلکہ اکثر نہیں ہوتیں۔ عورتیں مردوں میں علیحدہ بیٹھتی ہیں۔ اور مرد علیحدہ۔ پڑھنے والے پابند شریعت ہوتے ہیں۔ روایات بھی صحیح بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے والے سننے والے با وضو بیٹھتے ہیں۔ سب درود شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ اور رقت طاری ہوتی ہے بسا اوقات آنسو جاری ہوتے ہیں اور محبوب علیہ السلام کا ذکر پاک ہوتا ہے۔ لذت بادہ عشقش زمین مست میرس۔ ذوق میں نہ شناسی غم لانا نہ حسی

ہائے کجخت تو نے پی ہی نہیں

ع

اور اگر کسی جگہ یہ باتیں ہوتی بھی ہوں۔ تو یہ باتیں حرام ہوں گی اصل میلاد شریف یعنی ذکر ولادت مصطفیٰ علیہ السلام کیوں حرام ہوگا۔ بحث عرس میں ہم عرض کریں گے کہ حرام چیز کے شامل ہو جانے سے کوئی سنت یا جائز کام حرام نہیں ہو جاتا۔ ورنہ سب سے پہلے دینی مدرسے حرام ہونے چاہئیں کیونکہ

دہاں مرد بے واڑھی واسے نچے جوافوں کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ان کا آپس میں اختلاط بھی ہوتا ہے کبھی کبھی اس کے بڑے نتیجے بھی برآمد ہوتے ہیں۔ اور ترمذی و بخاری ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث و تفسیر پر چلتے ہیں۔ ان میں تمام روایات صحیح ہی نہیں جوتیں۔ بعض ضعیف بلکہ موضوع بھی جوتی ہیں۔ بعض طلباء بلکہ بعض مدرسین واڑھی منڈے بھی ہوتے ہیں۔ تو کیا ان کی وجہ سے مدرسے بند کیے جائیں گے؟ نہیں بلکہ ان محرمات کو روکنے کی کوشش کی جاوے گی۔ بتاؤ اگر واڑھی منڈا قرآن پڑھے تو کیا قرآن پڑھنا بند کر دگے؟ ہرگز نہیں۔ تو اگر واڑھی منڈا میلاد شریف پڑھے تو کیوں بند کرتے ہو؟

اعتراف ۳) محفل میلاد کی وجہ سے رات کو برہنہ سونا ہوتا ہے۔ جسکی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوتی ہے اور جس سے فرض چھوٹے وہ حرام لہذا میلاد حرام۔

جواب۔ اولاً تو میلاد شریف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتا۔ بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے۔ جہاں رات کو ہو۔ وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا۔ دس گیارہ بجے تک ختم ہو جاتا ہے اتنی دیر تک لوگ عموماً ویسے بھی جاگتے ہی ہیں۔ اگر دیر لگ بھی جاوے۔ تو نماز جماعت کے پابند لوگ صبح کو نماز کے وقت جاگ جاتے ہیں۔ جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے لہذا یہ اعتراض محض ذکر رسول علیہ السلام کو روکنے کا بہانہ ہے اور اگر کبھی میلاد شریف دیر میں ختم ہوا اور اس کی وجہ سے کسی کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی تو اس سے میلاد شریف کیوں حرام ہو گیا؟ دینی مدارس کے سالانہ جلسے دیگر مذہبی و قومی جلسے رات کو دیر تک ہوتے ہیں۔ اور بعض جگہ نکاح کی مجلس آخرات میں جوتی ہے۔ رات کی ریل سے سفر کرنا ہوتا ہے تو بہت رات تک جاگنا ہوتا ہے۔ کہو کہ یہ جلسے، یہ نکاح۔ یہ ریل کا سفر حرام ہے یا حلال؟ جب یہ تمام چیزیں حلال ہیں تو محفل میلاد پاک کیوں حرام ہوگی؟ درنہ وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہے۔

اعتراف ۴) علامہ شامی نے شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں کہا کہ میلاد شریف سب سے بدتر چیز ہے۔ اسی طرح تفسیر احمدیہ شریف میں محفل میلاد شریف کو حرام بتایا اور اس کے حلال جاننے والوں کو کافر کہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ محفل میلاد سخت بُری چیز ہے۔

جواب۔ شامی نے مجلس میلاد شریف کو حرام نہ کہا بلکہ جس محفل میں گانے باجے اور لغزبات ہوں اور اس کو لوگ میلاد کہیں۔ کارِ ثواب سمجھیں اس کو منع فرمایا ہے چنانچہ وہ اسی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَأَقْبَمُ مِنْهُ الشَّدْرُ بِقِرَاءَةِ الْقَوْلِ | اس سے بھی بُری میناروں میں دود پڑھنے کی مذمانا

فِي الْمَنَازِلِ مَعَ اسْتِخَالِهِ عَلَى الْغَنَاءِ وَاللَّعِبِ | ہے۔ باوجودیکہ اس مولود میں گانے اور کھیل کود
 وَ اِنْهَا بِكَ ثَوَابٌ ذَلِكَ اِلَى حَضْرَتِ الْمُصْطَفَا | ہوتے ہیں اس کا ثواب حضور علیہ السلام کو دیکر بڑا
 اسی طرح تفسیرات احمدیہ نے ان گانے کی مجالس کو منع کیا کہ جن میں کھیل تماشے بلکہ شراب نوشی بھی ہو۔
 اور لوگ اس کو سماع کہہ کر کا ثواب جانیں تفسیرات احمدیہ نے ان لغویات کی تصریح بھی کر دی ہے دیکھو
 تفسیرات احمدیہ سورہ لقمان زیر آیت وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ - ہم نے بھی پہلے عرض
 کیا کہ محفل میلاد میں لغویات نہ ہوں۔ میں نے خود کراچی میں دیکھا کہ بعض جگہ باجے پر نعت پڑھتے ہیں
 اور اس کو میلاد شریف کہتے ہیں۔ ایک بار سہسوان ضلع بدایوں کے قریب کسی گاؤں میں ایک شخص نے اپنے
 باپ کی فاتحہ کرائی۔ بجائے قرآن کی تلاوت کے گراموفون دیکارڈ میں سورہ یاسین بجا کر اس کا ثواب باپ
 کی روح کو بخشا۔ ایسی بیہودہ اور حرام باتوں کو کون جائز کہتا ہے؟ اسی طرح ان حضرات کے زمانہ میں بھی
 ایسی لغو اور بیہودہ مجلسیں ہوتی ہوں گی۔ اس کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ اگر مطلقاً میلاد شریف کو جائز ماننا کفر
 ہے تو حاجی لدار اللہ صاحب پیر مرشد بھی اسی میں شامل ہوئے جاتے ہیں۔

اعترض (۵) نعت خوانی حرام ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا گانا ہے اور گانے کی احادیث میں بڑی آنا ہے۔
 اسی طرح تقسیم شیرینی کرنا اسلام ہے۔

جواب: نعت کہنا اور نعت پڑھنا بہترین عبادت ہے سارا قرآن حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔
 دیکھو اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حمید الرحمن میں۔ گذشتہ انبیائے کرام نے حضور علیہ السلام کی نعت
 خوانی کی۔ صحابہ کرام اور سارے مسلمان نعت شریف کو مستحب جانتے رہے خود حضور علیہ السلام نے اپنی
 نعت پاک سنی اور نعت خوانوں کو دعائیں دیں۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعتیہ اشعار اور کفار کی مذمت
 منظوم کر کے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لاتے تھے تو حضور علیہ السلام ان کے لیے مسجد میں منبر بچھا دیتے تھے۔
 حضرت حسان اس پر کھڑے ہو کر نعت شریف سنایا کرتے تھے اور حضور علیہ السلام دعائیں دیتے تھے کہ
 اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدْسِ اے اللہ حسان کی روح القدس سے امداد کر دیکھو مشکوٰۃ شریف جلد دوم
 باب الشعر اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نعت گوئی اور نعت خوانی ایسی اعلیٰ عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے
 حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبریل مصطفیٰ علیہ السلام میں منبر دیا گیا۔ ابوطالب نے نعت لکھی۔ خرپوٹی
 شرح قصیدہ بروہ میں ہے کہ صاحب قصیدہ بروہ کو فالج ہو گیا تھا۔ کوئی علاج مفید نہ ہوتا تھا۔ آخر کار قصیدہ

برودہ شریف لکھا۔ رات کو خواب میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں کھڑے ہو کر سنایا۔ شفا بھی پائی اور انعام میں چادر مبارک بھی ملی۔ نعت شریف = دین و دنیا کی نعمتیں ملتی ہیں۔ مولانا جامی، امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضور غوث پاکؒ نے فرینک سارے ارباب و علماء نے نعتیں لکھیں اور پڑھی ہیں۔ ان حضرات کے قصائد نعتیہ مشہور ہیں۔ حدیث و فقہ میں گلے بجلنے کی بڑیاں ہیں نہ کہ نعت کی۔ جن گیتوں میں محراب اخلاق مضامین ہوں۔ غوروں یا شراب کی تعریفیں ہوں واقعی وہ گانے ناجائز ہیں اس کی پوری تحقیق کے لئے مرقاة شرح مشکوٰۃ باب مَا يُقَالُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ رِكَاتُ الصَّلَاةِ اور باب الشعر میں رکھو۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ فصیح و بلیغ اشعار کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اگرچہ ان کے مضامین خراب ہوں۔ مگر ان کے الفاظ سے علوم میں مدد ملتی ہے۔ دیوان متنبی وغیرہ مدارس اسلامیہ میں داخل ہیں۔ حالانکہ ان کے مضامین گندے ہیں۔ تو نعتیہ اشعار سیکھنا، یاد کرنا۔ پڑھنا جن کے مضامین بھی اعلیٰ الفاظ بھی پاکیزہ کس طرح ناجائز ہو سکتے ہیں؟ شامی کے مقدمہ میں شعری بحث میں ہے۔

شعار جاہلیت کے شعروں کو جاننا سمجھنا روایت کرنا
فقہاء اسلام کے نزدیک فرض کفایہ ہے کیونکہ اس سے
عربی قواعد ثابت کیے جاتے ہیں اور ان کے کلام میں
اگر پر معنوی خطا ممکن ہے مگر لفظی غلطی نہیں ہو سکتی۔

وَمَعْرِفَةُ شِعْرِهِمْ مَرَدِّيَّةٌ وَدَرِيَّةٌ عَمَلِيَّةٌ
فَقَهَاءُ الْإِسْلَامِ حَرَضٌ كَفَايَةُ رَدِّهِ تَشْتَبِهُ
تَوَاعُدُ الْعَرَبِيَّةِ وَكَلَامُ الْمُعَرَّبِ دَانَ جَانِبِيهِ الْخَطَا
فِي الْمَعْنَى فَلَا يَجُوزُ مِنْ فِيهِ الْخَطَا فِي الْأَلْفَاظِ

گلانے کی پوری تحقیق بحث عرب میں قولی کے ماتحت آوے گی۔ ان شاء اللہ

تقسیم شیرینی بہت اچھا کام ہے، خوشی کے موقع پر کھانا کھلانا۔ مٹھائی تقسیم کرنا احادیث سے ثابت ہے، عقیقہ، ولیمہ وغیرہ میں کھانے کی دعوت سنت ہے کیوں؟ اس لئے کہ یہ خوشی کا موقع ہے خاص نکاح کے وقت خرم تقسیم کرنا بلکہ اس کا ناسنت ہے۔ اظہار خوشی کے لئے مسلمان کو ذکر محبوب پاک پر خوشی ہوتی ہے دعوت کرتا ہے۔ مدد و خیرات کرتا ہے۔ شیرینی تقسیم کرتا ہے۔ اسی طرح اساتذہ کرام کا طریقہ ہے کہ دینی کتاب شروع ہونے اور ختم ہونے پر خیرے والے سے شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ میں نے بلند و خلع علی گڑھ میں کچھ عرصہ تعلیم پائی ہے وہاں دیوبندیوں کا مدرسہ تھا۔ مگر کتاب شروع ہونے پر شیرینی تقسیم کی جاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی اہم کام کرنے سے پہلے اور ختم کر کے تقسیم شیرینی سنت سلف صالحین سے اور محفل میلاد بھی اہم دینی کام ہے اس سے پہلے اہل قرابت کو میلاد خوانوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا بعد میں حاضرین میں تقسیم شیرینی

کرنا اسی میں داخل ہے اس تقسیم کی اصل قرآن و حدیث سے ملتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَاجَيْتُمْ الرَّسُولَ
فَقَدْ مَوَافَيْنِ يَدَيَّ تَجَوَّكُمُ صَدَقَةٌ لِلَّهِ
خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ پارہ ۲۸۔ سورۃ مجادلہ۔

اے ایمان والو جب تم رسول سے کچھ آمہنہ عرض کرنا
چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے
لیے بہتر اور بہت سہرا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں مالداروں پر ضروری تھا کہ جب حضور علیہ السلام سے کوئی
ضروری مشورہ کریں تو پہلے خیرات کریں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دینار خیرات کر کے
حضور علیہ السلام سے دس مٹے پچھے بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا اور کچھ تفسیر خزان العرفان و خازن
مدارک اگرچہ وجوب منسوخ ہو گیا۔ مگر اباحت اصلید اور استحباب تو باقی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مزارات
اولیاء اللہ پر کچھ شیرینی لے کر جانا۔ مرشدین اور صلحاء کے پاس کچھ لے کر حاضر ہونا مستحب ہے۔ اسی طرح
احادیث و قرآن یا دینی کتب کے شروع کرتے وقت کچھ صدقہ کرنا بہتر ہے میلاد شریف پڑھنے سے
پہلے کچھ خیرات کرنا کار ثواب ہے کہ ان میں بھی درحقیقت حضور ہی سے کلام کرتا ہے۔ تفسیر فتح العزیز صفحہ
۸۶ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک حدیث نقل کی کہ بنی قریظہ و شعب لایمان از ابن عمر روایت کردہ کہ عمر
ابن الخطاب سورۃ بقرہ باحفاظ آں در مدت دوازہ سال خواندہ فارغ شد و روزے ختم شترے را کہ گشتہ
طعام وافر بختہ یاران حضرت پیغمبر را خورانیدہ بہیقی نے شعب لایمان میں حضرت ابن عمر سے روایت
کیا کہ حضرت فاروق نے سورہ بقرہ بارہ سال کی مدت میں اس کے روزہ اسرار کے ساتھ پڑھی۔ جب
فارغ ہوئے تو ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کر کے بہت سا کھانا پکا کر صحابہ کرام کو کھلایا۔ اجمہ کار خیر سے
فارغ ہو کر تقسیم شیرینی و طعام ثابت ہوا۔ میلاد پاک بھی اجمہ کام ہے بزرگان دین تو فرماتے ہیں کہ کسی اہل
قربت کے یہاں جہاد تو خالی نہ جہاد کچھ لے کر جہاد تھا دژا و تخیبوا ایک دوسرے کو بدیدہ در محبت بڑھے گی
فقہا فرماتے ہیں کہ جب دیار محبوب یعنی مدینہ پاک میں جہاد سے توجہ دیاں کے فقرار کو صدقہ دے کر وہ اجیہ این
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ رب تعالیٰ کے یہاں بھی پہلا سوال یہی ہو گا کہ کیا اعمال لائے؟

حق بفرماید چہ آوردی مرا! اندران مہلت کہ من وادام ترا

یہ تقسیم اسراف نہیں کسی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ لا خیر فی الشرف اسراف میں
بھلائی نہیں۔ فرما جواب دیا کہ استرف فی الخیر بھلائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں۔

اعتراض (۱) محفل میلاد کے لئے ایک دوسرے کو بلانا حرام ہے۔ دیکھو لوگوں کو بلا کر نفل کی جماعت بھی منع ہے تو کیا میلاد اس سے بڑھ کر ہے؟ (براہین)

جواب: مجلس وعظ، دعوت ولیمہ، مجالس امتحان و محفل نکاح و عقیقہ وغیرہ میں لوگوں کو بلایا ہی جاتا ہے بولویہ امور حرام ہو گئے یا حلال رہے؟ اگر کہو کہ نکاح و وعظ وغیرہ فرائض اسلامی ہیں لہذا ان کے لئے جمع کرنا حلال۔ تو جناب تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسم فرائض سے ہے۔ لہذا اس کے لئے بھی جمع کرنا حلال ہے۔ نماز پر دیگر حالات کو قیاس کرنا سخت جہالت ہے اگر کوئی کہے کہ نماز بے وضو منع ہے۔ لہذا تلاوت قرآن بھی بے وضو منع ہونی چاہیے وہ احق ہے یہ قیاس مع الفارق ہے۔

اعتراض (۲) کسی کی یادگار منانا اور دن تاریخ وقت مقرر کرنا شرک ہے اور میلاد شریف میں یہ دونوں ہیں لہذا یہ بھی شرک ہے۔

جواب: خوشی کی یادگار منانا بھی سنت ہے۔ اور دن و تاریخ مقرر کرنا مسنون۔ اس کو شرک کہنا انتہاء درجہ کی جہالت و بے دینی ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ یعنی بنی اسرائیل کو وہ دن بھی یاد دلاؤ جن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نعمتیں اتاریں۔ جیسے غرق فرعون من و سلوی کا نزول وغیرہ (خزائن عرفان) معلوم ہوا کہ جن دنوں میں رب تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمت دے۔ ان کی یادگار منانے کا حکم ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم باب صوم التطوع فصل اول میں ہے۔

سَيَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيهِ وُكِدَتْ وَفِيهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ

حضور علیہ السلام سے دو شبہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسی دن ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر وحی کی ابتدا ہوئی۔

ثابت ہوا کہ دو شبہ کا روزہ اس لئے سنت ہے کہ یہ دن حضور علیہ السلام کی ولادت کا ہے۔ اس سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ یادگار منانا سنت ہے اس کے لئے دن مقرر کرنا سنت ہے۔ حضور علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں عبادت کرنا سنت ہے۔ عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ اور فوافل یا مالی جیسے صدقہ اور خیرات تقسیم شیرینی وغیرہ مشکوٰۃ یہی باب فضل ثالث میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک میں تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزے رکھتے ہیں۔ سبب پوچھا۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب نے فرعون سے نجات دی تھی ہم اس کے شکر یہ میں روزہ رکھتے

میں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ فَتَحْنُ أَحَقَّ دَاوُلِي يَوْمَئِذٍ مِنْكُمْ هَمُّ مَوْتِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ سے تم سے زیادہ قریب میں قصاصتہ دَاوُلِي بِصِيَامِهِ خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو عاشرہ کے روزہ کا حکم دیا۔ چنانچہ اول اسلام میں یہ روزہ فرض تھا۔ اب فرضیت تو منسوخ ہو چکی مگر استحباب باقی ہے۔ اسی مسئلہ کے اسی باب میں ہے کہ عاشرہ کے روزے کے متعلق کسی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ اس میں یہود سے مشابہت ہے تو فرمایا کہ اچھا سال آئندہ اگر زندگی رہی تو ہم دو روزے رکھیں گے یعنی چھوڑا نہیں۔ بلکہ زیادتی فرما کر مشابہت اہل کتاب سے بچ گئے۔ ہم نے شان حبیب الرحمن میں حوالہ کتب سے بیان کیا کہ پنجگانہ نمازوں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں۔ فجر میں دو مغرب میں تین عصر میں چار۔ وہاں جواب دیا ہے کہ یہ نمازیں گذشتہ انبیاء کی یادگار ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں اگر اکر ات دیکھی تو پریشان ہوئے۔ صبح کے وقت دو رکعت شکر یا ادا کیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کا قدیدہ دنیہ پایا۔ سخت جگر کی جان بھی۔ قربانی منظور ہوئی۔ چار رکعت شکر یا ادا کیں۔ یہ ظہر ہوئی وغیرہ وغیرہ معلوم ہوا کہ نماز کی رکعت بھی دیگر انبیاء کی یادگار ہیں۔ حج تو ازا اول تا آخر ماجرہ واسمعیل و ابراہیم علیہم السلام کی یادگار ہے اب نہ تو وہاں پانی کی تلاش ہے اور نہ شیطان کا قربانی سے روکنا۔ مگر صفا و مردہ کے درمیان چلنا، بھاگنا۔ منی میں شیطان کو کنکر مارنا بدستور ویسے ہی موجود ہے۔ محض یادگار کے لئے۔ اس کی نفیس بحث کا مطالعہ کرو۔

شان حبیب الرحمن میں۔

ماہ رمضان خصوصاً شب قدر اس لئے افضل ہوئے کہ ان میں قرآن کریم کا نزول ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ اور فرماتا ہے إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ جب قرآن کے نزول کی وجہ سے یہ مہینہ رات تا قیامت اعلیٰ ہو گئے تو صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک سے تا قیامت ربیع الاول اور اس کی بارہویں تاریخ اعلیٰ و افضل کیوں نہ ہوں۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی قربانی کے دن کو روز عید قرار دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ جس دن جس تاریخ میں کسی اللہ والے پر اللہ کی رحمت آئی ہو۔ وہ دن، وہ تاریخ تا قیامت رحمت کا دن بن جاتا ہے دیکھو جمعہ کا دن اس لئے افضل ہے کہ اس دن میں گذشتہ انبیاء علیہم السلام پر ربانی انعام ہوئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش، انہیں سجدہ کرنا۔ ان کا دنیا میں آنا، نوح علیہ السلام کی کشتی پار لگانا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند سے ملنا۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ پھر آئندہ قیامت کا آنا یہ سب جمعہ کے

دن ہے لہذا جمعہ تیرا ایام ہو گیا۔

اسی طرح برعکس کا حال ہے کہ جن مقامات اور جن تاریخوں میں قوموں پر عذاب آیا ان سے ڈرو۔ نیکل کے دن فصد نہ لو کہ یہ خون کا دن ہے۔ اسی دن ہابیل کا قتل ہوا۔ اسی دن حضرت خوا کو حیض شروع ہوا۔ دیکھو ان دنوں میں یہ واقعات کبھی ایک بار ہو چکے۔ مگر ان واقعات کی وجہ سے دن میں عظمت یا حقارت ہمیشہ کے لئے ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خوشی یا عبادت کی یادگاریں منانا عبادت ہے آج بھی یادگار اسماعیل شہید یا گامولانا تاسم خود مخالفین مناتے ہیں۔ اگر کسی چیز کا مقرر کرنا شرک ہو جاوے، تو در سر دیوبند کی تاریخ امتحان مقرر تعطیل کے لئے ماہ رمضان مقرر، دستار بندی کے لئے دورہ حدیث مقرر، مدرسین کی تنخواہ مقرر، کھانے اور سونے کے لئے وقت مقرر، جماعت کے لئے گھنٹہ اور منٹ مقرر، نکاح ولیمہ اور عقیقہ کے لئے تاریخیں مقرر۔ میلاد شریف کو شرک کرنے کے شوق میں اپنے گھر کو تو آگ لگاؤ۔ یہ تاریخیں محض عادت کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس تاریخ کے علاوہ اور تاریخ میں محفل میلاد جائز ہی نہیں۔ اسی لئے ہمارے یونی میں ہر مصیبت کے وقت کسی کے انتقال کے بعد میلاد شریف کرتے ہیں۔ کاٹھیا واڑ میں خاص شادی کے دن بیت کے تیج۔ دسویں، چالیسویں کے دن میلاد شریف کرتے ہیں۔ پھر ماہ بیع الاول میں ہر جگہ پورے ماہ میلاد شریف ہوتے رہتے ہیں۔ سوائے دیوبند کے ہر جگہ دستور ہے بلکہ سنا گیا ہے۔ کہ وہاں بھی عام باشندے میلاد شریف برابر کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ دن یا جگہ مقرر کرنا چند وجہ سے منع ہے۔ ایک یہ کہ وہ دن یا جگہ کسی بت سے نسبت رکھتی ہو۔ جیسے مولیٰ۔ دیوالی کے دن اسکی تعظیم کے لئے دیگ پکائے۔ یا مندر میں جا کر صدقہ کرے۔ اسی لئے مشکوٰۃ باب النذر میں ہے کہ کسی نے ہوانہ میں اونٹ فروغ کرنے کی منت مانی تو فرمایا۔ کیا وہاں کوئی بت یا کفار کا میدہ تھا، عرض کیا نہیں۔ فرمایا جا اپنی نذر پوری کر۔ یا اس تعین میں کفار سے مشابہت ہو۔ یا اس تعین کو واجب جانے۔ اسی لئے مشکوٰۃ باب صوم النفل میں ہے کہ صرف جمعہ کے روزے سے منع فرمایا۔ کیونکہ اس میں یسور سے مشابہت ہے۔ یا اسے واجب جاننا منع ہے یا جمعہ عید کا دن ہے اُسے روزے کا دن نہ بناؤ۔

ان اعتراضات سے معلوم ہوا کہ مانعین کے پاس کوئی دلیل حرمت موجود نہیں۔ یوں ہی ایک چڑھیل

ہو گئی ہے اس لیے محض قیاسات باطلہ سے حرام کہتے ہیں مگر یاد رہے سہ
مٹ گئے ملتے ہیں مٹ جائیگے اعدائے ترے + نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا!

بحث قیام میلاد کے بیان میں

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔ مقدمہ میں قیام کے متعلق ضروری باتیں ہیں۔
نماز میں دو طرح کی عبادتیں ہیں۔ قولی اور فعلی۔ قولی تو قرآن کریم کی تلاوت۔ رکوع و سجود کی تسبیح و تہلیل
وغیرہ کا پڑھنا۔ اور فعلی عبادات چار ہیں۔ قیام، رکوع، سجدہ، بیٹھنا۔ قیام کے معنی ہیں اس طرح سیدھا
ہونا کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں۔ رکوع کے معنی ہیں اس قدر جھکنا کہ گھٹنوں تک ہاتھ پہنچ جاویں
اسی لیے زیادہ کمرے کے پیچھے تندہ دست کی نماز جائز نہیں۔ کیونکہ وہ قیام نہیں کر سکتا۔ ہر وقت
رکوع میں ہی رہتا ہے۔ سجدہ کے معنی ہیں سات اعضاء کا زمین پر لگنا۔ دونوں پاؤں کے نیچے گول
گھٹنے، دونوں ہتھیلیاں، ناک و پیشانی۔ اسلام سے پہلے دیگر انبیائے کرام کی امتوں میں کسی کی تعظیم کے
لیے کھڑا ہونا۔ رکوع کرنا۔ سجدہ کرنا اور بیٹھنا ہر کام جائز تھا۔ مگر عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ تحیہ و تعظیم
کے لیے خدائے پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ تعظیمی کرایا۔ اور یعقوب علیہ السلام اور
ان کے فرزندوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا (قرآن کریم) مگر اسلام نے تعظیمی قیام اور تعظیماً
بیٹھنے کو ناجائز رکھا۔ مگر تعظیمی رکوع اور تعظیمی سجدہ حرام کر دیا۔ معلوم ہوا کہ قرآن حدیث سے منسوخ
ہوتا ہے کیونکہ غیر اللہ کے لیے سجدہ تعظیمی کا ثبوت تو قرآن سے ہے۔ اور اس کا نسخ حدیث پاک
سے ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ کسی کے سامنے جھکنا یا زمین پر سر رکھنا جب حرام ہوگا جبکہ رکوع و سجدہ کی
نیت سے یہ کام کرے۔ لیکن اگر کسی بزرگ کا جو تاسیدھا کرنے یا ہاتھ پاؤں چومنے کے لیے جھکا تو اگرچہ
جھکنا تو پایا گیا۔ مگر چونکہ اس میں رکوع کی نیت نہیں ہے لہذا یہ رکوع نہیں ہاں تاحۃ رکوع جھک کر سلام
کرنا حرام ہے یعنی تعظیماً تاحۃ رکوع جھکنا حرام اور جھکنا کسی اور کام کے لیے تھا۔ اور کام تعظیم کے لیے
توجاۃ جیسے کہ کسی کے جوتے سیدھے کرنا وغیرہ۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے بہت ہی باریک ہے شامی
جلد ختم کتاب المکاتیب باب الاستبصار کے آخر میں ہے۔

اللّٰہُمَّ اِنِّیْ اَتُوبُ اِلَیْکَ اِنَّکَ اَعْلَمُ بِقُلُوْبِ الْعَالَمِیْنَ | اسلام میں رکوع کے قریب جھک کر اشارہ کرنا سجدہ

كَالْمُجُودِ فِي الْحَيْطِ اِنَّهُ يَكْمَهُ الْاِنْجَاءُ
لِلْمُسْلِمِيْنَ وَغَيْرِهِ

کی طرح ہے (حرام ہے، محیط میں ہے کہ بادشاہ
کے سامنے جھکنا مکروہ تحریمی ہے۔

پہلا باب

قیام میلاد کے ثبوت میں

قیام یعنی کھڑا ہونا چھ طرح کا ہے۔ قیام جائز، قیام فرض، قیام سنت، قیام مستحب۔ قیام مکروہ
قیام حرام۔ ہم ہر ایک کے پہچاننے کا قاعدہ عرض کیے دیتے ہیں۔ جس سے قیام میلاد کا حال خود بخود
معلوم ہو جاوے گا کہ یہ قیام کیسا ہے۔

(۱) دنیادی ضروریات کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے۔ اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ کھڑے ہو کر عمارت
بنانا اور دیگر دنیادی کاروبار کرنا وغیرہ۔

فَاِذَا أَقْبَضْتَ الصَّلَاةَ فَانْتَشِرْ وَاِذَا كَرِهْتَ
پھیلنا بغیر کھڑے ہوئے ناممکن ہے۔

(۲) پنج وقتہ نماز اور واجب نماز میں قیام فرض ہے دَقُّوْهُمُ اللّٰهَ قَبِيْثِيْنَ اللّٰهَ کے سامنے اطاعت
کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی اگر کوئی شخص قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی۔

(۳) فوائد میں کھڑا ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز۔ یعنی کھڑے ہو کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

(۴) چند موقعوں پر کھڑا ہونا سنت ہے اَلَا تَوْكِيْ دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اسی لئے
آب زمزم اور وضو کے نیچے ہونے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ حَضُوْ عَلَی السَّلَام کے روضہ پاک پر
اللہ حاضری نصیب فرمادے تو نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے۔ عالمگیری جلد اول آخر کتاب الحج
آداب زیارت قبر النبی علیہ السلام میں ہے۔

روضہ مطہر کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں
کھڑا ہوتا ہے اور اس جہاں پاک کا نقشہ زمین میں جانتے
گویا کہ وہ مہر کار اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں۔ اس کو
جہلتے ہیں اور اسکی بات سنتے ہیں۔

وَيَقِفُ كَمَا يَقِفُ فِي الصَّلَاةِ وَيُمِثِّلُ
صُورَتَهُ اَلْكِرِيْمَةَ كَاَنَّهُ نَائِمٌ
فِي لَحْدِهِ عَابِدٌ بِهٖ يَسْمَعُ
كَلَامَهُ۔

اسی طرح مومنین کی قبروں پر فاتحہ پڑھے تو قید کو پشت اور قبر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا سنت ہے۔
عالمگیری کتاب الکرامۃ باب زیارات القبور میں ہے۔

يَخْلَعُ تَعْلِيَهُ ثُمَّ يَقِفُ مُسْتَدِيرًا لِلْقَبِيلَةِ | اپنے جوتے اتار دے اور کعبہ کی طرف پشت اور منیت
مُسْتَقْبِلًا وَجْهَهُ الْاَمْنِيَّةِ | کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔

روحِ پاک، آب زمزم، وضو کا پانی، قبر مومن سب متبرک چیزیں ہیں۔ ان کی تعظیم قیام سے کرائی گئی۔
دوسرے جب کوئی دینی پیشوا آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا سنت ہے۔ اسی طرح جب دینی پیشوا
سامنے کھڑا ہو تو اس کے لئے کھڑا ہونا سنت اور بیٹھا رہنا بے ادبی ہے۔ مشکوٰۃ جلد اول کتاب الجہاد باب
حکم الاسرار اور باب القیام میں ہے کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور
علیہ السلام نے انصار کو حکم دیا۔ قُمْ مَعِيَ اِلَى سَيِّدِي کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ قیام تعظیمی تھا نہ
یہ کہ ان کو محض مجبوری کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے ایک دو صاحب ہی کافی تھے
سب کو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی
بھی چلا جاتا۔ خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیمی ہی تھا۔ اور حضرت سعد انصار
کے سردار تھے۔ ان سے تعظیم کرائی گئی۔ جن لوگوں نے الی سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام بیماری کے لئے
تھا۔ وہ اس آیت میں کیا کہیں گے؟ اِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوْكُمْ بِمَاءٍ جَدِيدٍ کہ اس کی امداد کے لئے کھڑا
ہونا ہے۔ اشعة اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

حکمت و مراعات توقیر و اکرام سعد بن مقام و لم
تعظیم و تکریم اور ادب با آن باشد کہ اولیٰ علم کردن
طلبیہ بودند پس اعلان شان اوریں مقام اولیٰ و
انساب باشد۔

اس موقع پر سعد کی تعظیم و تکریم کرنے میں یہ حکمت ہوگی
کہ ان کو یہی قرینہ پر حکم فرمانے کے لئے بلایا تھا۔ اس
جگہ ان کی شان کا اظہار بہتر اور مناسب تھا۔ مشکوٰۃ
باب القیام میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے
جب حضور علیہ السلام مجلس سے اٹھے تو ہم بھی کھڑے
ہو جاتے تھے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے تھے کہ آپ
اپنی کسی بیوی پاک کے گھر میں داخل ہو گئے۔

فَاِذَا قَامَ قَمْنًا قِيَامًا مَا حَتَّىٰ قَرِيبًا
قَدْ دَخَلَ بَعْضُ بِيُوتِ
اَنْزَاجِهٖ۔

اشعة اللمعات کتاب الادب باب القیام میں زیر آیت حدیث قُمْ مَعِيَ اِلَى سَيِّدِي کہ ہے اجماع

کر وہ اندجما ہیر علماء بایں حدیث برا کرام اہل فضل از علم باصلاح یا شرف و فودوی گفتہ کہ اس قیام مر اہل فضل را وقت قدوم آوردن ایشان مستحب است و احادیث دین باب درو یافتہ در نہی ازاں صریحا چیز سے صحیح نہ شدہ از قبیہ نقل کردہ کہ مکروہ نیست قیام جالس از برائے کسی کہ در آمدہ است بروئے بجمت تعظیم۔ اس حدیث کی وجہ سے جمہور علماء نے علمائے صالحین کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے فودی نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اس بارے میں احادیث آئی ہیں اور اس کی ممانعت میں صراحۃً کوئی حدیث نہیں آئی۔ قبیہ سے نقل کیا کہ بیٹھے ہوئے آدمی کا کسی آنیوالے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں۔ عالمگیری کتاب الکرامیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

تَجَوُّزُ الْخِدْمَةِ يَغْفِرُ اللَّهُ تَعَالَى بِالتَّقِيَاهِ
وَ اخَذَ الْيَسَدِينَ وَ الْاَنْحِنَاءِ۔
غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے
جھک کر ہر طرح جائز ہے۔

اس جگہ جھکنے سے مراد مدد کو رے سے کم جھکنا ہے۔ تا حد رکوع جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔ در مختار جلد پنجم کتاب الکرامیۃ باب الاستبصار کے آخر میں ہے۔

يَجُوزُ بَلَّ يَسْتَدْبُ الْيَقِيَامُ تَعْظِيمًا لِلْعَقَائِدِ
يَجُوزُ الْيَقِيَامُ وَلَوْ لِلْعَقَائِدِ يَبْدِي الْعَالِيَةِ
آنیوالے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب
ہے کہ قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہو جانا جائز ہے

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کی حالت میں بھی کوئی عالم دین آجودے تو اس کے لئے کھڑا ہو جانا مستحب ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے۔

وَقِيَامُ قَارِئِ الْقُرْآنِ لِمَنْ مَجَّي تَعْظِيمًا لِأَيُّكُو
إِذْ كَانَ مِمَّنْ يَسْتَعِجُّ التَّعْظِيمِ۔
قرآن پڑھنے والے کا آنیوالے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو
جانا مکروہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے لائق ہو۔

شامی جلد اول باب الامامت میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف اول میں جماعت کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ اور کوئی عالم آدمی آگیا اس کے لئے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے یہ افضل ہے۔ یہ تعظیم تو علم امامت کی ہے۔ لیکن صدیق اکبر نے تو یہیں از پڑھاتے ہوئے جب حضور علیہ السلام کو تشریف لانے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے۔ اور بیچ نماز میں حضور علیہ السلام امام ہوئے۔ مشکوٰۃ باب مرض النبی ان امور سے معلوم ہوا کہ مرزا گاہ دین کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جادوئے مسلم جلد دوم باب حدیث توبہ ابن مالک کتاب التوبہ میں ہے۔

فَقَامَ صَلَاحَةُ ابْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ يَهْرُ وَلِ
حَتَّى صَاغَحِي وَهَنَانِي۔

پس طلحہ ابن عبید اللہ کھڑے ہو گئے اور دوڑتے ہوئے
آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔

اس جگہ نوروی میں ہے۔ فِيهِ اسْتِجَابُ مُصَاحَقَةِ الْقَادِمِ وَالْقِيَامُ لَهُ الْإِمَامَةُ وَالْهَرُ ذَلَّةٌ إِلَى بَقَاءِ ۴۔
اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے سے مصافحہ کرنا۔ اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا۔ اس کے ملنے کے لیے
دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جبکہ کوئی اپنا پیارا آجادے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا۔ ہاتھ پاؤں چومنا سنت ہے مشکوٰۃ
کتاب الادب باب المصافحہ میں ہے کہ زید ابن حارثہ دروازہ پاک مصطفیٰ علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ
کھٹکھٹایا۔

فَقَامَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَمْرِيَانَا فَأَعْتَقَهُ وَفَلَّهُ۔

ان کی طرف حضور علیہ السلام بغیر چادر شریف کے کھڑے
ہو گئے پھر ان کو گلے سے لگا لیا اور بوسہ دیا۔

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خاتونِ جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کی خدمت
میں حاضر ہوئیں۔ قَامَ إِلَيْهَا فَأَخَذَ بِسِدِّهَا فَقَبَّلَهَا وَأَجْلَسَهَا فِي عَجَلِيَّةٍ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے
اور ان کا ہاتھ کھڑے ان کو چومتے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام فاطمہ زہرا رضی اللہ
تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے۔ تو آپ بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک دیتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ
السلام کو بٹھالیتیں۔ مرقات باب المشی بالجماعة فصل دوم میں ہے۔ فِيهِ إِيمَانٌ إِلَى نُدْبِ الْقِيَامِ
لِتَعْظِيمِ الْفَضْلِ وَالْكِبَرِ الْمَعْلُومِ بِمَا كَرَّمَ فَضْلَهُ كَيْ يَكُونَ قِيَامُ تَعْظِيمِ جَانِزِهِ۔ چوتھے جبکہ کوئی پیارے کا
ذکر کرے یا کوئی اور خوشی کی خبر سنے تو اسی وقت کھڑا ہو جانا مستحب اور سنت صحابہ و سنت سلف ہے مشکوٰۃ
کتاب الایمان فصل ثامن میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو صدیق اکبر نے ایک
نوشخری منائی۔

فَقُمْتُ إِلَيْهِ وَخَلْتُ بِأَيْمَانِي أَنْتَ دَامَتِي
أَنْتَ أَحَقُّ بِهَا۔

تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے
ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۴۶ سورہ فتح زیر آیت مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ہے کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ
کے پاس مجمع علماء موجود تھا کہ ایک نعت خواں نے نعت کے دو شعر پڑھے۔

تَوَفَّرَ اِمَامٌ سَبِيٌّ اَدْرَتَامَ حَاضِرِيْنَ مَجْلِسِ كَهْرَمَے ہونگے
 فِي الْمَجْلِسِ تَحْصُلُ اَنْسُ عَظِيْمٌ بِذَلِكَ الْمَجْلِسِ۔ | اور اس مجلس میں بہت ہی مٹف آیا۔

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیشوا ہو۔ اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آنے پر اس کی تعظیم کے
 لیے کھڑا ہونا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے
 تو حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سید پاک سے لگایا رکتب تواریخ،
 عالمگیری کتاب الکرامۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

اِذَا دَخَلَ دَخَّ عَلَى مُسْلِمٍ فَقَامَ لَهُ طَمَعًا
 فِي اِسْلَامِهِ فَلَا بَأْسَ۔ | کوئی ذمی کافر مسلمان کے پاس آیا مسلمان اس کے
 اسلام کی امید پر اس کے لئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے۔

رہا چند بگ قیام مکروہ ہے۔ اولاً آب زرم اور روضہ کے سوا درپانی کو پیتے وقت کھڑا ہونا بلا عذر مکروہ ہے۔
 دوسرے دنیا دار کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا دنیا دی لالچ سے بلا عذر مکروہ ہے تیسرے کافر کی تعظیم کے لئے
 کھڑا ہونا اس کی مالدی کی وجہ سے مکروہ ہے۔ عالمگیری کتاب الکرامۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

وَاِنْ قَامَ لَهُ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَتَوَسَّيْتَا مِمَّا ذَكَرْنَا
 اَدَقَامَ طَمَعًا لِقِتَاءِ كَرِهٍ لَّهُ ذَلِكُ۔ | اگر اس کے لئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہو یا
 اسکی مالدی کے طمع میں کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔

چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرنا چاہتا ہو اسکی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان
 میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے اس پاس دست بستہ کھڑے ہوں۔ تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے اپنے لئے
 قیام پسند کرنا بھی منع ہے اس کے حوالہ دوسرے باب میں آویں گے انشاء اللہ۔ تقسیم خیال میں ہے۔

جب یہ تحقیق ہو چکی تو اب پتہ لگ گیا کہ میلاد پاک میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا سنت صحابہ اور سنت
 سلف صالحین سے ثابت ہے کیونکہ ہم قیام سنت میں جو عاقیام وہ بتا چکے کہ جو خوشی کی خبر پا کر یا کسی پیارے
 کے ذکر پر ہو۔ اور پہلا قیام وہ بتایا جو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے ہو۔ لہذا قیام میلاد چند وجہ
 سے سنت میں داخل ہوا۔ ایک تو اس لئے کہ یہ ذکر ولادت کی تعظیم کے لئے ہے دوسرے اس لئے کہ ذکر ولادت
 سے بڑھ کر مسلمان کے لئے کوئی خوشی ہو سکتی ہے اور خوشی کی خبر پر قیام سنون ہے، تیسرے نبی کریم سے
 بڑھ کر مسلمان کے نزدیک کون محبوب ہے، وہ جان اولاد ماں باپ مال متاع سب سے زیادہ محبوب ہیں
 صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ذکر پر کھڑا ہونا سنت سلف صالحین ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ولادت پاک

کے وقت ملائم درود ملت پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس لئے ولادت کے ذکر پر کھڑا ہونا فعل ملائم سے مشابہ ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ہم بحث میلاد میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اوصاف اور اپنا نسب شریف منبر پر کھڑے ہو کر بیان فرمایا۔ تو اس قیام کی اصل مل گئی۔ چھٹے اس لئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا۔ اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ اور جن کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ہم اس کی تحقیق بحث میلاد اور بحث بدعت میں کر چکے ہیں۔ نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جن کام کو مستحب جانیں۔ وہ شریعت میں مستحب ہے شامی جلد سوم کتاب الوقف۔ وقف متقولات کی بحث میں فرماتے ہیں۔ بِكَانِ التَّعَامِلُ يُثَوِّقُ بِهِ الْفُقَاسُ لِحَدِيثِ مَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ حُسْنَ مَا هُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ یعنی دیکھی وجہ و غیرہ کا وقف قیاساً ناجائز ہونا چاہیے مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا۔ دیکھو عامۃ المسلمین جن کام کو اچھا سمجھنے لگیں۔ اور اس کی حرمت کی نص نہ ہو تو قیاس کو چھوڑنا لازم ہے۔ درختا جلد پنجم کتاب الامارات باب اجارت الفاسدہ میں ہے۔

وَجَاءَتْ أَجَارَةُ الْحَمَامِ لَأَنَّهُ عَلَيْهِ
السَّلَامُ وَدَخَلَ حَمَامَ الْحَقِيقَةِ وَلِغَرَضٍ
وَقَالَ الشَّيْخُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ
حُسْنَ مَا هُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ۔

حمام کا کرایہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام شہر حنفیہ کے حمام میں شریف لے گئے اور اس سے کہ عورت جاری ہو گیا۔ اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھا ہے۔

اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے حنفیہ کے حمام میں داخل ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے۔ بعض نے کہا کہ موضوع ہے۔ لہذا اب حمام کے جائز ہونے کی دلیل صرف ایک رہ گئی یعنی عورت عام تو ثابت ہو کر جو کام مسلمان عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

لَا تَأْتِي النَّاسَ فِي سَائِرِ الْأَمْصَارِ عِنْدَ تَعَوُّنِ
أُجْرَتِ الْحَمَامِ فَذَلَّ إِجْمَاعُهُمْ عَلَى جَوَازِ ذَلِكَ
وَإِنْ كَانَ الْقِيَاسُ يَا بَاهُ۔

کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ حمام کی اجرت دیتے ہیں پس ان کے اجماع سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگرچہ یہ خلاف قیاس ہے۔

ثابت ہوا کہ حمام کا کرایہ قیاساً جائز نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہوگا۔ اور کرایہ میں نفع واجرت معلوم ہونا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ لہذا یہ جائز

ہے۔ قیام میلاد کو بھی عام مسلمان مستحب سمجھتے ہیں۔ لہذا مستحب ہے۔ ساتویں اس لیے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے
 وَتَعْرِضُ رَوَاقًا وَتَقُودُ قَوْمًا۔ | اے مسلمانو! ہمارے نبی کی مدد کرو اور انکی تعظیم کرو۔

تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اس طرح کرو بشرطیکہ
 شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیمی سجدہ و رکوع۔ اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے
 ہو کر بھی پڑے جاتے ہیں لہذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیے۔ دیکھو مَلُؤُوا شَرَبًا مِّنْ مَّطْلُوقٍ
 کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیو۔ تو یہ بانی، زردہ، قورما سب ہی حلال ہوا تو خیر القرون
 میں ہو یا نہ ہو۔ ایسے ہی تَقُودُ قَوْمًا کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعظیم کرو۔ خیر القرون سے ثابت
 ہو یا نہ ہو۔ آٹھویں اس لیے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا
 مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ۔ | اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ
 دل کے تقوے سے ہے۔

روح البیان نے زیت آیت وَتَعَادُوا عَلَى الْيَوْمِ التَّقْوَى وَلَا تَعَادُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدَاوِ
 لکھا کہ جس چیز کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں۔ انکی تعظیم کرنا ضروری ہے جیسے کہ بعض مہینے
 بعض دن مقامات۔ بعض اوقات وغیرہ اسی لیے مفاہم و مہجہ، کعبہ معظمہ، ماہ رمضان، شب قدر کی تعظیم
 کی جاتی ہے۔ اور ذکر ولادت بھی شعائر اللہ ہے لہذا اسکی تعظیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔
 ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا۔ مگر مخالفین کے پاس خدا چاہے۔ تو ایک
 بھی دلیل حرمت نہیں۔ محض اپنی رائے سے حرام کہتے ہیں۔

دوسرا باب

قیام میلاد پر اعتراض و جواب میں

اعتراض را چونکہ میلاد کا قیام ازل تین زمانوں میں نہیں تھا۔ لہذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے
 حضور کی وہ ہی تعظیم کی جادے جو کہ سنت سے ثابت ہو۔ اپنی ایجادات کو اس میں دخل نہ ہو کیا ہم کو مقابلہ صحابہ
 کرام حضور سے زیادہ محبت نہیں ہے جب انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ہم کیوں کریں۔
 جواب۔ بدعت کا جواب تو بار بار دیا جا چکا ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں۔ بلکہ کہنا کہ حضور علیہ السلام

کی وہ ہی تعظیم کی جادے جو سنت سے ثابت ہو کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ہے یا دیگر علمائے دیوبند وغیرہ کے لئے بھی یعنی عالم کتاب مدرسہ تمام چیزوں کی وہ ہی تعظیم ہوئی چاہیے جو سنت سے ثابت ہے تو علماء دیوبند کی اندر پریشانی پر جاننا۔ ان کے گلوں میں ہار پھول ڈالنا۔ ان کے لئے جلوس نکالنا۔ جھنڈیوں سے راستہ اور جلسہ گاہ کو سجانا۔ کرسیاں لگانا۔ وعظ کے وقت زندہ باد کے نعرے لگانا۔ مسند اور تالین پچھانا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی ایسی تعظیم کی ہو۔ نہیں پیش کر سکتے۔ تو فرمائیے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔ لہذا آپ کا یہ قاعدہ ہی غلط ہے۔ بلکہ رکوع و سجدہ محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں رواج ہو وہ جائز ہے اور جذبہ دل جس طرف راہبری کرے وہ عبادت ہے۔ لکھنؤ میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں۔ اور فارسی اور بعض جگہ اردو میں بھی مہتر بمعنی سر در بولا جاتا ہے جیسے کہ چترال کے نواب کو مہتر چترال کہتے ہیں۔ لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لئے استعمال کرے کافر ہے۔ اور چترال میں اور فارسی میں نہیں۔ ہر ملک ہر رسم سے

ہندیاں اور اصطلاح ہند مدح و سندھیاں اور اصطلاح سندھ مدح
مرقاۃ واشعۃ المبعات کے مقدمہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے عمدہ بادل پہنتے۔ خوشبو لگاتے اور ہمیت و وقار سے بیٹھتے تھے۔ کہیں مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟ نہیں۔ مگر امام مالک کا جذبہ دل ہے عین ثواب ہے۔ تفسیر روح البیان زیر آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ هُوَ كَرِزْنُكَ نَامُتْهَا۔ محمد سلطان اس کا نام لے کر پکارتے تھے۔ ایک روز غسل خانہ میں جا کر فرمایا کہ اے ایاز کے بیٹے پانی لا۔ ایاز نے عرض کیا کہ حضور کیا قصور ہوا کہ غلام زارے کا نام نہ لیا۔ فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں لیا کرتے تھے ہزار بار بشویم دھن بشک و گلاب۔ ہنوز نام تو گفتم کمال بے ادبی است کہیں یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کہیں کیا سلطان محمود اور امام مالک رحمہما اللہ کو صحابہ کرام سے زیادہ عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

اعتراف (۲) اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کرو۔ اور میلاد شریف میں

اول سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ پیٹے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔

جواب :- یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ دے اور ہر ذکر کھڑے ہو کر کیا کرے اور میلاد شریف از اول تا آخر کھڑے کھڑے پڑھا کرے تو ہم منع نہیں کریں گے۔ خواہ ہر وقت کھڑے ہو۔ یا بعض وقت ہر طرح جائز ہے۔ علیحضرت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھا یا کرتے تھے دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے اہمائیہ فعل بہت ہی مبارک تھا مگر چونکہ از اول تا آخر کھڑا ہونا عوام کو دشوار ہوگا۔ اس لیے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ کبھی اذکھ جاتے ہیں کھڑا کر کے صلوٰۃ و سلام پڑھ لو۔ تاکہ نیند جاتی رہے اسی لیے اس وقت عرق گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں۔ تاکہ پانی سے نیند اڑ جاوے کیوں صاحب امان میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو۔ اور بعض رکوع میں اور بعض سجدے میں اور بیٹھ کر ہر ذکر کھڑے ہو کر ہی کیوں نہ کیا؟ نیز حجب التیمات میں اشہد ان لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں تو حکم ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے۔ اور ہزار ہا موقوفوں پر آپ یہ ہی کلمہ پڑھتے ہو۔ انگلی کیوں نہیں ہلاتے؟ صرف اٹھے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں۔ مثلاً حجب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو کھینچ حصّہ اسطر پڑھے کہ اس کے ہر حرف پر ایک انگلی بند کر کے کہ پوری پوری وغیرہ پھر جمعہ حق پڑھے ہر لکھ ایک انگلی کھوے پھر حاکم کی طرف دم کر دے تعجب تلاوت قرآن کے دوران میں یہ کھلتے ہیں تو یہ اشدہ کیوں نہیں لہریا شائے عبد کرام سے کہاں ثابت میں ہر جہج وغیرہ پڑھنے والے حضرات بعض مقامات پر خاص اشارے کرتے ہیں اور موقوفوں پر کیوں نہیں کرتے۔ نیز طواف خانہ کعبہ میں پہلے طواف کے چار پکروں میں اضطباع بھی کرتے ہیں اور مل بھی بعد میں کیوں نہیں کرتے؟ اس قسم کے صد ہا سوالات کیئے جاسکتے ہیں۔ امام بخاری نے بعض احادیث کے اسناد بیان کیا۔ بعض کو تعلیف۔ سب کو کیاں کیوں نہ بیان کیا۔ بھلا ان جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہو سکتی ہے۔

اعترض (۳) لوگوں نے قیام میلاد کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے لہذا قیام ناجائز ہے۔

جواب :- یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں۔ نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے۔ اور نہ تقریروں میں کہا۔ عوام بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کا ثواب ہے۔

پھر آپ ان پر واجب سمجھنے کا کس طرح الزام لگاتے ہیں اگر کوئی واجب سمجھے بھی تو اس کا یہ سمجھنا بڑا ہوگا
 نہ کہ اصل قیام حرام ہو جاوے۔ نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی صاحب ضروری سمجھتے ہیں احناف
 غیر واجب۔ تو ہمارے نزدیک ان کا یہ قول صحیح نہ ہوگا۔ نہ یہ کہ درود نماز ہی منع ہو جاوے اس کی تحقیق حاجی
 امداد اللہ صاحب نے بہت مسئلہ میں خوب کی ہے۔ یہاں کہ مسلمان اس کو پابندی سے کرتے ہیں اور
 نہ کرنے والے کو دہائی کہتے ہیں۔ یہ بالکل درست ہے مشکوٰۃ باب القصد فی العمل میں ہے۔ اَحَبُّ
 الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَذُوْهُمَا اِنْ قُلَّ اللّٰهُ کے نزدیک اچھا کام وہ ہے جو کہ ہمیشہ ہو۔ اگرچہ تھوڑا ہو۔
 ہر کار خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے مسلمان ہر عید کو اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ ہر جمعہ کو غسل کرتے
 ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں۔ مدارس میں ہر رمضان جمعہ میں چھٹی کرتے ہیں۔ ہر سال امتحان لیتے ہیں مسلمان
 ہر رات کو سوتے ہیں۔ ہر روز ہر کھانا کھاتے ہیں۔ تو کیا ان کو واجب سمجھتے ہیں یا پابندی وجوب کی علامت
 ہے یہ قیام نہ کرینا اول کو دہائی سمجھنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں یہ دہائیوں کی علامت
 ہو گئی ہے اہل ایمان کے ہر زمانہ میں علامات مختلف رہی ہیں اور حسب زمانہ علامات کفار سے بچنا علامت
 اہل ایمان اختیار کرنا ضروری ہے۔ اول اسلام میں فرمایا گیا کہ جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ لیا جنتی ہو گیا مشکوٰۃ
 کتاب الایمان کیونکہ اس وقت کلمہ پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی۔ پھر جب کلمہ گویوں میں منافق پیدا ہوئے
 تو قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ کے سامنے منافق آکر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ اللہ بھی جانتا
 ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں کیسے بات تو سچی کہہ رہے ہیں۔ مگر میں جھوٹ۔
 پھر حدیث میں آیا کہ ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہوگی۔ مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار
 سے۔ نیز حدیث میں آیا کہ خارجی کی پہچان مہر منڈانا ہے (دیکھو دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب القصاص باب
 قتل اہل الروہ) یہ تین امور تین زمانوں کے اعتبار سے ہیں شرح فقہ اکبر میں علامہ علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے
 امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ سنی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا حَبِطَ الْخَنَازِیْقُ، نَفَضِلَ الشَّيْخَانِ
 وَ الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ دو اماموں یعنی سیدنا علی و عثمان سے محبت رکھنا شیعیان صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ
 عنہم کو تمام پر افضل جاننا اور چمڑے کے موزے پر مسح کرنا۔ تفسیرات احمدیہ میں سورہ انعام زیر آیت دَانَ
 هَذَا اصْحَابُیْ مُسْتَقِيمًا کے تینا عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جس میں دس عادات ہوں وہ سنی ہے
 نَفَضِلَ الشَّيْخَانِ، تَوَقَّيْرُ الْخُفَّيْنِ، نَعْظِمُهُ الْقَبْلَتَيْنِ۔ الصَّلَاةُ عَلَى الْاَنْبَاءِ تَيْنِ، الصَّلَاةُ

مشکوٰۃ باب القیام میں ہے ۔

لَا تَقُومُوا مِثْلًا تَقُومُوا إِلَّا عَاجِلًا

| عجی لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہو کر دو۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا آدمی آوے تو اس کی تعظیم کے لیے نہ کھڑا ہو۔

میلاد شریف میں تو حضور علیہ السلام آتے بھی نہیں۔ پھر تعظیمی قیام کیونکر جائز ہو سکتا ہے ؟

جواب :- ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا ۔ در نہ پہلے باب میں ہم نے جو احادیث

اور اقوال فقہار نقل کیے اس کے خلاف ہوگا بلکہ حسب ذیل امر سے ممانعت ہے اپنے لیے قیام چاہنا لوگوں

کا دست بستہ سامنے کھڑا رہنا اور پیشوا کا درمیان میں بیٹھا رہنا ۔ ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے

دووں قیام منع ہیں ۔ پہلی حدیث کے ماتحت اشعة اللمعات میں ہے ۔ "واصل انکر قیام وترک قیام

بحسب زمان و اشخاص مختلف گردوازیں جا است کہ گاہے نہ کر دنگا ہے نہ کر دنگا ۔ خلاصہ یہ ہے

کہ قیام تعظیمی کرنا اور نہ کرنا زمانہ اور حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام

نے کبھی تو حضور کے لیے قیام کیا اور کبھی نہ کیا ، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی تو حضور علیہ السلام کی تشریف

آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے ۔ اور کبھی نہیں ۔ نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہو نہ کا ذکر پہلے ہو چکا ۔ اور

آپ کا قیام سے کرامت فرمانا تو اعتدال و انکسار تھا ۔ لہذا اس حکم ہمیشہ کھڑے ہونے کی نفی ہے مطلقاً ۔

دوسری اور تیسری حدیث کے ماتحت اشعة اللمعات میں ہے ۔ "د قیام مکروہ بعینہ نیست بلکہ مکروہ محبت

قیام است اگر دے محبت قیام نہ دار و قیام برائے دے مکروہ نیست قاضی عیاض مالکی گفتہ کہ قیام

منہی در حق کسی است کہ نشستہ باشد و استاود باشند پیش دے در قیام تعظیم برائے اہل دنیا بخت دینا

ایشان و عید و ارد شد و مکروہ است ۔ خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا

ہو تو اسکے لئے مکروہ نہیں ہے ۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لیے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو

اور لوگ کھڑے ہوں اور دنیا داروں کے لیے قیام تعظیمی میں و عید آئی ہے اردہ مکروہ ہے ۔ اسی طرح حاشیہ

مشکوٰۃ کتاب الجہاد ۔ باب حکم الاسلام رزیر حدیث قُومُوا اِلٰی سَيِّدِکُمْ میں ہے ۔

قَالَ النَّوَوِي فِيهِ الْكِرَامُ أَهْلُ

الْفَضْلِ وَتَلْقِيهِمْ وَ الْقِيَامُ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّ بِهِ

الْجَمْعُ هُوَ وَقَالَ الْقَاضِي عِيَاذُ لَيْسَ هَذَا

نودی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے

ملنا ۔ انکے لیے کھڑا ہونا ثابت ہے ۔ جمہور علماء نے

اس سے دلیل پوری ہے یہ قیام ممنوع قیاموں میں سے

مِنَ الْقِيَامِ الْمُنْهَي عَنْهُ ذَاتِمَا ذَلِكَ فَيَمْنَعُ
يَقُومُونَ عَلَيْهِ وَهُوَ جَالِسٌ وَيَكْمُتُونَ
لَهُ قِيَامًا طَوِيلًا جُلُوسًا

نہیں۔ ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے
کھڑے ہوں۔ اور وہ بیٹھا ہو۔ اور لوگ اس کے منجھے
رہنے تک کھڑے رہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص خاص قیام سے ممانعت ہے اور مطلق قیام
کا قیام ان میں سے نہیں۔ نیز اگر تعظیمی قیام منع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آنے پر لوگ سہرہ کھڑے
ہو جاتے ہیں۔ وہ کیوں جائز ہے؟

بحث فاتحہ تجید، دسواں، چالیسواں کا بیان

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں
مقدمہ

بدنی اور مالی عبادات کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشنا جائز ہے اور مہینچتا ہے۔ جس کا ثبوت قرآن و
حدیث اور اقوال فقہار سے ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا۔ نماز
جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ میں ہے کہ حضرت سعد نے کنواں کھدوا کر فرمایا ھٰذِہ
کَاْمَرٌ سَعْدٍ یہ ام سعد کا کنواں ہے فقہار نے ایصالِ ثواب کا حکم دیا۔ ہاں بدنی عبادت میں نیابت جائز
نہیں یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز فرض پڑھ دے تو اس کی نماز ادا نہ ہوگی۔ ہاں نماز کا ثواب بخشا
جا سکتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الفتن باب الملاحم فصل دوم میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے فرمایا
کہ مَنْ يَضْمَعُ لِي مِنْكَ دَانَ يَضْمَعُ لِي مَسْجِدَ الْعَشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ دَقِيقُولَ ھٰذِہِ لِي بِرَبِّي فَهَرَبْتُ اَسْ
تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصالِ ثواب کی نیت سے ادا کرنا جائز ہے
دوسرے یہ کہ زبان سے ایصالِ ثواب کرنا کہ خذ یا اس کا ثواب فلاں کو دے بہت بہتر ہے تیسرے یہ کہ
برکت کی نیت سے بزرگانِ دین کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعثِ ثواب ہے۔ رہی عبادت مالی یا مالی و
بدنی کا مجموعہ جیسے زکوٰۃ اور حج اس میں اگر کوئی شخص کسی سے کہدے کہ تم میری طرف سے زکوٰۃ دے
دو تودے سکتا ہے۔ اور اگر صاحبِ مال میں حج کرنے کی قوت نہ رہے تو دوسرے سے حج بدل کر اسکا

ہے لیکن ثواب ہر عبادت کا ضرور پہنچتا ہے اگر میں کسی کو اپنا مال دیدوں تو وہ مالک ہو جائیگا۔ اسی طرح یہ بھی۔ ہاں فرق یہ ہے کہ مال تو کسی کو دے دیا تو اپنے پاس نہ رہا۔ اور اگر چند کو دیا تو تقسیم ہو کر ملا لیکن ثواب اگر سب کو بخش دیا تو سب کو پورا پورا ملا۔ اور خود بھی محروم نہ رہا۔ جیسے کہ کسی کو قرآن پڑھایا تو سب کو پورا قرآن آگیا اور پڑھانے والے کا جانا نہ رہا۔

دیکھو شامی جلد اول بحث دفن میت۔ اسی فیئے نابالغ بچے سے ہدیہ لینا منع ہے مگر ثواب لینا جائز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ہر نفس کے لیے وہ ہی مفید و مضر ہے جو اس خود کر لیا

نیز قرآن میں ہے۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى | انسان کے لینے نہیں ہے مگر وہ جو خود کرے۔

جس سے معلوم ہوا کہ غیر کا کام اپنے لیے مفید نہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان کے لیے قابل بھروسہ اور اپنی ملکیت اپنے ہی اعمال میں۔ نہ معلوم کہ کوئی اور ایصال ثواب کرے یا نہ کرے اس بھروسہ پر اپنے عمل سے غافل نہ رہے (دیکھو تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) یا یہ حکم ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کا تھا نہ کہ اسلام کا۔ یہاں اس کی نقل ہے۔ یا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے وَاتَّبِعْتُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ بِالْإِيمَانِ یہ ہی عبداللہ ابن عباس کا قول ہے اسی لیے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفیل جنت میں جاویں گے۔ بغیر عمل و ربات پائیگی۔ دیکھو جمل و خازن یا یہ آیت بدنی اعمال میں نیابت کی نفی کرتی ہے۔ اسی لیے ان میں کسب و سعی کا ذکر ہے۔ نہ کہ ہبہ ثواب کا یا یہ ذکر عدل ہے اور وہ فضل غرض کہ اس کی بہت توجیہات ہیں۔

فاتحہ، تسبیح، رسواں، چالیسوں وغیرہ اسی ایصال ثواب کی شاخیں ہیں۔ فاتحہ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن جو کہ بدنی عبادت ہے۔ اور صدقہ یعنی مالی عبادت کا جمع کر کے ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

پہلا باب فاتحہ کے ثبوت میں

تفسیر فرج البیان نے پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت وَهَذَا الْكِتَابُ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكًا مِّنْ رَبِّهِ -
وَعَنْ حَبِيبِ الْأَعْرَبِيِّ قَالَ مَن قَرَأَهُ الْقُرْآنَ
وَحَمَمَهُ ثَمَّ دَعَا مَن عَلَى دُعَائِهِ أَرْبَعَةَ أَلْفٍ
مَّلَكٍ ثُمَّ لَا يَزَالُونَ يَدْعُونَ لَهُ وَيَسْتَغْفِرُونَ
وَيُصَلُّونَ عَلَيْهِ إِلَى الْمَسَاءِ أَوْ إِلَى الصُّبْحِ -

حفصہ اعرج سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن ختم کرے
پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آئیں کہتے
ہیں پھر اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور مغفرت
مانگتے رہتے ہیں۔ شام یا صبح تک۔

یہ بھی مضمون نو دی کی کتاب الاذکار کتاب تلاوت القرآن میں بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ ختم قرآن کے وقت
دعا قبول ہوتی ہے اور ایصالِ ثواب بھی دعا ہے لہذا اس وقت ختم پڑھنا بہتر ہے۔ اشعۃ اللمعات باب
زیارت القبور میں ہے۔ "و تصدق کردہ شہداء میت بعد رفتن ادا عالم تا ہفت روزہ میت کے مرنے کے
بعد سات روز تک صدقہ کیا جاوے۔ اسی اشعۃ اللمعات میں اسی باب میں ہے بعض روایات آدھ
است کہ روح میت سے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق کنند از دوسے یا نہ" جمعہ کی رات کہ
میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے لوگ صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔
اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رواج ہے کہ بعد موت سات روز تک برابر روٹیاں خیرات کرتے ہیں
اور ہمیشہ جمعرات کو فاتحہ کرتے ہیں۔ اسکی یہ اصل ہے۔ انوار ساطعہ صفحہ ۱۴۵ اور حاشیہ خزائنۃ الروایات
میں ہے کہ حضرت علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور
چھٹے ماہ اور سال بھر بعد صدقہ دیا۔ یہ نتیجہ ششماہی اور برسی کی اصل ہے۔

نودی نے کتاب الاذکار باب تلاوت القرآن میں فرمایا کہ انس ابن مالک ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں
کو جمع کر کے دعا مانگتے۔ حکیم ابن عقیل فرماتے ہیں کہ ایک مجمع کو مجاہد عیدہ ابن ابی لبابہ نے بلایا اور فرمایا کہ ہم
نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ آج ہم قرآن پاک ختم کر رہے ہیں۔ اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے
حضرت مجاہد سے بروایت صحیح منقول ہے کہ بزرگان دین ختم قرآن کے وقت جمع کرتے تھے اور کہتے تھے
کہ اُس وقت رحمت نازل ہوتی ہے (نودی کتاب الاذکار) لہذا تیجہ و چہلم کا اجتماع سنت سلف ہے۔

در مختار جنت قرئت للیت باب الدفن میں ہے۔ فی الحدیث من قَرَأَ الْإِخْلَاصَ أَحَدَ عَشَرَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ آخِرَ مَا لَمْ يَمُوتْ أُعْطِيَ مِنَ الْكَفَرِ بَعْدَ الْأَمْوَاتِ حَدِیث میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورۃ اخلاص پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو تمام مردوں کے برابر ثواب ملے گا۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔ وَيَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا تَيَسَّرَ لَهُ مِنَ الْفَاتِحَةِ وَآوَّلِ

جو ممکن ہو قرآن پڑھے سورۃ فاتحہ بقرہ کی اوّل آیات اور آیت الکرسی اور امن الرسول اور سورۃ یس اور ملک اور سورۃ تکوین اور سورۃ اخلاص بارہ یا گیارہ یا سات یا تین دفعہ پھر کہے کہ یا اللہ جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا فلاں لوگوں کو پہنچا دے۔

الْبُقْرَةِ وَيَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا تَيَسَّرَ لَهُ مِنَ الْفَاتِحَةِ وَآوَّلِ الْبُقْرَةِ وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ وَامِنْ الرَّسُولِ وَسُورَةَ يَسَّ وَتَبَارَكَ الْمَلَكُ وَسُورَةَ التَّكْوِينِ وَالْإِخْلَاصِ اثْنَيْ عَشَرَ مَرَّةً اِذَا اخْتَلَى عَشْرًا اَوْ سَبْعًا اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اَوْصِلْ ذَاكَ فَاَقْرَبْنَاكَ اِلَى فُلَانٍ اَوْ اِلَى فُلَانٍ

ان عبارات میں فاتحہ مزج کا پورا طریقہ بتایا گیا۔ یعنی مختلف جگہ سے قرآن پڑھنا۔ پھر ایصالِ ثواب کی دعا کرنا اور دعائیں پڑھنا سنت لہذا ہاتھ اٹھاوے۔ تزئیکہ فاتحہ مزج پوری پوری ثابت ہوئی۔ فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۷۷ میں ہے طعا میکہ ثواب آن نیاز حضرت امامین مانید برآں قل و فاتحہ و درود خوردن متبرک می شود و خوردن بسیار خوب است جس کھانے پر حضرات حسین کی نیاز کریں اس پر قل اور فاتحہ اور درود پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے اسی فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۷۸ میں ہے اگر مالیدہ و شیر برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروح ایشان پختہ بخورند جائز است مضائقہ نیست اگر و دودھ مالیدہ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ایصالِ ثواب کی نیت سے پکا کر کھلاوے تو جائز ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں۔

مخالفین کے پیشوا شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیجہ ہوا۔ چنانچہ اس کا تذکرہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے ملفوظات صفحہ ۸۰ میں اس طرح فرمایا۔ در روز سوم کثرتِ حجوم موم آن قدر بود کہ بیرون از حسا است ہشتاد و یک کلام اللہ بہ شمار آمدہ و زیادہ ہم شدہ باشد و کلمہ را حضرت نیت تیسرے دن لوگوں کا اس قدر حجوم تھا کہ شمار سے باہر ہے کیا سی ختم کلام اللہ شمار میں آئے اور زیادہ بھی ہوئے ہوں گے کلمہ طیبہ کا تو اندازہ نہیں۔

اس سے بیچہ کا ہونا اور اس میں ختم کلام اللہ کرنا ثابت ہوا۔ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تحذیر الناس صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں۔ جنید کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو درخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنید نے ایک لاکھ پانچ سو بار حکیم پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایات میں اس قدر کلمے کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے، آپ نے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع زدہی۔ بخشے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو صحیح کو حدیث سے معلوم ہوئی۔ اور حدیث کی تصحیح اسکے مکاشفہ سے ہوگئی۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کلام طیب ایک لاکھ پانچ سو بار بخشے سے مرد کی بخشش کی امید ہے اور تیج میں جنوں پر یہ ہی پڑھا جاتا ہے۔

ان تمام عبادت سے فاتحہ اور تیج وغیرہ کے تمام مراسم کا جواز معلوم ہوا۔ فاتحہ میں سب آیت پڑھنا پھر ایصالِ ثواب کیلئے لکھتا تھا کہ دعا کرنا۔ تیج کے دن قرآن خوانی۔ کلہ شریف کا ختم۔ کھانا پکا کر نیاز کرنا۔ سب معلوم ہو گیا صرف ایک بات باقی ہے کھانا سامنے رکھ کر لکھتا تھا کہ دعا مانگنا۔ اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ کاٹھیاواڑ میں تو اولاً کھانا فقراء کو کھلا دیتے ہیں۔ پھر بعد میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور یوپی و پنجاب اور عرب و شریف میں کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ پھر کھلاتے ہیں۔ دونوں طرح جائز ہے اور احادیث سے ثابت ہے۔ مشکوٰۃ میں بھی بہت سی روایات موجود ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کھانا ملا حظ فرما کر صاحبِ طعام کے لئے دعا فرمائی۔ بلکہ حکم دیا کہ دعوت کھا کر میرا پانہ کو دعا داسی طرح مشکوٰۃ باب آدابِ طعام میں ہے کہ حضور علیہ السلام جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طِیْبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ عَیْرُ مَکْفِیٍّ وَلَا مَوْدِعٌ وَلَا مُسْتَعْنَا عَنْہُ سُبْحَانَہُ۔ جس سے معلوم ہوا کہ کھانے کے بعد دو چیزیں مستون ہیں۔ حمد الہی کرنا اور صاحبِ طعام کے لئے دعا کرنا اور فاتحہ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ اور غالباً اس قدر کا انکار مخالفین بھی نہیں کرتے ہوں گے۔ رہا کھانا سامنے رکھ کر لکھتا تھا کہ دعا کرنا۔ اس کی بہت سی احادیث آئی ہیں۔ مشکوٰۃ باب المعجزات فصل دوم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں کچھ خرچے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ اس کے لئے دعائے برکت فرمادیں۔

فَضَّمَهُنَّ ثُمَّ دَعَانِی فِیْہُنَّ بِاَلْبَرَّکَةِ | آپ نے ان کو ملا یا اور دعائے برکت کی۔

مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اول میں ہے کہ غزوہ تبوک میں لشکر اسلام میں کھانے کی کمی ہو گئی حضور علیہ السلام نے تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ کچھ جس کے پاس ہو لاؤ۔ سب حضرات کچھ کچھ لائے دسترخوان بچھایا گیا اس پر یہ سب رکھا گیا۔ فَدَعَاءُ سُرْمُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ عَلَیْہِ بِالْبُؤْکَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِیْ اَذِیْنِکُمْ ہیں اس پر دعا فرمائی اور فرمایا کہ اب اس کو اپنے برتنوں میں رکھ لو۔ اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا حضرت ام سلمہ نے کچھ کھانا بطور دلیر بچھایا۔ لیکن بہت لوگوں کو ملایا گیا۔ قُرْبَتْ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَصَحَّ یَدَاہُ عَلٰی ثَلَاثِ الْحَرِیۃِ وَتَحَلَّمَ بِمَا شَاءَ اللّٰهُ اُس کھانے پر دست مبارک رکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ پڑھا۔

اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ خندق کے دن کچھ پھوڑا کھانا پکا کر حضور علیہ السلام کی دعوت کی۔ حضور علیہ السلام ان کے مکان میں تشریف لائے فَانْخَرَجَتْ لَہُ حَبِیۡبَتَا فَبَصَقَتْ فِیْہِ دُبَابَ رَبِّکَ اُپ کے سامنے گندھا ہوا آٹا پیش کیا گیا۔ تو اس میں لعاب شریف ڈالا اور دعائے برکت کی۔ اس قسم کی بہت سی روایات پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اتنے پرکھائیت کرتا ہوں اب فاتحہ کے تمام اجزاء بخوبی ثابت ہو گئے۔ واللہ العلیٰ۔ عقلاً بھی فاتحہ میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جیسا پہلے مقدمہ میں عرض کیا جا چکا کہ فاتحہ دو عبادتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ تلاوت قرآن اور صدقہ اور جب یہ دونوں کام علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو ان کو جمع کرنا کیوں حرام ہوگا۔ بریانی کھانا کہیں بھی ثابت نہیں مگر حلال ہے۔ کیوں اسلئے کہ بریانی، چاول، گوشت، کھجور وغیرہ کا مجموعہ ہے اور جب اس کے سارے اجزاء حلال تو بریانی بھی حلال۔ ہاں جہاں چند حلال چیزوں کا جمع کرنا حرام ہو جیسے کہ دو ہوشیہ ایک نکاح میں یا چند حلال چیزوں کے ملنے سے کوئی حرام چیز بن جاوے مثلاً مجموعہ میں نشہ پیدا ہو گیا۔ تو یہ مجموعہ اس عارضہ کی وجہ سے حرام ہوگا۔ یہاں قرآن کی تلاوت اور صدقہ جمع کرنا شریعت نے حرام نہ کیا اور ان کے اجتماع سے کوئی حرام چیز پیدا نہ ہوئی۔ پھر یہ کام حرام کیوں ہوگا۔ دیکھو مگر یہی مر رہی ہے۔ اگر ویسے ہی مرجائے تو مردار ہے جہاں اللہ کا نام لے کر ذبح کیا حلال ہو گئی قرآن کریم تو مسلمانوں کے لیے رحمت اور شفاء ہے۔ شَفَاؤُ وَرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیۡنَ۔ پھر اگر اس کی تلاوت کر دینے سے کھانا حرام ہو جاوے تو قرآن رحمت کہاں رہا۔ زحمت ہوا۔ مگر ہاں مومنین کے لیے

رحمت ہے کفار کے لیے رحمت۔ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا اس سے ظالم تو نقصان میں رہتے ہیں کہ اس کے پڑھے جانے سے کھانے سے محروم ہو گئے۔ نیز جس کے لیے دعا کرنا جو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرنا چاہیے۔ جنازے میں میت کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ کیونکہ اسی کے لیے دعا ہے۔ اس کو سامنے رکھ دیا۔ اسی طرح سامنے کھانے کو رکھ کر دعا کی تو کون سی خرابی ہے۔ اسی طرح قبر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا پڑھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر مذکورہ بالا نو سامنے رکھ کر پڑھا۔

اللَّهُمَّ هَذَا مِنْ أُمَّتِي مُحَمَّدٍ ✽ اے اللہ یہ قربانی میری امت کی طرف سے ہے حضرت نبیل اللہ نے کبر کی عمارت سامنے کر دعا کی دُنَا تَقْبَلُ مِنَّا آئِينَ اب بھی عقیقہ کا جنازہ سامنے رکھ کر ہی دعا پڑھی جاتی ہے۔ لہذا اگر فاتحہ میں بھی کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب ہو تو کیا حرج ہے۔

بسم اللہ سے کھانا شروع کرتے ہیں۔ اور بسم اللہ بھی قرآن شریف کی آیت ہے۔ اگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہو۔ تو بسم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہیے۔

مصدقین کے پیشوا بھی فاتحہ مروجہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ صاحب اپنی کتاب القباہ فی سلاسل ادیان اللہ میں فرماتے ہیں: ”پس وہ مرتبہ درود خواند ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخواند و حاجت از خدا سوال نمایند۔“ پھر دس بار درود پڑھیں اور پورا ختم کریں اور تھوڑی شیرینی پر تمام خواجگان چشت، فاتحہ دس پھر خدا سے دعا کریں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ صاحب زیۃ النصاری صفحہ ۱۳۲ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ”و شیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگ بقصد ایصال ثواب بزرگ ایشان پزند و بخورند مصالفاً نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگ و وہ شور و غیلا را ہم خورد، بجائز است“ دو دو چاول پر کسی بزرگ کی فاتحہ دی، ان کی تور کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکائی اور کھائی اور اگر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جاوے تو مالداروں کو بھی کھانا جائز ہے۔ مولانا اشرف علی دریشاد رحمہ اللہ صاحبان کے مرشد حاجی امجد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں۔ نفس ایصالِ ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اگرچہ بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا داسب و فرض اعتقاد کہ تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید میت گذاریہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا

بمصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہاء محققین نے جائز رکھا ہے۔ جو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ جیسے کہ نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے۔ مگر موافقت قلب و زبان کے لیے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اگر یہاں بھی زبان سے کہہ لیا جاوے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہو کہ لفظ اس کا مشائر الیہ اگر درود موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو کھانا درود دلانے لگے۔ کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا۔ تو جمع بین العبادتین ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ اور گیارہویں حضرت غوث پاک کی۔ دسویں بیسواں، چہلم۔ ششماہی، سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحی اور میر سیدی حضرت شاہ بوعلی قلندر اور علوشب برات دو دیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔

پیر صاحب کے اس کلام نے بالکل فیصلہ فرمادیا۔ الحمد للہ کہ مسئلہ فاتحہ دلائل عقلیہ نقلیہ اور اقوال مخالفین سے بخوبی واضح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول کی توفیق دے۔ آمین۔

دوسرا باب

فاتحہ پر اعتراض و جوابات میں

اس مسئلہ فاتحہ پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات مشہور ہیں:-

اعتراض ۱) بہت سے فقہائے تیسرے اور ساتویں روز میت کے لیے کھانا پکانا منع کیا ہے (دیکھو شامی عالمگیری) بلکہ برازیل نے تو لکھا ہے۔ دَبَّحَدَا لَا تُسَبَّحُ یعنی ہفتہ کے بعد بھی پکانا منع ہے اس میں برسی ششماہی چہلم سب شامل ہیں۔ نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد رون من رسوم دینا دی و ہم و بستم و چہلم و ششماہی و بر سینی تیج نہ کنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سر روزنامہ کر دن جائز نہ داشتہ۔ نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میت کا کھانا دل کو مرہ کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔

جواب:- فقہانہ میت کے ایصال ثواب سے منع نہ کیا بلکہ حکم دیا جیسا کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں جس کو فقہاء منع کرتے ہیں وہ چیز ہی اور ہے وہ ہے میت کے نام پر برادری کی روٹی لینا۔ یعنی

قوم کے طعن سے بچنے کے لئے جو میت کے تیجے، دسویں وغیرہ میں برادری کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ نام و نمود کے لئے ہے اور موت نام و نمود کا وقت نہیں ہے اگر فقراء کو بغیر نصیب ثواب فاتحہ کر کے کھا نکھلایا تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ شامی جلد اول کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَيَكْفُرُ لَهُ إِتِّخَاذُ الصِّيَاةِ مِنَ أَهْلِ الْمَيِّتِ
لَا تَهْ شَرٌّ فِي الشَّرِّ دَرِكًا فِي الشَّرِّ ذَمِيرًا -
یعنی میت والوں سے دعوت لینا مکروہ ہے کیونکہ
تو خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم پر۔
دعوت لینے کے وہ ہی معنی کہ برادری مجبور کرے کہ روٹی کر۔ پھر فرماتے ہیں۔

وَهَذِهِ الْأَعْمَالُ كُلُّهَا لِلتَّعَمُّعَةِ وَالزِّيَارَةِ
فَيَجُوزُ عَنْهَا كَاتِمُهُمْ لَا يَسِيدُ دَرَنُهَا فَجَعَلَ اللَّهُ
یہ سارے کام محض دکھاوے کے ہوتے ہیں لہذا
ان سے بچے کیونکہ اس سے اللہ کی رضا نہیں چاہتے۔
صاف معلوم ہو کہ فخریہ طور پر برادری کی دعوت منع ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

وَأَبِ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ كَانَ
حَسَنًا -
اگر اہل میت نے فقراء کے لئے کھانا پکایا تو اچھا
ہے۔ یہ فاتحہ کا جواز ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا اپنے تیجہ دسویں سے منع فرمانا بالکل درست ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ رسوم دنیاوی جو تیجہ وغیرہ ہے وہ نہ کریں۔ رسوم دنیا کیا ہے عورتوں کا تیجہ وغیرہ کو جمع ہو کر رونا بیٹنا نوحہ کرنا وہ واقعی حرام ہے۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ تعزیت جائز نہیں۔ اس جگہ ایصالِ ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں جس کا مقصد یہ ہو کہ تیجہ وغیرہ میں ماتم نہ کریں۔ تمہارا یہ کہنا کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے ہم نے یہ حدیث کہیں نہ دیکھی۔ اگر یہ حدیث ہو تو ان اجادیت کا کیا مطلب ہو گا جن میں مردوں کی طرف سے خیرات کرنے کی رغبت دی گئی ہے نیز رقم بھی کہتے ہو کہ بغیر تاریخ مقرر کیے ہوئے مردے کے نام پر خیرات جائز ہے۔ اس خیرات کو کون کھائے گا؟ جو آدمی کھائے اس کا دل مردہ ہو جائیگا تو کیا اس کو ملائکہ کھائیں گے۔

مسئلہ: میت کے فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا۔ ”جلی الصوت النہی الدعوت عن الموت۔“ بلکہ دیکھنے والے تو کہتے ہیں۔ کہ خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کسی اہل میت کے ہاں تعزیت کے لئے شریف لے جاتے تو دواں پان

حقہ وغیرہ بھی نہ استعمال فرماتے تھے۔ اور خود صابا شریف میں وصیت موجود ہے کہ ہماری فاتحہ کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے۔ نیز اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہے۔ تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے حصہ سے فاتحہ نہ کی جاوے یعنی اولاد مال میت تقسیم ہو جاوے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ امور خیر کرے۔ ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا جائز نہیں۔ یہ ضرور خیال رہے۔

اعترض (۲) فاتحہ کے لیے تاریخ مقرر کرنا ناجائز ہے۔ گیارہویں تاریخ یا تیسرا رسول بیسواں چہل اور برسی وغیرہ یہ دن کی تعیین محض لغو ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ وَهَمُّهُ عَلَى اللَّهِ حُمْلُهُ مَضُونٌ مسلمان لغو کاموں سے بچتے ہیں، بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو ایصال ثواب کرو۔ تیسرے دن کا انتظار کیا؟ نیز نتیجہ کے لیے چنے مقرر کرنا وہ بھی بھنے ہوئے یہ محض لغو اور سیوہ ہے اس لیے نتیجہ وغیرہ کرنا منع ہے۔

جواب :- مقرر کرنا جواب تو ہم قیام میلاد کی بحث میں دے چکے ہیں۔ کسی جائز کام کے لیے دن تاریخ مقرر کرنا محض یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقرر دن پر سب لوگ جمع ہو جائیں گے اور مل کر یہ کام کریں گے۔ اگر کوئی وقت مقرر ہی نہ ہو تو بخوبی یہ کام نہیں ہوتے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وعظ کے لیے جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ روزانہ وعظ فرمایا کیجئے۔ فرمایا کہ تم کو تنگی میں ڈالنا مجھ کو پسند نہیں۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب العلم بخاری نے تو باری مقرر کرنے کا باب باندھا۔ یہ محض آسانی کے لیے ہوتا ہے۔ آج بھی مدارس کے امتحان جملے تعطیلات کے مہینہ اور تاریخیں مقرر ہوتی ہیں کہ لوگ ہر سال بغیر بلائے ان تاریخوں پر پہنچ جاویں۔ صرف یہ ہی مقصد ان کا بھی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ ہی تاریخیں مقرر کیوں کیں۔ تو سینے اگیارہویں کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہوتی کہ سلاطین اسلام کے تمام محکموں میں چاند کی دسویں تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوتی تھی اور ملازمین کا خیال یہ تھا کہ ہماری تنخواہ کا پہلا پیسہ حضور غوث پاک کی فاتحہ پر خرچ ہو۔ لہذا جب وہ شام کو دفتر سے گھر آتے تو کچھ شیرینی لیتے آتے بعد نماز مغرب فاتحہ دیتے یہ شب گیارہویں شریف ہوتی تھی۔ یہ رواج ایسا پڑا کہ مسلمانوں میں اس فاتحہ کا نام گیارہویں شریف ہو گیا۔ اب حتیٰ تاریخ کو بھی حضور غوث پاک کی فاتحہ کریں یا کچھ پیسہ ان

نام پر خرچ کریں۔ اس کا نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔ یوں ہی اور کاٹھیاواڑ میں ماہ ربیع الآخر میں سارے ماہ فاتحہ ہوتی ہے مگر نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔

نیز بزرگوں کے بڑے بڑے واقعات دسویں تاریخ کو ہوئے جن کے بعد گیارہویں رات آتی ہے۔ آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا۔ ان کی توبہ قبول ہونا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا اسمعیل علیہ السلام کا ذبح سے نجات پانا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا۔ یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے ملنا۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ ایوب علیہ السلام کا شفا پانا۔ امام حسین کا شہید ہونا اور سید الشہدار کا درجہ پانا سب دسویں تاریخ کو واقع ہوئے۔ اس کے بعد جو پہلی رات آتی۔ وہ گیارہویں تھی۔ لہذا یہ رات متبرک ہے۔ اسی لیے گیارہویں کی فاتحہ اکثر شب گیارہویں میں ہوتی ہے کیونکہ متبرک راتوں میں صدقہ و خیرات وغیرہ کرنا چاہیئے۔

اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے بلکہ خود میراجی تجربہ ہے کہ اگر گیارہویں تاریخ کو کچھ مقررہ میوں پر فاتحہ پابندی سے کی جائے تو گھر میں بہت برکت رہتی ہے۔ میں مجددہ تعالیٰ اس کا بہت سختی سے پابند ہوں اور اس کی بہت برکت دیکھتا ہوں۔ کتاب یا زود مجلس میں لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارہویں یعنی بارہ تاریخ کے میلاد کے بہت پابند تھے۔ ایک بار خواب میں سرکار نے فرمایا کہ عبدالقادر نے بارہویں سے جم کو یاد کیا۔ ہم تم کو گیارہویں دیتے ہیں۔ یعنی لوگ گیارہویں سے جم کو یاد کیا کریں گے۔ اسی لیے ربیع الاول میں عموماً میلاد مصطفیٰ علیہ السلام کی محفل ہوتی ہے۔ تو ربیع الثانی میں حضور غوث پاک کی گیارہویں چونکہ یہ سرکاری عطیہ تھا۔ اس لیے تمام دنیا میں پھیل گیا۔ لوگ تو شرک و بدعت کہہ کر گھٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس کی ترقی ہوتی گئی ہے۔

تو گھٹانے سے کسی نے گھٹا ہے نہ گھٹے۔ جب بڑھائے تھے اللہ تعالیٰ تیرا تیجہ کے لیے تیسرا دن مقرر کرنے میں بھی مصلحت ہے۔ پہلے دن تو لوگ میت کی تجہیز و تکفین میں مشغول رہتے تھے دوسرے دن آرام کرنے کے لیے خالی چھوڑا گیا۔ تیسرے دن عام طور پر جمع ہو کر فاتحہ قل وغیرہ پڑھتے ہیں۔ یہ تیسرا دن تعزیت کا آخری دن ہے کہ اس کے بعد تعزیت کرنا منع ہے۔ اللہ الغائب عالمگیری کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

دَوَّهَتْهَا مِنْ حِينَ يَمُوتُ إِلَى ثَلَاثَةِ
 أَيَّامٍ وَكَئِذَا بَعْدَهَا إِنْ يَكُونُ الْمُعْتَرَى
 أَدَامُ الْمُعْتَرَى إِلَيْهِ عَائِلًا -
 اور ماقر برسی کا وقت مرنے کے وقت سے تین دن
 تک ہے اس کے بعد مکڑہ ہے۔ مگر یہ کہ تعزیت
 دینے والا یا لینے والا غائب ہو۔

آج تک تو لوگ تعزیت کے لئے آتے رہے۔ اب زائیں گے تو کچھ ایصالِ ثواب کر کے جادیں نیز
 باہر کے پڑوسی خوش و اقربا بھی اس فاتحہ میں شرکت کر لیتے ہیں کہ تین دن میں مسافر بھی اپنے گھر پہنچ
 سکتا ہے۔

پہلے برسی وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا منشاء ہے کہ سال بھر تک میت کو دُعا و ثواب پہنچا
 رہیں کیونکہ بعد مرنے کے اول اول مردے کا دل اپنے دوست اور احباب سے لگا رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ
 بالکل ادھر سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ لڑکی کا نکاح کر کے سسرال بھیجتے ہیں۔ تو اولاً جلد از جلد اس کو
 بلانا چلانا بدیدہ وغیرہ بھیجنا جاری رہتا ہے۔ پھر جس قدر زیادہ مدت گزری یہ کام بھی کم ہوتے گئے۔
 کیونکہ شروع میں دہاں و بھئی اس کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی اصل حدیث سے بھی ملتی ہے بعد دفن کچھ
 دیر قبر پر کھڑا ہو کر ایصالِ ثواب اور تلقین سے میت کی مدد کرنی چاہیے۔ حضرت عمر ابن عاص رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد دفن تھوڑی دیر میری قبر پر کھڑا رہنا تاکہ تمہاری وجہ سے میرا دل
 لگ جاوے اور کیرین کو جواب دے لوں چنانچہ مشکوٰۃ باب الدفن میں ان کے یہ الفاظ منقول ہیں -
 ثُمَّ آتَيْنَاهُ حَوْلَ قَبْرِی حَتَّى اسْتَأْنَسَ بِكُمُ اجْتَبَ مَا ذَاكَ الرَّجْعُ رُفِعَ سَرِّقَ -

اسی لئے جلد از جلد اس کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی پارہ
 عظم القصر اِذَا انْشَقَّ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اول حالتے کہ بحر جدا شدن روح از بدن خواہ شدنی الجملة
 اثر حیات سابقہ و الفت تعلق بدن و دیگر معرفت ازاں بار جنس خود باقی است و آن وقت گویا برزخ است
 کہ چیزے ازاں طرف و چیزے ازیں طرف مدوزندگان مبروگان دریں حالت زود ترمی رسد و مرگان منتظر حقوق
 مدوازیں طرف مے باشند صدقات و ادویہ و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار آدمی آید و ازیں است کہ طوائف بنی
 آدم تا یک سال و علی الخصوص یک چلہ بعد موت دریں نوع اندو کہ شش تمام می نمایند و مے کی پہلی
 حالت ہو کہ فقط جسم سے روح نکلنے کا وقت ہے اس میں کچھ نہ کچھ پہلی زندگی کا اثر اور بدن اور اہل قرابت
 سے تعلق باقی ہوتا ہے۔ یہ وقت گویا برزخ ہے کچھ ادھر ادھر تعلق اور کچھ اس طرف اس حالت میں

زندوں کی مدد و مدد کو بہت جلد پہنچتی ہے اور مردے اس مدد پہنچنے کے منتظر ہوتے ہیں اس زمانہ میں صدقہ دعا میں فاتحہ اس کے بہت ہی کام آتی ہیں۔ اسی وجہ سے تمام لوگ ایک سال تک خاص کرموت کے بعد چالیس روز تک اس قسم کی مدد پہنچانے میں بہت کوشش کرتے ہیں۔ یہ ہی حال زندوں کا بھی ہوتا ہے کہ اول اول بہت غم پھر جس قدر وقت گزرتا گیا رنج کم ہوتا گیا۔ تو فناء یہ ہوتا ہے کہ سال بھر تک ہر آدھے پر صدقہ کریں سال پر برسی اس کے نصف پر ششماہی اس کے نصف پر سہ ماہی کی فاتحہ اس کے بعد نصف یعنی ۴۵ دن فاتحہ ہونی چاہیے تھی۔ مگر چونکہ چالیس کا عدد روحانی اور جسمانی ترقی کا ہے اس لیے چلپم مقرر کیا گیا۔ پھر اس کا آدھا بیسواں پھر اس کا آدھا دسواں۔ چالیس میں کیا ترقی ہے ملاحظہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خیر چالیس سال تک ایک حالت میں رہا۔ پھر چالیس سال میں وہ خشک ہوا۔ ماں کے پیٹ میں بچہ چالیس روز تک لفظ پھر چالیس روز تک جما ہوا خون، پھر چالیس روز تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے (دیکھو مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر) پیدا ہونے کے بعد چالیس روز تک ماں کو نفاس آسکتا ہے، پھر چالیس سال کی عمر میں ہنچکھ مقل پختہ ہوتی ہے۔ اسی لیے اکثر انبیائے کرام کو چالیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت دی گئی۔ صوفیائے کرام و صوفیوں کے لیے چلے یعنی چالیس چالیس روز مشقیں کرتے ہیں تو ان کو روحانی ترقی ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم ہوا کہ وہ طور پر اگر چالیس روز اعتکاف کرو تب تورات دی گئی۔ **وَإِذْ قَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَنْزِلَ إِلَيْكَ لَيْلَةً**۔ انوار ساطعہ نے یحییٰ کی روایت سیدنا انس سے بیان کی۔ بحث چلپم کہ **أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَا يَمُوتُونَ فِي قُبُورِهِمْ إِلَّا رُبْعِينَ لَيْلَةً** **وَلَكِنْ هُمْ يَصَلُّونَ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ حَتَّى يُفْخَخَ فِي الصُّورِ** اس حدیث کے معنی زرقانی مشرح مواہب نے یوں بیان کیئے کہ انبیاء کرام کی روح کا تعلق اس جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے۔ بعد ازاں وہ روح قرب الہی میں عبادت کرتی ہے اور جسم کی شکل میں ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے عوام میں تو یہ بھی مشہور ہے کہ چالیس دن تک میت کی روح کو گھر سے علاوہ رہتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی اصل کچھ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ چالیس کے عدد میں تغیر و تبدل ہے لہذا مناسب ہوا کہ چالیس دن پر فاتحہ کی جاوے اور اس کی ممانعت ہے نہیں۔ تیجہ کے متعلق مختلف رواج ہیں۔ کاٹھیاواڑ میں علی العموم تیسرے دن صرف قرآن پاک ہی پڑھتے ہیں۔ پنجاب میں عام طور پر تیسرے دن دودھ اور کچھ پھل پر فاتحہ کرتے ہیں۔ یوپی میں

تیسرے دن قرآن خوانی بھی کرتے ہیں اور بھنے ہوئے چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھ کر ایسا مال ثواب کرتے ہیں۔ ہم پہلے باب میں مولوی محمد قاسم صاحب کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کو ایک لاکھ پانچ سو بار کلمہ پڑھ کر بخشنے سے اس کی مغفرت ہوتی ہے اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ تو ایک لاکھ کلمہ طیبہ پڑھوانے کے لیے ساڑھے بارہ سیر چنے منتخب کیے گئے ہیں کیونکہ اتنے چنے ایک لاکھ ہو جاتے ہیں یہ محض شمار کے لیے ہے اگر اتنی تسبیحیں یا اس قدر گھٹیاں یا کنکریاں جمع کی جائیں تو اس میں وقت ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے یہاں موت پر لاکھ کنکریاں جمع کرنا پھر اس لیے چنے اختیار کر لے کر اس میں کلمہ کا شمار بھی ہے اور بعد میں صدقہ بھی بھنے ہوئے اس لیے تجویز ہوئے کہ کچے چنے لوگ پھینک دیں گے گھوٹوں کا دار بنادیں گے۔ اس میں بے مرتعی ہے۔ بھنے ہوئے چنے صرف کھانے ہی کے کام آجادیں گے۔

اعتراض ۳۱ فاتحہ وغیرہ میں ہنوسے مشابہت ہے کہ وہ بھی مردوں کی تیرھویں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ مَنْ دَسَّخَتْهُ يَتَوَمَّرُ فَيُؤْمِنُ بِهِ جُوسَى قوم سے مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے لہذا یہ فاتحہ منع ہے۔

جواب: کفار سے ہر مشابہت منع نہیں بلکہ بُری باتوں میں مشابہت منع ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو کہ کفار کی دینی یا قومی علامت بن چکا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اس کو کافر قوم کا آدمی سمجھیں جیسے کہ دھوتی، چوٹی، زتار، ہیٹ وغیرہ در نہ ہم بھی آب زمزم مکہ معظمہ سے لاتے ہیں ہندو بھی گنگا سے گنگا جل لاتے ہیں۔ ہم بھی منہ سے کھاتے اور پاؤں سے چلتے ہیں کفار بھی۔ حضور علیہ السلام نے عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ اس میں مشابہت یہود تھی۔ پھر فرمایا کہ اچھا ہم دو روزے رکھیں گے۔ کچھ فرق کر دیا مگر اس کو بند نہ کیا۔ اسی طرح ہمارے یہاں کلمہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ مشرکین کے یہاں یہ نہیں ہوتا۔ پھر مشابہت کہاں رہی؟ اسکی بحث شامی باب مکرمات الصلوٰۃ میں دیکھو ہاں جو کام مشابہت کفار کی نیت سے کیے جاویں وہ منع ہیں۔ فاتحہ کی پوری بحث انوار ساطع میں دیکھو۔

اعتراض ۳۲ اگر فاتحہ میں بدنی دمالی عبادت کا اجتماع ہے تو چاہیے نجس چیز خیرات کرتے وقت بھی فاتحہ پڑھ لیا کہ و لہذا اولہ لگوں وغیرہ پر بھی فاتحہ پڑھ کر کسی کو دیا کہ وہ جب چوڑا خانہ اٹھائے تو تم فاتحہ پڑھ کر اسے گھر سے باہر جانے دو۔ (دیوبندی تہذیب)

جواب: نجس چیز پر اور نجس جگہ تلاوت قرآن حرام ہے لہذا ان کی خیرات پر ندادت نہیں کر سکتے

دُعا پر الحمد للہ پڑھتے ہیں۔ نہ کہ کُرج ٹھکنے پر کردہ نجس اور ناقض وضو ہے۔ اسی طرح چھینک پر الحمد للہ کہتے ہیں نہ کہ نکسیر پر۔

بحث دعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق میں

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب اس دعا کے ثبوت میں اور دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات

پہلا باب

دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں

مسلمان کے مرنے کے بعد تین حالتیں ہیں۔ نماز جنازہ سے پہلے، نماز جنازہ کے بعد، دفن سے پہلے، دفن کے بعد۔ ان تینوں حالتوں میں میت کے لیے دعا کرنا۔ ایصال ثواب کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ ہاں میت کے غسل سے پہلے اگر اس کے پاس میٹھ کر قرآن پڑھنا ہو تو اس کو دھکے دیں کیونکہ ابھی وہ ناپاک ہے۔ جب غسل سے دیا پھر ہر طرح قرآن وغیرہ پڑھیں۔ مخالفین نماز سے پہلے اور دفن کے بعد تو دعا وغیرہ کرنا جائز مانتے ہیں۔ مگر بعد نماز دفن سے پہلے دعا کو ناجائز، حرام، بدعت، شرک نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اسی کی اس جگہ تحقیق ہے۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔ مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائزہ فصل ثانی میں ہے۔

إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى النَّمِيْتِ فَاخْلُصُوا لَهُ الدُّعَاءَ | جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کیلئے خالص دعا مانگو۔

ف سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جاوے بلا تاخیر۔ جو لوگ اس کے معنی کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لیے دعا مانگو وہ ف کے معنی سے غفلت کرتے ہیں۔ صلیتم شرط ہے۔ اور فَاخْلُصُوا اس کی جزا۔ شرط اور جزا میں تغایر چاہیے نہ یہ کہ اس میں داخل ہو۔ پھر صلیتم ماضی ہے اور فَاخْلُصُوا ہے امر۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے۔ جیسے فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا میں کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان۔ اور إِذَا أَقَمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَانْصَلُّوا دُجُوْهُمْ میں نماز کے لیے اٹھنا مراد ہے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ الی سے معلوم ہوا۔ لہذا یہاں بھی وضو اور دعا نماز کے بعد ہی ہوا اور ف سے تاخیر ہی معلوم ہوئی۔ حقیقی معنی کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے

قَوْلَهُ عَلَى الْجَنَازَةِ يَقَاحَةً الْكِتَابِ | حضور علیہ السلام نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔

اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے: "واحتمال وارو کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش از ان بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ الان متعارف است" ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورہ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کے لئے پڑھی ہو مگر آج کل رواج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھی رواج تھا کہ نماز جنازہ کے آگے اور بعد سورہ فاتحہ وغیرہ برکت کے لئے پڑھتے تھے اور اور حضرت شیخ نے اس کو منع نہ فرمایا بلکہ حدیث پر اس کو محمول کیا۔

فتح القدير كتاب الجنائز فصل صلوۃ الجنائزہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرما کر غزوہ موتہ کی خبر دی اور اسی اشارہ میں جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی فَضَّلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لَهُ وَقَالَ اسْتَغْفِرُ ذَلَّةَ هَذَا النَّاسِ ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ دعا کے دائرے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی۔ مؤامب الذیہ جلد دوم القسم الثانی فیما اخبر من الغیوب میں یہ ہی واقعہ نقل فرما کر کہا ثُمَّ قَالَ اسْتَغْفِرُ ذَلَّةَ هَذَا النَّاسِ اسی طرح عبد اللہ ابن رواحہ پر بعد نماز دعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ دعائے مغفرت جائز ہے۔ منتخب کثر العمال کتاب الجنائز میں ابراہیم جبری کی روایت ہے۔

میں نے ابن ابی ادنیٰ کو دیکھا یہ بیعت الرضوان والے صحابی ہیں کہ ان کی دختر کا انتقال ہوا پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کی بقدر کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا۔

مستظل ابن حصین سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعا کی

تبرکیر پر اسی طرح کہے کہ جب آخری تکبیر ہو تو اسی

قَالَ رَوَيْتُ ابْنَ أَبِي أَدْنَى دَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ مَاتَتْ ابْنَتُهُ إِلَى أَنْ قَالَ ثُمَّ كَثَّرَ عَلَيْهَا أَرْبَعًا ثُمَّ قَامَ بَعْدَ ذَلِكَ قَدَرًا مَلِكَيْنِ التَّكْبِيرَ تَيْنِ وَقَامَ رَوَيْتُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصْنَعُ هَكَذَا۔

بیہقی میں ہے وَعَنِ الْمُسْتَظْلِ بْنِ حَصِينٍ أَنَّ عَلِيًّا صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ بَعْدَ مَا صَلَّاهُ عَلَيْهِ مَدْرَسَةُ الْكِبَرِيِّ فِيهِ هُـ۔

يَقُولُ هَكَذَا أَكَلَمًا كَثَرُوا إِذَا كَانَ التَّكْبِيرُ الْأَخِيرَ قَالَ

مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ۔ طرح کے پھر کے اللهم صل علی محمد۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ درود شریف پڑھے۔ کشف العظام میں ہے "فاتحہ دو بار اترے میت پیش از دفن درست است و ہمیں است روایت معمولہ کہ فی خلاصۃ الفتح "میت کے بیٹے فاتحہ اور دعا مانگنا دفن سے پہلے درست ہے اسی روایت پر عمل ہے۔ اسی طرح خلاصۃ الفتح میں ہے۔
مبسوط شمس الائمہ سرخسی جلد دوم صفحہ ۶۶ باب غسل المیت میں روایت ہے کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک جنازے پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا۔

إِنْ سَبَقْتُمْ فِي الصَّلَاةِ عَلَيْهِ ذَلَا
تَسْبِقُونِي بِالدُّعَاءِ۔ اگر تم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعائیں تو مجھ سے آگے نہ پڑھو یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دعا کرو۔

اسی مبسوط میں اسی جگہ یعنی باب غسل المیت میں ابن عمر و عبد اللہ ابن عباس و عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ عنہم سے ثابت کیا کہ ان حضرات نے دعا بعد نماز جنازہ کی اور فلا تسبقوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا پر صحابہ کرام کا عمل تھا۔ مفتاح الصلوۃ صفحہ ۱۱۲ مصنف مولانا فتح محمد صاحب بریل پوری میں ہے "چوں از نماز فارغ شوند مستحب است کہ امام یا صلحے دیگر فاتحہ بقرآن مفلحون طرف سر جنازہ و خاتمہ بقرآن الرسل طرف بائیں بخواند کہ در حدیث وارد است و در بعض حدیث بعد از دفن واقع شدہ ہر دو وقت کہ میسر شود مجوز است ۱ جب نماز جنازہ سے فارغ ہوں تو مستحب ہے کہ امام یا کوئی اور صلحے آدمی سورہ بقرہ کا شروع رکوع مفلحون تک جنازے کے سر پرانے اور سورہ بقرہ کی آخری آیات آمین الرسول میت کے بائیں طرف پڑھے کہ حدیث میں آیا ہے۔ بعض احادیث میں دفن کے بعد واقعہ ہوا میسر ہو تو دونوں وقت پڑھے جائز ہے۔ زوالا آخرت میں نہ فائق شرح کنز الدقائق اور ہجرہ نماز سے نقل فرمایا بعد از سلام بخواند اللَّهُمَّ لَا تَحْزَمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تَقْبَلْنَا بَعْدَهُ وَاعْظُرْنَا لِمَا دَلَّ۔

سلام کے بعد پڑھے کہ اللہ ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ کرے اس کے بعد قننہ میں تہلیلہ کر دو ہماری اور اس کی مغفرت فرما۔
طحاوی میں ہے۔ وَإِنْ أَبَا حَنِيفَةَ أَمَا مَاتَ تَعْتَمِدُ عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفًا قَبْلَ الدَّفْنِ۔ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان پر دفن سے پہلے ستر ہزار ختم قرآن ہوئے۔

کشف الغمہ فتاویٰ مالگیری، شامی باب الدفن بحث تعزیت میں ہے۔ دَعَى بَعْدَ الدَّفْنِ أَوْ لِي مِنْهَا ذَلِكِ تعزیت کرنا دفن کے بعد دفن سے پہلے تعزیت کرنے سے بہتر ہے اسی جگہ شامی اور مالگیری نے

یہ بھی فرمایا وَ هَذَا إِذَا لَمْ يُمْرَهُمْ خَيْرٌ مِّنْ دَعَا الْأَقْدَمَاتِ یہ جب ہے جبکہ ان در ثانی سخت گھبراہٹ نہ ہو ورنہ تعزیت و دفن سے پہلے کی جاوے۔ حسن ظہیر یہ میں ہے۔

وَحَيْثُ بَعْدُ الدَّفْنِ أَدْنَىٰ مِنْهَا قَبْلَهُ۔ | دفن کے بعد تعزیت کرنا دفن سے پہلے تعزیت افضل ہے

میزان کبریٰ صفحہ امام شعرانی میں ہے۔

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَالتَّوَسُّعُ أَنَّ التَّعْزِيَةَ سَنَةً قَبْلَ

الدَّفْنِ لَا بَعْدَهُ لِأَنَّ رِسْدَةَ الْحَرَنِ تَكُونُ

قَبْلَ الدَّفْنِ فَيُعْزَى وَيَدْعُو لَهُ۔

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ دفن سے پہلے خواہ نماز سے بھی پہلے ہو یا نماز کے بعد تعزیت کرنا جائز

بلکہ مسنون ہے اور تعزیت میں میت و سپہاندگان کے ایسے دعاؤں جو دوسرے ہی تو ہوتی ہے۔ قتل کا بھی

تقامت ہے کہ بعد نماز جنازہ دعا جائز ہو۔ کیونکہ نماز جنازہ ایک حیثیت سے تو دعا ہے کہ میت کو سامنے

رکھا گیا ہے اور اس میں رکوع سجدہ التیمات وغیرہ نہیں ہے اور ایک حیثیت سے نماز ہے۔ اسی لیے

اس میں غسل وضو ستر عورت قبل کو منہ ہونا جگہ اور کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے اور جماعت مسنون۔ اگرچہ

محض دعا ہوتی تو نماز کی طرح یہ شرط اس میں کیوں ہوتیں اور دعاؤں کی طرح یہ بھی ہر طرح ادا ہو جایا کرتی

ماننا پڑے گا کہ ایک حیثیت سے یہ نماز بھی ہے اور ہر نماز کے بعد دعا مسنون ہے اور زیادہ قابل قبول۔

چنانچہ مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

قِيلَ يَا سَرَّ سَوَّلَ اللَّهُ أَحَى الدُّعَاءُ أَسْمَعُ

قَالَ جَدَّتَ اللَّيْلِ الْآخِرَ دُخْبُ الصَّلَوَاتِ

الْمَكْتُوبَاتِ۔

حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ

قبول ہوتی ہے؟ فرمایا کہ آخرات کے درمیانی حقیقیں

اور فرض نمازوں کے پیچھے اور نماز جنازہ بھی فرض

نماز ہے پھر اس کے بعد کیوں دعا نہ کی جاوے؟ نیز دعا مانگنے کی ہر وقت اجازت دی گئی ہے اور بہت

تاکید فرمائی گئی۔ مشکوٰۃ کتاب الدعوات میں ہے کہ الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ اُسی جگہ یہ بھی ہے۔

الدُّعَاءُ مَخْرَجُ الْعِبَادَةِ دعا عبادت بھی ہے یا دعا اصل عبادت ہے دعا مانگنے کے لیے کوئی وقت وغیرہ

کا پابندی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے تو دعا جائز اور دفن کے بعد بھی جائز مگر نماز

کے بعد اور دفن سے پہلے حرام؟ نماز جنازہ بھی کوئی جاوے ہے کہ اس کے پڑھتے ہی دعا کرنا۔ ایصال ثواب

کرنا سب حرام اور دفن میت اس جادو کا اتار ہے کہ دفن ہوا اور سب جائز ہو گیا۔ لہذا ہر وقت دعا اور ایصال ثواب جائز ہے کسی وقت کی پابندی نہیں۔

دوسرا باب

اس دعا پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر صرف چار اعتراض ہیں تین عقلی اور ایک نقلی۔ اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہیں۔

اعتراض (۱) وہ جی پرانا یا دیکھا ہوا۔ سنن کہ یہ دعا بدعت ہے اور بدعت حرام ہے لہذا یہ دعا کرنا حرام ہے، شرک ہے، بے دینی ہے۔

جواب: یہ دعا بدعت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول و فعل مبارک سے ہو چکا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ فقہار نے اس کی اجازت دی۔ جب کہ اس بحث کے پہلے باب میں گزر گیا۔ اور اگر مان بھی لیا جادو کے کہ بدعت ہے تو بدعت حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی بحث۔

اعتراض (۲) نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے پہلی دعا کافی ہو چکی۔

جواب: یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز پنجگانہ میں دعا ہے۔ نماز استسارہ۔ نماز کسوف اور نماز استسقاء سب دعا کے لئے ہیں مگر ان سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے حدیث پاک میں ہے اَلَّذُوُّ الدُّعَاءُ دعا زیادہ مانگو۔ دعا کے بعد دعا مانگنا زیادہ دعا ہے تیسرے اس لئے کہ یہ تو محض دعا ہے بعض صدقوں میں تو نماز جنازہ کے بعد نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے اگر میت کے ولی نے نماز پڑھی اور وہ نے پڑھ لی تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال مبارک دو شنبہ کو ہوا اور دفن شریف چہار شنبہ کو (رشامی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت) اور ان دو روز میں لوگ جماعت جماعت آتے رہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے کہونکہ اب تک صدیق کبر نے جو کہ ولی تھے نہ پڑھی تھی۔ پھر جب آخر دن حضرت صدیق نے نماز پڑھ لی۔ اب تا قیامت کسی کو جائز نہ رہا کہ نہ علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھے (دیکھو رشامی باب الصلوٰۃ الجنازہ بحث من اتى بالامامت) اب کہو کہ یہ نماز تو دعا تھی۔ وہ ادا ہو گئی۔ یہ

دوبارہ نمازیں کیسی ہو رہی ہیں ؟ یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کسے کدھانے کے بعد پانی نہ پیو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجود ہے وہ پانی ہی سے پکا۔

اعترض (۳) چونکہ دعا مانگنے کی وجہ سے دفن میں دیر ہوتی ہے اور یہ حرام ہے لہذا یہ دعا بھی حرام ہے۔
جواب : یہ اعتراض بھی محض لغو ہے اولاً تو اس لئے کہ آپ تو اس دعا کو بہر حال منع کرتے ہیں۔

اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع در نہ نہیں۔ تو بتاؤ کہ اگر اچھی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور نماز جنازہ ہو گئی۔ اب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں۔ کیونکہ یہاں تاخیر دفن دعا سے نہیں بلکہ تیاری قبر کی وجہ سے ہے دوسرے اس لئے کہ دعا میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ۔ مشکل سے سترج ہوتے ہیں۔ اس قدر غیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں اتنی بلکہ اس سے زیادہ دیر تو راستہ میں آہستہ سے جائے اور غسل کا کام آہستہ آہستہ انجام دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں بھی لگ جاتی ہے اگر اس قدر دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل و کفن دینے والے نہایت بد خواسی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر کھودنے والے مشین کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت کو لے جانے والے انجن کی رفتار بھاگتے ہوئے جاویں اور فوراً پھینک کر آبادیں۔ تیسرے اس لئے کہ ہم پہلے باب میں حوالے دے چکے ہیں کہ دفن سے پہلے اہل میت کی تعزیت کرنا۔ انکو تسلی و تشفی دینا جائز بلکہ مستحب ہے۔ خواہ بعد نماز کرے یا قبل نماز تو تعزیت کے الفاظ کہنے اور تسلی دینے میں بھی دیر لگے گی یا کہ نہیں ؟ ضرور لگے گی مگر چونکہ یہ ایک دینی کام کے لئے ہے جائز ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ہم بھی عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام کی وفات شریف دو شبہ کو اور دفن چہار شبہ کو ہوا۔ علامہ شامی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

وَهَذِهِ الشَّعَّةُ بَاقِيَةٌ إِلَى الْآنَ لَمْ يَدْخُلْ خَلِيفَةٌ حَتَّى يُوَلِّيَ غَيْرُهَا۔
یہ سنت اب تک باقی ہے کہ خلیفہ اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرا خلیفہ نہ بن جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر مکروہ ہے جو کہ دنیاوی وجہ سے ہو دینی وجہ سے قدرے جائز ہے کہ خلیفہ بنانا دینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں دیر کر دی اور دعا مانگنا بھی دینی کام ہے۔ اگر کوئی نمازی آخر میں ملے تو وہ دینا پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ اس اگر نماز کے بعد فوراً غسل اٹھالی جائے تو یہ شخص دعا پوری کر سکا گا اگر اٹھائے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ لہذا دعا بعد نماز میں مسنون نمازیوں

کی بھی رعایت ہے۔ اگر اس کے لئے ایک غیر محسوس سی تاخیر ہو تو جائز ہے۔ پانچویں اس لئے کہ دفن میں مطلقاً تاخیر کرنا حرام کہاں لکھا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن میت کا انتقال ہو گیا تو نماز جمعہ کا انتظار نہ کرے بلکہ ممکن ہو قبل جمعہ ہی دفن کرے۔ یہ نہیں کہتے کہ یہ انتظار کرنا حرام ہے شرک ہے کفر ہے معاذ اللہ۔

اعتراف (۴) نماز جنازے کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے۔
لَا يَقُومُ دَاعِيًا لَهُ۔

ذخیرہ کبریٰ اور محیط میں ہے۔ لَا يَقُومُ
بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ۔

عالمگیری میں ہے لَا يَدْعُو بَعْدَهُ فِي ظَهْرِ الْمَذْهَبِ
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

وَلَا يَدْعُو اللَّيْلِيَّةَ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ
لَاِنَّهُ يُشَبِّهُ الرِّيَّاءَةَ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ۔

کشف الغطاء میں ہے کہ قائم نہ شود بعد از نماز برائے دعای نماز کے بعد دعا کے لئے کھڑا نہ رہے۔
جامع الرموز میں ہے وَلَا يَقُومُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ
صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يُشَبِّهُ الرِّيَّاءَةَ۔
ابن حامد سے مروی ہے۔

إِنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ مَكْرُوهٌ۔
جامع رموز میں ہے وَلَا يَقُومُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ
صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يُشَبِّهُ الرِّيَّاءَةَ۔

ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ ناجائز ہے۔

جواب :- اس اعتراف کے دو جواب ہیں ایک اجمالی دوسرے تفصیلی اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس دعا سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔ اولاً یہ کہ جو فقی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعا میں زیادہ لمبی نہ ہوں۔ جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ اسی لئے نماز جمعہ کے انتظار میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے۔

تیسرے یہ کہ اسی طرح صف بستہ بحیثیت نماز دعا کی جادے کو دیکھنے والا سمجھے نماز ہو رہی ہے یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ لہذا اگر بعد سلام بیٹھ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جادے تو بلا کرامت جائز ہے یہ وجہ اس لئے نکالے گئے کہ فقہاء کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ ہوں اور یہ اقوال احادیث مذکورہ اور صحابہ کرام کے قول و فعل کے خلاف نہ ہوں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارت میں سے جامع الرموز و ذخیرہ محیط کشف الغطاء کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے لَا تَقْصِدُ يَسْتَبِيحُ التَّيَادُّعَ يَزِيدُ فِيهِ يَزِيدُ فِيهِ يَزِيدُ فِيهِ یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں زیادتی کا دھوکا ہو۔ وہ یہ ہی ہے کہ صف بستہ کھڑے کھڑے دعا کریں۔ اگر صف توڑ دی یا بیٹھ گئے تو حرج نہیں دیکھو۔ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوں توڑ کر سنتیں پڑھیں تاکہ کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے ردیکھو شامی اور مشکوٰۃ شریف باب السنن تو اس سے یہ لازم نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھنا ہی منع ہیں بلکہ فرض سے ملا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

وَلَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيرِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ | چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں۔
یعنی نماز جنازہ میں پہلی تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھا جادے۔
حیثا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔ چنانچہ بائع۔ کفایہ غنایہ میں ہے۔ لَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيرِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ۔ ابوبکر ابن حامد کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قنیر کی عبارت ہے مگر قنیر غیر معتبر کتاب ہے۔ اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ مقدمہ شامی بحث رسم المقتنی میں ہے کہ صاحب قبۃ ضعیف روایات بھی لیتا ہے۔ اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں فرماتے ہیں۔ اَذْ لِنَقْلِ الْأَقْوَالِ الضَّعِيفَةِ فِيهَا كَالْتَقْيَةِ لِلتَّاهِدِ حَتَّى فَلَا يَجُوزُ إِكْرَامُ مِّنْ هَذَا۔ علی حضرت قدس سرہ نے بدل الجواہر میں فرمایا کہ قنیر والا معتزلی بدوؤتب ہے اور اگر قنیر کی یہ عبارت صحیح مان بھی لی جائے تو خود مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا منع ہے تو بعد دفن بھی دعا ناجائز ہونا چاہیے کیونکہ یہ وقت بھی تو نماز کے بعد ہی ہے غرض کہ کوئی بھی عبارت آپ کے موافق نہیں۔ دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ سنت ہے۔

بحث مزارات اولیاء اللہ پر گنبد بنانا

مسلمان دو طرح کے ہیں ایک تو عام مومنین۔ دوسرے علماء مشائخ اولیاء اللہ جن کی تعظیم و توقیر و حقیقت اسلام کی تعظیم ہے۔ عامۃ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا یا ان پر قبر وغیرہ بنانا چونکہ بے فائدہ ہے اس لئے منع ہے ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا تا کہ اس کا نشان نہ مٹ جائے فاتحہ وغیرہ پڑھیں جا سکے جائز ہے۔ اور علماء مشائخ عظام اولیاء اللہ جن کے مزارات پر خلقت کا ہجوم رہتا ہے لوگ دلوں بیٹھ کر قرآن خوانی و فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں ان کے آسائش اور صاحب قبر کی اظہار عظمت کے لئے اس کے آس پاس سایہ کے لئے قبر وغیرہ بنانا شرعاً جائز بلکہ سنت صحابہ سے ثابت ہے اور جن عوام مومنین کی قبریں پختہ بنانا یا ان پر قبر بنانا منع ہے اگر ان کی قبریں پختہ بن گئی ہوں تو ان کو گرانا حرام ہے پہلے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے آخر کے دو مسئلوں میں اختلاف اس لئے ہم اس بحث کے دو باب کرتے ہیں۔ پہلے باب میں تو اس کا ثبوت۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

پہلا باب

مزارات اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت

اس جگہ تین امور ہیں ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا۔ دوسرے قبروں کو قدرت یعنی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا۔ تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنادینا۔ پھر قبر کو پختہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت سے ملا ہوا ہے اس کو پختہ بنانا دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو کہ اوپر نظر آتا ہے اس کو پختہ کرنا۔ مگر قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ اینٹ سے پختہ کرنا۔ وہاں لکڑی لگانا منع ہے ہاں اگر وہاں پتھر یا سینٹ لگایا جاوے تو جائز ہے کیونکہ لکڑی اور اینٹ میں آگ کا اثر ہے۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عامۃ المسلمین کے لئے منع ہے اور خاص علماء و مشائخ کے لئے جائز ہے۔

مگر قبر کا تعویذ ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے اور اگر آس پاس چوتھرہ اونچا کر کے اس پر تعویذ لگا دے ایک ہاتھ کیا تو جائز ہے۔

مگر قبر کے آس پاس یا قبر کے قریب کوئی عمارت بنانا عامۃ المسلمین کی قبروں پر تو منع ہے۔ اور فقہاء و

علماء کی قبروں پر جائز۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب الدفن میں بروایت ابو داؤد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان ابن مظعون کو دفن فرمایا تو ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب فرمایا۔ اور فرمایا کہ اَعْلَمُوْهُمَّا قَبْرُوْا اَخِيْ وَادْفِنُوْا اَيْتِهٖ مِنْ مَّائَتٍ مِّنْ اَهْلِيْ جَمْعِ اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے۔

(۲) بخاری کتاب الجنائز باب الجری علی القبر میں تعلیقاً ہے حضرت خارجہ فرماتے ہیں۔ ہم زمانہ عثمان میں تھے اَنْ اَشَدَّ نَادَیْتُہُ اَلَّذِیْ یَثْبُتُ قَبْرُ عُثْمَانَ ہم میں بڑا کونے والا وہ تھا جو کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔

مشکوٰۃ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر تھا اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا اور دونوں روایت اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ مشکوٰۃ میں جو آیا کہ قبر کے سرہانے پر پتھر لگایا اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر سے عینہ سر کے قریب کھڑا کر دیا بلکہ یہ ہے۔ کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی مگر سرہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے لیے قبر کچھ اونچی کر دی جاوے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ اس سے پہلے دو مسئلے حل ہو گئے نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی زمین نرم ہو اور لوہے یا لکڑی کے صندوق میں میت رکھ کر دفن کرنا پڑے تو اس کے اندر دفن جگہ میں چاروں طرف مٹی سے لنگل کر دو دیکھو شامی اور عالمگیری وغیرہ باب دفن میت، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کو اندر سے کچا ہونا چاہیے۔ دو مسائل ثابت ہوئے۔

(۳) مشائخ کرام اولیاء عظام علماء کرام کی مزارات کے ارد گرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے۔ اس کا ثبوت قرآن کریم اور صحابہ کرام و امامہ المسلمین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے۔ قرآن کریم نے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہا۔ اَلَّذِیْنَ عَلَبُوا عَلٰی اَمْوَالِهِمْ لَنَنْخِذَنَّ عَنْہُمْ مَّسْجِدًا وَّہُوَ جَاسٍ عَلٰی اَنْفُسِہُمْ لَیْسَ لَہُمْ فَاہٌ وَّہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اَحَدٌ الْبَیَانَ میں اس آیت میں بُنِیَانِ کی تفسیر میں فرمایا۔ دیوار سے کہ از چشم مردم پوشیدہ شود یعنی لَا یَعْلَمُوْنَ اَحَدٌ تُرِیْہُمْ وَتَكُوْنُ مَحْفُوْظَۃً مِّنْ تَطَرُّقِ النَّاسِ کَمَا حَفِظَتْ تُرِیْتُ سُرَّسُوْلَ اللّٰہِ بِالْحُطْبَیْرَۃِ یعنی

انہوں نے کہا کہ اصحاب کہف پر ایسی دیوار بنا دو جو ان کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جاویں۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے مگر یہ بات نامنظور ہوئی تب مسجد بنائی گئی۔ مسجد کی تفسیر روح البیاء میں ہے **يُصَلِّي فِيهِ الْمُسْلِمُونَ وَيَتَذَكَّرُونَ بِمَكَانِهِمْ**۔ لوگ اس میں نماز پڑھیں اور ان سے برکت لیں۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحاب کہف کے گرد قبر اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا اور کسی بات کا انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں۔ جیسا کہ کتب اصول سے ثابت ہے کہ **ثُمَّ لَمَّا قِيلَ لَنَا مَكَانٌ**۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیق کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام اس کو گرا دیتے۔ پھر دفن کرتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے گرد کچی اینٹوں کی گول دیوار کھجادی۔ پھر وید ابن عبد الملک کے زمانہ میں سیدنا عبداللہ ابن زبیر نے تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں اس عمارت کو نہایت مضبوط بنایا اور اس میں پتھر لگوائے چنانچہ خلاصۃ الوفا باخبار وارا **المتن** مصنف سید سمود، دوسویں فصل فیما يتعلق بالحجۃ المنفیة ۱۹۷ میں ہے **عَنْ عُمَرَ بْنِ ذُبَيْحٍ وَعُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي سُرَيْجٍ قَالَا لَمْ يَكُنْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَائِطٌ كَانَ أَقْلَ مَنْ بَنَى عَلَيْهِ جِدَارُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ**۔ قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ **ابْنُ أَبِي زَيْدٍ كَانَ جِدَارَهُ قَصِيرًا ثُمَّ بَنَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ أَلَمْ يَقَالَ الْفَخْرُ الْبَصْرِيُّ كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا غُلَامٌ مَرَاهِقٌ إِذَا نَالَ السَّقْفُ بِيَدِي وَكَانَ لِكُلِّ بَيْتٍ حُجْرَةٌ وَكَانَتْ حُجْرَةُ مِنَ الْكُعْبَةِ مِنْ سَعِيرٍ مَرْبُوطَةٍ فِي خَشَبٍ عَرَفَرَةٍ**۔ ترجمہ وہ ہی جو کہ اوپر بیان ہو چکا۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب **مَلَجَأُوْهُ فِي ذُبُرِ النَّبِيِّ وَابْنُ زَيْدٍ**۔ حضرت میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وید ابن عبد الملک کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دیوار گر گئی تو **أَخَذُوا ابْنِي يَتَايَهُ** صحابہ کرام اس کے بنانے میں مشغول ہوئے **فَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمُ فَخْرٍ عُمَا** **وَكُتُّوا أَتَاهَا قَدَمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ** **حَتَّى قَالَ لَهُمْ عُرْوَةُ لَا وَاللَّهِ مَا هِيَ قَدَمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا هِيَ إِلَّا قَدَمُ عُمَرَ**۔ ایک تدمر غلام ہو گیا تو لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قدم پاک ہے۔ حضرت عروہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ حضور علیہ السلام کا قدم نہیں ہے یہ حضرت فاروق کا قدم ہے۔

جذب القلوب الی دیار المحبوب میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ سیدہ میں جمال الدین اصفہانی نے علماء کرام کی موجودگی میں مندر کی لکڑی کی جالی اس دیوار کے آس پاس بنائی اور سیدہ میں بعض عیسائی عابدوں کی شکل میں مدینہ منورہ آئے اور منگ لگا کر نقش مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ السلام نے تین بار بادشاہ کو خواب میں فرمایا۔ لہذا بادشاہ نے ان کو قتل کر دیا اور روزہ کے آس پاس پانی تک بنیاد کو دھو کر سیدہ لگا کر اس کو بھر دیا پھر سیدہ میں سلطان قلاؤں صالحی نے یہ گنبد سبز جو اب تک موجود ہے بنوایا۔

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ روزہ منظرہ صحابہ کرام نے بنوایا تھا اگر کوئی کہے کہ یہ تو حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو کہا جاوے گا کہ اس روزہ میں حضرت صدیق و فاروق بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہذا یہ خصوصیت نہ رہی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز اور مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت میں ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

صَوَّبَتْ اِمْرَاتُهُ الْفَيْتَةَ عَلٰی قَبْرِہٖ سَنَةً ۱ | تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک رُکے رکھا۔

یہ بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ نیز ان کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں۔ پھر گھر واپس آئیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ہے۔ اس سے بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا۔

یہاں تک تو قرآن و حدیث سے ثابت ہوا۔ اب فقہار محدثین اور مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

روح البیان جلد ۳ پارہ ۱، زیر آیت اَلْمَيَاتُ لَكُمْ مَسْجِدٌ ۚ الَّذِیْ مِنْ اَمْنٍ بِاللّٰہِ میں ہے۔

قَبَائِرُ قَبَائِرِ عَلٰی قُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَ اَلَا ذٰلِکَ
وَالصُّلَحَاءُ اَمْرٌ جَائِزٌ اِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذٰلِکَ
الْعَظِیْمَةِ فِیْ اَعْيُنِ الْعَامَّةِ حَتّٰی لَا یَحْضُرُوْا
صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ۔

علماء اور اولیاء صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصد ہو لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔

مرقات مشرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب دفن المیت میں ہے۔

قَدْ اَبَاحَ السَّلَفُ الْعُلَمَاءُ عَلٰی قُبُورِ
الْمَشَاطِعِ وَالْعُلَمَاءِ الْمَشْهُوْرِیْنَ لِیُرُوْا وَرَہْمُ

پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارت بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ ان کی لوگ زیارت کریں۔

النَّاسُ دَلَّيْتُمْ رَجُوعًا يَأْتِلُوكُمْ -

اور ہاں پیچھ کر آرام پائیں -

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں -

وآخر زمان بہت اقتصار نظر عوام بنظائر مصلحت و تعمیر و تزئین مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء دیدہ چیز باافر و زندہ آنجا ہیبت و شوکت اہل اسلام اہل صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہند کہ اعلیٰ دین از ہند و کفار بسیار اند و تزئین و اعلامہر شان اس مقامات باعث رعب و اتقاد ایشان است و بسیار اعمال و افعال و اوضاع کو در زمان سلف از کرمات بودہ اند و در آخر زمان از مستحکات گشتہ -

آخر زمان میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر میں رہ گئے۔ لہذا مشائخ اور صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر زیادتی کر دی تاکہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو جا سکے ہندوستان میں کہ یہاں مند و اور کفار بہت دشمنان دین میں ان مقامات کی اعلان شان کفار کے عباد اطاعت کا ذریعہ ہے اور بہت کام پہلے کردہ تھے اور آخر زمان میں مستحب ہو گئے۔

شامی جلد اول باب الدفن میں ہے -

وَقِيلَ لَا يَكْفُرُ الْيَنَّاؤُ إِذَا كَانَ الْمَيِّتُ

کو اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے -

مِنْ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ -

در مختار میں اسی باب الدفن میں ہے - لَا يَزِدُّهُ عَلَيْهِ يَنَّاؤُ وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ ہی قول پسندیدہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ شامی اور مختار نے عمارت کے جواز کو قیل سے بیان کیا۔ اس لئے یہ قول ضعیف ہے لیکن یہ صحیح نہیں فقہ میں قیل علامت ضعف نہیں۔ اور بعض جگہ ایک مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں اور دونوں قیل سے۔ ہاں منطق میں قیل علامت ضعف ہے۔ قیل کی مکمل بحث اذان قبر کے بیان میں رکھیو۔

طحاوی علی مرقا الفلاح صفحہ ۳۳۵ میں ہے -

وَدَدَّ اِعْتَادَ اَهْلَ الْمِصْرِ وَصَعَّ اَلَا تَجَارِ حِفْظًا لِلْقُبُورِ عَنِ الْاِلْتِدَاسِ وَالتَّبْنِ ذَكََا بَأْسَ بِهِ وَفِي الدَّمْرِ يَدَّ لَا يَجْضَمُّ ذَكََا يَطِينُ وَلَا يَزِدُّهُ عَلَيْهِ يَنَّاؤُ وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ

مصر کے لوگ قبروں پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں۔ تاکہ وہ مٹنے کھڑنے سے محفوظ رہیں اور قبر کو گچ نہ کی جاوے نہ کھل کی جاوے نہ اس پر ثمارت بنائی جاوے اور کہا گیا ہے کہ جائز ہے اور یہ ہی مختار ہے۔

میزان کبریٰ آخر جلد اول کتاب الجنائز میں امام شعرانی فرماتے ہیں -

وَمِنْ ذَلِكَ قَوْلُ الْأَئِمَّةِ أَنَّ الْقَبْرَ
لَا يُبْنَى وَلَا يُجَصِّسُ مَعَ قَوْلِ ابْنِ حَبِشَةَ
يَعْنِيَنَّ ذَلِكَ قَالَ الْأَوَّلُ مُسْتَدَدُ الثَّانِي
مُخَفَّفٌ -

اسی سے ہے دیگر اماموں کا کہنا کہ قبر پر نہ عمارت
بنائی جاوے اور نہ اس کو گڑ کی جاوے باوجودیکہ امام
ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے
پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی

اب تو جسٹری ہوگی کہ خود امام مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مل گیا کہ قبر پر قبر
وغیرہ بنانا جائز ہے۔

الحمد للہ کہ قرآن و حدیث اور فقہی عبارات بلکہ خود امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پاک
سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء و علماء کی قبور پر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ جائز ہو چن
وجوہ سے اولاً تو یہ دیکھا گیا ہے کہ عام کچی قبروں کا عوام کی نگاہ میں نہ ادب ہوتا ہے نہ احترام اور
نہ زیادہ فاتح خوانی نہ کچھ اہتمام بلکہ لوگ قبروں سے اس کو رد دیتے ہیں۔ اور اگر کسی قبر کو چنچہ دیکھتے ہیں غلغلا
وغیرہ پڑا ہوا پاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے اس سے بچکر نکلتے ہیں اور خود بخود فاتح کو
ہاتھ اٹھ جاتا ہے اور مشکوٰۃ باب الدفن میں اور مرقات میں ہے کہ مسلمان کا زندگی بقدر موت یکساں ادب
چاہیے۔ اسی طرح عالمگیری کتاب الکرامیت اور اشعة اللمعات باب الدفن میں ہے کہ والدین کی قبر
کو چرمننا جائز ہے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر سے اتنی دور بیٹھے جتنی دور کہ صاحب قبر کی زندگی
میں اس سے بیٹھتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احترام بقدر زندگی کے احترام کے ہے اور اولیاء اللہ
تو زندگی میں واجب التعظیم تھے۔ لہذا بعد موت بھی۔ اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا ذریعہ ہے لہذا کم از کم مستحب
ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جس طرح تمام عمارت میں سرکاری عمارتیں یا کہ مساجد ممتاز رہتی ہیں کہ ان
کو پہچان کر لوگ اس سے نااندرہ اٹھائیں۔ علماء کو چاہیئے کہ اپنی وضع قطع لباس صورت اہل علم کا سارکھیں
تاکہ لوگ ان کو پہچان کر مسائل دریافت کریں۔ اسی طرح چاہیئے کہ علماء و مشائخ کے قبور عام قبروں سے
ممتاز ہیں تاکہ لوگ پہچان کر ان سے فیض لیں۔ تیسرے اس لئے کہ مقابر اولیاء اللہ شعائر اللہ میں حیا کہ
ہم اس سے پہلے تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں اور شعائر اللہ کا ادب ضروری ہے قرآن
سے ثابت ہے لہذا قبروں کا ادب چاہیئے۔ ادب کے برابر ملک اور ہر زمانہ میں علیحدہ طریقے ہوتے ہیں
جو طریقہ بھی ادب کا خلعت اسلام نہ جو وہ جائز سے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں اور بعد میں

اور چمڑے پر لکھا تھا۔ مسجد نبوی کئی مٹی اور چھت میں کھجور کے پتے تھے جو بارش میں ٹپکتی مٹی۔ مگر بعد کے زمانہ میں مسجد نبوی نہایت شاندار وضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت اہتمام سے بنائے گئے اور قرآن کو اچھے کاغذ پر چھاپہ گیا۔

در مختار کتاب الکرامیت فصل فی اربع میں ہے۔ وَجَاسَتْ تَحْلِيلُهُ الْمُصْصَفَ لِمَا يَنْبَغِي مِنْ تَعْظِيمِهِ كَمَا فِي نَفْسِ الْمُسْجِدِ اس کے ماتحت شامی میں ہے اُنْى بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ يَعْنِي قُرْآنَ كَرِيمٍ كَوَاجِدِي سونے سے آراستہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں ان کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ مسجد کو نقشین کرنا۔ اسی طرح صحابہ کرام کے زمانہ میں حکم تھا کہ قرآن کو آیات اور رکوع اور اعراب سے خالی رکھو لیکن اس زمانہ کے بعد چونکہ ضرورت درپیش ہوئی۔ یہ تمام کام جائز بلکہ ضروری ہو گئے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

وَمَا رَوَى عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ جَرَّدَ الْقُرْآنَ
كَانَ فِي سَرِّ مَهْمُودٍ كَمْ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ
بِاخْتِلَافِ الشَّرِّ مَا كَانَ الْمَكَانُ -

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کو اعراب وغیرہ سے خالی رکھو یہ اس زمانہ میں تھا۔ اور بہت سی چیزیں زمانہ اور جگہ بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔

اسی مقام پر شامی میں ہے کہ قرآن کو چھوٹا کر کے نہ چھاپو یعنی حامل نہ بناؤ بلکہ اس کا قلم مونا ہو۔ حرف کشادہ ہوں تقطیع بڑی ہو یہ سارے احکام کیوں ہیں؟ صرف قرآن کی عظمت کے لئے اسی طرح یہ بھی ہے اول زمانہ میں تعظیم قرآن و اذان و اقامت پر اجرت لینا حرام تھا حدیث دفعہ میں موجود ہے مگر بعد کو مفرور نہا گیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خورد زندہ لوگوں کو بختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے بختہ مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب نہ دیا جب اس کو گوارا دیا۔ تب بواب سلام دیا دیکھو مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ثانی اسی مشکوٰۃ کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اِذَا لَمْ يَأْكُلْ لِلْعَبْدِ فِي مَالِهِ جَعَلَهُ فِي النَّارِ وَالْطَّيْنُ جب بندے کے مال میں بے کتنی ہوتی ہے تو اس کو اینٹ گارے میں خرچ کرتا ہے لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں بختہ مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی۔ تعجب ہے کہ جو حضرات اولیاء اللہ کی قبروں کے پختہ کرنے یا ان پر قبہ بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کیوں عمدہ اور پختہ بناتے ہیں اَتَوْا مَنُودًا يَبْغِضُ الْكِتَابَ وَكَفَرُوا بِبَعْضِ كِبَا بَعْضِ حَدِيثٍ پُر ایمان ہے اور بعض کا انکار۔ اللہ سمجھ دے۔ چوتھے اس لئے کہ اولیاء اللہ کی مقابر کا بختہ ہونا۔ ان پر علامات تمام ہونا، تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے۔ اجمیر شریف وغیرہ میں دیکھا

گیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار زیارت کو جاتے ہیں بہت سے ہندوؤں اور رافضیوں کو میں نے دیکھا کہ خواجہ صاحب کی دھوم دھام دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

ہندوستان میں اب کفار مسلمانوں کے ان اوقات پر قبضہ کر رہے ہیں جن میں کوئی علامت نہ ہو۔ بہت سی مسجدیں، خانقاہیں، قبرستان بے نشان ہو کر ان کے قبضے میں پہنچ گئے اگر قبرستان کی ساری قبریں کھجی ہوں تو وہ کچھ دن میں گر کر برابر ہو جاتی ہیں اور سادہ زمین پر کفار قبضہ جمایتے ہیں لہذا اب سخت ضرورت ہے کہ قبرستان میں کچھ قبریں بچتے ہوں تاکہ ان سے اس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ اسکے حدود معلوم ہوں۔ میں نے اپنے وطن میں خود دیکھا کہ مسلمانوں کے دو قبرستان بھر چکے تھے ایک میں بجز دو تین قبروں کے ساری قبریں کچی تھیں۔ دوسرے قبرستان کے کچھ حصہ میں بچتے قبریں بھی تھیں۔ مسلمان فقیروں نے یہ دونوں قبرستان خفیہ طور پر فروخت کر دیئے جس پر مقدمہ چلا۔ پہلا قبرستان تو سوائے بچتے قبروں کے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ کیونکہ حکام نے اسے سفیدہ زمین مانا۔ دوسرے قبرستان کا آدھا حصہ جہاں تک بچتے قبریں تھیں مسلمانوں کو ملا۔ باقی وہ حصہ جس میں ساری قبریں کچی تھیں اور مٹ چکی تھیں کفار کے پاس پہنچ گیا کیونکہ اس قبرستان کے حدود بچتے قبروں کی حد سے قائم کئے گئے باقی کا بیعنامہ درست مانا گیا۔ اس سے مجھے تہہ لگا کہ اب ہندوستان میں کچھ قبریں بچتے ضرور ہونی چاہئیں کیونکہ یہ بقاء وقف کا ذریعہ ہیں جیسے مسجد کے لئے مینارے۔

ماہ جولائی ۱۹۶۲ء کے اجازت میں مسلسل یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب کے پیر سید احمد صاحب بریلوی کی قبر جو بالاکوٹ میں واقع ہے نکتہ حالت میں ہے اسکی مرمت کی جاوے گی اور اس پر گنبد وغیرہ تعمیر کیا جاوے گا۔ سچان انڈیا سید احمد صاحب جنہوں نے عمر بھر مسلمانوں کی قبریں ڈیبا تیں اب خود ان کی قبر پر گنبد بنے گا۔ ۲۹ جولائی ۱۹۶۲ء کو صدر پاکستان ایوب خان نے قائد اعظم کی قبر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ جس میں ایک لاکھ مسلمان شریک تھے اس عمارت پر ۵۰ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا اس تقریب میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی احتشام الحق نے بھی شرکت کی۔ ان کی تقریر راولپنڈی کے جنگ ۱۲ اگست ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ مبارک ہو کہ بانی انقلاب آج بانی پاکستان کی قبر پر سنگ بنیاد رکھ رہا ہے اب تک پاکستان کی حکومتوں نے اس مبارک کام میں بہت سستی کی تھی۔ مسلمانو! یہ میں وہ دیوبندی جو اب تک مسلمانوں کی قبریں اکھڑاتے تھے جنہوں نے نجدی حکومت

کو مبارک باد کے تار دیئے تھے کہ اس نے صحابہ اہل بیت کی قبریں کھردیں آج کا مہ اعظم کی قبر پر گنبد وغیرہ تعمیر ہونے پر مبارک باد سے رہے ہیں۔ ان کا کتابی مذہب اور ہے۔ نہ بانی مذہب اور علی مذہب کچھ اور۔ پہلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔ بہر حال مزار پر گنبد کے دیوبندی بھی قائل ہو گئے۔

دوسرا باب

عمارت قبور پر اعتراضات وجوابات میں

مخالفین کے اس مسئلہ پر صرف دو ہی اعتراض ہیں اول تو یہ کہ مشکوٰۃ باب الدفن میں بروایت مسلم ہے۔
 نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ تَحْقِصِ الْقُبُورِ وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ دَأْنُ يُفَعَّدَ عَلَيْهِ۔
 حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر سچ کی جاوے اور اس سے کہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور اس سے کہ اس پر بیٹھا جاوے۔

نیز عام فقہاء فرماتے ہیں کہ یُكْمَرُ الْإِنْبَاءُ عَلَى الْقُبُورِ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین کام حرام ہیں قبر کو بچختہ بنانا۔ قبر پر عمارت بنانا اور قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا۔

جواب :- قبر کو بچختہ کرنے سے منع ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو بچختہ کیا جاوے۔ اسی سے حدیث میں فرمایا گیا۔ اَنْ يَحْصَصَ الْقَبُورُ رِيْءَ نَفْرَايَا لِيَا۔ عَنِي الْقَبُورُ دوسرے یہ کہ عامۃ المسلمین کی قبور بچختہ کی جاویں کیونکہ یہ بے فائدہ ہے تو معنی یہ ہوتے کہ ہر قبر کو بچختہ بنانے سے منع فرمایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کو سجاوٹ، تکلف یا فخر کے لئے بچختہ کیا۔ یہ تینوں صورتیں منع ہیں اور اگر نشان باقی رکھنے کے لئے کسی دل اند کی قبر بچختہ کی جاوے تو جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کی قبر بچختہ پتھر کی بنائی۔ عیسا کہ پہلے باب میں عرض کیا گیا۔ لمعات میں اسی اَنْ يَحْصَصَ الْقَبُورُ کے ماتحت ہے لِيَا يَنْبِئَهُ مِنَ الزَّيَادَةِ وَالْكَثْفِ کیونکہ اس میں محض سجاوٹ اور تکلف ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس لئے نہ ہو تو جائز ہے اَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ یعنی قبر پر عمارت بنانا منع فرمایا۔ اس کے بھی چند معنی ہیں اول تو یہ کہ خود قبر پر عمارت بنائی جاوے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔ چنانچہ شامی باب الدفن میں ہے۔

وَيُكْمَرُ فِي الزِّيَادَةِ عَلَيْهِ لِيَمَانِي الْمُسْلِمِينَ۔ | قبر کو ایک لاکھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے۔

لَهُ تَرْسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ يَجْصَصُ
الْقَبْرَ ذَنْبٌ يَبْنِي عَلَيْهِ -

کیونکہ مسلم میں ہے کہ کھنڈو علیہ السلام نے قبر کو کھنڈ کر دیا
اور اس پر کچھ بنانے سے منع فرمایا۔

در مختار اسی باب میں ہے وَذَكَرَهُ النَّبَاؤَةُ عَلَيْهِ مِنَ الثَّوَابِ لَأَنَّهُ يَسْتَلِيزُهُ الْبَنَاءُ قَبْرِ مِثْلِي زِيَارَةِ
کرنا منع ہے کیونکہ یہ عمارت بنانے کے درجہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر بنانا یہ ہے کہ قبر دیوار
میں آجادے اور گنبد بنانا یہ حول القبر یعنی قبر کے ارد گرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم
عامۃ المسلمین کی قبروں کے لیے ہے۔ پھر یہ کہ اس بنانے کی تفسیر خود دوسری حدیث نے کر دی جو کہ
مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔ اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ
قَبْرِي وَتَنَاءً يَعْْبُدُ أَشْتَدَّ غَضَبِ اللَّهِ عَلَى
قَوْمِي أَلَّا يَتَّخِذُوا قَبْرِي أَنْبِيَاءَ هُمْ مَلَجِدٌ -

اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پر جا کی
جاوے اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جس
نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو مسجد بنانا اس پر عمارت بنا کر اس طرف نماز پڑھنا حرام ہے یہ ہی اس حدیث
سے مراد ہے۔ قبروں پر کیا نہ بناؤ مسجد۔ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ یا
کم از کم اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف سجدہ کیا جاوے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں
فرماتے ہیں۔

قَالَ الْإِسْطِصَادِيُّ لَمَّا كَانَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى
يَسْجُدُونَ لِقُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ تَعْظِيمًا لِسَانِهِمْ
وَيَجْعَلُونَهَا قِبْلَةً يَتَوَجَّهُونَ فِي الصَّلَاةِ
فَخَوَّاهَا وَاتَّخَذُوا هَا أَوْ تَانَا لَعْنَهُمْ وَمَنَعَ
الْمُسْلِمُونَ عَنْ مِثْلِ ذَلِكَ -

بیضاوی نے فرمایا کہ جبکہ یہود و نصاریٰ پیغمبروں کی
قبروں کو تعظیماً سجدہ کرتے تھے اور اس کو قبلہ بنا کر اس
کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان قبور کو انہوں نے
بت بنا کر رکھا تھا لہذا اس پر حضور علیہ السلام نے
لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا گیا۔

یہ حدیث معترض کی پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہو گئی۔ معلوم ہو گیا کہ قبہ بنانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قبر
کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ چوتھے یہ کہ یہ ممانعت حکم شرعی نہیں ہے۔ بلکہ زہد و تقویٰ کی تعلیم ہے جیسے
کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ اپنے کے مکانات کو بچتہ کرنے سے بھی روکا گیا۔ بلکہ گرا دیئے گئے پانچویں
یہ کہ جب بنانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اس عمارت سے میت کو راحت یا فائدہ پہنچتا ہے تو منع ہے کہ یہ
غلط خیال ہے اور اگر زائرین کی آسائش کے لیے عمارت بنائی جاوے تو جائز ہے۔

ہم نے یہ توجہیں اس لئے کیں کہ بہت سے صحابہ کرام نے خاص خاص قبروں پر عمارت بنائی ہیں یہ فعل سنت صحابہ ہے چنانچہ حضرت فاروقؓ نے حضور علیہ السلام کی قبر انور کے گرد عمارت بنائی۔ سیدنا ابن زبیر نے اس پر خوبصورت عمارت بنائی۔ حسن مثنیٰ کی بیوی نے اپنے شوہر کی قبر پر قبۃ ڈالا جس کو ہم عمارت شکوۃ باب الیکام سے نقل کر چکے۔ زہر حسن مثنیٰ کے اس فعل کے ماتحت علامہ قاری مرقات مشرح مشکوٰۃ باب البکاء میں فرماتے ہیں۔ اَلْقَاهِرُ اَلَّتْهُ الْجَنَامُ الْاَحْبَابِ لِلَّذِي كَرِهَ الْغَيْرَ اَعَادَ وَحَضُّوْهُ بِالْاَضْطَبِ بِالْمَعْرِفَةِ اَمَّا حَمَلُ فِعْلِهَا عَلٰی لَعْنَتِ الْمَكْرُوْهِ فَعِيْزٌ لَا يُؤْنِصِنِيْجِ اَهْلُ النَّبِيَّتِ۔

باب البکاء میں فرماتے ہیں۔ اَلْقَاهِرُ اَلَّتْهُ الْجَنَامُ الْاَحْبَابِ لِلَّذِي كَرِهَ الْغَيْرَ اَعَادَ وَحَضُّوْهُ بِالْاَضْطَبِ بِالْمَعْرِفَةِ اَمَّا حَمَلُ فِعْلِهَا عَلٰی لَعْنَتِ الْمَكْرُوْهِ فَعِيْزٌ لَا يُؤْنِصِنِيْجِ اَهْلُ النَّبِيَّتِ۔

صاف معلوم ہوا کہ بلا فائدہ عمارت بنانا منع اور زامین کے آرام کے لئے جائز ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی قبر پر قبۃ بنایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر قبۃ بنایا۔ حنفیہ ابن حضرت علیؓ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر پر قبۃ بنایا۔ منتقے شرح موطا امام مالک میں ابو عبد سلیمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَصَرِيْهِ عُمَرُ عَلَى قَبْرِ زَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ وَصَرِيْهُ عَائِشَةَ عَلَى قَبْرِ اَخِيْهَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَصَرِيْهُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِيَّةِ عَلَى قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنَا كِرَهَهُ لِمَنْ صَرَبَهُ عَلَى وَجْهِ الشَّمْعَةِ وَالْمِبَاهَةِ۔

حضرت عمرؓ نے زینب بنت جحش کی قبر پر قبۃ بنایا حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر قبۃ بنایا محمد ابن حنفیہ ابن حضرت علیؓ نے ابن عباس رضی اللہ عنہم اور جس نے قبۃ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لئے کہا جو کہ اس کو فخر دیا کے لئے بنائے۔

بائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۲۰ میں ہے۔

وَدِيْ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَمَّا مَاتَ بِالْمَدِيْنَةِ صَلَّى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِيَّةِ وَجَعَلَ قَبْرَهُ مَسْتَمًا وَصَرَبَ عَلَيْهِ فُسْطَاطًا۔

جبکہ طائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان پر محمد ابن حنفیہ نے نماز پڑھی اور ان کی قبر پر فستولان بنائی اور قبر پر قبۃ بنایا۔

علی مشرح بخاری میں ہے صَرَبَهُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِيَّةِ عَلَى قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ ان صحابہ کرام نے یہ فعل کئے اور ساری امت روضہ رسول علیہ السلام پر جاتی رہی۔ کسی محدث کسی فقیہ کسی عالم نے اس روضہ پر اعتراض

نکلیا۔ لہذا اس حدیث کی وہ ہی توجہیں کی جا دیں جو کہ ہم نے لیں۔ قبر پر بیٹھنے کے معنی ہیں قبر پر چڑھ کر یہ منع ہے نہ کہ وہاں مجاور بننا۔ مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور اسی کو تو کہتے ہیں۔ جو قبر کا انتظام رکھتے کھولنے بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے وغیرہ وغیرہ یہ صحابہ کرام سے ثابت ہے حضرت عائشہ صدیقہ مسلمانوں کی والدہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کی منتظر اور چابی والی تھیں۔ جب صحابہ کرام کو زیارت کرنی ہوتی تو ان سے ہی کھلو کر زیارت کرتے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الدفن۔ آج تک روضہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مجاور رہتے ہیں کسی نے ان کو ناجائز نہ کہا۔

اعتراض (۲) مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے۔

وَعَنْ أَبِي هِنَاجَةَ الْأَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِي عَمِّي
أَلَا أَيْعَنُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
أَنْ لَا تَدْعَ نِيْمًا إِلَّا إِلَّا طَمَسَتْهُ ذَلَا فَبُرَّ مُشْرَقًا
الْأَسْوِيَّةُ۔

ابو سیاج اسدی مروی ہے کہ مجھ سے حضرت عائشہ صدیقہ
تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ
حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھو
مگوشادو اور نہ کوئی اونچی قبر مگر اس کو برابر کر دو۔

بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب الجريد على القبر میں ہے۔

وَرَوَى ابْنُ عُمَرَ شَطَا عَلَى قَبْرِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ
فَقَالَ إِنَّهُ يَأْخُذُ مَا نَأْمَا يُطْلَعُ عَلَيْهِ عَمَلُهُ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے قبر پر چڑھ کر دیکھا پس اپنے فرمایا کہ
لو کہ اسکو علیحدہ کر دو کیونکہ ان پرانے عمل سایہ کر رہے ہیں۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو یا کوئی اونچی ہو تو اس کو گرا دینا چاہیے۔

نوٹ ضروری، اس حدیث کو آڑ بنا کر نجدی دہاویوں نے صحابہ کرام اور اہل بیت کے مزارات

کو گرا کر زمین کے ہموار کر دیا۔

جواب، جن قبروں کو گرا دینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے وہ کفار کی قبریں تھیں نہ کہ
مسلمین کی۔ اس کی چند وجہ ہیں۔ اولاً تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے
لیے بھیجتا ہوں۔ جس کے لیے مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جن قبروں
کو حضرت علی نے گرایا وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہو سکتیں۔

کیونکہ ہر نبی کے رفیع میں حضور علیہ السلام شرکت فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کرام کوئی کام بھی حضور علیہ السلام
کے بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے لہذا اس وقت جس قدر قبور مسلمین بنیں۔ وہ یا تو حضور کی موجودگی میں یا آپ

کی اجازت سے تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو کہ ناجائز بن گئیں اور ان کو مٹانا پڑا۔ ہاں عیسائیوں کی قبور اونچی ہوتی تھیں۔ بخاری شریف ص ۷۷ مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے۔

أَمَّا الشَّيْءُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقْبُرُونَ | سَنُو عَلِيَّ السَّلَامُ فِي مَشْرِئِ الْقُبُورِ كَمَا مَكَرَّمَا فِي
الْمَشْرِئِ يَكُنْ فَجِئْتُ - اُكْهِدِي كُنْ -

بخاری شریف جلد اول ص ۷۶ میں ایک باب بالذہاب باب هَلْ يُنْبِتُ قُبُورُ مُشْرِكِي الْجَاهِلِيَّةِ کیا مشرکین زمانہ جاہلیت کی قبریں اُکھڑی جاویں اسی کی شرح میں حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری جلد دوم ص ۲۷ میں فرماتے ہیں۔

أَيُّ دُونَ غَيْرِهَا مِنْ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ | یعنی ماسوا انبیاء اور ان کے متبعین کے کیونکہ ان کی
وَأَتَابِعُهُمْ لَهَا فِي ذَلِكَ إِهَانَةٌ لَهُمْ - قبریں ڈھانے میں ان کی امانت ہے۔
دوسری جگہ فرماتے ہیں وَفِي الْحَدِيثِ جَوَازُ
تَصْرِيفِ الْمَقْبَرَةِ الْمَمْلُوكَةِ وَجَوَازُ بَيْشِ
قُبُورِ الدَّائِرَةِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُحَرَّمَةً - اس حدیث اور اس کی شرح نے مخالف کی پیش کردہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کر دی کہ مشرک کی قبریں گرائی جاویں۔ دوسرے اس لیے کہ اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا کیوں ذکر ہے۔ مسلمان کی قبر پر فوٹو کہاں ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں۔ کیونکہ ان کی قبروں پر میت کا فوٹو بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اس لیے کہ فرماتے ہیں کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو اور مسلمان کی قبر کے لیے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلاف سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار تھیں درنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی تو اونچی قبریں اکھڑا دیں اور ان کے فرزند محمد بن حنفیہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنائیں۔ اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بن بھی گئی۔ تب بھی اس کو نہیں اکھڑا سکتے کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین ہے۔ اولاً اونچی نہ بناؤ مگر جب بن جائے۔ تو نہ مٹاؤ۔ قرآن پاک چھوٹا سا ساڑھ پانچ منع ہے دیکھو شامی کتاب الکرامیت۔ مگر جب چھپ گیا تو اس کو پھینکو نہ جلاؤ۔ کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی ہے احادیث میں وارد ہے کہ مسلمان کی قبر پر بیٹھنا وہاں پافانہ کرنا۔ وہاں جوتہ سے چلنا ویسے بھی اس پر چلنا پھرنا منع ہے مگر افسوس ہے کہ نجدی نے صحابہ کرام کے مزارات گرائے اور معلوم ہوا ہے کہ اب

جہ میں انگریز عیسائیوں کی اونچی اونچی قبریں برابر بن رہی ہیں صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تَقْتُلُونَ
 أَهْلَ الْإِسْلَامِ مَرَدًا يَتَرَكُونَ أَهْلَ الْكَافِرِ سَائِرًا ہر ایک کو اپنی جنس سے محبت ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال محض یہ ہوا ہے وہ تو خود فرما رہے ہیں کہ میت پر اعمال کا سایہ کافی
 ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر میت پر سایہ کرنے کے لیے قبر بنایا تو منع ہے۔ زائرین کے آرام کے لیے
 بنایا تو جائز ہے۔ یعنی شرح بخاری اسی حدیث ابن عمر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَقَدْ بَيَّنَّا فِي الْإِسْلَامِ أَنَّ صَنْعَ الْقُبُورِ
 لَيْسَ مِنْ صَنِيعِ كَالْتَسُّوْءِ مِنَ الشَّخْصِ مَثَلًا
 لِأَخْيَارٍ وَلَا لِإِصْلَاحِ الْمَيِّتِ جَانًا۔
 اور اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لیے خیر لگانا
 جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لیے نہ کہ
 میت کو سایہ کرنے کے لیے جائز ہے۔

اس کا تجربہ خود مجھ کو اس طرح ہوا کہ میں ایک دفعہ دوپہر کے وقت ایک گھنٹے کے لیے سیالکوٹ گیا۔
 بہت شوق تھا کہ ملا عبدالمکرم فاضل سیالکوٹی علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ پڑھوں۔ کیونکہ ان کے حاشیہ دیکھنے
 کا اکثر مشغلہ رہا وہاں پہنچا قبر پر کوئی ساٹھان نہ تھا۔ زمین گرم تھی دھوپ تیز تھی شکل تمام چند آیات
 پڑھ کر فوراً وہاں سے ہٹنا پڑا۔ جذبات دل ہی میں رہ گیا۔ اس دن معلوم ہوا کہ مزارات پر عمارات
 بہت فائدہ مند ہیں۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۲ سورہ فتح زیر آیت اِذْ يَمْشِي عَلَى الْوُتُقِ تَحْتَ الشَّجَرِ
 کہ بعض مغرور لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آجکل لوگ ادبیات اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں لہذا ہم ان قبروں
 کو گرائیں گے تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ ادبیات اللہ میں کوئی قدرت نہیں ہے ورنہ وہ اپنی قبروں کو گرنے
 سے بچا لیتے۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُذَا الصَّنِيعُ كُفْرٌ صَرِيحٌ
 مَأْخُذٌ مِنْ قَوْلِ فِرْعَوْنَ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى
 وَلَئِنْ دَعَا رَبِّي أَنِّي أَخَانٌ أَنِّي بِكَ دُونِي
 تَبَارَكُ الَّذِي فِي الْأَسْرَارِ الْفَسَادِ۔
 تو جان لو کہ یہ کام خالص کفر ہے فرعون کے اس
 قول سے ماخوذ ہے کہ چھڑ دو مجھ کو میں موسیٰ کو قتل
 کروں وہ اپنے خدا کو بلاے میں خوف کرتا ہوں کہ
 تمہارا میں بدل دیگا یا زمین میں فساد پھیلا دے گا۔

مجھ سے ایک بار کسی نے کہا کہ اگر ادبیات اللہ یا صحابہ کرام میں کچھ طاقت تھی تو تجدی دہائیوں سے اپنی
 قبروں کو کیوں نہ بچایا یہ معلوم ہوا کہ یہ محض مردے ہیں پھر ان کی تعظیم و توقیر کیسی؟ میں نے کہا کہ حضور
 علیہ السلام سے پہلے کعبہ معظمہ میں تین سو ساٹھ بت تھیں اور اعاویث میں ہے کہ قریب قیامت ایک

شخص کعبہ کو گرا دے گا۔ آج لاہور میں مسجد شہید گنج سکھوں کا گوردوارہ بن گئی۔ بہت سی مساجد ہیں جو کہ جبر باد کر دی گئیں تو اگر ہندو کہیں کہ اگر خدا میں طاقت تھی تو اس نے اپنا گھر ہمارے ہاتھوں سے کیوں نہ بچا لیا؟ ادبیار اللہ یا ان کی مقابر کی تعظیم ان کی محبوبیت کی وجہ سے کی ہے نہ کہ محض قدرت سے جیسے کہ مساجد اور کعبہ معظمہ کی تعظیم ابن سعود نے بہت سی مسجدیں بھی گرا دیں جیسے کہ مسجد سیدنا بلال کوہ صفار وغیرہ وغیرہ۔

۱۳۲ بحث مزارات پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا چراغاں کرنا

اس بحث میں تین مسائل ہیں قبروں پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا علمائے اہل سنت کا فرمان ہے کہ پھول ڈالنا تو ہر مومن کی قبر پر جائز ہے خواہ ولی اللہ ہو یا گنہگار اور چادریں ڈالنا ادبیار علماء و صلحا کی قبر پر جائز عوام مسلمین کی قبر پر ناجائز کیونکہ یہ بے فائدہ ہے قبر پر چراغ جلانا اس میں تفصیل ہے عام مسلمانوں کی قبر پر تو بلا ضرورت ناجائز ہے اور ضرورتاً جائز ہے اور ادبیار اللہ کی قبر پر صاحب مزار کی عظمت شان کے اظہار کے لیے بھی جائز ہے ضرورتیں تین ہیں یا تورات میں مروجے کو دفن کرنا ہے روشنی کی ضرورت ہے جائز ہے۔ قبر راستہ کے کنارے پہلے تو اس پر اس لیے چراغ جلانا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے یا کوئی خبر پا کر فاتحہ پڑھے تو جائز ہے یا کوئی شخص شب میں کسی مسلمان کی قبر پر گیا وہاں کچھ قرآن وغیرہ دیکھ کر پڑھنا چاہتا ہے روشنی کرے جائز ہے اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو چراغ جلانا فضول خرچی اور اسراف ہے لہذا منع۔ مزارات ادبیار اللہ پر اگر ان میں سے کوئی ضرورت بھی نہ ہو تب بھی تعظیم ولی کے لیے جائز ہے خواہ ایک چراغ جلانے یا چند ان تینوں باتوں کا محافلین انکار کرتے ہیں۔ اس لیے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں ان کا ثبوت اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

ان کے ثبوت میں

ہم اس سے پہلی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ اویار اللہ اور ان کے مرارت شعائر اللہ ہیں اور شعائر اللہ یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا قرآنی حکم ہے وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ اس تعظیم میں کوئی قید نہیں ہر ملکہ ہر رستے جس ملک میں اور جس زمانہ میں جو بھی جائز تعظیم مردج ہے وہ کرنا جائز ہے ان کی قبروں پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا۔ چراغاں کرنا سب میں ان کی تعظیم ہے لہذا جائز ہے۔ تر پھول میں چونکہ زندگی ہے اس لیے وہ تسبیح و تہلیل کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے۔ زائرین کو خوشبو حاصل ہوتی ہے لہذا یہ ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے اگر مردے کو عذاب ہو رہا ہے تو اس کی تسبیح کی برکت سے کم ہوگا اس کی اصل وہ حدیث ہے جو شکرۃ باب آداب الخلا فضل اول میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام کا دو قبروں پر گزر ہوا فرمایا کہ دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے ان میں ایک تو پیشاب کی پھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا ثُمَّ أَخَذَ حَبِيَّةٌ وَطَبَّةٌ شَقَقَا نَصْفَيْهِ ثُمَّ غَرَزْنِي كُلَّ مَقْبَرَةٍ وَاحِدَةً قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَا عَصَيْتَ هَذَا فَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يَخْفَفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَنْبَغِ اس کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں۔ وَقِيلَ لَهُمَا لَيْسَ لَكُمْ مَا دَامَ سَرَّ طَبَّتَيْنِ وَاسْتَحَبَّ الْعُلَمَاءُ قِرْعَةَ الْقُرْآنِ عِنْدَ الْقَبْرِ بِهَذَا الْحَدِيثِ إِذْ بَلَغَتْ الْقُرْآنُ أَوَّلَ يَلْتَحَفُفُ مِنْ تَسْبِيحِ الْحَبِيَّةِ۔

اسی اللغات میں اسے جاریہ کے نامحت ہے تنک کنند جماعت بہ اس حدیث در انداختن سبزہ و گل ریحان بر قبور۔ اس حدیث سے ایک جماعت دلیل پکڑتی ہے قبروں پر سبزی پھول اور خوشبو ڈالنے کے جواز میں۔ مرقات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔ وَمِنْ ثَمَّةٍ أَقْبَى بَعْضُ الْأَئِمَّةِ مِنْ مَتَاخَرَتِي

أَصْحَابُ يَأْتِ مَا أُعْتِدَ مِنْ وَضْعِ التَّيْمَانِ وَالْجَرِيدِ سُنَّةٌ بِهَذَا الْحَدِيثِ وَقَدْ ذَكَرَ الْبُخَارِيُّ أَنَّ يَرْسِدَ ابْنَ الْخَضِيبِ الْقَحْلَانِيَّ أَوْصَى أَنْ يُجْعَلَ فِي قَبْرِهِ جَرِيدٌ تَأْكُلُ مَعْلُومٌ مِمَّا كُتِبَ فِيهِ
ترجمہول ژالناسنت ہے۔ طحاوی علی مرقی الفلاح صفحہ ۲۴ میں ہے۔

تَدَا أَفْئُ بَعْضُ الْأَشْيَاءِ مِنْ مَنَاقِرِي
أَصْحَابُ يَأْتِ مَا أُعْتِدَ مِنْ وَضْعِ التَّيْمَانِ
وَالْجَرِيدِ سُنَّةٌ بِهَذَا الْحَدِيثِ۔
ہمارے بعض متاخرین اصحاب نے اس حدیث کی
وجہ سے فتویٰ دیا کہ خوشبودار پھول چڑھانے کی
جو عادت ہے وہ سنت ہے۔

ان عبارتوں میں جو فرمایا کہ بعض نے فتویٰ دیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بعض علماء اس کو جائز
کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نے سنت مانا ہے جائز تو سب ہی کہتے ہیں سنت ہونے میں اختلاف ہے
عالمگیری کتاب الکرامت جلد پنجم باب زیارت القبور میں ہے۔ وَضْعُ الْوُجُوْدِ وَالزِّيَا حَبِثٌ عَلَى الْقُبُورِ
حَسَنُ قَبْرٍ بَعْضُ مَا يُجْعَلُ فِيهِ وَخُشْبُورٌ كَمَا أَجْمَعَ۔ شامی جلد اول بحث زیارت القبور میں ہے۔

وَيُؤْخَذُ مِنْ ذَلِكَ وَمِنْ الْحَدِيثِ
شَذَبَ وَضِعَ ذَلِكَ لِلِإِسْبَاحِ وَيَقَاسُ
عَلَيْهِ مَا أُعْتِدَ فِي سَرْمَانِنَا مِنْ وَضْعِ
أَعْصَانِ الْأَسْرِ وَنَحْوِهِ۔
شامی میں اسی جگہ ہے۔ وَتَعْلِيلُهُ بِالتَّخْفِيفِ
عَنْهَا مَا لَمْ يَنْبَغِ أَنْ يَخْفَفَ عَنْهَا بِذِكْرِ
تَسْبِيحِهَا إِذْ هُوَ أَكْمَلُ مِنْ تَسْبِيحِ الْيَاسْرِ
لِمَا فِي الْأَخْضَرِ نَوْعٌ حَيَاةٍ۔
اس سے بھی اور حدیث سے بھی ان چیزوں کے قبروں
پر رکھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے
قبروں پر اس کی شانیں وغیرہ چڑھانے کو بھی
قیاس کیا جاوے گا۔ جس کا ہمارے زمانہ میں رواج
کمی عذاب کی علت ہے انکا شکست ہونا یعنی انکی
تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں کمی ہوگی کیونکہ سبزی
شاخ کی تسبیح خشک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے
کیونکہ اس میں ایک قسم کی زندگی ہے۔

اس حدیث اور محدثین و فقہاء کی عبارات سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر سبز چیز کا رکھنا ہر
مسلمان کی قبر پر جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان قبروں پر شاخیں رکھیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور دوسرے
یہ کہ عذاب قبر کی کمی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے اگر محض دعا
کمی ہوتی۔ تو حدیث میں خشک نہ ہوئی کیوں قید گمانی جاتی؟ لہذا اگر ہم بھی آج پھول وغیرہ رکھیں تو بھی
انشاء اللہ میت کو قافہ ہوگا۔ بلکہ عام مسلمانوں کی قبروں کو کپار رکھنے میں یہ ہی مصلحت ہے۔ کہ بارش

میں اس پر سبز گھاس جھاڑ اس کی تسبیح سے میت کے غلاب میں کمی جو نہ ثابت ہو کہ پھول وغیرہ تو سبز چیز قبر میں پر جائز ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اصلاحِ رسوم میں لکھا کہ پھول وغیرہ فاسق و فاجر لوں کی قبروں پر ڈالنا چاہیے۔ نہ کہ قبورِ اولیاء پر۔ ان کے مزارات میں غلاب ہے ہی نہیں۔ جس کی پھول وغیرہ سے تحفیف کی جائے۔ مگر خیال رہے کہ جو اعمال گنہگار کے لیے دفعِ مصیبت کرتے ہیں وہ صالحین کے لیے بلندی درجات کا قاعدہ دیتے ہیں۔ دیکھو مسجد کی طرف چلنا ہمارے گناہ معاف کراتا ہے مگر صالحین کے درجات بڑھاتا ہے۔ ایسے ہی بعض دعائیں مجرموں کے گناہوں کو مٹاتی ہیں اور صالحین کے مراتب بڑھاتی ہیں۔ اس قاعدے لازم آتا ہے کہ صالحین نہ مسجد میں آئیں نہ استغفار پڑھیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ جناب ان پھولوں کی تسبیح سے ان قبروں میں رحمتِ الہی اور بھی زیادہ ہوگی جیسے دلائلِ تلاوتِ قرآن سے۔

(۲) اولیاء اللہ کی قبروں پر چار دیواریں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عام زائرین کی نگاہ میں صاحبِ قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ شامی جلد ۱۱ کتاب الکرامیت باب اللبس میں ہے۔

قَالَ فِي قَتَادَى الْحَجَّةُ وَتَكَرُّهُ الشُّؤْمُ عَلَى الْقُبُورِ وَلَكِنْ نَحْنُ نَقُولُ اَلَا نِذَا قَصِدَ بِهِ التَّعْظِيمُ فِي عِيُونِ الْعَامَّةِ لَا يَحْتَقِرُ ذَا صَاحِبِ الْقَبْرِ بَلْ جَلَبُ النُّشُوءِ وَالْأَدَبِ لِلْعَقِلِينَ وَالْثَوْبِ فَهُوَ جَائِزٌ بَلَاغُ الْعَمَالِ بِالْيَنِيَاتِ -

یعنی قنادی حجاز میں ہے کہ قبروں پر غلاف پڑے مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہوتا کہ صاحبِ قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب اور شوق حاصل ہو تو جائز ہے کیونکہ عملِ نیت سے ہیں۔

شامی کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ جو جائز کام اولیاء اللہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ہو۔ وہ جائز ہے اور چار دیواریں اصل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں بھی کعبہ معظمہ پر غلاف تھا۔ اس کو منع نہ فرمایا۔ صدیوں سے حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر غلاف سبز ریشمی چڑھا ہوا ہے۔ جو نہایت قیمتی ہے۔ آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا مقامِ ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظمہ بنایا اس پر بھی غلاف چڑھا ہوا ہے اور عمارت سنی ہوئی ہے۔ اللہ کی شان کہ نجدی دہلیویوں نے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ ان پر غلاف کیوں چڑھائے؟ ان چیزوں کی عظمت کے لیے احترام اولیاء کے لیے ان کی قبور پر بھی غلاف وغیرہ ڈالنا مستحب ہے۔ تفسیر روح البیان پارہ ۱ سورہ توبہ زیر

آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَن اٰمَنَ بِاللّٰهِ ہے۔

علماء اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان پر غلات اور عمامہ اور کپڑے چڑھانا جائزہ کام میں جیسا اس سے مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان کی عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں۔

فَبَنَیْهِ الْقُبَاتِ عَلٰی قُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ وَالْقُلُوبِ وَوَضَعَ السُّنُوسِرَ وَالْعِمَامَ وَالْبَنَابَ عَلٰی قُبُورِهِمْ اَمْوَاجًا اِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِهَا التَّعْظِیْمُ فِیْ اَعْبُنِ الْعَامَةِ حَتّٰی لَا یُخْتَفِرُ صَاحِبُ هَذِهِ الْقُبْرِ۔

(۳) عام مسلمانوں کی قبر پر مندرجہ اولیاء اللہ کی مزارات پر اظہار عظمت کے لیے چراغ روشن کرنا جائزہ

ہے۔ چنانچہ حدیقہ ندریہ شرح طریقہ محمدیہ مصری جلد دوم صفحہ ۲۹ میں ہے۔

قبروں پر چراغے جلایا عمت اور مال کا ضائع کرنا ہے اسی طرح بزازیہ میں ہے یہ تمام حکم جب ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا قبر راستہ پر ہو یا دہل کوئی میٹھا ہو یا کسی ولی یا کسی محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کی تعظیم کرنے اور لوگوں کو بتانے کے لیے کو یہ ولی کی قبر ہے تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کر لیں اور وہاں اللہ سے دعائیں کر لیں تو چراغ جلانا جائزہ ہے۔

اِخْرَاجُ الشُّمُوعِ اِلَى الْقُبُورِ بِذَعَّةٍ دَ اِثْلَافٍ مَّالٍ كَذَا فِی الْبَزَازِیَةِ وَهَذَا اَكْمَلُهُ اِذَا خَلَعَ عَنْ نَاسِیْدَةٍ دَامًا اِنَّا كَانَ مَوْضِعُ الْقُبْرِ مَسْجِدًا اَوْ عَلٰی طَرِیقٍ اَوْ كَانَ هُنَاكَ اَحَدًا جَالِمًا اَوْ كَانَ قَبْرُ دِیْنٍ مِّنْ الْاَوْلِیَاءِ اَوْ عَلَیْهِ مِّنَ الْحَقِیْقَتِیْنِ تَعْظِیْمُ الرُّوحِ اِعْلَافًا لِلنَّاسِ اِنَّهُ دِیْنٌ یُّبَیِّنُ كَوَایِبَهِ وَیَدْعُو اللّٰهَ تَعَالٰی عِنْدَهَا فَيَسْتَجَابُ لَهُمْ فَهَؤُلَاءِ مَرْجَاؤُ۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ میں ہے

اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قندیل اور موم بقیان جلانا ان کی عظمت کیلئے چونکہ اس کا مقصد صحیح ہے لہذا جائز ہے اور اولیاء کے لیے تیل اور موم سب کی نذر ماننا تاکہ ان کی عزت کے لیے ان کی قبر کے پاس جلائی جاوےں جائزہ اس سے منع نہ کرنا چاہیئے۔

وَكَذَا الْفَنَاءُ قَنْدِيلٌ وَالشُّمْعُ عِشْدٌ قُبُورِ الْاَوْلِیَاءِ وَالصُّلَحَاءِ وَالْاَجْلَالِ لِلْاَوْلِیَاءِ فَالْمَقْصَدُ فِيْهَا مَقْصَدٌ حَسَنٌ وَتَدَارُ النَّبِیَّتِ وَالشُّمْعُ لِلْاَوْلِیَاءِ یُوقَدُ عِندَ قُبُورِهِمْ تَعْظِیْمًا لَهُمْ وَتَحْبَةً فِیْهِمْ جَاوِزٌ لَا یَبْغِیْ النَّهْیُ عَنْهُ۔

علامہ نابلسی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ کشف النور عن اصحاب القبور میں بھی بالکل یہی مضمون تحریر فرمایا۔

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ یہ امور جائز ہوں جبکہ ہم گنبد کی محبت میں عرض کر چکے ہیں کہ ان مزارات اولیاء اللہ کی رونق سے اسلام کی رونق ہے عالم واعظ کو چاہیے کہ اچھا لباس پہنے عید کے دن سنت ہے کہ ہر مسلمان عمدہ لباس پہنے اور خوشبو وغیرہ لگائے کیوں؟ اس لئے کہ اس سے لوگ ملنا گوارا کریں معلوم ہوا کہ جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو اس کو اچھی طرح رہنا چاہیے۔ اور مزارات اولیاء تو زیارت گاہ خلائق ہیں ان پر اہتمام وغیرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ میں نجدی دہائیوں کی حکومت میں حج کو گیا وہاں جا کر دیکھا کہ کعبہ معظمہ کے گرد گول دائرہ کی شکل میں بہت سے برقی قمقمے جلتے تھے اور حطیم شریف کی دیوار پر بھی روشنی تھی۔ خاص دروازے کعبہ پر شمع کا قوری چار چار جلائی جاتی تھیں۔ جب مدینہ منورہ حاضری نصیب ہوئی تو یہاں روضہ رسول علیہ السلام پر کعبہ معظمہ سے کہیں بڑھ کر روشنی پائی۔ یہاں کے بلب تیز اور زیادہ تھے بہت رونق تھی۔ ایک صاحب نے کہا کہ کعبہ بیت اللہ ہے اور حضور علیہ السلام نور اللہ اور ظاہر ہے کہ گھر میں روشنی نور ہی کی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ زمانہ ترکی میں اس سے کہیں زیادہ روشنی ہوتی تھی۔ یہ تمام اہتمام کیوں ہیں؟ لوگوں کی نگاہ میں عظمت پیدا کرنے کے لئے۔ تو مقابر اولیاء پر بھی تو وہاں ہی کی تھی ہے۔ پھر اگر یہاں روشنی کا اہتمام ہو تو کیا بُرائی ہے؟ آج ہم اپنے گھر میں شادی بیاہ کے موقع پر چراغاں کرتے ہیں یا بجائے چراغ یا لائٹیں کے گیس جلاتے ہیں جس میں تیل بہت خرچ ہوتا ہے مدارس کے جلسوں میں بیسیوں روپیہ روشنی پر خرچ ہو جاتا ہے۔ ابھی چند سال گزرے کہ مراد آباد میں دیوبندیوں نے جمعیتہ العلماء کا جلسہ کیا۔ جس میں برقی روشنی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ میرے خیال میں تین شب میں کم از کم ڈیڑھ سو روپیہ محض روشنی پر خرچ ہوا ہوگا۔ یہ محض مجمع کو خوش کرنے کے لئے تھا اسی طرح دینی جلسوں میں جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ واعظین کے گلوں میں پھولوں سے ہار ڈالے جاتے ہیں نہ یہ اسراف ہے اور نہ حرام۔ یہ مجالس عرس دینی جلسے ہیں ان میں بھی یہ امور جائز ہیں۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات وجوہات ہیں

ان تین مسائل پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں جن کو وہ مختلف طرح بیان کرتے ہیں۔
اعتراض ۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ لَمَعْلَمٌ يَأْمُرُنَا أَنْ نَكْتُمَ الْحِجَابَ سَهْوًا وَالْقَلْبَيْنِ رَبِّ نَعْنِي**

میں حکم نہ دیا کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنائیں (مشکوٰۃ باب التصاویر) اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر چادر یا غلاف ڈالنا حرام ہے کہ وہاں بھی پتھر مٹی ہی ہے۔

جواب ۱۔ اس سے مکانات کی دیواروں پر بلا ضرورت تکلفاً پردے ڈالنا مراد میں اور یہ بھی تقویٰ اور زہد کا بیان ہے یعنی مکانات کی زینت غلاف زہد ہے اسی حدیث میں ہے کہ عائشہ صدیقہ نے دیوار پر غلاف ڈالا تھا۔ اسے چھاڑ کر یہ فرمایا۔ قبور اولیاء کی چادر کو اس سے کوئی تعلق نہیں کعبہ معظمہ پر قیمتی سیاہ غلاف ہے اور روضۂ رسول اللہ علیہ السلام پر سبز اور غلاف کعبہ زمانہ نبوی میں تھا۔ بتاؤ وہ جہاز ہے۔ تو قبور کی چادر بھی جہاز ہے۔

اعترض (۲) قبروں پر پھول یا چادر ڈالنا دہاں روشنی کرنا اسراف اور فضول خرچ ہے لہذا منع ہے اولیاء کی قبروں پر بہت سے پھول اور چراغ ہوتے ہیں۔ ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک پھول یا ایک چراغ بھی کافی ہے۔

جواب ۱۔ اسراف کے معنی ہیں بے فائدہ مال خرچ کرنا۔ چونکہ ان پھولوں اور چراغوں اور چادروں میں وہ فائدہ نہیں جو کہ پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں لہذا یہ اسراف نہیں۔ رہا کام چلنے کا عذر۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہم گرتے اس پر واسکٹ اس پر امپکن پہنتے ہیں۔ پھر وہ بھی قیمتی کپڑے کی حالانکہ کام تو صرف ایک کرتے میں چل سکتا ہے اور معمولی کپڑا کفایت کر سکتا ہے۔ بتاؤ یہ اسراف ہوا یا کہ نہیں۔ اسی طرح عمارت اور لذیذ خوراک، سواریاں اور دیگر دنیاوی آرائشی سامان کہ ان سب میں خوب وسعت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے کم اور ان سے ادنیٰ چیزوں سے بھی کام چل سکتا تھا۔ لیکن اسراف نہیں جس کو شریعت نے حلال کیا وہ مطلقاً ہی حلال ہے۔ **عقلمانی (۳)** مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَاوِيَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَحَدِّثِينَ عَلَيْهَا الْمَسْجِدَ وَالشَّرَجَ۔ یعنی حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی۔ قبروں کی زیارت کرنے والوں پر اور قبور پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلائے والوں پر۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبور پر چراغ جلا نا لعنت کا سبب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ **إِخْرَاجُ الشُّمُوعِ إِلَى الْمُقَابِرِ سِدَّةٌ لَا أَصْلَ لَهَا**۔ اسی طرح فتاویٰ برازیہ میں بھی ہے۔ یعنی قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ شامی جلد دوم کتاب الصوم میں ہے۔

أَمَّا لَوْ نَدَرْنَا لِدَعْوَاهُ قَدْ بَدَّلَ قُوتِي صَبْرِي نَجْعَ
الشَّيْخِ أَذِي الْمَنَاسِرَةِ لَمَا تَفَعَّلَ النَّسَاءُ مِنْ نَدَائِهِ
لَيْسَ دِي عَيْنِ الْقَادِرِ وَيُوقَدُ فِي الْمَنَاسِرَةِ
جَهَنَّمَةُ الشَّرْقِ فَهُوَ بَاطِلٌ۔

لیکن اگر شیخ کی قبر پر یا میلہ میں چراغ جلانے کے
لیے تیل کی مذمانی جیسے کہ عورتیں حضورؐ غوث پاک
کے لیے تیل کی مذمانتی ہیں اور اس کو مشرقی مینار
میں جلاتی ہیں یہ سب باطل ہے۔

تاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ارشاد الطالبین میں لکھا ہے کہ چراغاں کر دین بدعت است بدعت بدعت
خدا بر شیخ فردوزان نزد قبر و سجدہ کنندگان لعنت گفتہ۔ چراغاں کرنا بدعت ہے حضورؐ علیہ السلام نے
قبر کے پاس چراغاں کرنے اور سجدہ کر نیرالوں پر لعنت فرمائی شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں
صفہم پر ہے۔ داماں کتاب محرمات از روشن کردن چراغها و ملوس ساختن قبور بدعت شنیعہ اندہ لیکن
عروسوں میں حرام کام کرنا جیسے کہ چراغاں کرنا ان قبروں کو غلاف پہنانا یہ سب بدعت سیئہ ہیں۔

ان عبارات سے صاف معلوم ہوا کہ چراغاں بر مزارات محض حرام ہے۔ رہا یہ کہ حرمین شریفین میں چراغاں
ہوتا ہے تو یہ فعل کوئی حجت نہیں کیونکہ یہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہوا جبکہ اعتبار نہیں ترکی سلطنت نے ایجاد کیا ہے
جواب یہ کہ امر ارض حقیقت میں چھو امر ارضوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان ہی کے بل بوتے پر مخالفین بہت
شور مچاتے ہیں۔ جوابات ملاحظہ ہوں۔ ہم اس بحث کے پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ کسی قبر پر بیفائدہ
چراغ جلانا منع ہے کہ یہ فضول خرچی ہے اور اگر کسی فائدے سے ہو تو جائز ہے۔ فائدہ کل چار ہیں کہیں۔
تین تو عام مومنین کی قبروں کے لیے اور چوتھا یعنی تعظیم روح ولی مشائخ و علماء کی قبر کے لیے۔ اس
حدیث میں جو قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے وہ اسی کی ہے جو کہ بیفائدہ ہو۔ چنانچہ ماہیہ مشکوٰۃ
میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

وَالَّذِي عَنْ اتِّخَاذِ الشَّرَجِ لَيْمًا فِيهِ
مِنْ تَضْيِيعِ الْمَالِ۔

قبروں پر چراغ جلانے سے ایسے ممانعت ہے کہ اس میں
مال برباد کرنا ہے۔

اسی طرح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہ نے تصریح فرمائی حدیقہ ذریعہ شرح طریقہ محمدیہ جلد دوم صفحہ ۴۲
مصری میں اسی حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

أَيُّ الْكَافِرِينَ يُوقَدُ فِي الشَّرَجِ عَلَى
الْقُبُورِ عَبَثًا مِنْ غَيْرِ فَايْدَةٍ۔

ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو کہ قبروں پر بے فائدہ
عبث چراغ جلاتے ہیں۔

فَإِنْ تَعْلَمُمْ مَسْئَلَتَكُمْ فَلَكُمْ فَقَدْ حَلَلْتُمْ الْعُقُوبَةَ | اگر تم نے ان میں سے کچھ بھی کیا تو تمکو سزا دی جاوے گی اسی مشکوٰۃ باب الساجد میں ہے کہ مَا أَصْرَتْ يَتَشَيَّدُ الْمَسْجِدُ مَجْهُدٌ كَمَا حَكَمَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ کہ یہاں تک کہ اسے حاشیہ میں ہے اُنہی یا عَلَامَ يَنْبَؤُهَا وَتَرِيذُهَا یعنی مسجد میں ادبچی بنانے اور ان کو آراستہ کرنا حکم نہیں اسی مشکوٰۃ میں ہے لَا تَمْنَعُوا أَمَّاكَ اللَّهُ مَسَاجِدَہُ عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔

قرآن میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ ہیں یعنی مولفۃ القلوب بھی زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن عہد فاروقی سے صرف سات مصرف رہ گئے۔ مولفۃ القلوب کو علیحدہ کر دیا گیا دو دیکھو ہذیرہ وغیرہ کہیے اب بھی ان پر عمل ہے؟ اب حکام اگر معمولی حالت میں رہیں۔ ان کا رنایا پر رعب نہیں ہو سکتا اگر کفار کے مکانات اور ان کے مندر تو اونچے ہوں مگر اللہ کا گھر مسجد نبوی اور کچی اور معمولی ہو تو اس میں اسلام کی توہین ہے اگر عورتیں مسجد میں جاویں تو صدمات و خطرات ہیں کسی کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں یہ احکام کیوں بدے؟ اس لیے کہ ان کی علتیں بدل گئیں۔ اس وقت بغیر ظاہری زیب و زینت کے مسلمانوں کے دلوں میں ادب اللہ اور مقابر کی عزت و حرمت تھی۔ لہذا زندگی موت ہر کام میں سادگی تھی اب دنیا کی آنکھیں ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھتی ہیں لہذا اس کو جائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ پہلے حکم تھا کہ مزارات پر روشنی نہ کرو اب جائز قرار پایا۔ تفسیر روح البیان میں زیر آیت إِنَّمَا يَعْزَّمُ مَسْجِدَ اللَّهِ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے مینارہ پر ایسی روشنی کی تھی کہ بارہ میل مربع میں عورتیں اس کی روشنی میں چرند کا تختیں اور بہت ہی سونے چاندی سے اس کو آراستہ کیا تھا۔ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی اصل عبارت یہ ہے۔ اِخْرَاجُ الشُّمُوعِ إِلَى سَرَايِنِ الْقُبُورِ فِي اللَّيْلِ لَا ذِلَّ بِيَدِ عَقَّةٍ۔

بدعت ہے۔

اس میں دو کلمے قابلِ غور ہیں ایک تو اخراج دوسرے فی اللیل فی الاول۔ ان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے نئے مردوں کی قبروں پر چراغ لے جا کر جلاتے تھے یہ سمجھ کر کہ اس سے مردہ قبر میں نہ گھرائے گا۔ جیسا کہ آج کل بعض عورتیں چالیس روز تک لحد میں مردے کی جگہ چراغ جلاتی ہیں۔ یہ سمجھتی ہیں کہ روزانہ مردے کی روح آتی ہے اور اندھیرا پا کر لوٹ جاتی ہے لہذا روشنی کر دو یہ حرام ہے کیونکہ تیل کا بلا ضرورت خرچ ہے اور بدعتیہ بھی ہے اسی کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ عرس کے چراغات نہ تو اس نیت سے ہوتے ہیں اور نہ مشروع راتوں میں اگر یہ مطلب نہ ہو تو مشروع راتوں کی

قید کیوں ہے؟ شامی کی عبادت تو بالکل صاف ہے وہ بھی عرس کے چراغوں کو منع نہیں کر رہے ہیں وہ فرما رہے ہیں کہ چراغ جلانا کسی نذر ماننا جس میں اولیاء اللہ سے قرب حاصل کرنا منظور ہو وہ حرام ہے کیونکہ شامی کی عبادت در مختار کی اس عبادت کے ماتحت ہے۔

وَأَعْلَمُ أَنَّ الشَّاذَّ الَّذِي يَقَعُ لِلْمَوَاتِ
مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِدِ مَا يُوْخَذُ مِنَ الشَّاذِّ رَهِيمٍ
وَالشَّيْخِ وَالزَّيْتِ وَتُجْهَهَا إِلَى ضَرْحِ الْأَذَلِّيَّاءِ
تَقَرُّ بِأَيْتِهِمْ يَا أَيُّهَا الْجَمَاعُ يَا طَلِّ

جاننا چاہیے کہ عوام جو مردوں کی نذر میں مانتے ہیں اور ان سے جو پیسہ یا موم یا تیل وغیرہ قبروں پر جلانے کے لیے لیا جاتا ہے اور اولیاء سے قرب حاصل کرنے کے لیے وہ بالا جماع باطل ہے۔

اور خود شامی کی عبادت میں بھی ہے۔ تَوَسَّطَ زَاكِرًا سَكَنَ مَانِي۔ پھر اسی شامی کی عبادت میں ہے فَوْضَ صَوْنِهِ الشَّيْخِ۔ شیخ کی قبر کے اوپر چراغ جلانا ضریح کہتے ہیں خالص تعویذ قبر کو منتخب اللغات میں ہے۔ "ضریح گور یا مغاکے کو درمیان گور سازند اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں کہ خود قبر کے تعویذ پر چراغ جلانا منع ہے۔ اسی طرح اگر قبر تو نہ ہو یوں ہی کسی بزرگ کے نام چراغ کسی جگہ رکھ کر جلا دے جیسے کہ بعض جہلدار بعض درختوں یا بعض طاق میں کسی کے نام کے چراغ جلاتے ہیں یہ بھی حرام ہے اسکو فرما رہے ہیں کہ حضور غوث پاک کے نام کے چراغ کسی مشرقی مینارہ میں جلانا باطل ہے۔ غوث پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے۔ اور ان کے چراغ جلے شام کے مینارہ میں یہ بھی منع ہے۔ خلاصہ یہ ہنر کہ شامی نے تین چیزوں کو منع فرمایا۔ چراغ جلانے کی منت ماننا وہ بھی دلی اللہ کی قربت حاصل کرنیکی نیت سے۔ خالص قبر پر چراغ جلانا بغیر قبر کے کسی کے نام کے چراغ جلانا۔ عرس کے چراغوں میں یہ تینوں باتیں نہیں۔

مسئلہ۔ بعض جہلدار کسی درخت یا کسی جگہ کی یہ سمجھ کر زیارت کرتے اور دہاں چراغاں کرتے ہیں کہ دہاں فلاں بزرگ کا چلتا ہے یعنی دہاں وہ آیا کرتے ہیں یہ محض باطل ہے ہاں اگر کسی جگہ کوئی بزرگ کبھی بیٹھے ہوں یا دہاں انہوں نے عبادت کی ہو تو دہاں یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ متبرک ہے جائز بلکہ سنت ہے۔ بخاری مبداء کتاب الصلوٰۃ بحث المساجد میں ایک باب مقرر کیا بَابُ الْمَسْجِدِ الَّذِي طَرَفُهُ الْيَمِينُ اس میں بیان فرمایا کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما راستہ میں ہر اس جگہ نماز ادا کرتے ہیں جہاں کہ حضور علیہ السلام نے کبھی نماز پڑھی تھی حتیٰ کہ بعض جگہ مسجدیں بنا دی گئیں تھیں۔ مگر وہ غلطی سے کچھ علیحدہ بن گئیں تو سیدنا ابن عمر اس مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ دہاں ہی پڑھتے تھے جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی

قُلْ يَكُنْ عَبْدَ اللَّهِ ابْنُ عَمْرِو يُصَلِّي فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ كَانَ يَتَوَكَّلُ عَلَى يَسَارِهِ لَا يَكُنْ مَحْضُ بَرَكَةٍ
حاصل کرنا آج بھی بعض حاجی نماز حوا میں جہاں حضور علیہ السلام نے چھ ماہ عبادت فرمائی نمازیں پڑھتے
ہیں۔ لہذا خواجہ حمیری وغیرہ رحمہم اللہ کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنی، ان کی زیارت کرنی۔
ان کو متبرک سمجھنا سنت صحابہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ ۱۰: اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں۔ نذر لغوی ہے۔ جس کے
معنی ہیں نذرانہ جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جائز ہے اور فقہاء اس کو
حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء اللہ کے نام کی نذر شرعی مانی جائے اسی لیے فرماتے ہیں تَقَرَّبَ بِأَلْفِ مِائَةِ نَذْرٍ شَرَعِي عِبَادَةٍ
ہے وہ غیر اللہ کے لیے ماننا یقیناً کفر ہے کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک آپ دعا کریں اگر میرا مریض
اچھا ہو گیا تو میں آپ کے نام کی دیگ بچاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ میرے خدا
میں اس بیمار کے اچھے ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کروں گا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں پلاؤ کا صدقہ کروں گا۔
اللہ کے لیے اس پر جو ثواب ملے گا۔ آپکو بخشوں گا جیسے کوئی شخص کسی غلیب سے کہے کہ اگر سید اچھا ہو گیا۔
تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کروں گا اس میں کیا گناہ ہے؟ اسی کو شامی نے کتاب الصوم بحث اموات میں
اس طرح بیان فرمایا۔

يَا مَنْ تَكُونُ صِيغَةُ النَّذْرِ لِلَّهِ تَعَالَى
لِلتَّقَرُّبِ إِلَيْهِ وَيَكُونُ ذِكْرُ الشَّيْخِ مَرَادٍ بِهِ فَقَرَأَ

صیغہ نذر کا اللہ کی عبادت کے لیے ہوا اور شیخ کی
قبر پر پہنچنے والے فقرار اس کا مصروف ہوں۔
یہ محض جائز ہے تو یوں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لیے اس کے ثواب کا دہیہ روح شیخ کے لیے اس صدقہ کا
مصروف مزار بزرگ کے خدام فقرار جیسے کہ حضرت مریم کی والدہ نے مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا تیرے
لیے نذر کرتی ہوں جو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور مصروف بیت المقدس کا
اِنِّي سَدَدْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مَحْتَرَمًا دیکھو غیر اللہ کی قسم کھانا شرعاً منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں۔ وَالَّذِينَ وَالْزَّانِيُونَ وَالْمُؤْمِنُونَ وَغَيْرُهُمْ اور حضور علیہ السلام نے
فرمایا اَفْلَحَ دَائِيہِ اس کے باپ کی قسم کہ کامیاب ہو گیا۔ مطلب یہ ہی ہے کہ شرعی قسم جن پر احکام قسم
کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جاوے۔ مگر لغوی قسم جو محض تاکید کلام کے لیے ہو وہ
جائز یہی نذر کا حال ہے ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں چرخ کے لیے تیل بھیجوں گا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو۔ مشکوٰۃ باب النذر میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بواہر مقام میں اونٹ فوج کروں گا۔ تو فرمایا گیا کہ اگر کوئی دہاں بہت وغیرہ نہ ہو تو نذر پوری کر۔ کسی نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا تو فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھ لو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات کی مذہبیں کسی جگہ یا کسی خاص جماعت فقرہ کی قید لگا دینا جائز ہے اسی طرح یہ بھی ہے فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب النحر والا بحت صفحہ ۵۴ میں ہے اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے جو نذر معنی تقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔ (ارشاد احمد)

مشکوٰۃ باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ السلام جنگ اُمد سے بجز میت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دت بجائوں گی یہ نذر بھی عوفی تھی نہ کہ شرعی یعنی حضور کی خدمت میں خوشی کا نذرانہ۔ مگر منکر لفظ نذر کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنی سے نذر بزرگان دین کے لیے جائز ہے معنی نذرانہ۔ جیسے طواف کے دو معنی ہیں لغوی یعنی آس پاس گھومنا اور شرعی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَیْسَ لَکُمْ اَلْبَیْضُ وَالْاَبْیَضُ عَلَیْکُمْ پرنے مگر کا طواف کریں۔ یہاں طواف شرعی معنی میں ہے اور فرماتا ہے یَطُوفُوْکَ بِیْنَهَا وَبَیْنِ حَیْمَتِہِمْ ان یہاں طواف معنی لغوی ہے آنا جانا گھومنا۔ (۴) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وقاصی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہما بے شک بزرگ ہستیاں ہیں۔ لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں تاکہ کراہت تحریمی و حرمت فقط ان کے قول سے ثابت ہو۔ اس کے لیے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے ایک عالم کے قول سے استحباب یا حرام ثابت ہو سکتا ہے۔ مستحب اس کو بھی کہتے ہیں جس کو علماء مستحب جانیں۔ مگر کراہت و حرمت میں خائن دلیل کی ضرورت ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز صاحب وقاصی صاحب تو چراغاں اور مزارات کی چادروں کو حرام فرماتے ہیں مگر شامی چادروں کو اور صاحب تفسیر روح البیان اور صاحب حدیقہ نیز چراغاں کو جائز بلکہ مستحب فرماتے ہیں یقیناً ان کا قول زیادہ لائق قبول ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز وقاصی صاحبان علیہما الرحمۃ ورضوان کے قول پر لازم ہے کہ حرمین شریفین خصوصاً مدینہ منورہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدعتوں اور حرام کاموں کا مرکز ہے کیونکہ وہاں غلاف بھی چڑھتے ہیں اور چراغاں بھی ہے اور آج تک کسی عالم یا فقیہ نے اس پر انکار نہ کیا تو وہ مقام حضرات بدعتی یا گمراہ ہوئے۔ ان رد صاحبوں کا وہ فتویٰ کسی طرح مانا جائے۔

جس میں یہ سخت قباحت لازم آوے۔ شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ مذکور میں فرماتے ہیں کہ مذہب کا یہ جو مسئلہ پیشور پر معنی شریعت است چہ عرفہ است راجحہ پیش بزرگال می بزد مذہب و دنیا زگویند۔

۱۵/۱۰ حرمین شریفین کے علماء کا کسی شئی کو اچھا سمجھنا بیشک اس کے استحباب کی دلیل ہے یہ زمین پاک وہ ہے کہ جہاں کبھی بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان مایوس ہو چکا کہ اہل عرب اس کی پرستش کریں اور مدینہ پاک کی زمین اسلام کی جائے پناہ اور کفار و مشرکین سے محفوظ رہنے والی ہے۔ مشکوٰۃ باب حرم المذینہ میں ہے کہ مدینہ پاک برسوں لوگوں کو اس طرح نکال پھینکتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھٹی کو ہے کہ میل کو خواہ فرار نکالے یا کچھ عرصہ بعد یا کہ بعد موت۔ جذب القلوب میں حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ "مروفتی و البعاد اہل شر و فساد است از ساخت عورت این بلد طیب و خاصیت مذکورہ دروے در جمیع ازمان ہویدا است" اس سے مراد یہ ہے کہ مدینہ پاک کی زمین پاک تمام شریروں و فاسدین کو نکال دیتی ہے اور یہ خاصیت اس میں ہمیشہ باقی ہے۔ لہذا علمائے مدینہ کی عبادات کو بے دھرم و شرک و بدعت کہہ دینا سخت غلطی ہے یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ چراغاں سلطنت ترکی کی ایجاد ہے۔ امام اہل سید نور الدین سمہودی اور جلال الدین سیوطی علیہما الرحۃ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی اور امام نور الدین سمہودی نے کتاب خلاصۃ الوفا شریف ۸۹۲ھ میں تصنیف فرمائی وہ اس کتاب کے چوتھے باب کی سولہویں فصل میں مدینہ پاک کے چراغاں کا ذکر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

لیکن جو سونے چاندی کی قندیلیں رونہ مسمطہ کے ارد گرد لگی ہوئی ہیں۔ مجھے خبر نہیں کہ کب سے شروع ہوئیں۔

امام سبکی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا تنزل السکینہ علی قنادیل المدینہ وہ فرماتے ہیں کہ رونہ مسمطہ کی یہ قندیلیں جائز ہیں ان کا وقف درست ہے ان میں سے کوئی چیز مسجد پر خرچ نہیں ہو سکتی

وَأَمَّا مَعَالِيْقُ الْخَجَرَةِ الشَّرِيفَةِ الَّتِي تَحْلُقُ حَوْلَهَا مِنْ قَنَادِيلِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَتُحْجِئُهَا قَلَمٌ أَقْفٌ عَلَى ابْتِدَآءِ أَحَدٍ فَرِيحُهُمَا۔

اسی مقام پر فرماتے ہیں وَتَقْدَأُ الْفُ الشَّكِيْمَ تَالِيْقًا سَمَاءَهُ تَنْزِلُ الشَّكِيْمَةُ عَلَى قَنَادِيلِ الْمَذِيْنَةِ وَذَهَبَ فِيْهِ اِلَى جَوَازِئِهَا وَصَحَّتْ وَفَقَّهَا وَعَدَّامُ جَوَازِئِهَا صَرَفَ شَيْئٍ مِنْهَا لِعِمَارَةِ الْمَسْجِدِ۔

الحمد للہ کہ مخالفین کے تمام سوالات کا مکمل جواب ہو گیا۔

بحث خاتمۃ پنجاب اور یونانی کاٹھیاواڑ میں عام رواج ہے کہ رمضان میں ختم قرآن تلاویح کی

شب میں مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ بعض دیوبندی اس کو بھی شرک مبرام کہتے ہیں یہ محض ان کی بے دینی ہے مساجد کی زینت ایمان کی علامت ہے تفسیر روح البیان میں زیر آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے، اس وقت یلیں بیت المقدس میں روشن کرنے کا حکم دیا۔ اور مسجد نبوی شریف میں اڑا کھجور کی لکڑیاں وغیرہ جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ پھر تیم داری کچھ قندیلیں اور رسیاں اور تیل لائے اور ان کو مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں لٹکا کر جلایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تَوَرَّتْ مَسْجِدًا تَأْتُرُ اللّٰهُ عَلَيْكَ تم نے ہماری مسجد کو روشن کر دیا اللہ تعالیٰ تم کو نورانی رکھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراغاں کیا اور قندیلیں لٹکائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

تَوَرَّتْ مَسْجِدًا تَأْتُرُ اللّٰهُ عَلَيْكَ
يَا اَمِنَ الْخَطَايَا
اے عمر تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا۔ اللہ تہدی
قبر کو روشن کرے۔

تفسیر کبیر میں آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللّٰهِ مِنْ اَمْنٍ يَّاللّٰہ کی تفسیر میں ہے۔

مِنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ
اَسْرَحَ فِي مَسْجِدٍ سَرَّاجَانَهُ تَنْزِيلُ الْمَلٰٓئِكَةِ وَحَمَاةُ
الْعَرِشِ يَسْتَغْفِرُونَ لَهُ مَا دَامَ فِي الْمَسْجِدِ صَوْمُهُ
یعنی اگر کوئی مسجد میں چراغ جلائے تو جب تک مسجد
میں اسکی روشنی رہے فرشتے اور حاملین عرش اس کے
لیئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم کتاب الخطر والا باحت صفحہ ۱۱۲ میں یہ مانا ہے کہ عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دہان کی روشنی دیکھ کر آئے اور مسجد نبوی میں متعدد چراغ جلائے گئے پھر ماموں رشید بادشاہ نے عام حکم دیا تھا کہ مسجدوں میں بکثرت چراغ جلائے جاویں۔ غرض کہ مسجد کی روشنی سنت انبیاء و سنت صحابہ اور سنت عامۃ المسلمین ہے۔

بحث قبر پر اذان دینے کی تحقیق

مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے جن کے بہت سے لائل ہیں۔ مگر وہابی دیوبندی اس کو بدعت، حرام، شرک اور معلوم کیا گیا کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جواب ہوں اللہ تعالیٰ وکرمہ۔

پہلا باب اذان قبر کے ثبوت میں

قبر بعد دفن اذان دینا جائز ہے احادیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے بشکوہ شریف کتاب الجنائز باب بالقال عند من حضرت الموت میں ہے۔ لَقِنُوا مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اپنے مردوں کو سکھاؤ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دینا وہی زندگی ختم ہونے پر انسان کے لیے دو بڑے خطرناک وقت ہیں ایک تو جان کنی کا۔ دوسرا سوالات قبر بعد دفن کا کہ اگر جان کنی کے وقت خاتمہ بالغیر نصیب نہ ہو تو عمر بھر کا کرا دھرا سب برباد گیا۔ اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی زندگی بکا ہوئی۔ دنیا میں تو اگر ایک سال امتحان میں فیل ہو گئے تو سال آئندہ ورے لو۔ مگر دہاں یہ بھی نہیں۔ اس لیے زندوں کو چاہیے کہ ان دونوں وقتوں میں مرنے والے کی امداد کریں کہ مرتے وقت کھڑے پڑھ کر سنا میں اور بعد دفن اس تک کلمہ کی آواز پہنچائیں کہ اس وقت تو وہ کھڑے پڑھ کر دنیا سے جائے اور اب اس امتحان میں کامیاب ہو لہذا اس حدیث کے رد میں ہو سکتے ہیں۔ ایک تویہ ہے کہ جو مردہ اس کو کلمہ سکھاؤ۔ دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ پہلے معنی مجازی میں اور دوسرے حقیقی اور بلا ضرورت معنی مجازی لینا ٹھیک نہیں لہذا حدیث کا یہ ہی ترجمہ ہوا کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاؤ اور یہ وقت دفن کے بعد کا ہے چنانچہ شامی جلد اول باب الدفن بحث تلقین بعد الموت میں ہے۔

اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث لقنوا موتکم اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور حضور علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا پس قبر پر کہے کہ اے فلاں کے بیٹے فلاں تو اس دین کو یاد کر جس پر تھا۔

دفن کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس میں کوئی نقصان تو ہے نہیں بلکہ اس میں نفع ہی نفع ہے کیونکہ میت ذکر الہی سے انس حاصل کرتی ہے

أَمَّا عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ فَالْحَدِيثُ لَقِنُوا مَوْتَكُمْ مَحْمُولٌ عَلَى حَقِيقَتِهِ وَقَدْ رَوَى عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ أَمَرَ بِالتَّلْقِينِ بَعْدَ الدَّفْنِ فَيَقُولُ يَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ أَذْكَرُ دِينَكَ الَّذِي كُنْتَ عَلَيْهَا۔

شامی میں اسی جگہ ہے۔ وَأَمَّا لَا يَنْهَى عَنْ التَّلْقِينِ بَعْدَ الدَّفْنِ لِأَنَّهُ لَمْ يَصِرْ رَفِيهٌ بَلْ فِيهِ نَفْعٌ فَإِنَّ الْمَيِّتَ يَسْتَأْنِسُ بِالذِّكْرِ عَلَى مَا دُرِيَ فِي الْأَنْبَارِ

جیسا کہ امام ادریس میں آیا ہے اس حدیث اور ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دفن میت کے بعد اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین مستحب ہے تاکہ مردہ گیرین کے سوالات میں کامیاب ہو۔ چونکہ آذان میں کلمہ بھی ہے۔ اس لیے یہ آذان بھی تلقین میت ہے اور مستحب ہے بلکہ آذان میں پوری تلقین ہے کیونکہ گیرین میت سے تین سوال کرتے ہیں اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سنہری مالی والے سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہنا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہوا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ۔ دوسرے کا جواب ہوا سَاحَتَى عَلٰی الصَّلٰوةِ یعنی میرا دین وہ ہے جس میں پانچ نمازیں فرض ہیں (سوائے اسلام کے کسی دین میں پانچ نمازیں نہ تھیں) تیسرے کا جواب ہوا اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ۔ در مختار جلد اول باب الاذان میں ہے کہ دس جگہ آذان کہنا سنت ہے جس کو اشعار میں یوں فرمایا ہے

وَقْتُ الْحَرَابِ وَالْجُحُبِ الَّذِي دَفَعَا	فَوْضُ الصَّلَاةِ فِي اَذْنِ الصَّغِيرِ دَفِي
فَأَحْفَظُ لَيْسَتْ مِنْ لَيْذِي قَدْ شَرَعَا	خَلْفَ الْمَسَافِرِ وَالْعِيْلَانِ اِنْ ظَهَرَتْ
مَسَافِرٌ صَدَّ فِي خَفَرٍ وَمِنْ صَرَعا	وَزَيْدٌ اَرْبَعُ ذَوْهِيَّةٍ وَذَوْ غَضَبٍ

نماز بنگانہ کے لیے بچہ کے کان میں۔ آگ لگنے کے وقت۔ جبکہ جنگ واقع ہو۔ مسافر کے پیچھے اور جنات کے ظاہر ہونے پر۔ غصہ والے پر۔ جو مسافر کہ راستہ بھول جاوے اور مرگی والے کے لیے۔ شانی میں اسی کے تحت ہے۔ قَدْ يُسْتَأْذَنُ الرَّذَّانَ بِغَيْرِ الصَّلَاةِ كَمَا فِي اَذَانِ الْمَوْلُودِ اِلَيْهِمْ مَوْلَا فَلَا صُرُوعَ وَالْغَضَبَانَ وَمَنْ سَاءَ خُلُقُهُ مِنْ اِنْسَانٍ اَوْ بَيْهِيَّةٍ وَعِنْدَ مَرْدِهِ الْجَنَّةِ وَعِنْدَ الْحَرِيَّتِ وَيَمْلِكُ عِنْدَ اَنْزَالِ الْمَيْتِ الْقَبْرِ قِيَاسًا عَلَى اَوَّلِ خَيْرٍ رُجِيَ لِلدُّنْيَا لَكِنْ مَرَدَّةُ ابْنِ عَجْرٍ فِي شَرْحِ الْعُبَابِ وَعِنْدَ تَقْوِيلِ الْعِيْلَانِ اَتَى تَمَرٌ وَالْجَنِّ۔

علامہ ابن حجر کے انکار کا جواب دوسرے باب میں دیا جاوے گا۔ ان شاء اللہ۔

مشکوٰۃ باب فضل الاذان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہلال کی آذان سے رمضان کی سحری

ختم نہ کر دو۔ وہ تو لوگوں کو جگانے کے لیے اذان دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں سحری کے وقت بجائے نوبت یا گوسے کے اذان دی جاتی تھی لہذا سونے کو جگانے کے لیے اذان دینا سست سے ثابت ہے۔

اذان کے سات فائدے ہیں جن کا پتہ احادیث اور فقہاء کے اقوال سے چلتا ہے ہم وہ نامائے عرض کیے دیتے ہیں۔ خود معلوم ہو جائے گا کہ میت کو ان میں سے کون کون سے فائدے حاصل ہو گئے۔ اولاً تو یہ کہ میت کو تلقین جرابات ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا۔ دوسرے اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے۔

إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَذْبَرَ الشَّيْطَانَ لَهُ
ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّذْيِينَ۔

جب نماز کی اذان ہوتی ہے تو شیطان گوزنگا تاٹا
بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان نہیں سنتا۔

اور جس طرح کہ فوت موت شیطان مرنے والے کو درغلا تا ہے تاکہ ایمان چھین لے اسی طرح قبر میں بھی پہنچتا ہے اور بھاگتا ہے۔ کہ تو مجھے خدا کہہ دے تاکہ میت اس آخری امتحان میں فیل ہو جاوے۔

اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ چنانچہ نوادر الوصول میں امام محمد ابن علی ترمذی فرماتے ہیں۔

إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَا سُئِلَ مَنْ مَرَّ بِكَ
يُرِي لَهُ الشَّيْطَانُ فَيَسْتَبِيرُ إِلَى نَفْسِهِ أَوْ
أَنَا مَرَّ بِكَ فَلِهَذَا دَسَّ دَسْوَالُ التَّنَبُّتِ
لَهُ حِينَ سُئِلَ۔

یعنی جبکہ میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب
کون ہے تو شیطان اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے
کہ میں تیرا رب ہوں۔ اسی لیے ثابت ہے کہ حضور
علیہ السلام نے میت کے سوالات کے وقت اس کے
لیئے ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی۔

اب اذان کی برکت سے شیطان دفع ہو گیا میت کو امن مل گئی اور بھاگنے والا گیا

تیسرے یہ کہ اذان دل کی وحشت کو دور کرتی ہے البتہ اور ابن عباس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے
روایت فرمائی۔ نَزَّلَ اللَّهُ بِالْهِنْدِ دَامَتْ وَحْشٌ فَنَزَلَ جَبْرِيْلُ فَنَادَى يَا أَهْلَ الْاِذَانِ حضرت آدم
علیہ السلام ہندوستان میں اترے اور ان کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل آئے اور اذان دی۔ اسی طرح
مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۶۲ باب سوم درمیان آیات شریفہ دے میں ہے۔ اور میت بھی اس وقت
عزیز و اقارب سے چھوٹ کر تیرہ و تارکین مکان میں اکیلا پہنچتا ہے سخت وحشت ہے اور وحشت میں

سواسی باجہ ہو کر امتحان میں ناکامی کا خطرہ ہے۔ اذان سے دل کو اطمینان ہوگا۔ جوابات درست دے گا۔
پوستہ یہ کہ اذان کی برکت سے غم دور ہوتا ہے۔ اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ مسافر دوس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ
فَقَالَ: اِنَّ اَنْفِي طَالِبٍ اِنِّي اَسْأَلُكَ نِيْلًا فَهَمًّا
بَعْضُ اَهْلِكَ يُؤْذِنُ فِي اَذْنِكَ مَا تَهْتَدُ وَرَأَاهُمْ
بِزَكَانٍ دِينَ حَتَّى كَرَاهَنَ الْحَجْرَ عَلَيْهِ الرِّمَّةُ يَحْيَى فَرَمَاتِهِ
شَرْحِ بَابِ الْاِذَانِ مِثْلُ هَذَا
میں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زنجیرہ دیکھا تو فرمایا کہ
کیا وجہ ہے کہ تم کو زنجیرہ پانا ہوں تم کسی کو حکم دو کہ
تمہارے کان میں اذان کہہ دے کیونکہ اذان غم کو دور کر تی ہے
بزرگان دین حتیٰ کہ ابن حجر علیہ الرمتہ بھی فرماتے ہیں کہ خیریتہ فوجدتہ کذلک فی المیزان فانت مرقاۃ
شروع باب الاذان میں ہے یعنی میں نے اس کو آزمایا مفید پایا۔ اب دوسرے کے دل پر اس وقت جو صدر ہے
اذان کی برکت سے دور ہوگا اور سرور حاصل ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اذان کی برکت سے لگی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ ابو یعلیٰ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔
يَطْفِئُ النَّارَ بِاَذَانِ النَّبِيِّ يَا لَتَكْبِيرٍ وَاِذَا سَمِعْتُمْ
النَّارَ تَكْبُرُ وَاِذَا تَكْبُرُ يَكْبُرُ
لگی ہوئی آگ کو تکبیر سے بجھاؤ اور جبکہ تم آگ لگی ہوئی
دیکھو تو تکبیر کو کیونکہ یہ آگ کو بجھاتی ہے۔

اور اذان میں تکبیر تو ہے اللہ اکبر بعد اگر قربت میں آگ لگی ہو تو امید ہے کہ خدا نے پاک اس کی برکت سے بجھا دے۔
چھٹے یہ کہ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے تنگی قبر
سے نجات ملتی ہے۔ امام احمد و طبرانی و بیہقی نے جابر رضی اللہ عنہ سے سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کے دفن کا
واقعہ نقل کر کے روایت کی۔ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَقِيَ وَكَتَبَ النَّاسُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ
لِمَ سَبَّحْتَ قَالَتْ لَقَدْ تَضَائِقُ عَلَى هَذَا الرَّجُلِ الصُّلْبُ قَبْرُهُ حَتَّى فَرَّجَ اللَّهُ لَعَلَّاهُ عَنْهُ۔ بعد دفن
حضور علیہ السلام نے سبحان اللہ فرمایا۔ پھر اللہ اکبر حضور نے فرمایا اور دیگر حضرات نے بھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا
عبداللہ تسبیح و تکبیر کیوں پڑھی ارشاد فرمایا کہ اس صلی بندے پر جہنم کی آگ لگے گی اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا۔ اس کی
شرح میں علامہ طیبی فرماتے ہیں۔

اِنِّى مَا زِلْتُ مَسْكُوْبًا وَتَكْبِيْرًا وَاسْتِجْمَاعًا
وَسَبْحًا حَتَّى فَرَّجَهُ اللَّهُ
یعنی ہم اور تم لوگ تسبیح و تکبیر کہتے رہے۔ یہاں تک کہ
اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا۔

ساتویں یہ کہ اذان میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے اور صالحین کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے۔ امام سیفین

ابن عیینہ فرماتے ہیں۔ **ذَكَرُوا الصَّالِحِينَ تَنْزِيلُ الرَّحْمَةِ** اور میت کو اس وقت رحمت کی سخت ضرورت ہے۔ مگر شکہ ہماری تھوڑی سی جنبش زبان سے اگر میت کو اتنے بڑے بڑے ملت فائدے پہنچ جائیں تو کیا حرج ہے؟

ثابت مبرا کہ قبر پر اذان دینا باعث ثواب، شامی باب منن الوضوء میں ہے۔ **الْأَصْلُ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ**۔ تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں یعنی جس کو شریعت مطہرہ منع نہ کرے وہ مباح ہے اور جو مباح کام نیت خیر سے کیا جائے وہ مستحب ہے، بشرطِ مشکوٰۃ میں ہے **أَنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ**۔ شامی بحث منن الوضوء میں ہے۔

إِنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ الْعَادَةِ وَالْعِبَادَةِ هُوَ
الْيَتِيَةُ الْمُتَضَمِّنَةُ لِلِإِخْلَاصِ - عادت اور عبادت میں فرق نیت اخلاص سے ہے
یعنی جو کام بھی اخلاص سے کیا جائے وہ عبادت ہے

اور جو کام بغیر اخلاص کے جوہرہ عادت۔ درمختار بحث مستجابات الوضوء میں ہے۔

وَمُسْتَحَبُّهُ هُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
كَوَرَّةٍ دَسَّرَهُ أُخْرَى وَمَا حَبَّه السَّلَفُ - مستحب وہ کام ہے جس کو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا
کبھی نہ کیا۔ اور وہ بھی ہے جس کو گذشتہ مسلمان اچھا جانتے

شامی بحث دفن زیر جہازت ولا یخصص ہے۔ **وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا تَرَاكَ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ**
عِنْدَ اللَّهِ حَسَنًا۔ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ان عبارات سے ثابت مبرا کہ چونکہ اذان قبر شریعت میں منع نہیں لہذا جائز ہے اور چونکہ اسکو بہ نیت اخلاص مسلمان بھائی کے نفع کیلئے کیا جاتا ہے لہذا یہ مستحب ہے۔ اور چونکہ مسلمان اسکو اچھا سمجھتے ہیں لہذا یہ عند اللہ اچھی ہے۔ خود نو سندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۱۱۱ میں فرماتے ہیں: **بِکِسْفِی** نے سوال کیا ہے کہ تلقین بعد دفن ثابت ہے یا نہیں تو جواب یہ مسئلہ عہد معاصر مختلف فیہا ہے اگر کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن اس پر مبنی جس پر عمل کرے درست ہے رشید احمد

دوسرا باب

اذانِ قبر پر اعتراضاتِ جوابات میں

اس مسئلہ میں مخالفین کے حسبِ ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ اس کے علاوہ اور نہ ملیں گے۔

اعتراض لا، قبر پر اذان دینا بدعت ہے اور مردہ بدعت حرام لہذا یہ بھی حرام حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں۔
وہ ہی پرانا سبق۔

جواب :- ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ بعد دفن ذکر اذین تسبیح و تکبیر حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور اس کی اصل ثابت ہر وہ سنت ہے اس پر زیادتی کرنا منع نہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کعبہ میں تسبیح کے جو الفاظ احادیث سے منقول ہیں ان میں کمی نہ کرے اگر کچھ بڑھائے تو جائز ہے۔ (ہدایہ وغیرہ) اذان میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی ہدایہ سنت سے ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہر وہ حد ہے جیسے کہ ہم بحث بدعات میں عرض کر چکے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۸۹ پر ہے کہ کسی نے دیوبندیوں کے سردار رشید احمد صاحب سے پوچھا کہ کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرنا قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب :- قرون ثلاثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اس کی اصل شریع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔ رشید احمد عفی۔

اسی کتاب میں صفحہ ۸۸ پر ہے کہ کھانا تاریخ معین پر کھانا بدعت ہے اگرچہ ثواب بھی ہے گا۔ رشید احمد۔
کیسے جناب یہ ختم بخاری اور برسی کی فاتحہ پر ثواب کیوں مہر لایا ہے؟ یہ تو بدعت ہے۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ حرام پر ثواب کیسا۔

نوٹ ضروری :- مدرسہ دیوبند میں مصیبت کے وقت ختم بخاری دہاں کے طلباء سے کرایا جاتا ہے اہل حاجت طلباء کو شیرینی دیتے ہیں اور روپیہ نفع میں رہا۔ کم از کم پندرہ روپیہ وصول کیے جاتے ہیں۔ شاید یہ بدعت ہو۔ اس لیے جائز ہو کہ مدرسہ کو روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ حصول زر کا ذریعہ۔ لیکن اب قبر مومن پر اذان کیوں حرام؟

اعتراف (۲) شامی نے باب الاذان میں جہاں اذان کے موقعہ شمار کیے ہیں وہاں اذان قبر کا بھی ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی فرمایا لیکن من ذلک ابن منجی فی شرح العیال اس اذان کی ابن حجر نے شرح عیال میں تردید کر دی ہے معلوم ہوا کہ اذان قبر مرد ہے۔

جواب :- اذلا تو ابن حجر شافعی مذہب میں بہت سے علماء میں بعض احناف بھی شامل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اذان قبر سنت ہے اور امام ابن حجر شافعی اسکی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ حنفیوں کو مسجد جمہور پر عمل کرنا ہوگا کہ تو ابن شافعی پر یہ دوم امام ابن حجر نے بھی اذان قبر کو منع نہ کیا بلکہ اس کے سنت ہونیکا انکار کیا۔ یعنی سنت نہیں۔ اگر میں کہوں کہ بخاری چھاپنا سنت نہیں بالکل درست ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ بخاری تھی نہ پیر

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جائز بھی نہیں۔ شامی نے اس موقع پر فرمایا: قَدْ لَيْسَ الْاَذَانُ اِنْ مَوْتُوں پر اذان سنت ہے آگے فرمایا شدہ اس کی ابن حجر نے تردید کی تو کسی چیز کی تردید ہوتی؟ سنت کی۔ شامی سمجھنے کے لیے عقل و ایمان کی ضرورت ہے تیسرے یہ کہ اگر ان بھی نوکر علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے خود اذان کی تردید کی تو کیا کسی عالم کے تردید کرنے سے کراہت یا حرمت ثابت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے لیے دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ بلا دلیل شرعی کراہت تنزیہی بھی ثابت نہیں ہوتی۔ شامی بحث مستحبات الوضوء میں ہے۔

وَلَا يَكْفُرُ مِنْ تَرْكِ الْمُسْتَحَبِّ ثَبُوتُ
اَكْثَرُ اَهْوَاؤِ لَا يَدُلُّهُ مِنْ دَلِيلٍ خَاصٍ -

شامی جلد اول بحث مکروہات الصلوٰۃ بیان المستحب والسنن و المندوب میں ہے۔
تَرْكُ الْمُسْتَحَبِّ لَا يَكْفُرُ مِنْهُ اَنْ يَكُوْنَ
مَكْرُوْهًُا اَلَا يُنْفِيْ خَاصٍ لِاَنَّ اَكْثَرَ اَهْوَاؤِ حَكْمُهُ
شَرْعِيٌّ فَلَا يَدُلُّهُ مِنْ دَلِيلٍ خَاصٍ -

آپ تو اذانِ قبر کو حرام فرماتے ہیں۔ فقہاء بغیر خاص ممانعت کے کسی شے کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں مانتے۔
اگر کہاجارے کہ شامی نے اذانِ قبر کو قتل سے بیان کیا اور قیل منصف کی علامت ہے تو جواب یہ کہ قیل منصف
ضعف کے لیے لازم نہیں۔ شامی کتاب الصوم فصل کفاره میں ہے۔ قَعْبِيٌّ رَا اَمِيْنُصِيْفَ يَقِيْلُ لَيْسَ يَكْفُرُ اَلَا اللهُ
اسی طرح شامی بحث دفن میت میں ذکر کعب الخنارہ کے پیشے فرمایا قیل تجزئاً و قیل تنزیهاً۔ دیکھو یہاں دونوں قیل
دونوں قیل سے نقل کئے۔ عالمگیری کتاب الوضوء بحث مسجد میں ہے و قیل هُوَ مُسَجِّدٌ اَبَدًا هُوَ الْاَصَمُ یہاں صحیح
قول قیل سے بیان کیا معلوم ہوا کہ قیل دلیل منصف نہیں۔ اور اگر ان بھی یا اجابہ سے تو بھی اس اذان کو سنت کہنا ضعیف ہوگا
نہ کہ جائز کہنا کیونکہ سنت ہی کا قول ہے ہم بھی اذانِ قبر سنت نہیں کہتے سزا جائز و مستحب کہتے ہیں۔

اعتراف (۳) فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر پر جانا کفر کے علاوہ کچھ نہ کرے اور اذانِ قبر ناسخ کے علاوہ ہے لہذا حرام ہے
چنانچہ بحر الرائق میں ہے۔ وَيَكْفُرُ بِشِدَّةِ الْعُبْرَةِ مَا لَمْ يُعْهَدْ مِنَ السُّنَّةِ وَالْمُجَوِّدُ مِنْهَا لَيْسَ بِالْكَافِرِ نَاكِهًا
وَالدُّعَاءُ عِنْدَهَا قَائِمًا۔ شامی کتاب الجنائز میں ہے۔

لَا يَسُنُّ الْاَذَانَ عِنْدَ اِدْخَالِ الْمَيِّتِ
فِي قَبْرِهِ لَمَّا هُوَ الْمُعْتَادُ اَلَا اَنْ دَعَا صَرَخَ اَمِيْنُ

یعنی میت کو قبر میں آگے دینے وقت اذان دینا سنت نہیں
ہے۔ یہاں کہ اسکل مرنے سے اور ابن حجر نے تصریح

خَصْرِ بَآئِهِ يَدْعُهُ وَقَالَ مَنْ ظَنَرَ
أَنَّهُ سَتَّهُ فَلَهُ يُصِيبُ

فرمادی کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جا
وہ درست نہیں کہتا۔

والجہاز میں ہے مِنَ الْيَدْعِ الَّتِي شَاعَتْ
فِي بِلَادِ الْإِسْلَامِ أَلَا ذَانَ عَلَى الْقَبْرِ بَعْدَ الدَّفْنِ

جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہو گئیں۔ ان
میں سے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔

توضیح شرح تنقیح میں محمود ملکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اَلَا ذَانَ عَلَى الْقَبْرِ لَيْسَ بِشَيْءٍ قَبْرُ اِذَا اِذَا دُيْنَا
کچھ نہیں۔ مولوی اسحاق صاحب مائتہ مسائل میں فرماتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ثابت
نہیں اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ کہتا ہے۔

جواب: بحر الرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دعا اور کچھ کرنا مکروہ ہے بالکل درست
ہے وہ زیارت قبر کے وقت فرماتے ہیں۔ یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جاوے تو قبر کو چومنا یا
سجدہ کرنا وغیرہ ناجائز کام نہ کرے اور یہاں گفتگو ہے دفن کے وقت یہ زیارت کا وقت نہیں ہے اگر
وقت دفن بھی اس میں شامل ہے پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا، تختہ دینا، مٹی ڈالنا اور بعد دفن
تلقین کرنا جس کو فتاویٰ رشیدیہ میں بھی جائز کہا ہے سب منع ہے بس مرد کو جنگل میں رکھ کر فالتو پڑھ کر
بھاگ آنا چاہیے اور زیارت قبر کے وقت بھی ممنوع کام کرنا منع میں۔ وہی عبارت بحر الرائق کا مقصود ہے
ورنہ مردوں کو سلام کرنا یا ان کے قبور پر بسز یا پھول ڈالنا بالاتفاق جائز ہے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت
ہے اور بحر الرائق میں فرمادے ہیں کہ وہاں بجز زیارت اور کھڑے ہو کر دعا کرنے کے کچھ بھی نہ کرے، مولوی
اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان میں ایک سوال ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کشف قبر کا طریقہ بیان
فرماتے ہیں: ”وبعدہ ہفت کرہ طواف کند و در آن تکبیر بخواند و آغاز از راست کند و بعدہ طرف پایاں رخصا
نہد“ یعنی اس کے بعد قبر کا سات چکر طواف کرے اس میں تکبیر کے اور دوسری طرف سے شروع کرے اور
قبر کے پاؤں کی طرف اپنا رخسار رکھے تو کیا قبر کا طواف اور سجدہ جائز ہے؟ اس کا جواب حفظ الایمان
صفحہ ۶ پر دیتے ہیں یہ طواف اصطلاحی نہیں ہے جو کہ تعظیم و تقرب کے لیے کیا جاتا ہے۔ اور جس کی نعت
نصوص شرعیہ سے ثابت ہے بلکہ طواف لغوی ہے یعنی محض اس کے ارد گرد دھیرنا واسطے پیدا کرنے نسبت
وہی کے صاحب قبر کیساتھ اور بیٹے فیوض کے اس کی نظیر حضرت جابر کے قتلے میں وارد ہوتی ہے جبکہ
ایمان کے دائرہ و فیوض ہو کر وفات پائے اور قرض خواہوں نے حضرت جابر کو تنگ کیا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام

سے عرض کیا کہ بارغ میں تشریف لاکر عایت کرا دیجئے حضور علیہ السلام بارغ میں رونق افروز ہوئے اور چھوڑ دینے کے انبار لگا کر بڑے انبار کے گروتیں بار پھرے۔ طواف حول اعظمہ ہا بیتا ادا یہ حضور پر انوار انوار نہ تھا۔ بلکہ اس میں اثر پہنچانے کے لئے اس کی چاروں طرف پھر گئے۔ اسی طرح کشف القبر کے عمل میں ہے کیسے اگر اذان قبر اس لئے منع ہے کہ قبر پر عجز زیارت و دعا کوئی کام جائز نہیں تو یہ قبر کا طواف اور اس سے فیض لینا کیوں جائز ہے بلکہ بحر الائق کی غامبری عبارت آپ کے بھی موافق نہیں۔ یہ بظاہر بات ہے کہ حفظ الایمان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبروں سے فیض ملتا ہے اور فیض لینے کے لئے وہاں جا کر طواف کرنا، قبر پر خارہ رکھنا جائز ہے۔ اسی کو ترمذیہ الایمان میں مشرک کہا ہے۔ شافعی و توشیح وغیرہ کا عجز و عبادۃ کا جواب سوال نمبر کے ماتحت گذر گیا کہ اس میں سنت کا شمار ہے نہ کہ جواز کا تو شیخ کا فراء اللہ سبحانی اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے مراد یہ ہے کہ نہ فعل ہے نہ واجب نہ سنت مفسد جائز اور مستحب۔ اس کو سنت یا واجب سمجھنا مفسد غلط ہے جو فقہار کہ اس کو بدعت فرماتے ہیں وہ بدعت ہائزہ یا کبر بدعت فرماتے ہیں نہ بدعت مکروہہ کیلئے بلا دلیل کہ بدعت ثابت نہیں ہوتی۔ مولوی اسماعیل صاحب یونیورسٹی کے پیشوا میں ان کا قول حجت نہیں۔ اور نہ یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جو سنت ثابت نہ ہو وہ مکروہہ ہے۔ ورنہ قرآن کے پیارے اور اعصاب اور بخاری بھی مکروہ ہو گئی۔ کیونکہ یہ سنت ثابت نہیں۔ درمختار باب صلوة البیدین مطلب فی تکبیر التشریعی میں ہے۔ دَوُّنُ التَّائِبِ يَوْمَهُ مَعْنَى فَعْنِي غَيْرَهَا تَشْدِيدُ تَأْكِدًا لَوَاقِعِينَ لَيْسَ بِشَيْءٍ اِسْمِي كَمَا تَحْتَ ثَامِي مِثْلُ هُوَ تَكْرَارٌ فِي مَوْضِعِ التَّغْيِي فَتَعْمَلُ الْاَعْلَاءُ الْعِبَادَةَ مِنْ فَرَضٍ وَفَضْلٍ وَمُسْتَحَبٍّ قَبِيحٌ الْاِبَاحَةُ قِيلَ يُسْتَعَبَّ بِهَ اِيْكَ وَاشِيَاءٍ فِي لَيْسَ بِشَيْءٍ كَمَا تَحْتَ ثَامِي مِثْلُ اَحَى لَيْسَ بِشَيْءٍ يَتَعَلَّقُ بِهَ الثَّوَابُ وَهُوَ يَصُدُّ عَلَى الْاِبَاحَةِ اِنْ عِبَادَاتٍ سَعَى مَعْلُومٌ هُوَ كَلِمَةُ اِسْمٍ مَبْلُوحٌ كَوَحْيٍ كَمَا جَاءَ اَبَ -

اعتراف ہم اذان تو نماز کی اطلاع کے لئے ہے دفن کے وقت کو کسی نماز مہرہ ہی ہے۔ جس کی اطلاع دینا منظور ہے چونکہ یہ اذان لغو ہے پس ناجائز ہے۔

جواب :- یہ خیال غلط ہے کہ اذان فقط نماز کی اطلاع کے لئے ہے ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ اذان کتنی جگہ کہنی چاہیے آخر حج کے کان میں اذان دی جاتی ہے وہاں کو کسی نماز کا وقت ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رمضان کی شب میں دو اذانیں ہوتی تھیں ایک تو سحری کیلئے میدان کرنے کو دوسری نماز فجر کے لئے

لطیفہ : کاشیاوا میں رواج ہے کہ بعد نماز فجر مصافحہ کرتے ہیں اور یہ وہی میں رواج ہے کہ بعد نماز عید معافہ رکھے لڑا کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے ہم سے دریافت کیا کہ معافہ یا مصافحہ اول ملاقات کے وقت چاہیے نماز کے بعد تو لوگ رخصت ہو رہے ہیں پھر اس وقت یہ کیوں ہوتا ہے یہ مصافحہ اور معافہ بدعت ہے لہذا حرام ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ معافہ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الادب میں ایک باب ہی اسکا باندھا باب المصافحۃ والمعاذہ اور وہاں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سے معافہ فرمایا۔ حدیث کی روش بتاتی ہے کہ یہ معافہ خوشی کا تھا اور عید کا دن بھی خوشی کا دن ہے اس لیے انظار خوشی میں معافہ کرتے ہیں۔ نیز در مختار جلد پنجم باب الکرامۃ باب الاستبرار میں ہے اِنِّیْ کَمَا تَجُوْزُ الْمَصَافِحَہُ وَلَوْ بَعْدَ الْعَصْرِ وَقَوْلُهُمْ اِنَّہٗ بِذَعَةِ اِنِّیْ مُبَاحَۃٌ حَسَنَہُ کَمَا اَنَادَہُ النَّوْبِیُّ فِیْ اَذْکَاہِہَا۔

اس کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں۔

اِغْلَمَ اَنَّ الْمَصَافِحَہَ مُسْتَحَبَّۃٌ عِنْدَ کُلِّ لِقَآءٍ وَّ اَمَّا مَا اَخْتَادَہُ النَّاسُ مِنَ الْمَصَافِحَہِ بَعْدَ صَلَوةِ الصُّبْحِ فَلَا اَصْلَ لَہٗ فِی الشَّرْعِ عَلٰی هٰذَا الْوَجْہِ وَلٰکِنْ لَا بَاسَ بِہٖ وَتَقْرِیْبُہٗ بِمَا بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ عَلٰی عَادَۃٍ کَانَ فِیْ رُفْہِہٖ وَارِثَہٗ فَعَقَّبَ الصَّلَوةَ کُلُّہَا کَذَٰلِکَ۔

ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے اور فجر کے بعد مصافحہ کا جو رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں حرج بھی نہیں اور صبح یا عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بنا پر ہے ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہ ہی حکم ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ بہر حال جائز ہے لیکن اس کی سنتی نہ ہوتی یہی بہتر ہے کہ مصافحہ معافہ ملاقات کے وقت چاہیے ہم نے کہا اچھا بتاؤ۔ اول ملاقات کے کہتے ہیں : بولا غائب ہو نیکی بعد جب ملیں۔ تو یہ اول ملاقات ہے ہم نے کہا۔ غائب ہو نیکی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ جسٹا غائب ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہی طور پر غائب ہوں نماز کی حالت میں اگرچہ بظاہر تمام مقتدی اور امام ایک جگہ ہی رہے مگر ہر ایک سے ایک دوسرے سے غائب تھے کہ کسی سے کلام کر سکیں نہ ایک دوسرے

کی مدد۔ بلکہ یہ تمام لوگ دنیا ہی سے غائب ہیں کہ کھانا پینا چلنا پھرنا تمام دنیاوی کام حرام ہیں اور الصلوة
وغيرہ اجب المؤمن کا نقشہ نظر آ رہا ہے دنیا سے تعلق منقطع ہے اور واصل الی اللہ ہیں جب سلام
پھیرا اب دنیا میں آگئے تمام دنیاوی کام حلال ہو گئے۔ یہ وقت غائب ہونیکے بعد ملنے کا ہے لہذا
مصافحہ سنت ہے وہ کہنے لگا کہ یہ منطق سے سمجھا دیا اس کو شریعت نے تو ملاقات کا وقت نہیں مانا۔
مجم نے کہا کہ مانا ہے اس وقت سلام کن کو کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں؟ امام کو چاہیے کہ سلام
میں مقتدیوں اور ملائکہ کو سلام کر نیکی نیت کرے اور مقتدی لوگ امام کو اور ملائکہ کو اور تنہا نمازی صرف
ملائکہ کی نیت کرے اور سلام یا تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے یا رخصت کے وقت۔ بناؤ یہ سلام کیا کیا
یہ لوگ کہیں سے آ رہے تھے یا جا رہے ہیں؟ جا تو نہیں رہے ہیں کیونکہ ابھی دعائیں گے وعلیفہ پڑھیں گے
بعض لوگ اشتراق پڑھ کر اٹھیں گے۔ معلوم ہوا کہ عالم بالا کی سیر کر کے آ رہے ہیں اور سلام کر رہے ہیں لہذا
مصافحہ بھی کریں تو کیا حرج ہے؟ کہنے لگا کہ پھر تو ہر نماز کے بعد چاہیئے۔ ہم نے کہا کہ ہاں اگر ہر نماز کے
بعد کرے تب بھی منع نہیں ہے۔ الحمد للہ کہ اس کی تسکین ہو گئی۔ اسی طرح یہ مسئلہ اذان ہے۔

بحث ۱۶ عرس بزرگان

اس بحث کے دو باب ہیں۔ پہلا باب عرس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب مسئلہ عرس پر اعتراضات
و جوابات میں :-

پہلا باب

ثبوت عرس میں

عرس کے لغوی معنی ہیں شادی۔ اسی لیے دوہا اور دہن کو عرس کہتے ہیں بزرگان دین کی تاریخ
وفات کو اس لیے عرس کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ جب نکیرین میت کا استئذان
لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں ثُمَّ كُنُوزُ مَوْتِ الْعَرُوسِ الَّتِي لَا يُوَقِّظُهَا إِلَّا أَنْدَبُ أَهْلِهَا
إِلَيْهَا تو اس دہن کی طرح سو جا جسکو ستائے اسکے پیارے کے کوئی نہیں اٹھا سکتا تو چونکہ اس دن نکیرین نے

ان کو عرس کہا۔ اس لیے وہ دن روز عرس کہلایا۔ یا اس لیے کہ وہ جمال مصطفیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کا دن ہے کہ نکیر بن دکھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دو پہا میں۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی بہار ہے اور وصال محبوب کا دن عرس کا دن ہے لہذا یہ دن عرس کہلایا عرس کی حقیقت ضرب اس قدر ہے کہ ہر سال تاسیخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و صدقات کا ثواب پہنچانا۔ اس اصل عرس کا ثبوت حدیث پاک اور اقوال فقہار سے ہے۔ شامی جلد اول باب زیارت القبور میں ہے۔

قَدْ حُيِّ اِيْنِي سَيِّدَةً اَنْ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ يُكَلِّمُهُمْ عَلَى اَنْ يَسْأَلَهُمْ تَفْسِيرَ كِبَرٍ اَوْ تَفْسِيرَ مَشْرُوعٍ فِيهِ عَنْ رَسُولِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عَلَى سَرَّاسٍ كُلِّ حَوْلٍ يَقُولُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ يَا صَبْرَتُمْ نِعْمَ عَجَبٌ الدَّارُ وَالْخُلَفَاءُ اَلَا دُبْعَةٌ هَكَذَا اَكَاثِرُ اِنْفَعَلُونَ

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہداء اہل کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۵۴ میں فرماتے ہیں: دوم آنکہ بیہشت اجتماع مردان کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ فاتحہ بر شیرینی و طعام نمودہ تقسیم در میان حاضران کنند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین مذکور اگر کسے میں طو کنند باک نیست بلکہ فائدہ ایجا اموات را حاصل میشود۔ دوسرے یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن اور کھانے شیرینی پر فاتحہ کر کے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مروج نہ تھی۔ لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں بلکہ زندوں کو مردوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ زبدۃ النصارح فی مسائل الذبائح میں شاہ عبدالعزیز صاحب مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی علیہما رحمۃ الرحمن کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "ایں طعن مبنی است بر جعل بہ احوال طعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شریعہ مقررہ را هیچ کس فرض فی ذلک آراء سے تبرک بقبور و اعدا و ایشاں با ایصال ثواب و تلاوت قرآن و دعا سے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آن است کہ آن روز ذکر انتقال ایشاں می باشد ازوار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ این عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است۔" یہ طعن لوگوں کے حالات سے خبردار نہ ہوئی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کوئی فرض نہیں جانتا اہل صالحین کی قبروں سے

برکت لینا اور ایصالِ ثواب اور تلاوتِ قرآن اور تقسیمِ شیرینی و طعام سے ان کی مدد کرنا اجماعِ علماء سے اچھا ہے
 عوس کا دن اس لیے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے۔ در نہ جس دن بھی یہ کام کیا جاوے اچھا
 ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مکتوب ۱۰۲ میں مولانا جلال الدین کو لکھتے ہیں: "اوس پر ان
 برکت پر ان لسماع و عصفائی جاری و رند پر وں کا عوس پر وں کے طریقہ سے قوالی اور صفائی کے ساتھ
 جاری رکھیں۔ مولوی رشید احمد و اشرف علی صاحبان کے پیر حاجی امجد اللہ صاحب اپنے فیصلہ مفت
 مسئلہ میں عوس کے جواز پر بہت زور دیتے ہیں خود اپنا عمل یوں بیان فرماتے ہیں: "فقیر کا مشرب اس امر
 میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک پر ایصالِ ثواب کرتا ہوں اول قرآن خوانی ہوتی ہے
 اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر حاضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب
 بخش دیا جاتا ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب بھی اصل عوس کو جائز مانتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد
 اول کتاب البدعات صفحہ ۹۲ میں فرماتے ہیں: "بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع
 ہو گئیں۔ مجلس عوس و مولود بھی ایسا ہی ہے اہل عرب سے معلوم ہوا کہ عرب مشرف کے لوگ حضرت سید
 احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا عوس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں خاص کر علماء مدینہ منورہ حضرت امیر
 حمزہ رضی اللہ عنہ کا عوس کرتے رہے۔ جن کا مزار مقدس احد پہاڑ پر ہے۔ غرض کہ دنیا بھر کے مسلمان علماء و صاحبان
 خصوصاً اہل مدینہ عوس پر کار بند ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جائیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے: عقل بھی چاہتی
 ہے کہ عوس بزرگاہ عمدہ چیز ہو اور لا قراس لینے کہ عوس زیارتِ قبر اور صدقہ خیرات کا مجموعہ ہے زیارتِ تبر
 بھی سنت و صدقہ بھی سنت تو دو سنتوں کا مجموعہ حرام کیونکر ہو سکتا ہے؟ مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے
 کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: ہم نے تم کو زیارتِ قبر سے منع فرمایا تھا۔ اِنَّا فَخَذْنَا عَنْكُمْ زِيَارَةَ
 الْقُبُورِ۔ اس سے ہر طرح زیارتِ قبر کا جواز معلوم ہوا خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی
 جاوے یا کہ جمع ہو کر اب اتنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ مجمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے سال کے
 بعد مقرر کر کے زیارۃ کرنا منع ہے محض لغو ہے معین کر کے ہوا بغیر معین کیے ہر طرح جائز ہے۔ دوم ایسے
 کہ عوس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کے جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی،
 کلمہ طیبہ، ورد پاک وغیرہ پڑھتے ہیں بہت سی برکات جمع ہو جاتی ہیں۔ تیسرے اس لیے کہ ایک
 پیر کے مریدین اس تاریخ میں اپنے پیر بھائیوں سے بلا تکلف مل لیتے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات

سے واقفیت ہوتی ہے اور آپس میں محبت و دوستی ہے۔ چوتھے اس لئے کہ طالبان کو سیر تلاش کرنے میں آسانی ہے اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں مختلف جگہ کے بزرگان دین جمع ہوتے ہیں علماء و صوفیاء کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے حقیقت ہو اس سے بیعت کر لے۔ آخر حج اور زیارت مدینہ منورہ بھی تاریخ مقررہ میں ہی ہوتے ہیں اس میں بھی گذشتہ فائدہ ملحوظ میں۔ ہم نے دیوبندی اکابر کی قبریں دیکھی ہیں نہ وہاں دفن، نہ کوئی فاتحہ خواں، نہ ان کو ایصالِ ثواب، نہ کسی کو ان سے اور نہ کسی سے ان کو فیوض۔ امر بخیر بند کو یہی یہ بگاڑ ہیں۔

دوسرا باب

مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات میں

اعترض (۱) جس کو تم بعد موت دلی سمجھتے ہو۔ اس کا عرس کرنے ہو تم کو کیا معلوم کہ یہ دلی ہے کسی کے خاتمہ پر یقین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسلمان مرایا ہے دین ہو کر مرا۔ پھر کسی مردے کی ولایت کیونکہ معلوم ہو سکتی ہے؟ بڑے بڑے صالح کافر ہو کر مرتے ہیں۔

جواب:- زندگی کے ظاہری احکام بعد موت جاری ہوتے ہیں جو زندگی میں مسلمان تھا بعد موت بھی اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی نماز جنازہ، کفن، دفن، میراث کی تقسیم وغیرہ کی جاوے گی اور جو زندگی میں کافر تھا بعد موت نہ اس کی نماز جنازہ ہوگی، نہ گور و کفن، نہ تقسیم میراث، نہ شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے فقط احتمال معتبر نہیں۔ اسی طرح جو زندگی میں دلی ہو وہ بعد وفات بھی دلی ہے اگر محض احتمال پر احکام جاری ہوں تو کفار کی نماز جنازہ پڑھ لیا کر دشايد مسلمان ہو کر مرا ہو۔ اور مسلمان کو بے جنازہ پڑھے آگ میں جلا دیا کر دشايد کافر ہو کر مرا ہو۔ نیز مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب المشی بالجنائزۃ میں بروایت مسلم و بخاری ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک جنازہ گزرا جس کی لوگوں نے تعریف کی فرمایا وَجَبَتْ واجب ہو گئی۔ دوسرا جنازہ گذرا جس کی لوگوں نے برائی کی فرمایا وَجَبَتْ واجب ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا واجب ہوئی؟ فرمایا پہلے کے لئے جنت اور دوسرے کے لئے دوزخ پھر فرمایا اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰہِ فی الْآخِرَیْنِ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ علامۃ المسلمین جس کو دلی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی دلی ہے مسلمانوں کے منہ سے وہ جی بات نکلتی ہے جو اللہ کے یہاں ہوتی ہے اسی طرح جس کو مسلمان ثواب جانیں، حلال جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بامعنی ثواب اور حلال ہے کیونکہ

مسلمان اللہ کے گواہ ہیں اسی کی حدیث نے تصریح فرمائی۔ مَا سَرَّ أَكَاذِبُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ۔ قرآن فرماتا ہے وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ | تم نے تم کو امت عادلہ بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔

مسلمان قیامت میں بھی گواہ اور دنیا میں بھی۔ رب تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن سلام و دیگر بزرگوں کی گواہی پیش فرمائی۔ کہ فرمایا۔ وَشَهِدَ شَاهِدًا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى مِثْلِهِ۔ جب صلح مومنین کی گواہی سے نبوت ثابت کی جاسکتی ہے تو ولایت بدر جہاد کی ثابت ہو سکتی ہے۔ اور جب اس گواہی سے سارے قرآن پاک کا ثبوت ہو سکتا ہے تو کسی شرعی مسئلہ کا ثبوت بدر جہاد کی ہوگا؟

نوٹ ضمنی درجہ:۔ یہ سوال مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے نجدی امام نے کیا تھا۔ ایک مجمع کے سامنے اس کا میں نے یہ ہی جواب دیا تھا۔ جس پر اس نے کہا کہ یہ صحابہ کرام کے بیٹے تھا کہ وہ جس کے متعلق جو گواہی دیں ویسا ہی جو جہانے کیونکہ وہاں فرمایا ہے۔ أَنْتُمْ هُمْ اس خطاب میں داخل نہیں۔ کیونکہ ہم اس وقت موجود نہ تھے۔ میں نے کہا اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے دَفِنِي بِرِوَايَةِ الْمُؤْمِنِينَ شَهِدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ ایک روایت میں ہے کہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں زمین میں۔ اس میں أَنْتُمْ هُمْ نہیں۔ و نیز قرآن میں سارے احکام خطاب کے ہیضہ سے آئے آفِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وغیرہ اور تم قرآن مجید کے وقت نہ تھے لہذا ہم ان احکام سے بری ہیں۔ یہ سب امور صرف صحابہ کرام کے بیٹے تھے قرآن و حدیث کے خطابات قیامت تک کے مسلمانوں کو شامل ہوتے ہیں۔ الحمد للہ کہ امام صاحب کو اس جواب پر غصہ نہ آگیا مگر جواب نہ آیا۔

اعترض (۲) حدیث شریف میں ہے۔ لَا تَتَخَذُوا قَبْرِ عِيسَى امِيرِي قَبْرٍ كَوْعِيدٍ بِنَاءٍ۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر پر لوگوں کا اجتماع کرنا۔ میل لگانا منع ہے کیونکہ عید سے مراد میلاد ہے اور عرس میں اجتماع ہوتا ہے میل لگتا ہے لہذا حرام ہے۔

جواب:۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہونا۔ اور حدیث کے معنی میں کو میری قبر پر جمع نہ ہو، تنہا تنہا آیا کر۔ عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ مکانات کی زینت و آرائشگی ہوتی ہے۔ کھیل کود بھی ہوتے ہیں۔ یہی اس جگہ مراد ہے یعنی ہماری قبر انور پر حاضر ہو تو یا ادب آؤ۔ یہاں اگر شہر نہ چھاؤ

کھیل کود نہ کرو۔ اگر قبر پر جمع ہونا منع ہے تو آج مدینہ منورہ کی طرف قافلے بھی جاتے ہیں اَللّٰهُمَّ اَسْرِ رُفُکَ
بعد نماز پنج گانہ لوگ جمع ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ جنت مسئلہ میں
بحث عوس میں فرماتے ہیں۔ لَا تَتَخَذُوا قُبُورَیْ عِیْسَى اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا اور
خوشیاں اور زینت و آرائشی دھوم دھام کا اہتمام یہ ممنوع ہے اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا
منع ہے ورنہ مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا داسطے زیارت روضہ اقدس کے بھی منع ہوتا وَ هَذَا بَاطِلٌ
پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر افراد و اجتماعاً و دونوں طرح جائز ہے یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم
ہماری قبر پر جلد بید آیا کرو مثل عید کے سال بھر کے بعد ہی نہ آیا کرو۔

اعتراف (۳) عام عوسوں میں عورتوں، مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، ناچ رنگ ہوتے ہیں، تواری کائی
جاتی ہے۔ غرض کہ عوس بزرگان صدام حرمات کا مجموعہ ہے اس لیے یہ حرام ہے۔

جواب :- اس کا اسمانی جواب تو یہ ہے کہ کسی مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے
اصل حلال کام حرام نہیں ہو جاتا بلکہ حرام تو حرام رہتا ہے اور حلال حلال۔ شامی بحث زیارت قبر کتاب
الجنائز میں ہے۔ وَلَا تُشْرُکَ لِمَا یُحْصِلُ عُنْدَہَا مِنْ مُنْكَرَاتٍ وَمَقْلَبٍ کَاخْتِلَاطِ الْجِلْبِ بِالْیَسَاءِ
وَعَبْرِہَا کَانَ الْقُرْبَاتِ لَا تُشْرُکَ لِمِثْلِ ذَٰلِکَ بَلْ عَلَى الْاِنْسَانِ فَعْلُہَا وَانْکَارُ الْیَسْرِ
قُلْتُ وَیُوَدِّدُ مَا مَرَّ مِنْ عَدَمِ شَوْکِ
اِتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ اِنْ کَانَ مَعَهَا نِسَاءٌ نَائِحَاتٌ۔
زیارت قبر اس لیے نہ چھوڑ دے کہ وہاں ناجائز
کام ہوتے ہیں جیسے کہ عورت مرد کا اختلاط کیونکر ان
جیسی ناجائز باتوں سے مستحبات نہیں چھوڑے جاتے
بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ زیارت قبر کرے اور بدعت کو
رد کرے۔ اسکی تائید وہ گذشتہ مسئلہ کرتا ہے کہ جنازے کیساتھ جانا
نہ چھوڑے اگرچہ اس کیساتھ نہ نہ کرنے والیاں ہوں۔

فتح کر سے پہلے خانہ کعبہ میں بت تھے اور کوہ صفا و مروہ پر بھی بت تھے مگر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں
نے نہ تو طواف چھوڑا اور نہ عمرہ، ہاں جب اللہ نے قدرت دی تو بتوں کو مٹا دیا، آج بازاروں میں ریل کے
سفروں اور دنیاوی جلسوں میں عورتوں، مردوں کا اختلاط ہوتا ہے خود حاجیوں کے جہازوں میں بعض وقت
طواف میں مفتی مزولفہ میں اختلاط مرد و زن ہو جاتا ہے مگر ان کی وجہ سے اصل شئی کو کوئی منع نہیں کرتا۔
دینی مدارس میں بھی اکثر اوقات بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں مگر ان کی وجہ سے نفس مدرسہ حرام نہیں۔ اسی طرح
عوس ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا حرام ہے ناچ رنگ حرام ہیں۔ لیکن انکی وجہ سے اصل عوس کیوں حرام ہو

بلکہ وہاں جاکر ان عیسائی ناجائز رسموں کو رد کو، لوگوں کو سمجھاؤ۔ دیکھو خدا بن تیس منافق نے عرض کیا تھا کہ مجھے غزوہ تبوک میں شریک نہ فرمائیے کہ روم و شام کی عورتیں نہ بصورت ہیں اور میں عورتوں کا شیدائی ہوں مجھے تہذیب میں نہ ڈالئیے مگر قرآن کریم نے اس عذر کی تردید یوں فرمائی کہ **اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَاحْيَطُ بِمَا تَكْفُرُ بِ** اس عذر کو رب تے کفر اور ذریعہ جہنم بتایا۔ دیکھو تفسیر کبیرہ روح البیان یہ بھی عذر آج ریلو بند ہی محض روکنے کے لیے کرتے ہیں۔

آج بیاہ شادی میں صد ہا حرام رسمیں ہوتی ہیں جن سے مسلمان تباہ بھی ہوتے ہیں اور گنہگار بھی لیکن ان رسوم کی وجہ سے کوئی نکاح کو حرام کہہ کر بند نہیں کرتا۔

قوالی جو آج کل عام طور پر مروج ہے۔ جس میں گندے مضامین کے اشعار گائے جلتے ہیں اور فاسق اور امردوں کا اجتماع ہوتا ہے اور محض آواز پر رقص ہوتا ہے یہ واقعی حرام ہے لیکن اگر کسی جگہ تمام شرائط سے قوالی ہو گائے والے اور سننے والے اہل ہوں تو اس کو حرام نہیں کہہ سکتے۔ بڑے بڑے صوفیائے کرام نے خاص قوال کو اہل کے لیے جائز فرمایا اور اہل کو حرام۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب عمر میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک نوٹھی دھ بجا رہی تھی۔ صدیق اکبر آئے تو وہ بجاتی رہی۔ عثمان منی آئے۔ بجاتی رہی مگر جب فاروق اعظم آئے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ تو وہ کو اپنے نیچے ڈال کر بیٹھ گئی۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اسے عمر اتم سے شیطان خوف کرتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ دھ بجانا شیطانی کام تھا یا کہ نہیں۔ اگر تھا تو کیا حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر و عثمان رضی اللہ عنہما سے شیطان نے خوف نہ کیا اور اسمیں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرکت کیوں کی؟ اور اگر شیطانی کام نہ تھا تو حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے کیا معنی؟ جواب وہ ہی ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے قبل یہ ہی کام شیطانی نہ تھا ہوتا رہا۔ اور فاروق اعظم کے آتے ہی شیطانی بن گیا بند ہو گیا۔ اسی لیے صوفیاء کرام نے اس پر چھ شریطن لگائی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجلس میں کوئی غیر اہل نہ ہو۔ ورنہ شیطان کی اس میں شرکت ہوگی۔ جیسے کہ مجلس لغام میں اگر کوئی شخص بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کر دے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے اس سے لازم یہ نہیں کہ حضرت فاروق کا درجہ کچھ کم ہے بلکہ صحابہ کرام کے مشرب علیہہ علیہہ میں بعض پر اتباع غالب بعض پر جذبہ محبت غالب اس لیے اثرات مختلف تھے اگر کوئی غوث یا قطب بغیر بسم اللہ

الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "کہ نہ اس کا رمی کسم نہ اس کا رمی کسم"۔ میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے خود سنا کہ حدیث میں چونکہ گانے کی بُرائیاں آگئیں۔ لہذا اس کے مقابل خواجہ اجیری و امام غزالی کے قول کا اعتبار نہیں یہ سب ناسق تھے۔ معاذ اللہ۔ ان کلمات سے دیکھ پہنچا۔ مختصر یہ مسئلہ لکھ دیا۔

اعترض (۴) اگر یہ قاعدہ صحیح ہے کہ حلال کام میں حرام مل جائیے حلال حرام نہیں بن جاتا۔ تو تعزیری بت پرستوں کے میلے کھیل تماشے، سینما تھیٹر وغیرہ سب جائز ہوئے کہ ان میں کوئی نہ کوئی کام جائز بھی ہوتا ہی ہے وہاں بھی یہ ہی کہو کہ یہ مجمع حرام نہیں بلکہ ان میں جو بڑے کام ہیں وہ حرام ہیں جو جائز ہیں وہ حلال نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ حسن ولیمہ، ناچ رنگ و سترخان پر ہر وہاں جانا منع ہے حالانکہ قبول دعوت سنت مگر حرام کام کے ملنے سے حرام ہو گئی۔ اسی طرح عرس بھی ہے مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب۔ ایک تو ہے حرام کا فعل حلال میں شامل ہونا۔ ایک ہے اس میں داخل ہونا جہاں فعل حرام اس کا جز بن جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہوا اور اگر ہوتا ہو تو اس کا یہ نام نہ ہو۔ اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کر دے گا۔ اگر فعل حرام اس طرح جز ہو کر داخل نہ ہو گیا ہو بلکہ کبھی اس میں پڑا ہو وہ کبھی نہیں جن کو غلط کہتے ہیں۔ تو یہ حرام اصل حلال کو حرام نہ کر دے گا جیسے کہ پیشاب کپڑے میں لگ گیا اور پانی میں پڑ گیا۔ کپڑے کا جز نہ بنا۔ پانی کا جز بن گیا۔ تو احکام میں بہت فرق پڑ گیا، نکاح، سفر، بازار وغیرہ میں محرمات شامل ہو جاتے ہیں مگر ان کا جز نہیں سمجھے جاتے کہ ان کے بغیر اس کو نکاح ہی نہ کہا جاوے اور تعزیر داری میں اسراف باجے ناجائز میلے اس طرح جز بن کر داخل ہوئے کہ کوئی تعزیر داری وغیرہ اس سے خالی نہیں ہوتی اور اگر خالی ہو تو اس کو تعزیر داری نہیں کہتے اگر کوئی شخص کر بلا معنی کا نقشہ بنا کر گھر میں رکھے نہ تو زمین میں دفن کرے نہ یہ محرمات ہوں تو جائز ہے کیونکہ غیر جاندار کی تصویر بنانا مباح ہے۔ الحمد للہ کہ عرس میں ناچ گانا وغیرہ داخل نہیں ہوا بہت سے عرس ان محرمات سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو عرس ہی کہا جاتا ہے۔ سرمد شریف میں مجدد الف ثانی صاحب کا عرس بالکل محرمات سے خالی ہوتا ہے عام طور پر لوگ حضرت آمنہ خاتون، سیدنا عبداللہ، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کا عرس کرتے ہیں۔ صرف مجلس و منظر اور تقسیم طعام شیرینی ہوتی ہے۔ نیز یہ دعوت قبول کرنا سنت نہیں، نابالغ بچہ کی دعوت۔ اہل میت کی ضرورت دعوت اغیار کو جس کے یہاں صرف حرام کا ہی مال ہو اس کی دعوت قبول کرنا ناجائز ہے۔ اسی طرح حسن ولیمہ ناچ رنگ خاص و سترخان پر ہوا اس کا قبول کرنا منع ہے۔

بخلاف زیارت قبور کے کہ وہ بہر حال سنت ہے لہذا حرام کام کے اختلاط سے دعوت تو سنت ہی نہ بنی اور زیارت قبور چونکہ مطلقاً سنت تھی وہ حرام نہ ہوئی۔ جیسے کہ شرکت دفن بہر حال سنت ہے۔ تو اگر وہاں محرمات ہوں تو اس سے یہ سنت حرام نہ ہوگی بہت باریک فرق ہے خیال رکھنا چاہیے۔

بحث زیارت قبور کے لئے سفر کرنا

عرس بزرگان اور زیارت قبور کے لئے سفر کرنا بھی جائز اور باعث ثواب ہے دیوبندی وغیرہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

سفر عرس کے ثبوت میں

سفر کا حکم اس کے مقصد کی طرح ہے یعنی حرام کام کے لئے سفر کرنا حرام۔ جائز کے لئے جائز اور سنت کے لئے سنت۔ فرض کے لئے فرض۔ حج فرض کے لئے سفر بھی فرض۔ کبھی جہاد و تجارت کے لئے سفر سنت ہے کیونکہ یہ کام خود سنت ہیں۔ روضہ مصطفیٰ علیہ السلام کی زیارت کے لئے سفر واجب ہے کیونکہ یہ زیارت واجب دوستوں کی ملاقات۔ شادی غنہ میں اہل قربت کی شرکت۔ اطباء سے علاج کرانے کے لئے سفر جائز کیونکہ یہ چیزیں خود جائز ہیں چوری دیکھتی کے لئے سفر حرام۔ کیونکہ یہ کام خود حرام ہیں۔ غرض کہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہر تو اس کے مقصد کا حکم دیکھ لو۔ عرس خاص زیارت قبور کا نام ہے اور زیارت قبور سنت لہذا اس کے لئے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا۔ قرآن کریم میں بہت سفر ثابت ہیں۔

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مَهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
ثُمَّ يُدْرِكُ الْمَوْتَ فَقَدْ وَفَّيْنَا لَهُ أَجْرَهُ عَلَى اللَّهِ

سفر جرت ثابت ہوا۔ کالیف قریش ایلا فیہم مراحلة الشتاء والصيف۔ اس لئے کہ قریش کو میل دلایا ان کے جائزے اور گرمی کے دونوں سفروں میں۔ سفر تجارت ثابت ہوا۔

إِذْ قَالَ مُوسَى لِقَاتِهِ كَلَّا تَذْهَبُ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْكَ جَنَّةٌ مِّنَ السَّمَاءِ تَجْرِي مِّنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ تَبْتَغِي عِندَ اللَّهِ عِزًّا وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يَخْلَعُ عَن ظُهُورِهِ أَزْوَاجًا مِّمَّنْ يَلْبَسُونَ فَمِثْلَ ظَعْنٍ يُرْتَذَىٰ فِي الْبَنَاتِ وَأَمَّا الْكُفْرُ فَهُوَ سَرْمَيسٌ مَّا يَكْتُمُونَ

اور یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہ

الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضَىٰ حَقًّا -

رہیں گا جب تک کہ وہاں نہ پہنچیں جہاں دو سمندر ملتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لیے گئے۔ مشائخ کی ملاقات کیلئے سفر کرنا ثابت ہوا۔

يَا بُنَيَّ اِذْهَبْ اَنْتَ وَخَوَاتِمُكُمَا مِنْ يَوْسُفَ

اے میرے بیٹے! جاؤ یوسف اور ان کے بھائی کا سرخ

وَ اَخِيهِ وَ لَا تَبْتَغُوا مِنْ مَرَدِّهِ اَللّٰهُ -

لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

یعقوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاشِ یوسف کے لیے حکم دیا۔ تلاشِ محبوب کے لیے سفر ثابت ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ اِذْهَبْ

میرا کہ گزرتے جاؤ۔ میرے باپ کے منہ پر ڈال

يَقْبِضِيْ هٰذَا لِقَائِهِ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يٰٓأَيُّهَا بَصِيْرًا

دوان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

علاج کے لیے سفر ثابت ہوا۔ فَلَمَّا دَخَلُوا

پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے

عَلٰى يُّوسُفَ اَوْىٰ اِلَيْهِ -

تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔

ملاقاتِ فرزند کے لیے سفر ثابت ہوا۔ فرزند ان یعقوب علیہ السلام نے والد ماجد سے عرض کیا۔

فَاَمْرِىْ بِمَعْنَا اَخَانَا نَكُنْ لَّ وَاِنَا لَهٗ

ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم غلام ہیں

لِحَافِظُوْنَ -

گے اور ان کی ضرورتِ حفاظت کریں گے۔

روزی حاصل کرنے کے لیے سفر ثابت ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ ظَغّٰ -

فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

تبلیغ کے لیے سفر ثابت ہوا۔ مشکوٰۃ کتاب العلم میں ہے۔

مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

جو شخص تلاشِ علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

حَدِيثٌ فِيْهِ - اَطْلُبُوا الْعِلْمَ وَ كَوْنُكُمْ بِالْقَصِيْنِ

علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔ کریمیاں ہے

طلب کردن علم شد بر تو فرض

و اگر واجب است از پیش قطع ارض

علم کا طلب کرنا تجھ پر فرض ہے اس کے لیے سفر بھی ضروری ہے طلبِ علم کے لیے سفر ثابت ہوا۔

پاکستان میں ہے

برو اندر جہاں تفرج کن ! پیش ازاں روزِ کز جہاں بروی

جاؤ دنیا کی سیر کرو مرنے سے پہلے۔ سیر کے لیے سفر ثابت ہوا۔ قرآن مجید میں ہے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ

بگھڑ سے فرماؤ کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمَكْنِيِّينَ -

کیا انجام ہوا۔

جن ملکوں پر عذاب الہی آیا۔ ان کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزارات اولیاء کی زیارت کے لئے سفر کو نا بد رجہ اولی ثابت ہوا یہ حضرات طیب روحانی میں اور ان کے فیوض مختلف۔ ان کے مزارات پر پہنچنے سے شان الہی نظر آتی ہے کہ اللہ واسے بعد وفات بھی دنیا پر راج کرتے ہیں اس سے فوق عبارت پیدا ہوتا ہے ان کے مزارات پر دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ شامی جلد اول بحث زیارت قبور میں ہے۔

وَهَلْ تُشَدُّ رَحْلَةَ لَهَا كَمَا اغْتِيْدَ
مِنْ الرَّحْلَةِ اِلَى مَرْيَا سَوْ حَلِيلِ الرَّحْمَنِ وَ
زِيَارَةِ السَّيِّدِ الْبَدْوِيِّ لَمْ اَسْرَ مِنْ صَحْرِهِ
مِنْ اَيْمَانٍ وَمَنْعَ مِنْهُ بَعْضُ الْاَيْمَةِ الشَّانِعِيَّةِ
فِيَسَا عَلَى مَنَعِ الرَّحْلَةِ بِغَيْرِ الْمُسَجِدِ الثَّلَاثِ
وَسَرَدَةُ الْغُرَى اِلَى يَوْصُورِ الْفَرَقِ -

اور آیا زیارت قبور کے لئے سفر کو نا مستحب جیسے کراچ کل غلیل الرحمن علیہ السلام اور تید بدوی علیہ الرحمۃ کی زیارت کیلئے سفر کو نیکار و اج ہے میں نے اپنے آئمہ میں سے کسی کی تصریح نہیں دیکھی بعض شافعی علماء نے منع کیا ہے مسجدوں کے سفر پر قیاس کر کے لیکن امام غزالی نے اس منع کی تردید کردی فرق واضح فرمایا لیکن اولیاء اللہ تقرب الی اللہ و زائرین کو نفع پہنچانے میں مختلف ہیں بقدر اپنے معروف و اسرار کے۔

شامی میں اسی جگہ ہے وَ اَمَّا الْاَدْلِيَاءُ فَانَّهُمْ مُتَّفِقُونَ
فِي الْقُرْبِ اِلَى اللَّهِ وَ نَفْعِ الزَّوَارِ بِحَسَبِ مَعَارِفِهِمْ وَ اَرْهَمُ

مقدور شامی میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں

اِنِّي لَكُنْتُ بِكَ يَا اَبِي حَنِيفَةَ وَ اَجِئُ اِلَى
قَبْرِهِ قَادًا عَرَضْتُ بِي حَاجَةً صَلَّيْتُ
مَرَّكَتَيْنِ وَ سَأَلْتُ اللَّهَ عِنْدَ قَبْرِهِ
فَقَضَّ سِرِّي عَا -

میں امام ابو حنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوئی تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جا کر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے۔

اس سے چند امور ثابت ہوئے۔ زیارت قبور کے لئے سفر کرنا۔ کیونکہ امام شافعیؒ اپنے وطن فلسطین سے بغداد آتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کی قبر کی زیارت کے لئے رضی اللہ عنہ صاحب قبر سے برکت لینا ان کی قبروں کے پاس جا کر دعا کرنا۔ صاحب قبر کو درویش حاجت روائی جاننا۔ نیز زیارات روحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفر کو نا ضروری ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب النقط والا باحتراف صفحہ ۵۹ میں ہے "زیارت

بزرگان کے لیے سفر کر کے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں۔ اور بعض ناجائز و ردو اہل سنت کے علماء میں مسئلہ مختلف ہے اس میں تکرار درست نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے محال ہے۔ رشید احمد عفی عنہ۔

اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ سفر عرس سے کسی کو منع کرے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار کو منع فرماتے ہیں اور اس کا فیصلہ نہیں فرما سکتے۔ نقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سفر زیارت جائز ہو۔ اسلئے کہ ہم عرس کر چکے سفر کی محنت و حرمت اسکے مقصد سے معلوم ہوتی ہے اور سفر کا مقصد تو ہے زیارت قبر۔ اور یہ منع نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر کی اجازت مطلقاً ہے اَلَا تُدْرُوْهُآ تَوْسَعُ لَكُمْ فَا تَمْنُوْنَ فَا تَنْزِلُوْنَ ورنیادوی کا رد بار کے لیے سفر کیا ہی جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دینی کام کے لیے سفر ہے یہ کیوں حرام ہو۔

دوسرا باب

سفر عرس پر اعتراضات جوابات

اعترض ۱۱ مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

لَا تُشَدُّ الرِّجَالُ اِلَّا اِلَى ثَلَاثٍ مَسْجِدًا
مَسْجِدُ الْحَرَامِ وَ الْمَسْجِدُ الْاَقْصَى وَ مَسْجِدِيْ هَذَا
تین مسجدوں کے سوا اور کسی طرف سفر نہ کیا جاوے
مسجد بیت اللہ۔ مسجد بیت المقدس۔ اور میری مسجد
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں اور زیارت قبول
بھی ان تینوں کے سوا ہے۔

جواب۔ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے چنانچہ مسجد بیت الحرام میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر۔ بیت المقدس اور مدینہ پاک کی مسجد میں ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار کے برابر۔ لہذا ان مساجد میں یہ نیت کر کے دور سے آنا چونکہ فائدہ مند ہے جائز ہے لیکن کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا یہ سمجھ کر کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے محض لغو ہے اور ناجائز کیونکہ ہر جگہ کی مسجد میں ثواب یکساں ہے جیسے بعض لوگ دہلی کی جامع مسجد میں حجۃ الوداع پڑھنے کیلئے سفر کر کے جاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر وہاں ثواب زیادہ جوتا ہے یہ ناجائز ہے تو سفر کرنا کسی مسجد کی طرف اور پھر زیادتی ثواب کی نیت سے منع ہوا۔ اگر حدیث کی یہ توجیہ نہ کی جاوے تو ہم پہلے باب میں بیت سے سفر

قرآن سے ثابت کر چکے ہیں وہ سب حرام ہونگے۔ آج تجارت کے لیے، علم دین کے لیے، دنیاوی کاموں کے لیے صدقہ قسم کے سفر کرتے ہیں۔ وہ سب حرام ٹھہریں گے۔ چنانچہ اس حدیث کی تشریح میں اشعۃ اللمعات میں ہے: "و بعضی از علماء گفته اند کہ سخن در مساجد است یعنی در مسجد سے دیگر جہاں میں مساجد سفر جائز نہ باشد و اما مواضع دیگر جز مساجد خارج از مفهوم این کلام است۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں کلام مسجدوں کے بارے میں ہے یعنی ان تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر جائز نہیں مسجد کے علاوہ اور مقامات وہ اس کلام کے مفہوم سے خارج ہیں۔ مرقات مشرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث ماتحت ہے۔ فی التشریح المسلم للشیوخ قال ابو محمد یحییٰ مرشد الریحال الی غیر الثلثۃ وهو غلط فی الاحیاء و ذهب بعض العلماء الی الاستدلال علی المنع من الرحلة لزیارۃ کثرت وقبور العلماء والصالحین وما تبیین فی ان الامر لیس کذا لک بل زیارۃ ما مؤمر بہا الخیر الا فزروها اتماد و دہیا عن الشیخ یحییٰ الثلثۃ من المسجد لیسما فیہا و اما المشاہد فلا تساوئی بل بركة زیارۃ ہما علی قدر درجاتہم عند اللہ هل یمنع ذلک القائل عن شد الرحا بقبور الانبیاء کابراہیم و موسیٰ و یحییٰ والمنع من ذلک فی غایۃ الاحیاء والانبیاء فی معناہم فلذہب بعد ان یکون ذلک من اعراض الرحلۃ کما ان زیارۃ العلماء فی الحیوۃ۔

اسی مشکوٰۃ کتاب الجہاد فی فضاہ میں ہے۔

نودی کی شرح مسلم میں ہے کہ ابو محمد نے فرمایا کہ سوا ان تین مساجد کے اور طرف سفر کرنا حرام ہے مگر یہ محض غلط ہے احیاء العلوم میں ہے کہ بعض علماء متبرک مقامات اور قبور علماء کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں جو مجھ کو تحقیق ہوئی وہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ زیارت قبور کا حکم ہے۔ اس حدیث کی دوسری کہ اکثر دروہا ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنے سے اس لیے منع فرمایا گیا ہے کہ تمام مسجدیں یکساں ہیں لیکن مقامات متبرکہ یہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات بقدر درجات ہیں کیا یہ مانع انبیائے کرام کی قبور کے سفر سے بھی منع کریگا جیسے حضرت ابراہیم و موسیٰ و یحییٰ علیہم السلام اس سے منع کرنا سخت دشوار ہے اور اولیاء اللہ بھی انبیاء کے حکم میں پس کیا بعید ہے کہ ان کی طرف سفر کرنے میں بھی کوئی خاص غرض ہو۔ جیسا کہ علماء کی زندگی میں ان کی زیارت کرنا۔

لَمْ تَكُنْ لَكَ الْبَحْرُ الْخَالِجًا أَوْ مَعْمَرٌ أَوْ غَارِيَا
فَإِنَّ تَحْتَ النَّجْمِ نَارًا أَوْ تَحْتَ النَّارِ جَدًّا
دریا میں سوار نہ ہو مگر حاجی یا غازی یا عمرہ کرنا لا کہیے
کیا سوائے ان تینوں کے دروں کو سفر دریا حرام ہے
نزدیک حدیث کا وہی مطلب ہے جو کہ ہم نے عرض کر دیا۔ ورنہ دنیا کی زندگی مشکل ہو جاوے گی۔
اعتراف (۲) اللہ ہر جگہ ہے اس کی رحمت ہر جگہ۔ پھر کس چیز کو ڈھونڈنے کے لئے اولیاء کے مزاروں پر
سفر کر کے جاتے ہیں دینے والا رب ہے وہ ہر جگہ ہے۔

جواب ۱۔ اولیاء اللہ رحمت رب کے دروازے ہیں۔ رحمت دروازوں ہی سے ملتی ہے ریل اپنی
پوری لائن سے گزرتی ہے مگر اس کو حاصل کرنے کے لئے اسٹیشن پر جانا ہوتا ہے اگر اور جگہ لائن پر کھڑا
ہو گئے تو ریل گزریگی تو سہی مگر تم کو نہ ملے گی۔ آج دنیاوی مقاصد، نوکری، تجارت وغیرہ کیلئے سفر کیوں
کرتے ہو۔ خدا رازق ہے وہ ہر جگہ دے گا۔ طبیب کے پاس بیمار سفر کر کے کیوں آتے ہیں خدا شافی الامراض
اور وہ تو ہر جگہ ہے آب و ہوا بدنے کے لئے پہاڑ اور کشمیر کا سفر کیوں کرتے ہو وہاں کی آب و ہوا تو سندی
کو مفید ہو۔ لیکن اولیاء کے مقامات کی آب و ہوا ایمان کو مفید نہ ہو۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت
خضر علیہ السلام کے پاس کیوں بھیجا؟ وہ سب کچھ ان کو یہاں ہی دے سکتا تھا۔ قرآن کریم میں ہے هُنَالِكَ
دَعَاكَ يَتَا رَبَّ مَعْلُومٌ ہذا کہ کر کیا علیہ السلام نے حضرت مریم کے پاس کھڑے ہو کر بچے کے لئے دعا
کی یعنی ولیہ کے پاس دعا کرنا باعث قبول ہے معلوم ہوا کہ قبور اولیاء کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔
اعتراف (۳) جس درخت کے نیچے بیت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اسکو زیارت گاہ بنا لیا تھا۔ حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کٹوا دیا تو قبور اولیاء کو زیارت گاہ بنانا فعل عمرؓ کے خلاف ہے۔

جواب ۲۔ یہ محض غلطی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو مگر نہیں کٹوایا، بلکہ وہ اصل درخت
قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گیا تھا۔ اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت
کی زیارت شروع کر دی تھی۔ اس غلطی سے بچانے کے لئے فادوق اعظم نے اس دوسرے درخت کو
کٹوایا۔ اگر فادوق اعظم رضی اللہ عنہ تبرکات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور علیہ السلام کے بال مبارک
تہبند شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گاہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کو کیوں باقی رہنے دیا۔ مسلم جلد
دوم کتاب الامارت باب بیان بیعت الرضوان۔ بخاری جلد دوم باب غزوة الحديبية میں ابن مسعود
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ كَانَ
میرے والد بھی ان میں سے ہیں جنہوں نے

أَبِي مَيْمَنَ بَايَعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عِنْدَ الشَّجَرَةِ قَالَ قَاتِلْ قَتَانِي قَاتِلْ حَاجِيَيْنِ
فَنَحْنِي عَيْنَيْنَا مَكَانَهَا

بخاری میں ہے فَلَمَّا خَرَّ جُنَّامِينَ الْعَامِلِ الْقَبِيلِ
لَمِينَنَا هَا فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَىهَا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخت کے پاس
بیعت کی تھی انہوں نے فرمایا کہ ہم سال آئندہ
جج کے لیے گئے۔ تو اس کی جگہ ہم پر غمی ہو گئی۔
اپن جبکہ ہم سال آئندہ گئے تو اس کو بھول گئے
اور اس کو پانہ سکے۔

پھر یہ کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے اصل درخت کٹوایا۔

بحث کفنی یا الفی لکھنے کا بیان

اس بحث میں دو مسئلے ہیں اولاً تو قبر میں شجرہ یا غلاف کعبہ یا عہد نامہ یا دیگر تبرکات کا رکھنا۔ دوم مرد
کے کفن یا پیشانی پر انگلی یا مٹی یا کسی چیز سے عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ یہ دونوں کام جائز اور احادیث
صحیحہ اقوال فقہاء سے ثابت ہیں۔ مخالفین اس کے منکر ہیں۔ لہذا اس بحث کے بھی دو باب کیے جاتے
ہیں پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب کفنی یا الفی لکھنے کے ثبوت میں

قبر میں بزرگان دین کے تبرکات اور غلاف کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیلہ ہے
قرآن فرماتا ہے وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا تَحَاذُوا هَذِهِ الْيَقِينِ
هَذَا الْقَبْرُ عَلَى ذِيهِ أَنِّي يَأْتِ بَعِيدًا۔ میری قمیص لے جا کر والد ماجد کے منہ پر ڈال دو وہ اٹھیا رہے
ہو جائیں گے معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشا ہے۔ کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی۔ تو امید
ہے کہ بزرگوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آجائیں۔

مشکوٰۃ باب غسل میت میں ام عطاء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم زینب بنت رسول
علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام نے
اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر ہم میت سے متصل رکھ دو۔ اس کے ماتحت لمعات

میں ہے هَذَا الْحَدِيثُ أَصْلُ فِي التَّبَرُّكِ
بِأَفْكَرِ الصَّالِحِينَ وَلَبَّاهُمْ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ
مُؤَيِّدِي الْمَشَائِخِ مِنْ لَيْسَ أَقْصَرُهُ فِي الْقَبْرِ

یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور ان کے کپڑوں سے
برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض
مریدین قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیتے ہیں۔

اسی حدیث کے ماتحت اشعة اللغات شریف میں ہے دریں جا استجاب تبرک است لباس مسلمین
و آثار ایشاں بعد از موت در قبر چنانچہ قبل از موت نیز چھینیں بودہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ صالحین کے
لباس اور ان کے تبرکات سے بعد موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے
تھایہ ہی شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الاحیاء میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہ کے احوال
میں فرماتے ہیں۔ ”پہوں وقت رحلت قریب تر آمد فرمودند کہ بعض آیات و کلمات کہ مناسب معنی عفو
مغفرت باشد و رکھنے نبوی و پاکش ہر گز کسی۔ جب انکی وفات کا وقت قریب ہوا تو فرمایا کہ بعضے
استعار اور کلمات جو کہ عفو بخشش کے مناسب ہوں کسی کا غدر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا
شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔ ”شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان
لیکن اس را دو طریق است اول اینکه بر سبزه مرده درون کفن یا بالائے کفن گذارند یاں طریق رافقہار منع
سے کنند و طریق دوم اس است کہ جانب سر مرده اندرون قبر طاقچہ بگزارند و دران کاغذ شجرہ را نہند
قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر
کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہار منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر
میں طاقچہ بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔ مشکوٰۃ باب غسل المیت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبد اللہ ابن ابی کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا۔
اس کو نکلوایا۔ اس پر اپنا لعاب دھن ڈالا۔ اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔ بخاری جلد اول کتاب
الجنائز باب مَنْ أَعْدَأَ الْكَفْنَ میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہبند شریف پہننے ہوئے باہر
تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہبند شریف حضور سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ حضور
علیہ السلام کو اس وقت تہبند کی ضرورت تھی اور سائل کو رو کر ناعادت کر دینے نہیں تھے کیوں مانگ
لیا۔ انہوں نے کہا واللہ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيَسْهَأَ إِنَّمَا
سَأَلْتُهُ لِتَكُونَ كَفْنِي قَالَ سَهْلٌ فَكَانَتْ كَفْنُهُ

اللہ کی قسم میں نے سننے کیلئے نہیں دیا ہے میں نے تو
اس سے دیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سہل فرماتے ہیں کہ میرا کفن ہو

ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور ویلی نے مسند الفردوس میں بسند حسن عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص میں کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹے۔ پھر ان کو دفن کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

اِنِّیْ اَلْبَسْتُهَا لِتَلْبَسَ مِنْ ثِيَابِ الْجَنَّةِ وَ اَنْتَ طَلَّجَتْ مَعَهَا فِي قَبْرِهَا لِخَفِيفَ عَنْهَا ضَخْمَةُ الْقَبْرِ۔
قمیص تو ایسے پسنائی کہ انکو جنت کا لباس ملے اور انکی قبر میں آرام۔ ایسے فرمایا کہ ان سے تلکی قبر در ہو۔

ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ نے وقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ اس قمیص پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

وَ خُذْ ذٰلِكَ الشَّخْرُ وَ اَلْاَطْفَارُ فَاَجْعَلْهُ فِیْ قَبْرِیْ وَ عَلٰی عِزِّیْ وَ مَوَاضِیْعِ السَّجْدِ وَ مِثْقٰلِ
اور ان مبارک بالوں اور ناخنوں کو اور انکو میرے منہ میں اور میری آنکھوں پر اور میرے اعضاء سجدہ پر رکھ دینا۔

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبدالرحمن رواسی سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیقات منظور ہوتو الحرف الحسن مصنفہ علی حضرت قدس سرہ کا مطالعہ کریں۔

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ تو انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ سَبَّ هَذَا الدُّعَاءَ وَ جَعَلَهُ بَيْنَ حَذَرِ الْمَيِّتِ وَ كَفْنِهِ فِیْ رَوْعَةٍ لَّمْ يَنْلَهُ عَذَابُ الْقَبْرِ وَ لَا يَرَى مَنَكْرًا وَ نَكِيرًا۔
جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔

فتاویٰ کبریٰ للعلی میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا۔

اَنْ هَذَا الدُّعَاءُ لَهُ اَصْلٌ وَّ اَنْ الْفَقِيْهَةَ ابْنِ عَجِيْلٍ كَانَ يَأْمُرُ بِهِ ثُمَّ اَفْتَى بِجَوَازِ كِتَابَتِهِ قِيَّاسًا عَلٰی كِتَابَةِ اللّٰهِ فِیْ قَبْرِ الزَّكْوٰةِ۔
اس دعا کی اصل ہے اور فقہ ابن عجل اسکا حکم دیتے تھے اور اس کے لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔ اس قیاس پر کہ زکوٰۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔

وہ دعایا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ الحسن
 میں ترمذی سے نقل کیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتہ اُسے
 مہر لگا کر قیامت کے لیے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ فرشتہ ساتھ لاکر
 نذر کرے گا کہ عہد دے کہاں میں؟ ان کو یہ عہد نامہ دیا جاوے گا امام ترمذی نے فرمایا کہ دَعْنِ طَائِفًا
 أَنَّهُ أَمْرٌ بِهَذَا النُّكْلِ فَلْيَكْتَبْ فِي كَفْنِهِ الْحَسَنُ الْحَسَنُ حضرت طاووس سے مروی ہے کہ انہوں
 نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔ وحیز امام کروری کتاب الاستحسان میں ہے۔
 ذَكَرَ الْإِمَامُ الصَّفَّارُ نَوَكْتُ عَلَى جَبْهَةِ
 الْمَيِّتِ أَوْ عَلَى عِمَامَتِهِ أَوْ كَفْنِهِ عَهْدَ نَامَةِ
 يُرْجَى أَنْ يَعْفِرَ اللَّهُ تَعَالَى لِمَيِّتٍ وَيَجْعَلَهُ
 آمَنًا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

امن دے۔

در مختار جلد اول باب الشہید کے کچھ قبل ہے۔

میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید
 ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے۔
 در مختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر بِسْمِ اللَّهِ
 الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لکھو دی جاوے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گذری؟
 اس نے کہا کہ بعد دفن ملا کہ عذاب آئے مگر جب انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب الہی
 بچ گیا۔ فتاویٰ بزاز میں کتاب الجنایات کچھ قبل ہے۔

اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو
 امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کر دے اور اس کو
 عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ امام نصیر نے فرمایا
 کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے
 اور مروی ہے کہ فاروق اعظم کے اصطل کے

ذَكَرَ الْإِمَامُ الصَّفَّارُ نَوَكْتُ عَلَى جَبْهَةِ
 الْمَيِّتِ أَوْ عَلَى عِمَامَتِهِ أَوْ كَفْنِهِ عَهْدَ نَامَةِ يُرْجَى
 أَنْ يَعْفِرَ اللَّهُ تَعَالَى لِمَيِّتٍ وَيَجْعَلَهُ آمَنًا مِنْ عَذَابِ
 الْقَبْرِ قَالَ نَصِيرُ هَذِهِ رَوَايَةٌ فِي تَجْوِيزِ ذَلِكَ وَ
 تَدْرُسِي أَنَّ كَانَ مَكْتُوبًا عَلَى أَفْعَادِ أَوْلَادِ فِي

أَصْطَبَلِ الْفَأْسُ دُوقِ حَيْسٍ فِي سَيْبِلِ اللَّهِ | گھڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ حَيْسٍ فِي سَيْبِلِ اللَّهِ ان کے علاوہ اور بہت سی روایات فقیر پیش کی جا سکتی ہیں مگر ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیق کے لیے الحرف الحسن یا فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ کرو۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ عہد نامہ وغیرہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر سب گھاس دھول کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہو اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا؟ دوم اس لیے کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچ جاوے تاکہ اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہ ہی اللہ کا نام کچھ بڑا دیکھ کر بھی مروے کو جواب نکیرین یاد آنے کی امید ہے یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث لَقِّنُوا أَمْوَاتَكُمْ میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہہ کر تیسرے اس لیے کہ اللہ والوں کے نام کی برکت سے مصیبت ٹلتی ہے۔ جلی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ گھبرا یا ہوا دل قرار پاتا ہے۔ رب فرماتا ہے اَلَا يَذْكُرُ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں۔ تفسیر فیشاوری روح البیان سورہ کہف زیر آیت مَا يُعَلِّمُ الْاَقْلِيلُ اور تفسیر صادی شریف میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ اصحاب کہف کے نام اتنے جگہ کام آتے ہیں۔ گئی چیز تلاش کرنا۔ جنگ کے وقت بھاگتے وقت آگ بجھاتے کے لیے ایک کا غدر لکھ کر آگ میں ڈال دو۔ بچہ کے رونے کے وقت لکھ کر گہوارے میں بچہ کے سر کے نیچے رکھ دینے جاویں۔ اور کھیتی کے لیے اگر کسی کا غدر لکھ کر کڑی میں لگا کر دریاں کھیت میں کھڑی کر دی جاوے۔ اور بخار۔ درد سر کے لیے عالم سحر کے پاس جانے کے وقت سیدی نانہ لکھ کر باندھے مال کی حفاظت کیلئے۔ دریا میں سوراخ ہونے وقت اور قتل سے بچنے کے لیے راز الحرف الحسن و تفسیر خزان العرفان جمل، عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں۔ یلیخا، کشلینا، مشلینا، مرنوش، و برنوش، شاذنوش، مرطوش روح البیان سورہ کہف آیت مَا يُعَلِّمُ الْاَقْلِيلُ) محدثین کبھی اسناد صحیح نقل کر کے فرمادیتے ہیں ذَوِّ قُرْبَىٰ هَذِهِ الْاِسْنَادُ عَلَىٰ تَجَنُّوْا لَبَرَةٍ مِنْ جَهَنَّمَ ہ اگر یہ اسناد کسی دیوانے پر پڑھی جائے تو اس کو آرام ہو جاوے اسناد میں کیا ہے بزرگان دین، راویان حدیث کے نام ہی تو ہیں۔ اصحاب بدر کے نام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں۔ تو زندگی میں تو ان بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں۔ اور بعد موت بیکار ہوں۔ یہ تمہیں ہو سکتا ضرور ان سے فائدہ ہو گا لہذا

میت کے لئے کفن وغیرہ پر ضرور عہد نامہ لکھا جاوے۔

دوسرا باب

کفنی کھنے پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

اعتراض (۱) اوہ ہی پرانا سنن کہ کفنی (الفی) کھنا بدعت ہے۔ لہذا حرام ہے۔

جواب :- ہمارے گزشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا کہ یہ بدعت نہیں۔ اس کی اصل ثابت ہے اور

اگر بدعت بھی ہو۔ تو یہ بدعت حرام نہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی تحقیق۔

اعتراض (۲) کفنی کو تلفیق سمجھنا غلط ہے کیونکہ اگر مرد بے پردہ ہے تو سوالات کے تحت لکھا جاوے۔ پڑھے گا۔

جواب :- بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے۔ یہ حالت اس عالم میں ہو سکتی ہے وہاں نہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ہر جنت کی زبان عربی ہے (دیکھو شامی کتاب الکرامت) حالانکہ بہت جنتیں دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مرد سے عربی میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے۔ رب تعالیٰ نے میثاق کے دن عربی ہی میں سب سے عہد و پیمان لیا تو کیا مرنے کے بعد میت کو کسی مدرسہ میں عربی پڑھائی جاتی ہے؟ نہیں بلکہ خود بخود آجاتی ہے۔ قیامت کے دن سب کو نامہ اعمال رکھے ہوئے ہی دیئے جائیں گے۔ اور جابل و عالم سب ہی پڑھیں گے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا پڑھ لیتا ہے لہذا یہ تحریر اس کے لئے مفید ہے۔

اعتراض (۳) علامہ شامی نے شامی جلد اول میں باب التثہد کے کچھ قبل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ میں اس کو منع فرمایا کیونکہ جب میت پھوٹے پھٹکی تو اس کے پیپ و خون میں یہ حروف خراب ہوں گے۔ اور ان کی بے ادبی ہوگی لہذا یہ ناجائز ہے (مخالفین عام طور پر یہی سوال کرتے ہیں)

جواب :- اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہوا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے

اور اگر انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا کہ عہد نامہ قبر میں طاق میں رکھ دیا تو جائز۔ اس میں رسول کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔ لہذا یہ اعتراض آپ کے لئے کافی نہیں۔ دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔ اسی مقام پر خود فرماتے ہیں۔

فَعَمَّ قَوْلُ عَنْ بَعْضِ الْمُحْسِنِينَ عَنْ شَاوِدِ الشَّيْخِ حُجِّيٍّ أَنَّ مِمَّا يَكْتَسِبُ عَلَى جَبَهَةِ الْمَيِّتِ بِغَيْرِ مَدَادٍ أَوْ لَوْنٍ أَوْ صَبْغٍ أَوْ سَبْغَةٍ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَعَلَى الصَّدْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَذَلِكَ بَعْدَ الْغُسْلِ قَوْلَ التَّكْفِينِ۔

بعض محققین نے فائدہ الشرحی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنائی لکھ دیا جاوے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور سینے پر لکھ دیا جاوے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو۔

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ جزائریہ سے فتویٰ جواز نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکابر حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن حجر نے فتویٰ حرمت نقل کیا ابن حجر شافعی ہیں تو کیا احناف کے حکم کے مقابل شوافع کے فتوے پر عمل ہوگا ہرگز نہیں۔ نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ ابن حجر کا اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی میتیں نہیں پھولتی پھٹتی ہیں۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مردہ کو نامہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم نے پہلے باب میں صحابہ کرام کے افعال نقل کیئے کہ انہوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف اپنی تحت عکر زینب بنت رسول اللہ کے کفن میں رکھوایا حضرت طاؤس نے اپنے کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہیئے کیا یہاں خون و پیپ میں ٹھہرنے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظمہ تھیں چھٹے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ متبرک چیزوں کا نجاست میں ڈالنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ ضرورتاً رکھے تو صرف احتمال تلوث سے وہ ناجائز نہیں ہوگا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں اب زمرم نہایت متبرک پانی ہے اس سے استنجہ کرنا حرام ہے مگر اس کا پینا جائز۔ آیات قرآنیہ لکھ کر دھو کر پینا مباح۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پس خورہ مبارک کھانا پینا جائز حلال۔ حالانکہ یہ پیٹ میں پہنچ کر مثانہ میں جاتے ہیں ارد ماں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطفیل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ حَبِيسٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَالَا نَكَرَ دُحُلًا لُكْهَنَ فِي مِشَابٍ كِي مِثَابِيں

پڑنے کا احتمال قوی ہے گھوڑے نجس زمین پر بھی لوٹتے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو جائز فرماتے ہیں درمناشیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر امتیاز کے لیے تھی لہذا اس کا حکم اور ہو گیا یہ صحیح نہیں کیونکہ کسی مقصد کے لیے مہجور و ناپاک ہی ہیں نیت کے فرق سے حروف کا حکم نہیں بدلتا۔ عز منکذ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور اقوال ائمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی القیاس کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث ممانعت کی پیش کر دو۔ اور وہ تو نہ ملے گی۔ ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے استحباب یا حلو ثابت ہو سکتا ہے مگر کرامیت کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان اقوال میں قول استحباب قابل قبول ہے نہ کہ یہ قول کرامت کیونکہ بلا دلیل ہے۔

اعترض (۴) عہد نامہ یا شجرہ قبریں رکھنا اسراف ہے کیونکہ وہاں رہ کر کسی کے کام تو آویگا۔ نہیں برباد ہو جاوے گا۔ اور اسراف حرام ہے۔

جواب: چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدے ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہذا بیکار نہیں تو اسراف بھی نہیں۔

اعترض (۵) حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا مگر اسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفنی بیکار ہے۔ نیز پتہ لگا۔ کہ حضور کو علم غیب نہیں۔ ورنہ آپ اس کو اپنا لعاب دہن و لباس نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن و درخ میں جاسکتے ہیں۔ کیونکہ عبداللہ ابن ابی منافق روزِ حشر ہے اور اس کے منہ میں حضور کا لعاب۔ لہذا لعاب بھی وہاں ہی پہنچا۔

جواب: اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیونکہ حضور علیہ السلام نے منافق کو اپنی قمیص بطور کفنی ہی پہنائی تھی۔ ہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات فائدہ مند نہیں۔ ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ مومن میت کو کفنی مفید ہے نہ کہ کافر کو۔ حضور علیہ السلام کو عبداللہ ابن ابی منافق ہونا معلوم تھا کہ آپ ہی کے بتائے سے ہم نے جاننا۔ یہ بھی خبر تھی کہ ایمان کے بغیر تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے جس کا علم نبی کو ضروری ہے۔ جب کسان بنجر و قابل پیداوار زمین کو پہچانتا ہے تو نبی ایمان کی زمین یعنی

انسانی دلوں کو کیوں نہ جانیں۔ تین وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دیئے ایک تو اس کا میثا مخلص مومن تھا۔ جس کی دلجوئی منظور تھی۔ دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس کو اپنی قمیص پہنائی تھی۔ آپ نے چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے تیسرے اپنے رحمت عالم ہونے کا اظہار کیا تھا کہ ہم تو سب ایک پر کرم فرمانے کو تیار ہیں کوئی فیض ے یا نہ ے، بادل سرزمین پر برستا ہے مگر نہانی وغیرہ گندی زمین اس سے فائدہ نہیں لیتی۔ نبی کے اجزائے بدن اسی حالت میں رہ کر دوزخ میں نہیں جاسکتے۔ بلائیں گے وہ لعاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکال دیا ہوگا۔ کنگان ابن فوح کا دوزخ میں جانا شکل انسانی میں ہے یعنی وہ لطف جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔ ورنہ حضرت طلحہ نے حضور کے فصد کا خون پایا تو فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔

بحث ۱۹ بلند آواز سے ذکر کرنا

پنجاب وغیرہ میں قاعدہ ہے کہ بعد نماز فجر و عشاء بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہیں مخالفین اس کو حرام کہتے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کو روکنا چاہتے ہیں ایک حیلہ یہ ہے کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اصول خفیہ کے خلاف ہے۔ اس سے نمازی لوگ نماز میں بھول جاتے ہیں۔ لہذا یہ حرام ہے ذکر بالجہر جائز بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہے لہذا اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب ذکر بالجہر کے ثبوت میں

ذکر بالجہر جائز ہے اور قرآن و حدیث و اقوال علماء سے ثابت ہے قرآن فرماتا ہے فَادْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا اَللّٰهُ اَسْمٰى مِنْ ذِكْرِكُمْ وَ هُوَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اس سے زیادہ۔ کفار مکہ حج سے فارغ ہو کر معبوں میں اپنی قومی خوبیاں اور نسبی عظمتیں بیان کیا کرتے تھے اس کو منع فرمایا۔ اور اسکی جگہ ذکر اللہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بالجہر ہی ہوگا۔ اسی لئے تنبیہ بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے خاص کر جماعتوں کے ملنے کے وقت کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔
جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو۔
اور خاموش رہو۔

معلوم ہوا کہ بلند آواز سے تلاوت جائز ہے۔ ذکر بالغیر ہی سنا جا سکتا ہے نہ کہ ذکر خفی (تفسیر کبیرہ) ہی آیت، مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَوةٍ يَقُولُ بِصَوْتِهِ الْأَعْلَى لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ۔
حضرت علیہ السلام جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے فرماتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ۔ مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ أَخْرِتُ انْقِصَاءَ صَلَوةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْكَفِّيرِ۔
یعنی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بوجہ صغیر سنی کے بعض جماعت نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے فرمایا کہ نماز کے بعد مسلمان اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے کہ ہم گھروں کے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اب نماز ختم ہوئی۔ لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ لَمْ يَحْضُرِ الْجَمَاعَةَ لِأَنَّهُ كَانَ ضَعِيفًا وَمِنْ لَا يُؤَظُّبُ عَلَى ذَلِكَ۔
حضرت ابن عباس بچے تھے اس لیے جماعت میں پابندی سے نہ آتے تھے۔

مسلم جلد اول باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ان ہی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
إِنْ سُرِعَ الصَّلَاةُ بِالْذِّكْرِ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي فَرِيقٌ سُرِعَ فَارَغَ مِنْهُ بَلَدُ آوَاذَ سَ دَكَرَ اللّٰهُ كَرَا حَضُورَ عَلِيهِ السَّلَامُ كَ زَمَانِ فِي مَرُجَ تَحَا۔
مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَإِنْ ذَكَرْتَنِي فِي نَفْسِي ذَكَرْتَنِي فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرْتَنِي فِي مَلَأَةٍ ذَكَرْتَنِي فِي مَلَأَةٍ خَيْرٌ مِنْهُمْ۔
جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے تو ہم بھی اس کو اپنے نفس میں یاد کرتے ہیں اور جو مجمع میں ہمارا ذکر کرے تو ہم بھی اس کے بہتر مجمع میں اسکا ذکر فرماتے ہیں یعنی مجمع ملائکہ میں جماع صغیر میں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأَةٍ ذَكَرْتَنِي فِي مَلَأَةٍ خَيْرٌ مِنْهُمْ۔
حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے

سَلَّمَ الْكُفْرُ فِي الْجَنَّةِ قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ | فرمایا کہ جنازہ میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ زیادہ کہا کرو۔
 اس سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی اور ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے بلند آواز سے پڑھا
 خفیہ رسالہ از کار مطبوعہ دہلی مصنف شیخ محمد مختار نوی مودی رشید احمد صاحب کے استاذ حدیث صفحہ ۹۷ میں ہے
 أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْعَلُ الصَّحَابَةَ بِأَرْوَاحِهِمُ الْوَهْلِيلِ وَالسَّامِعِ بَعْدَ الصَّلَاةِ | حضور علیہ السلام نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ
 تیسوع و تہلیل بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۴ زیارت سر بناء اخلفت هذا اباطلا سبعتك فقينا عذاب التاكره |
 بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ یہ
 سے نہ ہوتا کہ دین کا اظہار ہو۔ ذکر کی بکثرت گھر میں
 سامعین تک پہنچے اور جو کوئی اس کی آواز نہ سنے ذکر
 میں مشغول ہو جاوے اور قیامت کے دن ہر خشک
 و تر ذکر کے ایمان کی گواہی دے۔
 الَّذِي كَرُمُ نَفْعِ الصَّوْتِ جَابِئُ بَلِّ مُسْتَعْتَبٌ إِذَا
 لَمْ يَكُنْ عَنْ رَبِّهِ عِلْمًا يَغْتَنِمُ النَّاسُ بِأُظْهَارِ الدُّعَاءِ
 وَوَصُولِ بَرَكَاتِهِ الذِّكْرُ إِلَى السَّامِعِينَ فِي الدُّوْرِ
 وَالْبَيُوتِ وَيُؤَافِقُ الذِّكْرُ مَعَ سَمْعِ صَوْتِهِ وَيَسْمَعُ
 لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُلُّ رُطْبٍ وَيَأْكُلُ سَمْعُ صَوْتِهِ

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں بہت سے دینی فائدے ہیں تفسیر خازن روح البیان پارہ ۲ میں نیز
 آیت دَاتِنَا آذَانَ مَن بُوْهُمُ اَلْاِيْكُ رُوَايَةُ نَفْلٍ كِي كَرُحْمُو عَلِيهِ السَّلَامُ نَعِيْدَا اَبُو مُوسَى اَشْعَرِي سِي فَرَمَا
 آج رات ہم نے تمہاری قرأت قرآن کی تم کو تو واؤ سی آواز دی گئی ہے۔ ابو موسیٰ اشعریٰ فرماتے ہیں۔
 فَقُلْتُ اَمَّا وَاللَّهِ لَوْ عَلِمْتُ اَنْتَ تَسْمَعُ لَخَبَرْتَهُ | میں نے عرض کیا کہ آپ کی قسم اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن
 قرآن سن ہے میں صلی اللہ علیہ وسلم تو میں بھی آواز بنا کر پڑھتا
 سُبُوْرُ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ الصَّوْتِ -

۲۱ حدیث سے روایت میں معلوم ہوئی۔ اولاً یہ صحابہ کرام بلند آواز سے ذکر کرتے تھے کہ باہر آواز آتی تھی
 یہ کہ ذکر اللہ تلاوت قرآن عبارت الہی ہے اور عین عبارت میں حضور علیہ السلام کو خوش کرنا صحابہ کرام کی تسامحی سے

حَمَامَةُ جَرَعِي حَوْمَةُ الْجُنْدِلِ السَّجْعِي | فَأَنْتَ بِمَدَائِي مِنْ سَعَادَةٍ وَمُسْمَعِي |
 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب صلوة اللیل میں روایت ہے کہ ایک شب حضور علیہ السلام اپنے جانشین
 کرام کا امتحان لینے کے لیے تشریف لے گئے کہ ان کے رات کے مشاغل کو ملاحظہ فرمادیں۔ ملاحظہ فرمایا کہ صدیق
 اکبر تو بیست آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں اور فاروق اعظم غریب بلند آواز سے صبح کو ان صاحبوں سے دیر دیر
 فرمائی تو صدیق نے عرض کیا کہ اَسْمَعْتُ مِنْ فَحِيصَتِ يَارَ مَوْلَى اللَّهِ يَا حَبِيبَ اللَّهِ حِينَ كُوسَانَا مَنُورًا تَخَالِصَ

کو میں نے سنا یہاں یعنی رب کو فاروق اعظم نے عرض کیا کہ اَوْقِظْ الْوَسْطَانَ وَأَطْرُدِ الشَّيْطَانَ سوتوں کو جگا رہا تھا۔ شیطان کو جگا رہا تھا۔ سبحان اللہ دونوں جواب مبارک میں کسی پرناڑھنگی نہ فرمائی۔ بلکہ فرمایا صدیق تم اپنی آواز کچھ بلند کرو۔ اور فاروق تم کچھ لپست کرو۔ صلی اللہ علیہ وسلم جمعین۔

مشکوٰۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ میں حضرت پرہیز راضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ عشاء کے وقت مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ ایک شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے میں عرض کیا کہ یا حبیب اللہ یہ کیا کر رہے فرمایا بَلِّ مُؤْمِنٌ مُّثِيبٌ نہیں بلکہ توبہ کرنے والا مومن ہے عالمگیری کتاب الکرامۃ باب چہارم فی الصلوٰۃ والتسبیح وقرۃ القرآن میں ہے۔ قَاضٍ عِشْدًا جَمْعٌ عَظِيمٌ يَزْفِقُونَ أَصْوَاتَهُمْ بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ جَمْلَةً لَا بَأْسَ بِهِ كَسَى قَاضِي كَسَى بِيْضٍ بِيْضٍ جَمَاعَتٍ جَمَاعَتٍ جَمَاعَتٍ جَمَاعَتٍ سب مل کر بلند آواز سے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہیں تو اس میں حرج نہیں۔

عالمگیری میں اسی جگہ ہے اَلَا فَضْلٌ فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ خَاصَرَجَ الصَّلَاةِ اَلْجَهْرُ۔

پڑھے۔

عالمگیری یہی مقام اَمَّا التَّسْبِيحُ وَالتَّهْلِيلُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ وَاِنْ رَفَعَ صَوْتَهُ سُبْحَانَ اللّٰهِ یا لا الہ الا اللہ کہنے میں حرج نہیں۔ اگرچہ بلند آواز سے کہے۔ شامی جلد اول مطلب فی احکام المسجد سے متصل ہے۔ اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَلَفًا وَخَلْفًا عَلَى اِسْتِحْبَابِ ذِكْرِ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ اِلَّا اَنْ تَشُوْشَ جَهْرُهُمْ عَلَى نَائِمٍ اَوْ مُسَلٍّ اَوْ نَائِمٍ شامی میں اسی جگہ ہے فَقَالَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اِنَّ الْجَهْرَ اَفْضَلُ لِاَنَّهُ اَكْثَرُ عَمَلًا وَلَبَّغْدَادِي نَائِدَتِهِ اِلَى السَّاعِيَيْنِ وَيُوَقِّظُ قُلُوبَ الْغَائِلِينَ فَيَجْمَعُ هَمَّهُ اِلَى الذِّكْرِ وَيَسْمَعُ سَمْعَهُ اِلَيْهِ وَيُطِرِدُ الشَّيْطَانَ وَيَسْتَبِيحُ النَّبِيَّ وَالنَّبِيَّةَ وَالنَّبِيَّ وَالنَّبِيَّةَ۔

در مختار باب صلوٰۃ الصیدین بحث تکبیر تشریح میں ہے۔

وَلَا يَنْعَمُ الْعَامَّةُ مِنَ التَّكْبِيرِ فِي الْاَسْوَاتِ | بقرعید کے دس دنوں میں عام مسلمانوں کو بازاروں

فی الْاَيَّامِ الْعَشْرِ وَبِهِ نَأْخُذُ۔ | میں نعرہ تکبیر کہنے سے نہ روکواسی کو ہم اختیار کرتے ہیں
غالباً اس زمانہ میں عوام عید کے دنوں میں بازاروں میں نعرہ تکبیر لگاتے ہوں گے یہ اگرچہ بدعت ہے
مگر فرمایا کہ اس سے منع نہ کرو۔ اسی عبارت کے ماتحت شامی میں ہے ۔

تَبْلُغُ رَايَ حَنِيفَةٍ يَسْبُغِي رَاھِلَ الْاَوَّلَةِ
وَعَیْرَهَا اَنْ تَكْبُرَ وَاَيَّامِ الْعَشْرِ فِي الْاَسْوَاتِ
وَالْمُسْجِدِ قَالَ لَعَمْرُكَ قَالَ الْفَقِيْهُ أَبُو جَعْفَرٍ
وَالَّذِي عِنْدِي اَنْتَه لَا يَسْبُغِي اَنْ تَمْنَحَ
الْعَامَّةُ عَنْهُ لِقَلَّةِ مَرَعِيَّتِهِمْ فِي الْخَيْرِ وَبِهِ
نَأْخُذُ فَاَقَاوَانٌ فَعَلَهُ اَوَّلًا ۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوفہ وغیرہ
کے لوگوں کو یہ مستحب ہے کہ عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں
اور مسجدوں میں تکبیر کہیں فرمایا کہ ہاں امام ابو
جعفر قدس سرہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ
عوام کو اس تکبیر سے نہ روکا جاوے کیونکہ وہ پہلے ہی
کار خیر میں کمر بستہ رکھتے ہیں اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں
اس سے معلوم ہوا کہ یہ بازاروں کی تکبیریں مستحب ہیں ۔

کتاب الاذکار مصنف امام نووی کتاب الصلوۃ علی النبی میں ہے یُسْتَحَبُّ لِقَابِرِی الْیَدِیْثِ
وَعَیْرِهِمْ مِثْلَ مَعْنَاهُ اِذَا ذُکِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّرْفَعَ صَوْتَهُ بِالصَّلٰوَةِ
عَلَیْہِ وَالتَّسْلِیْمِ بِہِ وَقَالَ النُّصُ الْعُلَمَاءُ مِنْ اَصْحَابِنَا وَغَیْرِہُمْ عَلَیْ اَنْتَه یُسْتَحَبُّ اَنْ یَّرْفَعَ
صَوْتَهُ بِالصَّلٰوَةِ عَلَی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی التَّسْلِیْمِ یعنی حدیث شریف پڑھنے
والوں وغیرہم کو چاہیے کہ جب حضور کا ذکر ہو تو بلند آواز سے صلوۃ و سلام پڑھیں ہمارے علماء نے
تصریح فرمائی کہ تلبیہ میں حضور پر بلند آواز سے درود پڑھے ۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث و فقہی عبارات میں کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر کفایت کی
جاتی ہے بحمد اللہ تعالیٰ مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی اس میں ہم سے متفق ہیں چنانچہ
فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم کتاب الخطر والا باہر صفحہ ۱۰ میں ایک سوال و جواب ہے سوال یہ ہے کہ ذکر
بالجہر اور دعا بالجہر اور درود بالجہر خواہ جہر خفیف ہو یا شدید جائز ہے یا نہیں ؟ الجواب ذکر جہر خواہ کوئی
ذکر ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نفی ہے وہاں مکروہ ہے اور صحابین
و دیگر فقہاء و محدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اختیار مذہب صاحبین ہے ۔

مصرع مدنی لاکھ پر بھار ہے گواہی تیری
اب تو کسی دیوبندی دہانی کو حق نہیں کہ کسی سنی مسلمان کو بلند آواز ذکر سے روکے۔ کیونکہ اس کے
بلا کر اجبت جواز پر جبر بھی ہو چکی۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ ذکر بالجہ جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو اس لیے کہ قاعدہ شریعت ہے کہ
ثواب بقدر محنت ملتا ہے۔ اسی لیے سردی میں وضو کرنا۔ اندھیری رات میں مسجدوں میں جماعت
لیے آنا، دور سے مسجد میں آنا زیادہ ثواب کا باعث ہے (دیکھو مشکوٰۃ وغیرہ) اور ذکر بالجہ میں بمقابلہ
خفی کے مشقت زیادہ ہے لہذا یہ افضل ہے۔ دوسرے اس لیے کہ مشکوٰۃ کتاب الاذان میں ہے کہ
جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے۔ وہاں تک کے تمام درخت رپتے، گھاس، جن دانس قیامت
میں اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ تو ذکر بالجہ سے بھی اس فائدے کی امید ہے۔ تیسرے اس لیے
کہ خفی ذکر کا فائدہ صرف ذاکر کو ہے مگر ذکر بالجہ کا فائدہ ذاکر کو بھی کہ کلمہ وغیرہ کی ضرب سے دل بیدار
ہوتا ہے اور سامعین کو بھی کہ ممکن ہے کہ وہ بھی سن کر ذکر کریں۔ اگر نہ بھی کریں تو بھی سننا ثواب
ہے اور لازم سے متعدی اچھا۔ چوتھے اس لیے کہ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے کہ آذان کی آواز سے
شیطان بھاگتا ہے۔ ابھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب اقل کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے عرض
کیا تھا اَطْرَدُ الشَّيْطَانَ جس سے معلوم ہوا کہ دیگر اذکار سے بھی شیطان بھاگتا ہے اس لیے ذکر بالجہ میں
شیطان سے بھی امن ہے۔ پانچویں اس لیے کہ ذکر بالجہ سے غینہ اور کسل و سستی دور ہوتی ہے ذکر خفی میں
اکثر غینہ بھی آجاتی ہے مگر یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے کہ جب ریاکاری کے لیے نہ ہو اگر ریا کیلئے
ہے تو ریا کی نیت سے مراقبہ کرنا، نماز پڑھنا بھی گناہ کا موجب ہے۔ حضرات نقشبندیہ قدس
اسرارہم کا مشغلہ ذکر خفی ہے وہ تو اس پر عامل ہیں۔

دل میں ہو یاد تری گوشہ تنہائی ہو ۴ پھر تو خلوت میں غیب انجمن آرائی ہو

باقی سلاسل کے ادیباء ذکر بالجہ میں مشغول رہتے ہیں ان کا اس پر عمل ہے۔

سارا عالم ہو مگر دیدہ دل دیکھے تمہیں انجمن گرم ہو اور لذت تنہائی ہو

برود حضرات خدا کے پیارے ہیں۔ نقشبندی حضرات تو خلوت میں جلوت کرتے ہیں اور باقی
حضرات جلوت میں خلوت مگر کَلَّا وَعَدَّ اللَّهُ الْمُحْسِنُ اللہ تعالیٰ نے سب سے جنت کا وعدہ فرمایا مگر ان کا

یہ اختلاف علت و حرمت میں نہیں۔ اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔ نہ تو خفی دل سے جہر والوں کو طعن کریں نہ جہر والے خفی والوں کو یہ ساری گفتگو ان دیوبندیوں وغیرہ سے ہے جو کہ جہر پر فتویٰ حرمت لگاتے ہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہ کے اس فرمان کے قربان کہ نہ ایں کار میکنم و نہ انکار میکنم یعنی اللہ عنہم انجمنین۔

دوسرا باب

ذکر بالجہر پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر مخالفین دو طرح کے اعتراض کرتے ہیں نقلی اور عقلی ہم اولاً نقلی اعتراضات میں مع جواب عرض کرتے ہیں

اعترض لا وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخَفِيَّةً وَدَوِّنَ الْجَهْرَ مِنْ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَلِ

اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو وزاری اور ڈر سے اور بغیر آواز بکلمے صبح و شام۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی دل ہی میں چاہیے بلند آواز سے منع ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں اولاً یہ کہ اس آیت میں ذکر بحالت نماز مراد ہے یعنی اخفا کی نمازوں میں قرأت یا مقتدی ہر نماز میں یا التیمات وغیرہ دل میں پڑھے یا امام قدر ضرورت زیادہ آواز نہ نکالے تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَمَنْ أَمَّ فِي صَلَاةِ الْجَهْرِ يُسَبِّحُ لَهُ أَنْ لَا يَجْهَرَ جَهْرًا شَدِيدًا بَلْ يَقْتَصِرْ عَلَى قَدِيمَا يَسْمَعُهُ مَنْ خَلْفَهُ قَالَ فِي الْكُشْفِ لَا يَجْهَرُ قَوْلَ حَاجَةِ النَّاسِ وَكَأَنَّهُ مُمِيسٌ

جو شخص جہری نماز میں امامت کرے وہ ہیبت آواز سے قرأت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں۔ کشف میں فرمایا کہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ چرخے ورنہ گنہگار ہوگا۔

تفسیر کبیر میں اس آیت کے ماتحت ہے۔ وَالْمُرَادُ مِنْهُ أَنْ يَقَعُ ذَلِكَ إِذَا كُنْتَ حَيْثُ يَكُونُ شَطْرُ بَيْنِ الْجَهْرِ وَالْخَافَةِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا تَجْهَرُ لِعَنِي مَرُوبٍ ہے کہ جہر و اخفاء کے درمیان ذکر اللہ چاہیے۔ تفسیر نازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَعْنِي بِالَّذِي كَرَّرْنَا فِي الصَّلَاةِ يُرِيدُ اقْتِرَافًا فِي نَفْسِكَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد نماز میں تلاوت قرآن ہے مقصود یہ ہے کہ دل میں تروت کر و خود قرآن کریم نے دوسری جگہ اس کی یوں تفسیر فرمائی۔

وَلَا يَخْفَىٰ يَوْمَ ذَلِكَ شَيْئًا ۖ

اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ ان دونوں کے بیچ میں راستہ ڈھونڈو۔

اور ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالقرآن سب پر مقدم ہے دوسرے یہ کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ذکر محض قوی نہ ہو بلکہ قول کے ساتھ قلب بھی شامل ہو کہ اسکے بغیر ذکر بیکار ہے غان میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَقِيلَ الْمُرَادُ بِذَلِكَ فِي النَّفْسِ اَنْ يَسْتَحْضِرَ فِي قَلْبِهِ عَظَمَةَ الْمَذْكُورِ حَتَّىٰ يَجْلَلَ لَهٗ اِذَا كَانَ الَّذِي خُذَ بِاللِّسَانِ عَلَيْهِ يَأْمُرُ ذِكْرُ الْقَلْبِ كَانَ عِدِيمُ الْغَالِيَةِ لَئِنْ فَادَاكَ الَّذِي كَرِهْتَ حَضَرُوا الْقَلْبَ فَاسْتَشْعَرُوا عَظَمَةَ الْمَذْكُورِ حَتَّىٰ يَجْلَلَ لَهٗ

کہا گیا ہے کہ دل میں ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ قلب میں خدائے قدوس کی عظمت موجود ہو یعنی جیکر زبانی ذکر قلبی ذکر سے خالی ہو تو بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ذکر کا فائدہ قول کا حامل کرنا اور خدائے تعالیٰ کی عظمت کا دل میں لانا ہے۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر قلبی ذکر بالجبرہ سے بہتر ہے یعنی یہ امر استجابی ہے اور استجاب بھی ہر وقت اور ہر حیثیت سے نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ہے۔ اسی لیے یہ آیت اس آیت کے بعد ہے کہ وَادْفَعِ الْقِرْنَ فَاَسْتَعْوَا لَتَدُونُنَّ اَيُّوْنُ كَيْفَ مَلَانِي سَعِي مَعْلُوم ہوا کہ ذکر الہی کبھی بالجبرہ چاہیے اور کبھی آہستہ۔ جب بالجبرہ ہو تو خاموشی سے ستو۔ اور جب آہستہ ہو تو اس میں غور و فکر کرو۔ اگر جبر میں خوف ریا ہے تو سکوت بہتر۔ اور اگر یہ مقصود ہو کہ شیطان دفع ہو قلب بیدار ہو۔ اور سونے والے جاگ جاویں اور تمام چیزیں قیامت کے دن فکر کے ایمان کی گواہی دیں تو جبر بہتر ہے۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ ۚ وَهُوَ الَّذِي كَرَّمَا اَلْكَوَامِ النُّعْمِ فَاَنْ اِلِخْفَاءَ اَدْخُلَ فِي الْاِخْلَاصِ وَاقْرَبُ مِنَ الْاِجَابَةِ وَهَذَا الَّذِي كَرَّمَا اَلْكَوَامِ كَلَامًا مِنَ الْقِرَاءَةِ وَالِدَعَاءِ وَغَيْرِهَا۔

اس سے مراد ہے ذکر خفی کیونکہ اخفا کو اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور یہ قبولیت سے زیادہ قریب ہے اور یہ ذکر مقام ذکر دل اور قریب اور دعاؤں کو شامل ہے۔

آہستہ ذکر دلوں افضل ہے جہاں کہ ریا کا خوف ہو یا نازیروں یا سونے والوں کو ایذا ہو اور اس کے

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے بِأَنَّ الْاِخْفَاءَ اَفْضَلُ حَيْثُ خَافَ الرِّيَاءَ اَوْ تَاَذَىٰ

الْمُسْلِمُونَ أَدْبَارُ النَّاسِ وَالْجَهْرُ أَفْضَلُ فِي غَيْرِ ذَلِكَ
لَا تَلْعَلُ الْعَمَلُ فِيهِ الْكُفْرُ لَدُنْ قَائِدَتَهُ تَتَعَدَّى
إِلَى السَّامِعِينَ وَلَا تَلْعَلُ يُوقِظُ قَلْبَ الذَّاكِرِ جَمِيعُ
هَبْتَهُ وَيَصْرِفُ سَمْعَهُ إِلَيْهِ -

اعتراف (۲) وَاذْعُوْا اَسْرَ بَكُمُ نَضْرُفًا وَحَقِيْقَةً
اِنَّهٗ لَا يَكِيْتُ الْمُعْتَدِيْنَ -

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر خدا کو ناپسند ہے۔

جواب۔ اس کے بھی چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الہی کا
واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تاکہ اخلاص تام ہو تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔
یعنی زاری اور عاجزی کرتے ہوئے دعا کو خفیہ کرتے
ہوئے دعا کرنا کہ قبولیت قریب ہو کیونکہ چپکے سے
دعا کرنا اخلاص کی اور ریا سے دور ہونے کی دلیل ہے
کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حقیقہ دعا ہے اور یہ
بھی صحیح ہے کیونکہ دعا سوال اور طلب ہے اور
یہ ایک قسم کی عبادت ہے۔

أَمْ مَتَّضَتِ عَيْنُ مُتَذَلِّلِينَ مُخَفِّفِينَ الدُّعَاءَ
يَكُونُ أَقْرَبَ إِلَى الْإِجَابَةِ لِكُونِ الْإِخْفَاءِ
دَلِيلَ الْإِخْلَاصِ وَالْإِحْتِرَازِ عَنِ التَّيَرَاءِ
تفسير خازن یہی آیت وقيل المراد به حقيقة
الدُّعَاءِ وَهُوَ الصَّيْحَمُ لِأَنَّ الدُّعَاءَ هُوَ التَّوَلَّى
وَالطَّلَبُ وَهُوَ دَعْوُ مِنَ الْعِبَادَةِ -

تفسیر خازن اسی آیت کے ماتحت ہے وَلَا دُبُّ فِي
الدُّعَاءِ أَنْ يَكُونُ خَفِيًّا لِهَذِهِ الْآيَةِ قَالَ الْحَسَنُ
دَعْوَةُ التَّيَرِّ وَدَعْوَةُ الْعَلَانِيَةِ سَبْعُونَ ضِعْفًا

دعا کا طریقہ یہ ہے کہ خفیہ ہو۔ اسی آیت کی وجہ سے
حسن نے فرمایا کہ خفیہ ایک دعا اور علانیہ ستر دعا
ب برابر ہیں۔

یابہ مراد ہے کہ بعض حالات میں ذکر الہی خفیہ اور بہتر ہے یعنی ادعوائے مرادہ ذکر الہی ہے اور یہ امر استنباطی
ہے اور یہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنَّ إِخْفَاءَ الطَّاعَاتِ
وَالْعِبَادَاتِ أَفْضَلُ مِنْ إِظْهَارِهَا لِهَذِهِ الْآيَةِ
وَيَكُونُهَا أَبْعَدَ مِنَ التَّيَرَاءِ وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى

بعض مفسرین ادھر گئے ہیں کہ عبادتوں کو خفیہ کرنا
ظاہر کرنے سے بہتر ہے اسی آیت کی وجہ سے
اور اس لئے کہ یہ ریا سے زیادہ دور ہے اور بعض

أَنَّا قَامَسَ مَا أَتَىٰ لِي بِقَسْدِي بِهِ الْغَيْبُ مَعْلٌ
مَثَلٌ عَلَيْهِ دَوَّهَبٌ بَعْضُهُمْ لِي أَنَّا ظَهَرْنَا
الْعِبَادَاتِ الْمَقْرُونَةِ أَفْضَلُ مِنْ إِعَادِ مَا
اعْتَرَضَ ۳۲) وَإِذَا سَأَلْتُ عِبَادِي مَعْنَىٰ قَاتِي
قَرِيبٌ أَحْيَيْتُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا -

فرماتے ہیں کہ اہلدار افضل ہے تاکہ وہ سرے
بھی اس کی پیروی کر کے عبارت کریں اور بعض فرما
ہیں کہ غرضی عبادات کا اہلدار اخفا ہے بہتر ہے
اور اسے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے جو میں
میں نزدیک سے عاقبتوں کے تاہم چکا نیلے، کجنگے پکارے
اس آیت کو یہ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہم سے قریب دل کے خیالات اور آہستہ بات کو سنتا ہے
پھر بلند آواز سے پکارنا بے کار ہے۔

جواب ۱۔ اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے خیال کو باطل فرمایا گیا جو ذکر بالجہر سمجھ کر کریں کہ
مذاہم سے دور ہے بغیر بلند آواز کے وہ ہماری سنتا نہیں یہ خیال محض جہالت ہے ذکر بالجہر تو غافل
قلب کو جگانے کے لئے ہوتا ہے۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بدوی نے
حضرت علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب تعالیٰ قریب
ہے تاکہ اس سے مناجات کریں یا دور ہے کہ
اس کو پکاریں اس پر رب نے فرمایا۔

وَسَبَّحُ تَوَلَّيْهِ مَا رُبِّي أَنَا إِمْرَأَتَا قَالَ
لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَرَىٰ
رَبَّنَا فَنَسْأَلُ أَمْرًا بَعِيدًا فَنَدَّيْهِ فَقَالَ
تَعَالَى -

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو دور سمجھ کر پکارنا بے کار ہے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ غزوہ خیبر کے
موقع پر اتنی جگہ لوگ نعرہ مکیں لگانا چاہتے تھے اور حضرت علیہ السلام کا منشاء تھا کہ ہم خفیہ طور پر وہاں پہنچ جائیں
کہ کفار کو خبر نہ ہو چنانچہ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

جبکہ حضرت علیہ السلام خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ
کسی اونچے جنگل پر چڑھ کر وہاں سے بلند آواز سے
تکبیر کہہ رہے تھے حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی جانوں
پر زنی کہ تو کسی بہرے یا فاش کو نہیں پکارتے ہو
یہ موقع اور محل کے اعتبار سے ہے اور غافل لوگوں کے
حال کے لائق ذکر بالجہر ہے بڑے خیالات کو رفع کرنے کے لیے

قَالَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ لَمَّا تَوَجَّهَ رَسُولُ
اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى الْخَيْبَرِ أَشْرَفَ النَّاسُ عَلَى
وَادِ قَرَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالْتَّكْبِيرِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ
إِزْجِعُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ لَا تَعْدُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا
روح البیان یہی آیت ہذا بِاعْتِبَارِ الْمَشَابِ
وَلِقَامَاتِ وَالَّذِينَ يَجْعَلُ الْغَفْلَاتِ الْجَهْمُ بَقِيَّةَ الْخَطْبِ

اعترض (۴) مشکوٰۃ کتاب الاسما باب ثواب التبلیغ والتحمید میں ہے۔

فَجَعَلَ النَّاسَ يَجْهَرُونَ بِالتَّكْبِيرِ وَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِسْرَ بَعْدَ اعْطَى
أَنْفُسِكُمْ أَنْتُمْ لَا تَدْعُونَ أَحَدَكُمْ وَلَا غَايِبًا أَنْتُمْ
تَدْعُونَ سَمِيعًا يَصْبِرُ لَهُمْ مَعَكُمْ وَالَّذِي تَدْعُونَ
أَقْرَبَ إِلَيَّ أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقٍ مَرَّاجِلَتِهِ۔

یا آواز بلند تکبیر کہنے لگے تو حضور علیہ السلام نے
فرمایا کہ اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو تم نہ تو پہرے
کو پکارتے ہو نہ غائب کو تم تو سمیع و بصیر کو پکارتے
ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم پکارتے ہو وہ تم
بمقابلہ تمہاری ساریوں کی گردنوں کے زیادہ قریب ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر منع ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی ناخوشی کا باعث ہے۔

جواب :- اس کا جواب ضمننا سوال ۲ کے ماتحت گزر چکا کہ یہ حدیث ایک سفر جہاد کے موقعہ
کی ہے اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمانوں کا لشکر بجز اطلاع خیر میں داخل ہو جاوے تاکہ کفار خیر جنگ
کی تیاری نہ کر سکیں۔ بعض لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی جو کہ موقعہ کے خلاف تھا لہذا رد کر دیا گیا۔ اسی
حدیث کی ابتدا اس طرح ہے کَتَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ
يَجْهَرُونَ الْحَمْدَ بِمِثْلِ سَفَرٍ فِيهِ تَقَرُّبٌ إِلَى اللَّهِ وَتَقَرُّبٌ إِلَى النَّاسِ۔ یہاں کہ مسلمانوں پر آسانی کے
لیے بطور مشورہ یہ فرمایا گیا کہ تم سفر کی مشقت میں جو پھر چھینے کی مشقت بھی اٹھاتے ہو۔ اس کی کیا
ضرورت ہے۔ لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الْمُتَمَعَ مِنَ الْجَهْرِ لِلْيُسْرِ
وَالْإِنْفَاقِ لَا يَكُونُ الْجَهْرُ غَيْرَ مَشْرُوعٍ۔

اشعة المعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے دریں اشارت است کہ منع از جہر برائے آسانی و
نرمی است نہ از جہت نامشروعیت و ذکر جہر حق آنست و ذکر جہر مشروع است بے شبہ مگر بعد ازین اس را رد
رسا الذل اثبات نمودیم۔ اس حدیث میں ادھر اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت نرمی اور آسانی کیلئے ہے نہ
اسلئے کہ جہر منع ہے اور حق یہ ہے کہ ذکر جہر بلاشبہ مشروع ہے لیکن کمی وجہ سے اور ہم اسکا ثبوت سار اور ادیں دیا ہے۔
اعترض (۵) ہدایہ جلد اول فصل فی تکبیرات التشریق میں ہے۔

فَأَخَذَ يَقُولُ إِنِّي مَسْعُودٌ أَخَذَ بِأَلَا قَتْلَ
لَا أَنْ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ بِدَعَا۔

امام ابو حنیفہؒ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول
لیا کہ کو لینے کیلئے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔

اور بدعت میں کسی بہتر سے ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک نویں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک یہ نماز فرض کے تکیہ تشریف کہنا چاہیے۔ اور صاحبین کے نزدیک نویں کی فجر سے دسویں کی عصر تک امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ تکبیر بالجہر بدعت ہے اور بدعت میں کسی بہتر اس لئے صرف دو دن تکبیر کہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔ اسی ہدیہ میں اسی فصل تکبیرات التشریفی میں ہے۔

وَكَانَ الْجَهْرُ بِالتَّكْبِيرِ خِلَافَ السُّنَّةِ | اور اس لئے کہ تکبیر بالجہر خلاف سنت ہے اور اس کا مکمل
وَالشَّرْعُ دَرَجَاتٍ عِنْدَاسْتِجْمَاعِ هَذِهِ الشَّرَائِطِ | ان شرائط کے جمع ہونے کی صورت میں ہے۔

جواب :- امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس تکیہ تشریفی کے وجوب میں ہے نہ کہ جواز میں یعنی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں اور صاحبین پانچ دن۔ امام صاحب اس کو بدعت یا خلاف سنت کہہ کر وجوب کا انکار فرماتے ہیں ہم اسی بحث کے پہلے باب میں شامی سے نقل کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب نے اہل کو مذکور بازاؤں میں نعرہ تکبیر کی اجازت دی۔ کیسے اس بدعت کی اجازت کیوں دی؟ شامی باب صلوۃ العیدین میں عبد الفطر کی بحث میں فرماتے ہیں۔

يَتَنَبَّهُ عَلَى أَنَّ أَفْضَلَهُ أَمَّا الْكِرَاهَةُ | یعنی اختلاف محض تفضیلت میں ہے۔ لیکن
فَمَنْتَفِيَةٌ عَنِ الْقَرَفَيْنِ۔ | کراہت وہ کسی طرف نہیں ہے۔

اسی شامی میں اسی جگہ ہے التَّكْبِيرُ بِالْجَهْرِ فِي غَيْرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ لَا يَنْبَغُ إِلَّا بِالسَّرِّاءِ | ایام تشریق کے علاوہ اور دنوں میں نعرہ تکبیر سنت نہیں۔ مگر دشمن یا پیروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض لوگوں نے قیاس کیا ہے آگ لگنے اور تمام خوفناک چیزوں کو اور قسستانی نے زیادہ کیا ہے کہ بلند می پر چڑھنے کے وقت۔

وَمُخْتَارُ بَابِ الْعِيدَيْنِ مِنْ هَذَا لِلْخَوَاصِّ | یہ احکام خواص کیلئے ہیں عوام کو تو نہ تکبیر سے
الْعَوَامُ فَلَا يَمْنَعُونَ عَنْ تَكْبِيرِهِمْ لَا تَنْفِيلًا وَلَا | رد کو نہ نفل سے۔

شامی میں اسی بحث میں ہے لَا فِي النَّبِيِّ أَيْ لَا يَنْبَغُ وَلَا فِيهِمْ ذِكْرُ مَشْرُوعٍ غَوْضُكَ ثَابِتٌ هُوَاكُمُ بَدِيعُكُمْ يَتِمُّ بِهَذَا كَمَا كُنْتُمْ تَفْعَلُونَ فِيهِ مِنْ تَكْبِيرِ تَشْرِيقٍ فِيهِ يَتَوَقَّعُ صَاحِبِينَ كَقَوْلِهِمْ فِيهِ يَتِمُّ بِهَذَا كَمَا كُنْتُمْ تَفْعَلُونَ فِيهِ مِنْ تَكْبِيرِ تَشْرِيقٍ فِيهِ يَتَوَقَّعُ صَاحِبِينَ كَقَوْلِهِمْ فِيهِ يَتِمُّ بِهَذَا كَمَا كُنْتُمْ تَفْعَلُونَ فِيهِ مِنْ تَكْبِيرِ تَشْرِيقٍ فِيهِ يَتَوَقَّعُ صَاحِبِينَ

ہے۔ اور اگر ان آیات، و احادیث کی یہ توجہیں نہ کی جاویں تو مخالفین کے بھی یہ خلاف ہیں کیونکہ بعض ذکر الہ اور بھی بلند آواز سے کرتے ہیں۔ جیسے اذان۔ بقرعید کے موقع پر تکبیر تشریف آواز میں تلبیہ، مجلسوں کے موقعوں پر نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد وغیرہ کیونکہ ان کے یہ دلائل تو ذکر بالجہر کو مطلقاً منع کر رہے ہیں اور حدیث احادیث کی وجہ سے قرآنی آیت میں قید لگانا جائز نہیں لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ ان موقعوں پر ذکر بالجہر حدیث میں آگیا لہذا جائز ہے۔ کیونکہ قرآنی آیات میں حدیث سے پابندی لگانا کہاں جائز ہے۔

اعتراف (۴) فتاویٰ بزاز، صفحہ ۴۸ میں ہے۔

قاضی صاحب کے فتاویٰ سے نقل کیا کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود صحیح روایت کیساتھ ثابت ہو چکا کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اسی لیے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور بلند آواز سے آنحضرت پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔

عَنْ قَتَادَةَ الْقَاضِي أَنَّهُ حَرَّمَ لِمَا صَحَّ عَنْ ابْنِ سَعْدٍ أَنَّهُ أَخْرَجَ جَمَاعَةً عَنِ الْمَسْجِدِ لِذَلِكَ يَصْنَعُونَ عَلَى الشَّيْءِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهْلًا وَقَالَ لَهُمْ مَا أَسْرَأَكُمْ إِلَّا مُتَّبِعِينَ - شامی جلد صفحہ

دیکھو بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر ذکر الہ اور درود شریف پڑھنا حرام ہے اور حضرت ابن مسعود ان زکوٰۃ پر درود خواند کو بدعتی فرمایا بلکہ انہیں مسجد سے نکال دیا افسوس کہ آج ذکر بالجہر نہ کرنے والوں کو دہائی کہا جاتا ہے۔ یہ ہے انقلاب زمانہ، ایمان کفر بن گیا اور کفر ایمان (راہ سنت)

جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو بھی بدعتی ہونے اور حرام کے مرتکب کیونکہ تمہارے دینی سیاسی جلسے ہوتے ہیں تقریروں کے دوران نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد۔ دن رات مسجدوں میں ہوتے ہیں نہ قرآن بالجہر نہ ذکر وں پر فتوے لگاتے ہوں انہیں لگتے ہو کیا مسجدوں میں صرف درود شریف آواز سے پڑھنا حرام ہے۔ باقی تمہارے جلسے نعرے سب جائز۔ جواب: تحقیقی وہ ہے جو یہاں اسی جگہ فتاویٰ بزاز اور فتاویٰ شامی نے دیا ہے، جسے آپ نے نقل نہ فرمایا اگر آپ پوری عبادت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ شامی میں ہے۔ وَأَمَّا سَرَفُ الصَّوْتِ بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ اذان خطبہ

باللہ کی نجات کما فی الاذان والخطبة و
الجمعة والحج وقد حذرت المسئلة
فی التخیبۃ وسئل ما فی ذلک علی جہر البصر

معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود ان لوگوں کو بدعتی فرمایا جو جماعت اول کے وقت جب کہ لوگ نماز جماعت
سے ادا کر رہے تھے یہ ذکر بالجہر کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کی نماز میں حرج واقع ہوتا تھا یا کوئی اور

دینی منہ پر تھا خلاصہ یہ کہ نقصان وہ جہر ممنوع ہے۔ اب ذرا فتاویٰ مزانیہ کو بھی دیکھ لو اسی حدیث ابن
مسعود کو نقل فرما کر ایک اعتراف مع جواب فرماتے ہیں کہ اگر قوم کہو کہ فتاویٰ میں تو یہ ہے کہ ذکر بالجہر
کس کو نہ روکوا اگرچہ وہ مسجد ہی میں کرتے ہوں تاکہ اسی آیت کے خلاف نہ ہو جو اوسے منی اظلمہ منی
منع مساجداً اللہ ان یشکک الحق حضرت ابن مسعود کا یہ عمل تمہارے ان فتاویٰ کے خلاف ہے
اس کے جواب میں عبارت فرماتے ہیں جس میں یہ بھی ہے۔

الاحزاب عن المسجد یجوز ان یکون
لا یعتقدہم العبادۃ فیہ ولعلکم الناس بانہ
بدعة والفعول جاز والجاز یجوز ان یکون
غیر جاز لعرض یشقہ۔

اسی فتاویٰ میں اسی جگہ ہے۔ واما ما رفع الصوت بالذکر فجاء ذکر کما فی الاذان والخطبة والحج
مخالفین کے عقلی اعتراف صحت میں ہیں اولاً تو یہ کہ خدا قریب ہے پھر زور سے چیخا کیوں؟

جواب گذر چکا کہ یہ آواز بلند کرنا خدا تعالیٰ کے سامنے کے لیے نہیں بلکہ دیگر فوائد کے لیے ہے۔
جیسے اذان وغیرہ زور سے دی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ درود صلی اللہ علیہ وسلم یاد رسول اللہ
حریت سے ثابت نہیں لہذا ناجائز ہے۔ اس کا جواب اسی کتاب میں اور مقام پر گزر گیا کہ
وہ خدا و ما میں نقل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ جو ناجائز کی حد میں نہ آوے وہ جائز ہے اور اس کی
پوری تحقیق کہ کون سا درود پاک افضل ہے ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں ملاحظہ کرو و میرے
یہ کہ بعد نماز جو بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں۔ ان سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز بھولتے
میں۔ لہذا ناجائز ہے۔

جواب :- اس کے چند جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ اعتراض دعویٰ کے مطابق نہیں کیونکہ تم کہتے ہو ذکر بالجبر بالکل منع ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ کسی نمازی کو اس سے تکلیف ہو تو منع و رخصت جائز تو اگر کسی وقت کوئی نماز پڑھ رہا ہو تب جہاز ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ یہاں پنجاب میں دیکھا جاتا ہے کہ بعد نماز فجر کچھ توقف کر کے اور عشا کی سنتوں اور وتر سے فارغ ہو کر یہ درود پڑھا جاتا ہے اور اس وقت سب لوگ نماز سے فارغ ہو چکے ہیں تیسرے یہ کہ ہم اسی بحث کے پہلے باب میں احادیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ نیز آج بھی بعض مسجدوں میں قرآن کے مدرسے ہیں جہاں کہ طلباء بعد نماز نظر و عشرہ چرخ کر قرآن یاد کرتے ہیں۔ کبھی مسجدوں میں بعد نماز عشاء دینی جلسے ہوتے ہیں جن میں نعرے بھی لگتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں بقرعید کے زمانہ میں جماعت فرض کے بعد فرما ہی سب لوگ باوا بلند تین بار تکیہ تشریف کہتے ہیں کہینے ان ذکر میں سے نمازی کا دھیان ہوتا ہے یا نہیں؟ اور یہ جائز میں یا منع؟ فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر بالجبر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے۔ اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہوں اور یہ ذکر بالجبر کر لیا ہو یہ منع ہے نہ کہ نماز بھی ہو چکی۔ لوگ فارغ ہو کر اب ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ اب کوئی شخص تارک الجماعت بعد میں آیا تو اپنی نماز کے حیلے سے سب کے خاموش کرنا چہرے کہ چونکہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہذا اسے نماز یوں اسے قرآن یاد کر نیوالو اعظم تو تم سب خاموش ہو جاؤ۔ جیسا کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اول کا ہوتا ہے جس پر میت سے شرعی مسئلے متفرع ہیں بکہ معقر میں صرف جماعت اولی کیلئے طواف بند ہوتا ہے جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف مشرع ہوا۔ اور طواف میں دعاؤں کا اس قدر شور ہوتا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کیسے وہاں اس ذکر بالجبر کا کیا حکم ہے؟ کیا نماز کے خلل کی وجہ سے طواف بند کر دینگے۔

بحث ۲۰ اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

بعض لوگ جو کہ فاتحہ گیارہویں یا کہ میلاد شریف کے پابند ہیں وہ اس کے لیے کچھ عرصہ پہلے بکرے اور مرغے وغیرہ پالتے ہیں۔ اور ان کو ذبح کرتے ہیں۔ تاریخ فاتحہ پر ان کو بسم اللہ پر ذبح کر کے کھانا پکا کر فاتحہ کرتے ہیں اور فقراء و مسلمان کو کھلاتے ہیں۔ چونکہ وہ جائز اس کی نیت سے پالا گیا ہے اس لیے کہہ دیتے ہیں۔ گیارہویں کا بکرا یہ غوث پاک کی گائے وغیرہ یہ منشاء ملال ہے۔ جیسے کہ ولیم کا

جانور مگر مخالفین اس کام کو حرام۔ اس گوشت کو مردار۔ اور فاعل کو مرد و مشرک کہتے ہیں۔ اس بحث کے بھی دو باب کیے جلتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کے جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراض و جوابات۔

پہلا باب اس کے جواز کے ثبوت میں

جس حلال جانور کو مسلمان یا اہل کتاب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے وہ حلال ہے اور جس حلال جانور کو مشرک یا مرد زنج کرے وہ مردار ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان دیدہ و دانستہ بسم اللہ پڑھنا چھوڑے یا خدا کے سوا کسی اور کا نام لیکر ذبح کرے مثلاً بجائے بسم اللہ اللہ اکبر کے کہدے یا غوث اور ذبح کرے تو حرام ہے خیال ہے کہ اس صلت و حرمت میں ذبح کر نیوالے کا اعتبار ہے نہ کہ مانک کا۔ اگر مسلمان جانور مشرک نے ذبح کر دیا مردار ہو گیا۔ اگر مشرک نے بت کے نام پر جانور پالا مگر اس کو مسلمان نے بسم اللہ سے بچ کر دیا حلال ہے۔ اسی طرح ذبح کے وقت نام لینے کا اعتبار ہے نہ کہ آگے پیچھے زندگی میں جانور بت کے نام کا تھا مگر ذبح خدا کے نام پر ہوا حلال ہے اور زندگی میں جانور قربانی کا تھا۔ مگر ذبح کے وقت اور نام لیا گیا وہ مردار اسی کو قرآن نے فرمایا۔ وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعَلَّاهُ وہ جانور بھی حرام ہے جو کہ غیر خدا کے نام پر پکارا گیا یہاں پکارنے سے مراد بوقت ذبح پکارنا ہے۔ چنانچہ تفسیر ربیعہ دی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ اَنْ سُرِقَ الصَّوْتُ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهٖ تَكْفِيْلُ یعنی اس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو جیسے کفار بِاسْمِ اللّٰهِ وَالْعَرٰى عِنْدَ ذَبْحِهٖ۔ ذبح کے وقت کہتے تھے۔ اللات والعزى

تفسیر جلالین میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ بِاَنْ ذَبَحَ عَلَى اِسْمِ غَيْرِهِ اس طرح کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِي مَا ذَكَّرَ عَلَى ذَبْحِهِ غَيْرُ اِسْمِ اللَّهِ
وَذَلِكَ اَنَّ الْعَرَبَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا يَدْعُونَ
اَسْمَاءَ اَصْنَامِهِمْ عِنْدَ الذَّبْحِ فَسَمَّى اللَّهُ ذَلِكَ
بِهَذِهِ الْاَلَايَةِ وَيَقُولُ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا كُمُ
يُذَكِّرُ اِسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ۔

یعنی وہ جانور حرام ہے جس کے ذبح پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور یہ اس لئے ہے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں ذبح کے وقت بتوں کا نام لیتے تھے پس خدا تعالیٰ نے اسکو اس آیت سے اور آیت وَلَا تَأْكُلُوا سے حرام فرمایا۔

الْمَدَارَ عَلَى الْقَصْدِ عِنْدَ ابْنِ الدَّبِجِ کے وقت نیت کا ہے۔

صاف معلوم ہوا کہ ذبح سے پہلے کی نیت یا نام بالکل معتبر نہیں۔ عالمگیری باب الذبح میں ہے۔
 مُسْلِمٌ ذَبَحَ شَاةً الْمَجُوسِيِّ لَيْسَتْ نَاكِهَةً
 رَأَى كَافِرًا بِهَا لَهْتَمَ قَوْلُ كُلِّ رَاكِبَةٍ سَخَى اللَّهُ تَعَالَى وَكَيْفَ لَا لِلْمُسْلِمِ كَذَا فِي الشَّارْحَانِيَةِ نَائِلَةً عَنْ جَامِعِ الْفَتْوَى
 یا کافر کی ان باتوں کیلئے تھی۔ ذبح کی وہ حلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام لیا ہے مگر یہ کام مسلمان کیلئے
 مکروہ ہے۔ اسی طرح تارخانہ میں جامع الفتاویٰ سے نقل کیا۔ دیکھئے جانور پالنے والا کافر ہے اور ذبح بھی کرتا
 ہے بت یا آگ کی عبادت کی تیت سے، گویا مالک کا پالنا اور ذبح کرنا دونوں فاسد مگر چونکہ وقت ذبح مسلمان نے
 بسم اللہ کر دیا ہے۔ لہذا جانور حلال ہے۔ کیے گیدہوں یا میلاد کا بکر اس بت پرست کیے بکرے سے بھی کہا
 گذرا ہے، اگر وہ تو حلال مگر یہ حرام الحمد للہ بخوبی ثابت ہوا کہ یہ گیدہوں وغیرہ کا جانور حلال ہے اور یہ فعل با مٹی ثواب

دوسرا باب

اولیاء اللہ کے جانور کے متعلق اعتراضات وجواب

اعتراض ۱۱۱ اس آیت کا اَهِلٌ بِہِ لِعَنْبِیْرِ اللّٰہِ میں کلمہ اَهِلٌ اہلال سے مشتق ہے اور اہلال کے معنی الغت
 میں ذبح کے نہیں بلکہ مطلقاً پکارسنے کے ہیں۔ لہذا جس جانور پر غیر خدا کا نام پکارا خواہ تو اس کی زندگی میں یا بوقت
 ذبح وہ مردار ہے تو غوث پاک کا بکرا شیخ سند کی گائے اگرچہ خدا کے نام پر ذبح ہو حرام ہے۔
 (نور ط) یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا ہے وہ مسئلہ میں سخت غلطی فرما گئے۔

جواب ۱۱۱ اہلال کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً پکارنا۔ مگر عربی معنی ہیں بوقت ذبح پکارنا۔ اور یہ عربی معنی ہی
 اس جگہ مراد ہیں۔ صلوات کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً دعا۔ مگر عربی معنی ہیں نماز تو اَتَمُّوا الصَّلَاةَ سے نماز فرض
 ہوئی نہ کہ عام دعا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت مآہل کے ماتحت ہے۔

اَلْاِهْلَالُ مَرْفَعُ الصَّوْتِ هَذَا مَعْنٰی
 الْاِهْلَالُ فِي اللُّغَةِ ثُمَّ قِيلَ لِلْمَعْصَرِ
 اَلْاِهْلَالُ مَرْفَعُ الصَّوْتِ هَذَا مَعْنٰی
 الْاِهْلَالُ فِي اللُّغَةِ ثُمَّ قِيلَ لِلْمَعْصَرِ

اسی طرح حاشیہ بیضاوی للشہاب میں اسی آیت مآہل کے ماتحت ہے۔
 اَنْیْ مَرْفَعُ الصَّوْتِ هَذَا مَعْنٰی
 اَنْیْ مَرْفَعُ الصَّوْتِ هَذَا مَعْنٰی

یعنی اسکو پکارا گیا جو یہ اہلال کے لغوی معنی ہیں پھر اس

ثُمَّ جَعَلَ عِبَارَةً عَمَّا ذُيِّعَ لِغَيْرِ اللَّهِ - | اہل سے ملوئی گئی ہے کہ وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر بیچ کر یا جو
 اگر بیاں اہل کے لغوی معنی مراد ہوں تو چند خرابیاں لازم ہونگی۔ اولاً یہ کہ یہ تفسیر اجماع مفسرین اور اقوال صحابہ
 کرام کے خلاف ہوگی مفسرین کے قول تو ہم پہلے باب میں عرض کر چکے۔ اب صحابہ کرام وغیرہم کے قول اور ملاحظہ
 ہوں۔ تفسیر و تفسیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَخْرَجَ ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى
 وَمَا أَهْلَ الْآيَةِ قَالَ ذِيحٌ وَأَخْرَجَ ابْنُ جَرِيرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَا أَهْلٌ يَعْنِي مَا أَهْلٌ لِلطَّوْغَاتِ
 وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ مُجَاهِدٍ وَمَا أَهْلٌ قَالَ مَا ذِيحٌ لِيَعْبُدَ اللَّهَ وَأَخْرَجَ ابْنُ حَكَّانٍ عَنْ ابْنِ
 الْعَالِيَةِ وَمَا أَهْلٌ يَقُولُ مَا ذِكْرٌ عَلَيْهِ اسْمٌ غَيْرُ اللَّهِ - تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے قَالَ
 الرَّبِّيعُ ابْنُ أَنَسٍ يَعْنِي مَا ذِكْرٌ عِنْدَ ذُنُوبِهِمْ غَيْرُ اللَّهِ معلوم ہوا کہ اس قدر صحابہ کرام و تابعین کا
 یہی فیصلہ ہے کہ اس آیت سے مراد ہے غیر اللہ کے نام پر نہ بچ کرنا۔

جواب :- دوم یہ ہے کہ مہارے بتائے ہوئے یہ معنی خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہیں قرآن فرماتا ہے -

وَمَا كَفَّلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا صَالِيَةٍ وَلَا حَامٍ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَقْتُلُونَ عَلَى
 اللَّهِ الْكَذِبَ - | اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور صالیاہ اور حام نام نہیں مقرر
 کئے :- لیکن کفار اللہ پر جھوٹ باندھتے
 ہیں -

یہ چار جانور بحیرہ وغیرہ وہ تھے، جن کو کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔
 قرآن نے اس حرام سمجھنے کی تردید فرمادی۔ حالانکہ ان پر زندگی میں بتوں کا نام پکارا گیا تھا۔ اور ان کے کھانے کا
 حکم پاکر فرمایا کُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ | کھاؤ اسکو جو تمہیں اللہ نے دیا اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو
 تفسیر فتح البیان میں زیر آیت مَا كَفَّلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ اور نووی شرح مسلم کتاب الْجَنَّةِ وَنَعِيمِهَا
 بَابُ الصَّفَةِ الَّتِي يُعْرِفُ بِهَا فِي الدُّنْيَا أَهْلُ الْجَنَّةِ صفحہ ۲۸۵ میں ہے -

الْمُرَادُ أَنْكَارُ مَا خَرَجَ مَوَاطِنُ أَنْفُسِهِمْ مِنَ
 السَّائِبَةِ وَالْبَحِيرَةِ وَالْحَامِ وَأَنَّهُمْ لَمْ يَصُرُوا
 حَرَامًا بِتَحْرِيمِهِ - | یعنی اس آیت سے ان جانوروں کی حرمت کا انکار
 کرنا مقصود ہے جن کو کفار حرام سمجھتے تھے بحیرہ وغیرہ کہ
 یہ جانور ان کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو سائبہ ہندو لوگ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا اگر مسلمان بن جائے
 کہہ کر ذبح کرے تو حلال ہے ہاں غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے - وَقَالُوا

هَذِهِ اَنْعَامٌ وَحَرَّتْ حَبْرُ لَا يَطْعَمُهَا اِلَّا مَنْ تَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ۔ اور کفار بولے کہ یہ جانور اور کھیتی
 روکی ہوئی ہے اس کو وہ ہی کھائے جس کو ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال میں۔ نیز فرماتا ہے ذَٰلِكَ لَوْ اَنَّ
 فِيْ بَطْنِ هَذِهِ الْاَنْعَامِ مِثْرًا لِّذِكْرِ مَا لَفَاحٌ مِّنْ عِلَآءٍ وَّاَجْنَا كُفَّارٍ بولے جو ان جانوروں
 کے شکم میں بچہ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام یہ وہ ہی کھیتیاں اور
 جانور تھے جو بتوں کے نام پر وقف تھے اور کفار ان کی حلت میں پابندیاں لگاتے تھے اس پابندی کی ترمیم
 فرمادی گئی۔ تو جب بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانور حرام نہ ہوئے تو اہل اللہ کی فائزگی کی نیت سے
 پائے ہوئے جانور کیوں حرام ہو گئے؟ تیسرے یہ کہ اُھل کے یہ معنی فقہاء کی تصریح کے بھی خلاف ہیں
 ہم اس بحث کے پہلے باب میں عالمگیری کی عبارت پیش کر چکے ہیں کہ مشرک یا آتش پرست نے
 بت یا آگ کے چڑھاوے کیلئے جانور مسلمان سے خرچ کر لیا یا مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کیا وہ حلال ہے
 اسی طرح تفسیرات احمدیہ کی عبارت بھی پیش کر دی گئی کہ اولیاء اللہ کے نذر کا پالا ہوا جانور حلال ہے چوتھے
 یہ کہ یہ معنی عقل کے بھی خلاف ہیں اس لیے کہ سب اھل کے لغوی معنی مراد ہوئے یعنی جانور پر اسکی
 زندگی میں یا بوقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارنا جانور کو حرام کر دیتا ہے تو لازم آیا کہ جانور کے سوا دوسری اشیاء
 بھی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جائیں۔ کیونکہ قرآن میں آتا ہے مَا اَهْلًا بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ
 اور ہر وہ چیز جو کہ غیر اللہ کے نام پر پکاری جاوے "ما" میں جانور کی قید نہیں پھر خواہ تقرب کی نیت سے پکارا
 یا کسی اور نیت سے بہر حال حرمت آتی چاہیئے، تو زید کا بکرا، عمر کی بھینس، زید کے آسم، بکر کے باغ کے
 چھل، فلاں کی بیوی، ام سعد کا کنواں، فلاں کی مسجد، میرا گھر، دیوبند کا مدرسہ، امام بخاری کی کتاب سب
 ہی نسبتیں ناجائز ہو گئیں اور ان کا استعمال حرام۔ اور بخاری ترمذی تو خاص مشرک ہوا۔ کہ انکی نسبت
 بخارا اور ترمذ کی طرف ہوئی جو کہ غیر اللہ ہیں، جناب جس وقت تک کہ عورت صرف اللہ ہی کی بندی کہلاتی
 سب کو حرام رہی، جب اس پر غیر خدا کا نام آیا۔ اور فلاں کی زوجہ کی گئی تب فلاں کو حلال ہوئی کبھی
 غیر اللہ کی نسبت سے چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ حیدرآباد میں حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دوستی
 لکھا ہوا قرآن شریف تھا انگریز اس کے دولاکھ روپے دیتے تھے مگر نہ دیا گیا امیر عبدالرحمن خان کا استعمال
 تالین چاس ہزار روپے میں امریکہ والوں نے خرید لیا۔ پرانے ٹکٹ بھی قیمتی ہوتے ہیں (سہ کار علی پوری)
 غرض کہ اھل کے یہ معنی ایسے فاسد ہیں کہ عقل و نقل سب ہی کے خلاف۔ پانچویں یہ کہ اگر کسی نے جانور بت

نام پر بلا بعد میں اس سے تائب ہو گیا اور خالص نیت سے اس کو ذبح کیا تو یہ بالاتفاق حلال ہے حالانکہ اصل میں تو یہ بھی داخل ہوا۔ اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا یا اصل کی حد میں آگیا۔ اب ماننا ہی پڑا کہ وقت ذبح اللہ کا نام پکنا معتبر ہے نہ کہ قبل کا۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے پھر گوشت میں اللہ کی نیت کرے بالکل غیر معتبر ہے۔ اسی طرح اگر زندگی کا پکارنا معتبر ہو تو جو آدمی جانور کی زندگی میں غیر اللہ کا نام پکارے پھر تو یہ کہے کہ اللہ کے نام پر ذبح کرتا۔ تو بھی حرام ہوتا۔ چھٹے یہ کہ اگر اصل کے معنی لغوی مراد لیے جاویں جب بھی پہلے دہرے سے پکارنے میں تخصیص ہوگی۔ اس طرح کب فی کے معنی میں ہوگا اور مضاف پوشیدہ یعنی فی ذبحہ ورنہ پھر پھر سے کیا فائدہ ہوگا۔ بغیر بلکہ بھی یہ معنی حاصل تھے۔ جیسا کہ سلیمان جل نے آیت ماہل پر بغیر اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے تو بھی مطلب وہ ہی بنا کر جس جانور پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے بہر حال یہ ترجمہ محض فاسد ہے۔

اعتراف (۲) فقہی مسئلہ ہے کہ جس جانور کو بسم اللہ سے ذبح کیا جاوے گوشت کی نیت غیر خدا سے تقرب حاصل کرنا ہو تو وہ حرام ہے۔ چونکہ گیارہویں کرنے والے کی نیت حضور غوث پاک کو راضی کرنا ہے لہذا اس ذبح میں غیر اللہ کی طرف تقرب ہوا۔ تو اگرچہ جانور ذبح تو بسم اللہ سے ہوا۔ مگر اس قاعدے سے حرام ہو گیا۔ اس قاعدے کی تحقیق سوال نمبر ۳ میں آتی ہے۔

جواب: ذبح کی چار قسمیں ہیں۔ اولیٰ ذبح گوشت سے مقصود محض خون مہانا ہوا اور گوشت محض تابع ہو۔ اور یہ خون بہا ناب کو راضی کرنے کیلئے ہو۔ جیسے کہ قربانی، ہدی، عقیدہ اور نذر کا جانور یہ ذبح عبادۃ ہے مگر اس میں وقت یا جگہ کی قید ہے کہ قربانی خاص تاریخوں میں عبادت ہے آگے چھپے نہیں۔ ہدی حرم میں عبادت ہے اور جگہ نہیں۔ دوسرے پھری کی دھار کی آزمائش کے لیے ذبح کرنا یہ نہ عبادت ہے نہ گناہ۔ اگر بسم اللہ سے ہو تو جواز حلال ورنہ حرام۔ تیسرے گوشت کھانے کے لیے ذبح کرنا جیسے کہ شادی ولیمہ کی دعوت یا گوشت کی تجارت کیلئے ذبح کرنا۔ اسی طرح فاتحہ بزرگان کیلئے ذبح کرنا کہ ان سب ذبح سے مقصود گوشت ہے ذبح گوشت کیلئے ہے یہ بھی اگر بسم اللہ سے ہو تو حلال ورنہ حرام۔ چوتھے غیر خدا کو راضی کرنے کے لیے صرف خون مہانا کی نیت سے ذبح کرنا کہ اس میں گوشت مقصود نہ ہو۔ جیسے کہ مہندہ لوگ بنوں یا دیوی پر جانور کی بھینٹ چڑھاتے ہیں کہ اس سے صرف خون دے کر بتوں کو راضی کرنا مقصود ہے یہ جانور اگر بسم اللہ کہہ کر بھی ذبح کیا جاوے، جب بھی حرام ہے بشرطیکہ ذبح کو نیت

کی نیت بھینٹ کی ہو نہ کر ذبح کرانیوے کی۔ ان فقہی عبارات سے یہ ہی مراد ہے قرآن فرماتا ہے۔
وَمَا ذَمِّحْنَا عَلَى النَّصَبِ اَوْ حَرَامٍ هُوَ، وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے اس آیت کی تفسیر میں
سلیمان حمل فرماتے ہیں۔

یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس کے فوج سے بت
مقصود ہوں اور ان کے فوج کے وقت بت کا نام نہ
لیا گیا ہو یا کہ بت کی تعظیم کیلئے کیا گیا ہو پس علی
معنی لام ہے لہذا یہ آیت گذشتہ سے مکرر نہیں کیونکہ
دلائل ماحصل میں تو وہ مراد تھے جن پر بتوں کا نام لیا
جاوے اور اس کے جانور اور ان جن کے فوج سے بت
کی تعظیم مقصود ہو اور اس کا نام نہ لیا گیا ہو۔

أَيُّ مَا قَصِدَ بِذَبْحِهِ النَّصَبَ وَلَمْ
يُذَكِّرْ اسْمَهَا عِنْدَ ذَبْحِهِ بَلْ قَصِدَ
لِتَعْظِيمِهَا بِذَبْحِهِ فَعَلَى بَعْضِ الدَّلَامِ فَلَيْسَ
هَذَا أَكْثَرُ مَرَّةً مَعَ مَا سَبَقَ إِذْ ذَاكَ فِيمَا
ذَكَرْنَا عِنْدَ ذَبْحِهِ اسْمُ الصَّنَمِ وَهَذَا فِيمَا
قَصِدَ بِذَبْحِهِ لَتَعْظِيمِ الصَّنَمِ مِنْ
غَيْرِ ذِكْرِهِ۔

سبحان اللہ کیا عمدہ فیصلہ کیا کہ جو بت کے نام پر ذبح ہو وہ تو ماحصل میں داخل ہے اور جس فوج
سے تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ مَا ذَمِّحْنَا عَلَى النَّصَبِ میں داخل۔ بعض فقہاء نے ان دونوں صورتوں کو
ما اھل سے ثابت کیا ہے معنی مَا ذَمِّحْنَا لِتَعْظِيمِ غَيْرِ اللہ۔ اسی پر درختار کی عبارت ہے غرض کہ
جانوروں کی حرمت میں دو چیزوں کو دخل ہے ایک تو بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا۔ دوسرے غیر اللہ
کو راضی کر نیکنے لئے جانور کا خون بہانا یا جس معنی کہ گوشت مقصود بالذات نہ ہو تو قرب بغیر اللہ ہے اسی کو
فقہاء حرام فرماتے ہیں چونکہ گیارہویں اور فاتحہ کا جانور تیسری قسم میں داخل ہے نہ کہ چوتھی میں۔ اسی لئے
حرام نہیں کیونکہ گیارہویں کر نیوے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس جانور کے گوشت کا کھانا پکا کر فاتحہ کر کے فقراء
پر تقسیم کیا جاوے گا۔ لہذا اس سے گوشت مقصود ہوا۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ بعض دیوبندی کہتے ہیں
کہ گیارہویں والے کا گوشت مقصود نہیں ہوتا۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اگر اس کو اتنا زیادہ گوشت دیا جاوے
یا دوسرا جانور کہ تو اس پر فاتحہ کر دے تو وہ اس سے راضی نہیں ہوتا اگر گوشت منظور ہوتا تو تبادلہ کر لیتا
معلوم ہوا کہ غوث پاک کے نام پر خون بہانا منظور ہے۔ لیکن یہ قول بھی غلط ہے نیت کا حال تو نیت
والا ہی جان سکتا ہے بلا دلیل مسلمان پر بدگمانی کو ناجائز ہے

بدلنا۔ اسکی وجہ محض اہتمام ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس طرح ہم نے پرورش کر کے اس کو اچھا کیا ہے دوسرا

گوشت ایسا نہ ملے گا۔ بعض لوگ ولیم کے لیے جانور پالتے ہیں وہ بھی دوسرے گوشت سے تبادلاً گوارا نہیں کرتے بعض لوگ فاتحہ کے لیے نئے برتن استعمال کرتے ہیں اور ان برتنوں کا تبادلہ گوارا نہیں کرتے بعض کا خیال ہوتا ہے کہ جس جانور پر فاتحہ کا وعدہ ہو گیا اس کو بدنجان نہ نہیں، جیسے کہ قربانی کا جانور۔ یہ خیال غلط ہے۔ مگر غلط خیال سے ذبح کیوں حرام ہو گیا۔ غرض کہ اہتمام اور بے بھینٹ اور خلاصہ یہ ہوا کہ اگر نفس ذبح سے غیر اللہ کو راضی کرنا مقصود ہو تو حرام ہے اور اگر ذبح دعوت یا فاتحہ کے لیے ہو اور نہ فاتحہ یا دعوت کسی کو راضی کرنے کیلئے ہو تو حلال ہے۔ کسی اللہ کے بندے کو راضی کرنا اسکی عبادت نہیں اعتراض (۳) در مختار مالگیری باب الذبح میں ہے اور نووی شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ۔

بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبح کیا۔ تو وہ حرام ہے کہ اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا۔ اگرچہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو۔

ذَبَحَ لِقَدُومِ الْكَامِيَةِ وَتَحْوِجَةِ كَوَاحِدٍ مِنَ الْعُظَمَاءِ يَحْتَرِمُ كَلَّتَهُ أَهْلٌ بِهِ لِيَعْبُدَ اللَّهَ وَلَوْ ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی خوشنوی کے لیے جانور ذبح کرنا حرام ہے اگرچہ بسم اللہ ہی سے ذبح ہو بہذا لگیا رہوں گا جانور مہر حال حرام ہے کہ حضور غوث پاک کی رضا کے لیے ہے اگرچہ ذبح بسم اللہ سے ہو۔ جواب :- اس کا مکمل جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گذر گیا کہ اگر سلطان یا کسی کی بھینٹ کی نیت سے ذبح ہو تو جانور حرام۔ بھینٹ کے معنی بیان کئے جا چکے کہ خون بہانے سے اس کو راضی کرنا مقصود ہو گوشت تابع ہو اور اگر سلطان وغیرہ کی دعوت کے لیے جانور ذبح ہو تو اگرچہ دعوت سے رضائے سلطان مقصود ہو مگر جانور حلال ہے۔ در مختار کتاب الذبائح میں اسی جگہ فرماتے ہیں۔

اور اگر ذبح مہمان کیلئے ہو تو حرام نہیں کیونکہ یہ حضرت خلیل اللہ کا طریقہ ہے اور مہمان کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے وچ فرق یہ ہے کہ اگر اس کا گوشت مہمان کے آگے رکھا تاکہ اس میں سے کھائے تو یہ ذبح اللہ کیلئے ہوگا اور نفع مہمان کیلئے یا ولیم یا تجارت کیلئے اور اگر مہمان کے آگے نہ رکھا بلکہ کوئی نہ کسی کو دیدیا تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لیے ہے لہذا حرام ہے۔

وَلَوْ لِلضَّيْفِ كَالْيَحْرَمِ لَأَتَتْهُ سُنَّةُ الْخَلِيلِ وَكَرِهَ الْأَضْيَفُ الْكِرَامُ اللَّهُ دَ الْفَارِقُ إِنَّ قَدَّ مَهَالِيَا كُلِّ مَهْمَا كَانَ الدَّبْحُ لِلَّهِ وَالْمُسْنَعَةُ لِلضَّيْفِ أَوْ لِلْوَلِيْمَةِ أَوْ لِلزَّيْمِ وَإِنْ لَمْ يَقْدَرْ مَهَالِيَا كُلِّ مَهْمَا بَلْ يَدَّعَمَهَا لِعَبِيرَةٍ كَانَ لِعَظِيمٍ غَيْرِ اللَّهِ فَاتَّعَمَّ۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ گوشت کا مقصد ہونا عبادت وغیرہ عبادت میں فرق ہے۔ اسی جگہ در مختار میں ہے: **فِي صَيْدِ الْمَلِيَّةِ اِنَّهُ يَكْرَهُ** **وَلَا يَكْفُرُ لَنَا لَا لِنَبِيِّ اَنْظَنَ بِالْمُسْلِمِ اَنَّهُ** **يَتَقَرَّبُ اِلَى الْاَدَمِيِّ بِهَذَا النَّحْوِ**۔

ایسا کرنا مکروہ ہے اس سے ذابح کا فریہ ہوگا۔ کیونکہ ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کی عبادت کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے۔ اس کے حاشیہ رد المحتار میں اس کو زیادہ واضح کر دیا گیا ہے مگر جس قدر بیان کر دیا گیا اس میں کفایت ہے۔ تفسیر روح البیان پارہ ۴ زیر آیت۔

یعنی جو جانور سلطان کے آنے پر ذبح کیا جائے اس سے قرب حاصل کرنے کے لیے اہل بخاری اس کی حرمت کا فتویٰ دیا اور امام رافعی نے فرمایا کہ جانور حرام نہیں کیونکہ وہ لوگ سلطان کی آمد کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں جیسے کہ بچہ کا عقیقہ یا کی پیدائش کی خوشی میں اور اس جیسا کام جانور کو حرام نہیں کرتا اسی طرح شرح مشارق میں ہے۔

وَمَا أَهْلُ بِهِ لِيَعْبُدَ اللَّهَ بِهِ مَا يَذْبَحُ عَيْنًا
اِسْتِقْبَالَ السُّلْطَانِ تَقَرُّبًا اِلَيْهِ اَذْنَى اَهْلُ
الْبُخَارِيِّ يَتَحَرَّيْنِيهِ وَقَالَ الرَّافِعِيُّ هَذَا غَيْرُ
مَحْتَرَمٍ لَانَّهُمْ اِنْ مَآ يَذْبَحُوْنَهُ اِسْتِشَارًا
بِقُدْرَتِهِمْ فَهُوَ كَذَبِ الْعَقِيْقَةِ لِيُوَكِّدَ الْمَوْلُوْدُ
مِثْلَ هَذَا لَا يُوْجِبُ التَّحْرِيمَ كَذَا فِي
شرح المشارق۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ رواج ہوگا کہ بادشاہ کی آمد پر گھر گھر جانور ذبح ہوتے ہوں گے آج کل یہ رسم نہیں تو جو بادشاہ کی عبادت کی نیت سے ذبح کرتے ہوں وہ حرام اور جو اظہار خوشی کے لیے لوگوں کی دعوت کرتے ہوں وہ حلال یہ فتاویٰ کا اختلاف رسوم کے اختلاف زمانہ کی وجہ سے ہے۔

غرض کہ گیارہویں کے جانور کو ذبح قدم سلطان سے کوئی نسبت نہیں۔

اعترض (۴) گیارہویں کی نیت سے بکرا پالنے والا مرتد ہے کیونکہ غیر خدا کی نذر ماننا کفر ہے اور کافر و مرتد کا ذبح حرام ہے لہذا گیارہویں ماننے والے کا ذبح حرام ہے۔ شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں ہے۔ **وَالنَّذَرُ لِلْمَخْلُوْقِ كَالْيَحْيِ كَالْاَنَةِ عِبَادَةُ الْعِبَادَةِ لَا تَكُوْنُ لِمَخْلُوْقٍ**۔

جواب :- اس کا مکمل جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ نذر شرعی نہیں نذر عرفی ہے بمعنی ہدیہ و نذرانہ یا یہ نذر اللہ کے لیے ہے اور اس کا تصرف یہ ہے اور ان میں سے کوئی بھی مشرک نہیں۔ استاذ سے کہتے ہیں کہ رقم آپ کی نذر ہے یعنی نذرانہ و ہدیہ۔

بحث ۲۱ ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

ادریا، الشریکے ہاتھ پاؤں چومنا اور اسی طرح ان کے بعد ان کے تبرکات، بال و لباس وغیرہ کو بوسہ دینا، ان کی تعظیم کو نامستحب ہے۔ احادیث اور عمل صحابہ کرام سے ثابت ہے لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لیے ہم اس بحث کے بھی درباب کرتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

بوسہ تبرکات کے ثبوت میں

تبرکات کا چومنا جائز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ** یعنی اے بنی اسرائیل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارا گناہ معاف ہوں۔ اس آیت سے یہ لگا کہ بیت المقدس جو انبیاء کرام کی آرامگاہ ہے اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جائے حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تبرک مقامات پر توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ باب المصافحہ والمعاذہ فصل ثانی میں ہے۔

حضرت ذریع سے مروی ہے اور یہ وفد عبد القیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے۔ ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔

وَعَنِ ذَرِيعٍ وَكَانَ فِي وَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَبَعَلْنَا نَتْبَادَ مَرِيٍّ مَرٍّ وَاجِلْنَا فَتَقَبَّلَ يَدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَرَجَلَهُ۔

مشکوٰۃ باب الکبار وعلامات النفاق میں حضرت صفوان ابن عیال سے روایت ہے قَبِّلَ يَدَيْهِ وَدَرَجَلَهُ پس انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومے۔ مشکوٰۃ شریف باب مَا يُقَالُ عِنْدَ مَنْ خَضَعُوا الْمَوْتَ بروایت ترمذی و ابوداؤد میں ہے۔

حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا حالانکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

عَنِ عَائِشَةَ قَالَتْ قَبَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ ابْنَ مَظْعُونٍ وَهُوَ مَيِّتٌ

شفا شریف میں ہے کہ ان میں سے نہ مریں گے
المسور ایڈیٹس علیہ رسولہ اللہ علیہ السلام الخلق المحقق
ختمہ میسجدا علی رجبہ

اسْتَبْطِئَهُمْ مِنْ مَشْرِعِهِ
 أَقْبِلِ الْأَرْضَ كَانَ جَوَارَ قَبِيلٍ كُلِّ مِنْ يَسْتَعِ
 الْقَطْمَةَ مِنْ أَرْضِي وَغَيْرِهِ نَقْلَ عَنْ الْأَمَامِ
 أَحْمَدَ أَنَّهُ سَأَلَ عَنْ أَقْبِلِ مِنْ بَنِي لَيْثٍ عَلَيْهِ
 السَّلَامُ وَتَقْبِيلِ دَائِعٍ فَلَمْ يُرِبْهُ بِأَسَاوِ نَقْلَ عَنْ
 ابْنِ أَبِي الصَّنْبِغِ اللَّيْثِيُّ أَنَّ أَحَدَ عُلَمَاءِ مَدِينَةٍ مِنْ
 الشَّافِعِيَّةِ جَوَارَ تَقْبِيلِ الْمُصَاحَفِ وَأَجْزَاءِ
 الْحَدِيثِ وَتُجُومِ الصَّلَاحِينَ مُلَغَضًا

تو شیخ میں علامہ جمال الدین سیوطی قیدی ہو کر فرماتے ہیں :-

وَيُنَادِي بِبَعْضِ الْعِبَادِ مِنْ ثَمَرَاتِ الْجَنَّةِ لَا تُحْسَبُ لَهُمْ سَاعَةٌ وَلَا نَجْمَةٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مَسْمُورٍ
وَيَقْرَأُ فِيهَا لِلَّذِينَ أُصْحِبُوا الْجَنَّةَ وَلَهُمْ فِيهَا نِسَاءٌ كَافَّةٌ ۚ لَهُمْ فِيهَا خُضْرٌ كَافٍ ۚ
وَيَقْرَأُ فِيهَا لِلَّذِينَ أُصْحِبُوا الْجَنَّةَ وَلَهُمْ فِيهَا نِسَاءٌ كَافَّةٌ ۚ لَهُمْ فِيهَا خُضْرٌ كَافٍ ۚ

ان احادیث و محدثین و علماء کی عبارات سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں اور ان کے لباس نعلین، بال و غرض کہ سارے تبرکات اسی طرح کعبہ معظمہ، قرآن شریف، کتب احادیث کے اوراق کا جو مناجات و دعا و ابراہیم پرکت ہے، بلکہ بزرگان دین کے بال و لباس و جمیع تبرکات کی تعظیم کرنا، ان سے رطائی و غیرہ مصائب میں امداد حاصل کرنا۔ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ قَالَ لَقَدْ نُنْفِثُ فِي آيَةِ مَلِكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ ذَٰلِكَ الْهَرُونَ تَحْمِلُهَا السَّكِينَةُ۔ بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے فرمایا کہ طاہریت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئیگا۔ جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو چین ہے اور کچھ بھی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی کہ اٹھائے ہوں گے اس کو فرشتے اس آیت

کی تفسیر میں تفسیر خازن و روح البیان و تفسیر مدارک اور جلالین وغیرہم نے لکھا ہے، کہ تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس میں انبیاء کی تصاویر و تصاویر کسی انسان نے نہ بنائی تھیں بلکہ قدرتی تھیں، ان کے مکانات شریف کے نقشے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کے کپڑے اور آپ کے فعلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا۔ بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے تو برکت کے لیے اس کو سامنے رکھتے تھے۔ جب خدا سے دعا کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے۔ بخوبی ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے تبرکات سے فیض لینا۔ ان کی عظمت کو خاطر بقیر انبیاء ہے۔ تفسیر خازن و مدارک و روح البیان و کبیر سورہ یوسف پارہ ۱۲ زیر آیت فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ كَجَبِ يَعْقُوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَفِيسٌ تَعْوِذًا كَرُّدَالٍ دِي تَا كَر مَحْفُوظٍ ہیں۔ سائے پانی رب نے پیدا کیے ہیں۔ مگر آب زمزم کی تعظیم اس لیے ہے کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہوا مقام ابراہیم تھیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ہوئی تو اس کی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى سَبَّحَ سِرَادُہر جُحَادِیَہ مَعْمُورَہ کو حضور علیہ السلام سے نسبت ہوئی۔ تو رب تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ۔ نیر فرمایا۔ وَهَذَا الْبَلَدُ الْأَمِينُ۔ ایوب علیہ السلام سے فرمایا۔ اَنْكُنْ بِرِجْلِكَ هَذَا مُغْتَسِّلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ۔ ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے جو پانی پیدا ہوا۔ وہ شفا بنا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے پاؤں کا دھوون عظمت والا اور شفا ہے۔ مشکوٰۃ شریع کتاب اللباس میں ہے کہ حضرت اسماعیل بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس حضور علیہ السلام کا جبرہ (چمک) شریف تھا۔ اور مدینہ طیبہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ وہ دھو کر اس کو پلاقی تھیں اسی مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب الشرب میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مکان پر تشریف فرما ہوئے اور ان کے مشکیزے سے منہ مبارک نکال کر پانی پیا۔ انہوں نے برکت کیلئے مشکیزہ کا منہ کاٹ کر رکھ لیا۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب المساجد فصل ثانی میں ہے کہ ایک جماعت حضور علیہ السلام کے دست اقدس پر مشرف باسلام ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں بیعہ یہودیوں کا عبارت خانہ ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کو توڑ کر مسجد بنالیں حضور علیہ السلام نے ایک برتن میں پانی لے کر اس میں کلی فرمادی

اور فرمایا کہ اس میجر کو توڑ دو اور اس پانی کو دہاں زمین پر پھونک دو اور اس کو مسجد بنا لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا غلبہ شریف کفر کی گندگی کو دور فرماتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی ٹوپی شریف میں حضور علیہ السلام کا ایک بال شریف رکھتے تھے۔ اور جنگ میں وہ ٹوپی ضرور آپ کے سر مبارک پر ہوتی تھی۔ مشکوٰۃ باب السترہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا تو حضرت بلال نے وضو کا پانی لے لیا اور لوگ حضرت بلال کی طرف دوڑے۔ جس کو اس غسالہ شریف کی تری مل گئی اس نے اپنے منہ پر ملی اور جسے نہ ملی۔ اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری لے کر منہ پر ہاتھ پھیر لیا ان احادیث سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کی استعمالی چیزوں سے برکت حاصل کرنا سنت صحابہ ہے۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں۔ عالمگیری کتاب الکرامۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

إِنْ قَبِلَ يَدُ الْعَالِمِ أَوْ سُلْطَانِ الْعَادِلِ
يُعْلِيهِ دَعْوَاهُ لَا بَأْسَ بِهِ -

اگر عالم یا عادل بادشاہ کے ہاتھ چومے ان کے
علم و عدل کی وجہ سے تو اس میں حرج نہیں۔

اسی عالمگیری کتاب الکرامۃ باب زیارۃ القبور میں ہے۔

كَأَنَّهُ يَتَقَبَّلُ قَبْرَ الْوَلَدِ كَذَا فِي الْغُرَائِبِ | اپنے ماں باپ کی قبریں چومنے میں حرج نہیں۔

اسی عالمگیری کتاب الکرامۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

إِنَّ التَّقْبِيلَ عَلَى خَمْسَةِ أَذْخِيَةٍ ثَلَاثَةُ أَثْمَانٍ
كَقَبْلَةِ الْوَالِدِ وَلَدَهُ وَقَبْلَةِ النَّبِيِّ كَقَبْلَةِ
الْمُؤْمِنِينَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ وَقَبْلَةُ الشَّفَقَةِ
كَقَبْلَةِ الْوَلَدِ بِوَالِدِيهِ وَقَبْلَةُ الْمَوَدَّةِ
كَقَبْلَةِ الرَّجُلِ أَخَاهُ وَقَبْلَةُ الشُّهُوَةِ كَقَبْلَةِ
الْشَّرِّحْلِ امْرَأَتَهُ وَزَادَ بَعْضُهُمْ قَبْلَةَ الْبَيَانَةِ
وَهِيَ ثَلَاثَةُ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ -

بوسہ لینا پانچ طرح کا ہے رحمت کا بوسہ جیسے کہ
باپ اپنے فرزند کو چومے۔ ملاقات کا بوسہ جیسے کہ
بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں شفقت کا بوسہ جیسے
کہ فرزند اپنے ماں باپ کو بوسہ دے دوستی کا بوسہ
جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو بوسہ دے۔ شہوت
کا بوسہ جیسے کہ شوہر اپنی بیوی کا بوسہ لے۔ بعض نے زیارہ
کیا دین داری کا بوسہ اور وہ سنگ اسود کا چومنا ہے۔

در مختار جلد پنجم کتاب الکرامۃ آخر باب الاستبصار بحث جبہ افخم میں ہے۔

وَكَا بَأْسٌ يَتَقَبَّلُ يَدَ الْعَالِمِ أَوْ السُّلْطَانِ الْعَادِلِ | علم و عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں حرج نہیں

اس جگہ شامی نے مالک کی ایک حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے۔

قَالَ ثُمَّ آذِنَ لَهُ فَقَبِلَ سِرَّاسَهُ وَرَجَلَيْهِ
وَقَالَ لَوْ كُنْتُ أَمِيرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ
لَا مَرَّتُ الْمَرَّةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِيهَا وَ
قَالَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ -

حضور علیہ السلام نے اس شخص کو اجازت دی اس
نے آپ کے سر اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا۔ اور
حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر اگر تم کسی کو سجدے کا
حکم دیتے تو عورت کو حکم دیتے کہ شوہر کو سجدہ کرے۔
در مختار نے اسی جگہ بوسہ پانچ قسم کا بیان کیا مثل عالمگیری کے اتنا اور زیادہ کیا۔

قُبِّلَتْهُ الدِّيَانَةُ لِلْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَ
تَقْبِيلُ عُنْتَبَةِ الْكَعْبَةِ تَقْبِيلُ الْمُصْحَفِ قِيلَ
يَذْعُهُ لَكِنْ مَرْدِي عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ
يَأْخُذُ الْمُصْحَفَ كُلَّ عَدَاةٍ وَيَقْبِلُهُ وَأَمَّا تَقْبِيلُ
الْحَبْرِ فَيَجُوزُ الشَّافِعِيَّةُ أَنَّهُ يَذْعُهُ مَبَاحَةً
ذَقِيلَ حَسَنَةً مُلْخَصًا -

ایک بوسہ دینداری کا ہے وہ حجر اسود کا بوسہ کعبہ
شریف کی چوکھٹ کا بوسہ ہے قرآن پاک چومنا بعض
لوگوں نے بدعت کہا ہے مگر عمر رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے کہ آپ ہر صبح کو قرآن پاک ہاتھ میں لیکر پڑھتے تھے
اور روٹی کا چومنا اسکو شافعی لوگوں نے جائز فرمایا ہے
کہ یہ بدعت جائز ہے بعض نے کہا کہ بدعت حسنہ ہے۔

نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُمِصَّةً مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے
ہو کر حضرت خلیل (علیہ السلام) نے کعبہ کی تعمیر کی۔ ان کے قدم پاک کی برکت سے اس پتھر کا یہ درجہ ہوا کہ
دنیا بھر کے حاجی اس کی طرف سر جھکانے لگے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بوسے چند طرح کے ہیں اور
متبرک چیزوں کو بوسہ دینا دینداری کی علامت ہے۔ یہاں تک تو اقوال موافقین کا ذکر ہوا۔ مخالفین کے
سرور جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الخط والاباحہ صفحہ ۵۴ پر
فرماتے ہیں ”تعظیم و نیدار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے
حدیث سے ثابت ہے“ فقط رشید احمد عفی عنہ۔

اس کے متعلق اور بھی احادیث و فقہی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جواب میں

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے اور تبرکات کی تعظیم پر مخالفین کے پاس حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

انشاء اللہ اس کے سوا اور نہ مل سکیں گے۔

اعتراف دا فقہار فرماتے ہیں کہ علماء کے سامنے زمین چومنا حرام ہے نیز جھک کر تعظیم کرنا حرام ہے کیونکہ یہ رکوع کے مشابہ ہے اور جس طرح تعظیم سجدہ حرام ہو گیا۔ تعظیمی رکوع بھی حرام ہو گیا اور جبکہ کسی کے پاؤں چومنے کے لئے اس کے قدم پر منہ رکھا تو یہ رکوع تو کیا سجدہ ہو گیا لہذا یہ حرام ہے۔ درمختار کتاب الکراہیت باب الاستبصار بحث مصافحہ میں ہے۔

علماء اور بڑے بزرگوں کے سامنے زمین چومنا یہ حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔ سلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا سجدہ کی طرح ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے اور فقہار کا ظاہری کلام یہ ہے کہ وہ اس چومنے کو سجدہ ہی کہتے ہیں۔

وَتَقْبِيلُ الْأَرْضِ مِنْ بَيْنِ يَدَيْ الْعَلَمَاءِ
وَالْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ لِأَنَّهُ يَشْتَبِهُ عِبَادَةَ الْوُثْنِ
اسی کے ماتحت شامی میں ہے اَلَا يَأْتِي السَّلَامُ
إِلَّا بِرُكُوعٍ أَوْ بِسُجْدَةٍ أَوْ بِتَقْبِيلِ الْأَرْضِ
يَكُونُ الْإِشْتِبَاهُ لِلْأَسْطِطِ وَغَيْرِهِ وَظَاهِرٌ
مُكْلَفٌ يُمْ عَلَى إِطْلَاقِ السُّجُودِ عَلَى هَذَا التَّقْبِيلِ

معلوم ہوا کہ کسی انسان کے آگے جھکنا سجدہ کرنا شرک ہے لہذا کسی کے پاؤں چومنا شرک ہے حضرت مجدد صاحب کو دربار اکبری میں بلایا گیا اور داخل ہونیکا دروازہ چھوڑا رکھا گیا تاکہ اس مہمان سے آپ اکبر کے سامنے جھک جاویں مگر جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اولاد دروازے میں پاؤں داخل کیئے تاکہ جھکنا لازم آجائے یہ اعتراض انتہائی ہے اور نام دیوبندی وہابی اسی کو پیش کرتے ہیں۔

جواب یہ ہم اولاً سجدہ کی تعریف کریں۔ پھر سجدے کے احکام پھر یہ عرض کریں کہ کسی کے سامنے جھکنے کے کیا احکام ہیں اس سے یہ اعتراض خود بخود ہی دفع ہو جائیگا۔ شریعت میں سجدہ یہ ہے کہ زمین پر سات عضو نکلیں۔ دونوں پنجے، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی، پھر اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو۔ دیکھو عام کتب فقہ کتاب السلوۃ بحث سجدہ اگر بغیر سجدے کی نیت کے کوئی شخص زمین پر اوندھا لیٹ گیا تو سجدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض لوگ بیماری یا سردی سے چارپائی پر اوندھے پڑ جاتے ہیں۔ سجدہ دو طرح کا ہے۔ سجدہ تجتہ اور سجدہ عبادت۔ سجدہ تجتہ تو کسی کی ملاقات کے وقت سجدہ کرنا اور سجدہ عبادت کسی کو خدا یا خدا کی طرح جان کر کرنا۔ سجدہ عبادت غیر اللہ کو کرنا شرک

ہے کسی شی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ ہر نبی توحید لائے شرک کسی نے نہیں پھیلایا سجدۂ تحیۃ زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک تک جائز رہا فرقوں نے حضرت

آدم کو سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادر ابن حضرت یوسف نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ تفسیر روح البیان پارہ ۱۲ سورہ ہود پر آیت وَتَبٰیءُ لِّعَادِیِّ الْقَوْمِ النَّظَاطِیْنِ میں حضرت

ابو العالیہ سے ایک روایت نقل کی کہ زمانہ نوح علیہ السلام میں شیطان نے توبہ کرنی چاہی تو حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ شیطان سے کہو کہ حضرت آدم کی قبر کو سجدہ کرے۔ شیطان بلا کہ جب میں نے آدم علیہ السلام کو زندگی میں سجدہ نہ کیا تو ان کی قبر کو کیا سجدہ کروں گا۔ پھر اسلام نے اس سجدہ تحیۃ کو حرام فرمایا۔ لہذا اگر کوئی مسلمان کسی آدمی کو سجدہ تحیۃ کرے تو گنہگار ہے، مجرم ہے، حرام کا مرتکب ہے، مگر مشرک یا کافر نہیں۔ معترض نے جو در مختار کی عبارت پیش کی اسی جگہ در مختار میں ہے۔

اگر یہ زمین چومنا عبادت اور تعظیم کے لیے ہو
تو کفر ہے اور اگر تحیۃ کے لیے ہو تو کفر نہیں ہاں
گنہگار اور کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

اِنَّ كَانَ عَلَىٰ وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالتَّعْظِيْمِ كُفْرًا
وَاِنْ كَانَ عَلَىٰ وَجْهِ التَّحِيَّةِ لَا وَحْشًا اِثْمًا
مُّؤْتَكِّفًا لِّلْكِبَارَةِ۔

اسی عبارت کے ماتحت شامی نے اسکو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ رہا غیر کے سامنے جھکنا اسکی دو نوعیت میں ایک یہ کہ جھکنا تعظیم کے لیے ہو جیسے کہ جھک کر سلام کرنا۔ یا معظم شخص کے سامنے زمین چومنا یا اگر حد رکوع ہے تو حرام ہے اسی کو فقہار منع فرما رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جھکنا کسی اور کام کے لیے ہو اور وہ کام تعظیم کے لیے ہو جیسے کہ کسی بزرگ کا جو تاسیدھا کرنا اس کے پاؤں چومنا کہ جھکنا اگرچہ اس میں بھی ہے مگر جو تاسیدھا کرنے یا پاؤں چومنے کے لیے ہے اور وہ کام تعظیم بزرگ کے لیے یہ حلال ہے اگر یہ توجیر نہ کی جائے تو ہماری پیش کردہ احادیث اور فقہی عبارات کا کیا مطلب ہوگا۔ نیز یہ سوال دیوبندیوں کے بھی خلاف ہوگا کہ ان کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی پاؤں چومنا جائز فرماتے ہیں حضرت مجدد و صاحب کا یہ انتہائی تقویٰ تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ چونکہ دربار اکبری میں اکبر بادشاہ کو سجدہ کر لیا جاتا ہے اور اکبر اس غرض سے مجھ کو اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے۔ اس لیے آپ نہ جھکے ورنہ اگر آپ جھک کر اس کھڑکی سے داخل ہوتے تو بھی آپ پر کچھ شرعی الزام نہ ہوتا کہ آپ کا مقصد اس جھکنے سے تعظیم اکبر نہ تھی۔ (اعتراض ۲)۔ احادیث میں ہے کہ حضرت عمر نے سنگ اسود کو بوسہ

دے کر فرمایا اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ

لَوْ لَا اِنِّیْ مَرَّیْتُ مَسْجِدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا قَبَّلْتُكَ۔

پتھر سے نہ نفع دے نہ نقصان اگر میں نے حضور
علاہ السلام کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ نہ چومتا

اس سے معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنگ اسود کا بوسہ ناگوار تھا مگر چونکہ نص میں آگیا
مجبوراً چوم لیا۔ اور چونکہ ان تبرکات کے چومنے کی نص نہیں آئی لہذا نہ چومنا ہی مناسب ہے۔

جواب: مولوی عبدالحی صاحب نے مقدمہ بدایہ ندویۃ الہدیہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی حدیث
کو نقل فرما کر فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کو جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین حجر اسود نافع بھی ہے اور مضر بھی۔ کاش کہ آپ نے قرآن کی اس آیت
کی تفسیر پر توجہ فرمائی ہوئی۔ وَ اِذَا اخَذْتَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ حَبِّ مِثْقَالِ
کے دن رب تعالیٰ نے عبدوسیمان لیا تو وہ عبدنامہ ایک درق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ
سنگ اسود قیامت کے دن آویگا کہ اس کی آنکھیں اور زبان اور لب ہوں گے اور مومنین کی گواہی دے گا
لہذا یہ اللہ کا امین اور مسلمانوں کا گواہ ہے حضرت فاروق نے فرمایا

اے علی جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے معلوم ہوا کہ سنگ اسود نفع و نقصان پہنچانے
والا ہے اور اس کی تعظیم دین کی تعظیم ہے۔ نیز حضرت فاروق کا سنگ اسود کو یہ خطاب اس لئے نہ
تھا کہ آپ اس بوسہ حجر اسود سے ناراض تھے۔ سنت سے ناراضی کفر ہے بلکہ محض اس لئے کہ اہل عرب
پہلے بت پرست تھے ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اسلام نے چند بتوں سے ہٹا کر ایک پتھر پر ہم کو متوجہ
کر دیا اس فرمان سے لوگوں کو فرق معلوم ہو گیا کہ وہ تھا پتھروں کا پوجنا اور یہ ہے پتھر کا چومنا۔ پوجنا
اور ہے اور چومنا اور۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کی تردید نہ کی بلکہ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ
کے لفظ سے جو سامعین دھوکا کھاتے اس کو صاف فرما دیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ
مالذات یہ پتھر نفع اور نقصان کا مالک نہیں۔ جیسا کہ اہل عرب بتوں کو سمجھتے تھے اس کا یہ مطلب بھی نہیں
کہ اس پتھر میں بالکل نفع و ضرر نہیں تو حضرت فاروق کا فرمان بھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا اور حضرت

اصلی سرفرازی کا بھی رضی اللہ عنہا ہماری تقریر سے مدافض اور دلیلیوں دونوں کے اعتراض اٹھ گئے۔

تعجب ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تو سنگِ اسود کے بوسہ کے بقول تمہارے خلاف ہیں لیکن خود ہی حضور علیہ السلام سے انہوں نے عرض کیا کہ ہم مقامِ ابراہیم کو اپنا مضلے بنا لیتے کہ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور نفل پڑھتے ان جی کی عرض پر یہ آیت آئی۔ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُضِلًّا مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ بھی تو ایک پتھر ہی ہے اس کے سامنے نفل پڑھنا اور سجدہ کرنا آپ کو پسند ہے۔

اعتراض (۳) بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل جو تبرکات حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بناوٹی ہیں یا کہ اصلی چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں اس لیے ان کا چومنا ان کی عظمت کو نامع ہے۔ ہندوستان میں صد ہا جگہ بال مبارک کی زیارت کر لی جاتی ہے نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور علیہ السلام کے بال ہیں؟

جواب: تبرکات کے ثبوت کے لیے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور کے تبرکات ہیں کافی ہے اس کے لیے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا زنا کے ثبوت کے لیے پرامتقی مسلمانوں کی شہادت درکار۔ دیگر مانی معاملات کے ثبوت کے لیے دو کی گواہی کا ذکر اور رمضان کے چاند کے لیے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر نکاح، نسب یا گارڈن اور اوقات کے ثبوت کے لیے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک پر دیسی آدمی کسی عورت کو ساتھ لے کر مثلاً زنا، دوشہہہ رہتے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اس کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح یادگاروں کے ثبوت کے لیے صرف شہرت معتبر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

کیا یہ لوگ زمین کی سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں
ان سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔

أَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اس آیت میں کفار مکہ کو رغبت دی گئی ہے کہ گذشتہ کفار کی یادگاروں، ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر عورت
 پکڑیں کہ زانیوں کا یہ انجام ہوتا ہے اب یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں جگہ فلاں قوم آباد تھی قرآن نے بھی
 اس کا پتہ نہ دیا اس کے لئے محض شہرت معتبر مانی۔ معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اعتبار فرمایا
 شفا شریف میں ہے۔ وَمِنْ اَعْظَامِهِ دَالِکَ الْبَرۃِ اِغْطَا مُجْمِیعَ اَسْبَابِہِ دَالِکُمۡ مُّشَافِہۃً دَالِکَ الْبَرۃِ
 وَمَا لَکُمۡ سُنۃٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَذِیۡعُرَتۡ بِہِ حَضُورِ عَلِیِّ السَّلَامِ کِی تَعْلِمُ وَتُوقِرُ فِی سَیِّئِہِ عَمَلِہِ
 عَلِیِّ السَّلَامِ کَی اَسْبَابِہِ اَن کَی مَکَانَاتِہِ اَدْرِجَ کَی جِسْمِہِ پَکِ سَیِّئِہِ عَمَلِہِ اَدْرِجَ کَی مَکَانَاتِہِ
 مَشْہُورَہِ کَی حَضُورِ عَلِیِّ السَّلَامِ کِی جَعَلَ سَبَّ کِی تَعْلِیْمِہِ کَی سَیِّئِہِ عَمَلِہِ مَکَانَاتِہِ اَدْرِجَ کَی
 مَکَانَاتِہِ فَرَمَاتَے ہیں۔ اِنَّ الْمَرْءَ اَدَّ جَمِیْعَ مَا نَسِیَ اِلَیْہِہِ وَیَعِیۡرَتۡ بِہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِس سے
 مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہو مشہور ہو اس کی تعظیم کرے۔ مولانا عبدالحلیم
 صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب نور الایمان میں یہ ہی عبارت شفا نقل فرما کر دِیَعِیۡرَتۡ بِہِ پر حاشیہ لکھا۔
 اِنِّیْ وَلَدَکَ اَنَّ عَلٰی وَجْہِہِ الْاَشْتِهَارِ مِنْ غَیۡرِ | اگرچہ یہ نسبت محض شہرت کی بنا پر ہو اور اس کا
 ثُبُوۡتُ اَخْبَارِ فِی اَثَارِہِ کَذٰ اَقَالَ عَلٰی اِلْفَاۡرِیْ ثُبُوۡتِ اَحَادِیۡثِ سے نہ ہو اسی طرح ملا علی قاری نے فرمایا
 ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مسلک منقط میں یہ ہی مضمون تحریر فرمایا۔ اسی طرح علماء
 امت نے احکام حج میں تصانیف شائع کیں اور زائرین کو ہدایت کی کہ حرمین شریفین میں ہر اس مقام
 کی زیارت کرے جس کی لوگ عزت و حرمت کرتے ہوں۔ تعجب ہے کہ فقہار کرام فضائل اہل میں
 حدیث ضعیف کو بھی معتبر مانیں۔ اور یہ عبران تبرکات کے ثبوت کے لئے حدیث بخاری کا مطالبہ کریں
 عاشقانِ راہِ کار با تحقیق ! ہر گز نام ادست قربانیم !

لطیفہ :۔ ہم دھوراجی کا ٹھکانہ دار کی نگینہ مسجد میں بارہویں ربیع الاول شریف کو عطا کئے
 گئے دہان بال مبدک کی زیارت کی جارہی تھی۔ مسلمان زیارت کر رہے تھے درود پاک کا در کرتے تھے
 کوئی روتا تھا۔ کوئی دغا مانگ رہا تھا۔ غرض کہ عجب پر کیف منظر تھا ایک صاحب ایک کونہ میں منہ بنائے
 کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ کو قورے نے مارا ہے میں نے پوچھا کہ حضرت آپ فقہ ہیں کیوں ہیں؟
 فرمانے لگے کہ مسجدوں میں شرک ہو رہا ہے اس کا کیا ثبوت ہے؟ کہ یہ بال حضور علیہ السلام کا ہے
 اور اگر ہو بھی تو اس تعظیم کا کیا ثبوت ہے؟ میں نے اس کا جواب نہ دیا۔ بلکہ ان سے پوچھا کہ جناب کا اسم

شریف کیا ہے؟ فرماتے لگے عبدالرحمن۔ والد مہربان کا اسم گرامی کیا؟ فرمایا کہ عبدالرحیم۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ عبدالرحیم صاحب کے فرزند ہیں۔ اولاً تو اس نکاح کے گواہ نہیں اگر کوئی ہو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف ان کے ہی قطر سے ہے تڑپ کر بولے کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ ہم نے کہا جناب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ کا بال شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے مگر منہ ہو گئے کہنے لگے یہ اور بات ہے پوچھا کہ جناب کہاں کے تعلیم یافتہ ہیں فرمایا دیوبند کے۔ ہم نے کہا کہ پھر کیا پوچھنا آپ تو جسرٹی شدہ ہیں۔ مولانا قطب الدین برہنچاری قدس سرہ سے ایک دیوبندی صاحب فرماتے لگے کہ حضور علیہ السلام کو حضور کہنا بدعت ہے نام لینا چاہیے کیونکہ حضور کہنا کہیں ثابت نہیں انہوں نے جواب دیا۔ چپ رہ اٹو۔ بولے یہ کیا؟ فرمایا کہ آپ کو جناب یا آپ کہنا بدعت ہے کہیں بھی ثابت نہیں ہیں یقین کرتا ہوں کہ دیوبندیوں کو بہت زیادہ تکلیف قیامت کے دن ہوگی جبکہ حضور علیہ السلام مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے اور آپ کی شان تمام عالم پر ظاہر ہوگی اَللّٰهُمَّ اِزِدْنَا شَفَاعَتَهُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔

آج لے ان کی پناہ آج دو مانگ ان سے : پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا
اعتراض : یہ نقشہ نعلین اصل نعلین شریف نہیں یہ تو تمہاری روشنائی تمہارے قلم سے بنایا ہوا ٹوٹا
ہے۔ پھر اس کی تعظیم کیوں کرتے ہو۔

جواب : یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل اور اس کی حکایت ہے حکایت کی بھی تعظیم چاہیے لاہور کا
چھپا ہوا، قرآن شریف، اس کا کاغذ و روشنائی آسمان سے نہیں اتری مہادی بنائی ہوئی ہے مگر
واجب تعظیم ہے کہ اس اصل کی نقل ہے۔ ہر ماہ ربیع الاول ہر دو شنبہ معظم ہے کہ اصل کی حکایت ہے۔

بحث ۲۲ عبد النبی عبد الرسول نام رکھنا

عبد النبی عبد الرسول عبد المصطفیٰ عبد العلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے کو حضور علیہ السلام
کہا بندہ کہنا جائز ہے قرآن و حدیث و اقوال فقہاء سے ثابت ہے مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں
اس لئے اس بحث کے بھی دو باب کرتے ہیں۔ باب اول میں اس کا ثبوت دوسرے میں اس پر اعتراض و جواب۔

پہلا باب

اس کے ثبوت میں

قرآن کریم فرماتا ہے: **وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ دَامَا نِكْحُكُمْ** اور نکاح کرو اپنیوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔

اس عبارت میں عباد کو کم کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یعنی تمہارے بندے۔

قُلْ يَا عِبَادِیَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلٰی أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ اے محبوب فرما دو کہ میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے امید نہ ہو۔

اس یا عبادی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرما دو اے میرے بندو۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوئے۔ یعنی حضور علیہ السلام کے غلام اور امتی، دوسرے معنی کو بھی بہت سے بزرگانِ دین نے اختیار فرمایا۔ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

بندہ خروخواند احمد در رشاد : جملہ عالم را بخوان قُلْ يَا عِبَادِ

حضور علیہ السلام نے سائے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں پرچھو تو قُلْ يَا عِبَادِ۔ حاجی امداد اللہ صاحب رسالہ نفحہ مکیہ ترجمہ ششم اداویہ صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں۔ عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **قُلْ يَا عِبَادِیَ الَّذِينَ آمَنُوا رَجِعْ صُمُوعَکُمْ لَیَّکُمْ** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی **قُلْ يَا عِبَادِیَ الَّذِينَ آمَنُوا** آپ کہہ دو کہ میرے بندو۔ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب بحر الریاض النضرۃ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر خطبہ میں فرمایا **قَدْ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ عَبْدًا وَخَادِمًا** میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ پس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔

مثنوی شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا۔ جبکہ حضرت صدیق اکبر حضرت بلال کو خرید کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں لائے رضی اللہ عنہما، تو عرض کیا۔

گفت ما دو بندگانِ کوئے تو : کردش آزادم بر دوشے تو

عزیز کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بند ہیں۔ میں ان کو آپ کے سامنے آکر کرتا ہوں۔

صاحب درمختار خطبہ درمختار میں اپنا شیوہ علمی بیان فراتے ہیں۔

فَإِنَّ أَمْرِي بِهِ عَزَّ وَشَيْخُنَا الشَّيْخَ عَبْدَ النَّبِيِّ الْخَلِيلِي ۖ فِي سِلَاسِي شَيْخَ عَبْدِ اللَّهِ الْخَلِيلِي ۖ فِي رِوَايَتِهِ كَرَامَتُهُ
معلوم ہو کر صاحب درمختار کے استاد کا نام عبدالنبی تھا۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولانا محمود حسن
صاحب دیوبندی نے لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں عبید سو کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کا بے بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں نہ صرف

عبد کی نسبت غیر خود کی طرف قرآن و حدیث و اقوال فقہاء و اقوال مخالفین سے ثابت ہے عرب والے
عام طور پر کہتے ہیں۔ عیدی حُرّ شاعر کہتا ہے ۱ اَوَّاهِبُ الْمَلِكَةِ الْهَجَّانِ وَعَبِيدُهَا ۲

لطیفہ، تقویۃ الایمان میں علی بخش، پیر بخش، غلام علی، مدار بخش، عبدالنبی نام رکھنے کو مشرک کہا گیا
تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۳۳ میں رشید احمد صاحب کا شجرہ نسب یوں ہے مولانا رشید احمد ابن مولانا ہدایت
احمد ابن قاضی پیر بخش ابن غلام حسن ابن غلام علی۔ اور ماں کی طرف سے نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ رشید احمد ابن
کریم النساء بنت فرید بخش ابن غلام قادر ابن محمد صالح ابن غلام محمد۔ دیوبندی بتائیں کہ مولوی رشید احمد صاحب
کے خاندانی بزرگ مشرک مرتد تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر تھے تو مرتد کی اولاد صلائی ہے یا حرامی۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض ۱۱) عبد کے معنی میں عابد عبادت کرنے والا تو عبدالنبی کے معنی میں گئے نبی کی عبادت کرنے والا اور
یہ معنی صحیحی شریک میں لہذا ایسے نام منع ہیں۔

جواب :- عبد کے معنی عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا گیا تو اس کے
معنی عابد ہوں گے۔ اور جب غیر اللہ کی نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم غلام لہذا عبدالنبی کے معنی ہوتے
نبی کا غلام۔ عالمگیری کتاب الکرامیت باب تسمیۃ الاولاد میں ہے۔

وَالْتَّسْمِيَةُ بِأَنِّمْ يُؤْتَى فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى | جو نام قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں ان سے

بَابُ مَنْ كَانَ لِعَلِيٍّ وَالتَّشْيِيدُ وَالْبَدِيعُ لَا تَكُنْ مِنْ
الْمُتَشَابِهَةِ الْمُشْتَرَكَةِ وَيُزَادُ فِي حَقِّ الْعِبَادَةِ مَا لَا
يُزَادُ فِي حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى لَكَ فِي الْمَشْرَاجَةِ
اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام بھی علی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی علی ہے۔ اسی طرح خدا کا نام بھی رشید بدیع وغیرہ ہیں اور بندوں کے بھی یہ نام ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے نام میں ان الفاظ کے معنے اور ہیں اور بندوں کے لئے دوسرے معنے اسی طرح عبد اللہ کے معنے اللہ کا عابد، عبد النبی کے معنے نبی کا غلام اگر یہ توجیہ نہ ہو تو قرآن کی اس آیت کے کیا معنے ہوں گے مِنْ عِبَادِ كُفْرٍ۔

اعتراف ۲۱) مشکوٰۃ باب الادب الاسامیٰ اور مسلم جلد دوم کتاب الالفاظ من الادب وغیرہ میں ہے۔
لَا يَقُولُونَ أَحَدُكُمْ عَبْدِي دَاعِيِي كُفْرًا
عَبِيدُ اللَّهِ وَكُلُّ النَّسَاءِ كُفْرًا مَاءُ اللَّهِ وَ
لَكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِي وَجَارِيَتِي۔

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا خلاف احادیث ہے لہذا حرام ہے اور عبد النبی میں بھی یہ بات موجود ہے لہذا منع ہے۔
جواب :- یہ ممانعت کی نسبت تشریح کے طور پر ہے کہ عبدی کہنا بہتر نہیں بلکہ غلامی کہنا اولیٰ ہے اسی حدیث کے ماتحت نووی شرح مسلم میں ہے۔

فَإِنْ قِيلَ قَدْ قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي أَشْرَاطِ
السَّاعَةِ أَنَّ بَلَدَ الْأَمَةِ رِقَبَتُهَا فَالْجَوَابُ مِنْ هَذِهِ
أَحَدُهُمَا أَنَّ الْحَدِيثَ الثَّانِي لِبَيَانِ الْجَوَازِ أَنَّ
النَّبِيَّ فِي الْأَدَلِّ لِلْأَدَبِ وَكَرَاهَةِ التَّوْبِيخِ لِلتَّخَرُّمِ۔

اس میں اسی جگہ ہے لَا يَقُولُونَ أَحَدُكُمْ لِعَبْدٍ لَكُمْ فَإِنَّ الْكُفْرَ بِالرَّجُلِ الْمُسْلِمِ أَسَى جَدِيدٌ هِيَ لَا
تَسَوُّ الْعَيْنُ الْكُفْرَ فَإِنَّ الْكُفْرَ بِالْمُسْلِمِ وَالْكُفْرَ بِالْكَوْنِ كُفْرٌ تَوْسُلَانِ مُشْكُوٰۃ کتاب الادب باب اللسان میں
ہم کو اللہ ہے اسی کا حکم ہے تو تیرا ابو الحکم کیوں ہے۔

مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے لَا تَقُولَنَّ غُلَامَكَ يُسَادُّ
اپنے غلام کا نام بیدار اور بدیع اور نوح اور فلاح نہ

قُلْ لَا رِبَا حَادٍ وَلَا يُحْيِي حَادٍ وَلَا يَخْلُجُ - | رکھو۔

ان تمام حدیث میں ان ناموں سے جو ممانعت ہے کہ اہمیت تفسیری کی بنا پر ہے درنہ قرآن اور حدیث بلکہ خود احادیث میں سخت تعارض ہوگا۔ دیکھو لب خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو بھی رب فرماتا ہے۔ گناہ کیا فی صغیراً؟ فاسرجع الی سریتک۔ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مرنے یا رب کہے تو مشرک نہ ہوگا۔ ہاں اُس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ نام رکھنا واجب نہیں۔ لیکن اگر اس زیادہ میں دیوبندیوں و بابیوں کو چڑانے کے لیے یہ نام رکھے تو بہت باعث ثواب ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی۔ ہم اس کی تحقیق فاتحہ کی بحث میں کر چکے ہیں کہ جس مستحب کام کو اعدائے دین روکنے کی کوشش کریں اس کو ضرور کرنا چاہیئے۔

بحث ۲۳ اسقاط کا بیان

اس بحث میں تین باتیں عرض کرنی ہیں۔ اسقاط کے معنی۔ اسقاط کرنا کیا صحیح طریقہ۔ اسقاط کا ثبوت مگر چونکہ بعض لوگ اسقاط کے بالکل منکر ہیں۔ وہ قسم قسم کے اعتراض کرتے ہیں اس لیے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں مذکورہ تین باتیں اور دوسرے باب میں اس پر سوال و جواب۔

پہلا باب

اسقاط کے طریقے اور اس کے ثبوت میں

اس باب میں چار باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ اسقاط کے کیا معنی ہیں۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اسقاط کرنے سے فائدہ کیا ہے اسقاط کا ثبوت کیا۔ اسقاط کے لغوی معنی ہیں گلوینا۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ میت کے ذمہ ہوا احکام شرعیہ گئے ہوں ان کو اس کے ذمہ سے دور کرنا۔ چنانچہ وجیزہ الصراط میں ہے اسقاط آن چیز است کہ دور کردہ شود از ذمہ میت بہ اس قدر کہ میسر شود اسقاط کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان سے بہت سے شرعی احکام عموماً سہواً غلطاً رہ جاتے ہیں۔ جبکہ وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا۔ اور اب بعد موت، ان کی منزل میں گرفتار ہے اب نہ تو ادا کرنے کی طاقت ہے نہ اس سے چھوٹنے کی کوئی سبیل۔ شریعت مظلوم نے اس سبکی کی حالت میں اس میت کی دستگیری کرنے کے لیے کچھ طریقے تجویز فرما

دے کہ اگر وہی میت وہ طریقہ میت کی طرف سے کرے تو بیچارہ مردہ چھوٹ جاوے اس طریقہ کا اسم
اسقاط ہے حقیقت میں یہ میت کی ایک طرح کی مدد ہے۔ وہابی دیوبندی جس طرح کہ زندہ مسلمان کے
دشمن میں اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ ان کو نفع پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرے بعد بھی
پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ میت کی عمر معلوم کی جاوے اس میں سے نو سال عورت
کے لیے اور بارہ سال مرد کے لیے نابالغی کے لیے نکال دو اب جتنے سال بچا اس میں حساب لگاؤ کتنی
مدت تک وہ بے نمازی یا بے روزہ رہا۔ یا نمازی ہو نیکی کے زمانہ میں کس قدر نمازیں اس کی باقی رہ
گئی ہیں کہ نہ پڑھی اور نہ قضا کیں اس لیے زیادہ سے زیادہ انداز لگاؤ۔ جتنی نمازیں حاصل ہوں فی
نمازہ مارو پے اٹھنی بھر گیہوں خیرات کر دو۔ یعنی جو فطرہ کی مقدار ہے وہ ہی ایک نماز کے فدیہ کی
وہ ہی ایک روزے کی۔ تو ایک دن کی چھ نمازیں، پانچ فرض اور ایک وتر واجب ان کا فدیہ تقریباً بارہ
سیر گندم ہوتے اور ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من گندم تقریباً اور سال کی نمازوں کا ۱۰۸ من گندم
ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کے ذمہ دس میں سال کی نمازیں ہیں تو صد ہا من غلہ خیرات کرنا ہوگا۔ شاید
کوئی بڑا دیندار مالدار تو یہ کر سکے مگر غریب سے ناممکن۔ ان کے لیے یہ طریقہ ہے کہ وہی میت بقدر طاقت
گندم یا اس کی قیمت سے مثلاً ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من تھا تو ۹ من گندم یا اس کی قیمت لے اور
کسی مسکین کو اس کا مالک کر دے وہ مسکین یا تو دوسرے مسکین کو یا خود مالک کو بطور میرہ دے دے۔ وہ
پھر اس فقیر کو صدقہ دے ہر بار کے صدقہ میں ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔ بارہ بار صدقہ کیا۔ ایک سال
کا فدیہ ادا ہوا۔ اسی طرح چند بار گھمانے میں پورا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ نمازوں کے فدیہ سے فارغ ہو کر
اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ کا فدیہ ادا کر دیں رحمت الہی سے امید ہے کہ میت کی مغفرت فرامی۔ اسقاط کا یہ
طریقہ صحیح ہے۔ پنجاب میں جو عام طور پر مرد جہے کہ مسجد سے قرآن پاک کا نسخہ منگایا۔ اس پر ایک روپیہ
رکھا اور چند لوگوں نے اس کو ہاتھ لگایا پھر مسجد میں واپس کر دیا اس سے نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔ بعض لوگ
یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ لہذا جب قرآن شریف کا نسخہ خیرات کر دیا سب نمازوں کا فدیہ
ادا ہو گیا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس میں اعتبار تو قرآن کے کاغذ، لکھائی، چھپائی کا ہے اگر دو روپیہ کا یہ نسخہ ہے تو دو
روپیہ کی خیرات کا ثواب ملے گا۔ در نہ پھر وہ مالدار جن پر سزا یا روپیہ سالانہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ کیوں
اتنا فخر کریں صرف ایک قرآن پاک کا نسخہ خیرات کر دیا کریں۔ غرض کہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے طریقہ صحیح نہ ہونیکے

یہ معنی ہیں کہ اس سے اسقاط کا مقصد حاصل نہ ہو گا نہ کہ حرام ہے بلا دلیل کسی شے کو صرف اپنی رائے سے حرام کہنا تو فضلائے دیوبندی کا کام ہے بقدر خیر اور ثواب اہل حواء کے گا۔
 نوٹ :- ہم نے فذیہ کا جو وزن بیان کیا کہ چھ انڈوں کا بارد میر۔ یہ ہر جگہ کے لئے نہیں ہے ایک ما کا فذیہ ۵۰ اردہ یا اٹھتی بھر کد م ہوتے ہیں۔ ہر صوبہ کے لوگ اس سے اپنے یہاں کے میر سے حساب لگاتے۔ اسقاط کے ثبوت میں تین پیشین کو ناچیں ایک تو یہ کہ حوام سے بچنے ثواب حاصل کرنے یا شرعی ضرورت پوری کرنے کے لئے شرعی جیلہ جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ فاذیہ مال سے ہو سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ خود اسقاط کا ثبوت کیا ہے۔

پہلی فصل - حیلہ شرعی کے جواز میں

شرعی حیلہ کو نا ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ قرآن کریم احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے اس کا ثبوت ہے حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سو لکھ ڈیال مار ڈنگا رب تعالیٰ نے انکو تعلیم فرمایا کہ تم ایک جھاڑو لے کر ان کو مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ قرآن مجید نے اسی قصہ کو نقل فرمایا۔ وَخَذَّيْنَاهُ ضِعْفًا فَأَصْرَبَتْ بِهِ وَلَا تَحْنُتْ تَمِمْ اِنِّسْ ہا بخیزیں جھاڑو لے کر مارو اور قسم نہ توڑو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ دنیا میں کو اپنے پاس رکھیں اور راز ظاہر نہ ہو۔ اس کے لئے بھی ایک حیلہ فرمایا جبکہ مفصل ذکر سورہ یوسف میں ہے ایک بار حضرت سارا نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ کا کوئی عضو قطع کروں گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ انکی آپس میں صلح کرو اور حضرت سارا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو۔ تو ان کو تعلیم دی گئی کہ حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیں۔

مشکوٰۃ - کتاب البیوع باب الربا میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عمدہ خرے لائے۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ عرض کیا کہ میرے پاس کچھ ردی خرے تھے میں نے دو صاع ردی خرے دیئے اور ایک صاع عمدہ خرے لے لئے فرمایا کہ یہ سود ہو گیا۔ آئندہ ایسا کرو کہ وہی خرے پیسوں کے عوض فروخت کرو اور ان پیسوں کے اچھے خرے لے لو۔ دیکھو یہ سود بچنے کا ایک حیلہ ہے۔ عالمگیری نے حیلوں کا مستقل باب لکھا جس کا نام ہے کتاب الحیل۔ اسی طرح الاشبہ والنظائر میں کتاب الحیل وضع فرمائی۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الحیل اور ذخیرہ میں ہے۔

كُلِّ حَيْلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِإِبْطَالِ
حَقِّ الْغَيْرِ أَوْ لِإِدْخَالِ شُبْهَةٍ فِيهِ
أَوَّلَتْهُ بِهِ بَاطِلٌ فَهِيَ مَكْرُوهَةٌ وَكُلُّ
حَيْلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِيَتَخَلَّصَ بِهَا
عَنْ حَرَامٍ أَوْ لِيَتَوَصَّلَ بِهَا إِلَى حَلَالٍ فَهِيَ
حَسَنَةٌ وَالْأَصْلُ فِي جَوَازِ هَذَا النَّوَاعِ وَالْجَمْعُ

جو حیلہ کسی کا حق مارنے یا اس میں شبہ پیدا کرنے
یا باطل سے فریب دینے کے لئے کیا جاوے وہ
مکروہ ہے اور جو حیلہ اس لئے کیا جاوے کہ اس
سے آدمی حرام سے بچ جاوے یا حلال کو پائے
وہ اچھا ہے اس قسم کے حیلوں کے جائز ہونے کی
دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ اپنے ہاتھ میں
جھاڑو اس سے مار دو یہ حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم سے بچنے کی تعلیم تھی اور عام مشائخ اس پر ہیں
کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہ بھی صحیح مذہب ہے حموی مشرح اشتاہ اور تارخانہ میں جواز حیلہ
کی بہت نفیس تقریر فرمائی چنانچہ بحث کے دوران میں فرماتے ہیں۔

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ وَقَعَتْ
وَحْشَةٌ بَيْنَ هَجْرَةٍ وَسَارَةٍ فَخَلَقْتُ سَارَةً
إِنْ ظَفَرَتْ بِهَا فَطَعْتُ عَصَايَ بِهَا فَأَرْسَلَ
اللَّهُ جِبْرِيلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ
يُصَلِّمَ بَيْنَ هُمَا فَقَالَتْ سَارَةٌ مَا حِيلَةٌ
يَبْنِي نَاوْحَى اللَّهُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ
السَّلَامُ أَنْ يَأْمُرَ سَارَةَ أَنْ تَنْقُبَ
أُذُنِي هَاجِرَةً فَمِنْ ثَمَّ لُتُوبُ
الْكَافِرِينَ -

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک
بار حضرت سارہ و ہاجرہ رضی اللہ عنہما میں کچھ جھگڑا ہو
گیا۔ حضرت سارہ نے قسم کھائی کہ مجھے موقع ملا تو ہاجرہ
کا کوئی عضو کاٹ دوں گی۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبریل کو
ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا کہ ان میں صلح کر دیں
حضرت سارہ نے عرض کیا تو میری قسم کا کیا حیلہ ہو گا۔
پس حضرت ابراہیم پر وحی آئی کہ حضرت سارہ کو حکم دو کہ وہ
حضرت ہاجرہ کے کان پھیند دیں۔ اسی وقت عورتوں
کے کان پھیندے گئے۔

ان قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور فقہی عبارات سے حیلہ شرعی کا جواز معلوم ہوا۔

دوسری فصل۔ روزے نماز کے فدیہ کے بیان میں

روزے کا فدیہ تو قرآن سے ثابت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ دَعَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةً
طَعَامٌ مِثْلَيْنِ اور جن کو اس روزے کی طاقت نہ ہو وہ بدلو دیں ایک مسکین کا کھانا۔ اس سے معلوم

ہوا کہ مجبور، بوڑھا یا مریض الموت کا مریض جب روزے کے قابل نہ رہے تو ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے اور نماز بمقابلہ روزے کے زیادہ مہتمم بالشان ہے اس لئے نماز کو روزے کے حکم میں رکھا گیا۔ چنانچہ اسی آیت کے ماتحت تفسیر ابن احمدیہ شریف میں علامہ احمد بیون قدس سرہ فرماتے ہیں۔

وَالصَّلَاةُ نَظِيرُ الصَّوْمِ بَلْ أَهَمُّ

فِيهِ فَأَمْرَانَهُ بِالْفِدْيَةِ إِحْتِيَاطًا وَ

رَجَوْنَا الْقَبُولَ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى فَضَّلًا

منار میں ہے وَدُجُوبُ الْفِدْيَةِ فِي الصَّلَاةِ لِلْخِيَانَةِ

شرح وقایہ میں ہے وَفِدْيَةُ كُلِّ صَلَاةٍ

كَصَوْمِ يَوْمٍ وَهُوَ الصَّحِيحُ۔

شرح ایساں میں ہے وَيُعْتَبَرُ فِدْيَةُ كُلِّ

صَلَاةٍ فَالْصَّوْمُ يَوْمًا أَيْ فِدْيَةُ يَوْمٍ۔

فتح القدیر میں ہے مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ قَسَاءُ

سَرْمَصَانٍ فَأَوْصَى بِهِ أَطْعَمَ عَشْرَةَ

وَلِيَّتَهُ لِكُلِّ يَوْمٍ مَسْكِينًا نِصْفَ صَاعٍ

مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ لَكَتَهُ

عَجْرَةٍ عَنِ الْكَدَاعِ وَكَذَلِكَ إِذَا

أَوْصَى بِالْأَطْعَامِ عَنِ الصَّلَاةِ۔

نماز روزے کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی اہم ہند

سم نے اس میں بھی فدیہ کا احتیاطاً حکم دیا اور رب

تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے۔ نماز

میں فدیہ کا واجب ہونا احتیاطاً ہے۔

ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزے کی طرح

ہے اور وہ ہی صحیح ہے۔

ہر فوت شدہ نماز کے فدیہ کا اعتبار ایک دن روزے

پر ہے یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے۔

جو شخص مریض ہو اور اس پر رمضان کی قضاء ہے

پس اس نے وصیت کی تو اس کی طرف اس کا ولی

ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک

صاع خرے یا جو دیدے کیونکہ میت اب اولے مجبور

ہو گیا اور اسی طرح جبکہ اس نے نماز کے بدلے میں

کھانا دینے کی وصیت کی ہو۔

طحاوی علی مرقی الفلاح میں ہے إِعْلَمُوا أَنَّ قَدْرَ النَّصِّ فِي الصَّوْمِ بِإِسْقَاطِهِ بِالْفِدْيَةِ لِنَقْضِ

كَلِمَةِ الشَّائِخِ عَلَى أَنَّ الصَّلَاةَ كَالصَّوْمِ اسْتَحْصَانًا وَإِذَا عَلِمْتَ ذَلِكَ تَعْلَمْ جَهْلٌ مَنْ يَقُولُ إِنَّ

إِسْقَاطَ الصَّلَاةِ لَا أَصْلَ لَهُ إِبْطَالٌ لِلْمُتَّفِقِ عَلَيْهِ مِنَ الْمَذْهَبِ۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز و روزے کا فدیہ دینا جائز ہے اور قبول کی امید ہے بلکہ احادیث بھی اسکی

تائید کرتی ہیں چنانچہ نسائی نے اپنے سنن کبریٰ اور عبد الرزاق نے کتاب الوصایا میں سیدنا عبد اللہ ابن عباس

نقل فرمایا۔ لَا يَصِيَّ أَحَدٌ مِنْ أَحَدٍ وَلَا يَصُومُ أَحَدٌ

کون کسی کی طرف سے نماز پڑھے روزے کے لیے اسکی طرف سے ہر دن

لَعَدَّ وَلَكِنْ يُطْعِمُهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدَّتَيْنِ مِنْ مَحْنَطَةٍ
 مشکوٰۃ کتاب الصوم باب القضاءیں ہے قَالَ
 مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعِمْهُ
 عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِثْلَيْنَا۔

غرض کہ نماز روزے کا فدیہ مال سے دینا شریعت میں وارد ہے اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

تیسری فصل۔ مسئلہ اسقاط کے ثبوت میں

اسقاط کا طریقہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس کا ثبوت تقریباً ہر فقہی کتاب میں ہے۔ چنانچہ نور الایضاح میں اسی مسئلہ اسقاط کے لئے ایک خاص فصل مقرر کی۔ فَصَّلَ فِي اسْقَاطِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ یعنی فصل نماز و روزے کے اسقاط میں ہے اس میں فرماتے ہیں وَلَا يَصِحُّ أَنْ يَصُومَ وَلَا أَنْ يُصَلِّيَ عَنْهُ وَإِنْ تَمَّ يَفِ مَا أَوْصَى بِهِ عَمَّا عَلَيْهِ يَدْفَعُ ذَلِكَ لِلْقَدَارِ لِلْفَقِيرِ وَيَسْقُطُ عَنِ الْمَيِّتِ يَقْدَرُهُ ثُمَّ يَهْبِهُ الْفَقِيرُ وَهَكَذَا حَتَّى يَسْقُطَ مَا كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ مِنْ صِيَامٍ وَصَلَاةٍ وَيَجُوزُ إِعْطَاءُ فِدَايَةِ صَلَاتٍ لِكُلِّ أَحَدٍ جُمْلَتُهُ بِخِلَافِ كَفَّارَةِ الْيَمِينِ۔ ترجمہ وہی ہے جو ہم نے طریقہ اسقاط میں بیان کیا۔ درمختار باب القضاء الفرائض میں ہے وَلَوْ لَمْ يَتْرُكْ مَا لَا يَسْتَقِرُّ مِنْ وَارَثَةٍ نَصَفَ صِلَاءً مِثْلًا وَيَدْفَعُهُ لِفَقِيرٍ ثُمَّ يَدْفَعُهُ لِفَقِيرٍ يَتَوَارَثُ ثُمَّ وَثَمَ حَتَّى يَتِمَّ اس کا ترجمہ وہی ہے جو طریقہ اسقاط میں بیان ہوا۔ اسکی شرح میں شامی میں اس اسقاط کی اور زیادہ وضاحت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں۔

یعنی اُس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حساب کے کریمیت پر کتنی نمازیں اور روزے وغیرہ ہیں اور اس انداز کے فرض کے اس طرح کہ ایک ایک مہینہ ایک ایک سال کے اندازے سے یہ میت کی کل عمر کا اندازہ کرے اور پوری عمر میں کیوں کی کلمہ اذکر تہ جو مدت کیلئے بارہ سال ہے اور عورت کیلئے نو سال وضع کرے پھر حساب کے یہ توہم مہینہ کی نمازوں کا فدیہ نصف عوارہ ہو گا فتح القدیر و مشقی مد سے اور ہر شمسی سال کا کفار

وَالْأَقْرَبُ أَنْ يُحْسَبَ عَلَى الْمَيِّتِ وَيُسْتَقْرَضُ
 يَقْدَرُ بِأَنْ يَقْدَرَ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ أَوْ سَنَةٍ أَوْ
 بِحَسَبِ مَدَّةِ عُمُرِهِ بَعْدَ اسْقَاطِ ثَلَاثِي عَشْرَ سَنَةٍ
 لِذَا كَرِهَ تِسْعَ سِنِينَ لِلرَّأْسِيِّ لِأَنَّهَا أَقَلُّ مَدَّةٍ
 بَلَّوْغِهِمَا فَيُجِبُ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ نَصْفُ عَزَارَةٍ
 فَتَمَّ الْقَدْرُ بِرِأْسِ الْمَدَّةِ مِثْقَلِي مَدَّةٍ مَا تَوَادَّ وَلِكُلِّ سَنَةٍ
 شَامِسِيَّةٍ سِتُّ عَشْرَ أَوْ فَيُسْتَقْرَضُ بِمِثْمَثِهَا وَيَدْفَعُهَا

لِفَقِيرٍ ثُمَّ يَسْتَوْفِيهِ بِأَمْنَةٍ وَيَسْتَسْلِمُ بِأَمْنَةٍ لِنَيْتَةِ
الرَّهْبَةِ ثُمَّ يَدْفَعُهَا لِذَلِكَ الْفَقِيرِ أَوْ لِفَقِيرٍ
آخَرَ هَكَذَا فَيَسْقُطُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ كَفَّارَةٌ سَنَةً
بَعْدَ ذَلِكَ يُعِيدُ الدَّوْرَ بِكَفَّارَةِ الصِّيَامِ
ثُمَّ الْأُضْحِيَّةِ ثُمَّ الْإِيمَانِ لَكِنْ لَا يَدْفَعُ
كَفَّارَةَ الْإِيمَانِ مِنْ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ
خِلَافَ فِذْيَةِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ الْخَطَأُ
فِذْيَةَ صَلَواتِ الْوَاحِدِ -

چھ سو ارہ ہوا پس وارث اس کی قیمت قرض ہے اور فقیر کو
اسقاط کیلئے ہے پھر فقیر اس کو دے اور وارث بہ قبول
کر کے سو سو پڑھ کر دے پھر وہ ہی قیمت اسی فقیر کو یا
دوسرے کو دے میں اسی طرح دورہ کرتا ہے تو ہر دفعہ میں
ایک سال کا کفارہ اور ہر کارہ کے بعد روزہ اور قربانی کے
کفارہ پھر کچھ کفارہ قسم میں دس مسکینوں کا ہونا ضروری ہے
نجانا فیدہ نماز کے کلاس میں چند نمازوں کا فیدہ ایک
شخص کو دے سکتا ہے۔

یہ بالکل وہی طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے۔ أَرَادَ الْفِذْيَةَ عَنْ صَوْمِ
أَيِّهِ أَوْ صَلَواتِهِ وَهُوَ فَقِيرٌ يُعْطَى مِنْ مَنَازِلِ مِنَ الْخِنْدَةِ فَقِيرٌ ثُمَّ يَسْتَوْفِيهِ ثُمَّ يَسْلِمُ بِأَمْنَةٍ هَكَذَا إِنْ يَتِمُّ
مَرَاتِي الْفَلَاحِ شَرْحُ نَوْرِ الْإِبْرَاقِ فِيهِ عَنْ جَمِيعِ مَا عَلَيْهِ أَنْ يَدْفَعَ ذَلِكَ
الْمِقْدَارَ الْيُسْبِرُ بَعْدَ تَقْدِيرِهِ بِشَيْءٍ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَلَوةٍ أَوْ خُوعٍ وَيُعْطِيهِ لِلْفَقِيرِ بِقَصْدِ اسْقَاطِ مَا يَرُدُّ
عَنِ النَّبِيتِ ثُمَّ بَعْدَ قَبْضِهِ يَعْطِيهِ الْفَقِيرَ لَوْ لَوْ أَوْ لِلْأَجَنِيِّ وَيَقْبِضُهُ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْمُؤْتَوِبُ لَهُ
لِلْفَقِيرِ كِبْرَةَ الْإِسْقَاطِ مَعْتَبَرُوه عَنْ النَّبِيتِ ثُمَّ يَعْطِيهِ الْفَقِيرَ لَوْ لَوْ إِنْ قَالَ وَهَذَا هُوَ الْمُخْلِصُ
إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى - ترجمہ وہی ہے جو اوپر درج ہے۔ عالمگیری میں ہے وَإِنْ تَمَيُّزُ مَا لَا يَسْتَقِرُّ وَرَنَتُهُ
يُصَفِّ صَامٌ وَيَدْفَعُ إِلَى مَسْكِينٍ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ مَسْكِينٌ عَلَى بَعْضِ وَرَنَتِهِ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ خَصَّةٌ يَتِمُّ
الْكُلُّ كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ - اسی طرح بحر الرائق - عینی شرح کنز الدقائق - جامع الرموز - معتمد ظہیرہ شرح مختصرہ
فتاویٰ قاضی خان - تراجم جواہر القول المختصر وغیرہ کتب فقہ میں ہے مگر طوالت کے خوف تمام کی عبارات
نقل نہیں کیں۔ منصف کے لئے اسی قدر میں کفایت ہے اب مخالفین کے پیشوا مولوی شید احمد صاحب
گنگوہی کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۱۱۳ میں ہے حیلہ اسقاط کا مفلس
کے واسطے علمائے وضع کیا تھا۔ اب یہ حیلہ تحصیل چند فلسوس کا ملاؤں کے واسطے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ
نیت سے واقف ہے وہاں یہ حیلہ اگر نہیں مفلس کو واسطے بشرط صحت نیت درست کیا عجیب ہے کہ مفید ہو
ورہ لغو اور حیلہ تحصیل دینا دیر کا ہے۔ فقط رشید احمد عثمانی عنہ۔

اگرچہ اس میں بہت سی پھیر کی مگر جائز مان لیا لہذا اب کسی دیوبندی کو حیلہ استقاط پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔ مفلس کی قید مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔ ہم فقہی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ جس میں مفلس کی قید نہیں ہے۔ مالدہ آدمی بھی اگر پورا خدیہ ادا کرے تو تمام ترکہ اسی میں چلا جاویگا۔ ورثہ کو کیا بچے گا۔ اور اگر کسی نے مرتے وقت وصیت بھی کر دی ہو کہ میرا خدیہ دیا جائے تو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں۔ اگر تہائی مال سے تمام عمر کی نمازوں کا خدیہ ادا نہ ہوا۔ تو حیلہ کرنے میں کیا حرج ہے؟ راجحہ کا حیلہ کرنا یہ محض لغو ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدرسہ دیوبند مولویوں کا تنخواہ لینے کا حیلہ ہے لہذا لغو ہے۔

دوسرا باب

حیلہ استقاط پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر قادیانی اور دیوبندی جماعتوں کے کچھ اعتراضات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو کوئی معقول اعتراض نہیں مل سکا۔ محض لفاظی سے کام لیتے ہیں چونکہ بعض سیدھے مسلمان شبہات میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے جواب دیتے ہیں۔

۱) حیلہ کرنا خدا کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا دِمًا
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا دِمًا
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا دِمًا
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا دِمًا

یہ منافقین اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں اور
نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور سمجھتے نہیں۔

یہ کیونکر ممکن ہے کہ تھوڑے مال کے عوض تمام عمر کی نمازیں معاف ہو جائیں۔

جواب: حیلہ کو دھوکا کہنا جہالت ہے حیلہ سے مراد ہے ضرورت شرعیہ پورا کر نیکی شرعیہ تدبیر
اُردو میں بولتے ہیں ”حیلہ رزق بہانہ موت“ اور شرعی حیلہ تو رب نے سکھایا اور حضور علیہ السلام نے تعلیم
فرمایا۔ جس کے حوالے پہلے باب میں گزر چکے اور عالمگیری کا حوالہ گذر گیا کہ کسی کو فریب دینے کیسے حیلہ کرنا
گناہ ہے لیکن شرعی ضرورت کو پورا کرنے یا حرام سے بچنے کی تدبیر کرنا عین ثواب کسی جگہ مسجد بن رہی ہے
روپیہ کی ضرورت ہے زکوٰۃ کا پیسہ اس میں نہیں لگ سکتا۔ کسی فقیر کو زکوٰۃ دی اس نے مالک ہو کر
اپنی طرف سے اس پر خرچ کر دیا۔ اس میں کس کو فریب دیا۔ کس کا مال بلا محض ضرورت شرعی کو پورا کیا۔

لیئے کا حیلہ کرنا بڑا اور دینے کا حیلہ کرنا اچھا ہوتا ہے۔ اس میں فقراء کو دینے کا حیلہ ہے خدائے قدوس کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں۔ رحمت حق بہانہ می طلبیدہ رحمت حق بہانہ می طلبیدہ خدائی رحمت قیمت نہیں مانگتی۔ خدائی رحمت بہانہ چاہتی ہے یہ آیت بخیر عوں منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو کہ کلمہ ایمانی کو اپنے لئے اڑبنا تے تھے۔ اور دل میں کافر تھے۔ مسلمانوں کے عمدہ اور شرعی اعمال پر اس کو چسپاں کرنا سخت جرم ہے۔ اسقاط کے مال کی وجہ سے نماز معاف نہیں ہوتی بلکہ زمانہ زندگی میں نماز پڑھنے کا جو قصور میت سے ہو چکا ہے اور اب اس کا بدلہ میت سے ناممکن ہے اور میت اس میں گرفتار ہے اس کے قصور معاف کرانے کا یہ حیلہ ہے کہ چونکہ صدقہ غضب الہی کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ الصَّدَقَةُ يُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ۔ مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے کہ جس سے نماز جمعہ چھوٹ جاتا ہے وہ ایک دینار خیرات کرے۔ اسی مشکوٰۃ باب الحیض میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے بجاات حیض کرے تو ایک دینار یا نصف دینار خیرات کرے۔ یہ خیرات کیا ہے اس گناہ کا کفارہ ہے جس کا بدلہ ناممکن ہو گیا۔ اگر ہم یہ کہتے کہ انسان زندگی میں ہی آئینہ نمازوں کا فذیہ مال دے دیا کرے اور نماز نہ پڑھا کرے۔ تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ مال سے نماز میں معاف کرا دیں۔

اعتراض (۲) نماز روزہ عبادت بدنی ہے اور فذیہ مال ہے اور مال بدنی عبادت کا کفارہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ حیلہ محض باطل ہے۔

جواب: یہ قیاس قرآنی آیت کے مقابل ہے کہ قرآن تو فرما رہا ہے وَعَنِ الَّذِينَ يُطِيقُونَ فِذْيَتَهُ طَعَامٌ مِّسْكِينٍ جو اس روزے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان پر فذیہ ہے۔ ایک مسکین کا کھانا اور حکم الہی کے مقابل اپنا قیاس کرنا شیطان کا کام ہے کہ اس کو حکم الہی پہنچا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر۔ اس نے اس حکم کے مقابل اپنا قیاس دوڑایا مرد ہو یا۔ پھر بدنی محنت کے مقابل مال ہونا عقل کے مطابق ہے کہ ہم کسی سے کام کراتے ہیں۔ اس کے معاوضہ مال دیتے ہیں۔ بعض صورتوں میں جان کا بدلہ بھی مال سے ہوتا ہے۔ اور شریعت میں بعض کفارے خلاف قیاس بھی ہوتے ہیں۔ کوئی نمازی پہلی التحیات بھول گیا تو سجدہ سہو کرے کسی نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تو اس کے کفارہ میں ۶۰ روزے رکھے۔ حاجی نے بجاات احرام شکار کر لیا۔ اگر میہ ہے تو اس شکار کی قیمت خیرات کرے در روزہ رکھے۔ یہ تمام کفارے خلاف قیاس ہیں۔ مگر شریعت نے مقرر فرمایا بس و چشم منظور ہے۔

اعتراف (۳) جہاد اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جاویں گے کیونکہ جب انکو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی رحمت کیوں گوارا کریں گے؟ اسلئے یہ بند ہونا چاہیئے۔
جواب :- یہ اعتراف تو ایسا ہے جیسے بعض آریوں نے اسلام پر اعتراف کیا ہے کہ مسند زکوٰۃ سے مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہوتی ہے اور مسند زکوٰۃ سے آدمی گناہ پر دلیر ہوتا ہے کیونکہ جب غریب کو معلوم ہے کہ مجھے زکوٰۃ کا مال بغیر محنت ملے گا تو کیوں محنت کرے۔ اسی طرح جبکہ آدمی کو معلوم ہو گیا کہ زکوٰۃ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو خوب گناہ کرے گا جیسے یہ اعتراف محض لغو ہے اسی طرح یہ بھی جو شخص کو فدیہ نماز پر دلیر ہو کر نماز کو ضروری نہ سمجھے وہ کافر ہو گیا اور یہ مال نماز کا فدیہ ہے نہ کہ کفر کا نیز اگر کوئی شخص مسئلہ صحیحہ کو غلط استعمال کرے تو غلطی اس استعمال کے نبرائے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی نیز مسئلہ اسقاط صد ہا سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہم کو تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس اسقاط کی بنا پر نماز سے بے پرواہ ہو گیا ہو۔

اعتراف (۴) کچھ بنی اسرائیلیوں نے جیدہ کے مچھلی کا شکار کیا تھا۔ جس سے ان پر عذاب الہی آگیا اور وہ بندر بنا دیئے گئے کوْثُوْا قِرَدَةً خَاسِیَّیْنَ معلوم ہوا کہ جیدہ سخت گناہ ہے اور عذاب الہی کا باعث۔
جواب :- جیدہ کا حرام ہونا بھی بنی اسرائیل پر عذاب تھا جیسے کہ ہبت سے گوشت ان پر حرام تھے ایسے ہی یہ بھی اس امت پر جائزہ جیلوں کا حلال ہونا رب کی رحمت ہے نیز انہوں نے حرام کو حلال کرنے کا جیدہ کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار ان پر حرام تھا۔ ایسے جہاد اب بھی منع ہیں۔

اعتراف (۵) قرآن فرماتا ہے۔ لَیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ انہیں ہے انسان کے بیشہ مکروہ جو خود کمائے اور فدیہ اسقاط میں یہ ہے کہ میت نماز نہ پڑھے اور اس کی اولاد مال خرچ کر کے اس کو اس جرم سے آزاد کرادے۔ جن سے معلوم ہوا کہ یہ جیدہ خلاف قرآن ہے۔

جواب :- اس کا جواب فاتحہ کی بحث میں گزر گیا کہ اس آیت کی چند توجہیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان اپنی کمائی ہی کا مالک ہے غیر کی بخشش قبضہ میں نہیں وہ کرے یا نہ کرے اس لئے غیر کی سخاوت پر پھول کر اپنی محنت کو بھول جانا خلاف عقل ہے۔

بعد مرنے کے تمہیں اپنا پیر یا بھول جائے ۔ فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے !
 یا یہ کہ یہ آیت کریمہ عبادت بدینہ کے بارے میں آئی ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھوے یا روزے رکھوے تو اس کے دمہ سے اسکے فرائض نماز روزہ ادا نہ ہوں گے وغیرہ۔ اگر یہ توجہیں نہ کی جاویں

تو بہت سی آیات قرآنہ اور احادیث کی مخالفت لازم آوے گی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ
مومنین اور اپنے ماں باپ کیلئے دعا کریں۔ نماز بنمازہ بھی میت کے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا ہی ہے۔ احادیث
میت کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنے کا حکم دیا ہے اسکی پوری تحقیق ہمارے فتاویٰ میں دیکھو۔

ضروری ہدایت: بعض جگہ رواج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال جمعہ کے علاوہ کسی اور دن ہو
تو میت کے دشما اسکی قبر پر حافظ بٹھا کر جمعہ تک قرآن خوانی کرتے ہیں۔ بعض دیوبندی اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔
لیکن یہ حرام کہنا محض غلط ہے اور قبر کے پاس قرآن خوانی کرنا بہت باعث ثواب ہے۔ اس کی اصل یہ
ہے کہ مشکوٰۃ کتاب غذاب القبر میں ہے کہ جب میت قبر میں رکھ دیا جاتا ہے دَوْنُو عِنْتِہِ اَحْضَبَتْ
اَتَاہُ مَلٰکَئِکَہِ اور لوگ دفن کر کے لوٹ آتے ہیں تب منکر نکیر فرشتے سوالات کے لیئے آتے ہیں۔ جس
سے معلوم ہوا کہ دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوال قبر نہیں ہوتا اور پھر شامی جلد اول باب صلوة الجنائے
میں ہے کہ آٹھ شخصوں سے سوال قبر نہیں ہوتا۔ شہید۔ جہاد کی تیاری کرنے والا، علایون سے مرنے
والا، زمانہ طاعون میں کسی بیماری سے مرنے والا، بشرطیکہ وہ دونوں صابر ہوں، صدیق، نابالغ بچہ، جمعہ کے
دن یا جمعہ کی رات میں مرنے والا۔ ہر رات سورہ ملک پڑھنے والا یا مرض موت میں روزانہ سورہ اخلاص
پڑھنے والا بعض نے فرمایا کہ نبی سے بھی اس سے معلوم ہوا کہ جو جمعہ کو مرے اس سے سوال قبر نہیں ہوتا
تو اگر کسی کا انتقال مثلاً اتوار کو ہوا اور بعد دفن سے ہی آدمی دہلی موجود رہا تو اس کی موجودگی کی وجہ سے
سوال قبر نہ ہوا۔ اور اب جب جمعہ آگیا۔ سوال قبر کا وقت نکل چکا۔ اب قیامت تک نہ ہوگا۔ گویا یہ غذاب
الہی سے میت کو بچانیکی ایک تدبیر ہے اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس پر رحم فرما دے۔ اب جبکہ
آدمی دہلی بیٹھا ہے تو بیکار بیٹھا بیٹھا کیا کرے قرآن پاک کی تلاوت کرے جس سے میت کو بھی فائدہ
ہو اور قاری کو بھی۔ کتاب الاذکار مصنف امام نووی باب ما یقول بعد الدفن میں ہے کہ قَالَ الْمَشْأَفِعِ
یُسْتَعْبَعُ اَنْ یَقْرَءَ عِنْدَہُ شَیْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ قَالُوا فَاِنْ حَقَّقُوا الْقُرْآنَ کُلَّمَا کَانَ حَسَنًا۔ یعنی
قبر کے پاس کچھ تلاوت کرنا مستحب ہے، اور اگر پورا قرآن پڑھیں تو بھی اچھا ہے۔

ہم اذان قبر کی بحث میں مومن کر چکے ہیں کہ قبر پر جو سبزہ لگ جاتا ہے اس کی تسبیح کی برکت
سے میت کو فائدہ ہوتا ہے تو انسان کی تلاوت قرآن ضرور نافع ہوگی انشاء اللہ مگر چاہیے یہ کہ
کسی وقت بھی قبر آدمی سے خالی نہ رہے اگرچہ لوگ باری باری سے بیٹھیں۔

معاف ہو گیا۔ نہیں بلکہ ادا سے قرض میں جو خلاف وعدہ تاخیر و غیر ہو گئی وہ معاف کر دی گئی حقوق العباد بہر حال ادا کرنے ہوں گے۔ اگر مسلمان اس قضائے مری کے پڑھنے یا سمجھنے میں غلطی کرے تو اس کو سمجھا دو۔ نماز سے کیوں روکتے ہو۔ اللہ توفیق خیر دے۔ اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو جب بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔

بحث ۲۲ اذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان

اس بحث کے لکھنے کا ہمارا ارادہ نہ تھا مگر ماہ رمضان میں ہم نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرما رہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل ابہا میں کامیاب بھی لکھ دو تاکہ کتاب مکمل ہو جاوے لہذا اس کو بھی داخل کتاب کرتے ہیں۔ رب العالمین قبول فرماوے۔ آمین۔

اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت۔ دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں

جب مؤذن کہے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ تو اس کو سن کر اپنے دونوں انگوٹھے یا کلمے کی انگلی چوم کر آنکھوں سے لگانا مستحب ہے اس میں دنیاوی و دینی بہت فائدے ہیں۔ اس کے متعلق احادیث وارد ہیں۔ صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ عامۃ المسلمین ہر جگہ اس کو مستحب جان کر کرتے ہیں۔ صلوٰۃ مسویٰ جلد دوم باب بستم با ننگ نماز میں ہے۔

مفسر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارا نام آذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو ہم اس کو قیامت کی صفوں میں تلاش فرمائیں گے اور اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔

مَرْوِي عَنِ التَّيْقِي صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَنَّهُ قَالَ مَنْ سَمِعَ اِسْمِي فِي الْاَذَانِ وَوَضَعَ
اِصْبَاحِيْهِ عَلَى عَيْنَيْهِ فَاَنَا طَالِبُهُ فِي صَفْوَةِ
الْقِيَمَةِ دَقَائِدًا اِلَى الْجَنَّةِ۔

تفسیر مع البیان پارہ ۶ سورہ نائزہ زیر آیت وَإِذَا نَادَيْتُمُ إِلَى الصَّلَاةِ الْآيَةِ ہے۔

وَصَعَفَ تَقْبِيلَ ظَفَرِي إِيهَا مَيِّهَ مَعَ مَسْتَعِيهِ
وَالسَّمْعَ عَلَى عَيْنَيْهِ عِنْدَ قَوْلِهِ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ
لَأَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ فِي الْحَدِيثِ الْمَرْفُوعِ لِيَكُنَّ
الْحَدِيثَيْنِ اتَّفَقًا عَلَى أَنَّ الْحَدِيثَ الضَّعِيفَ
يَجُوزُ الْحَمْلُ بِهِ فِي التَّوْغِيبِ التَّوْهِيْبِ
شامی جلد اول باب اذان میں ہے یُسْتَعْبَثُ
أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأَوَّلِ مِنَ الشَّهَادَةِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعِنْدَ
الثَّانِيَةِ مِنْهَا قَرَأَتْ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ
بَعْدَ وَصْعِ ظَفَرِي الْأَيْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ
فَأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُونُ قَائِدًا لَهُ إِلَى
الْجَنَّةِ كَذَلِكَ لِكُنْزِ الْعِبَادَةِ قُرْهَسْتَانِي وَنَحْوَهُ
فِي الْقِتَادَوِي الصُّوفِيَّةِ وَفِي كِتَابِ الْفَرْدَوْسِ
مَنْ قَبَّلَ ظَفَرِي إِيهَا مَيِّهَ عِنْدَ سَمَاعِ أَشْهَدُ
أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ فِي الْأَذَانِ أَنَا
قَائِدُهُ وَمَدْخِلُهُ فِي صُفُوفِ الْجَنَّةِ وَ
تَمَامُهُ فِي حَوَاشِي النَّجِيِّ لِلرَّمَلِيِّ

محمد رسول اللہ کہنے کے وقت اپنے انگوٹھے کے ناخنوں
کو مع کلے کی انگلیوں کے چرنا ضعیف ہے
کیونکہ یہ حدیث مرفوع سے ثابت نہیں لیکن
محدثین اس پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف پر عمل
کرنا رغبت دینے اور ڈرانے کے متعلق جائز ہے
اذان کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے -
صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت
کے وقت یہ کہے قرۃ عینی یا رسول اللہ پھر اپنے
انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے
اللَّهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ توحفدہ علیہ السلام
اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے
اسی طرح کنز العباد میں ہے اور اسی کے مثل قتادوی
صدیقیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ
جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے اذان
میں اشہد ان محمداً رسول اللہ سن کر تو میں اس کو
اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا۔ اور اسے
جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری
بحث بحر الرائق کے حواشی ربلی میں ہے۔

اس عبارت سے چھ کتابوں کے حوالہ معلوم ہوئے شامی، کنز العباد، قتادوی صدیقی، کتاب الفردوس
قبستانی، بحر الرائق کا حاشیہ۔ ان تمام میں اس کو مستحب فرمایا۔ مقاصد حسنہ فی الاحادیث الدائرۃ علی السنۃ
میں امام سخاوی نے فرمایا۔

دیلی نے فردوس میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
سے روایت کی کہ ان سرکار نے جب مؤذن کا

ذَكَرَ كَذَلِكَ يَكُونُ فِي الْفَرْدَوْسِ مِنْ حَدِيثِ
إِبْنِ يَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ

لَتَسْمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُولُ اللَّهِ قَالَ هَذَا قَبْلَ بَإِجْنِ الْأَمَلَيْنِ
السَّابِقَيْنِ وَصَمَّ عَيْنَيْهِ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيلِي
فَقَدْ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي وَلَمْ يَصُمْ -

قول اشہدان محمد رسول اللہ سنا تو یہ ہی فرمایا
اور اپنی کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چوما
اور آنکھوں سے لگایا پس حضور علیہ السلام
نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے
اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

یہ حدیث پایہ صحت تک پہنچی اسی مقاصد حسنہ میں موجبات رحمت مصنف ابو العباس احمد کو دارے نقل
کیا۔ عَنْ أَنُفَضِرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ
مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ أَشْهَدُ
أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ مُحِبًّا بِحَبِيبِي وَ
قُرَّةَ عَيْنِي مُحَمَّدًا ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ ثُمَّ يَقُولُ
إِنَّمَا مَنِيَّةٌ وَيَجْعَلُهُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَزُ مَدًّا أَبَدًا

پھر فرماتے ہیں کہ محمد ابن بابا نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بارتیز ہو چلی۔ جس سے ان کی آنکھ
میں لنگری جا پڑی اور نکل نہ سکی۔ سخت درد تھا۔

وَأَنَّهُ لَتَسْمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُولُ اللَّهِ قَالَ ذَلِكَ فَخَرَجَتْ الْخَصَاءُ فَنُذِرَتْ

اسی مقاصد حسنہ میں شمس محمد ابن صالح مدنی سے روایت کیا۔ انہوں نے امام امجد کو فرماتے ہوئے سنا
راہ امجد متقدمین علمائے مصر میں سے ہیں، فرماتے تھے کہ جو شخص اذان میں حضور علیہ السلام کا نام پاک
سنے تو اپنے کلمے کی انگلی اور انگوٹھا جمع کرے۔

وَتَبَاهُمَا وَصَمَّ بَعْضًا عَيْنَيْهِ لَمْ يَزُ مَدًّا أَبَدًا
پھر فرمایا کہ بعض شارح عراق و عجم نے فرمایا کہ جو یہ عمل کرے تو اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی۔
وَقَالَ لِي كُلُّ مَنِ مَدَّ فَعَلَتْهُ لَمْ
تَزُ مَدًّا عَيْنِي۔

انہوں نے فرمایا کہ جب میں نے یہ عمل کیا ہے
میری بھی آنکھیں نہ دکھیں۔

اسی مقاصد حسنہ میں کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ صَالِحٍ وَانَا مُنْذُ سَمِعْتُهُ
اسْعَلْتَهُ فَلَا تَرْمِذُ عَيْنِي وَارْجُوا اَنْ
عَاقِبَتُهُمَا تَدْرُمُ دِرَاقِي اَسْلِمُ مِنَ الْعَصَى
اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔

ابن صالح نے فرمایا کہ میں نے جب یہ سنا ہے اس
عمل کیا میری آنکھیں نہ دکھیں اور میں امید کرتا ہوں
کہ انشاء اللہ یہ آرام ہمیشہ رہے گا اور میں اندھا ہو
سے محفوظ رہوں گا۔

پھر فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اشدان محمد رسول اللہ صلی
یہ کہے مَرَحِبًا بِجِسْمِي وَفَرَقَةً عَيْنِي مُحَمَّدٌ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور اپنے انگوٹھے
چومے اور آنکھوں سے لگائے۔ لَمْ يَغْمُزْ وَلَمْ يَرْمِذْ کبھی اندھا نہ ہو گا اور نہ کبھی اس کی آنکھیں کھلیں
گی۔ غرض کہ اسی مقاصد میں بہت سے آئمہ دین سے یہ عمل ثابت کیا۔ مشرح نقایہ میں ہے۔

وَأَعْلَمُ أَنَّهُ يُسْتَعْبَدُ أَنْ يُقَالَ عِنْدَكَ
الْأَوَّلِي مِنَ الشَّهَادَةِ الثَّانِيَةِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا
قُرْتُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَعْدَ وَضْعِ
ظَهْرِي اِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
يَكُونُ لَهُ قَافِلَةٌ إِلَى الْجَنَّةِ كَذَا فِي مَوْلَانَا جَمَالِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ
كُنْزٍ الْعَبَّادِ
تَقِيلُ اِلِیْهَا مَتْنِ وَوَضَعَ هُمَا عَلَى الْعَيْنَيْنِ
عِنْدَ ذِكْرِ اِسْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْاَذَانِ
جَانِبِ بَلٍ مُسْتَعْبَدٌ صَوَّرَ بِهِ مَشَائِعُنَا۔

جاننا چاہیے کہ مستحب یہ ہے کہ دوسری شہادت
کے پیدلہ سن کر یہ کہے قرۃ عینی بک یا رسول
اللہ اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھے
تو حضور علیہ السلام اس کو حجت میں اپنے پیچھے
پیچھے لے جائیں گے اسی طرح کثیر العباد میں ہے

اذان میں حضور علیہ السلام کا نام مشریف سن کر
انگوٹھے چومنا اور انگوٹھوں سے لگانا جائز بلکہ
مستحب اسکی ہمارا مشائخ نے تصریح فرمائی ہے

علامہ محمد طاہر علیہ الرحمۃ تلمیذ جمع بجلال انوار میں اسی حدیث کو لایصح فرما کر فرماتے ہیں۔

دُرُودِی تَجَرِبَةٌ عَنْ كَثِيرِينَ۔ | اس کے تجربہ کی روایات بکثرت آئی ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی عبارات پیش کی جا سکتی ہیں مگر اختصار اسی پر قناعت کرتا ہوں حضرت
صدر الافاضل مولائی مرشدی استاذی مولانا الحاج سید نعیم الدین صاحب قلم مراد آبادی دام اللہ فرماتے
ہیں کہ ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا جس کا نام ہے رانجیل برنس اس
انجیل وہ عام طور پر شائع ہے اور ہر زبان میں اس کے ترجمے کیے گئے ہیں اس کے اکثر احکام اسلامی

احکام سے ملے جلتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے لوح القدس انور مصطفویٰ کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ فوراً ان کے انگوٹھے کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لکایا۔ روح القدس کا ترجمہ ہم نے نور مصطفویٰ کیوں کیا اس کی وجہ ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو، یہاں بتایا گیا ہے کہ زمانہ عیسوی میں روح القدس ہی کے نام سے حضور علیہ السلام مشہور تھے۔ علمائے اسنائف کے علاوہ علمائے شافعی و علمائے مذہب مالکی نے بھی انگوٹھے چومنے کے استحباب پر اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتاب اعانتہ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین، "مصری صفحہ ۲۴۷ میں ہے۔

ثُمَّ يُقْبَلُ إِلَيْهَا مِيَهُ وَيَجْعَلُهَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمِدْ لَمْ يَرْمُدْ أَبَدًا۔
پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے، آنکھوں سے لگائے
تو کبھی بھی اندھا ہوا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی۔
مذہب مالکی کی مشہور کتاب کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی، "مصری جلد اول صفحہ ۱۶۹ میں اس کے متعلق بہت کچھ تحریر فرماتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمِدْ وَلَمْ يَرْمُدْ أَبَدًا۔
اندھا ہوا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں۔

اس کی شرح میں علامہ شیخ علی الصعیدی عدوی صفحہ ۱۷۷ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يُبَيِّنْ مَوْضِعَ التَّقْبِيلِ مِنَ إِبْهَامَيْنِ
إِلَّا أَنَّهُ يُقَالُ عَنِ الشَّيْخِ الْعَالِمِ الْمُفَسِّرِ
نُورِ الدِّينِ الْحَرَّاسَانِيِّ قَالَ بَعْضُهُمْ لَقِيْتُهُ
وَقَتَّ الْأَذَانِ فَلَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ أَشْهَدُ
أَنَّ مُحَمَّدًا أَمْرًا رَسُولُ اللَّهِ قَبَّلَ إِبْهَامِي
نَفْسِهِ وَمَسَمَ بِالظُّفْرِ بَيْنَ أَجْفَانِ عَيْنَيْهِ
مِنَ الْمَاءِ إِلَى نَاحِيَةِ الصُّدْرِ ثُمَّ فَعَلَ
ذَلِكَ عِنْدَ كُلِّ تَشَهُّدٍ مَرَّةً فَسَأَلْتُهُ
عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ كُنْتُ أَفْعَلُهُ ثُمَّ تَوَكَّلْتُ

مصنف نے انگوٹھے چومنے کی جگہ نہ بیان کی لیکن
شیخ علامہ مفسر نور الدین خراسانی سے منقول ہے
کہ بعض لوگ ان کو اذان کے وقت ملے جب
انہوں نے مؤذن کو اشہدان محمد رسول اللہ کہتے
ہوئے سنا تو انہوں نے اپنے انگوٹھے چومے
اور ناخنوں کو اپنی آنکھوں کی پلکیں پر آنکھوں کے
کونے سے لگایا اور کنپٹی کے کونے تک پہنچایا۔
پھر ہر شہادت کے وقت ایک ایک بار
کیا میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگے

فَرَضْتُ عَلَيْكَ قِرَاءَتَهُ صَلَّ
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَامًا فَقَالَ لِمَا تَرَكْتُ
سَمِعَ عَيْنُكَ عِنْدَ الْإِدَانِ إِنْ
أَمَرَدْتَ أَنْ تَبْرَأَ عَيْنَكَ فَعَدُ
فِي الْمَسَمِ فَاسْتَيْقِظْتُ وَصَحْتُ
فَبَرَوْتُ وَلَمْ يُعَادِدْنِي مَرَضُهَا
إِلَى الْآلِ -

کہ میں پہلے انگوٹھ چوما کرتا تھا۔ پھر چھوڑ دیا۔ پس
میرے آنکھیں بند ہو گئیں۔ پس میں نے حضور
علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام
مجھے فرمایا کہ تم نے اذان کے وقت انگوٹھے آنکھوں
سے لگانا کیوں چھوڑ دیئے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری
آنکھیں اچھی ہو جائیں تو پھر یہ انگوٹھے آنکھوں
سے لگانا شروع کر دو۔ پس بیدار ہوا اور یہ مسح شروع

کیا مجھ کو آرام ہو گیا۔ اور پھر اب تک وہ مرض نہ لوٹا رہا خود از نبی السلام۔

اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اذان دینے میں انگوٹھے چومنا آنکھوں سے لگانا مستحب ہے حضرت
آدم علیہ السلام اور صدیق اکبر و امام حسن رضی اللہ عنہما کی سنت ہے۔ فقہاء متقدمین و مفسرین اس کے
استحباب پر متفق ہیں آمد شافعیہ و مالکیہ نے بھی اس کے استحباب کی تصریح فرمائی ہر زمانہ اور ہر ایک
مسلمان اس کو مستحب جانتے رہے اور جانتے ہیں اس میں حسب ذیل فائدے ہیں یہ عمل کرنے والا
آنکھ دکھنے سے محفوظ رہے گا اور انشاء اللہ کبھی اندھانہ ہوگا اگر آنکھ میں کسی قسم کی تکلیف ہو اس کے لئے
یہ انگوٹھے چومنے کا عمل بہترین علاج ہے بارہا تجربہ ہے اس کے عامل کو حضور علیہ السلام کی شفاعت
نصیب ہوگی اور اس کو حضور علیہ السلام قیامت کی صفوف میں تلاش فرما کر اپنے پیچھے جنت میں داخل
فرمائیں گے۔

اس کو حرام کہنا محض جہالت ہے جب تک کہ ممانعت کی ہر جہ دلیل نہ ملے اس کو منع نہیں کر سکتے
استحباب کے لئے مسلمانوں کا مستحب جاننا سہی کافی ہے مگر کرامت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت
ہے جیسا کہ ہم بدعت کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں۔

نوٹ ۱۔ اذان کے متعلق توصات و صریح روایات اور احادیث موجود ہیں جو پیش کی جا چکیں تکبیر
بھی مثل اذان کے ہے احادیث میں تکبیر کو اذان فرمایا گیا ہے۔

دو اذانوں کے درمیان نایز ہے یعنی اذان و تکبیر کے درمیان۔ لہذا تکبیر میں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ
پر انگوٹھے چومنا نافع و باعث برکت ہے۔ اور اذان و تکبیر کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ نیت خیر سے ہو تو باعث ثواب ہے بلا دلیل ممانعت منع نہیں کر سکتے۔ جس طرح بھی حضور علیہ السلام کی تعظیم کی حادے باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

انگوٹھے چومنے پر اعتراضات و جوابات

اعترض (۱) انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ دیکھو مقاصد حسنہ میں فرمایا لَا یَصِحُّ فِي الْمَرْفُوعِ صَدَقَ كُلُّ هَذَا شَيْءٍ اِنْ مِنْ سَعَى كَوْنِ مَرْفُوعٍ حَدِيثٌ صَحِيحٌ نَهَى۔ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں ان احادیث کے متعلق فرمایا۔ كُلُّ مَا يُزَوَّدُ فِي هَذَا اَفْلَا يَصِحُّ مَرْفُوعُهُ یعنی اس مسئلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں سے کسی کا رفع صحیح نہیں۔ خود علامہ شامی نے اسی بحث میں اسی جگہ فرمایا لَمْ يَصِحَّ مِنَ الْمَرْفُوعِ مِنْ هَذَا الشَّيْءِ اِنْ مِنْ سَعَى كَوْنِ مَرْفُوعٍ حَدِيثٌ صَحِيحٌ نَهَى۔ صاحب شرح البیان نے بھی ان احادیث کی صحت سے انکار کیا۔ پھر ان احادیث کا پیش کرنا ہی بیکار ہے۔

جواب :- اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ ملا علی قاری موضوعات کبیر میں اسی عبارت منقولہ کے بعد فرماتے ہیں۔

قُلْتُ وَإِذَا اثْبَتَ دَفْعُهُ إِلَى الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَيَكْفِي لِلْعَمَلِ بِهِ يَقُولُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لیے کافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی

معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے اور حدیث موقوف کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان تمام علمائے فرمایا لَمْ يَصِحَّ یعنی یہ تمام احادیث حضور تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں اور صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں۔ کیونکہ صحیح کے بعد درج سن باتی ہے لہذا اگر یہ حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے۔

تیسرے یہ کہ اصول حدیث و اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث چند اسناد سے مروی ہو، جہاں
توسن بن جاتی ہے چنانچہ در مختار جلد اول باب مستحبات الوضوء میں (اعضاء وضوء) دعاؤں سے متعلق
فرماتے ہیں۔ وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ حَبَّانَ وَغَيْرُهُ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ طَرَفٍ۔ اس حدیث کو
ابن حبان وغیرہ نے چند اسناد سے روایت کیا۔ اس کے آخر میں شامی میں فرماتے ہیں۔ آتَى يَقُولُ
بَعْضُهَا بَعْضًا فَأَمَّا تَقَى إِلَى مَرْتَبَةِ الْحَسَنِ يَعْنِي بَعْضُ اسناد بعض کو قوت دیتی ہیں لہذا یہ حدیث
درجہ حسن کو پہنچ گئی۔ اور ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ یہ حدیث بہت طریق سے روایت ہے۔
لہذا حسن ہے۔ چوتھے یہ کہ اگر مان بھی لیا جاوے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی فضائل اعمال
میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی علامہ شامی اسی رد المحتار جلد اول باب

اذان میں اذان کے مواقع کے بحث میں فرماتے ہیں۔ عَلَى أَنَّهُ فِي فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ يَجُوزُ
الْعَمَلُ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ كَمَا مَرَّ فِي أَوَّلِ كِتَابِ الطَّهَارَةِ فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ فِي ضَعِيفِ حَدِيثِ
پُر عمل کرنا جائز ہے یہاں بھی واجب و لازم ہونے کے مسائل نہیں ہیں صرف یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے
میں یہ فضیلت ہے لہذا اس میں حدیث ضعیف بھی قابل عمل ہے نیز لمافوں کا عمل ضعیف حدیث
کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ کتاب الاذکار مصنفہ امام ترمذی ثقیل حدیث کی بحث میں ہے۔

وَقَدْ سَمِعْنَا فِيهِ حَدِيثًا مِنْ حَدِيثِ
أَبِي أَمَانَةَ لَيْنٍ بِالْفَارِسِيِّ اسناداً وَكَلِمَةً
أَعْتَصَدَ بِشَوَاهِدٍ يَعْمَلُ أَهْلُ الشَّامِ۔
یعنی ثقیل حدیث کی حدیث ترمذی اسناد نہیں لکرا لیں
شام کے عمل و دیگر شواہد سے قوی ہو گئی انگوٹھے
چومنے پر بھی امت کا عمل ہے لہذا یہ حدیث ترمذی ہوئی

اس سے زیادہ تحقیق نور الانوار اور توضیح وغیرہ میں دیکھو۔ پانچویں یہ کہ اگر اس کے متعلق کوئی بھی
حدیث نہ ملتی۔ تب بھی امت مصطفیٰ علیہ السلام کا مستحب ماننا ہی کافی تھا کہ حدیث میں آیا ہے
مَا رَأَاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ کام اللہ کے
نزدیک بھی اچھا ہے۔ چھٹے یہ کہ یہ انگوٹھے چومنا انگوٹھ کی بیماریوں سے بچنے کا عمل ہے اور عمل میں
صرف صوفیائے کرام کا تجربہ کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ دلی اللہ صاحب ہرامہ میں ہوا مو مقدمہ
کے دسویں ہامہ میں فرماتے ہیں اجتہاد اور استخراج اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج طباً
فسخا قرادین را تصریفی اعمال میں اجتہاد کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ جیسے کہ تلبیب لوگ حکمت کے نسخے

ایجاد کرتے ہیں۔ خود شاہ دلی صاحب نے اپنی کتاب القول الجلیل وغیرہ میں صدمہ عمل تعویذ گندے جنات کو دفع کرنے سے جنات سے محفوظ رہنے۔ حمل محفوظ رکھنے کے تجویز فرمائے ہیں کہ فلاں دوا ہرن کی کھال پر لکھ کر عورت کے گلے میں مثل ہار کے ڈال دوا سقاطہ ہوگا پشیم کارنگا ہوا دروا عورت کے جسم سے ناپ کر نوکر لگا کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا دروزہ کو مفید ہے وغیرہ بتاؤ کہ ان اعمال کے متعلق کوئی سی احادیث آئی ہیں؟ خود علامہ شامی نے جادو سے بچنے، گئی ہوئی چیز کے تلاش کرنے کے لیے بہت سے طریقے شامی میں بیان فرمائے بتاؤ کہ ان کی احادیث کہاں ہیں؟ جبکہ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے کہ یہ عمل درویشم کے لیے مجرب ہے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟ ساتویں یہ کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے کہ شامی اور شرح نقایہ اور تفسیر روح البیان وغیرہ نے انگوٹھے چومنے کو مستحب فرمایا۔ اس استحباب پر کوئی جرح قدح نہ کی بلکہ حدیث مرفوعہ کی صحت کا انکار کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم استحباب تو بالکل صحیح ہے۔ گفتگو ثبوت حدیث میں ہے۔ یہ استحباب حدیث کی صحت پر موقوف نہیں۔ آخریوں کو اچھا اگر مان لیں کہ استحباب کا ثبوت حدیث ضعیف سے نہیں ہو سکتا۔ تو کرامت کے ثبوت کی کوئی حدیث ہے جس میں یہ ہو کہ انگوٹھے چومنا مکروہ ہے یا نہ چومو وغیرہ وغیرہ انشاء اللہ کرامت کے لیے صحیح حدیث تو کیا ضعیف بھی نہ ملے گی۔ صرف یاروں کا اجتہاد اور عداوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

انگوٹھے پر چومنے کے پرچے اڑ گئے اور حق واضح ہو گیا۔

اعتراف (۳) حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نور مصطفیٰ علیہ السلام انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اس کو چوما تھا۔ تو تم کون سا نور دیکھتے ہو جو چومتے ہو۔ چومنے کی جو وجہ وہاں تھی وہ یہاں نہیں۔

جواب: حضرت ماجرہ جب اپنے فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ مکرمہ کے جنگل میں

تشریف لائیں تو تلاش پانی کے لیے ہفا و مردہ پہاڑ کے درمیان دوڑیں۔ آج تم حج میں وہاں کیوں دوڑتے ہو؟ آج کہاں پانی کی تلاش ہے؟ حضرت اسمعیل علیہ السلام نے قربانی کے لیے جاتے ہوئے راستے میں تین جگہ شیطان کو کنکریاں آج تم حج میں وہاں کیوں کنکر مارتے ہو؟ وہاں اب کوئی شیطان آپ کو دھوکا دے رہا ہے؟ حضور علیہ السلام نے ایک خاص ضرورت کی وجہ سے کفار مکہ کو دکھانے کے لیے طواف میں رمل کر کے اپنی طاقت دکھائی۔ بتاؤ کہ اب طوافِ قدیم میں

رہل کیوں کرتے ہو؟ اب دلائل کفار کہاں دیکھ رہے ہیں؟ جناب انبیائے کرام کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی یادگار باقی رکھی جاتی ہے اگرچہ ضرورت باقی نہ رہے اسی طرح یہ بھی اعتراض (۳) کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے نام پر انکوٹھے کے ناخن چومتے ہو۔ کوئی اور چیز کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ پاؤں کپڑے وغیرہ چومنا چاہیے۔

جواب۔ چونکہ روایت میں ناخن ہی کا ثبوت ہے۔ اس لیے اسی کو چومتے ہیں منصوصات میں وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں۔ اگر اس کا نکتہ ہی معلوم کرنا ہے تو یہ ہے کہ تفسیر خازن در روح البیان وغیرہ نے پارہ ۸ سورۃ اعراف زیر آیت یَدُکَ لَہُمَا سَوَآئِہُمَا میں بیان فرمایا کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا یعنی تمام جسم شریف پر ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا جب ان پر عتاب الہی ہوا تو کپڑا اتار لیا گیا۔ مگر انگلیوں کے پردوں پر بطور یادگار باقی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن جنتی لباس ہیں اور اب جنت تو ہم کو حضور علیہ السلام کے طفیل ملے گی لہذا ان کے نام پر جنتی لباس چوم لیتے ہیں جیسے کہ کعبہ معظمہ میں سنگ اسود جنتی پتھر ہے اس کو چومتے ہیں باقی کعبہ شریف کو نہیں چومتے۔ کیونکہ وہ اس جنتی گھر کی یادگار رہے جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے زمین پر آیا تھا اور طوفان نوحی میں اٹھایا گیا۔ اور یہ پتھر اس کی یادگار رہا۔ اسی طرح ناخن بھی اس جنتی لباس کی یادگار ہے۔

بحث جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ یا نعت پڑھنا

بعض جگہ رسم ہے کہ جب میت کو قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے آگے با آواز بلند کلمہ طیبہ سب مل کر پڑھتے جاتے ہیں یا نعت شریف پڑھتے ہیں مجھ کو یہ دہم بھی نہ تھا کہ کوئی اس کو بھی منع کرتا ہوگا مگر پنجاب میں اگر معلوم ہوا کہ دیوبندی اس کو بھی بدعت و حرام کہتے ہیں۔ اس قدر ظاہر مسئلہ پر کچھ لکھنے کا ارادہ نہ تھا مگر بعض احباب نے مجبور فرمایا۔ تو کچھ بطور اختصار عرض کرنا پڑا اس بحث کے بھی دو باب کیے جاتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

پہلا باب

جنازہ کے آگے کلمہ طیب یا نعت خوانی کا ثبوت

جنازہ کے آگے کلمہ طیب یا تسبیح و تہلیل یا درود شریف یا نعت شریف آہستہ آہستہ یا بلند

آواز سے پڑھنا جائز اور میت و حاضرین کو مفید ہے اس پر قرآنی آیات و احادیث صحیحہ و اقوال

فقہاء شافعیین۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَعَالَىٰ مَا دَعَوْا عَلَىٰ جُنُودِهِمْ۔ اور اپنی کروٹوں پر۔

اس کی شرح تفسیر روح البیان میں ہے۔ اِنِّ يَذْكُرُونَ دَائِمًا عَلَىٰ الْحَالَاتِ كُلِّهَا قَائِمِينَ وَقَائِدِينَ وَمُضْطَجِعِينَ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ لَا يَخْلُو عَنْ هَذِهِ الْهَيْئَاتِ غَالِيًا

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کلمہ طیب لے کر رہے ہوں گے۔ کیونکہ انسان اکثر ان حالات سے غالی نہیں ہوتا۔

تفسیر ابوالسعود میں اسی کے ماتحت ہے۔ وَالْمَرَادُ تَعْيِيمُ الذِّكْرِ لِلْأَدَوَاتِ وَتَحْصِيصُ الْأَحْوَالِ الْمَذْكُورَةِ لَيْسَ لِتَحْصِيصِ الذِّكْرِ بِهَا بَلْ لِأَنَّهَا الْأَحْوَالُ الْمَعْرُودَةُ الَّتِي لَا يَخْلُو عَنْهَا الْإِنْسَانُ تَرَجُّمٌ قَرِيبٌ قَرِيبٌ هِيَ جَوَابُ كَيْفَا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے

الْمَرَادُ كَوْنُ الْإِنْسَانِ دَائِمًا الذِّكْرَ لِزَيْتِهِ فَإِنَّ الْأَحْوَالَ لَيْسَتْ إِلَّا هَذِهِ الثَّلَاثَةُ ثُمَّ لَمَّا وَصَفَهُمْ بِكُونِهِمْ ذَكْرِينَ فِيهَا كَانَ ذَلِكَ دَلِيلًا عَلَىٰ كَوْنِهِمْ مَوَاطِنِينَ عَلَىٰ الذِّكْرِ غَيْرَ قَائِمِينَ عَنْهُ۔ اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزشتہ جگہ۔ ابن عدی نے کامل میں اور امام زبیری نے نصب الرایہ تخریج احادیث

الہدایہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ مجلس علمی و تحقیقی میں لکھا ہے عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ يَجْمَعُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ لَيْسَ خَلْفَ الْجَنَازَةِ إِلَّا قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُبْدِيًا وَتَرَجُّمًا الْكَلِمَةِ وَصَغِيرًا مِمَّا يَنْبَغِي فِي الْمَوْتِ تَحْذِيرًا لِلْمُتَخَذِلِ رَوَاهُ الْمُتَأَنِّ فِي طَبْعِهِ مَوْصُوفًا ۱۳۳ پر ہے۔ وَلَكِنْ قَدْ اعْتَادَ النَّاسُ كَثْرَةَ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَرَجُّعَ أَصْوَاتِهِمْ بِذَلِكَ وَهُمْ إِنْ مَنَعُوا أَبَتْ نَفْسُهُمْ عَنِ التَّسْكُوتِ وَالتَّفَكُّرِ فَيَقْعُونَ فِي كَلَامٍ وَبَيِّنَةٍ وَتَرَجُّعًا وَتَعَوُّافًا عَلَيْهِ وَارْتِكَابًا لِلْمُنْكَرِ إِذَا قَضَىٰ إِلَىٰ مَا هُوَ أَكْثَرُ مِنْكَ أَكَانَ تَرْكُهُ أَحَبَّ

لَا تَنْفَعُ اِمْرُئَكَ ابًا خَفِ الْمَضْرُوتَيْنِ حَمَاهُو الْقَاعِدَةُ الشَّرْعِيَّةُ۔ اس آیت اور ان تفاسیر کی عبارات و احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ہر حال میں ذکر الہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے پریا آمہتہ کرنے کی اجازت ہے۔ ایکسی قوم پر کسی ذرے سے ممانعت کرنے کے لئے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث واحد اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء توجہات جنابت و سجالت جیسا بھی تلاوت قرآن کے علاوہ تمام ذکر و دل کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھے تو جائز ہے (دیکھو عام کتب فقہ) تو جبکہ حدیث کو درست سے لے کر ہے میں یہ بھی ایک حالت ہی ہے اس حالت میں بھی ہر طرح ذکر الہی جائز ہوا۔ قرآن فرماتا ہے۔

اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوْبُ | خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں۔ اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

فَالْمُؤْمِنُونَ يَسْتَأْنِسُونَ بِالْقُرْآنِ
وَذِكْرِ اللّٰهِ الَّذِي هُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ
يُحْيِيْنَ اَسْمَاعَهَا وَاَنْفُسَهَا فَيَعْرِضُوْنَ
بِالْقُرْآنِ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِذِكْرِ اللّٰهِ

پس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے (جو کہ اسم اعظم ہے) مسلمان انس لیتے ہیں اور اس کو سنا چاہتے ہیں اور رفتار دنیا سے خوش ہوتے ہیں اور ذکر غیر اللہ سے سرور پاتے ہیں۔

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی و فرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ بحمد اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کو ہی اس سے خوشی ہوگی۔ نیز میت کو اس وقت اپنے اہل و عیال سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے نہ آہستہ پریا بلند آواز سے لہذا ہر طرح جائز ہو بعض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے منتخب کنز العمال جلد ہشتم صفحہ ۹۹ میں ہوتا ہے۔ حضرت انس ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ میں ہے۔ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً يَطُوْرُوْنَ فِي الطَّرِيقِ يَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الدِّكْرِ قَادًا وَحَدًّا تَتَوَمَّأُ بِذِكْرِهِ

اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جبکہ کسی قوم کو ذکر الہی کرتے ہوئے پاتے ہیں

اللَّهُ تَنَادَا هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ
ثَالِثٌ فَيُحَقِّقُ لَهُمْ بِأَجْنَهَتِهِمْ

تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد
کی طرف پھر ان ذکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں

لہذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں گے تو ملائکہ راستے ہی میں ملیں گے۔ اور ان
سب کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے میت بھی ملائکہ کے پروں کے سایہ میں قبرستان تک جاویگا
خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے۔ مشکوٰۃ اسی باب
میں ہے۔ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ
فَاَمْرٌ تَعْمَوْنَ تَاْخُلُوْا وَّمَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ
قَالَ حِلَقُ الْبَرِّیِّیْنَ

حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں
میں سے گزرتو کچھ کھالیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا
کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الہی ہوتا ہوا جاوے تو میت جنت کے باغ میں
قبرستان تک جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے اسی مشکوٰۃ
میں اسی باب میں ہے کہ الشَّیْطَانُ جَائِئٌ
عَلَى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَاِذَا ذَكَرَ اللّٰهُ خَلَسَ

شیطان انسان کے دل پر چمپا رہتا ہے جب
انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو ہٹ جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر میت کو رہے جاتے وقت ذکر اللہ کیا جاوے گا تو شیطان سے میت کو امن رہیگی یہاں
بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جنازہ کے آگے ذکر بالجہر کو دلالت ثابت کیا گیا
اب احوال فقہاء ملاحظہ ہوں جن میں اس کی تصریح ملتی ہے۔ حلیۃ مذیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبد الغنی
ناہلسی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کو منع
فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے یا کراہت تحریمی کی بنا پر۔ پھر فرماتے ہیں۔

لَکِنْ بَعْضُ الشَّائِخِ جَوَازُ وَالْآخَرُ کَسْرُ
الْجَهْرِ وَرَفْعُ الصَّوْتِ بِالطَّعْنِ فَاَمَّا الْجَنَازَةُ
وَحَلْفُهَا لِتَلْقِیَنِ الْمِیْتِ وَالْاَوَّلِ وَالْآخِرِ
وَتَسْبِیْهِ الْعَقْلَةِ وَالظُّلْمَةِ وَمَنْ طَالَتْ صَدْرُ
الْقُلُوْبِ وَتَسْوَتْهَا یَحِبُّ الدُّنْیَا دَمْرًا یَسْتَهْجَا۔

یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے
اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تاکہ
اس سے اس میت اور زندوں کو تکلین ہو اور
عاقلوں کے دلوں سے غفلت سمٹی دنیا کی
محبت دور ہو۔

واقع الانوار القدسیہ فی بیان العمود الحمیدیہ میں قطب ربانی امام شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

وَكَانَ سَيِّدِي عَلَى الْخَوَاصِّ رَضِيَ اللَّهُ
عَنْهُ يَقُولُ إِذَا عَلِمَ مِنَ الْمَاشِيَةِ مَعَ
الْجَنَازَةِ أَنَّهُمْ لَا يَتَوَكَّنُونَ لِلْعَوْنِ الْجَنَازَةِ
وَيَسْتَعْلُونَ بِأَحْوَالِ الدُّنْيَا فَيَسْبِغِي أَنْ
تَأْمُرَهُمْ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ
اللَّهِ فَإِنَّ ذَلِكَ أَفْضَلُ مِنْ تَوَكُّبِهِ وَلَا
يَسْبِغِي لِلْفَقِيهِ أَنْ يَتَوَكَّنَ ذَلِكَ إِلَّا يَنْقُصَ
أَوْ رِجْمَاءُ فَإِنَّ لِلْمُسْلِمِينَ أَذْنَ الْعَامَّةِ مِنَ
النَّاسِ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ
اللَّهِ كُلُّ دَنِيَّةٍ شَأْوَدَ لِلَّهِ الْعَجَبُ مِنْ
عَنِّي قَلْبٌ مَنْ يَتَكَبَّرُ مِثْلَ هَذَا -

حضرت علی الخواص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ
جب معلوم ہو کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے
سیہودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دنیاوی حالات
میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ انکو کلہ پڑھنے کا حکم
دیں کیونکہ یہ کلہ پڑھنا نہ پڑھنے سے افضل ہے
اور فقیر عالم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے
مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے
اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے
مسلمانوں کو کلہ پڑھنے کا اذن عام ہے حیثیت
بھی یہاں ہے۔ اور سخت تعجب ہے، اس اند
دل سے جو اس کا انکار کرے۔

امام شعرانی اپنی کتاب عہود المشرع میں فرماتے ہیں -

وَلَا تُكَبِّرُ أَحَدًا مِنْ أَخَوَانِنَا
يُكَبِّرُ شَيْئًا ابْتَدَاهَا الْمُسْلِمُونَ عَلَى جِهَةِ
الْقُرْبَةِ وَرَدَاهَا حَسَنًا لَا سِيَّمَا مَا كَانَ
مُعَلَّقًا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ كَقَوْلِ النَّاسِ أَمَامَهُ
الْجَنَازَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ
أَوْ قِرْوَةِ أَحَدِ الْقُرَّانِ أَمَامَهَا وَتَحْوُ ذَلِكَ
فَمَنْ حَرَّمَ ذَلِكَ فَهُوَ قَاصِرٌ عَنْ فُهِمِ الشَّرِيعَةِ
پھر فرماتے ہیں - وَكَلِمَةُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ أَكْبَرُ الْحَسَنَاتِ فَكَيْفَ
يَنْفَعُ مِنْهَا دَأْمَلُ أَحْوَالِ غَالِبِ الْخَلْقِ -
أَلَا نَرَى الْجَنَازَةَ تَجِدُ هُمْ مَشْغُولِينَ

ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے
کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے
ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو خصوصاً
وہ جو اللہ تعالیٰ و رسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے
کہ لوگوں کا جانے کے آگے کلہ طیبہ پڑھنا یا جنازہ
کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص
اس کو حرام کہے وہ شریعت کے سمجھنے سے قاصر ہے۔
یعنی کلہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تمام نیکیوں
میں بہترین کی ہے پس اس سے کیوں منع
کیا جاسکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غالب
حالت میں غور کرو تو تم ان کو جنازے کے

بَحَايَاتِ الدُّنْيَا لَمْ يَعْتَبِرُوا بِالْمَيِّتِ وَقَلْبُهُمْ
غَافِلٌ عَنْ جَمِيعٍ مَا دَعَتْ لَهُ بَلْ رَأَيْتُ
مِنْهُمْ مَنْ يَضَعُكَ وَادَا تَعَارَضَ
عِيْدَنَا مِثْلُ ذَلِكَ وَكُوْنُ ذَلِكَ
لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَّ مَنَا ذَكَرَ اللَّهُ
عَمْرًا وَجَلَّ بَلْ كُلُّ حَدِيثٍ لَعُوْ أَدَّى
مِنْ حَدِيثِ آبَاءِ الدُّنْيَا فِي الْجَنَازَةِ
فَكُلُّ صَاحٍ كُلِّ مَنْ فِي الْجَنَازَةِ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ فَلَا
إِعْتِرَاضَ -

ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پادگے
ان کے دل میت سے بہت نہیں پکڑتے
اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو
بہت سے لوگوں کو سنتے ہوئے دیکھا اور جب
لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس پر عمل
کر کے کبھی پہلے زمانہ میں میت کیساتھ پکار کر نہیں
پڑھا جاتا تھا۔ اسکے ناجائز ہونی کا حکم دینا درست
نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیے
بلکہ دینا داروں کی باتوں سے ہر بات جنازے میں
بہتر ہے پس اگر تمام لوگ بلند آواز سے جنازے کے
سمبر لا الہ الا اللہ پڑھیں تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ اگر بلند آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً
اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ سنتے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت
ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الہی میں مشغول کر دیا جاوے کہ ذکر الہی دنیاوی باتوں سے افضل ہے۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ اس سے نیارہ نہ ملیں گے۔

اعتراض (۱) جنائے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو فقہاء منع فرماتے ہیں چنانچہ عالمگیری جلد اول
کتاب الجنائزہ فصل فی حمل الجنائزہ میں ہے۔

جنائے کے ساتھ جانیا لوں کو خاموش رہنا واجب
ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے
اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہیں تو پسے دل میں کریں۔

وَعَلَى مَسْجِدِ الْجَنَازَةِ الصَّمْتُ وَبِكَرَ كَلِمَهُمْ رَفَعَ
الصَّوْتِ بِأَلْفَاذِكِ وَتَبَرُّؤُهُ الْقُرْآنِ فَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَذْكُرَ
اللَّهُ يَذْكُرُ فِي نَفْسِهِ كَذَلِكَ تَدَايَ قَاضِي خَلَنَ

قنوی سرحد باب حمل الجنائزہ میں ہے۔

ذِكْرُهُ الْقِيَامُ وَالصَّوْتُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ
وَفِي مَقُولِ الْمَيِّتِ رَفَعَ الصَّوْتُ بِأَلْفِ كُورٍ
ذِكْرُهُ الْقُرْآنِ وَقَوْلُهُمْ كُلُّ مَيِّتٍ يَمُوتُ وَ
تَحْوِيلُ ذَلِكَ خَلْفَ الْجَنَازَةِ بِدَعَاةٍ -

جنازے کے پیچھے اور میت کے گھر میں نوحہ کرنا آواز نکالنا اور بلند آواز سے ذکر کرنا قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے پیچھے یہ کہتے جانا کہ ہر زندہ مرے گا بدعت ہے۔

در مختار جلد اول کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت میں ہے۔ کما کبر فی ہمار رفع صوت بد کبر اور قریۃ جیسے کہ جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا یا قروت کرنا مکروہ ہے۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ قُلْتُ وَإِذَا كَانَ هَذَا ابْنِي لِدَعَاوٍ فَمَا ظَنُّكَ بِالْغِنَاءِ الْحَادِثِ فِي هَذَا الزَّمَانِ جبکہ دعائیں اس قدر سختی سے تو اب اس گانے کا کیا حال ہے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گیا ہے۔ ابن منذر نے اشرف میں نقل کیا کہ قَالَ قَيْسُ بْنُ عُبَادَةَ كَانَ أَحْبَبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْمُرُهُونَ رَفَعَ الصَّوْتُ عِنْدَ ثَلَاثِ عَشْرَةِ الْقِيَامِ فِي الْجَنَازَةِ وَفِي السَّكْرِ یعنی صحابہ کو ام جہاد، جنازہ، ذکر میں بلند آواز کو ناپسند کرتے تھے۔ ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ میت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا منع ہے خصوصاً وہ گانا جس کو آج کل نعت خوانی کہتے ہیں وہ تو بہت ہی بُرا ہے (مغالین کا یہ انتہائی اعتراض ہے)

جواب۔ فقہاء کی ان عبارات میں چند طرح گفتگو ہے اولاً یہ کہ انہوں نے جو میت کے ساتھ ذکر بالجبر کو مکروہ لکھا اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے یا تحریمی، کراہت تنزیہی جائزہ میں داخل ہے یعنی اس کا کرنا تو جائز ہے مگر نہ کرنا بہتر، دوسرے یہ کہ یہ حکم اس زمانے کے لیے تھا یا کہ ہر زمانہ کے لیے، تیسرے یہ کہ مطلقاً بولنا منع ہے۔ یا کہ خاص ذکر بالجبر یا کو نوحہ وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ بلند آواز سے ذکر کرنا ہر شخص کو منع ہے یا کہ خاص اشخاص کو۔ جب یہ چار باتیں ملے تو جواب میں تو مسئلہ بالکل واضح ہو جاوے گا۔ حق یہ ہے کہ جن فقہاء نے میت کے ساتھ ذکر بالجبر کو مکروہ فرمایا۔ ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے چنانچہ شامی نے اسی منقولہ عبارت کے ساتھ ساتھ فرمایا۔

کہا گیا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے اور کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی جیسا کہ بحر الرائق میں غایت سے نقل کیا

قَالَ تَحْرِيمًا وَقَدْ تَرَدَّدَ لَهَا فِي الْبَعْضِ عَنِ الْغَلِيظِ وَفِيهِ
عَنْهَا وَيَنْبَغِي لِمَنْ تَبَعَ الْجَنَازَةَ أَنْ يَطِيلَ

الصُّمْتُ۔

اسی بحر میں بروایت غایت ہے کہ جو شخص جنازہ سے

کے ساتھ جاوے اس کو بہتر ہے کہ خاموش رہے۔

جس سے معلوم ہو کہ خاموش رہنا بہتر اور خاموش نہ رہنا بلکہ ذکر بالجہر کرنا بہتر نہیں جائز ہے۔ نیز

کرامت تنزیہی اور تحریمی کی پہچان خود علامہ شامی نے کمرویات کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرمائی فرماتے ہیں۔ شامی جلد اول کتاب الطہارت مطلب تعریف المکرودہ۔

جب فقہار مکروہ فرما دیں تو ضروری ہے کہ کرامت کی دلیل میں نظر کی جاوے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو تو مکروہ تحریمی ہے سوائے کسی مانع کے اور اگر دلیل ممانعت نہ ہو بلکہ غیر ضروری ترک کا فائدہ دے تو کرامت تنزیہی ہے۔

فَيُحْيِيهِ إِذَا كَرِهُوا مَكْرُوهًا فَلَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ فِي دَلِيلِهِ فَإِنْ كَانَ ظَنِّيًّا ظَنِّيًّا يَحْكُمُ بِكَرَاهِيَةِ التَّحْرِيمِ إِلَّا بِصَارِفٍ لِّلظَنِّ عَنِ التَّحْرِيمِ إِلَى الشُّدْبِ فَإِنَّ لَمْ يَكُنِ الدَّلِيلُ ظَنِّيًّا بَلْ كَانَ مُقَيَّدًا لِلتَّوَكُّلِ الْغَيْرِ الْجَائِزِ وَفِي تَأْوِيلِهِ

اس سے معلوم ہوا کہ اگر فقہار کرامت کی دلیل میں کوئی شرعی ممانعت پیش فرما دیں تو کرامت تحریمی ہے ورنہ کرامت تنزیہی۔ اور جن فقہار نے بھی اس ذکر بالجہر کو منع کیا ہے کوئی ممانعت کی حدیث یا آیت پیش نہیں کی۔ صرف شامی نے یہ دلیل بیان فرمائی کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُخَدِّعِينَ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ جس کا ترجمہ فرمایا اِیُّ الْاِتْجَاهِيَّوْنَ بِالسَّخَاةِ یعنی بلند آواز سے دعا کرنے والوں کو۔ معلوم ہوا کہ اس کی ممانعت کی کوئی صاف حدیث نہیں ملی۔ لہذا یہ مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔ نیز امام شعرانی نے عمود مشائخ میں اسی ذکر مع الجنازہ کے لئے فرمایا وَتَدْرَسُ حَجَّ النَّفْعِ اَنَّ الْكَلَامَ مَخْلُوفٌ اَلَا ذَلِیْ اِمَامٌ نُّوِیْ نَے اس کو ترجیح دی کہ جنازہ کے ساتھ کلام کرنا بہتر نہیں۔ مشرح طریقہ محمدیہ نے بیان فرمایا دَهْوٌ یُّكْرَهُ عَلٰی مَعْنٰی اَنَّهُ تَاْرِكٌ اَلَا ذَلِیْ جِنَازَہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے بایں معنی کہ خلاف اولیٰ ہے یعنی بہتر نہیں۔ بہر حال ماننا پڑے گا کہ جن فقہار نے اس کو مکروہ کہا ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے ورنہ اسے یہ کبریا ممانعت اس زمانے کے لئے تھی اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے یہ حکم کرامت بھی بدل گیا۔ کیوں کہ اس زمانہ میں جو بھی جنازہ کے ساتھ جلاتا تھا وہ خاموش رہتا تھا اس سے عبرت پکڑتا تھا اہل میت کے ساتھ رنج و غم میں شرکت کرتا تھا اور شرعی مدعی بھی

یہ ہے کہ میت کے جلوس میں لوگ عبرت حاصل کر لیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَإِذَا احْتَضَتْ إِلَى الْقُبُورِ جَنَازَةٌ ۖ فَأَعْلَمُ بِأَنَّكَ بَعْدَهَا تَحْمُولُ

جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ لے جاؤ تو خیال رکھو کہ ایک دن تم کو بھی اسی طرح لے جایا جائیگا اس حالت میں کچھ بھی بات کرنا خلافِ حکمت تھا کہ بات کرنے میں دھیان بٹے گا۔ اور دل اور طرف متوجہ ہو جاوے گا۔ لہذا فقہار نے فرمایا کہ اس حالت میں سکوت کرو۔ کتاب الاذکار

مصنف امام نووی باب ما یقول الماشی مع الجنازہ میں ہے: وَأَجَلُّهُ فِيهِ ظَاهِرَةٌ وَهِيَ أَنَّهُ أَمْسَكَ لِيُخَاطِبَ وَأَجْمَعَ لِيُفَكِّرَ ۖ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْجَنَازَةِ وَهُوَ الْمَطْلُوبُ فِي هَذَا الْحَالِ۔ مشکوٰۃ باب دفن میت میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم قبرستان میں میت دفن کرنے کے لیے

گئے وَجَلَسْنَا مَعَهُ كَأَنَّا عَلَى رِءُوسِنَا الطَّيْرُ تَيَّارِي قَبْرِ بْنِ دِرْهَمٍ تَوْحِيٍّ اس طرح خاموش بیٹھ گئے جیسے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں اپنیوں کا شکاری جب جال لگا کر بیٹھتا ہے تو بالکل خاموش رہتا

ہے تاکہ آواز سے پرندے اڑ نہ جاویں اب وہ زمانہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والے دیباہی باتیں ہی مذاق مسلمانوں کی غیبتیں کرتے جاتے ہیں۔ اگر قبرستان میں کچھ دیر بیٹھنا پڑے تو خوش گتیاں اڑاتے ہیں۔

میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھیل کا مشغول کر کے دل بہلاتے ہیں تو ان کو ذکر الہی میں مشغول کر دینا ان سپیروہ باتوں سے بہتر ہے۔ لہذا اب یہ بھی مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے

ہوئے جاویں۔ حالات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور جو مفتی اپنے اہل زمانہ کی حالت سے بے خبر

رہے وہ جاہل ہے۔

امام شعرائی اپنی کتاب عمود مشائخ میں فرماتے ہیں۔

وَالْيَمَّا لَمْ يَكُنِ الْخَلَاءُ وَالْقُرَآءَةُ وَالذِّكْرُ
أَمَامَ الْجَنَازَةِ فِي عَهْدِ السَّلَفِ لَا تَهْمُ كَالَّذِ
أَمَاتَ لَهُمْ مَتَيْتُ إِشْتَرَكُوا كَلَامَهُ فِي الْحُزَنِ
عَلَيْهِ حَتَّى كَانَ لَا يُعْرَفُ قَرَابَةُ الْمَيِّتِ
مِنْ غَايَةِ فَكُنُوا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى النُّطْقِ
الْكَثِيرِ لِمَا هُمْ عَلَيْهِ مِنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ بَلْ

گذشتہ زمانہ میں جنازہ کے آگے بات کرنا قرآن پڑھنا

ذکر کرنا اس لیے نہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا

تھا تو سارے شریک نہ بیچ و غم میں شریک ہو

جاتے تھے یہاں تک کہ میت کے اہل قرابت

اور غیروں میں فرق نہ رہتا تھا اور اس قدر موت

کا دھیان کرتے تھے کہ بولنے پر ان کو قدرت

خَرَسَتْ أَلْسِنُهُمْ عَنْ كُلِّ كَلَامٍ فَإِذَا
وَجَدْنَا جَمَاعَةً بِهَذَا الصِّقَةِ فَلَمَّا
أَخْبَى عَلَيْنَا أَنْ لَا تَأْمُرُهُمْ بِقِرْعَةٍ وَلَا ذِكْرِ

سبحان اللہ کیا نفیس فیصلہ فرمایا۔ کیسے کیا اسکل لوگوں کا یہ حال ہے۔ حضرت شیخ عثمان بحیری
شرح اقتنان کے ماشیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں (قَوْلُهُ ذِكْرُهُ لَغْظٌ فِي الْجَنَازَةِ) قَوْلُهُ
لَغْظٌ أَيْ مَرُفَعُ صَوْتٍ وَلَوْ يَقْرَأُ أَوْ ذِكْرُهُ أَوْ صَلَوةٌ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
وَهَذَا بِإِغْتِبَارِهِ مَا كَانَ فِي الصَّدْرِ
الْأَوَّلِ وَالْآلُفَانِ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ
لِأَنَّهُ شِعَارُ الْمَيِّتِ لَأَنْ تَرَكَهُ مَذْرُوبَةً
بِهِ وَلَوْ قِيلَ يَوْجُوبُهُ لَمْ يُبْعَدْ
كَمَا نَقَلَهُ الْمَذَابِغِيُّ۔

امام شعرانی نے عہود مشائخ میں فرمایا۔

فَمِمَّا أَخَذَتْهُ الْمُسْلِمُونَ وَ
اسْتَحْسَنُوهُ قَوْلُهُمْ أَمَامَ الْجَنَازَةِ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ
أَدْوَسِيلُنَا يَوْمَ الْعَرْشِ عَلَى اللَّهِ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ۔

رَسُولُ اللَّهِ وَتَحْوِذُ ذَلِكَ فَمِثْلُ
هَذَا لَا يَجِبُ إِنْكَارُهُ فِي هَذَا الزَّمَانِ
لِأَنَّهُمْ إِنْ كَرِهُوا اسْتَعْلَوْا بِذَلِكَ
اسْتَعْلَوْا بِحَدِيثِ الثَّانِيَا وَذَلِكَ
لِأَنَّ قَلْبَهُمْ قَارِعٌ مِنْ ذِكْرِ
الْمَوْتِ نَدْبَتْ بَعْضُهُمْ يَفْعَلُونَ

مزدہتی تھی۔ اور ان کی زبانیں گونگی ہو جاتی تھیں
اگر ہم آج اس سفت کے لوگ پالیں تو ہم
انکو قرآن پڑھنے اور ذکر کرنے کا حکم نہ دیں گے۔

یعنی جنازے کے ساتھ شور کرنا مکروہ ہے خواہ
یہ شور قرآن خوانی سے ہو یا ذکر اللہ سے یا
ورد خوانی سے۔ یہ حکم اس حالت کے
لمحظ سے ہے۔ جو کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں
کی تھی۔

ورد اس زمانہ میں اب اس میں کوئی حرج نہیں
کیونکہ ذکر بالجہر میت کی علامت ہے اس کے
چھوڑنے میں میت کی توہین ہے لہذا اس کو اگر
ضروری بھی کہا جائے تو بھی بعید نہیں۔ جیسا کہ
ملائی علیہ الرحمۃ سے نقل فرمایا۔

مسلمانوں نے حسن کام کو اچھا سمجھ کر ایجاد کیا
ہے وہ یہ ہے کہ جنازے کے آگے کہتے
ہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ یا کہتے ہیں
کہ خدا کے سامنے قیامت کے دن ہمارا وسیلہ
یہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ یا
اسی طرح اور ذکر۔ اس زمانہ میں

أَمَّا الْجِنَارَةُ فَدَيَّرَتْهُ - اس سے منع کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ اگر وہ لوگ

اس ذکر میں مشغول نہ ہوتے تو دنیاوی باتیں کریں گے کیونکہ ان کے دل موت کی یاد سے خالی ہیں۔ بلکہ ہم نے تو بعض لوگوں کو جنازے کے آگے سنتے ہوئے اور مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ امام شعرانی قدس سرہ نے جو اپنے زمانہ کا حال بیان فرمایا اس سے بدتر حال آج ہے۔ میں نے بعض جگہ دیکھا کہ قبر میں دیر تھی۔ لوگ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن کر بیٹھ گئے اور باتوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بازار لگا ہوا ہے۔ بعض لوگ زمین پر لکیریں کھینچ کر لکڑیوں سے کھیلنا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تجہیز و تکفین کے احکام بتائے۔ اس سے یہ ہی بہتر تھا۔

لطیفہ :- مخالفین جنازے کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کو تو بدعت اور حرام کہتے ہیں۔ مگر باتیں کرنا، کبھی مسائل بیان کرنا، کبھی شرک و بدعت کے فتوے سنانا، لوگوں کے آپس میں منہی مذاق کرنے کو نہ منع کرتے ہیں نہ اس کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء بالکل خاموش بننے کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس اعتراض میں نقل کی ہوئی عبارات سے معلوم ہوا۔ یہ الٹی گنگا کیوں بہ رہی ہے کہ کلام سلام، منہی، مذاق، وعظ و فتاویٰ تو سب جائز۔ حرام ہے تو ذکر اللہ خدا سمجھو۔ فورٹ ضروری :- شاید کوئی کہے کہ اسلامی احکام تو کبھی بدلتے نہیں پھر یہ تبدیلی کیسی؟ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جو احکام کسی علت کے بدلنے سے بدل جائیں گے۔ جیسے کادل زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اجرت لینا حرام تھی۔ اب جائز ہے۔ اسی طرح مقابر اویار اللہ پر چادریں ڈالنا اب ضرورت زمانہ کے لحاظ سے جائز ہیں اسی طرح ماہ رمضان میں ختم قرآن پڑھائیں مانگنا جائز قرار دی گئیں۔ قرآن پاک میں آیات اور رکوع اور سورتوں کے نام لکھنا زمانہ سلف میں نہ تھا لیکن اب عوام کے فائدے کے لحاظ کر کے جائز قرار دیا گیا۔ عالمگیری کتاب الکرامیت باب آداب المصنف میں ہے۔

سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں حرج نہیں یہ اگرچہ بدعت ہے لیکن بدعت حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں بدعت ہیں لیکن اچھی ہیں

كَأَنَّهُ يَكْتُبُ اسْمَ السُّورَةِ وَعَدَا
الْوَيْ دَهُوَ وَإِنْ كَانَ إِحْدَاثًا فَهُوَ بَدْعٌ
حَسَنٌ وَكَفٍّ مِنْ شَيْءٍ كَانَ إِحْدَاثًا وَهُوَ

حَسَنٌ ذَكَرْتُمْ مِنْ شَيْءٍ يَتَخَلَّفُ بِاخْتِلَافِ
الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ -

اور بہت سی چیزیں زمانہ اور ملک کے بدلنے
سے بدل جاتی ہے۔

اس کی بہت تفصیل ہم پہلی بحثوں میں کر چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ کاٹھیاواڑ وغیرہ میں میت
کے آگے اس طرح نعت شریف پڑھتے ہیں کہ سننے والے جان لیتے ہیں کہ کسی کا جنازہ جا
رہا ہے لہذا گھروں میں جو ہوتے ہیں وہ بھی نماز جنازہ کے لیے نکل آتے ہیں۔ تو یہ نعت خانی
میت کا اعلان بھی ہوا اور جنازے کا اعلان کرنا اس نیت سے کہ لوگ نماز جنازے یا دفن میں
شرکت کر لیں جائز ہے۔ چنانچہ درمختار دفن میت کی بحث میں ہے۔

وَلَا يَأْسَ بِثِقَلِهِ قَبْلَ ذَنْبِهِ وَ
يَا لَعَلَامٍ بِمَوْتِهِ وَيَا مُرْشِدٍ بِشَعْرِ
أَدْعِيَةٍ -

یعنی میت کو دفن کرنے سے پہلے اس کو منتقل کرنا
اس کے جنازے کا اعلان کرنا، میت کا مرثیہ
پڑھنا خواہ اشعار میں ہو یا اسکے سوا جائز ہے۔

اس کی شرح شامی میں ہے۔

یعنی جائز ہے کہ بعض لوگ بعض کو خبر دیں تاکہ لوگ اس
میت کے حق کو ادا کریں اور بعض لوگوں نے مکروہ جانا
ہے یہ کہ لگی کوچوں اور بازاروں میں اس کا اعلان کیا
جاوے اور صحیح یہ ہے کہ یہ اعلان مکروہ نہیں ہے جبکہ
اس اعلان میں میت کی زیادہ تعریف نہ ہو۔

إِنِّي أَعْلَمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لِيَقْضُوا
حَقَّهُ ذَكَرَهُ بَعْضُهُمْ أَنْ يُنَادِيَ
عَلَيْهِ فِي الْأَقَاتَةِ وَالْأَسْوَاقِ
وَالْأَصْحَمِ أَنَّهُ لَا يُكْذِبُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ
مَعَهُ تَنْوِيهُ بِذِكْرِهِ -

جبکہ اعلان جنازہ کے لیے میت کا مرثیہ یا میت کے نام کا اعلان جائز ہے تو اعلان جنازہ کی نیت سے
نعت شریف یا کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنا کیوں حرام ہے؟ کہ اس میں جنازے کا اعلان بھی ہے۔
اور حضور علیہ السلام کی نعت بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس جہر کو فقہاء منع فرماتے ہیں وہ ذکر بلا فائدہ
ہے جبکہ اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو تو جائز ہے۔ اسی لیے علامہ شامی نے اسی بحث میں تترارخانیہ
سے نقل کیا۔

لیکن جنازوں کے پاس بلند آواز کرنا اس میں یہ احتمال
ہے کہ اس سے مراد نوح کرنا یا میت کے لئے نماز

دَامَا مَرَفَعُ الصَّوْتِ عِندَ الْجَنَائِزِ
فَيَحْتَمِلُ أَنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ النَّوْحُ أَوِ الدَّعَاءُ

لَمْ يَتَّيْتْ بَعْدَ مَا افْتَتَحَ النَّاسُ الصَّلَاةَ
أَوَّلَ قِسْطٍ فِي مَدْحِهِ كَعَاذَةِ الْجَاهِلِيَّةِ
بِمَا هُوَ يَنْبَغُهُ الْحَالُ وَأَمَّا أَصْلُ التَّنَاوُلِ عَلَيْهِ
فَعَبْدٌ مَكْرُومٌ -

شرع ہو چکنے کے بعد دعا کرنا یا اس کی
تعریف میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ اہل جاہلیت
کی عادت تھی لیکن میت کی تعریف کرنا یہ
مکروہ نہیں ہے -

حاصل یہ کہ بے فائدہ بلند آواز کرنا منع ہے اور با فائدہ ذکر کرنا بلا کر بہت جائز ہے فی زمانہ اس
میں بہت سے وہ فائدے ہیں جو کہ عرض کر دیئے گئے - چوتھے یہ کہ اس ذکر سے ممانعت خاص اہل علم
کو ہے - اگر عوام مسلمین ذکر کریں تو ان کو منع نہ کیا جائے - فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عوام کو ذکر الہی سے
نہ روک کر مکروہ پہلے ہی سے ذکر الہی سے بے رغبت میں - اب جس قدر ذکر کریں کرنے دو - درختا
باب صلوة العیدین میں ہے -

وَلَا يَكْتَبُ فِي طَرَفِهَا وَلَا يَتَنَقَّلُ قَبْلَهَا
مُطْلَقًا وَكَذَا لَا يَتَنَقَّلُ بَعْدَهَا
فِي مُصَلَّاهَا فَإِنَّهُ مَكْرُومٌ
عِنْدَ الْعَامَّةِ -

عید گاہ کے راستے میں تکبیر نہ کہے اور نہ عید سے
پہلے نفل پڑھے اور نماز عید کے بعد بھی عید گاہ
میں نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ عام فقہاء کے
نزدیک مکروہ ہے -

پھر فرماتے ہیں -

هَذَا لِلْعَوَامِ فَلَا يَمْنَعُونَ
مِنْ تَكْبِيرٍ وَلَا تَنْقِيلٍ أَصْلًا لِجَلَّةِ
رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرَاتِ -

یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے لیکن عوام کو اس
سے منع نہ کیا جاوے نہ تکبیر کہنے سے اور نہ نفل
پڑھنے سے کیونکہ ان کی رغبت کا خیر میں کم ہے -

اس کے ماتحت شامی میں ہے اُحی لا یسر اذ لا جہم فی التکبیر یعنی ان کو آمہتہ اور بلند آواز
سے تکبیر کہنے سے نہ روکا جاوے - نیز ہم ذکر بالجہر کی بحث میں سجود شامی باب العیدین ذکر کر چکے ہیں
کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ بازاروں میں بلند آواز سے تکبیریں کہتے ہیں
کیا ان کو منع کیا جاوے فرمایا کہ نہیں - ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض موقوعوں پر عوام کو کسی
خاص ذکر سے منع کیا جاتا ہے لیکن عوام کو روکنے کا حکم نہیں - اسی لئے فقہاء نے یہ تو فرما دیا - کہ
جنائز کے آگے بلند آواز سے ذکر نہ کرو لیکن یہ نہ فرمایا کہ ذکر کرنے والوں کو اس سے روک بھی دو -

اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً تو یہ ممانعت، اگر بہت تفریق ہی کی بنا پر ہے دوسرے یہ کہ پہلے زمانہ کے لئے تھی اب یہ حکم بدل گیا۔ کیونکہ علت حکم بدل گئی۔ تیسرے یہ کہ چونکہ اس ذکر سے جنازہ کا اعلان ہے لہذا فائدے مند ہے جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے عامۃ المسلمین اگر ذکر الہی کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے۔

اعترض (۲) جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے کیونکہ وہ چنیتے جاتے ہیں رام رام ست ہے۔ اور تم بھی شور مچاتے ہوئے جاتے ہو۔ اور کفار سے مشابہت ناجائز ہے لہذا یہ منع ہے۔

جواب، کفار بتوں کا نام پکارتے ہیں۔ اور ہم خدا سے قدوس کا ذکر کرتے ہیں پھر مشابہت کہاں رہی۔ کفار بت کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں ہم خدا کے نام پر۔ کفار گنگا سے گنگا کا پانی لے کو آتے ہیں۔ ہم مکہ معظمہ سے آب زمزم لاتے ہیں۔ یہ مشابہت نہ ہوئی نیز جو کام کہ کفار کچھ قومی یا مذہبی نشان بن گئے ہوں۔ ان میں مشابہت کو نامنع ہے نہ کہ ہر کام میں اگر کافر بھی اپنے جنازوں کے آگے کلمہ پڑھنے لگیں۔ تو شوق سے پڑھیں یہ اچھا کام ہے۔ اور اچھے کام میں مشابہت بُری نہیں ہوتی۔

اعترض (۳) راستے میں کلمہ طیبہ آواز سے پڑھنا بے ادبی ہے کیونکہ دہان گندگی وغیرہ ہوتی ہے لہذا منع ہے۔
جواب، یہ اعتراض محض لغو ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ راستوں میں چلتے ہوئے ذکر جائز ہے۔ ہاں جو جگہ نجاست ڈالنے کے لئے بنائی گئی ہو وہاں ذکر بالجہر منع ہے جیسے کہ پاخانہ یا گھوڑا (روڑی) شامی بحث قرعت عند المیت میں ہے۔ وَفِي الْقَبْرِ لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ سِرًّا أَوْ مَخْفَاً إِذَا لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ الْمَوْضِعَ مُعَدًّا لِلتَّجَاسُّةِ۔ سواریا پیدل چلتے ہوئے قرآن پڑھنے میں حرج نہیں جبکہ وہ جگہ نجاست کے لئے نہ بنائی گئی ہو۔ قرآن بغل میں لے کر راستے سے گزرنا جائز ہے اور پختہ میں لے جانا منع ہے۔ نیز بقرعید کے دن حکم ہے کہ عید گاہ کے راستے میں بلند آواز سے تکبیر تشریف کہتا ہوا جاوے۔ در مختار باب صلوة العیدین میں ہے۔ وَتَكْبِيرُ جَهْرًا اتِّفَاقًا فِي الطَّهْرَيْنِ۔ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہے۔ حالانکہ راستے میں نجاست وغیرہ ہوتی ہے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے جائز ہے۔

حالانکہ وہاں اکثر گندگی ہوتی ہے۔ عالمگیری کتاب الکرامیت باب الصلوٰۃ والتبلیغ میں اور مدۃ الارباب
مجموع النوازل خانید، سر اجیہ، ملقط تجنیس وغیرہ میں ہے۔ - وَأَخَا النَّسِیْمِ وَاللَّهْلِيلُ لَا بَأْسَ
بِذَلِكَ وَإِنْ سَرَفَعَ صَوْتُهُ لَعِنَى حَمَامٍ مِّنْ تَبِیْعٍ وَتَبِیْلٍ لَّبْدٌ أَوَّازٌ سَہْبٌ جَانِزٌ ہے۔

اعتراف ہم جنارے کے آگے لبند آواز سے ذکر کرنے میں گھر کی عورتیں اور بچے ڈر جاتے ہیں۔
کیونکہ ان کو موت یا راجباتی ہے جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں لبند بقاعدہ طیبی بھی یہ منع ہونا چاہیے۔
جواب: قرآن فرماتا ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللّٰہ کے ذکر سے دل چین میں آتے
ہیں مسلمانوں کو تو اس سے چین اور راحت ہوتی ہے۔ ہاں کفار ڈرتے ہوں گے۔ ان کو ڈرنے وہ کفار
تو اذان سے بھی ڈرتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے اذان بندی جاوے گی۔ ہاں اگر کسی حاذق طیب نے
لکھا ہو کہ کلر طیب کی آواز دبا کے اسباب میں سے ہے تو پیش کیا جاوے لیکن وہ طیب مسلمان اور حاذق
ہو۔ کوئی دیوبندی یا کردہمی طیب نہ ہو وہ بھی ہاتھوں کا اعتبار نہیں۔ ثابت ہوا کہ میت کے آگے
لبند آواز سے ذکر بہت بہتر اور باعث برکت ہے۔ مخالفین کے پاس بجز غلط فہمی کے اور کوئی اعتراض
قوی نہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہ عَلٰی ذٰلِکَ

خاتمہ کتاب

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب تک جن قدر مسائل میں دیوبندی اختلاف کرتے ہیں ان کی تحقیق کر دی
گئی۔ لیکن ان مسائل مذکورہ میں بہت سے مسائل وہ ہیں جن پر ایمان کا دار و مدار نہیں صرف کرامت اور استجاب
میں ہی اختلاف ہے جن مسائل کی بنا پر عرب و عجم کے علماء نے دیوبندیوں کو کافر کہا وہ ان کے خلاف
اسلامی عقائد ہیں۔ ہم مسلمانوں کی واقفیت کے لئے ان عقائد کی فہرست پیش کرتے ہیں اور ہر ایک
کے مقابل اسلامی عقیدہ بھی بیان کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس فہرست میں ان کا جو عقیدہ بیان
کیا ہے وہ ان کی کتابوں میں چھپا ہوا موجود ہے اگر کوئی صاحب غلط ثابت کریں تو وہ انعام
کے مستحق ہیں بعض صاحبوں کا اصرار تھا کہ ان عقائد باطلہ کی تردید بھی کر دی جاوے مگر اس وقت
کاغذ دستیاب نہیں ہوتا۔ لہذا ہم ان اشارت اس کتاب کی دوسری جلد تیار کریں گے جس میں ان
عقائد سے ہی بحث ہوگی۔ فی الحال صرف فہرست پیش کرتے ہیں۔

دوبندی عقائد

اسلامی عقائد

(۱) خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (مسئلہ امکان کذب) برابرین قائلہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب انبھوی جہد المقل مصنفہ محمود حسن صاحب۔

جھوٹ بولنا عیب ہے جسے کہ چوری یا زنا کرنا وغیرہ اور رب تعالیٰ بربیب سے پاک ہے وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا (قرآن کریم) نیز خدا کی صفات واجب ہیں نہ کہ ممکن لہذا خدا کے لئے سکنا کہنا بے دینی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب چاہے غیب و ربانیت کرے۔ کسی دلی بتی جن فرشتے جھوٹ کو اللہ نے یہ طاعت نہیں بخشی (تقویتہ الایمان مصنفہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی)۔

خدا سے پاک ہر وقت عالم الغیب ہے اس کا علم اسکی صفت ہے اور واجب ہے جب چاہے تب معلوم کرے کیا مطلب یہ تھا کہ نہ چاہے تو جاہل ہے یہ کفر ہے خدا کے صفات خدا کے اختیار میں نہیں وہ واجب میں نیز رب نے اپنے محبوبوں کو بھی علوم غیبیہ عطا کیے (قرآن کریم)۔

خدا سے قدوس بلکہ اور زمانہ اور ترکیب و مابیت سے پاک ہے نہ وہ کسی جگہ میں رہتا ہے نہ اس کی عمر ہے نہ وہ اجزا سے بنا ہے اس کو دیوبندیوں نے بھی بخبری میں کفر لکھ دیا (کتب علم کلام)۔

(۳) خدا تعالیٰ کو جگہ اور زمانہ اور مرکب ہونے اور مابیت سے پاک ماننا بدعت ہے۔ ایضاح الحق مصنفہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی۔

خدا تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا جانتے والا ہے۔ اس کا علم واجب اور قدیم ہے جو ایک آن کے لئے کسی چیز سے اس کو بے علم مانے بے دین ہے۔ (عام کتب عقائد) دیوبندی خدا کے علم غیب کے بھی منکر ہیں تو اگر حضور علیہ السلام کے علم غیب کا انکار کریں تو کیا تعجب ہے۔

(۴) خدا تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی جب بندے اچھے یا بُرے کام کر لیتے ہیں تب اس کو معلوم ہوتا ہے۔ بلغۃ المیران صفحہ ۷۷ زیر آیت اَلَا عَلَى اللَّهِ رَزَقْنَاهَا كُلَّ فِي كِتَابٍ مَّبِیْنٍ۔ مصنفہ مولوی حسین علی صاحب پھر افواہ شاگرد مولوی رشید احمد صاحب۔

خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام

(۵) خاتم النبیین کے معنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضور

علیہ السلام آخری نبی ہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ آپ اصلی نبی ہیں باقی عارضی لہذا اگر حضور علیہ السلام کے بعد اور بھی نبی آجائیں تو بھی خاقیت میں فرق نہ آویگا (تخذیر الناس مصنف مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند)

آخری نبی میں حضور علیہ السلام کے زمانہ ظہور یا بعد میں کسی اصلی، بروزی، مرقی، مذاقی کا نبی بننا محال بالذات ہے۔ اسی معنی پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ ہی معنی حدیث نے بیان فرمائے جو اس معنی کا انکار کرے وہ مرتد ہے۔

(جیسے کہ قادیانی اور دیوبندی)

(۷) اعمال میں بظاہر اُستی نبی کے برابر جواتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں (تخذیر الناس مصنف مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند)

کوئی غیر نبی خواہ دلی ہو یا غوث یا صحابی کسی کمال علمی و عملی میں نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غیر صحابی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا صحابی کا کچھ خیر خیرات کرنا ہم اسے صد ہا من سونا خیرات کرنے سے بدرجہا بہتر ہے (حدیث)

(۸) حضور علیہ السلام کا مثل و نظیر ممکن ہے۔ (دیکھو مرقی مصنف مولوی اسماعیل صاحب دہلوی مطبوعہ فاروقی صفحہ ۱۱۴)

رب تعالیٰ بے مثل خالق ہے اور اُس کے محبوب بے مثل بندے وہ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ہیں۔ ان اوصاف کی وجہ سے آپ کا مثل محال بالذات ہے (دیکھو رسالہ امتناع النظیر مصنف مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی)

(۹) حضور علیہ السلام کو جہانی کہنا جائز ہے کیونکہ آپ بھی انسان ہیں رباعین قاطعہ مصنف مولوی خلیل احمد صاحب و تقویت الایمان مصنف مولوی اسماعیل صاحب دہلوی)

حضور علیہ السلام کو الفاظ عام ہے پکارنا حرام ہے اور اگر بہ نسبت حقارت ہو تو کفر ہے (قرآن کریم) یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہنا ضروری ہے نسبت خود بہ سبک کر دہ و بس منفعل زائد نسبت بہ سبک کوئے توشہ بے ادبی است

(۱۰) شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام کے زیادہ ہے (رباعین قاطعہ مصنف مولوی خلیل احمد)

جو شخص کسی مخلوق کو حضور علیہ السلام سے زیادہ علم مانے وہ کافر ہے (دیکھو شفا شریف) حضور

<p>علیہ السلام تمام مخلوق الہی میں بڑے عالم ہیں۔ حضور علیہ السلام کے کسی وصف پاک کو ادرنے چیزوں سے ٹکیر دینا یا ان کے برابر بتانا صریح توہین ہے اور یہ کفر ہے۔</p>	<p>صاحب، (۱۰) حضور علیہ السلام کا علم بچوں، پاکلوں، جانوروں کی طرح یا ان کے برابر ہے۔ حفظ الایمان مصنف مولوی اشرف علی صاحب،</p>
<p>رب تعالیٰ نے ساری زبانیں حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائیں اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو جو کہے کہ حضور علیہ السلام کو یہ زبان فلاں مدرسہ سے آئی وہ بے مین ہے۔</p>	<p>(۱۱) حضور علیہ السلام کو اردو بولنا مدرسہ دیوبند سے آگیا رہا مین قاطعہ مولوی خلیل احمد صاحب،</p>
<p>رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجْهَهَا پھر فرماتا ہے اَلْعَرَّةُ لِلَّهِ دَلِيلٌ وَلِلْمُؤْمِنِينَ نبی کو خدا کے سامنے ذیل جانے وہ خود چار سبے ذیل ہے۔</p>	<p>(۱۲) ہر چھوٹا مخلوق نبی اور غیر نبی، اللہ کی شان کے آگے چار سبے ہی ذیل ہے تقویۃ الایمان مصنف مولوی اسماعیل صاحب،</p>
<p>جس نماز میں حضور علیہ السلام کی عظمت کا خیال نہ ہو وہ نماز ہی نامقبول ہے اسی لئے التیمات میں حضور علیہ السلام کو سلام کرتے ہیں۔ وہ بھی کوئی نماز ہے یا نہ ہو نماز ہو (دیکھو بحث حاضر و ناظر)۔</p>	<p>(۱۳) نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال لانا اپنے گدھے اور میل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے (صراط مستقیم مصنف مولوی اسماعیل دہلوی)</p>
<p>حضور علیہ السلام کے بعض غلام پلصراط سے بجلی کی طرح گزرجا میں گئے۔ اور پلصراط پر پھسلنے والے لوگ حضور علیہ السلام کی مدد سے سنبھل سکیں گے آپ دُعا فرمائیں گے دِی سَلِّم رَحْمَتِہٖ جَو کبے کریں نے حضور علیہ السلام کو صراط پر کرنے سے بچایا وہ بے ایمان ہے۔</p>	<p>(۱۴) میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ مجھے آپ پلصراط پر لے گئے اور کچھ آگے جا کر دیکھا کہ حضور علیہ السلام گرے جا رہے ہیں تو میں نے حضور کو گرنے سے روکا (بلغة الجحیران بیشترات مصنف مولوی حسین علی صاحب اگر مولوی رشید احمد صاحب)</p>
<p>حضور علیہ السلام کی ساری بیویاں مسلمانوں کی</p>	<p>(۱۵) مولوی اشرف علی صاحب نے بڑھاپے میں</p>

ایک کسین شاگردی سے نکاح کیا۔ اس نکاح سے پہلے ان کے کسی مرید نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اشرف علی کے گھر حضرت عائشہ صدیقہ آتے والی ہیں جس کی تعبیر مولوی اشرف علی صاحب نے یہ کی کہ کوئی کسین عورت میرے ہاتھ آوے گی کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ کا نکاح جب حضور علیہ السلام سے ہوا۔ تو آپ کی عمر سات سال تھی وہ ہی نسبت یہاں ہے کہ میں بڑھاپوں اور بیوی لڑکی ہے (رسالہ الامار) مصنف مولوی اشرف

علی صاحب ماہ صفر ۱۳۳۵ھ

عقائد دیوبندیہ کا یہ ایک نمونہ ہے اگر تمام عقائد بیان کئے جاویں تو اس کے لئے دفتر چاہیے حق یہ ہے کہ رافضیوں اور خارجیوں نے تو صحابہ کرام یا اہل بیت عظام ہی پر تبر کیا۔ مگر دیوبندیوں کے قلم سے نہ خدا کی ذات بچی نہ رسول علیہ السلام اور نہ صحابہ کرام کی نہ ازواج مطہرات سب کی امانت کی گئی اگر کوئی شخص کسی شریف آدمی سے کہے کہ میں نے تمہاری والدہ کو خواب میں دیکھا اور اس کو بیوی سے تعبیر کیا تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا ہم ان کے غلامان غلام اپنی صدیقہ مال کے لئے یہ باتیں کس طرح برداشت کریں۔ صرف قلم ہاتھ میں ہے اس لئے مسلمانوں کو مطلع کر دیتے ہیں تاکہ مسلمان ان سے علیحدہ رہیں یا وہ لوگ ان عقائد سے توبہ کریں۔

میر شاگرد صاحبزادہ بلند اقبال عزیزی مولوی سید محمود شاہ صاحب سب کا اسمارتھا کہ امکان کذب، امکان غیر شاگرد صاحبزادہ بلند اقبال کی عبارات کی توضیحوں پر بھی ہم کچھ گفتگو کریں مگر چونکہ اب کاغذ بالکل نہیں ملتا۔ اس لئے نظیر دیوبندیوں کی عبارات کی توضیحوں پر بھی ہم کچھ گفتگو کریں مگر چونکہ اب کاغذ بالکل نہیں ملتا۔ اس لئے دیوبندیوں کے صرف عقائد پیش کر دیئے اور انشاء اللہ اسی کتاب کی دوسری جلد میں ان مذکورہ مسائل کی معرکہ الارا تحقیق کریں گے جس سے علما دیوبند کی منطق وافی کا بھی انشاء اللہ تہ چل جائیگا۔ اور مولوی حسین احمد صاحب و مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے جو کچھ توجہات عبارات کی ہیں ان کی حقیقت بھی معلوم ہو جاوے گی انشاء اللہ ہم اہل سنت پر الزام ہے کہ ہم لوگ پرپرست ہیں۔ نبی علیہ السلام

کو اور اپنے پیروں کو خدا سے ملا دیتے ہیں۔ لہذا مشرک ہیں جم دکھاتے ہیں کہ خود دیوبندی کس درجہ کے پیر پرست ہیں۔ اور یہ حضرات اپنے پیروں کو کیا سمجھتے ہیں۔ مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے شیخ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے کہ

شعر تہاری تربت انور کو دیکر طور سے تشبیہ
کوں ہوں بار بار اُرنی مری کچی بھی نادانی
مولوی رشید احمد صاحب کی قبر کو طور ہوئی اور مولوی محمود حسن صاحب اُرنی فرمانے والے ہوئے
ہوئے تو مولوی رشید احمد صاحب رب ہی ہوں گے؟ اس میں تو اپنے شیخ کو رب بتایا۔ اسی مرثیہ میں فرماتے ہیں کہ

شعر نبان پراہل اُہوا کی ہے کیوں اُغل ہُبل شاید
اس میں مولوی رشید احمد صاحب کو بانی اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثانی کہا گیا
پھر فرماتے ہیں کہ

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کیسے عجب کیا ہے
اس میں ان کو صدیق اور فاروق بھی بنایا۔ پھر فرماتے ہیں کہ
شعر قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے ماسٹر اللہ ایسے حسین ہیں کہ ان کو یوسف ثانی کا لقب
دیا گیا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ از خدا تا فاروق کو سارہ جہ باقی رہا جو کہ رشید احمد صاحب کو نہ دیا گیا۔ تمام مرثیہ ہی
قابل دید ہے اس میں یہ شعر بھی ہے کہ

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس شعر میں مولوی صاحب نے حضرت روح اللہ علیہ السلام کو اپنے مرشد سے مقابلہ کا چیلنج
دیا ہے کہ اے علی علیہ السلام آپ نے تو ایک کام ہی کیا یعنی مردوں کو زندہ کرنا۔ مگر میرے رشید احمد نے
دو کام کیے مردوں کو زندہ کیا اور زندہ کو مرنے نہ دیا۔ یعنی اس میں رشید احمد صاحب کو علی علیہ السلام سے
افضل بتایا۔

مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مرید نے مولوی صاحب موصوف کو لکھا کہ میں نے خواب کی حالت
میں اس طرح کلمہ پڑھا کہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْرَفُ عَلٰی رُسُوْلِ اللّٰهِ چاہتا تھا کہ کلمہ صحیح پڑھوں مگر یہ ہی نہ

نکلتا تھا پھر میدان گیا تو درود شریف پڑھا تو یوں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَوَلِيِّنَا وَمَوْلَانَا اَمْرًا دُ بُلْغٰی
بیدار ہوں مگر دل بے اختیار ہے۔

اس کا جواب مولوی اشرف علی صاحب نے یہ دیا کہ اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس طرف تم رجوع کرتے
ہو وہ بعوضہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔ ۴۴ شوال ۱۳۳۵ھ ماخوذ از رسالہ الامداد بابت ماہ صفر ۱۳۳۶ھ صفحہ ۳۵
غور کرنا چاہیے کہ مولوی اشرف علی صاحب کا کلمہ پڑھ لو اور ان پر درود پڑھو مگر بے اختیاری زبان
کا بہانہ کر دو۔ سب جائز ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور کہے کہ بے اختیاری زبان سے
نکل گیا طلاق موجباتی ہے یہ بہانا کافی مانا گیا۔ اور اس کو پیر کے متبع سنت ہونے کی دلیل قرار دیا گیا۔
تذکرۃ الرشید صفحہ ۴۴ میں ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی بھادج اپنے
مہمانوں کا کھانا پکھا رہی ہیں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ اٹھ تو
اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکاوے۔ اس کے مہمان علماء (یہی دیوبندی) میں اس
کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا (پشیم بد دور)۔

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم کے آخر میں اپنے مرشد سید احمد صاحب کی تعریف کرتے
ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے ان کا دامن ہاتھ خاص اپنے دست قدرت میں پکڑ کر
امور قدسیہ سے بہت ملندہ اور نادر چیزیں ان کے سامنے پیش کیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا سید
احمد صاحب کو حکم ہوا کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا اگرچہ وہ لکھو کھیا ہی کیوں نہ ہوں تم ایک
کو کفایت کریں گے۔ اسی صراط مستقیم میں اولیاء کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں: اور ان کو انبیاء کے
ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے کیونکہ ان کے درمیان بھی من و خیر نبوت
کا علائقہ ہے۔ اور من و خیر انہوت کا یعنی اولیاء اللہ میں نبوت موجود ہے معاذ اللہ کیسے آج تک کسی مرید
نے اپنے پیر و مرشد کے لئے ایسی تعلیم نہ کی ہو گی۔ مگر ان حضرات پر فتویٰ شریک ہے نہ حکم کفر نہ یہ
قبر پرست کہلائے۔ جو کچھ عرض کیا گیا۔ نہ تو اس سے اپنی علمی لیاقت کا اظہار منظور ہے نہ اپنی قابلیت
دکھانا مقصود۔ میں کیا اور میری لیاقت کیا اور قابلیت کیا۔ یہ جو کچھ ہے حضرت مرشدی و استاذی قبلہ
عالم حامی دین، ناصر مسلمین مولانا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مراد آبادی دام ظلہم
الاقدس کے در کا صدقہ ہے مقصود صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے درست و دشمن کو پہچانیں، درست ایمان

کو دینی راہزہوں سے محفوظ رکھیں اور کوشش کریں کہ دنیا سے ایمان سلامت لے جاویں اور جو بھی اُس سے فائدہ اٹھائے۔ اس فقیر بے نوا کے لئے دعائے حسن خاتمہ کرے۔ مولے تعالیٰ اسلام کا بول بالا فرما دے۔ مسلمانوں کو راہ مستقیم پر قائم رکھے اور اس فقیر حقیر کے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو قبول فرما دے

اٰمِنْ يٰ اَرْبُّ الْعٰلَمِيْنَ بِجَاہِ جَبِيْكَ اَوْفُوْا لِحَقِّهِمُ الْكَرِيْمُ وَحَسْبِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ وَوُفُوْا بِشَهَادَةِ اَمْرٍ اَنَا مُحَمَّدٌ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ اٰجْمَعِيْنَ بِرَحْمَةٍ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحْمٰنِيْنَ

ناچیز احمد یاد خان نعیمی اشرفی ادبھائی دیوبنی سرپرست مدرسہ نوشہرہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان ہذا بقدر درایمان افزود و شنبہ مبارکہ ۱۳۶۱ھ۔

اس کتاب کو لکھ چکنے کے بعد حضور امیر ملت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلم کا گرامی نامہ تشریف لاکر باعث عزت افزائی ہوا جس میں ایک ایمان افزو نہایت باریک علمی نکتہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور مجھے حکم ملا کہ وہ کتاب میں لکھ دوں۔ میں نہایت فخر سے بدیہ نافزین کرتا ہوں۔ جو لوگ حضور علیہ السلام کو اپنی طرح بشر کہتے ہیں وہ تو ایمانی سے بے بہرہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی شان تو سیان سے بالاتر ہے۔ جس چیز کو اُس ذات گرامی سے نسبت ہو جاوے اس کی مثل کوئی نہیں ہو سکتا وہ بے مثل ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ يٰ اَيُّهَا النَّبِيُّ كَسْتُمْ كَا حِدَةٍ مِنَ النِّسَاءِ اے نبی کی بیویو اتم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات بے مثل بیویاں ہیں كَسْتُمْ حَيٰۤاۤاۤمَۃً اے مسلمانو! تم بہترین امت ہو۔ معلوم ہوا کہ امت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے مثل امت ہے۔ مدینہ منورہ بے مثل شہر۔ قبر انور کی زمین پشیل زمین۔ جو پانی سرکار علیہ السلام کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا وہ بے مثل پانی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسینہ مبارک بے مثل پسینہ عرفکہ جس کو اُس ذات کریم سے نسبت ہو گئی وہ بے مثل وہ بے نظیر ہے تو کیا وجہ ہے کہ منسوب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی یہ ساری مہارت ہے وہ بے مثل نہ ہوں۔ ڈاکٹر اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے

مریم ازیک نسبت عیسیٰ عزیز * از سر نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رَحْمَۃً لِلْعٰلَمِيْنَ * اُن امام اولین و آخرین
بانوئے اُن تاجدارِ مصلّٰی آلِ * مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا
نادر اُن مرکز پر کارِ عشق * مادر اُن قاصد سالاد عشق !

رشتہ آئین حق زنجیر پاست * پاس فرمان جناب مصطفیٰ است
 ورنہ گردِ توبتیش گردیدے * مسجدِ مبارکِ خاکِ دے پاشیدے
 ناظرِ زہرا اس لئے افضل ہیں کہ نبی کی لاڈلی، ولی کی بیوی، شہیدوں کی ماں ہیں رضی اللہ عنہا
 سبحان اللہ کیا طرزِ استدلال ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے خوب فرمایا ہے
 اللہ کی سترِ باقدم شان ہیں یہ ! * ان سائیں انسان وہ انسان ہیں یہ
 قرآن بتاتا ہے کہ ایمان ہیں یہ ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحابہ وبارک وسلم

احمد یار خاں ادجھانوی عفی عنہ

قبرِ یارِ منسکین عصمتِ انبیاء

دیوبندیوں کی دریدہ دہنی اور توہین انبیاء نے لوگوں کو بارگاہِ انبیاء میں بے ادبی کرنے پر دلیر کر دیا۔
 ہندوستان میں ایک فرقہ وہ بھی پیدا ہو گیا جو انبیاء کے کرام کو معاذ اللہ گنہگار بلکہ مشرک کا فر بھی کہتا ہے
 کہ وہ سب حضرات خاکش بدن پہلے مشرک و کفار تھے۔ اور گناہ کبائر کے مرتکب بھی۔ پھر توبہ کر کے
 نبی ہوئے میرے پاس صرف چوب قلم ہے اور کچھ ادراک جس سے ان عقائدِ باطلہ کی تردید کرتا ہوں اور
 ناکرتا ہوں کہ میری عزت و آبرو زبان و قلم عظمتِ انبیاء کے لئے ڈھال بنے سیدنا حسان نے کیا
 خوب فرمایا ہے

فَإِنِ ابْنِي دَوَّالِدُنِّي دُعِرْتُ ضِي * لِعَرْضِ مُحْتَمِدٍ مِنْكُمْ دُعَا

یہ رسالہ بہت دن ہوئے الفقیہ میں قسط وار شائع ہوا۔ مسلمانوں کے اصرار پر جبار الحق کے دوستوں
 ایڈیشن میں بطور ضمیمہ درج کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر نافعِ خلائق بنائے اس میں ایک مقدمہ اور

و باب میں۔

مقدمہ: گناہ چند طرح کے ہیں، شرک، کفر، کبائر، صغائر، پھر صغائر دو قسم کے بعض وہ جو دلائل اور ذلت طبع پر دلالت کرتے ہیں، جیسے چوری، کم تو نادر وغیرہ۔ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو نوعیتیں ہیں عمدہ اور سہوا۔ نیز انبیائے کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہور نبوت سے پہلے کا وقت۔ دوسرے نبوت کے بعد، انبیائے کرام شرک، کفر، بدعتیہ کی گمراہی اور ذلیل حرکتوں سے ہر وقت بفضلہ تعالیٰ معصوم ہیں کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عمدہ سہوا ایک آن کے لئے بھی بدعتیہ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں، مدارج اور مہاسب میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر لکھا ہوا پایا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ اس سے آدم علیہ السلام کا پیدائشی عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر اس تاڑ پڑھا لکھا ہونا بھی کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا۔

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِي الْكِتَابُ وَ جَعَلَنِي نَبِيًّا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔

نیز فرمایا۔

وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وَ بَرَّأَوِ الْيَدَيْنِ۔

یعنی مجھے تاحین حیات، نماز، زکوٰۃ کا حکم دیا اور میں اپنی والدہ سے سلوک کر نیوالا بھی ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح بوقت پیدائش ہی حکمت نظری یعنی رب کی ربوبیت اپنی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے ہیں اور حکمت عملی، تہذیب، اخلاق و تدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن میں شریف میں ہی اپنی کافر قوم پر توحید کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی کہ سبحان اللہ آفتاب و چاند تاروں کے دوسرے اور ان کے حالات بدسنے کو ان کی مخلوقیت کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا هَذَا رَبِّي اے کافر و کیا رب میرا یہ ہو سکتا ہے؛ اور ڈوبتا دیکھ کر فرمایا لَا أُحِبُّ الْإِفْلَاقَ کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا بچپن میں شریف کی اس ساری گفتگو پاک پر بو علی سینا اور فارابی کی ساری منطق قربان۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں۔ الْعَالَمُ مُتَعَيِّرٌ وَ كُلُّ مُتَعَيِّرٍ حَدَثٌ هَذَا الْعَالَمُ حَدَثٌ پھر یوں کہتے ہیں کہ الْعَالَمُ حَدَثٌ وَ لَا شَيْءٌ مِنَ الْحَادِثِ

ہم بخیر و فاعالہ لیس بعبود اس طراز استدلال کو رب نے پسندیدگی کی سند بخش کر فرمایا تو تِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ۔ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر امت کی شفاعت فرمائی رمارج و مواجب معلوم ہوا کہ رب کو اپنے کو اپنے مراتب کو اور اپنے درجات کو نیز اُمّتِ موحّدہ کو جانتے پہچانتے پیدا ہوئے ہیں۔ یحییٰ میں بچوں نے کھیل کی رغبت دی۔ تو انہیں وہ جواب دیا کہ جس پر اسطو و فلاطون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہ ہی ایک جواب انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے فرمایا۔ مَا خَلَقْنَا لِهَذَا اِهْمَاسٍ یہ پیدا نہیں ہوئے رب نے اُسکی تائیدیوں فرمائی کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ خود فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم كُنْتُ نَبِيًّا ذَا أَمٍّ يَبِينُ الْمَاءِ وَالطَّيْنِ ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے۔ تفسیرات احمدیہ میں لَا يُنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ کی تفسیر فرماتے ہیں۔ (۱) هُمْ مُعَصِّمُونَ عَنْ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْيِ وَبَعْدَهُ بِاجْتِمَاعِ انبياء کرام وحی سے پہلے اور وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

اس مختصر سی گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرت انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں ان کا وارث عصمت گمراہی سے کبھی بھی داخل نہیں ہو سکتا رہے گناہ ان کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام، ارادۂ گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں نہ اس کے بعد۔ ہاں نیا ناخطا صادر ہو سکتے ہیں مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی طرف سے انہیں متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ گناہ صغائر میں سے ذیل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی ایسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں جو دنائت اور چھوٹے بڑے پتہ کدالت کریں اور وہ صغائر جو ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل ان امور میں ہے جن کا تعلق تبلیغ سے نہیں رہے اس کام تبلیغہ ان میں کمی بیشی کرنے یا چھپانے سے انبیاء ہمیشہ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہ تو جان بوجھ کر صادر ہو نہ خطا نہ یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر انبیائے کرام کے لیے ہے کہ ان سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اُمت کا اجماع ہے کہ آپ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا۔ یعنی ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپ

کوئی بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ عمداً نہیں کیا۔ چنانچہ تفسیرت احمدیہ میں آیت لَا يَنْتَهِی الْقُلُوبَینَ کی تفسیر میں ہے لَا يَخْلُوفُ لِاحِدٍ فِي أَنْ يَمُوتَ عَلَيَّهِ السَّلَامُ لَمْ يَزَلْ يَكْتُبُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً طُرْفَةً عَيْنٍ قَبْلَ الْوَحْيِ وَبَعْدَهُ كَمَا ذَكَرَهُ الْبُحْثُفَةُ فِي الْفَقْهِ الْأَكْبَرُ تفسیر روح البیان آیت مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا أَكْتُبُ لَكَ تفسیر میں ہے۔

یعنی حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔

يَسْأَلُ عَلَيْهِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قِيلَ لَهُ هَلْ عَبَدْتَ وَنُنَا قَطُّ قَالَ لَا قِيلَ هَلْ شَرِبْتَ خَمْرًا قَطُّ قَالَ لَا فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُ أَنَّ الَّذِي هُمْ عَلَيْهِ كُفْرٌ۔

پہلا باب

عصمت انبیاء کا ثبوت

عصمت انبیاء قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اجماع امت دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار بھی کرے گا جس کے پاس دل و دماغ کی آنکھیں نہ ہوں۔

قرآنی آیات (۱) رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (۲) شیطان نے خود بھی اقرار کیا تھا کہ۔

وَلَا غَوْلِيَهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادُكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ۔

معلوم ہے کہ انبیائے کرام تک شیطان کی پہنچ نہیں اور وہ انہیں نہ تو گمراہ کر سکے اور نہ بے راہ چلا سکے پھر ان سے گناہ کیونکر مسرور ہوں تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم مان کر ان کے بہکانے سے اپنی معذوری ظاہر کرے مگر اس زمانہ کے بے دین ان حضرات کو مجرم مانیں۔ یقیناً یہ شیطان

سے بہترین (۳) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

مَا كَانَتْ لَنَا أَنْ تُشْرِكَ بِاللهِ مِنْ شَيْءٍ | ہم گمراہ انبیاء کیلئے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شریک کریں

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

مَا أُرِيدُ أَنْ أَحْكُمَ بَيْنَكُمْ إِلَى مَا | میں اس کا ارادہ بھی نہیں کرتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کروں خود کرنے لگوں۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام شرک اور گناہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے یہ ہی عصمت کی حقیقت ہے۔

(۵) یوسف علیہ السلام نے فرمایا وَمَا أُبْرِي نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي یہاں یہ نہ کہا کہ میرا نفس برائی کا حکم کرتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ عام نفوس انسانوں کو برائی کا حکم کرتے ہیں سو اُن نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے اور وہ نفوس انبیاء ہیں۔

معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نفوس انہیں فریب دیتے ہی نہیں (۶) رب تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ

وَالْآلِ عِمرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام سارے جہان سے افضل ہیں اور جہان میں تو ملائکہ معصومین بھی داخل۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ بِشَيْءٍ فَرَّانِي

کرتے ہی نہیں۔ اگر انبیاء گنہگار ہوں تو ملائکہ اُن سے بڑھ جائیں۔

(۷) رب تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَتَّخِذُ الْظَالِمِينَ هُمْ أَعْدَاءُ نُبُوتٍ ظَالِمِينَ یعنی فاسقین کو نبی کے لئے گام معلوم ہوا کہ فسق و نبوت جمع ہو سکتے ہی نہیں۔ قرآن کریم نے انبیاء کرام کے اقوال کو نقل فرمایا۔

لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَ لَيْكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ

اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں لیکن میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

لیکتنی سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی

نور و ظلمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

احادیث (۱) مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرین مسلمان ہو گیا لہذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔

(۲) اسی مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت ولادت شیطان مارتا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کو پیدائش میں چھوٹتی نہ سکا معلوم ہوا کہ یہ دو پیغمبر شیطانی دوسو سے بھی محفوظ ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ کتاب النفس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوتا کہ اس میں شیطانی اثر ہے بلکہ ان کی یہ بیاں بھی احتلام سے پاک ہیں۔

(۴) انبیائے کرام کو جنبا ئی نہیں آئی کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے۔ اسی لئے اُس وقت لا حول پڑھتے ہیں

(۵) مشکوٰۃ شریف باب علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا سینہ مبارک چمک کر کے اس میں سے ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نفس قدسیہ شیطانی اثر سے پاک ہے اور پھر اُسے ماؤ زمر سے دھویا گیا۔

(۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ جس راستے سے گزرتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جن پر پیغمبر کی نظر گرم ہو جائے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں پھر خود ان حضرات کا کیا پوچھنا۔

اقوال علماء اُمت: ہمیشہ سے اُمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصمتِ انبیاء پر اجماع رہا سوا فرقہ ملعونہ خشویہ کے کوئی اس کا منکر نہ ہوا چنانچہ شرح عقائد نسفی شرح فقہ اکبر، تفسیرات احمدیہ، تفسیر روح البیان، مدارج النبوة، مواہب لدنیہ، شفا شریف، نسیم الریاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

تفسیر روح البیان آیت مَا كُنْتُ تَدْرِیْ مَا الْكِتَابُ الْاِیْہِ کی تفسیر میں ہے كَانَ اَهْلُ الْوُصُولِ اِجْتَمَعُوا عَلٰی اَنَّ الرَّسَلَ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ۔

یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیائے کرام وحی سے پہلے مومن تھے اور گناہ کبیرہ نیز ان معصوموں سے جو کفر کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم تھے اور بعد بھی یہ جہانگیر

كَانُوا مُؤْمِنِيْنَ قَبْلَ الْوَحْيِ مَعْصُومِيْنَ مِنَ الْكِبَايِرِ وَ مِنَ الصَّغَايِرِ الْمُوجِبَةِ لِنُفْرَا النَّاسِ عَنْهُمْ قَبْلَ الْبُعْثِ وَ بَعْدَهَا فَضْلًا عَنِ الْكُفْرِ تفسیرات احمدیہ میں ہے۔

انبیائے کرام کفر سے قبل وحی اور بعد بالاتفاق معصوم ہیں ایسے ہی عام علماء کے نزدیک دیہ و دانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔

اِنَّهُمْ مَعْصُومُونَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْيِ وَ بَعْدَهُ يَا لَاجْتِمَاعِ وَ كَذَا عَنِ تَعْمُدِ الْكِبَايِرِ عِنْدَ الْجَمْعُوْنَ۔

غرض کہ اُمتِ رسول کا اجماع انبیائے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اس کے لئے زیادہ عبارات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

عقلی دلائل عقل بھی چاہتی ہے کہ انبیاء کرام کفر و فسق سے ہمیشہ معصوم ہوں چند وجوہ سے

(۱) کفر یا تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے یا شیطان کے اغوا سے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام عدل، باطن پیدا ہونے میں نیز ان کے نفوس پاک ہیں اور وہ شیطانی اغوا سے محفوظ ہیں۔ جب تک یہ یمنیوں و ہنن نہیں تو اب ان سے کفر اور فسق کیونکر سرزد ہو۔

(۲) فسق بھی نفس امارہ یا شیطان کے اثر سے ہے اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں۔

(۳) فاسق کی مخالفت ضروری ہے اور نبی کی اطاعت فرض کیہر حال انکی فرمانبرداری کی جاتے اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی اطاعت بھی ضروری ہو اور مخالفت بھی اور یہ اجتماع ضدین ہے۔

(۴) فاسق کی بات بلا تحقیق نہ ماننی چاہیے رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ جَاءَكَ فَاسِقٌ بِبَيِّنَةٍ فَتَبَيَّنُوا اور نبی کی سر بات ماننی فرض ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَاَمْرًا اَنْ يَكُوْنُ لَهُمُ الْخِيَرَةُ اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی بات بلا تحقیق ماننا بھی ضروری اور نہ ماننا بھی۔ اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔

(۵) گنہگارے شیطان راضی جسے اسے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے اور نیک کارے رحمان خوش ہے اسی لیے وہ حزب اللہ میں سے ہے اگر بغیر ایک ان کے لیے بھی گنہگار ہوں تو معاذ اللہ شیطان گروہ میں سے ہوں گے اور یہ ناممکن ہے۔

(۶) فاسق سے متقی افضل رب تعالیٰ فرماتا ہے اَمْ يَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْاَفْبَاقِ اگر نبی کی وقت گناہ کریں اور اس وقت ان کا امتی نیا کر دیا ہو تو لازم آوے گا کہ امتی اس گروہی نبی سے افضل ہو اور یہ باطل ہے کوئی امتی ایک ان کے لیے بھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

(۷) بد عقیدہ کی تعظیم حرام ہے بدیث میں ہے۔

مَنْ دَخَلَ صَاحِبَ بَدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلَى هَدْمِ الْاِسْلَامِ جس نے بد عقیدہ کی تعظیم کی، ۳۱ نے اسلام ڈھانے پر مدد دی۔

اور نبی کی تعظیم واجب رب تعالیٰ فرماتا ہے وَتَحِيَّ رُوحَهُ وَتَوَقَّرْ رُوحَهُ اگر نبی ایک ان کیلئے ہے میں ہوں تو ان کی تعظیم واجب بھی ہو اور حرام بھی۔

(۸) گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیلہ سے ہے رب فرماتا ہے وَوَأَنَّهُمْ اِذْ يُلَاقُوا رَبَّهُمْ

جَاءَ ذَٰلِكَ الْآيَةُ اس آیت میں عام مجرمین کو بارگاہِ مصطفویٰ میں حاضر ہو کر ان کے وسیلہ سے استغفار کرنے کی دعوت دی گئی۔ اگر خاش بدینِ آب کا دامنِ عفت گناہوں سے آلودہ ہو تو بتاؤ پھر اسکا وسیلہ کون ہوگا، اور کس کے ذریعے آپ کی معافی ہوگی جو سب مجرموں کا وسیلہ مغفرت ہو۔ ضروری ہے کہ وہ مجرموں سے پاک ہو اور وہ بھی گنہگار ہو تو پھر ترجیحِ جلالہ ریح کا سوال پیدا ہوگا۔ اور دوسرا تسلسل لازم ہوگا (۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے موتی کا ڈبہ بھی قیمتی ہوتا ہے سنہری زیورات کا کبس بھی قیمتی۔ دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ دودھ خراب نہ ہو جائے کارخانہ قدرت میں نبوت بڑی ہی انوکھی اور بے پہا نعمت ہے تو چاہیے کہ اس کا ظرف یعنی انبیاء کے دل کفر و فسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک و صاف ہوں اسی لیے رب نے فرمایا اللہُ یُعَلِّمُ حَیثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهُ اللہ ہی اُن نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

(۱۰) فاسق اور فاجر کی خبر بغیر گواہی قابلِ اعتماد نہیں۔ اگر انبیاء کرام بھی فاسق ہوتے تو انہیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صدقہ گواہیوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابو خزیمہ انصاری نے ادنث کے متعلق یہ ہی نو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ ادنث، تجارتِ جنت و دوزخ حشر و نشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کر ان پر ایمان لے آئے تو اس زبان سے سن کر یہ کیوں نہ مان لیں کہ واقعی آپ نے ادنث لیا ہے جس کے انعام میں اُن ایک کی گواہی دے کہ برابر کر دی ہے۔

دوسرا باب

عصمت انبیاء پر اعتراضات و جوابات

آئندہ اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ اجماعاً جواب عرض کیے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے وہ یہ کہ عصمتِ انبیاء قطعی و اجماعی مسئلہ ہے اور احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور احاد ہیں وہ سب مردود کوئی بھی قابلِ اعتبار نہیں اگرچہ صحیح ہی ہوں۔ تفسیر کبیر سورۃ یوسف کی تفسیر میں ہے کہ جو احادیث خلافِ انبیاء ہوں وہ قبول نہیں۔ راوی کو جھوٹا ماننا، پیغمبر کو گنہگار ماننے سے آسان ہے اور قرآنی

آیات اور متواتر روایات سے ان حضرات کا جھوٹ یا کوئی اور گناہ ثابت ہوتا ہو سب واجب التاویل ہیں۔
 کہ ان کے ظاہری معنی مراد نہ ہوں گے یا کہا جائیگا کہ یہ واقعات عطائے نبوت سے پہلے کے تھے۔
 تفسیر احمدیہ شریف آیت لَآ یُنَالِیْ عَهْدِیَ الظَّالِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے وَ اِذَا اَنْقَرَزْهُمَا اَنْقَلَ عَنِ
 الْاَنْبِیَاءِ مِمَّا شَعَرَ بِکَذِبِ اَوْ مَعْصِیَةِ فَمَا کَانَ مَقْضُوْلًا بِطَرِیْقِ الْاَحَادِثِمْ دُوْدًا مَا کَانَ مَقْضُوْلًا
 بِطَرِیْقِ الشَّرَآئِرِ فَمَصْرُوْفًا عَنْ ظَاہِرِہٖ اِنْ اُمْکِنَ وَاِلَّا فَمَحْمُوْلٌ عَلٰی تَوَلٰی الْاَدْوٰی اَوْ کُوْنِہٖ کُلُّ
 الْبَحْثِ بَلْکَ مَارِجُ النُّبُوَّةِ شَرِیْفٌ جِلْدِ اَوَّلِ بَابِ چہارم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آئین مشابہات کی
 مثل میں جن میں خاموشی لازم دیکھو رب تعالیٰ کا قدوس، غنی، علیم، قادر مطلق بلکہ نام صفات کا یہ سے
 موصوف ہونا قطعی اجماعی ہے مگر بعض آئین ظاہری معنی کے لحاظ سے اس کے بالکل خلاف ہیں رب
 فرماتا ہے یَحٰی عُوْنُ اللّٰہِ دَعُوْا دَعْوَتُہُمْ وہ رب کو دھوکا دیتے ہیں رب انہیں اصر فرماتا ہے مَکُوْرًا وَاَصْلَ اللّٰہِ
 انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے اور فرماتا ہے فَاٰیْتُنَا دُوْا کُوْا اَنْتُمْ دَعُوْا اللّٰہَ جِدھہ تم منہ کر داور ہی رب کا
 منہ ہے فرماتا ہے یٰۤاَیُّہٗ اللّٰہُ دَعُوْا اٰیٰتِہُمْ اَنْ کَے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے فرماتا ہے ثُمَّ اَسْتَوٰی
 عَلٰی الْعَرْشِ چہرہ اللہ تعالیٰ عرش پر استوی ہو گیا۔ رب تعالیٰ چہرہ ہاتھ، برابر ہو کر اور دھوکہ سے پاک
 اور منزہ ہے اور ان آیتوں میں بظاہر یہ ہی ثابت ہو رہا ہے لہذا واجب ہے کہ ان میں تاویل کی
 جائے بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کیے جائیں جو کوئی ان آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب دار
 مانے وہ بے ایمان ہے ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے ظاہری معنی کر کے انبیائے کرام کو ناسق یا
 مشرک جانے وہ بے دین ہے یہ ایک جواب ہی انشاء اللہ تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دے گا
 مگر پھر بھی ہم کچھ تفصیلی جواب عرض کیے دیتے ہیں:-

اعتراض ۱۱) اہلسنہ نے بھی سجدہ نہ کر کے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام نے بھی گندم کھا کر
 یہ ہی جرم کیا ہے۔ دونوں کو سزا بھی یکساں دی گئی کہ اُسے فرشتوں کی جماعت سے اور انہیں جنت
 سے خارج کر دیا گیا جرم و سزا میں دونوں برابر ہوئے بعد میں آدم علیہ السلام نے توبہ کر کے معافی حاصل کر لی۔
 اہلسنہ نے یہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہ تھے (محد شیعہ شریعت کا پورا)

جواب: شیطان سجدہ نہ کرنے میں مجرم بھی تھا اور منزیا ب بھی ہوا۔ آدم علیہ السلام گندم کھانے میں
 نہ گنہگار تھے اور نہ انہیں کوئی سزا دی گئی کیونکہ شیطان نے دیدہ دانستہ سجدہ سے انکار ہی نہ کیا بلکہ حکم رب

غلط سمجھ کر اس کے بالمقابل گفتگو کر نیکی ہمت کی کہ بولا خَلَقْتَنِي مِنْ تَارٍ وَخَلَقْتَنِي مِنْ طِينٍ میں کی سزا میں فرمایا گیا کہ فَاخْرِجْ مِنْهَا قَاتِلًا ذَرِيَّتَكَ لَعْنَتِي اِلٰى يَوْمِ الدِّينِ گویا یہ زمین اس کے لیے کائے پانی کی طرح سزا کی جگہ تجویز کی گئی کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل و خوار اور لاجول کے گوشے کھاتا پھرے۔ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بار بار اعلان فرمایا کہ وہ بھول گئے انہوں نے گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا فَتَنِي وَكَذَّبْتَنِي لَعْنَتُكَ مَا كُنْتُ لَكَ بِمُؤْمِنٍ فرمایا قَاتِلُكَ الشَّيْطَانُ کہیں فرمایا قَتَلْتَنِي لَعْنَتُكَ الشَّيْطَانُ مَنُوعُكَ اس واقعہ کا ذکر وارتو شیطان کو بنایا اور ان کے متعلق فرمایا کہ دھوکہ کھا گئے اُن سے خطا ہو گئی دھوکہ یہ ہوا کہ اُن سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اس دشت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہ آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جانے سے روکا گیا ہے۔ آپ وہاں نہ جائیے میں لا دیتا ہوں آپ کھا لیجئے اور جھوٹی قسم کھا گیا کہ یہ پھل فائدہ مند ہے اور میں آپکا خیر خواہ ہوں آپ سمجھے کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا یا لَا تَقْرَبَا مَانَعتَ تَمْنِي سمجھے اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر کے پہلے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو یہ تو عملوں میں فرق ہوا۔ اب رہا زمین پر آنا۔ رب تعالیٰ نے انہیں زمین ہی کی خلافت کے لیے پیدا کیا تھا کہ فرمایا اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيفَةً جَنَّت میں تو کچھ روز اس لیے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ دیکھ کر اسی طرح زمین کو آباد کریں گویا وہ جگہ ان کے ٹرفینگ کی تھی کسی کو ٹرفینگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ اُن کو روکا کہ اس لیے بھیجا گیا کہ تمام فرشتوں نے سوائے گریہ زاری ساری عبادتیں کی تھیں درود ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ملائکہ سے افضل ہوا جنت کا بہانہ تھا درحقیقت اپنے عشق میں رُلانا تھا۔ حسان الابراہیمیات المقرئین۔

درود کے واسطے پیدا کیا انسان کو • در نہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کہ وہاں اے خیال یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا • تو تو پردہ میں رہا اور مجھ کو رسوا کر دیا یہ راز وہ سمجھے جو لذت عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا اخرج مِنْهَا اور یہاں فرمایا گیا اُخْرِجُوا مِنْهَا جَمِيعًا جس میں بتایا کہ تم کچھ عرصہ کے لیے زمین میں بھیجے جا رہے ہو۔ پھر اپنی کروڑوں اولاد کے ساتھ واپس ہمیں آؤ گے یعنی دو جا رہے ہو اور کروڑوں کو ساتھ لاؤ گے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ہم کو جنت سے نہ نکالا۔ بلکہ ہم نے انہیں وہاں سے علیحدہ کیا کیوں کہ

اُن کی پشت شریف میں کفار فاسق سب ہی کی روئیں تھیں جو کہ جنت کے قابل نہ تھے حکم ہوا کہ اسے آدم نیچے جا کر ان غنڈا کو چھڑاؤ۔ پھر آپ کی جگہ یہی ہے درمقات باب الایمان بالقدر وروح ابلیان آیت قَدْ أَهْمَا الشَّيْطَانُ (۲) شیطان کا زمین پر آنا پردیس میں آنا ہے مگر آدم علیہ السلام کا یہاں آنا پردیس میں آنا نہیں کیونکہ آدم جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے اور اُن کا جسم چونکہ زمین پر اور مٹی سے بنا لہذا زمین اُن کا وطن جسم ہوئی اور عالم ارواح گویا وطنِ روح وطلح روح کی طرف آئے جو انسان مر کر جنت میں گیا۔ وہ پردیس میں نہیں بلکہ وطنِ جسم سے وطنِ روح میں گیا۔ مگر شیطان کی پیدائش آگ سے ہے لہذا زمین اس کے لیے پردیس ہوا۔ (۳) اگر آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا عذاب ہوتا تو یہاں اُنہیں خلیفہ نہ بنایا جاتا۔ ان کے سر پر تاج نبوت نہ رکھا جاتا ان کی اولاد میں انبیاء و اولیاء خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ فرمائے جاتے طرم کو معافی دیکر تیس سے نکالتے ہیں یشا ہی محل میں لا کر پھر اُس پر انعامات کی بارش کرتے ہیں نہ کہ حیل خانہ میں ہی رکھ کر حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی ظاہری خطا چھوٹوں کے لیے عطا ہوتی ہے دنیا اور یہاں کی ساری نعمتیں اُس خطائے ازل کا ہی صدقہ ہیں لطف یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے لیے دانہ گندم کھانا خطا قرار دیا گیا۔ اور اُن کی اولاد کے لیے وہ ہی غذا تجویز ہوئی۔

اعتراض ۲۔ حضرت آدم و حوا نے اپنے ایک بیٹے کا نام عبدالمحارث رکھا۔ حارث شیطان کا نام ہے اس کو قرآن کریم نے فرمایا فَلَمَّا آتَاهُمَا ضَلْعًا جَعَلَا لَهُ شَرًّا كَمَا تَوْحِشُ مَعْلُوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کا یہ کام شرک تھا۔ ثابت ہوا کہ پیغمبر شرک بھی کر لیتے ہیں۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ اس آیت میں حضرت آدم و حوا راویں۔

جواب۔ آدم علیہ السلام اس قسم کے عیب سے بالکل پاک ہیں۔ معترض نے اس آیت سے دھوکا دیا۔ سب مفسرین فرماتے ہیں کہ جَعَلَا کا فاعل قصی اور اس کی بیوی ہے کیونکہ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَ جَعَلَكُمْ مِنْهَا ذُرِّيَّتَكُمْ کے معنی یہ ہیں کہ اسے قریش رب نے تمہیں ایک جان یعنی قصی سے پیدا فرمایا۔ اور اس قصی کی بیوی اس کی جنس سے بنائی قصی نے یہ غضب کیا کہ اپنے رب سے دعائیں کر کے بیٹا مانگا تھا۔ اور اس کا نام عبدالمحارث رکھ دیا تفسیر غرائن عرفان وغیرہ اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں اور بعض نے فرمایا کہ جَعَلَا میں مصناف پوشیدہ ہے اور اس کا فاعل اولاد آدم و حوا ہی ہیں یعنی

اُمّ و بتوں کی بعض اولاد نے شرک شروع کر دیا۔ دیکھو روح البیان (مدارک وغیرہ) اسی لئے آگے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ اگر یہ فعل حضرت اُمّ و بتوں کا ہوتا تو یشرکان تثنیہ کا صیغہ ارشاد ہوتا نیز ایک معنوی سی خطا یعنی گندم کھالینے پر عتاب ہو گیا تھا تو چاہیئے تھا کہ شرک کرنے پر بڑا سخت عذاب ہوتا لیکن بالکل نہ ہوا۔ حاکم کی یہ روایت بالکل معتبر نہیں کیونکہ وہ خبر واحد ہے اور عصمت پیغمبرؐ پر قطعی اعتراض ۳۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے فَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى اُمّ علیہ السلام نے رب کی نافرمانی کی پس گمراہ ہو گئے اس سے اُمّ علیہ السلام کا گناہ اور گمراہی دونوں معلوم ہوتے۔

جواب :- یہاں مجازاً خطا کو عصیان فرمایا گیا اور غویٰ کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود نہ پانا میں یعنی حیات دائمی کے لئے گندم کھایا تھا وہ ان کو حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ گندم سے بجائے نفع کے نقصان ہوا یعنی اپنے مقصد کی طرف راہ نہ پائی۔ دیکھو روح البیان یہ ہی آیت جب رب نے ان کے بھول جانیکا بار بار اعلان فرمایا تو عسی سے گناہ ثابت کرنا کلام اللہ میں تعارض پیدا کرنا ہے۔

اعتراض ۴ :- ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو پناہ مانا کہ فرمایا هَذَا آتِيّ اور یہ صریحی شرک ہے معلوم ہوا کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر توبہ کی۔

جواب :- اس کا جواب مقدمہ میں گزر چکا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے پھر خود ہی اس کا جواب مع دلیل بھی ارشاد کیا کہ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہوا وَكَذَلِكَ نَبِّئِ ابْنَاءَ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونُوا مِنَ الْمُوقِنِينَ پھر سترارے دیکھنے کا واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عالم دیکھنے کے بعد ستراروں کا واقعہ ہوا اور رب نے اس کلام کی تعریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک تھی تو تعریف فرمانا کیسا؟ پھر تو سخت عتاب ہونا چاہیئے تھا۔

اعتراض ۵ :- ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ تندرست تھے مگر قوم سے فرمایا اِنِّیْ سَقِیْمٌ (درد) میں بیمار ہوں خود بتوں کو توڑا مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا بَلْ فَعَلَهُ كَبِیْرٌ هُمْ هَٰذَا اس بڑے بُت نے یہ کام کیا اپنی بیوی حضرت سارہ کو فرمایا هَٰذَا اخْتِیْ یہ میری بہن ہیں اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہیں۔

جواب :- اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بحالت مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں

حتیٰ کہ ایسی مجبوری میں مزے کفر بھی نکال دینے کی اجازت ہے الا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ
 بِالْإِيمَانِ مِنْ مَوْعُودٍ بِرَأْسِهِ يَكَلِّمُ قَوْمًا يَكُونُ لَهُمْ مَوَاقِعُ يَوْمَ يُغْلَبُ دَاوُدُ وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
 بِأَرْبَعِينَ سَنَةً يَوْمَ تُغْلَبُ الْجُنُودُ يَوْمَ يُدْخِلُ اللَّهُ السَّامِیْنَ فِي رَحْمَتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ
 یہ فرمایا روح البیان آیت بَلْ فَعَلَهُ كَيْدُوهُُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ سے یہ کہ ان میں سے
 کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ اس میں بعید معنی مراد ہے گئے ہیں جسے تو یہ کہتے ہیں تو یہ ضرورۃً جائز ہے
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جرح سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا حجت میں نہ جائیگی دیکھا ایک شخص
 نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ ایک صحابی کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس سلام
 کو کون خریدتا ہے؟ وغیرہ (مشکوٰۃ باب المزاج) حضرت سارہ کو بہن فرمانے سے دینی بہن مراد تھی
 نہ کہ نبی۔ جیسے کہ داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے بشکل مدعی مدعی علیہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ
 هَذَا آتَيْنَاكَ تِلْكَ دَقِيقَاتُكَ يَوْمَ تَصِفُونَ فَتَحَقَّقْ يَوْمَ تَصِفُونَ یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں یہاں بھائی اور
 بکریوں کے مجازی معنی مراد ہیں ایسے ہی آپ کا یہ فرمانا کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ اس کے معنی ہیں میں بیمار ہوں
 والا ہوں نہ کہ فی الحال بیمار جیسے اِنَّكَ مَيِّتٌ ذَا اَنْفُسٍ مَّيِّتُوْنَ یَا سَقِیْمٌ سے ولی بیماری یعنی ناراغی
 ورنج مراد ہے یعنی میرا دل تم سے ناراض ہے اسی طرح بَلْ فَعَلَهُ كَيْدُوهُم سے کبیر سے رب تعالیٰ
 مراد ہے اور ہذا سے اُسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹے
 معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اُس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا سمجھتے ہو نبی کا کام رب کا ہی کام ہے
 وہ سمجھے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے یَا فَعَلَهُ شَكِّ طَرِیْقٍ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے
 کیا ہو گا اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ سچ کا احتمال نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رب نے
 یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں پسندیدگی کی سند
 عطا فرمائی۔ چنانچہ بت شکنی کے بیان سے پہلے فرمایا۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اٰبْرٰهٖمَ رُشْدًا وَّاٰلِیْہٖمُ السَّلَامَ
 ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشد و ہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ بیماری کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے
 ارشاد فرمایا اِنْ دَجَّكَ مِنْ بَنَاتِیْ بِقُلُوبِ سَیِّئٰتٍ اِنْ دَجَّكَ مِنْ بَنَاتِیْ بِقُلُوبِ سَیِّئٰتٍ جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامت طبعیت
 دلالت کرتا ہے اور جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی۔

اعتراف ۶۔ داؤد علیہ السلام نے پرانی عورت یعنی اوریا کی بیوی کو نظر بد سے دیکھا جس کا واقعہ سورہ

میں ہے اور یہ فعل یقیناً جرم ہے۔

جواب :- مومنین نے داؤد علیہ السلام کے قصہ میں بہت کچھ زیادتی کر دی ہے اور جو کچھ احادیث احادیث میں ہے وہ بھی نامقبول۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو کوئی داؤد علیہ السلام کا قصہ قسے کہانیوں کی طرح بیان کریگا میں اُسے ایک سوساٹھ کوڑے لگاؤں گا یعنی تہمت کی سزا۔ مگر وہ ہیں اس کو ڈگنے لگیں گے (روح البیان سورۃ ص قصہ داؤد واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک شخص اور یا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ داؤد علیہ السلام نے بھی اُسے پیغام پر پیغام دے دیا۔ اس نے آپ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اور یہ شخص نکاح نہ کر سکا۔ چنانچہ تفسیرت احمدیہ آیت لَا يَأْتِيَنَّكَ عَهْدِي الظَّالِمِينَ کی تفسیر میں ہے وَعَنْ دَاوُدَ يَكُونُ إِذَا مَا عَلَى الْفِعْلِ الْمَشْرُوعِ وَهُوَ فَكَاةُ الْمُخْطُوبَةِ لِأُورِيَا لَا تَنْظُرُ مَنكَوْمَتُهُ مگر چونکہ اس جبار کا کام سے بھی نبوت کی شان بلند و بالا ہے اس لئے رب تعالیٰ نے ان کے احترام کو زیادہ فرماتے ہوئے دو فرشتوں کو ایک فرضی مقدمہ لے کر بھیجا اور انہوں نے اپنی طرف نسبت کر کے آپ سے فیصلہ کر کر اشارۃً سمجھا دیا۔ سبحان اللہ کیا شان ہے اور انبیاء کا رتبہ اعلیٰ کے بل کتنا احترام ہے کہ نہایت عمدہ طریق سے انہیں معاملہ سمجھایا گیا۔ رب تو ان کی عظمت فرماتے اور یہ بے دین اُن حضرات پر نظر بد کا اتہام لگائیں۔ خدا کی پناہ۔

اعتراف :- یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے گناہ کا ارادہ کیا جسے رب فرما رہا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهِ یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا ارادہ کر لیا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ دیکھو یہ کتنا بڑا گناہ تھا جو یوسف علیہ السلام سے صادر ہوا؟

جواب :- یوسف علیہ السلام ارادہ گناہ تو کیا اس خیال سے بھی محفوظ رہے جو کہہ کر انہوں نے اس کا ارادہ کر لیا تھا وہ کافر ہے روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے فَتَنَ نَسَبَ إِلَى الْاَيَاتِ الْفَوَاحِشِ كَالْعَزْمِ عَلَى النَّجَاءِ وَنَحْوِهِ الَّذِي يَقُولُهُ الْمُشْرُوبَةُ كَفَرًا لَكَ فِي الْقُدِّيَةِ رَمَاتُهَا اعتراف اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ پر وقف کر دو اور هَمَّ بِهَا سے علیحدہ آیت شروع ہو معنی یہ ہوئے کہ بیشک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کر لیا اور وہ بھی قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔ اب کوئی اعتراف نہ رہا یہ معنی انعام و عقاب کا طرح

صحیح میں خازن نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ ہے وَلَا اِنَّ دَعَا بُرْهَانَ رَبِّهِمْ بِهَا۔ مَلَرُکْ شَرِیف میں ہے کہ وَمِنْ حَقِّ الْقَارِيْ اِذَا قَدَّرَ رَحْمَةً وَجَّهَ مِنْ حُكْمِ الْقَسْمِ وَحَكَمَهُ خَلَامًا بِرَاسِهِ اَنْ يَّتَقَيَّ عَلٰی يَدِهِ وَيُبْسِطِيْ بِقَوْلِهِ دَعَا بِهَا قَارِيْ كُوْجَا جِیے کہ یہ وقت کرے اور دَعَا بِهَا سے آیت شروع کرے اور یہی بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس مقام پر زینبہ کی توتیاں بیان فرمائیں وَ غَلَقَتْ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ کہ اُس نے آپ کو ہر طرح راجب کرنے کی کوشش بھی کی اور بڑیا بھی دروازہ بھی بند کر لیا۔ مگر یوسف علیہ السلام کی بیواری نفرت و عصمت کا بھی ذکر فرمایا۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهُ رَبِّيْ اَحْسَنُ مِّثْلَاۤیْ خُذْ لَكَ پَنَہ وہ میرا مربی ہے اُس کے مجھ پر احسانا اِنَّهُ لَا يَفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ۔ میں ایسی حرکت ظلم ہے اور ظالم کامیاب نہیں۔

اور پھر فرمایا اِنَّكَ لَتَنْصُرُنَّ عَنۡدَہُ السُّوۡءَ وَالْفُحۡشَآءَ فَمُشَارَ سے زنا اور سُوء سے ارادہ زنا مراد ہے معلوم ہوا کہ رب نے ارادہ زنا سے بھی ان کو محفوظ رکھا۔ آخر کار زینبہ نے بھی یہ ہی کہا کہ۔

اَلَاۤنَ حَصَّ حَصَّ اَلْحَقُّ اَنَاۡمَ اَوۡتٰہُ عَنْ نَّفۡسِہِ کہ میں نے ہی انہیں رغبت دینے کی کوشش دِ اِنَّہُ لَیَمۡنُ الضَّالِّیۡنَ۔ کی تھی۔

وہ تو سچے میں بلکہ شیر خوار بچے سے بھی اُن کی پاکدامنی اور زینبہ کی خطا کاری کی گواہی دلوای کہ وَ شَہِدَ شَہِیۡدٌ مِّنۡ اَہْلِہٖ مَا عَزِیزٌ مَّصْرَہُ بھی یہ ہی کہا یُوۡسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ہٰذَا اَسْتَغْفِرُکَ لِذَنۡبِکَ اِنَّکَ کُنْتَ مِنَ الْمُحَاطِیۡنَ اے زینبہ تم اپنے گناہ سے توبہ کرو تم ہی خطا کار ہو و کچھ شیر خوار بچے عزیز مصر غور زینبہ بلکہ غور رب تعالیٰ نے اُن کے بے گناہ ہونے پر گواہیاں دیں۔ اگر زینبہ کی طرح وہ بھی ارادہ گناہ کر لیتے تو آپ بھی ملزم ہوتے اور یہ گواہیاں غلط ہو جائیں تو وہاں صرف یہ ہوتا کہ زینبہ نے جرم کی ابتداء کی مگر بعد میں آپ بھی شریک ہو گئے۔ نیز اگر یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کیا ہوتا تو اُن کی توبہ اور استغفار کا ذکر ضرور آتا۔ نصیر مَلَرُکْ میں ہے۔ وَ لَا اِنَّہُ لَوُۡ وَجِدَ مِنْہُ ذٰلَکَ کَذٰبًا کَوۡنَ تَوۡبَتُہٗ وَ اِسْتِغْفَارُہٗ غُفْرٰنَکَ اس آیت کے یہ معنی کہ ناسبت بہتر میں کہ وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر رب کی بڑھان نہ دیکھتے، تفسیر کبیر نے فرمایا وَلَا کا جواب اس پر مقدم بھی ہو سکتا ہے جیسے آیت میں ہے۔ اِنَّ کَاۡدِبَ لَنَسِیۡ بِہٖ لَا اِنَّہٗ دَبَّلَنَا عَلٰی تَلٰہَا تفسیر کبیر آیت وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِہٖ اِوۡسَمٰی تفسیر یہ ہے کہ یہ وقت نہ کرو بلکہ جہاں تک ایک ہی جملہ مانو اور آیت کے معنی یہ ہوں کہ بے شک زینبہ نے یوسف علیہ السلام

اور انہوں نے زلیخا کا ہتم کر لیا۔ لیکن اب ان دونوں ہتھوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ ہتمت یہ ہیں
ہتم کے معنی ارادہ زنا ہیں اور ہتم بھائی اس کے معنی ہیں قلب کی غیر اختیاری رغبت جس کے ساتھ
قصد نہیں ہوتا یعنی زلیخا نے تو یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور ان کے دل میں رغبت غیر اختیاری پیدا
ہوئی جو کہ نہ گناہ ہے نہ جرم جیسے کہ روزہ میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس حالت دل راغب تو ہوتا ہے مگر اس کے
پی لینے کا ارادہ تو کیا خیال تک نہیں ہوتا صرف ٹھنڈا ٹھنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے اگر دونوں ہتھوں
کے ایک ہی معنی ہوتے تو دو جگہ یہ لفظ نہ بولا جاتا۔ بلکہ دَقْدَقَہَا تَتَّبِعُہُ سے کہہ دینا کافی تھا یعنی ان
دونوں نے قصد کر لیا دیکھو مَكَوَدَا وَ مَكَوَدَا اللہ کہ یہاں پہلے مکر کے معنی ہی اور ہیں اور دوسرے مکر کا
مقصد ہی کچھ اور تفسیر خازن میں ہے قَالَ اَلَمْ اَمَّا فُخْرُ الْاَدِیْنِ اِنَّ یُوسُفَ عَلَیْہِ السَّلَامُ كَانَ بَرِیْئًا
مِنْ اَلْعَمَلِ الْبَاطِلِ وَ اَتَمَّ الْمُحْتَرَمِ خِیَالِ رہے کہ زلیخا نے دروازہ پر عزیز مصر کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام
کو زنا کی تہمت نہ لگائی بلکہ ارادہ زنا کی کہ کہا قَالَتْ مَا جِئْتِ بِمَلَكٍ ؕ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوءًا اِلَّا اَنْ یُسَبِّحَ بِحَمْدِ
تِیْرِ یُوسٰی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اسکی منزل جیل کے سوا اور کیا ہے۔ اسی کی تردید یوسف علیہ
السلام نے فرمائی کہ هٰی رَاٰدَ تَتَّبِعِ عَنْ نَفْسِیْ بِکَ اَمْرِیْ کا ارادہ اسی نے کیا تھا۔ اس کی تردید شیر خوار
بچہ نے بھی کی اور اس کی تردید خود عزیز مصر نے قیص مبارک پچھی ہوئی دیکھ کر کی کہ کہا اِنَّہٗ مِنْ کِیْسِ
کُنَّ اور اس کی تردید مصری عورتوں نے بھی کی اور اس کی تردید آخر کار خود زلیخا نے بھی کر کے اپنا جرم
قبول کر لیا اب اگر ہتم بھم کے یہ معنی ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کر لیا تھا تو لازم آتا ہے
کہ رب تعالیٰ نے زلیخا کی تائید کی اور ان سب حضرات کی تردید اور یہ کلام کے مقصد کے خلاف ہے
یہ تقریر بہت خیال ہے انشاء اللہ کام آئے گی۔

اعترض ۸:۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک قطبی کو جان سے مار دیا اور فرمایا هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ
کہ یہ شیطان کا کام ہے معلوم ہوا کہ آپ نے ظلماً قتل کیا جو کہ بڑا جرم ہے۔
جواب:۔ آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا بلکہ قطبی ظالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھڑانا تھا جب قطبی نے نہ چھوڑا۔
آپ نے ہٹانے کے لئے چپٹ لگا دی۔ وہ طاقت نبی کی نہ برداشت کر سکا مگر کیا تو یہ قتل خطا ہوا اور
انبیاء سے خطا ہو سکتی ہے نیز یہ واقعہ عطاے نبوت سے پہلے کا ہے روح البیان میں ہے کہ
هٰذَا اَقْبَلَ الدَّبَّوۃَ نِیْزَہ قطبی کا فریب تھا جس کا قتل جرم نہیں آپ نے تو ایک ہی قطبی کو مارا۔ کچھ

وَنُفُوں بعد تو سارے ہی قبطی غرق کر دیئے گئے۔ رہا اس فعل کو عمل شیطان فرمانا۔ یہ آپ کی انتہائی کسری اور عاجزی کا اظہار ہے کہ خلاف اولیٰ کام کو بھی اپنی خطا سمجھا یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا جب قبطیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاک ہوتا فَخَفَرْنَا لَهُ اور ظَلَمْتُ نَفْسِي سے دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ الفاظ خطا پر بھی بولے جاتے ہیں یا ہذا سے قبطی کا ظلم مراد ہے یعنی ظلم شیطان کا کام ہے۔

اعتراف ۹۔ رب تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَانَا معلوم ہوا کہ آپ بھی پہلے گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی۔

جواب :- یہاں جو کوئی ضال کے معنی گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا ضَلَّ طَبِيعُكُمْ وَمَا تَحْوَىٰ ۙ ۱۰۔ تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نہ کبھی گمراہ ہوئے نہ کبھی

یہاں ضال کے معنی دارفہ محبت الہی ہیں اور ہدایت سے مراد درجہ سلوک ہے یعنی رب نے آپ کو اپنی

محبت میں سرشار اور وارفتہ پایا تو آپ کو سلوک عطا فرمایا۔ برادران یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام

سے عرض کیا تھَا اِنَّكَ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ یا اِنَّكَ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ یہاں ضال یعنی دارفہ محبت

ہیں۔ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت جلد اول باب پنجم میں فرمایا کہ عربی میں ضال وہ اونچا درخت ہے

جس سے گئے ہوئے لوگ ہدایت پاتے ہیں یعنی اسے محبوب ہدایت دینے والا بلند بالا درخت رب نے

مبین کو پایا کہ جو عرش فرش ہر جگہ سے نظر آئے لہذا تمہارے ذریعہ توفیق کو ہدایت دے دی یعنی ہدیٰ کا

مفعول عام لوگ ہیں نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بھی اس کے بہت سے معنی کیے گئے ہیں۔

اعتراف ۱۰۔ رب فرماتا ہے لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ یعنی تاکہ رب تعالیٰ

تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے۔ معلوم ہوا کہ آپ گنہگار تھے۔ حضور علیہ السلام بھی ہمیشہ اپنے

لئے دعائے مغفرت کرتے تھے اگر گنہگار نہ تھے تو استغفار کیسی؟

جواب :- اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ مغفرت سے مراد عصمت اور حفاظت ہے مطلب یہ ہے کہ

اللہ آپ کو ہمیشہ گناہوں سے محفوظ رکھے۔ رُوح البیان الْمُرَادُ بِالْمُغْفَرَةِ الْعِظْمَةُ وَالْعَصْمَةُ اَرَادَا اَبَدًا۔ نیکوئی

الْمَعْنَى يَسْتَحْفِظُكَ وَيَعْصِمُكَ مِنَ الذَّنْبِ الْمُتَقَدِّمِ وَالْمُتَأَخِّرِ دوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت سے پہلے

کی خطائیں مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ ذنب میں ایک مضاف پوشیدہ ہے یعنی آپ کی امت کے گناہ جیسا

کہ تک فرماتے سے معلوم ہوا۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری امت کے گناہ معاف کرے اگر آپ کے گناہ

مراد ہوتے تو لکھ سے کیا فائدہ ہونا روح البیان و فاذن، اس آیت کی تفسیر دوسری آیت ہے وَتَوَّابٌ اَتَّهِمْ اِذَا قَالُوا اِلَیْهِ کُفَّارًا کی طرف ہوتی ہے اور کبھی بخشش کے ذمہ دار کی طرف جیسے مقدمہ کبھی مجرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وکیل کی طرف کہ وکیل کہتا ہے کہ یہ میرا مقدمہ ہے جس کا میں ذمہ دار ہوں یہاں نسبت دوسری طرح کی ہے یعنی آپ کے ذمہ والے گناہ جن کی شفاعت کے آپ ذمہ دار ہیں۔

اعتراف ۱۱۔ حضور علیہ السلام سے لب نے فرمایا وَكَلَّمَ اللَّهُ نَارًا أَنْ تَبْتَئَكَ لَقَدْ كَرِهْتَ تَوَكَّنَ إِلَهُمُ شَيْئًا قَلِيلًا اگر ہم آپ کو نہ ثابت قدم رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کفار کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کفار کی طرف مائل ہو چکے تھے مگر بنے روکا۔ اور کفر کی طرف میلان بھی گناہ ہے۔ جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس میں شرط و جزاء ہے یعنی یہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں دونوں مقدموں کا ہونا تو کیا امکان بھی ضروری نہیں رہ جاتا ہے۔ قَدْ كُنَّا لِلَّهِ حُفَيَّا وَكَذَّابًا أَوَّلُ الْعَبِيدِ اگر رب کے بیٹا ہوتا تو اس کا پہلا بچاری میں ہوتا۔ نہ خدا کا بیٹا ہونا ممکن اور نہ نبی علیہ السلام اس کی پوجا کرنا ایسے ہی یہاں نہ تو رب تعالیٰ کا حضور علیہ السلام کو محفوظ نہ رکھنا ممکن اور نہ آپ کا ان کی طرف مائل ہونا ممکن۔ دوسرے یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم آپ کو پہلے ہی سے معصوم اور ثابت قدم نہ فرما چکے ہوتے تو آپ ان کی طرف کسی قدر جھکنے کے قریب ہو جاتے کیونکہ ان کے مکرو فریب بہت سخت خطرناک تھے یعنی چونکہ آپ معصوم ہیں لہذا آپ کفار کی طرف نہ جھکے بلکہ جھکنے کے قریب بھی نہ ہوئے۔ اس سے تو آپ کی عصمت ثابت ہوئی دیکھو خازن، مدارک، روح البیان، تیسرے یہ کہ ایک تو حضور علیہ السلام کی طبیعت مبارک ہے دوسرے آپ کی نبوت اور عصمت الہی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت و عصمت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی آپ کی فطرت پاک عیب اور گناہوں سے ایسی پاک ہے جس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کیونکہ آپ کی روحانیت بشریت پر غالب ہے۔ یعنی اگر ہم آپ کو معصوم بھی نہ بناتے تب بھی آپ کفار سے ملتے نہیں، ان کی طرف جھکتے نہیں بلکہ کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے اب جبکہ فطرت سلیمہ پر رب کا یہ کرم ہوا کہ آپ کو معصوم بھی بنایا، سر مبارک پر نبوت کا تاج بھی رکھا۔ اب تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ کسی قصور کی گنجائش ہی نہیں۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے اَلَمْ تَرَ أَنَّهُ قَلِيلًا لَّأَنَّ دُخَانِيَّةَ الشَّيْءِ كَانَتْ فِي أَصْلِ الْخَلْقِ

غَالِبًا عَلَى الْبَشَرِ نَبِيٌّ اِذْ لَمْ يَكُنْ حَيًّا يَدْرُو حَيْثُ شَيْءٌ يَجْعَبُهُ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى فَاَلَمْ يَعْنِ اُولَئِكَ التَّكْبُورُ وَتَوَكُّؤُا النَّبُوَّةَ وَتَوَكُّؤُا الْهِدَايَةَ وَاتَّقُوا نَظَرَ الْعَنَائَةِ لَقَدْ كُذِّبَتْ تَوَكُّؤُهُمْ

اعترض ۱۲:۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا كُنْتُمْ تَدْرِي مَا اَلِكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ اے نبی علیہ السلام آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام پیدائشی عارف باللہ نہیں آپ کو تو ایمان کی خبر بھی نہ تھی۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ وراثت یعنی اٹکل اور قیاس سے جاننے کی نفی ہے۔ پوری آیت یہ ہے وَكَذَلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوحًا مِنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا اَلِكِتَابُ الْاِيْمَانُ یعنی ہم نے آپ پر اپنے فضل سے قرآن وحی کیا۔ آپ خود بخود نہ جانتے تھے یعنی اس علم کا ذریعہ وحی الہی ہے نہ کہ محض اٹکل و قیاس۔ دوسرے یہ کہ اس سے پیدائش مبارک کا حال نہیں بیان ہو رہا بلکہ نور محمدی کی پیدائش کا حال ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواح میں سفید اور سادہ پیدا فرمایا تھا۔ پھر اُس پر علوم کے نقش و نگار فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم ارواح میں ہی نبی تھے خود فرماتے ہیں۔ كُنْتُ نَبِيًّا اِذْ اَدُمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ ہم اُس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں جلوہ گر تھے۔ تیسرے یہ کہ اس سے ایمان اور قرآن کے تفصیلی احکام مراد ہیں۔ یعنی آپ وحی سے پہلے احکام اسلامی تفصیل وار نہ جانتے تھے۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے اَيُّ الْاِيْمَانِ بِتَفَاصِيْلٍ مَا فِي قَضَائِ عَيْفِ الْكِتَابِ۔ پھر فرماتے ہیں۔ لَا اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَفْضَلُ مِنْ يَحْيٰى وَعِيسٰى وَقَدْ اُوْتِيَ كُلُّهُمُ الْعِلْمُ وَصِيًّا یعنی نبی علیہ السلام یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور انہیں تو علم و حکمت پہنچ ہی میں عطا ہو گئی تھی۔ تو یہ کیوں ممکن ہے کہ آپ پہنچ شریف میں علم سے خالی رہے ہوں۔

اعترض ۱۳:۔ رب فرماتا ہے فَادْرَأْهُمَا الشَّيْطٰنُ اَرْمَ وَحُوْلِهِمُ السَّلَامُ کو شیطان نے بھسلا دیا معلوم ہوا کہ شیطان کا وادہ انبیاء پر چل جاتا ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ شیطان ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ **جواب:**۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ شیطان انہیں گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ ان سے عدا گناہ کبیرہ کر سکتا ہے اُس نے خود کہا تھا لَا تَغْوِيَهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِيْنَ اور یہاں ہے فَادْرَأْهُمَا الشَّيْطٰنُ گمراہی اور چیز ہے اور بھسلا نا اور چیز ہے۔

اعتراف ۱۴: یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو بہت سے لوگوں نے پیغمبر مانا ہے حالانکہ انہوں نے بڑے بڑے گناہ کیے بے قصہ بھائی کو ستانا آزاد بھائی کو بچکا اس کی قیمت کھانا اپنے والد سے جھوٹا دل کر انہیں چالیس سال تک رُلانا غرض کہ خبرموں کی انتہا کر دی اور پھر بھی نبی ہوئے معلوم ہوا کہ نبی کا معصوم ہونا شرط نہیں۔

جواب: جہور علماء نے انہیں پیغمبر نہ مانا۔ ہاں ایک جماعت نے کچھ ضعیف دلائل سے ان کی نبوت کو دہم کیا ہے اسی لئے ہم نے مقدمہ میں عرض کیا کہ انبیائے کرام کا نبوت سے پہلے بد عقیدگی سے پاک ہونا اجماعی مسئلہ ہے اور گناہ کبیرہ سے پاک ہونے پر بھی اجماع ہے ان حضرات کی نبوت کسی صریحی آیت یا حدیث یا قول صحابی سے ثابت نہیں رب نے یہ فرمایا ہے **وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ** یہاں نعمت سے نبوت مراد نہیں اور نہ الی یعقوب سے انکی صلیبی ساری اولاد مراد ہے۔ رب نے مسلمانوں سے فرمایا **اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي** بعضوں نے کہا کہ رب فرماتا ہے **وَمَا اَنْزَلْ اِبْرَاهِيْمَ وَاسْمٰعِيْلَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالدَّسْبٰطِ** یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی سب صاحبِ وحی تھے مگر یہ بھی کمزوری بات ہے کیونکہ نہ تو **اَنْزَلْ** میں بلا واسطہ وحی آئی کا بیان ہے نہ اس کی کوئی دلیل ہے کہ اسباط اُن کے بیٹوں ہی کا لقب ہے، رب فرماتا ہے **تَوَلَّوْا۟ اٰمَنًا بِاٰلِهٰتِهِ وَمَا اَنْزَلْ عَلَيْنَا وَ مَا اَنْزَلْ اِلٰی اِبْرٰهِيْمَ الْاٰیٰتِ** یہاں **اَنْزَلْ عَلَيْنَا** کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سب پر وحی آئی اور ہم سب پیغمبر ہیں اور اسباط بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا لقب ہے اور واقعی اُن میں انبیاء آتے رہے رب فرماتا ہے **وَقَطَعْنَا هَمَزَ اِسْمِیْ عَشْرَ اَسْبَاطٍ اَمَمًا** تفسیر روح المعانی میں **اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ** کی تفسیر میں ہے **فَاَلَّذِيْ عَلَيْهِ الْاَكْثَرُوْنَ سُلْطٰنًا وَخُلَفَا۟اۤ اَنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا اَنْبِيَاۤءَ اَصْلًا فَمِنْ يَنْقُلُ مِنَ الصَّحَابَةِ اَنَّهُ قَالَ بَنُوْهُمُ** سی طرح تفسیر روح البیان وغیرہ نے بھی ان کی نبوت کی بہت تردید کی۔ ہاں وہ سب حضرات توبہ کے بعد اولیہ اللہ بلکہ پیغمبر کے صحابی ہوئے انہیں یوسف علیہ السلام نے خواب میں تاروں کی شکل میں دیکھا کیونکہ وہ صحابی نہی تھے حضور فرماتے ہیں **اَصْحَابِیْ کَالنَّجْمِ** نیز اُن کے یہ سارے گناہ یعقوب علیہ السلام کی محبت حاصل کرنے کے لئے تھے۔ پھر انہوں نے اُن سے بھی اور یوسف علیہ السلام سے بھی معافی حاصل کر لی اور ان دونوں حضرات نے اُن کے لئے دعائے مغفرت کی لہذا یہ مغفور ہوئے۔ اُن کی شان میں گستاخ

سخت محرومی کی علامت ہے، قابل نے ایک عورت کی محبت میں گناہ کیا اور پھر آدم علیہ السلام سے معافی بھی حاصل نہ کر سکا لہذا وہ بے ایمان رہا اور یہ ایسا نادر ہوئے۔

اعتراف ۱۵: قرآن کریم سے ثابت ہے کہ زلیخا نے ارادہ نہ کیا جو کہ سخت جرم ہے اور تم کہہ چکے ہو کہ نبی کی بیوی فاحشہ نہیں مگر تو زلیخا یوسف علیہ السلام کی بیوی کیونکر ہو سکتی ہے۔ وہ فاحشہ بدکار تھی لہذا یہ تو مانو کہ ان کا نکاح نہیں ہوا یا یہ قاعدہ غلط ہے۔

نوٹ: گجرات کے بعض جاہل دیوبندیوں نے حضرت زلیخا کے زور پر یوسف علیہ السلام ہونیکا انکار کیا اور ان کی شان میں سخت گندے الفاظ کہے۔ انہیں کایا اعتراف ہے۔

جواب: حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی زوجہ اور قابل احترام بیوی ہیں ان کا یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آنا مسلم بخاری کی حدیث اور عام تفاسیر سے ثابت ہے انہیں سے یوسف علیہ السلام کے فرزند پیدا ہوئے۔ افزائیم اور میثاق تفسیر خازن، تفسیر کبیر، مدارک معالم التنزیل وغیرہ میں اس کی تصریح ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور اپنی دوسری ازواج پاک سے فرمایا اَللّٰہُ لَا تُنْثَنُ کَعَوَاجِبِ یُوْسُفَ۔ تم تو یوسف علیہ السلام کی بیوی کی طرح ہو گئیں یعنی زلیخا کی صاحبہ کی جمع ہے صاحبہ بیوی کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے وَلَمْ یُکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ وَّآپ نے وہ فاحشہ تھیں نہ آپ سے زنا جیسا گناہ کبھی صادر ہوا۔ بیوی زلیخا سے ارادہ جماع بیخودی، عشق کی حالت میں ہو گیا جمال یوسف نے انہیں وارفتہ دیوانہ بنا دیا۔ اس والہانہ حالت میں یہ ارادہ کر مچھیں، جب مصری غور تو نے اسی جمال سے بیخود ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تو اگر حضرت زلیخا نے اس حسن پر فریفتہ ہو کر دامن صبر چاک کر دیا تو کیا تعجب ہے؟ پھر ان تمام خطاؤں سے توبہ کر لی، یہ بھی خیال رہے کہ زلیخا نے صرف یوسف علیہ السلام سے ہی رغبت کی نہ کسی دوسرے سے رنجے انہیں ہر طرح محفوظ رکھا۔ ہم نے انبیاء کی بیویوں کو زنا اور فحش سے محفوظ مانا ہے نہ کہ معصوم۔ حضرت زلیخا نے یہ گناہ کر کے توبہ کر لی کہ عرض کیا اَلَا اِنَّ حَاصِصَ الْهَقَنِ اَنَارَادَ دُثْنُہٗ عَنْ نَفْسِہٖ زَلِیْخَا نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اقرار جرم توبہ ہے اسی لیے رب تعالیٰ نے زلیخا کی خطا کا ذکر تو فرمایا مگر اُن پر عتاب یا عذاب کا ذکر نہ کیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ اُن کے گناہ کی معافی ہو چکی۔ اب ان کی خطاؤں کا بے ادبی کے طور پر ذکر کرنا سخت بُرا ہے اُن سے زنا یا فحش کبھی صادر نہیں ہوا۔ نہ معلوم دیوبندیوں کی کس شیطان نے عقل مار دی کہ ان کا حملہ ہمیشہ انبیائے کرام کے

عزت و آبرو پر ہوتا ہے۔ حضرت زینا یوسف علیہ السلام کی اہل بیت میں ان کی توہین اس باکمال پیغمبر کی توہین ہے رب تعالیٰ عقلم سلیم منافقانے خاتمہ خیال رہے کہ رب تعالیٰ انبیائے کرام کا رب ہے اور وہ حضرات اس کے پیارے بندے سب جس طرح چاہے ان کی لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر فرمائے اور یہ حضرات جیسے چاہیں اپنے رب سے اپنی نیاز مندی اور بندگی کا اظہار کریں ہمیں کسی طرح حق نہیں کہ ان کی لغزشوں کو بیان کرتے پھر یں یا گستاخیاں کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لیں۔ رب تعالیٰ نے ہم کو ان کی تعظیم و توثیر کا حکم دیا۔ دیکھو یوسف علیہ السلام چونکہ مصر میں بظاہر فروخت ہوئے تھے اہل مصر سمجھے تھے کہ یہ عزیز مصر کے زر خرید ہیں۔ رب تعالیٰ نے اسی دل کو ان کے دامن سے منانے کے لئے سات سال کی عام قحط سالی بھیجی پہلے سال میں سب نے آپ کو روپیہ پیسہ دے کر غلہ خریدا دوسرے سال زیور و جواہرات دے کر تیسرے سال جانور اور چوپائے دے کر چوتھے سال اپنے غلام باندیاں دیکر پانچویں سال اپنے مکانات و زمین دیکر چھٹے سال اپنی اولاد دے کر ساتویں سال مصر والوں نے اپنے کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر دیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے لونڈی غلام بنتے ہیں۔ ہمیں غلہ دو۔ تب آپ نے ان پر اسان فاطمہ رک و روح البیان وغیرہ کیوں ہوا۔ صرف اس لئے کہ جب سارے مصر والے آپ کے غلام بن گئے تو اب انہیں غلام کون کہے۔ پتہ چلا کہ ایک پیغمبر کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے سارے جہان کو مصیبت میں ڈالا جاسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہمیشہ نماز میں سورۃ عَبَسَ پڑھتا تھا۔ آپ کو پتہ لگا تو اسے قتل کر دیا دیکھو روح البیان تفسیر سورۃ عَبَسَ اس سورۃ کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری شان حبیب الرحمن میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضور کی نعت ہے رب تعالیٰ دیوبندیوں کو ہدایت دے۔ انہوں نے انبیاء کرام پر بکواس بکنے کی جرأت پیدا کر دی۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُورٍ مِّنْ شَبِّهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْبَابِهِ أَجْمَعِينَ

لمعات المصابیح علی رکعات التراويح

پہلا باب

بیس رکعت نماز تراویح کا ثبوت

تراویح بیس رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا ثبوت قرآن پاک کی ترتیب و احادیث صحیحہ و اقوال علماء اور عقلی دلائل سے دیتے ہیں (۱) قرآن پاک میں سورئیں بھی ہیں آیتیں بھی اور رکوع بھی۔ وہ مضمون جس کا کوئی نام رکھ دیا گیا ہو وہ سورت کہلاتا ہے اور قرآن کا وہ جملہ جس کا علیحدہ نام نہ ہو آیت کہلاتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں کیونکہ سورت کے معنی احاطہ کرنے والی چیز ہے اور آیت کے معنی میں نشانی۔ سورۃ چونکہ ایک مضمون کو گھیرے ہوئی ہے جیسے شہر کو پناہ (سورۃ البلد) اور آیت قدرت الہی کی نشانی ہے اسلئے ان کے یہ نام ہوئے۔ مگر رکوع کے معنی میں جھکنا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآنی رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں۔ کتب قرآۃ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے اس حصہ کا نام رکوع رکھا گیا یعنی ان حضرات کے رکوع کرنے کا مقام اتنا پڑھ کر رکوع ہوا اور چونکہ تراویح میں رکعت پڑھی جاتی تھیں اور ستائیسویں رمضان کو ختم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے قرآن پاک کے کل ۲۴ رکوع ہونے چاہئیں۔ لیکن چونکہ ختم کے دن بعض رکعتوں میں چھوٹی چھوٹی دو سورتیں پڑھ لی جاتیں تھیں اس لئے قرآن کریم کے ۵۵ رکوع ہوئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو رکوع ۲۴ ہونے چاہئے تھے قرآنی رکوعات کی تعداد بتا رہی ہے کہ تراویح بیس رکعت چاہیں کیا کوئی دہائی آٹھ رکعت تراویح مان کر رکوعات قرآنی کی وجہ بتا سکیں گے؟ (۲) تراویح جمع ترویج کی ہے جس کے معنی ہیں جسم کو راحت دینا۔ چونکہ ان میں ہر چار رکعت پر کسی قدر راحت کے لئے بیٹھتے ہیں اس بیٹھنے کا نام ترویج ہے اسی لئے اس نماز کو تراویح کہا جاتا ہے یعنی راحتوں کا مجموعہ اور تراویح جمع ہے۔ جمع کم از کم تین پر ہونی جاتی ہے اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو اس کے درمیان میں ایک

ترویج آتا پھر اس کا نام تراویح نہ ہوتا تین ترویجوں کے لئے کم از کم سولہ رکعت تراویح چاہئیں۔ جن میں ہر چار رکعت کے بعد ایک ترویج ہو اور وتر سے پہلے کوئی ترویج نہیں ہوتا۔ تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی ترویج کرتا ہے (۳) ہر دن میں میں رکعت نماز ضروری ہے۔ سترہ فرض اور تین وتر، دو فرض فجر میں چار ظہر میں چار عصر میں تین مغرب میں اور چار عشاء میں۔ رمضان شریف میں رب تعالیٰ نے ان میں رکعت کی تکمیل کے لئے میں رکعت تراویح اور مقرر فرمادیں جس کی ہر رکعت ان کی ہر رکعت کی تکمیل کرے غیر مقلد شاید نماز پنجگانہ میں بھی آٹھ رکعت ہی پڑھتے ہوں گے۔ ورنہ آٹھ تراویح کو ان میں رکعت سے کیا نسبت (۴) احادیث خیال ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح باجماعت پابندی سے اوازہ فرمائی۔ صرف دو دن اولیں اور بعد میں فرمادیا کہ اگر اس پر پابندی کی گئی تو فرض ہو جائیگا اندیشہ ہے جس سے میری امت کو دشواری ہوگی۔ لہذا تم لوگ اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کرو۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یہ نماز تہجد ہی تھی جو ماہ رمضان میں اہتمام سے ادا کرانی گئی اسی لئے صحابہ کرام سحری کے آخری وقت اس سے فارغ ہوتے زمانہ صدیقی میں بھی اس کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ فرمایا گیا۔ لوگ متفرق طور پر پڑھ لیتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اہتمام فرمایا اور میں رکعت تراویح مقرر فرمائیں اور باقاعدہ جماعت کا انتظام کیا لہذا صحیح یہ ہے کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے مگر اس کی پابندی جماعت میں رکعت سقت فاروقی ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آٹھ رکعت کا حکم دیا اور نہ اس پر پابندی فرمائی بلکہ حتیٰ یہ ہے کہ آپ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صراحتاً کہیں ثابت ہی نہیں ہوا لہذا صحابہ کرام میں پر اتفاق کرنا سنت کی مخالفت نہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ لِهَذَا اب ہم صحابہ کرام کا عمل پیش کرتے ہیں غیر مقلدوں کو چاہئے کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح ایسی پیش کریں جس سے تراویح کی آٹھ رکعت صراحتاً ثابت ہوں۔ انشاء اللہ نہ کر سکیں گے ہماری احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں میں رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔ موطا امام مالک میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قَالَ كُنَّا نَقُومُ فِي عَهْدِ حُمَيْرِ بْنِ رَكْعَةَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمُرْتَبَةِ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ ۱۲۱ بن مہج نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی فَصَلْتُ بِهِمْ عَشْرِينَ رَكْعَةً بِهَقِيٍّ

ہے۔ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ خُمُسَ تَرَوِيحَاتٍ عَشْرِينَ رُكْعَةً
(۴۱) ابن ابی شیبہ اور طبرانی کبیر میں اور بیہقی و عبد بن حمید و بخاری نے روایت کی عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رُكْعَةً سِوَى الْوُتْرِ اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور
علیہ السلام میں رکعت تراویح پڑھتے تھے (۵) بیہقی میں ہے وَعَنْ شَيْكٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ أَنَّهُ
كَانَ يُؤْمِنُ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خُمُسَ تَرَوِيحَاتٍ عَشْرِينَ رُكْعَاتٍ (۴۲) اسی بیہقی میں ہے وَعَنْ أَبِي
عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ أَنَّ عِيَّاسَ بْنَ الْفَرَّاءِ فِي رَمَضَانَ فَا مَرَّ رَجُلًا يُصَلِّي النَّاسَ عَشْرِينَ رُكْعَةً وَكَانَ
عَلَى يَدَيْهِمْ (۴۳) اسی بیہقی نے بآناد صحیح نقل فرمایا عَنْ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيدٍ قَالَ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى
عَهْدِ عُمَرَ بْنِ شَاهِرٍ رَمَضَانَ بِعَشْرِينَ رُكْعَةً اس کی تحقیق کے لیے صحیح البہاری باب لَمْ يَكُنْ فِي التَّارِخِ
دیکھو، ان روایات سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام میں تراویح پڑھتے تھے اور عبد فاروقی میں تو اس میں
رکعات پر عمل جاری ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس علی بن کعب و عمر سائب بن یزید وغیرہم تمام صحابہ
رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا۔

اقوال علماء اُمت (۱) ترمذی شریف ابواب الصوم باب ما جاء في قيام شهر رمضان میں ہے۔
وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَا رَوَى عَنْ عَلِيٍّ دَعَمَهُ وَغَيْرُهُمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَشْرِينَ رُكْعَةً وَهُوَ قَوْلُ سَفِيَّانِ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هَكَذَا أَكْثَرُ
رَبَائِدٍ مَكْلَةٍ يُصَلُّونَ عَشْرِينَ رُكْعَةً يَعْنِي أَهْلَ عِلْمٍ كَامِلٍ اس پر ہے جو حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ کرام
سے مروی ہے یعنی میں رکعت یہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی
نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہی عمل پایا کہ مسلمان میں رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ (۲) فتح الملمم شرح
مسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۱ میں ہے وَدَوَّى مُحَمَّدُ بْنُ نَفِيرٍ مِنْ طَبِيعَتِي عَطَاءٌ قَالَ أَدْرَكْتُهُمْ يُصَلُّونَ
عَشْرِينَ رُكْعَةً ذَلِكَ رُكْعَاتُ الْوُتْرِ فِي الْبَابِ أَثَارُ كَثِيرَةٍ أَخْرَجَهَا ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَغَيْرُهُ وَقَالَ
ابْنُ قَدَامَةَ وَهَذَا كَالْإِجْمَاعِ اس سے معلوم ہوا کہ میں رکعت پڑگیا مسلمانوں کا اجماع ہو گیا (۳)
عمدة القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۴۰ میں ہے وَدَوَّى الْحَارِثُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنُ أَبِي
زَيْدٍ عَنْ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيدٍ قَالَ كَانَ الْقِيَامُ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ ثَلَاثَ عَشْرِينَ رُكْعَةً قَالَ ابْنُ
عَبْدِ اللَّهِ هَذَا مُحْمُولٌ عَلَى أَنَّ الثَّلَاثَ الْوُتْرُ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں میں رکعت

تراویح اور تین وتر پر عمل تھا (۴) اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے کہ کان عبد اللہ ابن مسعود یُعَلِّیٰ
 یُنَاقِیْ شَمْعَهُ رَمَضَانَ فَيَنْخُسِرُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ قَالَ اَلَا عَمَّشُ كَانَ یُعَلِّیْ عِشْرَیْنَ رُكْعَةً (۵) اسی عمدۃ القاری
 جلد خیم صفحہ ۳۵ میں ہے کہ قال ابن عبد البر وهو قول جہود بن العلاء وہب قال اَلَا کُفْرِیْتُ وَالشَّامِ
 وَاکْثَرُ الْعُقَلَاءِ وَهُوَ الصَّحِیحُ عَنْ کَعْبٍ مِنْ غَیْرِ خِلَافٍ مِنَ الصَّحَابَةِ یعنی ابن عبد البر نے فرمایا کہ
 میں رکعت تراویح عام علماء کا قول ہے اسی کے اہل کو ذرا امام شافعی اور اکثر فقہاء قائل ہیں اور یہ
 ہی حضرت ابی ابن کعب سے مروی ہے اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں (۶) ملا علی قاری نے شرح
 نقایہ میں فرمایا نَصَارًا رَاجِعًا عَالِمًا رَافِئًا یُتَبَقِّیْ بِإِسْنَادٍ صَحِیحٍ أَنْتُمْ كَانُوا یُصَلُّونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ
 بِعِشْرَیْنَ رُكْعَةً دُعِیَ عَهْدُ عُثْمَانَ دُعِیَ عَهْدُ كِرَامِ حَضْرَتِ عمر عثمان دعی رضی اللہ عنہم کے زمانہ
 میں میں تراویح پڑھتے تھے لہذا اس پر اجماع ہو گیا (۷) مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد
 اول صفحہ ۱۰۲ میں علامہ ابن حجر مکی جیسے کا قول نقل فرمایا اَجْمَعُ الصَّحَابَةُ عَلَى أَنَّ التَّارَیْخَ عِشْرَیْنَ رُكْعَةً
 یعنی صحابہ کرام کا بیس تراویح پر اجماع ہے (۸) عمدۃ القاری شرح بخاری جلد خیم صفحہ ۲۵۷ میں ہے وَآءَا
 الْقَائِلُونَ بِهِ مِنَ السَّابِقِينَ فَشَبَّاهُ شَكْلَ دَابَّ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ وَالْحَارِثُ الْأَمْدَاوِيُّ دُعَاءُ ابْنِ أَبِي
 بَرَابَاحٍ دَابُّو الْبَعَثَوِيُّ دَسْعِيدُ ابْنِ أَبِي الْحُسَيْنِ الْبَصْرِيُّ أَخُو الْحُسَيْنِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ ابْنُ أَبِي بَكْرٍ
 وَغَيْرُهُمْ الْعَبْدَةُ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین و تبع تابعین و فقہاء محدثین کا میں
 رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے کسی نے آٹھ تراویح پڑھیں نہ اس کا حکم دیا۔

لطیفہ غیر مقلد راصل اپنی خواہش نفس کے مقلد میں اس لئے انہیں اہل ہوا یعنی ہوا پرست کہا
 جاتا ہے جس میں نفس کو آرام ملے وہ ہی ان کا مذہب۔ ہم ان کے آرام وہ مسائل دکھاتے ہیں مسلمان
 دیکھیں اور عبرت لیں (۱) درمکے پانی کبھی گند انہیں ہوتا لہذا کنواں کتنا ہی پلید ہو جائے اس کا
 پانی پیئے جاو (۲) سفر میں چند نمازیں ایک وقت میں پڑھ لو۔ روافض کی طرح کون کون بار بار اترے
 اور پڑھے ریل میں بہت بھیڑ ہوتی ہے (۳) عورتوں کے زیور پر زکوٰۃ نہیں ملاں جناب کیوں ہو اس میں
 خرچ جو ہوتا ہے (۴) تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر آرام کرو۔ ملاں صاحب نماز نفس پر گراں ہے
 (۵) وتر صرف ایک رکعت پڑھ کر سو رہو کیوں نہ ہو جلد نماز سے چھٹکارا اچھا (۶) ایک بار تین طلاق
 دے دو۔ صرف ایک ہی واقع ہوگی۔ دوبارہ رجوع ہو سکتا ہے کیوں نہ ہو اس میں آسانی ہے غرض کہ

جس میں آرام وہ یاروں کا دین ایمان ۔

لطیفۃ مسلم شریف کتاب الطلاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں نے اس میں جلدی پیدا کر دی لہذا اب اس سے تین طلاق ہی واقعہ ہونی چاہئیں۔ آرام طلب غیر مقلدین نے اڑے کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے ان اللہ کے بندوں نے یہ نہ سوچا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ خلاف سنت حکم کر سکتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ آپ نے یہ قانون بنا دیا اور کسی صحابی نے مخالفت نہ کی۔ بات صرف یہ تھی کہ زمانہ نبوی میں بعض لوگ یوں کہہ دیتے تھے تجھے طلاق ہے طلاق طلاق اور آخر میں دو طلاقیں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے جیسے کوئی کہے میں کل جاؤں گا کل کل۔ میں روٹی کھاؤں گا روٹی روٹی۔ اب بھی اگر کوئی اس نیت سے یہ الفاظ بولے تو عند اللہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ زمانہ فاروقی میں لوگ تین طلاقیں ہی دینے لگے چونکہ عمل بدل گیا حکم بھی بدل گیا تب آپ نے یہ حکم نافذ فرمایا۔ اس مسئلہ کی نہایت ہی نفیس تحقیق ہماری تفسیر جلد دوم آیت (الطَّلَاقُ مَتَّانٌ) کی تفسیر میں دیکھو جہاں بہت سی احادیث سے ثابت کیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

دوسرا باب

بیس تراویح پر اعتراضات و جوابات

اعتراض :- (۱) مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان اور موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی کعب رضی اللہ عنہ اور راحی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں ثابت ہوا کہ اٹھ رکعت تراویح ہے باقی وتر ۔

جواب :- اس کے چند جواب ہیں اولاً یہ کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور مضطرب سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کیونکہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں موطا میں تو ان سے گیارہ کی روایت ہے اور محمد ابن نصر موزنی نے انہی محمد ابن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی اور محدث عبدالرزاق نے انہی محمد ابن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعت نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۸۰ مطبوعہ مطبع خیر یہ مضرہ ایک ہی راوی کے بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے

اس کو اضطراب کہتے ہیں لہذا یہ تمام روایات غیر معتبر ہیں اس سے استدلال غلط ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہے تو اس سے تراویح آٹھ رکعت ثابت ہوئیں مگر وتر تین رکعت کیسے آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ کے قول پر تو نو رکعتیں ہونی چاہئیں کیا ایک ہی حدیث کا آدھا حصہ مقبول اور آدھا غیر مقبول۔ تبسیر ہے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اولاً آٹھ تراویح کا حکم دیا گیا، پھر بارہ کا، پھر آٹھ میں پر قرار ہوا۔ کیونکہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں اسی حدیث کے بعد ہے۔ وَكَانَ الْقَارِي يُقْرَأُ سُورَةَ الْبَقَرَةِ فِي ثَمَانٍ رَكَعَاتٍ وَإِذَا قَامَ يَبْعَثُ فِي ثَلَاثِينَ عَشْرًا رَكَعَةً سَرَّاهُ النَّاسُ أَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ يَعْنِي قَارِي آٹھ رکعت میں سورۃ بقرہ پڑھتا تھا اور جب بارہ رکعت میں یہ سورۃ پڑھتا تو لوگوں کو ہلکا پن محسوس ہوتا۔ اس حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے فَخُذْتُ مِنَ الْعَشْرِ فِي زَمَنِ عُمَرَ فِي الْمَوْطَأِ رَايَةً بِأَحَدِي عَشْرَةٍ وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا أَنَّهُ وَقَعَ أَوَّلُ الْكُفْرِ اسْتَقْبَلَ كَامِرًا عَلَى الْعَشْرِ ثَلَاثِينَ فَكَانَتْ الْمُنَوَّارُ يَعْنِي أَنَّ رَوَايَاتِ كُيُوسٍ جَمَعَ كَيْفَا كَمَا أَنَّ تَوَاتُرَ رَكَعَاتِ كَا حَكَمَ هُوَ بِمَجْرِبِيسٍ قَرَارَ هُوَ يَہِ مِیں رُكْعَتِ ہِی مَنقُولِ ہِی چوتھے یہ کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام ہے اور تین چیزیں سنت فاروقی ہمیشہ پڑھنا۔ باقاعدہ جماعت سے پڑھنا میں رکعت پڑھنا۔ حضور علیہ السلام نے میں رکعت ہمیشہ نہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کا حکم دیا۔ اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا اور اگر میں پڑھی جائیں تو سب پر عمل ہو گیا۔ کیونکہ میں میں آٹھ آجاتی ہیں۔ اور آخر میں میں نہیں آتیں حدیث شریف میں ہے کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کرو۔ تم بھی تراویح ہمیشہ اور باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں حضور سے ثابت نہیں سنت فاروقی میں لہذا میں رکعت پڑھا کرو۔

اعتراف ۲:- بخاری شریف میں ہے کہ ابوسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعت پڑھتے آپ نے جواب دیا مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُنِي رَمَضَانَ عَلَى إِحْدَى عَشْرٍ رَكَعَاتٍ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ کبھی نہ پڑھیں اور باقی وتر میں رکعت پڑھنا بدعت سیئہ ہے۔

جواب :- اس کے بھی چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس سے نماز متعذر اور ہے نہ کہ تراویح کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت

سے زیادہ نہ پڑھیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہی نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کہ صرف رمضان میں ہوتی ہے نیز ترمذی میں اسی حدیث کے لیے باب باندھا باب ماجاء فی وصف صلوۃ النبی صلی علیہ وسلم باللیل معلوم ہوا کہ یہ صلوۃ اللیل یعنی نماز تہجد ہے نہ کہ تراویح۔ نیز اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ ہماری آنکھیں سو جاتی ہیں ہمارا دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ رکعتیں سو کے اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ اور وتر بھی اس کے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ آپ نے ہم کو وتر پڑھ کر سونے کا حکم دیا اور خود سو کر مع تہجد وتر پڑھتے ہیں جواب دیا کہ چونکہ میں جاگنے پر پورا بھر دیر ہے۔ جسے بھر دیر نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سونے اور تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سونے کے بعد مدارج النبوة جلد اول صفحہ ۱۰۰ میں ہے تحقیق آنست کہ صلوۃ آنحضرت در رمضان جہاں نماز معتاد بود یا زود رکعت کہ دائم در تہجد می گوارد۔ دوسرے یہ کہ اگر میں رکعت تراویح بدت سیدہ ہے تو حضرت عمر و دیگر صحابہ کرام نے کیوں اختیار فرمائی اور خود حضرت عائشہ صدیقہ نے ان کی لغت کیوں نہ کی۔ ان پر کیا فتویٰ لگاؤ گے نیز آج سارے غیر مقلد پورے ماہ رمضان میں باجماعت تراویح پڑھتے ہیں۔ بتاؤ ان کی یہ پیشگی بدعت سیدہ ہے یا نہیں؟

اگر حضور علیہ السلام نے آٹھ تراویح پڑھیں۔ تو صرف دو تین روز پڑھیں تم اس کی ہمیشگی کر کے کون ہوئے؟ اگر پورے متبع حدیث ہو تو سارے ماہ رمضان میں صرف تین دن تراویح پڑھا کرو۔ نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہوا کہ مکہ والوں کا میں تراویح پر اتفاق ہے اور مدینہ والوں کا اکتالیس پر ان میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت کا عامل نہیں۔

بتاؤ یہ سارے لوگ بدعتی اور فاسق ہوئے یا نہیں؟ اگر ہوئے تو ان سے حدیث لینا کیسا بافتنی کی روایت معتبر نہیں نیز بتاؤ کہ کیا کسی ملک میں مسلمانوں نے آٹھ رکعت تراویح پڑھیں۔ تیسرے یہ کہ اسی حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئی۔ تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئے تب ہی تو گیارہ رکعت ثابت ہوں گے۔ پھر وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو؟ آرام کے لیے تو یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کہیں نہیں ملتی کیونکہ جہاں قیام رمضان کا ذکر ہے وہاں تعداد رکعت سے خاموشی ہے اور جن حدیث میں گیارہ کا ذکر ہے وہاں تراویح کی تصریح نہیں بلکہ اس سے تہجد مراد ہے ایسی روایت پیش کرو جس میں آٹھ تراویح

کی تصریح ہو۔ ایسی انشاء اللہ نہ ملے گی۔ چونکہ سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نے مستقل رسالہ لکھ دیا۔ اس لئے ضمیمہ میں یہ مضمون شامل نہ کیا گیا وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ وَذَوْرِ عَرْشِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهِ وَهُوَ اَمْرٌ حَمْدُ الرَّاجِعِيْنَ +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

رسالہ طلاق الاولہ فی حکم الطلاق الثلثہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے تو اگرچہ اس نے بڑا کیا مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقع ہوگی نہ کہ ایک اور یہ عورت بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ چونکہ زمانہ موجود کے غیر مقدّمہ دہائی اس کے منکر میں اور خواہش نفسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہوگا اس لئے اس بحث میں ایک مقدّمہ اور دو باب لکھے جاتے ہیں پہلے باب میں مسئلہ کے دلائل اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

مقدمہ :- بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر کوئی بجااست حیض طلاق دیدے۔ یا تینوں طلاقیں ایک دم دیدے تو اگرچہ اس نے بڑا کیا۔ مگر جو طلاق دے گا وہ ہی واقع ہوگی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں (۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو اور خلوت نہ ہوئی ہو ایک دم تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور آخری دو واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح خارج ہوگئی اور اس پر قدرت بھی واجب نہ ہوئی۔ اور طلاق کے لئے نکاح یا عدت چاہیئے ہاں اگر اس عورت سے یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑ جائیں گی کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (دعا مکتبہ) ۲، اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے اس طرح طلاقیں دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق طلاق۔ اور آخری دو طلاقیں سے پہلی طلاق کی تاکید کی نیت کرے نہ کہ علیحدہ طلاقیں کی تب بھی دیانہ طلاق ایک ہی ہوگی (قاضی اس کی یہ بات نہ مانے گا، کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پی لو۔ پانی پانی۔ کھانا کھا لو کھانا کھانا میں کل گیا

تھا کل کل۔ ان سب صورتوں میں پچھلے دو لفظوں سے پہلے لفظ کی تاکید ہے (۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے۔ ایک وقت تین طلاقیں دے خواہ ہوں کہ تجھے تین طلاقیں میں یا یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ بہر حال طلاقیں تین ہی واقع ہوئی اور یہ عورت اب بغیر حلال اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ اس پر امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک و احمد اور سلفا خلفا جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ ہاں بعض ظاہر بین مولوی اس آخری صورت میں اختلاف کرتے ہیں چنانچہ تفسیر صادی میں پارہ دوم زیر آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهَا لِئَلَّا يَكُنْ مِنَ الْمُعْشَرِ فَإِنْ تَبَيَّنَ طَلَقُهَا فَلَا تَأْتِي مَرَّةً أُورَثَتْ وَلَا تَحِلُّ لَهَا لِئَلَّا يَكُنْ مِنَ الْمُعْشَرِ ثَلَاثًا أَوْ أَكْثَرَ وَلِهَذَا هُوَ الْجَمْعُ عَلَيْهِ لِعِنَى عِلْمِ أَمْتِ كَاسِ اس پر اتفاق ہے کہ جو تین طلاقیں الگ الگ سے یا ایک دم۔ عورت بہر حال حرام ہو جائے گی۔ نیز نووی شرح مسلم جلد اول باب الطلاق الثلث میں ہے وَكَذَا اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي مَنْ قَالَ لَا مَرَّةً أَنْتَ طَائِرٌ ثَلَاثًا فَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ وَأَبُو حَنِيفَةَ وَأَحْمَدُ وَجَمَاهُ مِنَ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ يَنْعَى الثَّلَاثَ وَقَالَ طَاءً وَسُ بَعْضُ أَهْلِ الظَّاهِرِ لَا يَنْعَى بِذَلِكَ إِلَّا وَاحِدَةً يَعْنِي جَوْزِي اس پر بیوی سے کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو چاروں امام اور سلف و خلف کے عام علماء فرماتے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ہاں بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہوگی۔ بلکہ حجاج ابن ارجط اور ابن مقاتل اور محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق بھی نہ پڑے گی۔ دیکھو نووی یہ ہی مقام۔ چونکہ موجودہ زمانہ کے غیر مقلد ہر جگہ نفس کا آرام ڈھونڈتے ہیں جس چیز میں نفس امارہ کو راحت ملے خواہ وہ باطل سے باطل اور ضعیف قول ہو وہ ہی ان کا دین ایمان ہے اس لئے انہوں نے ابن تیمیہ کی اتباع کرتے ہوئے یہ ہی عقیدہ رکھا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں سے ایک ہی واقع ہوگی۔ تفسیر صادی پارہ دوم زیر آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهَا لِئَلَّا يَكُنْ مِنَ الْمُعْشَرِ فَإِنْ تَبَيَّنَ طَلَقُهَا فَلَا تَأْتِي مَرَّةً أُورَثَتْ وَلَا يَنْعَى الثَّلَاثَ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهَا لِئَلَّا يَكُنْ مِنَ الْمُعْشَرِ ثَلَاثًا أَوْ أَكْثَرَ وَلِهَذَا هُوَ الْجَمْعُ عَلَيْهِ لِعِنَى عِلْمِ أَمْتِ كَاسِ اس پر بیوی سے کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو چاروں امام اور سلف و خلف کے عام علماء فرماتے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ہاں بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہوگی۔ بلکہ حجاج ابن ارجط اور ابن مقاتل اور محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق بھی نہ پڑے گی۔ دیکھو نووی یہ ہی مقام۔ چونکہ موجودہ زمانہ کے غیر مقلد ہر جگہ نفس کا آرام ڈھونڈتے ہیں جس چیز میں نفس امارہ کو راحت ملے خواہ وہ باطل سے باطل اور ضعیف قول ہو وہ ہی ان کا دین ایمان ہے اس لئے انہوں نے ابن تیمیہ کی اتباع کرتے ہوئے یہ ہی عقیدہ رکھا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں سے ایک ہی واقع ہوگی۔ تفسیر صادی پارہ دوم زیر آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهَا لِئَلَّا يَكُنْ مِنَ الْمُعْشَرِ فَإِنْ تَبَيَّنَ طَلَقُهَا فَلَا تَأْتِي مَرَّةً أُورَثَتْ وَلَا يَنْعَى الثَّلَاثَ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهَا لِئَلَّا يَكُنْ مِنَ الْمُعْشَرِ ثَلَاثًا أَوْ أَكْثَرَ وَلِهَذَا هُوَ الْجَمْعُ عَلَيْهِ لِعِنَى عِلْمِ أَمْتِ كَاسِ

پتہ یہ لگا کہ موجودہ غیر مقلد محض نفسانی آسانی کے لیے یہ باطل عقیدہ لیے بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی نفیس تحقیق اپنی تفسیر نعیمی جلد دوم زیر آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهَا الْاِیَّہ میں کر دی ہے مگر چونکہ آجکل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آرہے ہیں اس لیے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کیے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے امید قبول ہے اور ناظرین سے امید انصاف۔ بیان کا یہ ہی طریقہ ہوگا کہ مسئلہ دو بابوں میں بیان کیا جائے گا۔ پہلے باب میں اپنے دلائل اور دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات ۛ

پہلا باب

اس کے ثبوت میں

بہتر تویس ہے کہ طلاق ایک ہی دے زیادہ دے ہی نہیں اور اگر عین طلاق ہی دینا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق دے تین طہر میں تین۔ ایک دم چند طلاقیں دینا سخت بُرا ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ بُرا کیا مگر تینوں واقع ہو جائیں گی جیسے طلاق بجااست حیض کے اگرچہ بُرا ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ کَاَمْسَاکَ بِمَحْرَمٍ اَوْ تُرِیْعَ بِاِحْسَانٍ پھر فرماتا ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهَا (الایہ) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاقیں تک رجوع کا حق ہے عین میں نہیں اور مرتان کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ طلاقیں دینا شرط نہیں جن کے بغیر طلاقیں واقع ہی نہ ہوں خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہ ہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا اِلٰی طَلْقَةٍ ثَلَاثَةٍ سَوَاءٌ دَفَعَ اِلَیْہَا اَوْ مَرَّتَانٍ فِی مَرَّةٍ اَوْ مَرَّتَیْنِ وَالْمَعْنٰی اِنْ ثَبَتَ طَلَقُہَا ثَلَاثَیْ مَرَّۃٍ اَوْ مَرَّۃً فَلَا تَحِلُّ یعنی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ عورت حلال نہ رہے گی آگے فرماتے ہیں کَمَا اِذَا خَالَ لَهَا اَمْسَ طَلَقٌ ثَلَاثًا اَوْ اَلْبَتَّةَ وَهَذَا هُوَ الْجَمْعُ عَلَیْہِ یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اس پر امت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق ہے اسی طرح اور

تفسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ۔ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُخْدِتُكَ لِقَاءَ ذَٰلِكَ أَمْ لَا يَعْنِي جُرْعَتُكَ أَنَّكَ تَسِفُّ لِمَا كُنتَ تَفْتَرُ۔
 ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اگر تین طلاقیں ایک دم دیدیگا تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دینے والے کی توقع نہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گیا کہ ایسا آدمی ظالم ہے اگر اس سے طلاق ایک واقعہ ہوتی تو یہ ظالم کیسے ہوتا؟ بوری شرح مسلم باب الطلاق الثالث میں ہے وَاجْتَمَعَ الْجَمْعُ هُوَ بِقَوْلِ رَبِّكَ تَعَالَى وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ الْوَاقِعُ أَنَّ الْمُطْلَقَ قَدْ يُخْدِتُ لَهُ نَدْمٌ فَلَا يَكُونُ لَهُ تَدَارُكُهُ يَوْمَ يَخْرُجُ الْيَتِيمَتِ۔ فَلَوْ كَانَتِ الثَّلَاثُ لَمْ تَقْعُ طَلَاقُهُ هَذَا إِلَّا رَجْعِيًّا فَلَا يَنْدُمُ تَرْجُودِهِ هِيَ
 جو ہم اور عرض کر چکے ہیں۔

(۳) بیہقی اور طبرانی میں سوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ ششمیہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ امام حسن کے فراق میں بہت روتی ہیں تو آپ بھی رو پڑے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت بغیر حلالہ اسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں لَوْلَا اَنِّي سَمِعْتُ جَدِّي وَحَدَّثَنِي اَنِّي اَنَّهُ سَمِعَ جَدِّي يَقُولُ اَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا عِنْدَ الْاَقْرَبِ اَوْ ثَلَاثًا مَبْهَمَةً لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتَّى يَتَلَجَّ دَرَجًا غَيْرُهُ رَسَنَ كَبْرَى لِلْبَيْهَقِيِّ جلد نمبر ۷ صفحہ ۳۳۷
 (۴) اس سنن کبری بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے۔ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي الْفَأَقَالَ تَلَّكَ تَحْرِمُهَا عَلَيْكَ وَاقْتَسَمَ سَائِرُهَا بَيْنَ بَيْنَيْنِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا عِنْدَ الْاَقْرَبِ اَوْ ثَلَاثًا مَبْهَمَةً لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتَّى يَتَلَجَّ دَرَجًا غَيْرُهُ رَسَنَ كَبْرَى لِلْبَيْهَقِيِّ جلد ۷ صفحہ ۳۳۵ یعنی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا کہ تین طلاقیں نے اسے تجھ پر حرام کر دیا۔

باقی طلاقیں اپنی اور بیویوں کو بائٹ دے یعنی وہ لغو ہیں ظاہر ہے کہ اس سائل نے یہ تین طلاقیں بڑا مہینوں میں توڑ دی ہوں گی۔ ورنہ ۱۲ سال پہلے اسی میں مرفوع ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تھیں اور سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ

تینوں جائز رکھیں (۵) پہنچتی ہیں ہے عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى يَتَلَوَّعَ زَوْجًا غَيْرَهُ (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۲۵ یعنی امام جعفر صادق اپنے مبد امجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے تو بیوی غیر طلاق ملال نہیں اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اس مقام پر ابی یعلیٰ سے مروی ہے کہ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَيَمُوتُ طَلَقًا اِمْرَاَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا قَالَ لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى يَتَلَوَّعَ زَوْجًا غَيْرَهُ (۶) پہنچتی ہے محمد ابن ابی زبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے ایک دم تین طلاقیں دیدیں پھر اس کا خیال ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا ان دونوں صحابیوں نے فرمایا کہ ہم اس نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ وہ بولا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں تھا کچھ تھا تو نے اکٹھا ہی دیدیا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں فَسَلَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَا نَرَى أَنْ تَتَلَوَّعَهَا حَتَّى يَتَلَوَّعَ زَوْجًا غَيْرَكَ قَالَ إِنَّمَا كَانَ طَلَاقِي لَهَا وَاحِدَةً فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّكَ أَرَسَلْتَ مِنْ يَدِكَ مَا كَانَ لَكَ مِنْ فَضْلِ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۲۵) (۷) اسی بیہقی میں عبدالحمید ابن رافع سے بروایت عطاء ہے کہ کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو سوطا طلاق دی ہیں۔ فرمایا تین لے لو اور ستانوے چھوڑ دو عبارت یہ ہے - إِنَّ رَجُلًا قَالَ لِأَبْنِ عَبَّاسٍ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي مَاءً قَالَ تَاخَذُ ثَلَاثًا وَدَعَّ سَبْعًا وَتَسْبَعُونَ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۳) (۸) پہنچتی ہیں سید ابن جبر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں آپ نے فرمایا تین لے لو اور نو سو ستانوے چھوڑ دو عبارت یہ ہے - إِنَّ رَجُلًا جَاءَ ابْنَ عَبَّاسٍ وَقَالَ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي أَلْفًا فَقَالَ تَاخَذُ ثَلَاثًا وَدَعَّ سَبْعًا وَتَسْبَعُونَ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۳) (۹) پہنچتی ہیں بروایت سید ابن جبر سے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے اس شخص سے فرمایا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دی تھیں کہ تجھ پر تیری بیوی تمام ہو گئی عبارت یہ ہے - عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ لِرَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا خَيْرَ مَثَلٍ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۳) (۱۰) پہنچتی ہیں بروایت عمرو ابن دینار سے کہ کسی شخص نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاقیں دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہہ دو کہ مجھے برج جوزہ کا سر ہی کافی ہے۔ خیال ہے

کہ بَرِّحَ تَجْرُزَہ کے سر پر تین ستارے ہیں، عبارت یہ ہے۔ عَنْ عُمَرَ ابْنِ دِينَارٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سَمِعَ
عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ عَدَا النَّجْوَى فَقَالَ إِنَّمَا يَكْفِيكَ دَأْسُ النَّجْوَى (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۳۷)

(۱۱) ابن ماجہ شروع ابواب الطلاق بآیت مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا فِي بَعْضِ لَحْنٍ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں
کہ مجھے میرے شوہر نے تین بار طلاق دی تھی۔ ان تینوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز رکھا
عبارت یہ ہے۔ قَالَتْ طَلَّقَنِي رَجُلِي ثَلَاثًا وَهُوَ خَارِجٌ إِلَى الْجَنَّةِ فَأَجَازَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۱۲) حاکم ابن ماجہ ابوداؤد نے عبد اللہ ابن علی ابن زید ابن رکان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا
میرے دادا رکان نے اپنی بیوی کو طلاق بتدوی، پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک کی نیت کی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی، عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نیت کی مگر ایک کی ہیں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان پر واپس فرمادیا چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ
عَلِيٍّ ابْنِ يَزِيدٍ أَنَّ رُكَاْنَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ابْنَةَ خَالَتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسُئِلَتْ فَقَالَتْ مَا أَرَدْتُ بِهَا قَالُوا وَاحِدَةً قَالَ أَوَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً قَالَ وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ
بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً قَالَ فَرَدَّهَا إِلَيْهِ (ابن ماجہ باب طلاق التبتہ و ابوداؤد باب التبتہ) اگر ایک دم تین طلاقوں
ایک ہی طلاق واقع ہوئی تو حضور علیہ السلام حضرت رکان سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھا۔ أَنْتِ
خَالَتِي خَالَتِي خَالَتِي اور آخری دو طلاقوں سے پہلے طلاق کی تاکید کی تھی۔ اس لیے اسے ایک قرار دیا گیا ہے روایت
نہایت صحیح قابل اعتماد ہے چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ مَا أَشْرَفَ هَذَا الْحَدِيثُ یہ حدیث کیا ہی شریف
الاسناد ہے۔ ابوداؤد نے فرمایا ہے هَذَا أَحْسَنُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ یہ روایت بمقابلہ روایت ابن جریج زیادہ
صحیح ہے (۱۳) امام مالک شافعی و ابوداؤد و بیہقی میں روایت معاویہ ابن ابی عباس ہے کہ کسی نے حضرت ابوہریرہ اور
عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دیدے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابوہریرہ
نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے ہمارا دینی اور تین حرام کہ بغیر حلالہ نکاح درست نہ ہوگا۔ عبد اللہ ابن عباس
نے اس کی تاکید فرمائی۔ عبارت یہ ہے۔ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ أَبِي يَاسٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابَا هُرَيْرَةَ وَعَدَّ اللَّهُ
ابْنِ عُمَرَ ابْنَ الْعَاصِ سَمِعُوا عَنِ الْبَكْرِ وَطَلَّقَهَا زَوْجَهَا ثَلَاثًا قَالَ لَا تَحِلُّ لَكَ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ
وَسَمِعُوا مِلَّةَ عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيدٍ عَنْ جُبَيْرِ ابْنِ أَشْجَمٍ عَنْ مَعَاذِ ابْنِ أَبِي عُبَيْشٍ أَنَّهُ شَهِدَ هَذِهِ

اَلْقَضَاءُ اَبُو دَاوُدُ بَابِ نَسْخِ الْمَرَاجِعَةِ بَعْدَ تَطْلِيقِ الثَّلَاثِ (۱۳۸) یہی نے بسام صریحی سے روایت کی کہ جعفر ابن محمد
فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجہ کہ تین طلاقیں دیدے وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی
(۱۵۱) اسی یہی نے مسلم ابن جعفر احمد سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر ابن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ
فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک دم تین طلاقیں دے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی؟ فرمایا معاذ اللہ ہم نے یہ کبھی نہ کہا اس
کی طلاقیں تین ہی ہوں گی (تفسیر روح المعانی پارہ دوم) (۱۶۰) مسلم شریف کتاب الطَّلَاقِ بَابُ الطَّلَاقِ الثَّلَاثِ
میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی عبارت یہ ہے
فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ النَّاسَ قَدْ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرِ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ عَنَاءٌ فَلَوْ تَقَسَّيْنَا عَلَيْهِمْ
فَأَذْنًا عَلَيْهِمْ (۱۶۱) اس حدیث کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع اس پر ہے کہ تین طلاقیں تین ہی
ہوں گی اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط پر اجماع نہیں کر سکتے (۱۶۸) جب شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا
وجہ ہے کہ وہ دسے تین اور پڑے ایک مالک کا تعریف معتبر ہونا چاہیے (۱۶۹) فعل حرام ہونے سے قانون نہیں مل
سکتا۔ ایک دم تین طلاقیں دینا بیشک سخت منع ہے لیکن جب شوہر تین طلاقیں منہ سے بول رہا ہے تو واقعہ کیوں نہ ہو
دیکھو جو ری کی پھڑی سے جانور ذبح کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی ذبح کرے تو ذبح بیشک حلال ہے بحالت حیض
طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر کوئی دیدے تو واقعہ ہو جائے گی۔ (۲۰۰) استقلا میں مسبب سبب سے وابستہ ہونا ہے
کہ سبب کے ہوتے ہی مسبب کا ہونا ضروری ہے۔ ہدایہ کتاب الوکالت میں ہے کَانَ اَتَكْمَلُ فِيهَا لَا
لَا يَقْبَلُ الْفَصْلُ عَنِ السَّبَبِ لِأَنَّهُ اسْتَطَاعَ فَيَتَلَا شَيْءٌ یعنی استقلا میں حکم اپنے سبب سے علیحدہ نہیں ہو سکتا
طلاق ہونا سبب ہے، اور طلاق واقع ہونا اس کا حکم اور طلاق زوج کی ملکیت کا محض ساقط کرنا ہے البتہ ممکن ہے
کہ سبب پایا جائے اور حکم نہ پایا جائے کہ وہ بولے تین اور پڑے ایک (۲۱۱) جمہور علماء خصوصاً چاروں امام ابوحنیفہ و شافعی و
مالک و احمد رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے کہ ایک دم طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوگی اس کی مخالفت امت مسلمہ کی
مخالفت ہے جو گمراہی ہے غرضیکہ یہ سند قرآن و حدیث اجماع صحابہ ائوال علماء محدثین و مفسرین و لاعلیٰ غلیہ ہی سے ثابت
ہے اس کی مخالفت عقل و نقل کی مخالفت ہے

عبارت یہ ہے۔ اِنَّ اَبَا الشَّعْبَاءِ قَالَ لَا بَيْنَ عُبَّاسٍ اَعْلَمُ اَنَّمَا كَانَتْ الثَّلَاثُ تُجْعَلُ وَاحِدَةً عَلَى مَقْعِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُو بَكْرٍ وَثَلَاثُ امِيْنٍ اِمَامًا ثُمَّ تَقَالُ اِبْنُ عُبَّاسٍ فَعَمَّ اَنْ حَدِيثُوْنَ سَمِعْتُمْ مَعْلُومٌ هُوَ اَكْرَمُ اَكْرَمُ مَعْنَى مَلَاقِيْنِ اِيكٍ مِيْن۔
نورسٹ۔ غیر مقلدوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس ہی کی تو یہ روایت ہے اور خود ان ہی کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی جس کا ذکر پہلے باپ میں پہنچا اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہو گا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے۔ نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنادینا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جائے کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبداللہ ابن عباس کا اس پر اعتراض نہ کرنا یا آواز بلند نہ دینا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماول۔ کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مراد ہے جس سے طلاق نہ ہوئی ہو اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو تین طلاقیں ایک دم اس طرح دے کہ نتیجے طلاق ہے طلاق ہے تو اس سے طلاق ہی واقع ہوگی اور انہی کی دو طلاقیں لغو۔ چنانچہ ابوداؤد کتاب الطلاق باب تَلَاثُ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّلَاقِ الثَّلَاثِ میں ہے کہ ابو عباس نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی اور منقطع خلاف فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی۔ فرمایا ہاں جو غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔ اس کی طلاق ایک پڑتی تھی۔ عبارت یہ ہے قَالَ اِبْنُ عُبَّاسٍ بَلَى كَانَ الرَّجُلُ اِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَسُدَّ حُلَّ يَهَيَّا جَعَلُوْهَا وَاحِدَةً اِسْ حَدِيْثٌ سَمِعْتُمْ مَعْلُومٌ هُوَ اَكْرَمُ اَكْرَمُ مَعْنَى مَلَاقِيْنِ اِيكٍ مِيْن اور یہ حکم اب بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے تیسرے یہ کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اس طرح دیتے تھے کہ نتیجے طلاق ہے طلاق طلاق۔ گویا پچھلے دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔ اور زمانہ فاروقی میں لوگوں کا یہ حال بدل گیا کہ وہ تین طلاقیں ہی دینے لگے لہذا صورت مسد بدلنے سے حکم بدل گیا۔ نووی شریف میں ہے قَالَ لَمْ يَكُنْ اَنْتَ مَعْنَا اَنْتَ كَانَتْ اِنْ اَقَالَ لَهَا اَنْتَ طَالِقٌ اَنْتَ طَالِقٌ اَنْتَ طَالِقٌ وَكَهْ يَنْوِي تَاكِدًا اَوْ لَا اِسْتَيْنَا فَاَيْحُكُمُ يَوْفُوْهُ طَلَقَتْ لَقَدْ اَرَادَ بِيَمِ الْاِسْتِيْنَا بِذَلِكَ فَحَوَّلَ عَلَى الْغَالِبِ الَّذِي هُوَ اَرَادَ التَّاْكِدَ فَلَمَّا كَانَ فِي ذَمَانِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ دَكَثُوا اسْتِيْحَالَ النَّاسُ

یہ لفظ الصیغۃ و غلبہ منہم ارادۃ الاستینافِ دہا حیدت عنہ الرکلاتی علی الثلث علی الغالب
 الساتین الفعل منہما فی ذلک الحصر یعنی چونکہ زمانہ نبوی میں عام طور پر لوگ تین طلاقوں میں اول طلاق سے طلاق کی نیت
 کرتے اور پچھلے دو سے تاکید کرتے تھے اس لیے جو کوئی بغیر نیت کے بھی ایک دو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی
 کہ اس وقت غالب حال یہی تھا مگر زمانہ فاروقی میں لوگ عام طور پر تین طلاقوں سے تین ہی کی نیت کرنے لگے اس
 لیے تین جاری کر دی گئیں صورت مسئلہ بدلنے سے حکم مسئلہ بدل گیا دیکھو قرآن شریف میں زکوٰۃ کے معرفت آیت
 بیان ہوئے مؤلفۃ القلوب (کفار مائل باسلام) کو بھی زکوٰۃ دینے کی اجازت دی گئی مگر زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام
 کا اجماع ہو گیا کہ معرفت زکوٰۃ صرف سات ہیں مؤلفۃ القلوب خارج کیونکہ نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کی جماعت
 مختصری اور کمزور تھی اس لیے ایسے کافروں کو زکوٰۃ دے کر مائل کیا جاتا تھا محمد فاروقی میں نہ مسلمانوں کی قلت رہی
 نہ کمزوری لہذا ان کو زکوٰۃ دینا نہ کر دیا گیا۔ وجہ بدلنے سے حکم بدلنا منع نہیں کیا گیا۔ اب تک زید فقیر تھا اسے زکوٰۃ لینے
 کا حکم دیا گیا۔ اب غنی ہو گیا تو زکوٰۃ دینے کا حکم ہو گیا۔ پھر انا پاک تھا اس سے نماز ناجائز قرار دی اب پاک ہو گیا۔
 اس سے نماز جائز ہو گئی۔ ہندوستان میں آج کل کوئی طلاق کی تاکید جانتا بھی نہیں تین ہی کی نیت سے طلاقیں
 دیتے ہیں تو عجیب بات ہے کہ صورت مسئلہ کچھ اور حکم کچھ اور دیا جائے اللہ عز و قدر کو عقل دے جس سے
 حدیث کا مقصد صحیح سمجھا کریں۔

تیسرا اعتراض ابو الداؤد و جلد اول اور درمنثور جلد اول ۲۷۹ و عبد الرزاق و بیہقی نے عبد اللہ ابن
 عباس سے روایت کی کہ عبد بن عبد البر کانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ طلاق
 رجوع کر لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تین طلاقیں دی ہیں فرمایا میں ہم جانتے ہیں مگر رجوع کرو اور
 یہ آیت تلاوت فرمائی یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعَدَّتِہُمْ اَبُو دَاوُد وغیرہ کی عبارت
 یہ ہے۔ طَلَّقَ عَبْدُ یَزِیْدُ اَبْرَہْمَ کَاثَہَ اَمْرًا کَاثَہَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اِنْ جِئْتَ
 بِاَمْرٍ اَنْتَ فَقَالَ اِنِّی طَلَقْتُہَا ثَلَاثًا قَالَ قَدْ عَلِمْتَ اِنْ جِئْتُمَا وَتَدْلَا یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ (الذکر) بیہقی سن کبری جلد
 صفحہ ۳۳۹ و ابو داؤد باب نسخ المرحۃ صفحہ ۲۹۹ اگر اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوئیں تو رجوع نامکن
 تھا وہاں تو حلالہ کی ضرورت درپیش آتی معلوم ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کو رد کر دیا گیا حالانکہ
 خود ابو رکانہ عرض کر رہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں یہاں تاکید کا احتمال نہیں اور پھر
 بھی ایک ہی مانی گئی۔

جواب ۱۔ افسوس کہ معترض نے ابو داؤد اور بیہقی کی ادھی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب دیا ہے اور یہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابو داؤد و بیہقی میں ہے کہ نافع ابن خبیر اور عبد اللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے وارثوں سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی لہذا حضور نے ان کی بیوی کو ان کی طرف واپس کر دیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ اس کا میثا اور اس کے گھروالے اس کے حالات سے بمقابلہ غیروں کے زیادہ واقف ہونے میں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے والد نے میری وادی کو طلاق بتہ دی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاقیں تین ہیں۔ لامحالہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے۔ وَحَدَّثَنَا نَافِعُ ابْنِ خُبَيْرٍ وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنُ أَبِي يَزِيدٍ ابْنُ رَكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَرَدَّهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَحُّ لَنَا نَحْنُ وَلَدُ الرَّجُلِ وَأَهْلُهُ أَعْلَمُ بِهِ أَنَّ رَكَانَةَ إِنَّمَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ وَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَحْدَةً (سنن کبریٰ بیہقی و ابو داؤد یہی مقام ہے)

خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایت سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبد اللہ ابن عباس سے آٹھ روایتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی طلاق بتہ کی روایت ہے بتاؤ کہ تین طلاقیں والی ایک روایت معتبر ہوگی یا طلاق بتہ والی آٹھ اور ایک نو روایتیں بیہقی کی عبارت یہ ہے وَهَذَا الْإِسْنَادُ لَا تَقْوُمُ بِهِ الْحُجَّةُ مَعَ ثَمَانِيَّةٍ وَدَرَدَ عَنْ عَبَّاسٍ قَتِيْبًا مُتَخَلِّفٌ ذَلِكَ وَمَعَ رَوَايَتٍ أَوْلَى دِمْرُكَانَةَ أَنَّ طَلَّاقَ مَرْكَانَةَ كَانَ وَاحِدَةً وَيَا لَلِثَّقَيْنِ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۹) ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ ابو رکانہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قسم بھی لی تھی تب انہیں جوع کا حکم دیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ ابو رکانہ کی تین طلاقیں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔ اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔ شائد تین طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین طلاق کو کہتے ہیں اس لئے بجائے تین کے تین کی روایت بالمعنی کر گیا۔ جس میں اس نے سنت غلطی کی عبارت یہ ہے وَآمَّا الرِّوَايَةُ النَّبِيُّ رَدَّاهَا الْمُخَالِفُونَ أَنَّ رَكَانَةَ ثَلَاثًا فَعَلَّهَا وَاحِدَةً فَرَدَّاهُ ضَعِيفَةٌ عَنْ

قَرِيبٌ مَجْهُولِينَ وَإِنَّمَا الصَّيْحُ مِنْهَا مَا قَدَّ مَضَاهُ أَنَّهُ طَلَقَهَا الْبَتَّةَ وَكُفُّ
الْبَتَّةُ مَحْذُومٌ لِلْوَحْدَةِ وَلِلثَلَاثِ وَكَلَّ صَاحِبُ هَذَا التَّرَدُّ أَمِيتَ
الضَّعِيفَةَ اِعْتَقَدَ أَنَّ لَفْظَ الْبَتَّةِ ثَلَاثٌ اِمْرَاةً بِالْمَعْنَى الَّذِي
فِيهِ وَغَلَطَ فِي ذَلِكَ جَوَافِ اِعْتِرَاضٍ :- سَيِّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے
اپنی بیوی کو بحالت حیض تین طلاقیں اکٹھی دیں تھیں۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
قرار دیا اور اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا اگر یہ طلاق تین ہی ہوتیں تو رجوع ممکن ہوتا۔

جواب :- یہ غلط ہے حق یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو بحالت حیض
طلاق ایک ہی دی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجوع کا حکم دیا کیونکہ طلاق بحالت
طہر ہونی چاہیے چنانچہ مسلم شریف جلد نول باب تحریم الطلاق الحائض میں ہے :- عَنْ نَافِعٍ عَنْ
عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَاةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ تَطْلِيقُهُ وَاحِدَةٌ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَّخِذَ ثَمَّ يَهْمَدُ كَمَا حَتَّى تَطْهَرَ - نیز نووی شریف شوہر مسلم باب
الطلاق الثالث میں فرمایا اِذَا مَاتَ حَدِيثُ ابْنِ حَمْرٍ وَآيَاتُ الصَّيْحَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا مُسْلِمٌ
وَحَدِيثُهُ أَنَّهُ طَلَقَهَا وَاحِدَةً اِنْ كُنَّ مَتَعَلِقَاتٍ فِي رَوَايَاتٍ بِالْكَفِّ مَضِيغٌ فِي -

پانچواں اعتراض :- تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۴۴۰ الطلاق مؤثر کی تفسیر میں ہے مَعْنَاهُ أَنَّ
تَطْلِيقَ الشَّرْعِيَّةِ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ تَطْلِيقُهُ عَلَى التَّخْرِيقِ ذَاتِ الْجَمْعِ وَالْإِصْلَاحِ
هَذَا التَّفْسِيرُ هُوَ قَوْلُ مَنْ قَالَ الْجَمْعُ بَيْنَ الثَّلَاثِ حَوَامٍ يَمْنَى طَلَقَ شَرْعِيًّا الْكُ
الک بغیر جمع کیے دینا واجب ہے یہ ہی ہوں لوگوں کی تفسیر ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں
دینا حرام ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں شرعی طلاق نہیں۔ جواب اس کا کہ
منکر ہے بیشک طلاق ایک ایک ہی دینا ضروری ہیں گفتگو اس میں ہے کہ اگر کوئی اپنی حماقت سے
تین طلاقیں اکٹھی دیدے تو واقع بھی ہوگی یا نہیں تفسیر کبیر کی اس عبارت میں یہ کہیں ہے کہ تین
واقع نہ ہوں گی صرف یہ ہے کہ یہ کام ناجائز ہے۔ کسی چیز کا حرام ہونا اور چیز ہے (اس میں پر
شرعی احکام کا مرتب ہونا کچھ اور۔ رمضان شریف میں دن میں کھانا پینا حرام ہے لیکن اگر کوئی کھا
جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ زنا حرام ہے لیکن اگر کوئی کرے تو اس پر غسل ضرور واجب

ہو جائے گا۔ حرمت کا اثر اس باب کی مبنیت پر نہیں پڑتا۔ چھٹا اعتراض :- تفسیر
 کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۴ میں ہے، وَهُوَ اخْتِيَارُ كَثِيرٍ مِنْ عُلَمَاءِ الدِّينِ اَنْهَ كَوْنُ طَلَقٍ
 اِنْشَاءً بَيْنَ اَوْ ثَلَاثًا اَوْ اَكْثَرًا اِلَّا اَنْوَاحًا اَحَدَةً اَعْنِي هَيْتَ عُلَمَاءِ دِينِ نَعْنِي يَحْتَارُ كَيْفَ يَكُونُ
 اَكْثَرُ دَوَائِمِ طَلَقٍ دِيَّةً - تو اس سے ایک ہی واقع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ عام علماء اسلام کے
 نزدیک اَكْثَرُ تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔ جواب :- معترض نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون
 سے علماء ہیں جن کا یہ مذہب ہے اور ہم بتائیں وہ علماء ابن تیمیہ اور اسکے دہلی پیروکار ہیں
 انہیں کا یہ مذہب ہے جیسا کہ ہم پہلے باب میں تفسیر سادی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔ اور
 ابن تیمیہ اور اسکے متبعین کو علماء کرام نے گمراہ اور گمراہ کر لکھا ہے۔ نیز معترض نے تفسیر کبیر کی پوری
 عبارت نقل نہ کی۔ اس عبارت کے آگے یہ ہے۔ الْقَوْلُ الثَّانِي وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ
 سَمِعْتُ اللَّهَ عَزَّ وَآلَهُ وَآلَهُ كُنْ تَحْوِصًا اَنْهَ يَقَعُ اَعْنِي دَرَقَتُ قَوْلِ اِمَامِ ابْنِ حَنِيفَةَ كَافٍ
 کہ اَكْثَرُ تین طلاقیں دینا اگرچہ منع ہیں۔ لیکن واقع ہو جائیں گی۔ کچھ آگے بآگے تفسیر کبیر نے فرمایا
 کہ ائمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے کہ جسے تین طلاقیں دی جائیں وہ شوہر کے لئے حلال بنیں
 وکیعہ تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۶۵ سوال اعترض :- عقل بھی چاہتی ہے کہ اَكْثَرُ
 تین طلاقیں ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی علیحدگی کا حکم ہے ان کو اکٹھا کر دینا
 ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً مکان میں الگ الگ چار قسمیں کھانا واجب ہے، اور حج میں چاروں
 پر الگ الگ سات نگر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں میں ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک
 قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں نگر ایک دم پھینک دے تو ایک
 ہی لمبی مانی جائیگی اور چھ نگر اس کے علاوہ مارنے ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار
 درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے اَللّٰهُمَّ كَسِّرْ عَلٰی سَيِّدِي نَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ تو اس
 کا یہ درود ہزار نہ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائیگا لہذا چاہیے کہ اگر کوئی ایک دم تین طلاقیں
 دے دے تو ایک ہی واقع ہونہ کہ تین۔ جواب :- الحمد للہ آپ قیاس کے تو قائل
 ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی رسمت گوارا فرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس جناب
 لہ ان اور دوسری میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے، لہذا کہ فعل فعل

لہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لہذا ان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب کہ زمانہ گواہیاں چار ہیں تو لہذا ان میں جو اس کا قائم مقام ہے۔ یعنی فعل قسم بلی چار ہی پاسیے۔ جبکہ اعتد چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی ہوا۔ نیز رزمی جمہوں میں سات فعل چار میں ایک دم سات کنگر پیدہ۔ دینے میں مفعول سات ہوئے۔ مگر فعل ایک چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رزمی میں سات فعل فرمائے ہیں۔ اس کی پیروی چاہیے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے۔ ایک ہزار درود کی محنت اتنی محنت کی منت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک بار اَلْف مَرَّةً کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی۔ لہذا ان کے احکام بھی مختلف قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے، طلاق کو نسا ثواب کا کام ہے۔ تاکہ اس میں زیادہ محنت کا ثواب ملے۔ غرضیکہ تمام اعتراضات کو ردی کئے جا لے کی طرح کمزور ہیں ان سب کی بنا تن آسانی اور فرض پروری ہے نہ تعالیٰ قدران و سدایت کی بیحد فہم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقیں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر حلالہ رجوع کر دیا جائے تو عمر بھر حرام کاری ہوگی۔ لہذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانیں جائیں اسی لئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ وَتَوَدَّ عَزَّ شَيْه سَيِّدَنَا وَوَلَدَنَا مُحَمَّدًا وَآلِہٖ وَآصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِہٖ وَہُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ۞

احمد یار خاں غفرلہ ولایہ مرشدہ بدایونی مقیم محبت پاک

فہرست جلاء الحق و زندق الباطل

نمبر شمار	مضامین	صفحہ	نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	تمام فتنوں سے بڑا فتنہ وہابیوں کا ہے	۲	۱۶	علم غیب کے مراتب و اقسام	۴۲
۲	وہابیوں کے ظلم اہل اسلام خصوصاً اہل حرمین پر	۴	۲۰	مکرمین علم غیب سے سوالات	۴۲
۳	غیر مقلد اور دیوبندیوں میں فرق	۶	۲۱	علم غیب کا ثبوت قرآنی آیات سے	۴۳
۴	وجہ تصنیف کتاب	۸	۲۲	آیتہ الکرسی میں حضور کی نعمت	۴۹
۵	تفسیر تارخ توحیف کا فرق اور تفسیر طبرستان کے فرق	۱۰	۲۳	حضرت خضر و ابراہیم علیہم السلام کا علم	۶۱
۶	تقلید کے معنی اور اس کے اقسام	۱۴	۲۴	ملکوت کے معنی کی تفصیل	۶۱
۷	کون مسائل میں تقلید کی باقی ہے	۱۶	۲۵	کئی کتابوں میں مذکور مالی تخصیص کے جوابات	۶۴
۸	کس پر تقلید واجب ہے اور کس پر نہیں	۱۸	۲۶	دوسری فصل علم غیب کی احادیث	۶۶
۹	مجتہدین کے چھ طبقے اور ان کی پہچان	۱۸	۲۷	تیسری فصل شامعین و اہل بیت کے اقوال و روایات	۷۱
۱۰	غیر مقلدوں کے بہت سے اعتراضات کی جوابات	۱۹	۲۸	چوتھی فصل علماء اُمت کے اقوال	۷۴
۱۱	پرستش باب تقلید واجب ہونے کے دلائل	۲۱	۲۹	حضور علیہ السلام کو کھانا نہ دینے کا قصہ	۷۹
۱۲	تقلید شخصی کا بیان	۲۴	۳۰	پانچویں فصل مخالفین کی تائید علم غیب	۸۰
۱۳	پانچواں باب تقلید پر اعتراضات و جوابات	۲۸	۳۱	چھٹی فصل علم غیب کی عقلی دلائل و غیبی روایات	۸۲
۱۴	چاروں مذہب حق ہونے کے معنی	۳۳	۳۲	دوسرا باب علم غیب پر اعتراضات و جوابات	۸۷
۱۵	قیاس کے بحث	۳۵	۳۳	ثالثی ملکہ نفی و داور نفی میں کیا تعلیقات	۸۹
۱۶	غیب کا تعریف اور اس کے اقسام	۳۸	۳۴	حضور مفاتیح الغیب ہیں	۹۵
۱۷	علم غیب کے متعلق چند فوائد	۴۰	۳۵	علم عطائی غیب ہی نہیں	۹۶
۱۸	بڑی چیزوں کا علم بڑا نہیں	۴۱	۳۶	علم اور شعر کے معانی	۹۸

۲۷	خبر کا نسخہ جائز ہے یا نہیں	۱۰۲	چوتھی فصل حاضر و ناظر کا ثبوت مخالفین کی	۱۱
۲۸	علم روح کی بحث اور امر کے معنی	۱۰۶	کتابوں سے	۱۵۶
۳۹	حضور علیہ السلام روح میں اور عالم امر سے	۱۱۰	پانچویں فصل حاضر و ناظر کا ثبوت اول عقیدے سے	۱۵۸
۴۰	علم قیامت کی بحث انتہائی	۱۱۰	دوسرا باب حاضر و ناظر پر اعتراضات	۱۶۱
۴۱	نفیس توجہیں	۱۱۱	حضور علیہ السلام کو بشر کہنے کی بحث	۱۶۱
۴۱	حدیث عالم المسؤل علیہ کی نفیس تحقیق	۱۱۲	نبی کی تعریف اور اس کے درجات	۱۶۱
۴۲	حضور علیہ السلام قیامت کی خبر دینی	۱۱۲	پہلا باب اس بیان میں کہ نبی علیہ السلام	
۴۳	علوم خمسہ کی بحث	۱۱۵	کو بشر یا معانی کہا حرام ہے	
۴۴	دوسری فصل نفی غیب کی احادیث	۱۲۱	دوسرا باب بشریت پر اعتراضات	۱۶۵
۴۵	جہل و بیان و ذمہ میں فرق	۱۲۶	بحث نذوق یا رسول اللہ	۱۸۲
۴۶	قیامت میں لوگ شیعہ کو قبول یا نہیں گے	۱۲۶	دوسرا باب نذوق یا رسول اللہ پر اعتراضات	۱۸۶
۴۷	حضرت یعقوب حضرت یوسفؑ کے بھائی	۱۳۰	اولیاء اللہ و انبیاء سے مدد مانگنا	۱۹۳
۴۸	ان کا روزنامہ ترقی و درجات کا سبب ہوا	۱۳۰	اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کی عقلی ثبوت	۲۰۴
۴۹	تیسری فصل عبارات فقہانہ علم غیب	۱۳۲	دوسرا باب اسمی و اولیاء اعتراضات کے بیان	
۵۰	علم غیب پر عقلی اعتراضات و جوابات	۱۳۳	میں	۲۰۸
۵۱	حاضر و ناظر کی بحث	۱۳۸	بدعت کے معنی اور اس کے اقسام	۲۱۳
۵۲	پہلا باب حاضر و ناظر کے ثبوت میں	۱۳۹	پہلا باب بدعت کی تعریف	۲۱۴
۵۱	پہلی فصل آیات قرآنیہ سے ثبوت میں	۱۳۹	بدعت کی قسمیں اور ان کے احکام	۲۱۸
۵۲	دوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے	۱۴۰	بدعت کی قسموں کی پہچان اور عمل میں	۲۱۹
	بیان میں	۱۴۰	دوسرا باب اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات	۲۲۲
۵۵	تیسری فصل حاضر و ناظر کا ثبوت فقہانہ	۱۴۰	بحث نمبر و محض میلاد شریف کے ثبوت میں	۲۲۲
	حدیث کے اقوال سے	۱۴۸	باب میلاد شریف کے ثبوت میں	۲۳۲
			دوسرا باب میلاد شریف پر اعتراضات	

۳۱۰	روضان شریف میں ختم قرآن پر چراغاں	۹۶	۲۳۹	وجوہات کہ بیان میں
۳۱۰	بکثرت قبر پر اذان دینا	۹۷	۲۴۱	نعت گوئی اور نعت خوانی عبادت ہے
۳۱۱	اذان کہنے کے کئی کتنے موقع ہیں	۹۸	۲۴۲	تفسیر شیرینی کی بحث
۳۱۳	اذان کے سات فائدے ہیں	۹۹	۲۴۳	کسی کی یادگار منانا دن بھر کر کرنا
۳۱۵	دوسرا باب اذان تہنیر اعتراف و جواب	۱۰۰	۲۴۷	بحث قیام میلاد کے بیان میں
۳۱۶	مدرسہ دیوبند اور ختم بخاری	۱۰۱	۲۴۸	پہلا باب قیام میلاد و شریف کے ثبوت میں
۳۱۹	تہنیر کا طواف اور دیوبندیوں کی کتاب	۱۰۲	۲۵۴	دوسرا باب قیام میلاد پر اعتراضات و جوابات
۳۲۰	معافہ عید اور بعد نماز مصافحہ کا ثبوت	۱۰۳	۲۵	فاتحہ نتیجہ و سوال چالیسویں کا بیان
۳۲۱	بحث عرس بزرگان	۱۰۴	۲۶۲	پہلا باب فاتحہ کے ثبوت میں
۳۲۲	دوسرا باب عرس پر اعتراضات و جوابات	۱۰۵	۲۶۷	دوسرا باب فاتحہ پر اعتراضات و جوابات
۳۲۶	مشہد قرانی کی نہایت نفیس تحقیق	۱۰۶	۲۶۸	بحث و ما بعد نماز جنازہ کی تحقیق میں
۳۲۸	جائز کام میں نذرانہ کے ملنے اور داخل ہو کر نذر	۱۰۷	۲۷۸	دوسرا باب اس و دعا پر اعتراضات
۳۳۰	بحث زیارت قبور کے لئے سفر کرنا	۱۰۸		وجوہات
۳۳۲	دوسرا باب سفر عرس پر اعتراضات و جوابات	۱۰۹	۲۸۲	مزرات اولیاء پر گنبد بنانا
۳۳۵	کیا حضرت فاروق نے رخت کھوایا تھا	۱۱۰		اختلافات نماز سے بعض احکام بدل جاتے ہیں اس کی مثالیں
۳۳۶	کفنی یا القی لکھنے کا بیان	۱۱۱	۲۸۸	
۳۴۰	اصحاب کبف کے ناموں کی برکت	۱۱۲	۲۸۹	دوسرا باب گنبد مزرات پر اعتراضات و جوابات
۳۴۱	دوسرا باب کفنی لکھنے پر اعتراضات و جوابات	۱۱۳		
۳۴۱	بعیوت ہر شخص کو علم آجاتا ہے -	۱۱۴		ان اصحاب کے نام جنہوں نے قبروں پر کتب لکھیں
۳۴۹	بحث بلند آواز سے ذکر کرنا	۱۱۵	۲۹۵	بحث مزرات پر پھول ڈالنا چلواریہ و خضار
۳۴۹	بازار میں تکبیر کہنے سے عوام کو نہ رزک	۱۱۶	۲۹۶	چراغاں کرنا - پہلا باب ان کے ثبوت
۳۸۰	دوسرا باب ذکر بالجہر پر اعتراضات و جوابات	۱۱۷	۳۰۶	بندہ گوں کے سچوں کا حکم
۳۸۰	بحث اولیاء کے نام پر چالو یا نانا	۱۱۸	۳۰۷	نذر اولیاء

۱۱۹	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات	۳۶۱	سے پڑھنی
۱۲۰	بحث بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا اور	۱۳۸	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات
	تبرکات کی تعظیم کرنا	۳۶۸	زمانہ کے اختلاف سے احکام کیوں بدل
۱۳۱	قبر کا بوسہ دینا	۳۶۹	ساتھ ہیں اور اس کی مثالیں
۱۳۲	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات	۳۷۲	دیوبندی اور اسلامی عقائد میں فرق
۱۳۳	سجدے کی تعریف اور اسکے اقسام و احکام	۳۷۳	دیوبندیوں کی پیر پرستی
۱۳۴	تبرکات کا ثبوت	۳۷۶	ضمیمہ جَاءَ الْحَقُّ
۱۳۵	بحث عبد النبی عبد الرسول نام لکھنا	۳۷۸	قبر کبریا پر بنکرین عصمت انبیاء
۱۳۶	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات	۳۸۰	پہلا باب عصمت انبیاء کا ثبوت
۱۳۷	بحث استفاضہ کا بیان	۳۸۲	دوسرا باب اس پر سوال و جواب
۱۳۸	حیدر شری کے جواز کا ثبوت	۳۸۴	یوسف علیہ السلام کے معانی نبی نہ تھے
۱۳۹	موتوں کے ہاں کب سے چھپرے گئے	۳۸۵	لغات المصاحیح علی رکعات التراويح
۱۴۰	دوسرا باب حیدر استفاضہ پر اعتراضات و جوابات	۳۸۹	پہلا باب میں رکعت تراویح کا ثبوت
۱۴۱	نئی قبروں پر جمعہ تک حافظ چھٹانا	۳۹۲	غیر مقلدین کے آرام دہ مسائل جواب
۱۴۲	کتنے شخصوں سے حساب قبر نہیں ہوتا	۳۹۲	دوسرا باب میں رکعت تراویح پر سوال و جواب
۱۴۳	قضا عمری پڑھنے کی ترکیب	۳۹۴	رسالہ طلاق الاولیٰ فی حکم طلاق ثلثہ
۱۴۴	بحث آذان میں بانگوٹھے چومنے کا بیان	۳۹۴	مقدمہ
۱۴۵	اس کے دینی و دنیاوی فائدے	۳۹۸	پہلا باب اس کا ثبوت کہ ایک دم
۱۴۶	دوسرا باب بانگوٹھے چومنے پر اعتراضات و جوابات	۴۰۰	تین طلاقیں تین مہرتی ہیں
۱۴۷	بحث جنازے کے آگے گری یا تعزیت لگانا	۴۰۳	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات

مفتی احمد یار خاں روضہ نعیمی کتب خانہ گجرات
ملنے کا پتہ :-

کتاب ہذا کے مجملہ حقوق بحق مفتی اقتدار احمد محفوظ ہیں

الحمد للہ کہ کتاب لا جواب نافع شیخ و شایب مفید عقل و موقظ غافل

المسمیٰ بہ

جاء الخیر و الباطل

المعرف بہ

فیصلہ مسائل

حصہ دوم

جس میں موجود زمانہ کے غیر مقلد و تابعین کے متعلق عام مختلف فیہ مسائل کا نہایت مالا فیصلہ کر دیا گیا ہے

مصنفہ

حضرت حکیم الامت مفتی اعظم مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی اشرفی بدایونی گجرات

ناشر

مفتی اقتدار احمد خان مالک نعیمی مکتب خانہ گجرات

کتاب محمد یوسف گوندوی گوند لالوالہ المکتبہ خاص شخصیں و ضلع گوجران

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ
مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَزْوَاجٍ الصِّدِّيقِ وَالصَّفَا

جاننا چاہیے کہ موجودہ دور بہت فتنہ و فساد کا زمانہ ہے۔ کفر و الحاد بے دینی کی ہوس رہا آندھیاں
چل رہی ہیں بدنہ ہی لادینی نئی نئی صورتوں میں نمودار ہو رہی ہے۔ مسلمان کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے
وہ ہی اس وقت ایمان سنبھال سکتا ہے جو کسی مقبول بارگاہ بندے کے دامن سے وابستہ ہے۔ اُفقِ نبوی
میں سے ایک خطرناک فتنہ غیر مقلدیت کا ہے جو اتباعِ سنت کے پردہ میں نمودار ہوا ہے یہ لوگ
اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے سواء سب کو مشرک سمجھتے ہیں۔ تقلیدِ شخصی کو شرک
کہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ حدیث کیا ہے اور سنت کیا۔ بلکہ جنہیں عربی عبارت
پڑھنا نہیں آتی وہ آئین بالجہد و رفع یدین کی چار حدیثیں یاد کر کے اپنے آپ کو امام ابو حنیفہ سے بڑھ
کر سمجھتا ہے۔ فقیر نے اپنی کتاب جاء الحق جلد اول میں مسئلہ تقلید اور ضمیمہ جلو الحق میں بیس رکعت تلاوت
اور تین طلاق پر معرکہ الآراء بحث کی جاء الحق میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم اس کا حصہ دوم بھی تحریر کریں
گے۔ بہت عرصہ تک یہ وعدہ پورا کرنے کا موقع نہ ملا۔ پھر بعض احباب کا اصرار ہوا کہ دوسرے حصہ
میں غیر مقلد وہابیوں کی پرزور تردید کی جاوے اور احناف کے دلائل غیر مقلدوں کے دندان شکن جواب
دیئے جاویں۔ مگر اس حکم کی تعمیل میں دیر ہی ہوتی چلی گئی۔ نیز ہم نے ان مسائل پر اپنے وقت و مقام کی نعیمیت
اور حاشیہ بخاری نعیم المبارکی عربی میں مفصل گفتگو کی خیال تھا کہ اب علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت
نہیں۔ مگر بزرگوں کا اصرار ہوا کہ ان مسائل پر مستقل کتاب اردو زبان لکھی جاوے۔ تو کلاً علی اللہ اصرار
توجہ کی اس حصہ کا طریقہ وہی ہوگا۔ جو جاء الحق حصہ اول کا ہے۔ کہ ہر مسئلہ علیحدہ باب میں بیان ہو
گا۔ اور ہر باب میں دو تفصیلی ہوں گی پہلی فصل میں حنفیوں کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلدوں
کے سوالات و جوابات غیر مقلدوں کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخالف ہر حدیث کو ضعیف کہہ

دیتے ہیں۔ اور کسی نہ کسی معقول نامعقول حوالہ کی آڑ لیتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز اگر جرح و تعدیل میں مقابلہ ہو تو تعدیل مقدم ہے۔ نیز کسی استاد کے ضعیف ہونے سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ نیز بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔ یہ تمام بحثیں ان شاء اللہ مقدمہ میں کی جائیں گی۔ مگر انہیں ان سے کیا غرض۔ انہیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے ان کے اس ضعیف ضعیف کے رٹ لگانے نے آج مسلمانوں میں منکرین حدیث پیدا کر دیئے۔ جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں۔ سب ضعیف ہی ہیں۔ صرف قرآن کو مانو۔

نیز مقام تعجب ہے کہ غیر مقلد امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہم کی تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ مگر ابن جوزی وغیرہ ناقدین حدیث کے ایسے مقلد ہیں کہ جس حدیث کو وہ ضعیف کہہ دیں۔ اُسے بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں۔ چونکہ اس وقت یہ فتنہ بڑھ رہا ہے اس لئے فقیر نے ان کے جواب میں قلم اٹھایا۔ قلم تو اٹھا دیا۔ مگر مجھے اپنی بے بضاعتی و کم علمی کا اعتراف و اقرار ہے۔ اپنے رب کریم کے کرم اور اس کے حبیب رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل پر بھروسہ ہے۔ رب تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرما دے۔ میرے لئے اسے کفاریہ سیئات و صدقہ جاریہ بنائے۔ اس کا نام جاء الحق حصہ دوم رکھتا ہوں۔ جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے۔ وہ مجھ فقیر بے لڑکے حسن خانمہ کی دعا کرے اللہ اسے جزائے خیر دے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَكَلَّمْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

احمد یار خاں نعیمی اشرفی بایونی خطیب جامع

مسجد غوثیہ چوک پاکستان گجرات

یکم ماہ رمضان المبارک ۱۴۴۶ھ دوم اپریل ۱۹۷۵ء

دوشنبہ مبارکہ

ۛ

محمد يوسف نوشہرہ لکھنؤ
پتہ: گوندلوالہ تحصیل دھرم پور گوندلوالہ

مقدمہ

اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے حسب ذیل قواعد اچھی طرح مطالعہ فرما کر یاد فرمالیں۔ یہ قواعد بہت ہی کارآمد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۔ اسناد کے لحاظ سے حدیث کی بہت قسمیں ہیں مگر ہم صرف تین قسموں کا ذکر کرتے ہیں حدیث صحیح۔ حدیث حسن۔ حدیث ضعیف۔

صحیح :- وہ حدیث ہے جس میں چار خوبیاں ہوں (۱) اس کی اسناد متصل ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مؤلف کتاب تک کوئی راوی کسی جگہ چھوٹا نہ ہو (۲) اس کے سارے راوی اول درجہ کے متقی پر مہنگار ہوں۔ کوئی فاسق یا مستور الحال نہ ہو (۳) تمام راوی نہایت قوی الحافظہ ہوں کہ کسی کا حافظہ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے کمزور نہ ہو (۴) وہ حدیث شاذ یعنی احادیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

حسن :- وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ کے نہ ہوں۔ یعنی کسی کا تقویٰ یا قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔

ضعیف :- وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متقی یا قوی الحافظہ نہ ہوں۔ یعنی جو صفات حدیث صحیح میں معتبر تھیں ان میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۲۔ پہلی دو قسمیں یعنی صحیح اور حسن احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں۔ لیکن حدیث ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں یعنی اس سے حلال و حرام ثابت نہ ہوں گے ہاں اعمال یا کسی شخص کی عظمت و فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ :- ضعیف حدیث جھوٹی یا غلط یا گڑھی ہوئی حدیث کو نہیں کہتے۔ جیسا کہ غیر متقلدوں

سہ راویان حدیث کے سلسلہ کو اسناد حدیث اور الفاظ حدیث کو جہاں اسناد شتم ہو تین حدیث کہتے ہیں۔

سہ اگر اسناد میں ایک یا چند راوی چھوٹ گئے ہوں اسے حدیث منقطع کہتے ہیں

نے عوام کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ لوگوں نے اسے کھا جانے والا ہوا سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بنا پر اس حدیث کا درجہ پہلی دوسرے کچھ کم رکھا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳۔ اگر حدیث ضعیف کسی وجہ حسن بن جواد سے تو وہ بھی مطلقاً معتبر ہے۔ اس سے احکام و فضائل سب کچھ ثابت ہو سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۴۔ حسب ذیل چیزوں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ دو یا زیادہ سندوں سے روایت ہو جانا اگرچہ وہ سب اسنادیں ضعیف ہوں۔ یعنی اگر ایک حدیث چند ضعیف روایتوں سے مروی ہو جواد سے تو اب وہ ضعیف نہ رہی حسن بن گئی

(مرقات۔ موضوعات کبیر۔ شامی۔ مقدمہ مشکوٰۃ شریف مولانا عبدالحق۔ رسالہ اصول حدیث للبحر جانی اول ترمذی شریف وغیرہ)۔

۲۔ علماء کا ملین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے۔ یعنی اگر حدیث ضعیف پر علماء دین عمل شروع کر دیں تو وہ ضعیف نہ رہے گی حسن ہو جواد سے گی اس ہی لئے امام ترمذی فرما دیتے ہیں۔

هَذِهِ الْحَدِيثُ غَرِيبٌ ضَعِيفٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ
عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ | یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مگر
اہل علم کا اس پر عمل ہے۔

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث ہے تو ضعیف ناقابل عمل مگر علماء امت نے بیوقوفی سے عمل کر لیا اور سب گمراہ ہو گئے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حدیث روایتیہ کے لحاظ سے ضعیف تھی۔ مگر علماء امت کے عمل سے قوی ہو گئی

۳۔ علماء کے تجربہ اور اولیا کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے شیخ محی الدین

بن عربی ایک حدیث سنی تھی کہ جو ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھے۔ اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ ایک

واقعہ ایک جوان نے کہا کہ میں اپنی مری ہوئی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ شیخ نے ستر ہزار

بار کلمہ پڑھا ہوا تھا۔ اپنے دل میں اس کی ماں کو بخش دیا دیکھا کہ جوان ہنس پڑا اور بولا کہ اپنی ماں

کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت اس دلی کے کشف

سے معلوم کی (صحیح البہاری) تحذیر الناس مصنفہ مولانا محمد قاسم میں یہ ہی واقعہ جنید رحمۃ اللہ

کا نقل فرمایا۔

قاعدہ نمبر ۵۔ اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ لہذا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث ایک اسناد میں ضعیف ہو دوسری اسناد میں حسن ہو تفسیری میں صحیح اسی لئے امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرمادیتے ہیں۔

هذا الحديث حسن صحيح غریب [یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی ہے غریب بھی ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ یہ حدیث چند سندوں سے مروی ہے ایک اسناد حسن ہے دوسری سے صحیح تفسیری سے غریب

قاعدہ نمبر ۶۔ بعد کا ضعف اگلے محدث یا مجتہد کے لئے مضر نہیں۔ لہذا اگر ایک حدیث امام بخاری یا ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔ کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف شامل ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہی حدیث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سند صحیح سے ملی ہو۔ آپ کے زمانہ تک وہ ضعیف راوی اس کی اسناد میں شامل نہ ہوا۔ لہذا کسی دہائی کو یہ ثابت کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث امام اعظم کو ضعیف ہو کر ملی۔

لطیف۔ ایک دفعہ ایک دہائی غیر مقلد سے قرۃ خلف الامام پر ہماری معمولی گفتگو ہوئی۔ ہم نے یہ حدیث پیش کی۔

قِرَاءَةُ الْاِمَامِ لِقِرَاءَةِ [امام کی قرأت مقتدی کی قراءت ہے

دہائی جی بولے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں جابر جہنی ہے۔ جو ضعیف ہے ہم نے پوچھا کہ جابر جہنی کب پیدا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ تڑپ کر بولے ۳۵ھ میں ہم نے کہا کہ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا تھا تب جابر اپنے باپ کی پشت میں بھی نہ آئے تھے۔ کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۵ھ ہجری میں ہے اور وفات ۱۵۰ھ میں لہذا اس وقت یہ حدیث بالکل صحیح تھی۔ بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر ملی دہائی صاحب سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ بغیر جواب دیئے فوت ہو گئے۔

لہذا حنفی علماء کو خیال رکھنا چاہیے کہ دہائی کو ضعیف ضعیف کہنے سے روکیں۔ وجہ ضعیف پوچھیں پھر یہ تحقیق کریں کہ ضعف امام اعظم سے پہلے کا ہے یا بعد کا انشاء اللہ دہائی جی پانی دنگ

جائیں گے اور ضعیف ضعیف کا سبق قبول جائیں گے۔ کیونکہ امام اعظم کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب ہے۔ اس وقت حدیثیں بہت کم ضعیف تھیں امام صاحب تابعی ہیں۔

قاعدہ نمبر ۷۔ جرح مبہم قابل قبول نہیں یعنی کسی ناقد حدیث خصوصاً ابن جوزی وغیرہ کا یہ کہ وہ دینا کہ فلاں حدیث یا راوی ضعیف ہے غیر معتبر ہے۔ جب تک یہ نہ بتائے کہ کیوں ضعیف ہے۔ اور اس راوی میں کیا ضعف ہے۔ کیونکہ وجہ ضعف میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ ایک چیز کو بعض عیب سمجھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو تدریس۔ ارسال۔ گھوڑے دوڑانا۔ مذاق۔ نو عمری۔ فقہ میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے راوی کا عیب جانا ہے۔ مگر حنفیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں (نور الانوار بحث طعن علی الحدیث)

قاعدہ نمبر ۸۔ اگر جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو تعدیل قبول ہے نہ کہ جرح یعنی ایک راوی کو محدث نے ضعیف کہا کسی نے اسے قوی فرمایا۔ بعض تواریخ سے اس کا فسق ثابت ہوا بعض نے فرمایا کہ وہ متقی صالح تھا تو اسے متقی مانا جاوے گا۔ اور اس کی روایت ضعیف نہ ہوگی کیونکہ مومن میں تقویٰ اصل ہے۔

قاعدہ نمبر ۹۔ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں۔ لہذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ صحیح نہیں اس کے معنی یہ نہیں کہ ضعیف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث حسن ہو۔ صحیح و ضعیف کے درمیان بہت درجے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۰۔ صحیح حدیث کا دار و مدار مسلم بخاری یا صحاح ستہ پر نہیں صحاح ستہ کو صحیح کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ساری حدیثیں صحیح ہیں ان کے سوا دوسری کتب کی ساری حدیثیں ضعیف بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ ان میں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں۔ ہمارا ایمان حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ نہ کہ محض بخاری و مسلم وغیرہ پر حضور کی حدیث جہاں سے ملے ہمارے سر پرستوں پر ہے بخاری میں ہونہ ہو تعجب ہے۔ غیر مقلدوں پر کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو ترک قرار دیتے ہیں۔ مگر مسلم بخاری پر ایسا ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔

قاعدہ نمبر ۱۱۔ کسی عالم فقیہ محدث کا کسی حدیث کو بغیر اعتراض قبول کر لینا اس حدیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی فقیہ عالم مجتہد ضعیف حدیث کو قبول فرما دے تو اس سے وہ ضعیف حدیث قوی ہو جاوے گی۔ ولی الدین محمد ابن عبد اللہ خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ خطبہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَلَئِنْ إِذَا اسْتَدْتُ الْحَدِيثَ إِلَيْهِمْ كَأَنِّي
اسْتَدْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ

میں نے جب حدیث کو ان محدثین کی طرف
منسوب کر دیا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف ہی منسوب کر دیا۔

ان قواعد سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے بنی احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں کوئی ضعیف نہیں ہو سکتی کہ ان پر امت کا عمل ہے ان کو علماء فقہان نے قبول فرمایا ہے ان میں سے ہر حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔ فقیر حقیر ان شاء اللہ ہر مسئلہ پر اتنی حدیثیں پیش کرے گا۔ جن سے کوئی حدیث ضعیف نہ کہی جاسکے کیوں کہ اسنادوں کی کثرت ضعیف کو حسن بنا دیتی ہے۔ احمیاء راضاں

قاعدہ نمبر ۱۲۔ اگر حدیث و قرآن میں تعارض نظر آئے تو حدیث کے معنی ایسے کرنے چاہئیں جس سے دونوں میں موافقت ہو جاوے تعارض جاتا نہ ہے ایسے ہی اگر حدیثیں آپس میں مخالف معلوم ہوں تو ان کے ایسے معنی کرنے لازم ہیں کہ مخالف نہ رہے اور سب پر عمل ہو جاوے اس کی مثال یہ ہے کہ رب فرماتا ہے۔

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ

| جس قدر قرآن مجید آسان ہو نماز میں پڑھ لو۔

لیکن حدیث شریف میں ہے۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ | جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی

۱۵ حدیث کی چھ کتابیں صحاح ستہ کہلاتی ہیں۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ حدیث کی کل مشہور کتب پچاس زیادہ ہیں۔ مسند امام احمد۔ مسند امام ابو حنیفہ۔ مسند امام مالک۔ مسند امام شافعی۔ دارمی۔ واقفنی حاکم وغیرہ۔ امام بخاری کا نام شریف محمد ابن اسماعیل ہے آپ کی ولادت ۲۵۵ھ میں ہوئی۔ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے ۵۷ برس بعد کیونکہ امام اعظم کی وفات ۱۵۰ھ میں ہے۔

یہ حدیث اس آیت کی مخالف معلوم ہوتی ہے لہذا حدیث کے معنی یہ کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ مطلقاً قراءت نماز میں فرض ہے اور سورہ فاتحہ پڑھنا واجب تعارض اٹھ گیا اور قرآن و حدیث دونوں پر عمل ہو گیا۔ نیز بفرمانا ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا | جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔

لیکن حدیث شریف میں ہے

لَا هَـلَـوَلَةَ لِمَنْ لَّمْ يَـقْرَأْ بَـفَاتِحَةِ الْكِتَابِ | جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی

یہ حدیث اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مطلقاً خاموشی کا حکم دیتا ہے اور

حدیث شریف مقدمی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے۔ لہذا یہ مانو کہ قرآن کا حکم مطلق ہے۔

اور حدیث شریف کا حکم اکیلے نمازی یا امام کے لئے ہے۔ مقتدی کے لئے امام کا پڑھ لینا کافی

ہے کہ یہ اس کی حکمی قراءت ہے، غرضیکہ یہ قاعدہ نہایت اہم ہے اور اگر کوئی حدیث آیت قرآنی

کے یا اپنی سے اوپر والی حدیث کے ایسے مخالف ملے کہ کسی طرح مطابقت ہو ہی نہ سکے تو پھر

قرآن کریم یا اس سے اوپر والی حدیث کو ترجیح ہوگی اور یہ حدیث قابل عمل نہ ہوگی۔ یہ حدیث منسوخ

مانی جاوے گی۔ یا حضور کی خصوصیت میں سے شمار ہوگی۔ اس کی بہت مثالیں ہیں

قاعدہ نمبر ۱۳۔ حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کے لئے قیامت ہے۔ کیونکہ ان کے

مذہب کا دار و مدار ان روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا۔

مگر حنفیوں کے لئے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف

قول امام ہے۔ قول امام کی تائید یہ روایتیں ہیں۔ ہاں امام کی دلیل قرآن و حدیث ہیں۔ مگر

امام صاحب کو جب حدیثیں ملیں تو صحیح تھیں کہ ان کی اسنادیں یہ نہ تھیں جو مسلم بخاری

کی ہیں اگر پولیس ملزم کو جیل میں دیر سے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ تعزیرات ہند

کے دفعات ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو۔ تقلید اللہ کی رحمت ہے

غیر تقلید رب کا عذاب۔

پہلا باب

کانون تک ہاتھ اٹھانا

نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت سروں کو کانون تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے مگر وہابی غیر مقلد عورتوں کی طرح کندھوں سے انگوٹھے چھو کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ لہذا ہم اس باب کی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے حنفیوں کے دلائل۔ دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے اعتراضات و جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

پہلی فصل

کانون تک ہاتھ اٹھانے کی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ہم چند پیش کرتے ہیں۔
حدیث نمبر ۱۳۳۔ بخاری۔ مسلم۔ طحاوی نے مالک ابن حویرث سے روایت کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانون تک اٹھاتے دیگر الفاظ یہ ہیں کہ کانون کی نو تک اٹھاتے

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ أُذُنَيْهِ وَخَفِ لَفْظٍ حَتَّى يُحَازِيَ يَمِيفُ رُوعَ أُذُنَيْهِ

حدیث نمبر ۴۔ ابو داؤد شریف میں حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے

میں نے حضور کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کان کے قریب تک اٹھاتے۔ پھر رفع یدین نہ فرماتے۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُودُ۔

حدیث نمبر ۵۔ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے

أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ قَالَ

أَحَدُ الرِّوَاةِ جَبَالَ أذْنَيْهِ ثُمَّ
التَّحَفَ ثُبُوبِهِ

ہاتھ اٹھاتے۔ ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے
کانوں کے مقابل پیر کپڑے میں ہاتھ چھپائیے

حَدِيثُ نُمَيْرِ بْنِ هَاشِمٍ - بَخَارِي - الْبُؤَادُورِ - نَسَائِي -
أَنَّ مَالِكَ بْنَ حُوَيْرِثٍ رَأَى النَّبِيَّ
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا
كَبَّرَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ حَتَّى
يَبْلُغَ قُرُوعَ أذْنَيْهِ -

حدیث نمبر ۸۵ - بخاری - البوداؤد - نسائی -
مالک ابن حویرث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو
دیکھا کہ آپ ہاتھ شریف اٹھاتے تھے جب
تکبیر تحریر فرماتے اور جب رکوع سے سر شریف
اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی ٹونگ پہنچ جاتے

حَدِيثُ نُمَيْرِ بْنِ هَاشِمٍ - ۱۲۱ -
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا صَلَّى رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى تَكُونُ
إِبْهَامَاهُ حَذَاهُ أذْنَيْهِ -

حدیث نمبر ۱۲۱ - امام احمد - اسماء ابن لمویہ - دارقطنی طحاوی نے براء ابن عازب سے روایت کی۔
جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو یہاں تک
ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں
کے مقابل ہو جاتے۔

حَدِيثُ نُمَيْرِ بْنِ هَاشِمٍ - ۱۵۱ -
سَلَّمَ وَبَخَارِي - حَفْظَتِ الْفَسْ - رَوَايَتُ كِي -
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ
نے تکبیر کی اور اپنے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کر دیے

حَدِيثُ نُمَيْرِ بْنِ هَاشِمٍ - ۱۶۱ -
كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ
لَا يَنْتَازِحُ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى
يَكُونُ إِبْهَامَاهُ قَرِيبًا مِنْ سِجِّمَةِ أذْنَيْهِ -

حدیث نمبر ۱۶۱ - عبد الرزاق اور طحاوی نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔
جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرمانے کیلئے
تکبیر فرماتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ
آپ کے انگوٹھے کانوں کی گدیہ کے مقابل ہو جاتے

حَدِيثُ نُمَيْرِ بْنِ هَاشِمٍ - ۱۸۱ -
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ
يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتْ بِجَبَالِ مُسْكَبَيْهِ
وَحَادَى بِإِبْهَامَيْهِ أذْنَيْهِ -

حدیث نمبر ۱۸۱ - ابوداؤد نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک اٹھاتے
یہاں تک کہ ہاتھ شریف ٹونڈھوں کے اور
انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو گئے

حدیث نمبر ۱۹۔ دارقطنی نے حضرت برادر ابن عازب سے روایت کی۔

أَنَّه رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حِينَ افْتَتَحَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَازَا
بِهِمَا أُذُنَيْهِ ثُمَّ يَمْسُكُهُمَا إِلَى شَيْئٍ مِنْ
ذَلِكَ حَتَّى يَفْرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ

تک ہاتھ نہ اٹھائے

حدیث نمبر ۲۰۔ طحاوی شریف نے ابو حمید ساعدی سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لِأَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَعْلَمُكُمْ
بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ
حَذَاءَ وَجْهِهِ

وہ حضور کے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم
سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں۔
آپ جب کھڑے ہوتے نماز میں تو تکبیر فرماتے
اور اپنے ہاتھ مبارک چہرے شریف کے
مقابل تک اٹھاتے۔

کانون تک ہاتھ اٹھانے کی اور بہت احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف بیس حدیثوں پر
کفایت کرنا ہوں۔ اگر زیادہ مطلوب ہوں تو کتب احادیث خصوصاً صحیح البہاری شریف کا مطالعہ
کر دو کہ اس جیسی کتاب حنفی مذہب کی تائید میں احادیث کی جامع آج تک نہ دیکھی گئی۔

عقلی دلائل۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز شروع کرنے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں
کیونکہ نمازی نماز شروع کرتے وقت عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور دنیاوی جھگڑوں سے بیزار و بے تعلق
ہوتا ہے، لہذا اپنی بولنا اور دھڑ دھڑ کی سب کو اپنے پر حرام کر لیتا ہے۔ گویا دنیا سے نکل کر عالم بالا کی سیر
کرتا ہے۔ اور عرف میں جب کسی چیز سے توبہ یا بیزاری کرتے ہیں تو کانوں پر ہاتھ رکھواتے ہیں۔ کندھے
نہیں پکڑواتے گویا نمازی قول سے نماز شروع کرتا ہے۔ اور اپنے عمل سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر دنیا سے بیزار
ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر کندھے پکڑنا بالکل ہی خلاف عقل ہے۔ جیسے سجدے میں مسلمان زبان سے
تو رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرتا ہے اور سر زمین پر رکھ کر اپنے عجز و نیاز کا اظہار ایسے ہی
شروع نماز کے وقت ایک جز کا اقرار زبان سے ہے دوسری جز کا اظہار عمل سے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ پر دو اعتراض ہیں جو ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) مسلم و بخاری نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں الفاظ یہ ہیں
 إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَدَاً مِّنْكَبَيْهِ | حضور جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ شریف
 کندھوں کے مقابل کرتے تھے

انہی مسلم و بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ نقل کیئے
 أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک اپنے
 يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَدَاً وَمِنْكَبَيْهِ | کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔

یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے
 اور کانون تک ہاتھ اٹھانا خلاف سنت۔

جواب۔ یہ احادیث حنفیوں کے بالکل خلاف نہیں کیونکہ کانون سے انگوٹھے لگنے میں ہاتھ
 کندھوں تک ہو جاویں گے۔ اور دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاوے گا۔ لیکن کندھوں تک انگوٹھے
 لگانے میں ان احادیث پر عمل نہ ہو سکے گا۔ جن میں کانون تک کا ذکر ہے۔ حنفی مذہب دونوں
 قسم کی حدیثوں پر عمل کرتا ہے۔ وہابی مذہب ایک قسم کی حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ لہذا حنفی جامع
 ہیں۔

بلکہ حدیث نمبر ۸ میں اس کی تصریح گزر گئی۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف ایسے
 اٹھاتے تھے کہ ہاتھ تو کندھوں تک ہوتے تھے اور انگوٹھے کانون تک لہذا نہ احادیث متعارض
 ہیں نہ ان دونوں حدیثوں کا جمع کرنا مشکل صرف تمہاری سمجھ میں پھیر ہے۔

سارے غیر مقلدوں کو عام اعلان ہے کہ کوئی مرفوع حدیث ایسی دکھاؤ جس میں یہ ہو کہ
 حضور اپنے انگوٹھے کندھوں تک اٹھاتے تھے۔ جہاں کندھوں کا ذکر ہے وہاں ہاتھ ارشاد
 ہوا اور جہاں کانون کا ذکر ہے وہاں انگوٹھا فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اسی

خرج اٹھتے تھے کہ انکو ٹٹے کانوں تک پہنچ جاتے تھے۔

اعتراض نمبر ۲۔ کانوں کی جتنی احادیث آپ نے پیش کیں۔ وہ سب ضعیف ہیں۔ لہذا قابل عمل نہیں۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ وہابی غیر مقلد اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ اپنے مخالف حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم نے اسی سلسلہ میں مسلم و بخاری کی احادیث بھی پیش کی ہیں۔ جن پر تمہارا پختہ ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ ضعیف حدیث جب کئی اسنادوں سے منقول ہو تو قوی اور حسن بن جاتی ہے۔ کمزور تنکے مل کر مضبوط رستی بن جاتے ہیں۔ نو کمزور اسنادیں متن حدیث کو قوی کیسے نہ کریں گی۔ دیکھو اسی کتاب کا مقدمہ چوتھے یہ کہ ان احادیث پر امت کے علماء اولیاء صالحین نے عمل کیا ہے۔ امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی امام اعظم ابو حنیفہ جیسی ہستی کا اسے قبول کرنا ہی قوی بنا دے گا۔ کیونکہ عالم صالح کا قبول کر لینا ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔ چھٹے یہ کہ آپ کا ان احادیث کو ضعیف کہہ دینا جرح مجہول ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ اس میں وجہ ضعف نہ بتائی گئی کہ کیوں ضعیف ہے۔ ساتویں یہ کہ اگر محدثین کو یہ احادیث ضعیف ہو کر ملیں تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے وقت میں ضعیف راوی اسنادوں میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں وہابیوں کے اس مایہ ناز اعتراض کے ٹکڑے اڑ گئے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

دوسرا باب

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے

غیر مقلدین وہابی نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل۔ دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

نمازیں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۔ عَنْ ذَائِلِ بْنِ جَحْدٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَحْتَ السَّرَّةِ قَدْ أَهَّ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ بِمُسْنَدِ صَحِيحٍ وَهَجَّالُهُ ثِقَاتٌ۔

حضرت ذائل ابن جحر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

حدیث نمبر ۲۔ ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ثَلَاثٌ مِنْ أَحْكَامِ النَّبَوَةِ تَعْجِلُ الْإِفْطَارَ وَتَأْخِرُ السُّجُودَ وَضَعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ السَّرَّةِ۔

تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا۔ سحری دیر کرنا۔ نمازیں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

حدیث نمبر ۳۔ ابو داؤد و شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابو امل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ابو امل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نمازیں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہیئے

حدیث نمبر ۴، ۵۔ وارظنی اور عبد اللہ ابن احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

حدیث نمبر ۶ تا ۹۔ ابو داؤد و نسخہ ابن اعرابی۔ احمد۔ وارظنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّ مِنَ السُّنَنِ فِي الصَّلَاةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الشِّمَالِ تَحْتَ السَّرَّةِ۔

اتَّه قَالَ السُّنَّةُ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ

نمازیں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنت ہے

ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے

تَحْتَ السُّرَّةِ

حدیث نمبر ۱۰۔ زین نے حضرت ابی ححیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّ عَلِيًّا قَالَ أَسْتَنَّةُ وَضَعُ الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ وَيَضَعُهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ۔

نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔

حدیث نمبر ۱۱۔ امام محمد نے کتاب الآثار شریف میں ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى تَحْتَ السُّرَّةِ۔

آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۲۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔

آپ نے فرمایا کہ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

حدیث نمبر ۱۳۔ ابن خزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ مِنْ أَخْلَاقِ النَّبَوَّةِ وَضَعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔

آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن حسان سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جُلَيْزٍ وَسَأَلْتُهُ قُلْتُ كَيْفَ يَضَعُ قَالَ يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّهِ يَمِينُهُ عَلَى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهِ وَ يَجْعَلُهُمَا أَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ اسْنَادُهُ جَيِّدٌ وَرَوَاتُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ

میں نے ابوجلز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔

اس کے متعلق اور بہت حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف چودہ پر قناعت کرتا ہوں۔ اس کی تحقیق دیکھو۔ صحیح البہاری اور فتح القدیر میں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کیونکہ غلام آغا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں انتہائی ادب ہے۔ نماز میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضری

دیتا ہے۔ لہذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیے۔ غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا کھڑے ہیں۔ نیاز مندی کے لیے کھڑے ہیں یا کشتی اڑنے کے خم ٹھونک کر۔

اللہ کے بند و جب رکوع میں ادب کا اظہار مسجد میں ادب۔ التحیات میں ادب اور نیاز مندی کا لحاظ ہے تو قیام میں اگر کھڑے خم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلو انوں کی طرح کپول کھڑے ہوتے ہو یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات ہیں

اعتراض نمبر ۱۔ ابو داؤد شریف میں ابن جریر ضعی نے اپنے والد سے روایت کی۔

قَالَ تَرَأَيْتُ عَلِيًّا يُمَسِّكُ شِمَالَهُ
بِيَمِينِهِ عَلَى الرَّسْخِ فَوْقَ السُّرَّةِ
میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو دیکھا کہ آپ نے
بایاں ہاتھ دھرنے ہاتھ سے کلائی پر پکڑا ناف کے اوپر

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آپ نے ابو داؤد شریف کی یہ حدیث پوری نہیں
لکھی۔ اس کے بعد مفصل یہ ہے۔ (نسخہ ابن اعرابی)

قَالَ ابُو داؤد رَوَى عَنْهُ سَعِيدُ ابْنِ
مُجْبِرٍ فَوْقَ السُّرَّةِ وَقَالَ ابُو جَلَادٍ
تَحْتَ السُّرَّةِ وَرَوَى عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ
وَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ
ابو داؤد نے فرمایا کہ سعید ابن جبیر سے ناف کے
اوپر کی روایت ہے۔ ابو جلاؤد نے ناف کے
نیچے کی روایت کی۔ ابی ہریرہ سے بھی یہ روایت
ہے مگر یہ کچھ قوی نہیں۔

نوٹ ضروری۔ زیر ناف یا ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث مروجہ ابو داؤد
کے نسخوں میں نہیں ابن اعرابی والے ابو داؤد کے نسخوں میں موجود ہیں۔ جیساکہ حاشیہ ابو داؤد میں
اس کی تصریح ہے اسی نسخے سے فتح القدیر اور صحیح البہاری نے روایات کیں۔

بہر حال آپ کی پیش کردہ بوداؤد کی حدیث میں تعارض واقع ہو گیا۔ اور ان تمام متعارض روایتوں کو خود بوداؤد نے ضعیف فرمایا تعجب ہے کہ آپ بوداؤد کی ضعیف حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب حدیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ زیر ناف والی احادیث قابل عمل ہوں۔ کیونکہ سجدہ۔ رکوع۔ التحیات کی نشست سب میں ادب ملحوظ ہے تو چاہیئے کہ قیام میں بھی ادب ہی کا لحاظ رہے۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا ادب ہے سینے پر ہاتھ رکھنا بے ادبی گویا کسی کو کشتی کی دعوت دینا ہے۔ رب کو زور نہ دکھاؤ وہاں زاری کرو۔ اعتراض ۷۔ آپ کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں اور ضعیف سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔

جواب۔ ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا آپ بزرگوں کی پرانی عادت ہے۔ اس کے ساتھ جواب ہم باب اول کی دوسری فصل میں دے چکے ہیں۔ کہ جو روایت چند اسنادوں سے مروی ہو جو اسے وہ ضعیف نہیں رہتی۔ ہم نے اس اسناد میں پیش کی ہیں۔ نیز امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ نیز امام اعظم ابو حنیفہ جیسے سلیل القدر امام کے قبول فرمالینے سے ان کا ضعف جاتا رہا۔ نیز ان میں اگر ضعف ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوا ابن کا ضعف امام اعظم کو مضریوں ہوگا۔ وغیرہ۔

لطیفہ۔ ہم نے چھ رمضان المبارک دوشنبہ کو حافظ الہی بخش صاحب سکۃ جمال پور گجرات کو فخر اہل حدیث مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب مقیم گجرات کی خدمت عریضہ دے کر بھیجا۔ جس میں اُن سے درخواست کی کہ براہ مہربانی سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث صحیحہ حوالہ تحریر فرما کر ارسال فرمائیے۔ ہمارا خیال تھا کہ چونکہ حافظ مولانا عنایت اللہ صاحب اہل حدیث کے چوٹی کے مایہ ناز عالم ہیں وہ ضرور مسلم و بخاری یا صحاح ستہ سے اس کے متعلق بے شمار احادیث نقل فرما کر بھیجیں گے۔ جو آج تک ہم نے دیکھی بھی نہ ہوں گی۔ مگر مولانا موصوف کی طرف سے جو جواب آیا وہ سینے اور سر دھنیے۔ ایک انچ پرچہ پر ایک سطر لکھی تھی۔ جس میں یہ تھا۔

بلوغ المرام ص ۲۱ عَنْ دَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ
أَنَّهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

دائل ابن حجر سے مروی ہے کہ انہوں نے
فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے

حَلِيدٍ وَسَلَمَةَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى
عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ

نماز پڑھی۔ پس آپ نے اپنا دایا ہاتھ
بائیں ہاتھ پر اپنے سینہ پر رکھا۔

اور مولانا موصوف نے زبانی یہ ارشاد کہا بھیجا کہ تفسیر فارسی اردو میں بھی لکھا ہے کہ فَصَلًا
لِيَدَيْكَ وَانْحَوِّكَ مَعْنَى یہ ہیں کہ آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور نہر یعنی سینے
پر نماز میں ہاتھ رکھیں۔

یہ جواب دیکھ کر اور سن کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی ہمیں صرف یہ افسوس ہے کہ یہ
اکابر ہم سے ہر مسئلہ میں مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ فرماتے ہیں اور صحاح ستہ سے باہر
نہیں نکلنے دیتے اور جب اپنی باری آتی ہے تو ایسی روایت پر قناعت فرماتے ہیں۔
جس کا سر نہ پاؤں نہ کوئی اس کی سند نہ کسی مستند کتاب کا حوالہ حافظ الہی بخش نے ہمیں
بتایا کہ بلوغ الرام کوئی تیس چالیس دقیقہ کا رسالہ ہے۔ جس میں سے یہ حدیث مولوی صاحب
نے نقل فرمادی۔ اگر کسی مسئلہ پر ہم ایسے رسالہ سے کوئی حدیث نقل کرتے تو قیامت آجاتی بخاری
مسلم کا مطالبہ ہوتا۔

اول تو پتہ نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ضعیف ہے یا کیسی ہے۔ اگر مان لو کہ حدیث
صحیح ہے تو حدیث میں بھی ذکر نہیں کہ حضور نے نماز میں سینے پر ہاتھ رکھا بلکہ موضع کی ت عاطفہ
تعلیق یہ سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد کسی حاجت سے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھے۔
رب فرماتا ہے۔

وَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا | جب تم کھانا کھاؤ تو چلے جاؤ۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کے دوران میں روٹی ہاتھ میں لٹے چلے جاؤ۔ اس صورت
میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ اس حدیث کے خلاف نہ ہوگی۔ پھر اس حدیث میں اس کا طریقہ مذکور
نہ ہوا کہ آیا عورتوں کی طرح سینے پر ہاتھ رکھے یا پہلوؤں کی طرح لہذا حدیث مجمل ہے۔ قابل عمل نہیں
آیت کریمہ کے متعلق صرف یہ گزارش ہے کہ وَانْحَوِّكَ مَعْنَى یہ اچھوتے معنی نہ کسی مرفوع صحیح
حدیث میں آئے یہ جہور مفسرین نے بیان فرمائے۔ سب یہ ہی معنی کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ
کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو اور خواہ کیسی بڑی معتبر تفسیر کا دیا۔ تفسیر فارسی اردو جمل جلالہ، اگر بغرض

محال مان لو۔ تو تمام اہل حدیث حضرات کو چاہیئے کہ اب سے نماز میں سجائے سینے کے گلے پر ہاتھ رکھا کریں کیونکہ سحر گلے کے آخری حصے کو کہتے ہیں جو سینے سے متصل اوپر کی جانب ہے قربانی کو سحر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ذبح کے وقت جانور کا گلا پھیرا جاتا ہے۔ نہ کہ سینہ۔ لہذا اب ان بزرگوں کو ترقی کر کے سینے سے اوپر گلا پکڑنا چاہیئے۔

مہر حال ہم کو مولانا مصوف کے اس جواب پر سخت افسوس ہوا۔ اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ان بزرگوں کے پاس سینے پر ہاتھ رکھنے کی کوئی حدیث مسلم بخاری۔ یا صحاح ستہ کی موجود نہیں ان بچاروں کو صحاح ستہ کی حدیث صحیحہ کیا ملتی۔ اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ فرمایا۔

وَأَرَى بَعْضَهُمْ أَنَّ يَكْفِيهِمَا نَوَاقِ السُّرَّةِ
وَأَرَى بَعْضَهُمْ أَنَّ يَكْفِيهِمَا تَحْتَ السُّرَّةِ
وَكُلُّ ذَلِكَ دَاسِخٌ عِنْدَهُمْ

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے
اوپر رکھے بعض کی رائے یہ ہے کہ ناف نیچے
رکھے ان میں سے ہر ایک جائز ہے ان کے نزدیک

اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ملتی تو ضرور نقل فرماتے۔
صرف علماء کی رائے کا ذکر نہ فرماتے۔

تیسرا باب

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا

سنت یہ ہے کہ نمازی سورۃ فاتحہ کے اول بسم اللہ شریف آہستہ پڑھے۔ الحمد للہ سے قراۃ شروع کرے۔ مگر غیر مقلد وہابی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو بالکل خلاف سنت ہے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے متعلق بہت احادیث تشریفہ ہیں جن میں سے یہاں چند پیش کی جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

حدیث نمبر ۳۱۔ مسلم و بخاری و امام احمد نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوں۔

حدیث نمبر ۴۰۰۔ مسلم شریف نے حضرت انس سے روایت کی۔

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

بشیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما الحمد للہ رب العالمین سے قراءۃ شروع فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۴۰۱۔ نسائی۔ ابن حبان۔ طحاوی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات میں سے کسی کو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے نہ سنا۔ رضی اللہ عنہم۔

حدیث نمبر ۴۰۲۔ طبرانی نے معجم کبیر میں ابو نعیم نے سلیم بن ابن خزیمہ اور طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَبْسُطُونَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

بشیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۴۰۳۔ ابوداؤد۔ دارمی۔ طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

بشیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ رب العالمین سے قراءۃ شروع فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۸۔ مسلم شریف نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

بَقِيْنَا بِنَبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ الْحَمْدُ لِلَّهِ مِنْ قِرَاءَةِ شُرُوعِ فَرَاتِنَا نَحْنُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ قِرَاءَةِ كُنْ شُرُوعِ مِنْ ذِكْرٍ كَرْتَنِي نَحْنُ مِنْ قِرَاءَةِ كُنْ آخِرِينَ۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ كَانُوا يَسْتَفْتَحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا يَذْكُرُونَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فِي أَوَّلِ الْقِرَاءَةِ وَلَا فِي آخِرِهَا

حدیث نمبر ۱۹۔ ابن ابی شیبہ نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مَسْعُودٍ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ أَوْ عُوذًا بِاللَّهِ أَوْ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ آهِسْتُهُ پڑھتا کرتے تھے۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ كَانَ يَخْفِي بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَالْإِسْتِعَاذَةَ وَرَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

حدیث نمبر ۲۰۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے بسم اللہ۔ سبحانک اللہ۔ عوذ باللہ اور آمین۔

قَالَ أَرَبَعٌ يَخْفِيَنَّ أَكْمَامُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَسُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَاتَعَوَّذْ وَآمِينَ۔

حدیث نمبر ۲۱ تا ۱۹۔ مسلم ابوداؤد شریف نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قرأتی ہن کنبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز بکبیر سے شروع فرماتے تھے۔ اور قراءۃ الحمد للہ سے۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حدیث نمبر ۲۰۔ عبدالرزاق نے ابوالفاختہ سے روایت کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ اونچی آواز سے نہ پڑھتے تھے الحمد للہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔

أَنَّ عَلِيًّا كَانَ لَا يَجْهَرُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَكَانَ يَجْهَرُ بِالحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

اس کے متعلق اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتے ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل۔ بھی چاہتی ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جاوے کیونکہ سورتوں کے اول میں جو بسم اللہ لکھی ہوئی ہے وہ ان سورتوں کا جز نہیں۔ فقط سورتوں میں فصل کرنے

کے لئے لکھی گئی۔ اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ جو اچھا کام بسم اللہ سے شروع نہ ہو وہ ناقص ہے تو جیسے برکت کے لئے نمازی قراءۃ سے پہلے اعوذ باللہ پڑھتے ہیں۔ مگر آہستہ کیونکہ اعوذ سورۃ کا جز نہیں۔ ایسے ہی برکت کے لئے بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ کیونکہ یہ بھی ہر سورۃ کا جز نہیں۔ ہاں سورہ نمل شریف میں بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ جز ہے۔ امام وہاں بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہاں کی آیت ہے۔ غرضیکہ امام صرف قرآن کریم کو آواز سے پڑھے جو بسم اللہ سورۃ کے اول میں ہے۔ وہ سورہ کا جز نہیں۔ لہذا آہستہ پڑھنی چاہیئے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱۔ چونکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورۃ کا جز ہے۔ اگر جز نہ ہوتی۔ تو قرآن میں لکھی نہ جاتی۔ قرآن کریم میں صرف آیات قرآنیہ لکھی گئیں۔ غیر قرآن نہ لکھا گیا۔ لہذا جیسے اور آیتیں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔ ویسے ہی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھنی چاہیئے

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جز نہیں کیونکہ ہر سورۃ کے ساتھ نازل نہیں ہوتی۔ چنانچہ شروع بخاری شریف باب کیف کان بدء الوحی میں سب سے پہلی وحی کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ جبریل آمین نے حضور کی خدمت میں عرض کیا اقراء پڑھو حضور نے فرمایا۔ ما انا بقاری میں پڑھنے والا نہیں پھر عرض کیا اقراء حضور نے پھر وہی جواب دیا۔ آخر میں عرض کیا۔ اقراء عر یا سیم ربک الذی خلق الخ غرضیکہ پہلی وحی یہ ہے۔ جس میں بسم اللہ کا ذکر نہیں معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ شریف نازل نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ اگر بسم اللہ ہر سورۃ کا جز نہ ہوتی تو سورۃ کے اوپر علیحدہ کر کے لمبے حروف سے نہ لکھی جاتی بلکہ جیسے اور آیتیں ملی ہوئی لکھی گئی ہیں۔ ایسے ہی بسم اللہ تمام آیتوں کے ساتھ لکھی جاتی۔ وکیف سورۃ نمل شریف میں بسم اللہ سورۃ کا جز ہے تو وہاں علیحدہ امتیازی شکل میں نہ لکھی گئی بلکہ تمام آیات کے ساتھ تحریر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ کا امتیازی شکل میں علیحدہ لکھنا فاصلہ کے لئے ہے۔

اعتراض ۲۔ طحاوی شریف میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی
 أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں نماز پڑھتے
 فِي بَيْتِهِمَا فَيَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ | تھے۔ تو پڑھتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ
 معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے۔ ورنہ ام سلمہ کیسے
 سن لیتیں۔

جواب۔ اس حدیث میں آواز کا ذکر نہیں۔ صرف بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں
 کہ بسم اللہ پڑھتے۔ مگر آہستہ پڑھنے کا یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر آہستہ ہی
 پڑھتے تھے۔ یہ نماز جو حضور ام سلمہ کے گھر پڑھتے تھے۔ فرض نماز نہ تھی۔ نفل تھی۔ فرض تو مسجد میں
 جماعت سے پڑھتے تھے۔ نفل میں قراءۃ قرآن آہستہ ہوتی ہے۔ لہذا یہاں بسم اللہ بھی آہستہ تھی۔
 اور الحمد للہ بھی آہستہ۔ ام سلمہ اس موقع پر حضور کے قریب ہوتی تھیں۔ اسی لیے حضور کی آہستہ آواز
 شریف سن لیتی تھیں آہستہ قراءۃ میں بھی اتنی آواز چاہیے کہ برابر والا سن لے ورنہ وہ قراءۃ نہ ہوگی تفکر ہوگا
 لہذا اس حدیث سے آپ کا دعوی ثابت نہیں۔

اعتراض ۳۔ ترمذی شریف میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
 قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْتَضِي | حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بسم اللہ الرحمن
 صَلَاتُهُ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ | الرحیم سے شروع فرماتے تھے۔
 جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ افسوس ہے آپ نے ترمذی کا یہ منہام آگے نہ
 دیکھا فرماتے ہیں۔

من احدث ليس اسنادہ يذاك | یہ ایسی حدیث ہے جس کی اسناد کچھ بھی نہیں۔
 افسوس ہے کہ ہماری پیش کردہ حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کر کے رد کرتے ہو اور خود ایسی حدیث
 پیش کر رہے ہو جس کا سرانہ پتہ دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لو تو بھی اس میں بسم
 اللہ بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ صرف یہ ہے کہ نماز بسم اللہ سے شروع فرماتے تھے۔ ہم
 بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ مگر آہستہ تیسرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے بسم اللہ
 پڑھتے ہوں کیونکہ صلواتہ فرمایا نہ کہ قراءۃ

اعتراض ۵۔ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکر سے روایت کی۔
 صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ فَجَهَرُ بِبِسْمِ اللَّهِ | میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز
 الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَكَانَ يُجَهِّرُ ابْنِي بِبِسْمِ اللَّهِ | پڑھی آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز
 الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سے پڑھی میرے والد بھی بلند آواز سے پڑھتے
 تھے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حدیث تمام ان مشہور احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلے فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔ جن میں بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن سے بہت قوت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خلفاء راشدین الحمد للہ سے قراۃ شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ لہذا یہ حدیث شاذ ہے اور احادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے اندر سبھاں پڑھنے کے بعد الحمد سے پہلے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز ختم فرما کر دعاء سے پہلے برکت کے لیے بسم اللہ شریف پڑھتے تھے۔ پھر دعا فرماتے تھے اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہیں جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کرنی چاہیے۔ تفسیر سے یہ کہ سورۃ سے پہلے بسم اللہ کا اونچی آواز سے پڑھنا اس لیے ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے اور سورۃ کا جز ہونا قطعی یقینی حدیث سے ہو سکتا ہے نہ کہ حدیث واحدہ سے۔ آپ کی پیش کردہ حدیث خبر واحدہ ہے جو یہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں افسوس یہ ہے کہ ہم آہستہ بسم اللہ کے لیے بخاری و مسلم کی روایات پیش کریں۔ اور آپ اس کے مقابل طحاوی شریف کی آڑ لیں۔ حالانکہ طحاوی شریف پر آپ کا اعتماد نہیں۔

چوتھا باب

امام کے سچے مقتدی قراءت نہ کرے

امام کے سچے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر متقلد وہابی مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں۔ اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ۔ اقوال صحابہ کبار عقلی دلائل بے شمار ہیں لہذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرمادے۔

پہلی فصل

امام کے سچے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ خاموش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہوں قرآن شریف فرماتے ہیں۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

اور جب قرآن شریف پڑھا جاوے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کیے جاؤ

خیال رہے کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قراءت بھی کرتے تھے۔ بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہوئی۔

وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ

اور کھڑے ہو اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے (خاموش)

چنانچہ مسلم نے باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری نے باب ما نہی من الکلام فی الصلوٰۃ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ بَيْنَكُمُ الرَّجُلُ صَاحِبُهُ وَهُوَ إِلَى جَنْبِهِ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى نَزَلَتْ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ فَأَمَّا فَالْصَّلَاةُ

ہم لوگ نماز میں باتیں کر دیا کرتے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو قوموں کے لیے

وَجِيئْنَا عَنْ الْكَلَامِ (منظلم) | ہم کو حکم دیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرمایا گیا۔
پھر نماز میں کلام تو منع ہو گیا۔ مگر تلاوت قرآن مقتدی کرنے رہے۔ جب یہ آیت اتری۔ تو مقتدی کو
تلاوت بھی ممنوع ہو گئی۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ | جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور چپ
رہو۔ چنانچہ تفسیر مدارک شریف میں اسی آیت و اذا قرأ کی تفسیر میں ہے۔
وَجْهَهُ الرَّصْحَابَةُ عَلَى أَنَّهُ فِي السَّمْعِ | عام صحابہ کرام کا فرمان یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی
الْمَوْتِ۔ کے قراءۃ امام سننے کے متعلق ہے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت و اذا قرأ کی تفسیر میں ایک روایت یہ نقل فرمائی۔
وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ أَنَّهُ سَمِعَ نَاسًا يَقْرَأُونَ | حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو
مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ أَمَّا أَنْ | امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا۔ جب فارغ
لَكُمْ أَنْ تَفْقَهُوا وَإِذَا تَرَى الْقُرْآنَ۔ ہوئے تو فرمایا گیا ابھی تک یہ وقت نہ آیا کہ
نہ اس آیت کو سمجھو و اذا قرأ القرآن الخ

تنبیہ مقیاس سن تفسیر ابن عباس شریف میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ | جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کی قراءت
فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِلَى قِرَائَتِهِ وَانصِتُوا لِقِرَائَتِهِ | کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھتے جانتے وقت
خاموش رہو۔

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اول اسلام میں امام کے پیچھے مقتدی قراءت کرتے تھے
اس آیت مذکورہ کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قراءۃ منسوخ ہو گئی اب احادیث ملاحظہ ہوں۔
حدیث نمبر ۱۰۰۔ مسلم شریف باب سجود التلاوة میں عطاء ابن یسار سے مروی ہے۔

أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ ابْنَ نَابِتٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ | انہوں نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ
مَعَ الْإِمَامِ فَقَالَ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ | صحابی سے امام کے ساتھ قراءۃ کرنے کے متعلق
فِي شَيْءٍ | پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ بالکل قراءۃ
جائز نہیں۔

حدیث نمبر ۲۔ مسلم شریف باب التہنید میں ہے۔

قَالَ لَهُ الْوَيْكَرُ فَحَدَّثَ ابْنُ هُرَيْرَةَ
قَالَ هُوَ صَحِيحٌ لِّعَنِي وَإِذَا اقْرَأَ
فَانْصَتُوا۔

ابو بکر نے سلمان سے پوچھا کہ ابو ہریرہ کی حدیث
کیسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے یعنی
یہ حدیث کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش
رہو بالکل صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۳۔ ترمذی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ
فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

جو کوئی نماز پڑھے اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے
اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔
(یعنی تب نہ پڑھے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۴۔ نسائی شریف میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا
جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا
وَإِذَا اقْرَأَ فَاَنْصِتُوا۔

حضور نے فرمایا کہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ
اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تو تم
بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

ہم حدیث نمبر ۲ میں مسلم شریف کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث
صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۵۔ طحاوی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ
لَهُ قِرَاءَةٌ۔

جس کا کوئی امام ہو تو امام کی تلاوت اس
کی تلاوت ہے۔

حدیث نمبر ۶ تا ۱۰۔ امام محمد نے موطا شریف میں امام ابو حنیفہ عن موسیٰ ابن ابی عائشہ

عن عبد اللہ ابن شداد عن جابر ابن عبد اللہ سے روایت کی ہے

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ

حضور نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت
اس کی تلاوت ہے محمد ابن یوسف اور امام

قَرَأَهُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ صَنِيعٍ وَابْنُ
الْهَمَامِ هَذَا الْإِسْنَادُ صَحِيحٌ عَلَى
شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ

ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ اسناد صحیح ہے۔ اور
مسلم بخاری کی شرط پر ہے۔

یہ حدیث امام احمد - ابن ماجہ - دارقطنی - بیہقی نے بھی روایت کی (صحیح البہاری)

حدیث نمبر ۱۱۔ طحاوی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ثُمَّ أَقْبَلَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ اقْرَءُوا وَلَا مَأْمُرُ
بِقِرَاءَتِنَا فَكُنُوا أَفْسَاءَ لَهُمْ ثَلَاثًا قَالُوا
إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور نے نماز
پڑھائی پھر صحابہ پر متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ کیا امام
کی قراءہ کی حالت میں تم تلاوت کرتے ہو۔ صحابہ
خاموش رہے حضور نے تین بار یہ سوال فرمایا تو
صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا اے ایسا نہ کرنا۔

حدیث نمبر ۱۲۔ طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَيْسَ عَلَى فِطْرَةٍ

جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ دین فطرت پر نہیں

حدیث نمبر ۱۳۔ دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ بَلْ أَنْصِتْ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ

ایک شخص نے حضور سے سوال کیا کہ میں امام
کے پیچھے تلاوت کروں یا خاموش رہوں فرمایا
خاموش رہو۔ امام تیرے لئے کافی ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۔ دارقطنی نے حضرت شعبی سے روایت کی۔

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قِرَاءَةَ

حضور نے فرمایا کہ امام کے پیچھے تلاوت جائز نہیں

خَلْفَ الْإِمَامِ

حدیث نمبر ۱۵۔ بیہقی نے قراءہ کی بحث میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
كُلُّ صَلَاةٍ يُقْرَأُ فِيهَا بِإِمَامٍ الْكِتَابِ
فَهِىَ مَكْرُوحٌ إِلَّا صَلَاةُ خَلْفَ الْإِمَامِ

انہوں نے حضور سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا
جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جاوے وہ ناقص
ہے سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔

حدیث نمبر ۱۷۱۶۔ امام محمد نے موطا میں بعد الزقاق نے اپنی مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَيْتَ فِي قَمْعٍ الَّذِي يُقْرَأُ خَلْفَ
الْإِمَامِ حَجْرًا۔

حدیث نمبر ۲۴۸۸۔ امام طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود۔ زید ابن ثابت عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ ابن عباس۔ جابر ابن عبداللہ۔ حضرت علی مرتضیٰ۔ حضرت عمر وغیرہم صحابہ کرام سے مکمل اسنادوں سے روایات پیش کیں کہ یہ تمام حضرات امام کے پیچھے قراوت کے سخت خلاف تھے ان میں سے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں آگ ہو۔ کوئی فرماتے ہیں اس کے منہ میں پتھر ہو کوئی فرماتے ہیں وہ فطرت کے خلاف ہے اگر ہم کو اس رسالہ کے بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ تمام روایات یہاں نقل کرتے ان کے علاوہ قراۃ خلف الامام کے خلاف بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں سے ہم نے صرف ۲۴ پر کفایت کی اگر کسی کو ان کے مطالعہ کا شوق ہو تو طحاوی شریف۔ موطا امام محمد۔ صحیح البہاری۔ ہمارا حاشیہ بخاری نعیم البہاری وغیرہ کتب کا مطالعہ کرے۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرے چند وجوہ سے۔

(۱) نماز میں جیسے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ ایسے ہی سورۃ مدنی بھی ضروری ہے مسلم شریف میں ہے۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمِّ الْقُرْآنِ
فَصَاعِدًا۔

کچھ اور نہ پڑھے۔

غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ نہ پڑھے تو چاہیے کہ سورۃ فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ جیسے سورۃ میں امام کی قراوت کافی ہے۔ ایسے ہی سورۃ فاتحہ میں بھی کافی ہے (۲) جو کوئی رکوع میں امام کے ساتھ مل جاوے اُسے رکعت مل جاتی ہے۔ اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی لازم ہوتی تو اُسے رکعت نہ ملنی چاہیے تھی۔ دیکھو اگر یہ شخص تکبیر تحریمہ نہ کہے یا تکبیر تحریمہ کے ساتھ ایک تسبیح کے بقدر قیام نہ کرے بلکہ سیدھا رکوع میں چلا جاوے

تو اسے رکعت نہ ملے گی کیونکہ تکبیر تحریمہ اور قیام مقتدی پر فرض ہے تو ایسے ہی اگر اس پر سورۃ فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر رکعت نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ امام کی قزوات اس کے لیے کافی ہے۔ جب اس مقتدی کیلئے قزوات ساقط ہو گئی تو چاہیے کہ دوسرے مقتدیوں سے بھی ساقط ہو۔ (۳۱) اگر مقتدی پر قزوات فاتحہ بھی ہو اور آمین بھی تو بتاؤ کہ اگر امام مقتدی سے پہلے سورۃ فاتحہ سے فارغ ہو جاوے تو یہ مقتدی جو ابھی فاتحہ کے بیچ میں ہے آمین کہے یا نہ کہے تو اپنی فاتحہ ختم کر کے بھی آمین کہے یا نہ کہے جو بھی جواب دو حدیث دکھا کر دو۔ نہ دو آمین جائز ہیں۔ نہ فاتحہ کے بیچ میں آمین درست ہے۔

(۳۲) اگر مقتدی فاتحہ کے بیچ میں ہو اور امام رکوع میں چلا جاوے تو بتاؤ یہ مقتدی آدھی فاتحہ چھوڑ دے یا رکوع چھوڑ دے۔ جو بھی جواب دو حدیث دکھاؤ اپنی عقل و قیاس سے۔ جواب نہ دینا۔ مشرق و مغرب کے علماء اجماعاً کو اعلان عام ہے کہ ان سوالات ۲-۳-۴ کے جوابات تمام حضرات مل کر مشورہ کر کے دیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ حدیث صریح سے دیں محض اپنی رائے شریف سے نہ دیں۔ انشاء اللہ نہ دے سکیں گے تو چاہیے کہ ضد چھوڑیں اور احناف کی طرح حکم قرآن و حدیث پر عمل کریں کہ امام کے پیچھے قزوات نہ کیا کریں۔

(۵۵) شاہی دربار میں جب کوئی وفد جاتا ہے تو دربار کے آداب سب بجالاتے ہیں۔ مگر عرض و معروض سب نہ کریں گے جو نمائندہ ہو گیا وہ ہی کرے گا۔ ایسے ہی باجماعت نمازی رب کی بارگاہ میں وفد کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں تو تکبیر۔ تسبیح۔ تہنید وغیرہ سب پڑھیں کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرایہ سب ادا کریں۔ مگر تلاوت قرآن جو عرض و معروض ہے۔ صرف قوم کا نمائندہ کرے یعنی امام۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر سوالات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلدین اب تک جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم بفضلہ تعالیٰ ہر ایک نقل کر کے سب کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیتے ہیں اور جس سلیقے سے ان کے سوالات ہم نقل

کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ اس طریقہ سے وہ بھی نہ کر سکیں گے رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ آیت کریمہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ مِنْ تَرَانٍ سے مراد جمعہ کا خطبہ ہے۔ نہ کہ مقتدی کی نماز جیسا کہ بعض مفسرین نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا۔ لہذا خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ضروری ہے مگر مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا منع نہیں۔

جواب۔ یہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مکہ ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ہے اور جمعہ کی نماز و خطبہ مدنیہ منورہ میں بعد ہجرت شروع ہوئے پھر اس آیت میں خطبہ مراد کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر بغرض محال مان لو تب بھی چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں صرف قراءۃ قرآن کا ذکر ہے۔ لہذا یہ حکم سب کو شامل ہے۔ کیونکہ آیت کے عموم کا لحاظ ہونا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا۔ تیسرے یہ کہ جب خطبہ میں لوگوں کو بولنا حرام ہے حالانکہ سارا خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں۔ تو امام کے سچے جبکہ سارا قرآن ہی پڑھا جا رہا ہے۔ خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی۔ تعجب ہے کہ آپ خطبہ جمعہ میں تو خاموشی ضروری کہتے ہیں۔ اور امام کے سچے نہیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ آیت کریمہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے جو حضور کی تلاوت کے وقت شور مچاتے تھے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت دنیاوی باتیں کر کے شور نہ کیا کرو لہذا سورہ فاتحہ پڑھنا اس میں داخل نہیں۔

جواب۔ یہ بھی غلط ہے۔ آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں۔ جب تک کہ ایمان نہ لائیں قرآن سننا بھی عبادت ہے یہ ان پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کے آخر میں ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ تاکہ تم پر رحمت کی جاوے۔ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر آتی ہے۔ کافر ایمان کے بغیر کوئی بھی نیکی کرے۔ رحمت کا مستحق نہیں رہتا ہے

یعنی بعض کفار آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے

مِنْهُمْ مَنْ يَمْتَعِبُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً

وکیسے کفار کا کان لگانا مفید نہ ہوا۔ اور فرماتا ہے۔

وَقَدْ مَنَّا عَلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ
هَبَاءً مَّنْثُورًا

اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے۔ ہم نے
قصد فرما کر انہیں باریک غبار کے ریزوں
کی طرح بنا دیا۔

اگر کافر سارا قرآن حفظ بھی کرے اور روزانہ تلاوت بھی کیا کرے۔ تب بھی ثواب کا
مستحق نہیں بغیر وضو نماز و رست نہیں۔ بغیر ایمان کوئی عبادت قبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ
قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ وَالصَّوْمُ خَامُوشٌ رَّجُو۔ خاموشی کے معنی یہ ہیں کہ نہ بات کرو نہ کچھ پڑھو اگر
سورۃ فاتحہ پڑھتے رہے تو خاموشی کہاں ہوئی غرضیکہ یہ آیت نہ تو کفار کے حق میں نازل ہوئی
نہ خطبہ جمعہ کے لیے نمازیوں کو امام کے پیچھے قراءۃ سے روکنے کے لیے نازل ہوئی چنانچہ یہی
شریف میں حضرت مجاہد سے روایت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قراءۃ فرما رہے
تھے کہ آپ نے ایک انصاری جوان کی
قراوت سنی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی
وَإِذَا قُرِئَ

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ فَسَمِعَ قِرَاءَةً فَتَى
مِنْ أَكْثَرِ النَّاسِ فَانْزَلَ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ
الْحَمْدُ (بہاری)

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اسناد کے ساتھ معاذیہ ابن قرۃ سے روایت کی کہ انہوں
نے حضرت عبداللہ ابن مغفل صحابی رسول سے اس آیت کے نزول کے بارے میں پوچھا تو
انہوں نے جواب دیا۔

یہ آیت واذا قرئ النہ امام کے پیچھے قراءۃ کرنے
کے متعلق نازل ہوئی لہذا جب امام قراوت
کرے تو تم کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔

قَالَ إِنَّمَا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ إِذَا
قُرِئَ الْقُرْآنُ فِي الصَّلَاةِ خَلْفَ الْإِمَامِ
إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ (بہاری)

اعتراض نمبر ۳۔ اگر تلاوت قرآن کے وقت سب کو خاموش رہنے کا حکم ہو تو مصیبت
آجاوے گی۔ آج ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جو تمام ملک میں سنی جاتی ہے۔ تو سب
کو کاروبار کام سلام حرام ہو جاوے گا۔ امام تراویح پڑھا رہا ہے ایک آدمی آیا جس نے ابھی فرض
نہیں پڑھے وہ اوس ہی مسجد میں فرض عشا پڑھتا ہے۔ یہاں قراءۃ کی آواز آرہی ہے۔ یہ بھی

حرام ہوگا۔ غرضیکہ یہ معنی امت۔ کہہ بیٹے سخت تکلیف کا باعث ہیں (موجودہ دہائی)۔

جواب۔ ساری امت کا اجتماع ہے کہ تلاوت قرآن سننا فرض کفایہ ہے نہ کہ فرض عین اکثر قاری کی قراءت ایک مسلمان بھی سن رہا ہے تو کافی ہے جیسے نماز جنازہ کہ اگرچہ سب پر فرض ہے مگر ایک کے ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہو گئے امام کے پیچھے سب مقتدی ایک شخص کے حکم میں ہیں۔ جیسے نماز جنازہ کی جماعت لہذا مقتدیوں میں سے تو کوئی کلام سلام تلاوت نہیں کر سکتا۔ غیر مقتدی کے بیٹے ان مقتدیوں کا سن لینا کافی ہے۔ ہاں اگر سب لوگ کاروبار میں لگے ہوں کوئی نہ سن رہا ہو تو بلند آواز سے تلاوت منع ہے ایسے ہی ایک مجلس میں چند لوگوں کا بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا منع ہے یا تو ایک تلاوت کرے باقی سب خاموشی سے پڑھیں۔ اس کی تحقیق شامی وغیرہ کتب فقہ میں دیکھو۔ لہذا نہ کوئی آفت ہے نہ مضیبت اعتراض نمبر ۴۔ اس سے لازم آتا ہے کہ مکتب میں چند بچے ایک ساتھ قرآن شریف بلند آواز سے یاد نہیں کر سکتے پھر بھی مضیبت ہی رہی۔

جواب۔ وہاں تعلیم قرآن ہے۔ تلاوت قرآن نہیں۔ تلاوت کا سننا فرض ہے نہ کہ تعلیم قرآن کا اس لئے رب نے اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَذَكَرْ رَبَّكَ إِذًا تَعْلَمُ نہ فرمایا۔ دیکھو رب فرماتا ہے۔

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ جَبْ تَمَّ الْقُرْآنَ پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو تلاوت قرآن پر اعوذ پڑھنا چاہیئے مگر جب شاگرد استاد کو قرآن سنائے تو اعوذ نہ پڑھے کہ یہ تلاوت قرآن نہیں تعلیم قرآن ہے (شامی وغیرہ) ایسے ہی قرآن کریم خلاف ترتیب چھاپنا منع ہے۔ ترتیل و ترتیب چاہیئے۔ مگر بچوں کی تعلیم کے لئے آخری پارہ الٹا چھاپنے بھی ہیں اور انہیں الٹا پڑھانے بھی ہیں تعلیم و قراءت کے احکام میں فرق ہوتا ہے قرآن نے بھی تلاوت و تعلیم میں فرق کیا رب فرماتا ہے۔ تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابِ ۚ وَهُوَ نَبِيٌّ مُبَشِّرٌ ۚ تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابِ ۚ وَهُوَ نَبِيٌّ مُبَشِّرٌ ۚ وہ نبی مسلمانوں پر آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں۔ اور انہیں قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔ اگر تلاوت اور تعلیم میں فرق نہیں تو یہاں ان دونوں کا ذکر علیحدہ کیوں ہوا۔

اعتراض نمبر ۵۔ آپ کی پیش کردہ حدیث قبلۃ الہام لہا قراءۃ اور حدیث وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ میں لفظ قراء ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا تو ان احادیث کا مطلب

یہ ہے کہ جب امام پڑھتے تھے خاموش رہو کیا پڑھتے قرآن یا کچھ اور تو چاہیے کہ امام کے پیچھے سبحان - التحیات - درود وغیرہ کچھ نہ پڑھا جاوے کیونکہ امام جو پڑھ رہا ہے (موجودہ غنہ و بانی) جواب - اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی - الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر ایسے ہی غفلتوں کے لغوی معنی کیے گئے تو آپ کو مصیبت پڑ جاوے گی - آپ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں - حدیث کے معنی ہیں - بات چیت یا قصہ کہانی - رب فرماتا ہے -

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَكَ يُؤْمِنُونَ اور | اس کے بعد اب کس بات پر ایمان لاؤ گے فرماتا ہے فَجَعَلْنَا هُمُ أَحَادِيثَ | ہم نے ان قوموں کو قصے کہانیاں بنا دیا -

تو اہل حدیث کے معنی یا تو ہوئے باتیں بنانے والا کئی یا قصے کہانیاں ناول پڑھنے سنانے والا جناب یہاں حدیث کے اصطلاحی معنی مراد ہیں - فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - وحی کے لغوی معنی ہیں - اشارہ اسلام کے معنی ہیں فرمان برداری کلمے کے معنی ہیں لفظ ان تمام معنی میں یہ الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں - کہو اب کہاں جاؤ گے سارا اسلام ہی ختم اور قرآن کے احکام ہی فنا - جواب تحقیقی یہ ہے کہ نماز کے ذکر میں جب بھی لفظ قراءۃ بولا جاتا ہے تو اس سے تلاوت قرآن مراد ہوتی ہے - ہم کہتے ہیں نماز کے چھ رکن ہیں - تکبیر تحریمہ - قیام - قراءۃ - رکوع - سجدہ - التحیات میں بیٹھنا تو یہاں قیام کے معنی ناچنے کے لیے کھڑا ہونا - اور قراءۃ کے معنی ناول پڑھنا نہیں ذرا سمجھ سے بات کیا کرو کیا اتنی سمجھ پر حدیث رسول سمجھنے کا دعویٰ ہے ۔

گر ہمیں مکتب وہیں ملا کارِ طفلان تمام خواہ شد

اعتراف نمبر ۶ - مسلم و بخاری شریف میں ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا -

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اوس کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے -

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کہ اس کے بغیر نماز بالکل صحیح نہیں ہوتی - جیسے قیام و رکوع وغیرہ دوسرے یہ کہ سب پر فرض ہے - نمازی اکیلا ہو - یا امام یا مقتدی حدیث میں کوئی قید نہیں -

جواب - اس کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ حدیث امام مسلم نے اس طرح نقل فرمائی -

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمْرِ الْقُرْآنِ
فَصَابِعًا -

اوس کی نماز نہیں ہوتی۔ جو سورہ فاتحہ اور کچھ
زیادہ نہ پڑھے۔

اور موطا امام مالک میں یہی حدیث اس طرح ہے۔

لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَالسُّورَةِ
نماز نہیں ہوتی مگر سورہ فاتحہ سے اور ایک اور
سورہ سے

آپ کو چاہیے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ بھی فرض جانو اور سورہ ملا نا بھی کیا۔ بعض حدیثوں پر ایمان
ہے بعض کا انکار ہے۔

دوسرا جواب الزامی یہ ہے۔ تمہاری پیش کردہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان
حدیثوں کے بھی جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں بلکہ تمہارے بھی مخالف ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔

فَاتَرَوْا مَآ تَنَزَّلَتْ مِنَ الْقُرْآنِ
جس قدر قرآن آسان ہو پڑھ لیا کرو

پھر سورہ فاتحہ پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے۔ نیز فرماتا ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَأُنَبِّئَهُ
جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو۔ اور
خاموش رہو۔

پھر مقتدی امام کے ساتھ سورہ فاتحہ پڑھ کر اس حکم ربانی کی مخالفت کیسے کرے ہم بہت
احادیث بیان کر چکے ہیں جن میں ارشاد ہوا کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ جب
امام قراءت کرے تو تم چپ رہو وغیرہ

تم بھی کہتے ہو کہ رکوع میں امام کے ساتھ مل گیا اُسے رکعت مل گئی اگر مقتدی پر سورہ
فاتحہ فرض تھی تو اس کے بغیر رکعت کیسے مل گئی۔ اس پر وضو و طہارت تکبیر تحریمہ۔ قیام فرض
رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جاوے تو نماز نہ پائے گا۔ سورہ فاتحہ کیسے
معاف ہو گئی وہ فرض تھی۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہئیں جس سے قرآن و حدیث
میں مخالفت نہ رہے احادیث آپس میں ٹکرائے جائیں کوئی اعتراض بھی نہ پڑے وہ یہ کہ
الاصلوٰۃ میں لافنی جنس ہے جس کا اسم تو ہے۔ صلوٰۃ جزہ پوشیدہ ہے یعنی "کامل" مطلب

یہ ہو کہ نماز بغیر سورہ فاتحہ کامل نہیں ہوتی مطلق قراۃ بحکم قرآن فرض ہے اور سورہ فاتحہ بحکم حدیث واجب جلیے۔

لَا صَلَوةَ إِلَّا بِحُضُورِ الْقُلُوبِ | نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے
لَا صَلَوةَ إِلَّا بِحُضُورِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ | جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں

ان دونوں حدیثوں میں لا صلوة سے کمال نماز کی نفی ہے نہ کہ اصل نماز کی ایسے ہی یہاں پھر لہ بقیہ اقراءۃ علمی و تحقیقی دونوں کو شامل ہے کہ امام اور اکیلے نمازی پر حقیقتہً فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکم کہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ ہماری پیش کردہ احادیث اس حدیث کی تفسیر ہیں۔ یا یہ حدیث عام ہے۔ اور ہماری پیش کردہ احادیث اس کی تخصیص کرتی ہیں۔ جنہوں نے مقتدی کو اس حکم سے خاص کر دیا۔

اغتراض نمبر ۷۔ ترمذی شریف میں حضرت عبادہ ابن صامت سے ایک حدیث مروی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ إِنِّي أَرَاكُمْ تَقْرُونَ وَرَاءَ أَمَايَكُمْ قَالَ قُلْنَا بَلَى قَالَ لَا تَقْرُوا إِلَّا بِأَمْرِ الْقُرْآنِ | حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم اپنے امام کے پیچھے قراۃ کرتے ہو ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا۔ سورہ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو

اس حدیث میں صراحتہً ارشاد ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے اور دوسری سورت نہ پڑھے یہی ہم کہتے ہیں۔ عبادہ ابن صامت کی یہ حدیث ابو داؤد۔ نسائی۔ بیہقی میں بھی ہے۔

جواب۔ اس اغتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے کیوں جناب جب مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض ہے تو اس مقتدی کو یہ رکعت بغیر سورہ فاتحہ پڑھے کیسے مل گئی۔ اس کا جواب سوچو جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہوگا۔

دوسرے یہ کہ صرف عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مرفوع نقل ہے۔

جس میں حضور نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا حکم دیا لیکن اس کے خلاف حضرت جابر علقمہ - عبداللہ ابن مسعود - زید ابن ثابت - عبداللہ ابن عباس - عبداللہ ابن عمر حضرت علی و عمر سے بکثرت روایا منقول ہیں جن میں سے کچھ روایتیں ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے اور طحاوی شریف صحیح البہاری شریف میں بہت زیادہ منقول ہیں تو حضرت عبادہ کی یہ روایت حدیث واحدہ ہے اور ان صحابہ کرام کی وہ روایات حدیث مشاہیر میں لہذا انہیں ترجیح ہے - تفسیر سے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث عبادہ قرآن کے خلاف ہے قرآن نے تلاوت قرآن کے وقت خاموشی کا حکم دیا - ہماری پیش کردہ احادیث کی چونکہ قرآن ناٹید کر رہا ہے - لہذا انہیں ترجیح ہے - چوتھے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور ان احادیث میں جو ہم نے پیش کیں - اس کی ممانعت ہے نصوص میں مقابلہ ہو تو ممانعت کی نص کو ترجیح ہوتی ہے - دیکھو غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے - فرشتوں کو اس کا حکم دیا گیا - بلکہ شیطان اس غیر اللہ کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود کر دیا گیا - مگر دوسری نصوص میں اس سجدہ کی ممانعت کی گئی - اب اس ممانعت پر ہی عمل ہے پانچویں یہ کہ عبادہ ابن صامت، کی یہ حدیث نہ تو بخاری نے نقل کی نہ مسلم نے ممانعت کی - حدیث مسلم شریف میں موجود - نیز امام ترمذی نے اسے نقل کر کے اسے صحیح نہ فرمایا - بلکہ حسن کہا اور فرمایا کہ زیادہ صحیح کچھ اور ہے - حوالہ ملاحظہ ہو - ترمذی میں اسی تمہاری حدیث کے ساتھ ہے - ابو یعلیٰ کہتے ہیں کہ عبادہ کی یہ حدیث حسن ہے - (صحیح نہیں) یہی حدیث زہری نے محمود ابن ربیع سے انہوں نے عبادہ ابن صامت سے روایت کی کہ حضرت عبادہ نے فرمایا کہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی یہی روایت زیادہ صحیح ہے -

قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عِبَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرَوَى هَذَا الْحَدِيثُ الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عِبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَهَذَا أَصَحُّ

پتہ لگا کر زیادہ صحیح وہ الفاظ ہیں - جن میں مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں تعجب ہے کہ آپ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ایک ایسی حدیث پیش کر رہے ہیں - جو قرآن کے خلاف مشہور حدیثوں کے بھی خلاف اور امام ترمذی کے نزدیک صحیح بھی نہیں - بلکہ حسن ہے - اور اس کے

خلاف زیادہ صحیح ہے جو الزام حنفیوں پر دیا کرتے ہو۔ وہ خود بھی کر رہے ہو۔
اعتراف نمبر ۸۔ اکثر صحابہ کرام کا عمل یہ ہی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے امام ترمذی
اس حدیث عبادہ ابن صامت کے ماسخت فرماتے ہیں۔

امام کے پیچھے قراءت کرنے کے متعلق
اکثر صحابہ و تابعین کا اس حدیث عبادہ
پر عمل ہے۔

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْمَحْدُوثِ فِي الْقِرَاءَةِ
خَلْفَ الْأَمَامِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ
مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَالَتَّابِعِينَ۔

جب اکثر صحابہ کا عمل اس پر ہے تو فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ امام ترمذی کا یہاں اکثر فرمانا اصافی نہیں۔
بلکہ حقیقی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور کم
صحابہ نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ اکثر بمعنی چند اور متعدد ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

اذن میں سے بہت پر عذاب مقرر ہو چکا

وَكَثِيرٌ حَقٌّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ
سورة حج پک آیت ۱۸

حق یہ ہے کہ زیادہ صحابہ قراءۃ خلف الامام کے سخت خلاف ہیں۔ حضرت زید ابن
ثابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے۔ اس کی نماز نہیں ہوتی (صحیح البہاری)
حضرت انس فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگ سے بھر جاوے۔
(ابن حبان) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں بدلہ
بھر جاوے (ابن حبان) حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے
پیچھے قراءۃ کرے اس کے منہ میں خاک (طحاوی شریف) حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ
جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ قطرت پر نہیں (طحاوی) حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں
جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابن جوزی فی العلل) حضرت عمر رضی
اللہ عنہ فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے۔ کاش اس کے منہ میں پتھر رٹو طامام
محمد و عبدالرزاق) حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس

کے منہ میں انگارے ہوں (موطا امام محمد عبد الرزاق)۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر خود بھی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرتے تھے۔ اور سختی سے منع بھی فرماتے تھے۔ کہتے تھے کہ امام کی قراءت کافی ہے (موطا امام محمد بن تمام روایات طحاوی شریف اور صحیح البخاری میں موجود ہیں یہ تو بطور غمخو نہ عرض کیا گیا۔ ورنہ انہی صحابہ سے منقول ہے۔ کہ وہ حضرات امام کے پیچھے قراءت سے سخت منع فرماتے تھے۔ دیکھو شامی۔ فتح القدیر وغیرہ اگر بعض روایات میں آجائے کہ ان میں سے بعض حضرات فاتحہ پڑھتے تھے تو یا تو ان کا پہلا فعل ہوگا جو بعد کو منسوخ ہو گیا۔ یا وہ روایات قابل ترک ہوں گی کیونکہ قرآن کے خلاف ہیں۔

اعترض نمبر ۹۔ یہ تمام روایات ضعیف ہیں (وہ ہی پرانا سبق)۔
 جواب۔ جی ہاں۔ اس لیے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔ آپ کو ان کے ضعف کا الہام ہوا ہوگا۔ ہم ضعیف کے متعلق اس سے پہلے بہت کچھ عرض کر چکے ہیں کہ جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز امام صاحب نے جب یہ احادیث لیں۔ اس وقت کوئی ضعیف نہ تھی بعد میں ضعف آیا۔ بعد کا ضعف امام صاحب کو مضر نہیں نیز چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو حسن بنا دیتی ہیں وغیرہ
 اعترض نمبر ۱۰۔ اگر امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو۔ جیسے ظہر و عصر میں یا مقتدی بہت دور ہو کہ وہاں تک امام کی تلاوت کی آواز نہ پہنچتی ہو تو پچا ہیے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ اب فاتحہ پڑھنا قرآن سننے میں خارج نہیں۔

جواب۔ یہ اعترض جب درست ہوتا۔ جبکہ خاموشی صرف قرآن سننے کے لیے ہوتی حالانکہ خاموشی کا علیحدہ حکم ہے اور سننے کا علیحدہ حکم رب فرماتا ہے۔ فَاسْتَعِزُّوا لَهُ وَانصَبُوا یہ ایسا ہی ہے جیسے ارشاد باری ہے۔ اَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ جیسے زکوٰۃ کی فرضیت نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ نماز سے علیحدہ مستقل فرض ہے ایسے ہی خاموشی مستقل ضروری چیز ہے۔ خفیہ نمازوں میں خاموشی ہے سنا نہیں۔ جہری نمازوں میں خاموشی بھی ہے اور سنا بھی۔

اعترض نمبر ۱۱۔ جب مقتدی نماز کے سارے ارکان ادا کرتا ہے۔ جیسے تکبیر تحریمہ

قیام رکوع وغیرہ قیامت بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ وہ بھی ادا کرے یہ کیا کہ سب ارکان ادا کرے ایک چھوڑ دے۔

جواب۔ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جماعت کی نماز میں مسلمان و فاجر کرو بار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ جن کا نمایندہ امام ہوتا ہے۔ آداب شاہی قیام۔ رکوع۔ سجدہ اور تہنیت و ثنا سب عرض کریں گے مگر عرض معروض یعنی تلاوت قرآن صرف ان کا نمایندہ ان سب کی طرف سے کرے گا۔ مقتدی پر اسی لئے تلاوت فرض نہیں۔ بلکہ منع ہے۔ اس پر ادب سے خاموش رہنا بحکم قرآن کریم فرض ہے۔

اعترض نمبر ۱۲۔ رکوع میں ملنے والے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے جیسا کہ مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت معاف ہیں۔ کیونکہ حدیث میں شریف میں وارو ہے۔

جواب۔ الحمد للہ آپ قریباً حنفی ہو گئے بس یہی ہم کہتے ہیں کہ امام کے صحیحہ سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی معاف ہیں۔ کیونکہ امام کی قراءۃ اس کی قراءۃ ہے آپ نے مان لیا کہ لا صلوة لیمن لم یقرأ والی حدیث اپنے ظاہری عموم پر نہیں۔ بعض نمازی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بس ہم یہی سننا چاہتے تھے۔ آپ کے نزدیک خاص مقتدی متثنیٰ ہیں۔ ہمارے نزدیک عام مقتدی۔ حدیث میں استثناء ملنے میں ہم اور آپ برابر ہوئے۔ صرف مقدار استثناء میں فقوڑی بحث رہ گئی۔ انشاء اللہ وہ بھی آپ مان جائیں گے۔ یہ جواب الزامی تھا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ شریعت میں نماز بعض صورتوں میں آدمی رہ جاتی ہے۔ جیسے سفر اور کبھی بالکل معاف ہو جاتی ہے۔ جیسے دائمی جنون اور عورت کی پلیدی کی حالت۔ لیکن نماز کے شرائط و ارکان کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ البتہ بعض مجبوریوں میں ان کا بدل کر دیا جاتا ہے۔ بالکل معاف کبھی نہیں ہوتی وضو کا بدل تیمم اور قیام کا بدل قعود کر دیا گیا۔ مگر بغیر وضو کسی مجبوری سے بھی جائز نہ ہوئی۔ اگر مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہوتا تو اس کے چھوٹ جانے سے رکعت ہرگز نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ اس کے لئے امام کی قراءۃ بدل ہے۔ بس یہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا اس مسئلہ کو سفر کی نماز پر قیاس کرنا بالکل بے

عقلی ہے و کیونکہ اگر نماز میں کوئی شخص رکوع میں شامل ہو تو واجب ہے کہ رکوع میں ہی عید کی تکبیریں کہے۔ نماز جنازہ میں جو کوئی آخری تکبیر میں ملے تو اس پر واجب ہے کہ پہلی تکبیریں کہہ لے جب رکوع میں شامل ہونے والے پر تکبیرات عیدین معاف نہ ہوتیں اور آخر میں شامل ہونے والے پر نماز جنازہ کی تکبیریں معاف نہیں ہوتیں۔ تو اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض تھی تو رکوع میں شامل ہونے پر کیوں معافی ہو گئی۔

اعترض نمبر ۱۳۔ رکوع پانے والے پر اسی رکعت کا قیام معاف ہو گیا۔ جو فرض تھا۔ تو اگر سورہ فاتحہ معاف ہو جاوے تو کیا حرج ہے۔

جواب۔ یہ غلط ہے اس پر قیام معاف نہیں ہوا ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر دوسری تکبیر کہہ کر رکوع کرے ورنہ نماز نہ ملے گی۔

اعترض نمبر ۱۴۔ آیت کریمہ **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْمِعُوا أَنْفُسَكُمْ وَاسْمِعُوا سَمْعًا وَلَا تُبْصِرُوا وَلَا تَأْتُوا بِحِثِّينَ** کی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور سورہ فاتحہ مدنیہ منورہ میں فرض ہوئی تو سورہ فاتحہ پڑھنا اس آیت سے کیسے منسوخ ہو سکتا ہے۔ کیا مقدم آیت مؤخر آیت کی ناسخ ہو سکتی ہے۔ (بعض نئے دہائی)

جواب۔ یہ محض آپ کی رائے ہے آپ نے کوئی حوالہ نہ دیا۔ جب سورہ فاتحہ کی ہے۔ اور نماز بھی مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی۔ تو کیا وجہ ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ معظمہ میں فرض نہ ہو۔ کیا فرضیت طہارت و وضو بھی مدنی ہے۔

پانچواں باب

آمین آہستہ کہنی چاہیے

احناف کے نزدیک ہر نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلے اور نماز جہری ہو یا ستری آمین آہستہ کہے۔ مگر غیر مقلد و تابعیوں کے نزدیک جہری نماز میں امام و مقتدی بلند آواز سے چیخ کر آمین کہیں۔ اس لیے اس باب کی بھی دو تفصیلات کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں ہمارے دلائل، دوسری

فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات -

پہلی فصل

آہستہ آئین کہنا حکم خدا و رسول کے موافق ہے۔ چیخ کر آئین کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث و سنت کے بھی مخالف و لائل حسب ذیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَدْعُوهُمْ بِكُمُ تَقَرُّوا عَادِ حُفْيَه - اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے اور آہستہ آئین بھی دعا ہے۔ لہذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہیئے۔ رب فرماتا ہے۔

وَإِذَا السَّالُكُ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ - اے محبوب جب لوگ آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں بہت نزدیک ہوں مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے۔

جنبہ جنبہ

معلوم ہوا کہ چیخ کر دعا اس سے کی جاوے جو ہم سے دور ہو۔ رب تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے پھر آئین چیخ کر کہنا باعث بلکہ خلاف تعلیم قرآنی ہے۔ اس لیے کہ آئین دعا ہے۔ حدیث نمبر ۸۸۰ - بخاری - مسلم - احمد - مالک - ابو داؤد - ترمذی - نسائی - ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آمَنَ الْإِمَامُ فَأَمِينُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَتِ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ - فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام آئین کہے تو تم بھی آئین کہو کیونکہ جسکی آئین فرشتوں کی آئین کے موافق ہوگی۔ اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کی معافی اس نمازی کے لیے ہے۔ جس کی آئین فرشتوں کی آئین کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آئین کہتے ہیں۔ ہم نے ان کی آئین آج تک نہ سنی تو چاہیئے کہ ہماری آئین بھی آہستہ ہونا کہ فرشتوں کو موافقت ہو اور گناہوں کی معافی ہو۔ جو وہابی چیخ کر آئین کہتے ہیں۔ وہ جیسے مسجد میں آتے ہیں۔ ویسے ہی جاتے ہیں ان کے گناہوں کی معافی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ فرشتوں کی آئین کی مخالفت کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۳۱۰ - بخاری - شافعی - مالک - ابو داؤد - نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی -

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرَ الْمُغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلَهُ - قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ -

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام کہے - غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تم کہو - آمین کیونکہ جس کا یہ آمین کہنا فرشتوں کی آمین کہنے کے مطابق ہوگا - اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے -

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقتدی کے پیچھے سورہ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے اگر مقتدی پڑھتا تو حضور فرماتے کہ جب تم ولا الضالین کہو تو تم آمین کہو - معلوم ہوا کہ تم صرف آمین کہو گے - ولا الضالین کہنا امام کا کام ہے - رب فرماتا ہے -

إِذَا جَاءَ كُمْ الْمُؤْمِنَاتُ فَاُصْخِرُوهُنَّ | جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو -

دیکھو امتحان لینا صرف مومنوں کا کام ہے نہ کہ مومنہ عورتوں کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ إِذَا قُلْتُمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ جب تم ولا الضالین کہو تو آمین کہہ لو معلوم ہوا کہ مقتدی ولا الضالین کہے گا ہی نہیں -

دوسرے یہ کہ آمین آہستہ ہونی چاہیئے کیونکہ فرشتوں کی آمین آہستہ ہی ہوتی ہے - جو آج تک ہم نے نہیں سنی خیال رہے کہ یہاں فرشتوں کی آمین کی موافقت سے مراد وقت میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادایں موافقت ہے - فرشتوں کی آمین کا وقت تو وہ ہی ہے - جب امام سورہ فاتحہ ختم کرتا ہے - کیونکہ ہمارے محافظ فرشتے ہمارے ساتھ ہی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں اور اسی وقت آمین کہتے ہیں -

حدیث نمبر ۱۸۰۱ - امام احمد - ابو داؤد طبرانی - ابویعلیٰ موصلی طبرانی - دارقطنی اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ذائل ابن حجر سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح ہے -

عَنْ ذَائِلِ ابْنِ جُزْأَنَةَ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَآخَفِي بِهَا صَوْتَهُ

حضرت ذائل ابن حجر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور ولا الضالین پر پہنچے تو آپ نے فرمایا آمین اور آمین میں آواز آہستہ رکھی۔

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا سنت رسول اللہ ہے۔ بلند آواز سے کہنا بالکل خلاف سنت ہے۔ حدیث نمبر ۲۱۹ تا ۲۱۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن ابی ثیبہ نے حضرت ذائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ وَخَفَضَ بِهِ صَوْتَهُ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے پڑھا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو فرمایا آمین اور آواز مبارک آہستہ رکھی۔

حدیث نمبر ۲۲ و ۲۳۔ طبرانی نے تہذیب الآثار میں اور طحاوی نے حضرت ذائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ لَمْ يَكُنْ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَجْهَرُ أَنْ يَبْسُطَ اللَّهُ الرَّحْمَنَ الرَّحِيمُ وَلَا بِآمِينَ

حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما نہ تو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنی سنت صحابہ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۲۴۔ عینی شرح ہدایہ نے حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ يُخْفِي الْإِمَامُ أَدْبَعًا التَّعَوُّذَ بِبِسْمِ اللَّهِ وَآمِينَ وَرَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ باللہ۔ بسم اللہ۔ آمین۔ اور ربنا لک الحمد۔

حدیث نمبر ۲۵۔ بیہقی نے حضرت ابو ذائل سے روایت کی عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ يَخْفَى إِلَّا مَامَ
أَرْبَعًا بِسْمِ اللَّهِ - وَاللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ
الْحَمْدُ وَالْتَعَوُّذُ وَالشَّهَادَةُ

امام چار چیزیں آہستہ کہے۔
بِسْمِ اللَّهِ - رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ - اَعُوذُ اور
التَّحِيَّاتُ -

حدیث نمبر ۲۶ - امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم
سخنی سے روایت کی۔

قَالَ أَرْبَعٌ يَخْفِيْنَ إِلَّا مَامَ - التَّعَوُّذُ
وَبِسْمِ اللَّهِ - وَسُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَ
آمِينَ ذُوَاكَ مُحَمَّدٌ فِي الْأَثَرِ وَعَبْدُ
الرَّزَاقِ فِي مُصَنَّفِهِ

آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ
کہے اَعُوذُ وَبِسْمِ اللَّهِ - سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ اور آمین
یہ حدیث امام محمد نے آثار میں اور عبد
الرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کی۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ آمین آہستہ کہی جاوے۔ کیونکہ آمین قرآن کریم کی آیت یا کلمہ
قرآن نہیں اسی لئے نہ جبریل امین اسے لائے۔ نہ قرآن کریم میں لکھی گئی۔ بلکہ دعا اور ذکر اللہ ہے
تو جیسے کہ ثناء التحیات درود ابراہیمی۔ دعا مانورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی
آمین بھی آہستہ ہونی چاہیے یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوئے آمین پر تمام لوگ چیخ پڑے یہ
چیننا قرآن کے بھی خلاف ہے۔ احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی اور عقل
سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ دوسرے اس لئے کہ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ
پڑھنا بھی فرض ہو اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ کے درمیان میں
ہو اور امام ولا الضالین کہہ دے اب اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس سنت کے خلاف
ہوا اور اگر آمین کہے اور چیخے تو آمین درمیان میں آوے گی۔ قرآن میں غیر قرآن آوے گا۔ اور
درمیان سورہ فاتحہ میں شور مچے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم نے غیر مقلدین کے جس قدر اعتراضات سنے ہیں۔ تفصیل وار مع

جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۔ آمین دعا نہیں ہے۔ لہذا اگر یہ بلند آواز سے کہی جاوے تو کیا حرج ہے۔ رب نے دعا آہستہ مانگنے کا حکم دیا ہے نہ کہ دیگر اذکار کا۔

جواب۔ آمین دعا ہے۔ اس کا دعا ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں دعا کی۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِنَا وَشَدِّدْ عَلٰی قُلُوبِنَا هُمْ فَلَا يُوْمِنُوْا حَتّٰى يَرُوْا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۔

اے رب ہمارے ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

رب نے نون کی دعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

قَالَ قَدْ اٰجِیْبْتُ دَعْوَتْکُمْ اِنَّا سَتَقِیْمًا۔
رب نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی تو ثابت قدم رہو۔

فرمایئے دعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی۔ مگر رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ یعنی تمہاری اور حضرت ہارون کی۔ حضرت ہارون نے دعا کب مانگی تھی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر آمین کہا تھا۔ رب نے آمین کو دعا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے۔ اور دعا آہستہ ہونا چاہیے۔ یہ مسائل قرآنیہ میں سے ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ ترمذی شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَوَّیْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ وَقَالَ اٰمِیْنٌ وَمَدَّ بِهَا صَوْتًا

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا۔ اور آمین فرمایا اپنی آواز کو اس پر بلند کیا۔

معلوم ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے

جواب۔ آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ اس میں مدارشاد ہو مگر مد سے بنا۔ اس کے معنی بلند کرنا نہیں۔ بلکہ آواز کھینچنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور نے آمین بروزن کریم قصر سے نہ فرمائی۔ بلکہ بروزن قالین الف اور میم خوب کھینچ کر پڑھی۔ لہذا اس میں آپ کی کوئی دلیل

نہیں۔ ترجمہ کی غلطی ہے۔ خیال رہے کہ مد کا مقابل قصر ہے۔ خفاء کا مقابل ہے جبر۔ رفع کا مقابل تفضیل ہے۔ اگر یہاں جہر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی۔ جہر کی روایت میں نہیں۔ رب فرماتا ہے۔
 إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ
 بیشک رب تعالیٰ جانتا ہے بلند اور پست اور کو
 ویکھو رب نے یہاں خفاء کا مقابل جہر فرمایا نہ کہ مد

اعتراف نمبر ۳۔ ابو داؤد شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔
 قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 إِذَا قَرَأَ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَ
 رَفَعَ يَدَا صَوْتًا
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فرماتے دلائل الضالین
 تو فرماتے تھے آمین اور اس میں آواز شریف
 بلند فرماتے تھے

یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں اونچا کیا۔ بلند کیا معلوم ہوا کہ آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے
 جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت وائل ابن حجر کی اصل روایت میں
 مذہب ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا۔ جس کے معنی کھینچنے کے ہیں۔ نہ کہ بلند کرنا۔ یہاں
 اسناد کے کسی راوی نے روایت بالمعنی کی مذکور رفع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہ ہی کھینچنا ہے نہ
 کہ بلند کرنا روایت بالمعنی کا عام دستور تھا۔ دو سترے یہ کہ ترمذی اور ابو داؤد کی روایتوں
 میں نماز کا ذکر نہیں۔ صرف حضور کی قراءت کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ نماز کے علاوہ خارجی قریۃ
 کا ذکر فرمایا ہو۔ مگر جو روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ ان میں نماز کا صراحتہ ذکر ہے۔ لہذا احادیث
 میں تعارض نہیں اور یہ احادیث ہمارے خلاف نہیں۔ تفسیر سے یہ کہ آمین بالجہر اور آمین خفی کی
 احادیث میں تعارض ہے۔ مگر جہر والی روایتیں قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ لہذا چھوڑنے کے
 لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں۔ لہذا واجب العمل ہیں۔ چوتھے یہ کہ آہستہ
 آمین کی حدیثیں قیاس شرعی کے موافق ہیں اور جہر آمین کی حدیثیں اس کے خلاف لہذا
 آہستہ آمین کی حدیثیں قابل عمل ہیں۔ اس کے خلاف قابل ترک۔ قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی
 کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ آمین جہر والی حدیثیں قرآن شریف سے اور
 ان احادیث سے جو ہم پیش کر چکے ہیں۔ منسوخ ہیں۔ اسی لئے صحابہ کرام ہمیشہ آہستہ آمین
 کہتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے۔ اور زور سے آمین کہنے سے منع کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلی

فصل میں ذکر کیا گیا اگر جہر کی حد میں منسوخ نہیں تھیں تو صحابہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔
اعتراض نمبر ۴۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب
علیہم ولا الضالین فرماتے تو آمین فرماتے
یہاں تک کہ پہلی صف والے سُن لیتے تو
مسجد گونج جاتی تھی۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا قَالَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا
الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَهَا
أَهْلُ الصَّفِّ الْأَوَّلُ فَيَرْجِعُ بِهَا الْمُسْجِدَ

اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یہاں تو مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ گونج
بغیر شور نہیں پیدا ہوتی۔

جواب :- اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حدیث پوری پیش
نہیں کی۔ اول عبارت چھوڑ دی۔ وہ یہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ تَرَكَ النَّاسُ التَّائِمِينَ | لَوْكُلُّ نَفْسٍ نَفْسُهَا كَمَا كُنْتَ تَكُونُ
وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْلُفُ |

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام نے بلند آواز سے آمین چھوڑ دی تھی جس پر
سیدنا ابوہریرہ یہ شکایت فرما رہے ہیں اور صحابہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث
کے نسخ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ تمہاری۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ
حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور جو حدیث عقل و
مشاہدہ کے خلاف ہے۔ وہ قابل عمل نہیں خصوصاً جبکہ تمام احادیث مشہورہ اور آیات
قرآنیہ کے بھی خلاف ہو۔

کیونکہ اس حدیث میں مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ گنبد والی مسجد میں گونج
پیدا ہوتی ہے نہ کہ چھپر والی مسجد میں حضور النور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف آپ کے
زمانہ میں معمولی چھپر والی تھی۔ وہاں گونج پیدا ہو ہی کیسے سکتی تھی۔ آج کوئی غیر مقلد صاحب
کسی چھپر والے گھر میں شور مچا کر گونج پیدا کر کے دکھا دیں انشاء اللہ چھپتے چھپتے مر جاویں گے
مگر گونج نہ پیدا ہوگی۔ اس اعتراض کے باقی وہ جواب ہیں۔ جو اعتراض ۳ کے ماتحت

عرض کیے گئے۔ تفسیر یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ رب فرماتا ہے۔
لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اگر
صحابہ نے اتنی اونچی آواز کہ مسجد گونج گئی تو ان سب کی آواز حضور کی آواز سے اونچی
ہو گئی۔ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہوئی جو حدیث مخالف قرآن ہو قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۵۔ بخاری شریف میں ہے۔

فَقَالَ عَطَاءُ أَكْمِينِ دُعَاءُ أَمِّنِ
ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَرَاءَهُ حَتَّى
أَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ.

حضرت عطا فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔
اور حضرت ابن زبیر اور ان کے پیچھے والوں
نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا
ہو گئی۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آئین اتنی چیخ کر کہنا چاہیئے کہ مسجد گونج جاوے۔
جواب۔ اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا پہلا جملہ ہمارے مطابق
ہے کہ آئین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا آہستہ مانگو وکیعہ فصل اول۔ دوسرے
یہ کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں نہ معلوم خارج نماز یہ تلاوت ہوئی یا نماز میں ظاہر
یہ ہے کہ خارج نماز ہوگی۔ تاکہ ان احادیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں تیسرے
یہ کہ حدیث عقل و مشاہد سے کے خلاف ہے۔ کیونکہ کچی اور چھپر والی مسجد میں گونج پیدا
نہیں ہو سکتی۔ لہذا واجب التاویل ہے۔ جناب اگر قرآن کی آیت بھی عقل شرعی اور
مشاہد سے کے خلاف ہو تو وہاں تاویل واجب ہوتی ہے۔ ورنہ کفر لازم آجاتا ہے۔
آیات صفات کو متشابہ مان کر صرف ایمان لاتے ہیں اس کے ظاہری معنی نہیں کرتے
کیونکہ ظاہری معنی عقل شرعی کے خلاف ہیں۔ چلے۔

اُن کے ہاتھوں اللہ کا ہاتھ

تم جلد ہر پیر و گے اور ہر ہی اللہ کا منہ ہے۔

يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ

فَاَيُّكُمْ كَفَرٌ ۚ فَاَتَمَّ وَجْهُ اللَّهِ -

خدا کے ایسے ہاتھ منہ ہونا عقل کے خلاف ہے۔ لہذا یہ آیات واجب القتل ہیں رب فرماتا ہے۔

فَوَجَدَ هَا تَعْدُبُ فِي عَيْنِ حَمْدَةٍ | ذوالقرنین نے سورج کو کیڑے چشمے میں ڈوبتے دیکھا
 سورج کا ڈوبتے وقت آسمان سے اترنا اور کیڑے میں ڈوبنا خلاف عقل تھا۔ لہذا اس کی تاویل
 کی جاتی ہے۔ یہ تاویل ہمارے حاشیۃ القرآن میں ملاحظہ کرو۔ جناب حدیث پڑھنا اور
 ہے۔ حدیث سمجھنا کچھ اور خلاصہ یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوع موجود
 نہیں جس میں نماز میں آمین بالجہر کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث نہ ملی ہے۔ نہ غلطے کی وہابیوں
 کو چاہیے کہ ضد چھوڑیں اور صدقِ دل سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑیں کہ
 یہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہمارے حاشیۃ بخاری
 عربی میں ملاحظہ فرماؤ۔

اعتراض نمبر ۲۔ آہستہ آمین کے متعلق آپ نے جس قدر حدیثیں پیش کی ہیں وہ سب
 ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کر سکتے۔ (وہی پرانا یاد کیا ہوا سبق) دیکھو
 وائل ابن حجر کی ترمذی والی روایت جو تم نے پیش کی۔ اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔
 حَدِيثُ سُفْيَانَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ
 شُعْبَةَ فِي هَذَا اِنْ اِنْ وَقَالَ خَفَضَ
 بِهَا صَوْتَهُ وَانْتَبَاهَا هُوَ مَدَّ بِهَا
 صَوْتَهُ
 آمین کے بارے میں سفیان کی حدیث
 شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے شعبہ
 یہاں کہتے ہیں خفض یعنی حضور نے پست
 آواز سے کہا حالانکہ یہاں مد ہے یعنی آواز کھینچ
 کر آمین فرمائی۔

جواب۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ مقلد تو ہوئے امام ابو حنیفہ کے نہ سہی امام ترمذی کے
 سہی کہ ہر جرح آنکھ بند کر کے قبول کر لیتے ہیں۔ جناب اس حدیث کے ضعف کی اصل وجہ
 یہ ہے کہ یہ آپ کے خلاف ہے۔ اگر آپ کے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان لیتے،
 آپ کے اس سوال کے چند جواب ہیں

ایک یہ کہ ہم نے آہستہ آمین کی چھبیس سندیں پیش کیں کیا سب سندیں ضعیف
 ہیں اور سب میں شعبہ راوی آرہے ہیں۔ اور شعبہ ہر جگہ غلطی کر رہے ہوں یہ ناممکن ہے
 دوسرے یہ کہ اگر یہ چھبیس اسناد پر ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں۔ جب بھی

سب مل کر قوی ہو گئیں۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

تفسیر سے یہ کہ شعبہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسناد میں شامل ہوئے جن سے یہ حدیث ضعیف ہوئی۔ امام صاحب کو یہ ہی حدیث بالکل صحیح ملی تھی۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مقرر نہیں۔

چوتھے یہ کہ اگر پہلے سے ہی یہ حدیث ضعیف تھی۔ جب بھی امام اعظم سراج امت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قبول فرمالینے سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کر لیا ہے۔ لہذا حدیث کا ضعف جاتا رہا اور حدیث قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

چھٹے یہ کہ اس حدیث کی قرآن کریم تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے لہذا آہستہ آمین کی حدیث قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

ساتویں یہ کہ اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی کے اور عقل شرعی کے خلاف ہے لہذا آہستہ آمین کی حدیث قوی ہے اور بلند آواز کی حدیث ناقابل عمل غرض کہ آہستہ آمین کی حدیث بہت قوی ہے۔ اس پر عمل چاہیے۔

اعترض نمبر ۷۔ البراد و شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو۔

قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَ مَنْ يَدْعُو مِنْ
الْصَّفِّ الْأَوَّلِ۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آپ کی روایتوں میں تھا کہ مسجد گونج جاتی تھی اور اس میں یہ آیا کہ صرف پیچھے والے ایک دو آدمی ہی سنتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسی حدیث کی اسناد میں بشر بن رافع آ رہا ہے۔ اسے

ترمذی نے کتاب الجنائز میں حافظ ذہبی نے میزان میں سخت ضعیف فرمایا احمد نے اسے منکر الحدیث کہا ابن معین نے اس کی روایت کو موضوع قرار دیا۔ امام نسائی نے اسے قوی نہیں مانا (وکیلو آفتاب محمدی لہذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے قابل عمل نہیں)

چھٹا باب

رفع یدین کرنا منع ہے

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلدان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں۔ اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

لہذا ہم اس مسئلہ کو بھی دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جواب رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

نماز میں رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۴۱۔ ترمذی۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔

ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضور کی نماز

نہ دیکھوں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سوا تکبیر تحریمہ کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔

امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر

بہت سے علماء صحابہ و علماء تابعین کا عمل ہے۔

قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ اَلَا اُصَلِّيَ بِكُمْ صَلَوةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَلَّتِي وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً مَعَ تَكْبِيرِ الْاِفْتِاحِ وَقَالَ الْبَزْزَمِيُّ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَبِهِ يَقُولُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ۔

خیال رکھئے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے۔ ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ ہیں۔ جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور کی نماز و یکمیشی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابو حنیفہ جیسے حلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔ چھٹے یہ کہ عام امت رسولؐ کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس و عقل کے بالکل مطابق ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ عرض کریں گے۔ انشاء اللہ ان وجہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵۔ ابن شیبہ نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا حَتَّى يَفْرَغَ

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ فی الباب عن البراء حدیث نمبر ۶۔ ابو داؤد نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے

قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا حَتَّى انْصَرَفَ

حدیث نمبر ۷۔ طحاوی شریف نے سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ

لَا يَعُودُ -

اٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۴۸۱ - حاکم و بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات بجے ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفاء مردہ پہاڑ پر اور دو مؤقف منا و مزدلفہ ہیں اور دونوں جہروں کے سامنے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْفَعُ الْأَيْدِي فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ وَاسْتِقْبَالِ الْبَيْتِ وَالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَالْمَوْقِفَيْنِ وَالْجَمْرَتَيْنِ -

یہ حدیث بزار نے حضرت ابن عمر سے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے بیہقی نے حضرت ابن عباس سے طبرانی نے اور بخاری نے کتاب المفرد میں عبداللہ ابن عباس سے کچھ فرق سے بیان کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۱۱ - امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل نے حضور کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔

إِنْ كَانَ وَائِلٌ مَرَّاهُ مَرَّةً يَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَدْ رَأَى عَبْدَ اللَّهِ خَمْسِينَ مَرَّةً لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ -

اگر حضرت وائل نے حضور کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے حضور کو پچاس دفع رفع یدین نہ کرتے دیکھا

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی حدیث بہت قوی ہے کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم ہیں حضور کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور سے قریب تر کھڑے ہونے والے ہیں۔ کیونکہ حضور کے قریب وہ کھڑے ہوتے تھے جو عالم و عاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۱۲ - امام طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ

کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

يَكُنْ يَدَيْهِ اِلَّا فِي التَّكْبِيْرِ
الْاُولٰٓئِ مِنَ الصَّلٰوةِ

غنہا کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۸۔ عینی شری بخاری نے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے روایت کی۔

اَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي
الصَّلٰوةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ
رَأْسِهِ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ لَهُ لَا تَفْعَلْ
فَاِنَّهُ شَيْءٌ فَعَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَرَكَهُ۔

کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ کام ہے جو حضور نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے جن صحابہ سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۲۰۱۹۔ بہیقی و طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
اَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيْرِ
الْاُولٰٓئِ مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ
فِي شَيْءٍ مِّنْهَا۔

کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَفَعَ
يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ
وَقَالَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے

حدیث نمبر ۲۲۔ البراد و شریف نے حضرت سفیان سے روایت کی۔

حَدَّثَنَا سَفْيَانُ اِسْنَادُهُ بِهَذَا۔ قَالَ
فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ وَقَالَ
بَعْضُهُمْ مَرَّةً وَاحِدَةً۔

حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے پہلی بار ہی ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھا

حدیث نمبر ۲۳۔ دارقطنی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حِينَ اقْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ
حَتَّى حَادَى بِهَمَا أذُنَيْهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ
إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ حَتَّى قَرَعَ مِنْ
صَلَاتِهِ

کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب
کہ حضور نے نماز شروع کی تو ہاتھ اٹھاتے اٹھاتے
کہ کانوں کے مقابل کر دیئے پھر نماز
سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ
اٹھاتے

حدیث نمبر ۲۴۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم
بخفی سے اس طرح روایت کی۔

أَنَّهُ قُلَّ لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي فِي شَيْءٍ
مِنْ صَلَوَاتِكَ بَعْدَ الْمَرْةِ الْأُولَى

آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی
ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

حدیث نمبر ۲۵۔ ابو داؤد نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ إِذَا اقْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ
يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أذُنَيْهِ
ثُمَّ لَا يَعُودُ۔

بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز
شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب
تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر عود نہ
کرتے۔

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار
صرف سچیں روایتیں پیش کرویں اگر شوق ہو تو مؤطا امام محمد۔ طحاوی شریف۔ صحیح البہاری
شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں۔ جو رفع یدین
کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔ ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم کس پایہ کے محدث
ہیں اور کتنی قوی صحیح الایسناد حدیث پیش فرماتے ہیں۔

امام ابو محمد بخاری محدث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ابن عیینہ سے روایت کی کہ ایک
دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما کی مکہ معظمہ کے دارالخلافین میں ملاقات ہو گئی۔

تو ان بزرگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ شیئہ اور ایمان نازہ کیجیے۔ یہ مناظرہ فتح القدر اور مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اوزاعی۔ آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہ اس لئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی۔ آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سنا ہوں۔

حَدَّثَنَا الثَّوْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ
الصَّلَاةَ وَعِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ
فَرَمَنَهُ

مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے
سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے
تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے
وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

امام اعظم۔ میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے

امام اوزاعی۔ اچھا فوراً پیش فرمائیے

امام اعظم۔ لیجئے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُلُقَمَةَ
وَالْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ
الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَعُودُ لَشَيْءٍ مِنْ
ذَلِكَ

ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی۔
انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے
حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت
عبد اللہ ابن مسعود سے کہا نبی صلی اللہ علیہ
وسلم صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے
تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔

امام اوزاعی۔ آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے

جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم۔ اس لئے کہ حماد۔ زہری سے زیادہ عالم فقیہ ہیں۔ اور ابراہیم نخعی سالم

سے بڑھ کر عالم و فقیہ ہیں۔ علقمہ۔ سالم کے والد عبداللہ ابن عمر سے علم میں کم نہیں اسود بہت ہی بڑے متقی فقیہ و افضل ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود فقہ میں۔ قرآن میں حضور کمالی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حضرت ابن عمر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم و فضل میں زیادہ ہیں۔ لہذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔

امام اوزاعی۔ خاموش

غیر متقلد وہابی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کو بجز خاموشی کے چارہ کار نہ ہوا یہ ہے۔ امام اعظم کی حدیث دانی اور یہ ہے۔ ان کی حدیث کی اسناد۔ اللہ تعالیٰ سختی قبول کرنے کی توفیق دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں۔ یہ لمبی اسنادیں۔ اور ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

عقل۔ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو کیونکہ تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین ہو۔ اور تمام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھنا چاہیے کہ رکوع کی تکبیر تحریمہ کی طرح ہے یا سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع و سجدہ کی تکبیریں سنت کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو جاوے گی۔ تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے۔ رکوع سجدہ کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز۔ تکبیر تحریمہ نمازی پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلے ہی یہ حرمت آچکی ہے تو جب رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوتی۔ نہ کہ تکبیر تحریمہ کی طرح تو چاہیے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہ ہی حال ہو۔ جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے۔ یعنی ہاتھ نہ اٹھانا۔ لہذا سختی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے (ازطحاوی شریف)

خلاصہ۔ یہ ہے کہ رفع یدین بوقت رکوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے کبھی مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں۔ جیسا کہ حدیث ۱۸ میں صراحتہ مذکور ہے یا وہ سب مرجوع اور ناقابل عمل ہیں۔ ورنہ اس حدیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون و اطمینان چاہیئے۔ بلاوجہ حرکت و جنبش مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔ اس ہی لئے نماز میں بلا ضرورت پاؤں ہلانا۔ انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔

رفع یدین میں بلا ضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق۔ لہذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یدین پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم نہایت متانت سے تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمائے اعتراض نمبر ۱۔ رفع یدین نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی (وہ ہی پرانا سبق)

جواب۔ جی ہاں۔ صرف اس لئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں اگر آپ کے حق میں ہوتیں تو اگرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں۔ آپ کے سر و انگصوں پر ہوتیں۔ جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رٹ نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنا دیا واسطہ رب کا یہ عادت چھوڑو۔ ہم ضعیف کے بہت جوابات سچپلے بالوں میں عرض کر چکے۔

اعتراض نمبر ۲۔ ابو داؤد کی براء ابن عازب والی حدیث کے متعلق خود ابو داؤد نے فرمایا۔
هَذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِصَحِيحٍ | یہ حدیث صحیح نہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر آپ نے اسے پیش کیوں فرمایا۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن بنفسہ حسن بغیرہ کا درجہ بھی ہے۔ ابو داؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعف کا دعویٰ۔ دوسرے یہ کہ ابو داؤد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں جرح مبہم ہے انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ نہ بتائی۔ کہ کون سا راوی ضعیف ہے اور کیوں ضعیف ہے۔ جرح مبہم معتبر نہیں۔ ہم ابو داؤد کے مقلد نہیں کہ ان کی ہر جرح اس کے صحیح کر مان لیں۔

اعترض نمبر ۳۔ ابو داؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۶۷ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید ابن ابی زیاد ہیں۔ جن کو آخر عمر میں بھول کی بیماری ہو گئی تھی۔ انہوں نے بڑھاپے میں فرمایا۔ ثَمَّ لَا يَبْعُدُ وَرَبِّهِ أَصْلَ حَدِيثٍ فِيهِ الْفَظُ مَوْجُودٌ نَهَيْتُ بِجَرَحٍ مُفْصَلٍ صَاحِبُہُ۔ اب یہ حدیث یقیناً ضعیف ہے۔ جو قابل عمل نہیں۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یزید ابن ابی زیاد ابو داؤد کی اس روایت میں ہیں۔ مگر امام صاحب البیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابو داؤد کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام البیہقی کو صحیح ہو کر ملی تھی۔ ابو داؤد کا ضعف امام البیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مضر کیوں ہو گا۔ دوسرے یہ کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے سب میں یزید ابن زیاد موجود نہیں۔ اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو باقی اسنادیں کیوں ضعیف ہوں گی۔

تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا۔ اور بہت صحابہ کا اس پر عمل بیان کیا۔ آپ کی نظر ابو داؤد کے ضعیف کہنے پر تو گئی مگر امام ترمذی کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ کے عمل پر نہ گئی یہ کیوں چونکہ یہ کہ اگر اس حدیث کی ساری اسنادیں بھی ضعیف ہوں۔ تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ عام علماء اولیاء جمہور ملت اسلامیہ کا رفع یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور ہے اس سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ سوا دہ مٹھی بھر دبا بیوں کے سب ہی اس پر عامل ہیں تعجب ہے کہ آپ کی ڈیڑھ آدھ مینوں کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں سچا نوے فی صدی مسلمان حنفی المذہب ہیں اور پانچ فی صدی دیگر مذاہب

اس اندازہ کی صحت حرمین طیبین جاکر معلوم ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ بچارے وہابی تو کسی شمار میں نہیں۔ یہ شاید ہزار میں ایک ہوں گے۔ سرکار فرماتے ہیں۔
 مَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ۔
 جیسے عامۃ المؤمنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔
 اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ شَذِّ شَذِّ النَّاسِ
 میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ جو بڑی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ جائیگا۔

خیال دھکے کہ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ حنفی سب ایک گروہ ہے کہ عقائد سب کے ایک ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد مٹھی بھر جماعت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہے۔ اعمال میں جدا گانہ لہذا حنفیوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں۔ امت کے عمل سے قوی ہے۔ دیکھو مقدمہ۔

اعتراض نمبر ۴۔ تمہاری پیش کردہ حدیث نمبر ابو ترندی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کی وہ مجمل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سارا طریقہ بیان نہ کیا گیا۔ صرف یہ فرمایا گیا کہ ابن مسعود نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھایا آگے کیا کیا یہ مذکور نہیں اور مجمل حدیث ناقابل عمل ہوتی ہے (دُبرہ غازی خاں کے ایک لائق وہابی،

جواب۔ جناب یہ حدیث مجمل نہیں۔ مطلق نہیں۔ عام نہیں۔ مشترک لفظی۔ یا معنوی نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے۔ مختصر پر عمل کو کس نے منع کیا اور مجمل بھی بعد بیان تکلم قابل عمل بلکہ واجب العمل ہو جاتی ہے کیونکہ مجمل بیان تکلم کے بعد محکم ہو جاتی ہے۔

ہمارا اعلان۔ دنیا بھر کے وہابی غیر مقلدوں کو اعلان ہے کہ مطلق۔ عام۔ مجمل مشترک معنوی۔ مشترک لفظی میں فرق بتائیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف کریں۔ کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اصول فقہ، منطق کو ہاتھ نہ لگائیں۔

وہابیو! تم حدیث کے غلط ترجمے کیے جاؤ۔ تمہیں ان علمی پیمزوں سے کیا تعلق

یہ غلط ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔ جو مچھول ہے (طحاوی) ان دو نقصوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی ناقابل عمل ہے مگر چونکہ آپ کے موافق ہے۔ اس لئے آپ کو مقبول ہے۔ کچھ تو شرم کرو۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ بھی ہے۔

ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرُّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَمَّاذِي بِهِمَا مَسْكِيَهُ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ۔
پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے جیسے کہ نماز کے شروع پر کیا تھا فرماؤ آپ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

تیسرے یہ کہ جب ابو حمید ساعدی نے یہ حدیث صحابہ کے مجمع میں پیش کی تو ان بزرگوں نے فرمایا جو ابو داؤد میں ہے۔

قَالُوا فَلَمَّا قَامَ اللَّهُ مَا كُنْتَ بِاَكْثَرِ ذَلِكَ تَبَعَةً وَقَدْ مَنَّا لَهَا صُحْبَةً قَالَ بَلَى۔

انہوں نے فرمایا کہ تم ہم سے زیادہ حضور کی نماز کے کیے واقف ہو گئے نہ تو تم ہم سے زیادہ حضور کیساتھ رہے نہ ہم سے پہلے تم صحابی بنے تو ابو حمید بڑے بیشک ایسا ہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابو حمید نہ تو صحابہ میں فقیہہ و عالم ہیں نہ انہیں حضور کی زیادہ صحبت میسر ہوئی اور سیدنا عبد اللہ ابن مسعود عالم فقیہہ صحابی ہیں۔ جو حضور کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ وہ رفع یدین کے خلاف روایت کرتے ہیں۔ تو یقیناً ابو حمید کی روایت کے مقابل میں حضرت ابن مسعود کی روایت زیادہ معتبر ہے۔ جیسا کہ تعارض اہاد و بیث کا حکم ہے لہذا تمہاری یہ حدیث بالکل ناقابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ ابو حمید ساعدی نے یہ نہ فرمایا کہ حضور نے آخر حیات شریف تک رفع یدین کیا صرف یہ فرمایا کہ حضور ایسا کرتے تھے۔ مگر کب تک اس سے خاموشی ہے۔ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ لہذا یہ اُس منسوخ حدیث کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں حضور ایسا کرتے تھے۔ اب لائق عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیدنا ابن مسعود کی روایت قیاس کے مطابق لہذا وہ حدیث واجب العمل ہے اور تمہاری یہ روایت واجب الترك کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ایک حدیث میں ہے۔

اَلْوَضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ الدَّارُ | اگ کی کچی چیز کے استعمال سے وضو کرنا واجب ہے
دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا ملا خط فرما کر بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔ یہاں ساتیوں میں تعارض ہوا تو پہلی حدیث چھوڑ دی گئی کہ قیاس کے خلاف ہے دن رات گرم پانی سے وضو کیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث واجب العمل ہوئی کہ قیاس کے مطابق ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

چھٹے یہ کہ عام صحابہ کرام کا عمل تمہاری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے معلوم ہوا کہ صحابہ کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ ہے۔

ساتویں یہ کہ ابو حمید ساعدی کی اس روایت میں عبد الحمید ابن جعفر اور محمد ابن عمرو ابن عطاء ایسے غیر معتبر روای ہیں کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ امام ماروی نے جوہر نقی میں فرمایا کہ عبد الحمید منکر الحدیث ہے۔ یہ امام ماروی وہ ہیں جنہیں سحیح ابن سعید فرماتے ہیں۔ هُوَ اِمَامُ النَّاسِ فِي هَذَا الْبَابِ - حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد ابن عمرو ایسا جھوٹا راوی ہے۔ کہ اس کی ملاقات ابو حمید ساعدی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے اُن سے سنا۔ ایسے جھوٹے آدمی کی روایت موضوع یا کم سے کم اول درجہ کی ملس ہے۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ چنانچہ عطف ابن خالد نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو اور ابو حمید ساعدی کے درمیان ایک مجہول الحال راوی بیان کیا لہذا یہ حدیث مجہول بھی ہے غرضیکہ اس حدیث میں ایک نہیں بہت خرابیاں ہیں۔ یہ منکر بھی ہے۔ مضطرب بھی ملس یا موضوع بھی ہے۔ مجہول بھی ہے۔ دیکھو حاشیہ البوداؤد یہی مقام ایسی روایت تو نام لینے کے قابل بھی نہیں۔ چہ جائیکہ اس سے دلیل پکڑی جاوے۔

آٹھویں یہ کہ بخاری نے بھی ابو حمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے۔ مگر نہ اس میں ایسے راوی ہیں

نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب صفتہ الصلوٰۃ اگر ان کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے۔ بہر حال تمہاری یہ حدیث کسی لحاظ سے توجہ کے قابل نہیں۔
 حنفی پچائیسویں رفع یدین غیر معتدوبایوں کا چوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابو حمید ساعدی مایہ ناز دلیل ہے جو وہابیوں کے سچے سچے کو حفظ ہوتی ہے عام حنفی لوگ انکی من ترانیاں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کے دلائل بڑے ثوب قوی ہیں۔ الحمد للہ کہ اس دلیل کے پرچھے اڑ گئے اب وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

خیال دھکے کہ وہابیوں کی کسی اسناد کا مجروح ہو جانا وہابیوں کے لئے قیامت ہے کیونکہ ان کے مذہب کی بنیاد صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہو گئی تو سمجھو کہ ان کے مذہب کی آنکھ پھوٹ گئی کیونکہ ان پچاروں کا سوا ان اسنادوں کے کوئی سہارا نہیں یہ بے پیرے۔ سبے مرشدے بے نورے اس آیت کے مصداق ہیں۔ رب فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا
 نیز رب فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَلْعَبْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيْرًا
 جسے اللہ گمراہ کرے اسے نہ کوئی ولی ملے نہ پیر
 مرشد۔ جس پر خدا لعنت کرتا ہے اس کا کوئی مددگار نہیں۔

لیکن احناف کی حدیث کی کسی اسناد کے مجروح ہونے سے احناف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے مسائل فقہہ کا دار و مدار ان اسنادوں پر نہیں۔ بلکہ حضرت امام الائمہ کا شفع الغمہ سراج امہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمان پاک پر ہے۔ وہ امام اعظم جو امت کا چراغ ہے امام بخاری و عام محدثین کے اسنادوں کا استاد ہے جس کے زیر و اسمن ہزار با اولیاء اور علماء ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ موجود ہے۔ ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں۔ امام اعظم کی دلیلیں آیات قرآنیہ اور وہ صحیح احادیث ہیں جن پر نہ کوئی حدیث ہے نہ غبار کیونکہ امام اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب زمانہ میں ہیں۔

مثال ۱۔ دیکھو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں تقسیم میراث کا حکم ہے۔ جب ان کی خدمت میں یہ سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور سے سنا ہے کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ چونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود

بلکہ راست یہ حدیث سنی تھی بیدعترک اس پر عمل کیا اگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزار ہا مصیبتیں پیش آسکتی ہیں۔ اسناد پر ہزار ہا قسم کی جرح ہوجاتی مگر صدیق اکبر کی آنکھوں نے خاموش قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھا تھا۔ لیکن اُن کے کانوں نے بولتے ہوئے قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اُس حکم سے انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں۔ جیسے صدیق اکبر کی حدیث جرح و قدرح سے پاک ہے۔ ایسے ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات جرح و قدرح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہے لہذا وہابیوں کے لئے یہ اسنادیں آفت ہیں ہم مقلدوں پر ان جرحوں کا کوئی اثر نہیں۔ دیکھو ہم نے پہلی فصل میں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اسناد پیش کی سبحان اللہ کیسی پاکیزہ اسناد ہے کیا کسی وہابی میں ہمت ہے کہ اسناد پر جرح کر سکے۔

اعترض نمبر ۶۔ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف کا نہ صون تک اٹھاتے تھے۔ جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر فرماتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے۔ تب بھی ایسے ہی ہاتھ اٹھاتے تھے اور فرماتے سبح اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اور سجدہ میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَسْبَهُ وَمَنْكَبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا اكْتَبَرَ لِلرُّكُوعِ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذَلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمَدَهُ رَبَّابْنُ لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ۔

یہ حدیث مسلم و بخاری کی ہے۔ نہایت صحیح الاسناد ہے۔ جس سے رفع یدین رکوع کے وقت بھی ثابت ہے اور بعد رکوع بھی۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں رفع یدین کرتے تھے۔ مگر یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور کا یہ فعل شریف رہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفع یدین اسلام میں پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ اس حدیث میں اس منسوخ فعل شریف کا ذکر ہے۔ اس کا منسوخ ہونا ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نے رفع یدین کرنا چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر میں رفع یدین منسوخ ہے۔ چنانچہ دارقطنی میں صفحہ نمبر ۱۱ پر سیدنا عبد اللہ ابن مسعود سے روایت

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ ابْنِ بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرَفْعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ التَّكْبِيرِ الْأَوَّلِيِّ فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولیٰ کے سوا اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔

فراؤ غباب اگر رفع یدین سنت باقیہ ہے تو ان بزرگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ تیسرے

یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبد اللہ ابن عمرؓ ہیں اور ان کا خود اپنا عمل اس کے خلاف کہ آپ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں نقل کر چکے اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی روایت کے

خلاف ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے ہم پہلی فصل میں یہ بھی دکھا چکے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث

کا نسخ ثابت کیا۔ چونکہ یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی میں ہے کہ یہ حدیث ابن عمرؓ سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری اسناد میں ابو قتادہ ہے جو خارجی المذہب تھا یعنی تابعی دیکھو تہذیب تیسری اسناد میں عبد اللہ ہے یہ بکرا لافضی تھا۔ چوتھی اسناد میں شعیب ابن اسحاق ہے یہ بھی مرجع مذہب کا تھا۔ غرضیکہ رفع یدین کی حدیثوں کے راوی روافض بھی ہیں کیونکہ یہ روافض کا عمل ہے وہ رفع یدین کرتے ہیں۔

اعتراف نمبر ۷۔ بخاری شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ مِنْ حَمْدِهِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكَعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذَلِكَ ابْنُ مَعْمَرٍ إِلَى النَّبِيِّ

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمد کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس فعل آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے تھے
دیکھو سیدنا عبد اللہ ابن عمر بوقت رکوع رفع یدین کرتے تھے۔ رفع یدین سنت صحابہ بھی ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کہ اس میں دو
رکعتوں سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے۔ تم لوگ صرف رکوع پر کرتے ہو۔ دو رکعتوں
سے اٹھتے وقت نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت
مجاہد فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریر کے وقت
ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اب حضرت ابن عمر کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا۔ اور نہ
اٹھانا ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ نسخ کی خبر سے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے۔
اور نسخ کی خبر کے بعد نہ اٹھاتے تھے۔ کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب اور کس زمانہ
میں اٹھاتے تھے۔ لہذا دونوں حدیثیں جمع ہو گئیں۔ چنانچہ طحاوی شریف میں ہے۔

فَقَدْ يُجَوِّزُ أَنْ يَكُونَ ابْنُ عُمَرَ فَعَلَ
مَا رَأَاهُ طَاوُسٌ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ الْحُجَّةُ
عِنْدَهُ بِنَسْخِهِ ثُمَّ قَامَتِ الْحُجَّةُ
عِنْدَهُ بِنَسْخِهِ وَتَرَكَهُ وَفَعَلَ مَا
ذَكَرَهُ عَنْهُ مُجَاهِدٌ

جائز ہے کہ سیدنا ابن عمر نے رفع یدین جو طاووس
نے دیکھا ثبوت نسخ سے پہلے کیا۔ پھر جب سیدنا
عبد اللہ ابن عمر کو رفع یدین کے نسخ کی تحقیق ہو گئی
تو چھوڑ دیا اور وہ کیا۔ جو مجاہد نے دیکھا (رفع
یدین نہ کرتا)

بہر حال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف وقتوں میں مختلف عمل ہیں مگر
وہابیوں کو ایک حدیث چھوڑنا پڑتی ہے۔ کسی حدیث کو چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔
اعتراف نمبر ۸۔ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ
یہ ہیں۔

فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ كَرَّمَ
يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجْدَةً بَيِّنَةً
كَفَّيْتِهِ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ
فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب
سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کیا۔

اس سے بھی رفع یدین ثابت ہے۔

جواب۔ حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سیدنا عبد اللہ ابن مسعود کی روایت کے مقابلہ میں معتبر نہیں۔ حضرت وائل ابن حجر صرف ایک بار ہاتھ اٹھانے کی روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک آدھ بار حضور کے پیچھے نماز پڑھی انہیں نسخ احکام کی خبر بشکل ہوتی تھی۔ مگر حضرت ابن مسعود ہمیشہ حضور کے ساتھ رہتے تھے۔ بڑے عالم و فقیہ صحابی تھے۔ نیز حضرت وائل ابن حجر حضور کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود صف اول میں خاص حضور کے پیچھے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور کے پیچھے علماء فقہاء صحابہ کھڑے ہوتے تھے خود سرکار نے حکم دیا تھا کہ۔

يَسْبِقُونِي مِنْكُمْ أَوْ لَوْ الْأَحْلَامُ وَالنَّهْلُ | تم میں سے مجھ سے قریب وہ ہے جو علم و عقل والا ہو
پہنانچہ مسند امام اعظم میں ہے کہ کسی نے سیدنا ابراہیم نخعی سے حضرت وائل ابن حجر کی اس روایت کے متعلق دریافت کیا۔ جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے۔ تو حضرت ابراہیم نخعی نے نفیس جواب دیا۔

آپ نے فرمایا کہ وائل ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف ابن لاہ نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ حضور سے نقل فرماتے تھے۔ عبد اللہ ابن مسعود رحمہ اللہ اسلام سے خبردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے حضور کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔

فَقَالَ إِعْرَافِي لَا يَعْرِفُ شَرَّائِعَ الْإِسْلَامِ
وَلَمْ يَصِلْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِلَّا مَلُوءَةً وَاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِي مَنْ
كَأُحْصَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ
كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي بَدْءِ الصَّلَاةِ فَقَطُ
وَحَكَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَعَبَّدَ اللَّهُ عَالِمُ شَرَّائِعِ الْإِسْلَامِ وَ
حَدَّثَنِي مُتَّفَقًا أَحْوَالُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلَانِمًا لَهُ فِي إِقَامَتِهِ
وَأَسْفَاهًا وَقَدْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا يُحْصَى

خلاصہ یہ کہ عالم و فقیہ اور حضور کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی

ہے لہذا حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت قابل عمل ہے۔ اور اس روایت کے مقابل سینا وائل ابن حجر کی روایت ناقابل عمل انہوں نے رفع یدین کے نسخ سے پہلے کا فعل ملاحظہ کیا اور وہ ہی نقل فرمادیا۔

اعتراف نمبر ۹۔ اگر تکبیر تحریمہ کے سواء رفع یدین نہ کرنا چاہیے۔ تو آپ لوگ نماز عید اور نماز وتر میں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں نماز نہیں۔ (بعض ڈیرہ غازی خانی و بانی،

جواب۔ اس سوال سے آپ کی بے بسی ظاہر ہو رہی ہے۔ احادیث میں تو آپ رہ گئے اب لگے۔ اٹکل سچو بہانہ بنانے۔ جناب یہاں گفتگو اس رفع یدین میں ہے۔ جسے آپ سنت نماز یا سنت رکوع سمجھے بیٹھے ہیں۔ عیدین اور وتر کے رفع یدین سنت رکوع نہیں۔ بلکہ نماز عید اور دعا قنوت کی سنتیں ہیں۔ اسی ہی لیٹے عید میں ایک رکعت میں تین بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قنوت سے پہلے ہوتا ہے جیسے نماز عید میں خطبہ جماعت وغیرہ اور نماز وتر میں دعا قنوت تین رکعت وغیرہ خصوصی صفات ہیں۔ ایسے ہی چھ تکبیریں اور چھ دفعہ رفع یدین نماز عید کی خصوصیت ہے اگر نماز پنجگانہ کو نماز عید یا نماز وتر پر قیاس کرتے ہو تو اسے وہاں ہر رکوع پر تین دفعہ رفع یدین کیا کرو اور ہر نماز میں دعا قنوت پڑھا کرو۔

اعتراف نمبر ۱۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورہ کوثر شریف نازل ہوئی تو حضور نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ اسے جبریل نسخ کیا چیز ہے جس کا مجھے نماز کے ساتھ حکم دیا تو حضرت جبریل نے فرمایا کہ اس نسخ سے مراد قربانی نہیں بلکہ۔

جب آپ نماز کی تکبیر تحریمہ کہیں تو اپنے ہاتھ اٹھائیں اور جب رکوع کریں اور جب اپنا سر اٹھائیں کیونکہ یہ ہی ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو سات آسمانوں میں ہے

إِذَا تَحَرَّصْتَ لِلصَّلَاةِ أَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ
إِذَا كَبَّرْتَ وَإِذَا دَكَّعْتَ وَإِذَا
رَفَعْتَ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ فَإِنَّهَا صَلَوَاتُنَا
وَصَلَاةُ الْمَلَائِكَةِ الَّذِينَ فِي السَّمَوَاتِ
السَّابِعَةِ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے جیسے نماز کا حکم دیا ہے۔ ویسے ہی رفع یدین کا بھی حکم دیا

لہذا رفع یدین ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے نماز ضروری کہ رب نے فرمایا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو جو لوگ رفع یدین نہ کریں وہ حضور کے بھی مخالف ہیں صحابہ کرام کے بھی اور فرشتوں کے بھی۔ فرش و عرش پر رفع یدین ہونا ہے تم لوگ ایک امام ابوحنیفہ کی پیروی میں ان تمام مقدسین کی مخالفت نہ کرو۔

نوشٹ ضروری۔ ڈیرہ غازی خاں کے وہابی غیر مقلدوں کی طرف سے رفع یدین کے متعلق ایک ٹریکیٹ مفت تقسیم ہو چکی تھی بھیجا گیا اس میں یہ اعتراض بہت جوش کے لب و لہجہ میں مذکور ہے اب تک پرانے وہابیوں کو نہ سوجھا تھا۔

جواب۔ وہابی جی تم نے یا تمہارے کسی ہم نوائے جھوٹی حدیث گریہ تولی۔ مگر گھنٹا نہ آئی جھوٹ بولنے کے لیئے بھی سلیقہ درکار ہے۔ تمہاری اس گھڑی ہوئی حدیث نے ہی تمہارے مذہب کا بیڑا غرق کر دیا۔ چونکہ تم نے اس کی اسناد بیان نہ کی اس لیئے اسناد پر بحث نہیں کی جاسکتی اور نہیں جاسکتا کہ اس کا گھرنے والا کون ہے۔ البتہ متن حدیث پر چند طرح گفتگو ہے۔

ایک یہ کہ آپ نے انحر کے معنی کیئے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ اٹھانا یہ لغت کی کون سی کتاب سے ثابت ہیں۔ انحر کے معنی ہاتھ سے اٹھانا۔ رکوع پہلے اور بعد اتنے معنی کی پوٹلی ایک لفظ نحر میں کس نے بھردی۔ کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو لغت عرب کی بھی خبر نہ تھی جو نحر کے معنی یہ بتا گئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت اطہار نے بھی نہ پوچھا کہ اسے جبریل نحر کے یہ انور کے معنی کہاں سے لیئے گئے۔ اور کیسے لیئے گئے لغت کا حوالہ پیش کرو۔ اگر قرآن و حدیث کے معنی ایسے ہونے شروع ہو گئے تو دین کا رب ہی حافظ ہے۔ صلوٰۃ کے معنی روٹی کھانا۔ زکوٰۃ کے معنی پانی پینا حج کے معنی کپڑے پہننا۔ صوم کے معنی چارپائی پر سونا۔ جہاد کے معنی دو کا نداری کرنا کرو۔ چلو اسلام کے پانچوں ارکان ختم۔ فلا شرم کرو اپنے نامہذب مذہب کو بنانے کے لیئے کیوں ایسی حدیثیں گھڑتے ہو۔

دوسرے یہ کہ یہاں نحر صلوٰۃ پر معطوف ہے۔ اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ تو چاہیئے کہ نحر سے مراد رفع یدین نہ ہو کہ یہ نماز کا جز ہے۔ نہ کہ نماز کا غیر تفسیر سے یہ کہ جب وانحر کے معنی ہونے رفع یدین کرو اور یہ امر قرآن کریم میں نماز کے

حکم کے ساتھ مذکور ہوا تو چاہیے کہ جیسے نماز فرض قطعی ہے کہ اس کا منکروین سے خارج ہو جاتا ہے ایسے ہی رفع یدین فرض قطعی ہو کہ اس کے سارے منکر کا فرض ہوں تو تم اور تمہاری ساری جماعت اسے فرض کیوں نہیں کہتے۔ صرف سنت کیوں کہتے ہو اور جب غیر مقلد حنفیوں میں پھنسیں تو رفع یدین چھوڑ کیوں دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ رفع یدین کرنا بھی سنت ہے نہ کرنا بھی جس پر چاہو عمل کر لو تاؤ اوس کی فرضیت کے منکر ہو کر تمام وہابی کون ہوئے۔

پوچھئے یہ کہ کسی محدث نے رفع یدین کو فرض قطعی نہ کہا۔ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرما کر فرمایا کہ اس پر بہت علماء و تابعین کا عمل ہے۔ فرماؤ امام ترمذی اور سارے محدثین رفع یدین کی فرضیت کا انکار کر کے تمہارے نزدیک اسلام کے دائرہ میں رہے یا نہیں اور اب ان کی کتب سے حدیث لینا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔

پانچویں یہ کہ ہم پہلی فصل میں دلائل سے ثابت کر چکے کہ حضرت ابو بکر صدیق - عمر فاروق - علی مرتضیٰ - عبداللہ ابن عباس - عبداللہ ابن عمر - عبداللہ ابن مسعود - عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے سخت منع فرماتے تھے تو اتنا بڑا فریضہ قرآنی جو نماز کی طرح فرض ہوا ان صحابہ پر مخفی رہا اور آج چودہ سو برس کے بعد ذریعہ غازی خال کے ایک مولوی کو معلوم ہوا۔ حیرت در حیرت کا باعث ہے یا نہیں۔

چھٹے یہ کہ تم نے یہ گھڑی ہوئی حدیث حضرت امیر المؤمنین مولاء کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی تو حیرت ہے کہ حضرت علی خود یہ روایت بیان فرماتے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں فرماتے آخر خود کیوں عمل چھوڑ دیا۔

ساتویں یہ کہ خود حضور النور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے واضح کر کے معنی پوچھے اور پھر خود اوس پر عمل نہ فرمایا۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے چاہیے تو یہ تھا کہ رفع یدین کی ایسی ہی تبلیغ فرمائی جاتی۔ جیسے نماز کی فرضیت کی تبلیغ کی گئی اور رفع یدین نہ کرنے والوں پر ایسے ہی جہاد کیا جاتا۔ جیسے حضرت صدیق اکبر نے زکوٰۃ کے منکروں پر فرمایا۔ تاجی حدیث گھڑنے سے پہلے تمام اونچ نیچ سوچ سمجھ لینی چاہیے۔

مسلمانو! غور کرو یہ ہے ان لوگوں کی اتباع حدیث جو ہم سے ہر مسئلہ پر بخاری و مسلم

کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اپنے لئے ایسی بات کی حدیثیں گھڑ لینے میں خوفِ خدا نہیں کرتے۔ شاید اہل حدیث کے معنی ہیں۔ حدیث بنانے والے۔ حدیث ڈھالنے والے۔

اعتراف نمبر ۱۱۔ حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔

إِذَا ثَبَّتَ حَدِيثٌ فَهُوَ مَذْهُبِي۔ | جب کوئی حدیث ثابت ہو جاوے۔ تو وہ ہی

میرا مذہب ہے۔

چونکہ رفع یدین قرأت خلف الامام کے متعلق ہم کو ثابت ہو گیا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول

حدیث کے خلاف ہے۔ اس لئے ہم نے ان کا قول دیوار سے مار دیا اور حدیث رسول پر عمل کیا خود تحقیق کر کے حدیث پر عمل کرنا یہ ہی حنفیت ہے (عام وہابی)۔

جواب۔ جی ہاں اور غرض کہ جبکہ حدیث کے محقق آپ جیسے محققین (حقہ پینے والے) ہوں جنہیں استنجا کرنے کی تمیز نہیں جو بخاری کو بکھاری۔ مسلم کو مسلم حدیث کو حدیث فرمائیں۔

جناب حضرت امام نے آپ جیسے بزرگوں کو یہ کھلی اجازت نہیں دی۔ امام کے فرمان کا ترجمہ یہ ہے

إِذَا ثَبَّتَ حَدِيثٌ فَهُوَ مَذْهُبِي | جب حدیث ثابت ہو گئی تو وہ میرا مذہب ہوئی ہے

یعنی اے مسلمانوں ہم نے ہر مسئلہ پر حدیث رسول تلاش کی۔ اور اس کے ہر پہلو پر ہر طرح غور و غوص و بحث و تحقیق کی۔ اسناد اور متن پر خوب گرا گرم جرح و قدرج کی جب ہر طرح ثابت ہوئی تو

اسے اپنا مذہب بنایا گیا۔ یہ مذہب بہت پختہ اور تحقیقی ہے۔ لہذا تم خود حدیث کے سمندر میں نہ کودنا ایمان کھو بیٹھو گے۔ ہمارے نکالے ہوئے موتی استعمال کرنا۔ سمندر سے موتی نکالنا

ہر ایک کا کام نہیں۔ صرف غواص کا کام ہے۔ اگر پنداری کی دکان کی دوائیں بیمار اپنی رائے سے استعمال کرے گا تو وہ ہلاک ہو جاوے گا۔ حکیم کی تجویز سے استعمال کرو۔ قرآن حدیث روحانی

دواؤں کا دواخانہ ہے۔ امام اعظم طیب اعظم ہیں۔ قرآن و حدیث کی دوائیں ہوں۔ امام برحق مجتہد کی تجویز ہو۔ دیکھو پھر فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔

حضرت امام کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے شریعت کے سارے قوانین و مسائل بغیر سوچے سمجھے اٹکل سچو بیان کر دیئے ہیں۔ اسے ناسمجھ نادانوں تم حدیث کے غلط سلط ترجمے کرتے جانا اور مذہب میں فتنے پھیلاتے جانا جب ایک قابل طیب بغیر تحقیق اور بغیر سوچے

سمجھے ایک پیار کے لئے نسخہ نہیں لکھتا تو امام ابو حنیفہ جیسے حکیم ملت سراج امت نے آنکھیں بند کر کے بغیر قرآن و حدیث دیکھے روحانی نسخے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے کیسے لکھ دیئے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

ساتواں باب

وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

وتر کے لغوی معنی ہیں طاق عدد یعنی جس کے برابر دو حصے نہ ہو سکیں۔ جیسے تین پانچ ست وغیرہ اس کا مقابل ہے۔ شفع یعنی جفت عدد جو دو برابر حصوں پر تقسیم ہو جاوے اصطلاح شریعت میں وتر اس طاق نماز کو کہا جاتا ہے۔ جو بعد نماز عشاء خواہ تہجد میں یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ وتر واجب ہے کہ اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار ہے۔ اس کی قضا لازم۔ اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ لیکن غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت غیر مؤکدہ یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے مذہب حنفی حق ہے اور وہابیوں کا قول باطل محض ہم کو یہاں اصل بحث تو وتر کی تین رکعتوں پر کرنا ہے اُس سے پہلے ضمنی طور پر وتر کے وجوب پر چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

وتر واجب ہیں

حدیث نمبر ۳۱۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ایوب سے روایت کی۔
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | حضور نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر لازم
 الْوُتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ | ہیں۔
 حدیث نمبر ۳۲۔ بزار نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْوُتْرُ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

حضور نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر واجب
ہیں۔

حدیث نمبر ۵۶۵۔ ابو داؤد حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں
نے فرمایا۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوُتْرُ حَقٌّ فَمَنْ كَمَى لِيُوتِرَ
فَلَيْسَ مِنَّا۔

میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر
لازم ضروری ہیں۔ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم
میں سے نہیں۔

حدیث نمبر ۵۶۶۔ عبد اللہ ابن احمد نے عبد الرحمن ابن رافع تنوخی سے روایت کی کہ حضرت
معاذ ابن جبل جب شام میں تشریف لائے تو لا خطہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں سستی کرتے
ہیں۔ تو آپ نے حضرت امیر معاویہؓ سے اس کی شکایت کی کہ شامی لوگ وتر کیوں
نہیں پڑھتے۔

فَقَالَ مَعَاوِيَةُ اِذَا جِبْتُ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ
قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُولُ زَادَنِي رَبِّي عَزَّو
جَلَّ مَسْلُوةً هِيَ الْوُتْرُ فَيَمَّا بَيْنَ
الْعِشَاءِ اِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ

تو امیر معاویہؓ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر
واجب ہیں معاذ ابن جبل نے فرمایا ہاں۔ میں
نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رب نے
ایک نماز اور دی ہے جو وتر ہے عشاء اور
فجر کے طلوع کے درمیان۔

حدیث نمبر ۵۶۷۔ ترمذی نے حضرت زید ابن اسلم سے مسئلہ روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ نَامَ عَنْ وَتْرِهِ فَلْيَصِلْ اِذَا أَصْبَحَ

جو وتر چھوڑ کر سو جائے۔ وہ صبح کے وقت
اس کی قضا پڑھ لے۔

حدیث نمبر ۵۶۸۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد۔ ابن حبان۔ حاکم نے اپنی مستدرک
میں حضرت ابوالیوب انصاری سے روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شرط
یخنین پر ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

حضور نے فرمایا کہ وتر لازم ہے۔ واجب

وَسَلَّمَ الْوُتْرَ حَقًّا فَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

ہے۔ ہر مسلمان پر۔

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وتر نفل نہیں۔ بلکہ واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ قضا صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں وجوب وتر کی بہت احادیث میں ہم نے صرف ۴ روایتیں پیش کیں۔

وتر تین رکعت ہیں

حدیث نمبر ۴۲۔ نسائی شریف۔ طحاوی۔ طبرانی نے صغیر میں۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مسلم و بخاری کی

قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت

وسلم یوتر بثلاث لا یسلم الا فی اخرہن

حدیث نمبر ۵۶۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وتر اللیل ثلاث کوثر النہار صلوۃ المغرب

حدیث نمبر ۷۔ طحاوی شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان النبئی صلی اللہ علیہ وسلم کان

یوتر بثلاث رکعات

حدیث نمبر ۸۔ نسائی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت

کی کہ ایک شب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رات کو بیدار

ہوئے اور وضو فرمایا۔ مسواک کی۔ اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔ اِنِّیْ فِیْ خَلْقِ

السَّمَوَاتِ اَھِمْ پھر دو رکعتیں نفل پڑھیں۔

ثُمَّ عَادَ قَنَامَ حَتّٰی سَمِعَتْ نَفْحَهُ ثُمَّ

قَامَ فَتَوَضَّأَ اِسْتَاكَ ثُمَّ صَلَّى رُكْعَتَیْنِ

ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ اِسْتَاكَ وَصَلَّى رُكْعَتَیْنِ

وَ اَوْتَرَ بِثَلَاثِ

پڑھے۔

وَأَوْتَرَ بِثَلَاثِ

حدیث نمبر ۱۳۱۔ ترمذی۔ نسائی۔ دارمی۔ ابن ماجہ۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ بِسْمِ اللَّهِ الْأَعْلَى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فِي رُكْعَةٍ رُكْعَةً.

فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سج اسم ربک الاعلیٰ اور قل یا ایہا الکافرون اور قل ہواللہ احد پڑھا کرتے تھے۔ ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت۔

حدیث نمبر ۱۸۱۔ ترمذی شریف۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ نسائی۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت عبدالغفرین بن ابن جریج۔ عبدالرحمن ابن ابزی سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُتَرْتَرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأَوَّلَى بِسْمِ اللَّهِ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوَّدَتَيْنِ.

فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں کیا پڑھا کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں سج اسم ربک الاعلیٰ و دوسری میں قل یا ایہا الکافرون تیسری میں قل ہواللہ احد اور غلطی و ناس۔

حدیث نمبر ۱۹۔ نسائی شریف نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ بِسْمِ اللَّهِ الْأَعْلَى وَفِي الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَلَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِ هُنَّ.

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سج اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ہو اللہ پڑھا کرتے تھے۔ اور سلام نہ پھیرنے تھے۔ مگر ان تینوں رکعتوں کے آخر میں۔

حدیث نمبر ۲۰۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ أَجْمَعُ الْمُسْلِمُونَ عَلَى الْوُتْرِ ثَلَاثٌ لَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِ هُنَّ.

اس پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں نہ سلام پھیرے۔ مگر ان کے آخر میں۔

حدیث نمبر ۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو خالد سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ عَنِ الْوُتْرِ فَقَالَ
عَلَيْنَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ الْوُتْرَ مِثْلُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ
هَذَا وَتُرَّ الْبَيْتُ وَهَذَا وَتُرَّ النَّهَارُ

میں نے حضرت ابو العالیہ سے وتر کے متعلق پوچھا
تو آپ نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ رسول صلی اللہ علیہ
وسلم تو یہ ہی جانتے ہیں کہ وتر نماز مغرب کی
طرح ہیں۔ یہ رات کے وتر میں اور مغرب دن کے وتر

یہ اکیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ وتر کی تین رکعتوں پر بہت زیادہ حدیثیں موجود

ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری ملاحظہ فرمائیے ان احادیث
سے یہ پتہ لگا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف تین رکعت وتر پر تھا۔ تمام صحابہ کا یہ ہی
عمل رہا اور اس تین رکعت پر سارے مسلمان متفق رہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ تینوں رکعتیں ایک
سلام سے پڑھے۔ مگر نفس امارہ پر چونکہ نماز گراں ہے اس لئے ہوائے نفس والوں نے صرف
ایک رکعت وتر پڑھ کر سورہ ہنے کی عادت ڈالی۔ ناظرین نے ان مذکورہ احادیث میں دیکھ
لیا کہ حضور وتر کی پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ دوسری میں فلاں سورت تیسری
میں فلاں و یا بی حضرات بتائیں کہ اگر وتر ایک رکعت ہے تو یہ سورتیں کیسے پڑھی جاوے گی۔
عقل کا بھی تقاضا ہے کہ وتر ایک رکعت نہ ہو کیونکہ وتر نماز نہ تو فرض ہے نہ نفل۔

بلکہ واجب ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری ہے نہ پڑھنے والا فاسق ہے۔ لیکن اس کے وجوب
کا انکار کفر نہیں واجب کا یہی حکم ہے اور ہر غیر فرض عبادت کی مثال فرض عبادت میں ضرور ہوتی
چاہیے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی غیر فرض عبادت بالکل جدا گانہ ہو کہ اس کی مثال فرض میں نہ ہو۔ یہ

یہ شریعت کا عام قاعدہ ہے جو رکوع حج وغیرہ میں جاری ہے اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو چاہیے
تھا کہ کوئی فرض نماز بھی ایک رکعت ہوتی۔ حالانکہ کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں۔ فرض تو کیا
کوئی نفل و سنت مؤکدہ و سنت غیر مؤکدہ بھی ایک رکعت نہیں۔ نماز فرض یا تو دو رکعت
ہے۔ جیسے فجر یا چار رکعت جیسے ظہر۔ عصر۔ عشا یا تین رکعت جیسے مغرب ورنہ تو چار رکعت
ہو سکتی ہیں۔ نہ دو کہ یہ عند شفع ہیں۔ وتر نہیں تو لا محالہ تین ہی رکعت چاہیے۔ ایک رکعت نماز
اسلامی فالون کے خلاف ہے جس کی مثال کسی نماز میں نہیں ملتی۔ ایک رکعت نامکمل ہے ناقص

ہے۔ بتیرا ہے۔ غرضیکہ ایک رکعت وتر عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی امت کا
اجماع صحابہ کرام کا عمل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سب ہی اس کے خلاف ہے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

مند وتر پر اب تک جس قدر دلائل غیر منقولہ و مایوں کی طرف سے ہم کو ملے ہم سب نمبر وار
مع جواب عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت
يُوترُ بواحدة ثم يركع ركعتين الخ وتر پڑھتے تھے۔ پھر بعد وتر و نفل پڑھتے تھے
معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت چاہیئے۔ حضور نے یہ ہی پڑھی ہے۔

جواب۔ آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث تمام ان احادیث کے
خلاف ہو گئی۔ جن میں تین رکعتوں کا ذکر ہے اور احادیث آپس میں متعارض ہو گئیں۔ حدیث کا
ترجمہ ایسا کرنا چاہیئے۔ جس سے احادیث متفق ہو جائیں۔ اس حدیث تشریف میں ب استعانة
کی ہے۔ جیسے کُتِبَتْ بِالْقَلَمِ میں نے قلم سے لکھا کیونکہ اوترباب افعال متعدی بنفسہ ہے تو حدیث
کے معنی یہ ہوئے کہ حضور نے نماز تہجد کو وتر یعنی طاق بنایا ایک رکعت کے ذریعہ سے اس طرح
کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملائی جس سے نماز تہجد کا عدد جفت سے طاق بن گیا۔

مثلاً آٹھ رکعت تہجد اور فرمائی یہ عدد جفت تھا پھر تین رکعت وتر پڑھی تو وتر کی تسیری رکعت کے سبب
کل رکعتیں گیارہ ہو گئیں۔ جو طاق ہیں اس تمام نماز کو طاق بنانے والی وتر کی یہ ایک رکعت ہے۔
جو دوسرے مل کر ادا ہوئی۔ اس صورت میں یہ حدیث گزشتہ تمام احادیث کے موافق ہو گئی۔ میں غیر
مقلدوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر تمہارے معنی کیئے جادیں تو ان احادیث کا کیا جواب دو گے جن میں
صراحتہ تین کا عدد مذکور ہے۔ یا جن میں وارد ہوا کہ حضور پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے
دوسری رکعت میں فلاں اور تیسری رکعت میں فلاں سورت جو پہلے فصل میں مذکور ہوئیں۔

اعتراف نمبر ۲۔ مسلم شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى فَإِذَا أَحْشَى أَحَدٌ
 كَيْدَ الصُّبْحِ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً قُوتُهُ
 لَيْلَهُ مَا قَدَّ صَلَّى۔
 فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ تہجد کی نماز دو
 دو رکعت ہیں جب تم میں سے کوئی صبح ہو جانے
 کا خوف کرے تو ایک رکعت پڑھے یہ
 رکعت گزشتہ نماز کو وتر بنا دے گی۔

اس سے چار مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز تہجد میں دو دو رکعت نفل ادا کرنی چاہیے
 دوسرے یہ کہ نماز تہجد رات میں ہو۔ صبح سے پہلے۔ تیسرے یہ کہ وتر تہجد کی نماز کے بعد افضل
 ہے جو تھے یہ کہ وتر ایک رکعت ہے۔ حنفی لوگ پہلے تین مسئلے تو مانتے ہیں۔ چوتھے کے
 انکاری ہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چاروں مسئلے مانیں اگر صحیح نہیں۔ تو چاروں نہ مانیں۔
 جواب۔ غیر مقلد وہابی تو اس حدیث کا ترجمہ یہ کرتے ہیں۔ کہ جب صبح کا خوف ہو تو ایک ایک
 رکعت علیحدہ طور پر پڑھے۔ اس ترجمہ سے یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہو گئی جو ہم
 پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ناممکن ہو گیا۔ حنفی اس کے معنی یہ کرتے ہیں۔
 کہ جب صبح کا خوف ہو تو دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پڑھے۔ جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ یعنی
 رکعت واحدہ کے بعد مع الکتیں پوشیدہ ہے کیونکہ پہلے مثنیٰ مثنیٰ کا ذکر ہو چکا ہے اس صورت
 میں احادیث میں کوئی تعارض نہ رہا اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہو گیا۔ جیسے کہ رب فرمانا ہے۔
 وَلْيَسْأَلُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةِ سِنِينَ
 وَأَزْدَادًا تِسْعًا۔
 اصحاف کہف اپنے فار میں تین سو سال
 ٹھہرے تو بڑھائیے۔

اس آیت میں یہ نو سال تین سو سال سے علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے
 کہ تین سو نو سال قیام کیا۔ چونکہ تین سو سال شمسی تھے اور تین سو نو سال قمری اس لئے رب تعالیٰ نے
 اس طرح ارشاد فرمایا۔ ایسے ہی وتر کی یہ رکعت علیحدہ ان دو ور سے نہیں۔ بلکہ ان میں سے آخری مثنیٰ
 یعنی دو کے ساتھ ہے لیکن چونکہ وہ دو دو رکعتیں تہجد کی تھیں اور نفل تھیں یہ تین رکعتیں وتر کی
 ہیں اور واجب ہیں اسی لئے اس علم الاولین والآخرین افصح المخلوق صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح
 ارشاد فرمایا۔ کہ وہابی جی حدیثوں کو لٹا نا اچھا۔ یا احادیث میں موافقت پیدا کر کے سب پر عمل کرنا

بہتر۔ کاش کہ آپ نے کسی مقلد سے حدیث پڑھی ہوتی۔

اعتراف نمبر ۳۔ مسلم شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔
 اَلْوُتْرَةُ كَعَةِ مِنَ الْخَيْرِ الْكَلِيلِ | وتر آخرات میں ایک رکعت ہے۔
 اس سے معلوم ہوا کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔

جواب :- اس کا جواب بھی دوسرے اعتراف کے جواب سے معلوم ہو گیا۔ کہ وہابی اس کے معنی کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ اکیلی سب رکعتوں سے علیحدہ اس صورت میں یہ حدیث بہت احادیث کے مخالف ہوگی، اور احادیث کا جمع ناممکن ہوگا۔ حنفی اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ دو کے ساتھ۔ جس کی تفسیر دوسری وہ حدیثیں ہیں جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔ یا اس حدیث میں وتر بمعنی اسم فاعل ہے۔ یعنی تہجد کی نماز کو طاق بنانے والی ایک رکعت ہے کہ یہ دو سے مل کر ساری نماز کو طاق بنا دیتی ہے کہ نمازی نے آٹھ رکعت تہجد پڑھی۔ پھر جب وتروں کی نیت باندھی جب تک دو رکعتیں پڑھیں تو نماز جفت ہی رہی۔ جب ان دو رکعتوں سے ایک رکعت اور ملاوی تو طاق یعنی گیارہ رکعتیں بن گئیں۔ اس صورت میں یہ حدیث تمام دوسری حدیثوں سے موافق ہوگئی۔ احادیث کا تعارض دور کرنا ضروری ہے۔

اعتراف نمبر ۴۔ ابو داؤد نسائی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 اللَّهُ وَتَرْجِيحُ الْوُتْرِ فَإِنَّهُ أَهْلُ | نے اللہ وتر (بے جوڑ) ہے وتر کو پسند فرماتا
 ہے۔ پس وتر پڑھا کر اسے قرآن ماننے والو
 الْقُرْآنِ

حنفی بتائیں کہ اللہ ایک ہے یا تین، جب وہ ایک ہے تو وتر بھی ایک ہی رکعت چاہیے نہ کہ تین حضور نے نماز وتر کو رب تعالیٰ کے وتر ہونے سے مثال دی ہے۔

جواب :- اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر وہابیوں کو چاہیے کہ مغرب کے فرض بھی ایک رکعت پڑھا کریں۔ نہ کہ تین۔ کیونکہ مغرب کے فرض دن کے وتر ہیں، اور یہ وتر رات کے وتر۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور

اور ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں۔ اگر وہابی کہیں کہ دوسری روایتوں میں آگیا کہ حضور مغرب کے فرض تین پڑھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی روایتوں میں آگیا۔ کہ حضور نماز وتر بھی تین رکعت پڑھتے تھے۔ دیکھو پہلی فصل۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کی محض وتریت یعنی طاق بے جوڑ ہونے میں مثال دی ہے نہ کہ ایک ہونے میں تین بھی وتر ہے ایک بھی وتر تمثیل میں اونٹنے مناسبت کافی ہوتی ہے ہر طرح مثل ہونا ضروری نہیں اس لئے حضور نے وتر فرمایا واحداً نہ فرمایا یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ایک رکعت کو پسند فرماتا ہے دیکھو رب فرماتا ہے۔

مَثَلُ نُورٍ هُكَيْشْكُوهُ فِيهَا مَصْبَاحٌ | اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جہیں چراغ ہے۔

یہاں رب تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی مطلقاً نورانیت میں اب اگر کوئی کہے کہ چراغ میں تیل ہی ہوتی ہے تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے نور میں بھی روغن ہوتی ہو تو اس کی حماقت ہے ہم کہتے ہیں۔ فلاں شخص شیر ہے مطلب ہوتا ہے کہ صرف طاقت میں شیر کی طرح ہے یہ نہیں کہ اس کے دم اور پنجہ بھی ہے۔

اعتراف نمبر ۵۔ بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی۔

أَوْتَرَ مَعَاذِيكَ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ
وَعِنْدَ مَوْلَى لَابْنِ عَبَّاسٍ فَأَتَى ابْنَ
عَبَّاسٍ فَخَبَّرَهُ فَقَالَ دَعْمَا فَإِنَّهُ قَدْ
صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی۔ اس وقت ان کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام حاضر تھے انہوں نے حضرت ابن عباس سے اسکا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو وہ صحابی رسول ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے یہ فعل صحابی ہے۔

جواب۔ یہ حدیث تو احناف کی قوی دلیل ہے کہ دو تین رکعت میں کیونکہ جب امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کو حیرت ہوئی۔ جس کی شکایت حضرت ابن عباس سے کی۔ حیرت و تعجب اس کام پر ہوتا ہے۔ جو نرالا اور عجیب ہے اس سے تو یہ معلوم

ہوا کہ کوئی صحابی ایک رکعت وتر نہ پڑھتے تھے۔ ورنہ نہ انہیں تعجب ہوتا نہ شکایت کرتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امیر معاویہ مجتہد فقیہ صحابی ہیں۔ فقیہ مجتہد کی غلطی و خطا پر اعتراض جائز نہیں۔ اس کا ذکر اس بخاری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهْ هَلْ لَكَ فِي
أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مَعَاوِيَةَ مَا أَوْفَرَ آلا
بِوَاحِدَةٍ قَالَ أَصَابَ إِنَّهُ فَقِيهٌ

حضرت ابن عباس سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ کو حضرت امیر المؤمنین معاویہ پر کوئی اعتراض ہے وہ تو وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ مجتہد عالم فقیہ ہیں۔

صاف معلوم ہوا کہ وتر تمام صحابہ اور خود سیدنا عبداللہ ابن عباس تین رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اس ہی لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت پڑھنے کی شکایت کی گئی مگر چونکہ سیدنا امیر معاویہ صحابی ہیں۔ عالم میں مجتہد ہیں اور مجتہد فقیہ کی خطا بھی درست ہوتی ہے۔ ان پر اعتراض نہ کرو۔ مہربان من یہ ہمیشہ تو حنفیوں کی دلیل ہے آپ دھوکے سے اپنی دلیل سمجھ بیٹھے یہ تو آپ کے خلاف ہے

اعتراض نمبر ۶۔ حنفیوں کی عجیب حالت ہے ہم ایک رکعت وتر پڑھیں۔ تو اعتراض کرتے امیر معاویہ ایک رکعت وتر پڑھیں۔ تو ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم رفع یدین یا اونچی آئین کہیں تو ہم پر ملاحت ہے۔ امام شافعی ہماری سی نماز پڑھیں۔ تو نہ انہیں وہابی کہا جاوے نہ ان پر کوئی اعتراض ہو یہ دو رخی پالیسی کیسی اور یہ فرق کیوں ہے۔ (عام وہابی)

جواب۔ جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ عالم فقیہ مجتہد کی خطا پر بھی ثواب ہے۔ مگر جابل جب دیدہ واکتہ عالموں سے منہ موڑ کر غلطی کرے۔ تو سزا کا مستحق ہے اگر رسولِ حزنِ سدا یافتہ ملازم مہر کار کسی بیمار کو غلط دوا دے دے تو اس پر کوئی غناپ نہیں لیکن اگر کوئی جابل آدمی یوں ہی شکل سچو کسی کو غلط دوا کھلا دے تو شرمناک و نا مجرم ہے۔ حج۔ حاکم کی ملازم کو سزا دے سختی ہے اگر غلطی کرے مگر جو ایرے غیرے قانون ہاتھ میں لے کر خود ہی لوگوں کو سزا دینے لگے مجرم ہے حیل کا مستحق ہے۔

دیکھو حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما میں خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں یقیناً علی مرتضیٰ برحق تھے اور امیر معاویہ خطا پر لیکن ان میں سے گنہگار کوئی نہیں جس کو بھی بُرا کہا جاوے تو بُرا کہنے والا بے ایمان ہو جاوے گا۔ قرآن کریم نے حضرت داؤد سلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے میں مختلف فیصلوں

کا ذکر فرمایا۔

إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ
غَمَّ الْقُرْمِ وَكُلَّ الْحَكِيمُ شَاهِدَيْنِ فَفَقَهُمَا
هَآ سَكِيمَانِ وَكَلَّا أَتَيْنَا
حَكْمًا وَعِلْمًا

جب وہ دونوں حضرات ایک کھیت کے متعلق
فیصلہ فرماتے تھے جب اس میں قوم کی بکریاں پھیل گئیں۔
ہم انکا فیصلہ شاہدہ فرما رہے تھے پس ہم نے حضرت سلیمان
کو وہ سمجھا دیا۔ اور ہم نے ان میں سے ایک کو حکمت و علم بخشا۔

و یکم جو کھیت کے اس مقدمہ میں داؤد سلیمان علیہما السلام دونوں بزرگوں نے علیحدہ علیحدہ فیصلہ کیا
حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ برحق تھا۔ جس کی رب تعالیٰ نے تائید فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام
کا فیصلہ خطا اجتہاد ہی تھی۔ لیکن ان پر کسی قسم کا عقاب ہوا نہ کر نہیں۔ کیوں اس لیے کہ آپ مجتہد مطلق
تھے اور مجتہد کی خطا پر عقاب نہیں۔ وہ باوجود اگر تم بھی رفع یدین یا ادنیٰ آئین۔ شافعی بن کر کرو تو تمہیں
وہابی نہ کہا جاوے گا۔ نہ تم سے یہ شکایت ہو تو خود بے علم ہوتے ہوئے قانون ہاتھ میں لیتے ہو
اور اپنی ذمہ داری پر یہ حرکتیں کر کے دین میں فتنہ واقع کرتے ہو اس پر تمہاری یہ درگت بنتی ہے۔
اعتراض نمبر ۷۔ تین رکعت وتر کی حدیثیں ہیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیثیں
حجت نہیں۔

جواب۔ جی ہاں اس بیٹے ضعیف ہیں۔ کہ آپ کے خلاف ہیں۔ یا اس لیے کہ ساری حدیثیں
ساڑھے تیرہ سو برس کی پرانی ہو چکیں آدمی تو ساٹھ برس میں بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے تو قریباً
چودہ سو برس کی حدیثیں ضعیف کیوں نہ ہوں۔ آپ کی اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے
نے لوگوں کو حدیث کا منکر کر دیا۔ آپ کے اس اعتراض کے جوابات ہم اس کتاب میں بارہا
دے چکے ہیں۔

اٹھواں باب

قنوت نازلہ پڑھنا منع ہے

نماز وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت ہمیشہ پڑھنا سنت ہے اور فحصر

کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنا سخت مکروہ اور خلاف سنت ہے مگر غیر مقلد و باپیوں کا عمل اس کے برعکس ہے وہ وتر میں دعا قنوت ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ رمضان کی بعض تاریخوں میں لیکن فجر میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد بعض دیوبندی و باپی بھی جو دراصل درپردہ غیر مقلد ہیں۔ بہانہ بنا کر فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس لیے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

قنوت نازلہ کسے معنی ہیں آفت و مصیبت کے وقت کی دعا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک خاص مصیبت پر چند روزیہ دعا قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر آیتہ قرآنی نے یہ دعا منسوخ فرمادی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کبھی نہ پڑھی و لائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۲۱۰۔ بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عاصم احوال کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازلہ صرف ایک ماہ پڑھی آپ نے ستر صحابہ کو جو قاری تھے ایک جگہ تبلیغ کے لیے بھیجا وہ شہید کر دیئے گئے تو حضور نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد ان کفار پر بد دعا فرماتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی۔

إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا إِنَّهُ كَانَ بَعَثَ أَنَسًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَاءُ سَبْعُونَ مَرَّجًا فَأَجِيبُوا فَقَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا يَدْعُو عَلَيْهِمْ۔

ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا۔ غدر کی وجہ سے صرف ایک ماہ رہا پھر منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۲۱۰۔ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا ابْدَءُوا عَلَى رِجْلِ وَذَكْوَانٍ فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقَنُوتَ

اس حدیث میں چھوڑ دینے کا صراحتہ ذکر آیا۔

حدیث نمبر ۸۷۹۔ ابویعلیٰ موصی۔ ابوبکر بن زرارہ طبرانی نے کبیر بن بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا ابْدَءُوا عَلَى عَصِيَّةٍ وَذَكْوَانٍ شَهْرًا فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقَنُوتَ وَقَالَ الْبَزَارِيُّ فِي رِوَايَةٍ كَمْ يَقْنَتُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَشْهُرَ وَاحِدًا لَمْ يَقْنَتْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

حدیث نمبر ۸۸۰۔ ابو داؤد و نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی پھر چھوڑ دی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ

حدیث نمبر ۸۸۱۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابومالک اشجعی سے روایت کی۔

قَالَ قُلْتُ لِأَيِّ يَأْتِي إِنْكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَيُّ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ هَهُنَا بِأَكُونَهُ نَحْوًا مِنْ خَمْسِ سِنِينَ كَأَنَّا يَقْنَتُونَ قَالَ يَا بَنِي مُجَدَّثٍ

فرمانے میں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ اباجان آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے کوفہ میں تقریباً پانچ سال نماز پڑھی کیا یہ حضرات قنوت نازلہ پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے بچے یہ بدعت ہے

یعنی ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنا بالکل سنت کے خلاف ہے اور بدعت سیئہ ہے

حدیث نمبر ۸۸۲ و ۸۸۳۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابوسہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث

نقل کی جس میں آخری الفاظ یہ ہیں

وَكَانَ يَقُولُ فِي بَعْضِ صَلَوَاتِهِمُ اللَّهُمَّ
أَلْعَنُ عَمَلَانَا وَقَلَانَا لِأَحْيَاءٍ مِنَ الْعَرَبِ
حَتَّى أُنْزِلَ اللَّهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض نمازوں میں فرمایا
کرتے تھے کہ عدایا فلاں فلاں (عرب کے بعض قبیلے) پر
لعنت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی «لَيْسَ لَكَ شَيْءٌ»

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دعا و قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ
ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث شریفہ آیتہ قرآنی سے منسوخ ہو سکتی ہے کہ قنوت نازلہ پڑھنا حدیث
سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قرآن کریم سے ثابت۔ تیسرے یہ کہ دین کے دشمنوں پر بددعا یا
لعنت کرنا جائز ہے۔ جن لوگوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی وہ حضور کی ذات شریفہ
کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن تھے۔ جب ان پر جہاد کر سکتے ہیں۔ تو بددعا بھی کر سکتے
ہیں۔ ہاں حضور نے اپنے ذاتی دشمنوں کو معافیاں دی ہیں۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۱۔ حافظ طلحہ ابن محمد محدث نے اپنی مسند میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی
اسناد سے روایت کی۔

عَنِ الْأَمَامِ الْأَعْظَمِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
عَنِ ابْنِ أَبِي هَرِيمٍ عَنْ عَقِيْمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمْ يَقْنُتْ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفَجْرِ إِلَّا شَهْرًا
وَاحِدًا إِنَّهُ حَادِبُ الْمُشْرِكِينَ فَقَنَّتْ
يَدْعُو عَلَيْهِمْ۔

امام اعظم ابو حنیفہ حضرت ابن عباس سے روایت
فرماتے ہیں وہ ابراہیم نخعی سے وہ حضرت علقمہ سے
وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ حضور
نے نماز فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی سوا ایک مہینہ
کے کیونکہ حضور نے مشرکین سے جنگ کی تھی تب
ان پر ایک ماہ بددعا فرمائی تھی۔

حدیث نمبر ۱۵۲۔ حافظ ابن خروزمی نے اپنی مسند میں اور قاضی عمر ابن حسن اشنانی نے حضرت
امام ابو حنیفہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا قَنَّتْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَلَا عُثْمَانُ
وَلَا عَلِيٌّ حَتَّى حَادِبَ أَهْلَ الشَّامِ
فَمَا كَانَ يَقْنُتُ۔

حضرت ابوبکر و عمر نے نہ حضرت عثمان نے نہ علی
رضی اللہ عنہ نے قنوت نازلہ پڑھی۔ یہاں تک کہ حضرت علی
نے اہل شام سے جنگ کی تو قنوت نازلہ پڑھی۔

حدیث نمبر ۱۸۔ ابو محمد بخاری نے امام اعظم ابو حنیفہ سے انہوں نے علیہ عوفی سے انہوں نے حضرت ابو سعید خدری صحابی سے روایت کی۔

انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔
کہ حضور نے پالیس دن کے سوا قنوت نازل نہ پڑھی۔
ان پالیس دن میں آپ نے عصر و کو ان پر بد دعا فرمائی
پھر وفات تک کبھی نہ پڑھی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كُنَّ
يَقْنُتُ إِلَّا أَمْرَ بَعَيْنٍ يَوْمَئِذٍ عُوَاظُ
عَصِيَّةٍ وَذَكَوْا أَنْ تَكُنَّ يَقْنُتُ إِلَى أَنْ قَاتَ

یہ اٹھارہ احادیث بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ قنوت نازل نہ پڑھنے کے متعلق بہت زیادہ احادیث
شریفہ موجود ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی شریف۔ صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرمائیے۔

عقل کا بھی تقاضا یہ ہے کہ قنوت نازل نماز میں نہ پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ پنجگانہ
فرائض کی رکعتیں مختلف ہیں۔ فجر کی دو عصر عشا کی چار مغرب کی تین۔ مگر کوئی فرض نماز ارکان نماز یا دعا وغیرہ
میں دوسری نماز سے مختلف نہیں۔ سب کے ارکان و دعائیں وغیرہ یکساں ہیں۔ تو جب چار نمازوں میں قنوت
نازل نہیں چاہیئے کہ فجر کے فرضوں میں بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جماعت فرائض میں دعائیں اور ذکر مختصر ہیں
نوافل میں ان کی آزادی ہے۔ دیکھو رکوع سے اٹھتے وقت ایسا نمازی سمع اللہ لمن حمد کا بھی کہتا ہے
اور رَبَّنَا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ۔ تو امام رَبَّنَا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ کہتا
صرف سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَكَ کہتا ہے اور مقتدی اس کے برعکس کہ رَبَّنَا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ کہتا ہے
مگر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَكَ نہیں کہتا۔ جب ان نمازوں میں اس قدر اختصار مطلوب ہے
تو فجر کے رکوع کے بعد آخری دراز یعنی دعاء قنوت نازل پڑھنا مقصد شرع کے بالکل خلاف ہے تیسرے
یہ کہ نماز خصوصاً فرائض پنجگانہ کے ارکان ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے چاہئیں۔ قیام کے بعد
نوا سجود اور سجود کے بعد فوراً قیام یا سجدہ ان میں فاصلہ کرنا مقصد شرع کے خلاف ہے رکوع فجر کے بعد
جو قوم ہے۔ اس میں صرف سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَكَ کے بعد پڑھنا چاہیئے۔ اگر اس میں قنوت نازل
پڑھی گئی تو سجدہ میں جو نماز کا اعلیٰ رکن ہے۔ ویرانگی کی تاخیر فرض اگر بھول کر ہو تو سجدہ سہو واجب کرتی ہے
اور اگر عمدہ ہو تو نماز فاسد کرتی ہے لہذا اندرون نماز قنوت نازل نہ پڑھنا چاہیئے تاکہ نماز کے ارکان
میں اتصال رہے۔

مسئلہ فقہی۔ مذہب حنفی یہ ہے کہ جنگ یا دوسری آفات عامہ کے موقع پر بہتر یہ ہی ہے کہ قنوت نازلہ خارج نماز پڑھے تاکہ صحابہ کرام کے اختلاف سے بچا رہے کیونکہ بعض صحابہ آفات و جنگوں کے موقع پر قنوت نازلہ پڑھتے تھے بعض اسے بالکل منسوخ مانتے تھے لیکن اگر فجر کے فرضوں کی دوسری رکعت میں رکوع کے قنوت نازلہ پڑھے تو اگرچہ اچھا نہ کیا۔ مگر جائز ہے۔ ضرورت سے ممنوعات مباح ہو جاتے ہیں لیکن آہستہ پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے۔ فجر کے سوا کسی اور نماز میں پڑھے گا۔ تو نماز فاسد ہو جاوے گی۔ کیونکہ اس نے بلا وجہ عمداً مسجد میں تاخیر کر دی تاخیر فرض مفسد نماز ہے۔

ایک شبہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت عامہ یا جہاد کے موقع پر ہر جہری نماز یعنی فجر مغرب عشاء میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیے کیونکہ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں ہے۔

قَنَتَ الْاِمَامُ فِي صَلَوةِ الْجَهْرِ وَهُوَ
قَوْلُ الشُّرَحِيِّ وَاحْمَدُ

اس موقع پر امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے
امام ثوری و احمد کا یہی قول ہے۔

پنجاب میں بہت روز تک بعض جاہل اماموں نے اسی دلیل سے مغرب و عشاء فجر بلکہ نماز میں قنوت نازلہ پڑھ کر لوگوں کی نماز میں برباد کیں۔

شبہ کا ازالہ۔ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں یہاں کاتب نے غلطی سے سجائے فجر کے جہر لکھ دیا ہے یعنی ف کو جیم بنا دیا۔ چنانچہ اسبابہ والفاظ میں اس جگہ سجائے صلوٰۃ الجہر کے صلوٰۃ الفجر ہے اور طحاوی علی ورائی اور علامہ ابن عابدین شامی نے منہج الخلفاء علی بحر الرائق میں فرمایا۔

وَلَعَلَّهُ مُحَرَّرٌ عَنِ الْفَجْرِ

شاید کہ لفظ جہر فجر سے بگڑ کر بن گیا ہے

طحاوی کی عبارت یوں ہے

وَالَّذِي يُظْهِرُ لِي اَنْ قَوْلِي فِي الْبُحْرَانِ
نَزَلَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ نَازِلَةً قَنَتَ الْاِمَامُ
فِي صَلَوةِ الْجَهْرِ تَجْرِيفٌ مِنَ النَّاسِ
وَصَوَابُهُ الْفَجْرُ

بحر الرائق نے جو فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت پڑے تو امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے میرا خیال ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہاں فجر ہے۔

ہم نے بہت اختصار سے اس کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے اگر قنوت نازلہ کی زیادہ تحقیق

کہنا ہو تو۔ ہمارا فتاویٰ تعمیمہ ملاحظہ فرمادیں۔ چونکہ اب دہلوی بھی بعض جگہ قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس لیے وہاں اس مسئلہ پر کچھ جم کر بحث کر دی گئی ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد و تابعوں کی طرف سے اب تک جس قدر اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں وہ ہم نہایت دیانتداری سے مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی نیا شبہ نظر سے گزرا تو ان شاء اللہ اس کا جواب بھی عرض کر دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ تم نے قنوت نازلہ نہ پڑھنے کی جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ اور ضعیف حدیثوں سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ (پرانہ سبق)

جواب۔ اس کے جوابات ہم بار بار دے چکے ہیں۔ اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ہم یہ آیت و احادیث مسائل کی تائید کے لیے پیش کرتے ہیں۔ احادیث یا آیات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی واپس ہیں۔ ان کی احادیث کی یہ اسنادیں نہیں۔ ان کی اسناد تہایت مختصر اور کمزوری محسوس ہوتی ہے جس میں دو تین راوی ہوتے ہیں۔ وہ بھی نہایت ثقہ اس باب کی پہلی

فصل میں آپ حدیث نمبر ۱۸ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ امام صاحب کی اسناد صرف دو راوی ہیں۔ عطیہ عوفی البوسیدی خدری اور حدیث نمبر ۵ میں صرف چار راوی ہیں۔ ابان ابن عیاش۔ ابیہیم غنمی علقمہ ابن مسعود۔ تباؤ ان میں کون ضعیف ہے۔ چونکہ امام صاحب کا زمانہ خیر القرون میں سے ہے۔ ان کی احادیث کی اسنادوں میں بہت کم راوی ہیں۔ لہذا وہاں ضعیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ضعیف تالیس وغیرہ بیماریاں بعد میں لگیں۔ ہاں تمہاری کسی روایت کا ضعیف ہونا تمہارے لئے قیامت ہے کہ یہی روایتیں تمہاری واپس ہیں۔ جن پر تمہارے مذہب کا دار و مدار ہے۔ اور تمہارا زمانہ حضور سے بہت دور تمہاری روایتوں کی اسنادیں بہت لمبی جن میں ہر طرح کی بیماریاں موجود ہیں۔ لہذا ضعیف کی رٹ سے کسی غیر مقلد کو ڈراؤ۔ حنفی کے لیے اس سے کچھ خطرہ نہیں۔ باقی جوابات وہ ہیں۔

جو ہم پہلے بالوں میں عرض کر چکے ہیں۔ ہم نے ہر حدیث کی بفصلہ تعالیٰ اتنی اسنادیں پیش کی ہیں کہ وہ اس حدیث حسن ہو گئیں۔ منعف جاتا رہا۔

اعتراض نمبر ۲۔ ابن ماجہ نے روایت کی کہ کسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضور نے کب قنوت پڑھی تو جواب دیا۔

حضور نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھی اور بعد بھی۔

قَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ وَفِي رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس حدیث میں قنوت نازلہ کا ذکر نہیں اور صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث دعاء قنوت کے تحت میں لائے ہیں جو توروں میں پڑھی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دعاء قنوت مراد ہے۔ لہذا آپ کا استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضور نے ہمیشہ پڑھی۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضور نے قنوت نازلہ صرف ایک یا سوا ماہ پڑھی۔ پھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی۔ لہذا یہ حدیث منسوخ ہے اور منسوخ سے دلیل پکڑنا سخت مجرم۔ تیسرے یہ کہ اگر اس حدیث میں قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو اس میں یہ فیصلہ نہ فرمایا گیا کہ رکوع سے پہلے پڑھی یا بعد میں۔ تو تم نے بعد رکوع کا فیصلہ کیسے کر لیا۔ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے اس کی اسناد مجروح ہے۔ اس ہی لئے اسے مسلم و بخاری نے نہ لیا۔ مسلم و بخاری کی روایتیں اس کی خلاف ہیں۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔ لہذا یہ حدیث مجروح ہے غرضیکہ یہ حدیث تمہارے لیے کسی طرح حجت نہیں۔

اعتراض نمبر ۳۔ طحاوی شریف نے بہت سی اسنادوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اتنی اسنادوں والی روایت ضعیف نہیں ہو سکتی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ يَقْرَأُ مِنْ صَلَاةِ الْغُجْرِ مِنْ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر کی قراۃ سے فارغ ہوتے اور کہیں کہ رکوع کرتے اور رکوع

الْقَرَاءَةِ وَيُكَبِّرُ وَيُذَكِّرُ مَا اسْمُهُ وَيَقُولُ سَمِعَ
اللَّهُ لِسَانَ حِمْدِكَ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ اللَّهُمَّ
اَنْجِ الْوَلِيدَ ابْنَ الْوَلِيدِ الْهـ

سے مبارک اٹھاتے۔ اور مع اللہ لمن حمدہ فرماتے
تو کھڑے ہوتے۔ یہ دعا پڑھتے اسے اللہ ولید
ابن ولید کو نجات دے الھ

طحاوی شریف حقیوں کی کتاب ہے اس سے قنوت نازلہ کا ثبوت ہے۔

جواب: شاید آپ نے طحاوی شریف کے اس ہی صفحہ پر حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکر کی یہ روایت
نہ دیکھی۔ اور دیکھتے بھی کیے یہ آپ کے خلاف ہوتی۔ ملاحظہ ہو۔ آخری الفاظ۔

فَاَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ كَيْسَ لَتَمِّنَ الرَّاهِطُ
شَيْئًا فَمَادَعَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بِدُعَاءٍ عَلَى أَحَدٍ

حضور فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ پس یہ آیت
اوتری "لیس لك" الہ اس کے بعد حضور نے کبھی کسی
پر نماز میں بدو دعا نہ فرمائی۔

لہذا آپ کی پیش کردہ تمام احادیث اس آیت کریمہ سے منسوخ ہیں۔ اور منسوخ احادیث اپنی
دلیل میں پیش کرنا آپ جیسے بزرگوں کا ہی کام ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے زمانہ میں فجر
میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت نازلہ پڑھنا منقول
ہے۔ ایسے جلیل القدر صحابہ کا قنوت نازلہ پڑھنا اس کے سنت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں الزامی اور تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ روایات تمہارے بھی
خلاف ہیں۔ کیونکہ ان میں بحالت جنگ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کفار کے زمانہ میں اور
حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج یا بغاۃ کی جگہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ امن کے زمانہ میں نہیں پڑھتے
مگر تم ہمیشہ پڑھتے ہو۔ تم نے آج تک کفار سے کتنی جنگیں کیں۔ تم نے مسلمانوں کو مشرک بنانے اور مسلمانوں
سے لڑنے کے سوا کون سے جہاد کیئے۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں کہ قنوت نازلہ کے متعلق صحابہ کرام میں
اختلاف رہا۔ بعض صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے اور بدعت فرماتے تھے جیسے حضرت ابو مالک
اشجعی رضی اللہ عنہ جیسا کہ ہم بحوالہ انسائی وابن ماجہ پہلی فصل میں عرض کر چکے اور بعض صحابہ کرام بحالت جنگ
قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہما اس لئے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں۔

کہ اب بھی بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں۔ لیکن ہمیشہ پڑھنا کسی صحابی کا قول نہیں ہماری ساری گفتگو ہمیشہ پڑھنے کے متعلق ہے۔ آپ کا دعویٰ کچھ اور ہے۔ دلیل کچھ اور تمام دلائلوں کو اعلان عام ہے۔ کہ ایک حدیث مرفوعہ صحیح ایسی دکھاؤ جس میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنے کا حکم یا ذکر ہوا نہ ہو اللہ قیامت تک نہ ملے گی۔ لہذا کیوں خدا کرے میں منکر بن کر صحیح نمازیں پڑھا کرو۔

نتیجہ

وتر میں دعاء قنوت ہمیشہ پڑھو

چونکہ غیر منقولہ دینی دتروں میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنے کو منع کرنے ہیں۔ صرف آخری پندرہ رمضان میں دعاء قنوت پڑھتے ہیں۔ ہم سنی سال بھر تک پڑھتے ہیں۔ اس لیے بطور اختصار کچھ اس کے متعلق بھی عرض کرنا ہوں۔ ہمیشہ دعاء قنوت دتر کے آخر رکعت میں قراءۃ کے بعد رکوع سے پہلے پڑھنا سنت ہے۔ اس کے خلاف کرنا سخت بُرا ہے۔ اس حدیث سے لائحہ عمل ہوں۔

حدیث نمبر ۱۷۰۲۔ امام محمد نے آثار میں اور حافظ ابن خسر و محدث نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

اِنَّهٗ كَانَ يَقْنُتُ السَّنَةَ كُلَّهَا فِي الْوُتْرِ قَبْلَ التَّكْوِيْعِ

کہ آپ دتروں میں تمام سال رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۷۰۳۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت سید ابن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيًّا يَقُولُوْنَ قَنَتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاٰخِرِ الْوُتْرِ وَكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی علی مرتضیٰ سے سنا کہ وہ سب حضرات فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی آخری رکعت میں دعاء قنوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہ بھی یہ ہی کرتے تھے۔

۔۔۔

حدیث نمبر ۱۷۰۴۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ

عنه سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي الْخَيْرِ قَوْلَهُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ الْخَيْرِ

يَقِينًا حُضُورَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ الْخَيْرِ وَتَرْجُوهُ تَقِيَةً - اللهم ان اَعُوذُ بِكَ الْخَيْرِ

یہ احادیث بطور نمونہ عرض کروں۔ ورنہ اس بارے میں احادیث بہت ہیں۔ ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضور نے یا صحابہ کرام نے صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھی آگے پیچھے نہ پڑھی۔ بلکہ سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صراحت منقول ہوا کہ آپ سارا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ سارا سال و تروں میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنا حضور کی بھی سنت ہے اور صحابہ کرام کی بھی۔

خیال رہے۔ کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنے کی صرف ایک حدیث ہے جو ابو داؤد نے حضرت حسن بصری سے روایت کی الفاظ یہ ہیں۔

أَنَّ عَمْرًا ابْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ كَعْبٍ فَكَانَ يَصِلُ بِهِمْ عِشْرَتَيْنِ لَيْلَةً وَلَا يَقْنَتُ بِهِمْ إِلَّا فِي النِّصْفِ الْبَاقِي

حضرت عمر ابن خطاب نے لوگوں کو ابی ابن کعب پر جمع کر دیا وہ انہیں بیس رات تراویح پڑھانے تھے۔ اور قنوت نہ پڑھتے تھے مگر باقی آدھے رمضان میں۔

غیر مقلد کہتے ہیں کہ آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اسے وہابیو! تمہارا پورا حدیث پر ایمان ہے یا آدمی پر۔ اگر آدمی پر ہے تو کیوں۔ اور اگر پوری پر ہے۔ تو اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابی ابن کعب تمام صحابہ کو بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ تم آٹھ تراویح ہمیشہ کیوں پڑھتے ہو۔ صرف بیس رات کیوں نہیں پڑھتے اس قسم کی حرکات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔

أَفْتَوْا مَنْ بَعْضُ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُكَ بَعْضُ

کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

اگر اس حدیث سے پندرہ دعاء قنوت ثابت ہوتی ہے۔ تو بیس رکعت تراویح صرف بیس رات بھی ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دعاء قنوت کا ذکر نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دعا کوئی اور ہوگی۔ جس میں کفار کی ہلاکت کی دعا لگئی ہو۔ چونکہ اس زمانہ میں کفار سے جہاد بہت زیادہ ہوتے تھے تو صحابہ کرام آخر رمضان میں جسمیں شب قدر بھی ہے۔ اعتکاف کی راتیں بھی کفار کی ہلاکت اور اسلام کی فتح کی دعائیں کرتے ہوں گے۔ اگر اس سے دعاء قنوت مراد ہو تو یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہوگی۔ جو ہم پیش کر چکے ہیں میں فرمایا گیا کہ صحابہ کرام سالہا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے جہاں تک ہو سکے احادیث میں تعارض پیدا نہ ہونے دیا جاوے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی پندرہ دن دعاء قنوت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ابی ابن کعب نے میں رات تراویح پڑھائیں۔ جن میں سے آخری نصف میں دعاء قنوت پڑھی تو حساب سے کل دن یعنی دسویں رمضان سے بیس رمضان تک دعاء قنوت ہوتی تم پندرہویں سے تیس تک کیوں پڑھتے ہو۔

ہمارا اعلان۔ ہم تمام دنیا کے دہائیوں کو اعلان کرتے ہیں کہ کوئی حدیث مرفوعہ صحیح مسلم بخاری کی ایسی پیش کرو۔ جس میں پندرہ دن دعاء قنوت کا حکم ہو۔ آگے سمجھے بڑھنے کی ممانعت ہو۔ قیامت تک نہ لاسکو گے لہذا اپنے موجودہ عمل سے توبہ کرو اور ہمیشہ دعاء قنوت پڑھا کرو۔ ہمیشہ رب سے دعا مانگنے سے شرم نہ کرو۔

نواں باب

التحیات میں بیٹھنے کی کیفیت

مرد کے لیے سنت یہ ہے کہ دونوں التحیات میں داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ عورت دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور زمین پر بیٹھے۔ بائیں غیر مقلد پہلی التحیات میں تو مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں۔ مگر دوسری میں عورتوں کی طرح یہ سنت کے خلاف ہے اور بہت بُرا اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں

اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات

پہلی فصل

التحیات میں خواہ پہلی ہو یا دوسری مرد و اہنا پاؤں کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا سر کعبہ کی طرف
بایاں پاؤں بچھائے اس پر بیٹھا اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔
حدیث نمبر ۱۔ مسلم شریف نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل
حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى
آپ اپنا بایاں پاؤں شریف بچھاتے تھے اور داہنا
پاؤں کھڑا فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۲ و ۳۔ بخاری و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ إِنَّمَا السُّنَّةُ فِي الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتُثْنِي الْيُسْرَى زَادَا
سنت یہ ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرے۔ اور
بایاں پاؤں بچھائے نسائی میں یہ زائد ہے کہ واہنے
پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کرے۔

حدیث نمبر ۴ تا ۷۔ بخاری شریف۔ مالک۔ ابو داؤد۔ نسائی نے سیدنا عبداللہ ابن عبداللہ

ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعین سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَرِي عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ يَتَرَكِبُ فِي الصَّلَاةِ إِذَا جَكَسَ قَالَ فَعَلْتَهُ وَأَنَا
يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السَّيِّئِ فَهَلَانِي عَبْدُ اللَّهِ
ابْنُ عُمَرَ وَقَالَ سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتُثْنِي رِجْلَكَ الْيُسْرَى
فَقُلْتُ لَهُ أَنْتَ تَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَالَ
إِنَّ رِجْلِي لَا تَحْدِلَانِي۔

کہ وہ اپنے والد عبداللہ ابن عمر کو دیکھتے تھے کہ
آپ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک
دن میں بھی ایسے ہی بیٹھا۔ اس وقت میں نو عمر تھا
تو مجھے حضرت عبداللہ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ
نماز کی سنت یہ ہے کہ تم داہنا پاؤں کھڑا کرو اور بایاں
پاؤں بچھاؤ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کرتے ہیں۔ یعنی چہار
زانو بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا
سکتے (یعنی معذوری ہے۔)

حدیث نمبر ۹۰۸۔ نزہی شریف اور طبرانی نے حضرت وائل بن حجر سے روایت کی۔

قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ قَدْتُ

لَا نَظَرْتُ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَلَسْتُ كُنْتُ لِلتَّشَهُدِ

اِفْتَرَشْتُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَوَضَعْتُ يَدَهُ

الْيُسْرَى عَلَى فَخْذِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبْتُ

رِجْلَهُ الْيُمْنَى۔

فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں نے دل میں کہا کہ میں

حضور کی نماز دیکھوں گا۔ جب آپ نماز میں بیٹھے

یعنی التحیات میں تو آپ نے اپنا بائیں پاؤں

بچھا دیا اور بائیں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دایاں

پاؤں کھڑا کر دیا۔

حدیث نمبر ۱۳۱۰۔ امام احمد۔ ابن حبان۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَإِذَا اجْلَسْتَ فَاجْلِسْ عَلَى فَخْذِ

كَ الْيُسْرَى۔

پھر جب تم بیٹھو تو اپنی بائیں ران پر

بیٹھو۔

حدیث نمبر ۱۴۲۰۔ طحاوی شریف نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّهُ كَانَ يُسْتَحَبُّ إِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ

فِي الصَّلَاةِ أَنْ يَفْتَرَشَ قَدَمَهُ

الْيُسْرَى عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَجْلِسَ عَلَيْهَا

آپ مستحب جانتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا

بایاں پاؤں بچھائے زمین پر اور اس پر

بیٹھے۔

حدیث نمبر ۱۵۰۰۔ ابوداؤد شریف نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ

الْيُسْرَى حَتَّى أَسْوَدَ ظَهْرُ قَدَمِهِ۔

وہ فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز

میں بیٹھے تو اپنا بائیں پاؤں بچھاتے تھے یہاں

تک کہ اس قدم شریف کی پشت سیاہ ہو گئی تھی۔

حدیث نمبر ۱۶۰۰۔ بیہقی شریف نے سیدنا ابوسعید خدری سے ایک دراز حدیث نقل کی۔

جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَإِذَا اجْلَسَ فَلْيَنْصِبْ رِجْلَهُ الْيُمْنَى

وَلْيُحْفِظْ رِجْلَهُ الْيُسْرَى۔

جب نماز میں بیٹھے تو اپنے دایاں پاؤں کو

کھڑا کرے اور بائیں پاؤں بچھائے۔

حدیث نمبر ۱۷۰۔ طحاوی شریف نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

میں نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ میں کہا کہ میں حضور کی نماز یاد کروں گا۔ فرماتے ہیں کہ جب حضور التحیات کے لیے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا۔ پھر اسی پر بیٹھ گئے۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَا أَحْفَظُ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ فَرَشَ رِجْلَهُ الْبُسْرَى ثُمَّ قَعَدَ عَلَيْهَا۔

حدیث نمبر ۱۸۰۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

جب حضور التحیات کیلئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور دامن پاؤں اس کے سینے پر کھڑکایا اور التحیات پڑھتے تھے۔

فَإِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ اصْطَجَعَ رِجْلَهُ الْبُسْرَى وَنَصَبَ الْيَمْنَى عَلَى صَدْرِهَا وَيَتَشَهَّدُ۔

یہ اٹھارہ حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ اس بارے میں بہت حدیثیں ہیں۔ ان تمام حدیثوں میں مطلق التحیات کا ذکر ہے۔ اول آخر کی قیہ نہیں معلوم ہو کہ مرد و التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے عورتوں کی طرح دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر نہ بیٹھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دوسری التحیات میں بھی بائیں پاؤں پر بیٹھے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی التحیات میں مرد بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ اور دو سجدوں کے درمیان میں اسی طرح بیٹھے آخری التحیات میں وہ بائیں پاؤں کا اختلاف ہے۔ پہلی التحیات میں بیٹھنا واجب ہے۔ اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض۔ دوسری التحیات میں بیٹھے کو اگر فرض مانتے ہو تو اسے سجدوں کی درمیانی نشست کی طرح ہونا چاہیے یعنی بائیں پاؤں پر اور اگر اس نشست کو واجب مانا جاوے تو اسے پہلے التحیات کی نشست کی طرح ہونا چاہیے یعنی بائیں پاؤں پر یہ کیا کہ وہ دونوں نشستیں بائیں پاؤں پر ہوں۔ اور یہ آخری نشست زمین پر دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اس نشست کی مثال نماز میں نہیں ملتی غرضیکہ بائیں پاؤں پر بیٹھنا قرین قیاس ہے اور زمین پر سرین رکھ کر بیٹھنا عقل و نقل سب کے ہی خلاف ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ خیال رہے کہ عورت زمین پر سرین رکھ کر دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر ضرور بیٹھتی ہے مگر

وہ پہلی التحیات میں بھی ایسے ہی بیٹھتی ہے اور دو سجدوں کے بیچ میں بھی اسی طرح ہنڈا اس کا اس طرح بیٹھنا قرین قیاس ہے کہ اس کی ہر نشست اسی طرح ہے۔ غرضیکہ عورتوں کی ہر نشست زمین پر ہے۔ مردوں کی ہر نشست بائیں پاؤں پر نہ معلوم وہ بایوں کی یہ دورنگی ابلقی نشست کس میں شامل ہے

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں غیر مقلدوں کے جس قدر دلائل ہم کو مل سکے ہیں۔ ہم انہیں مع جوابات پیش کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین۔

اعتراف نمبر ۱۔ طحاوی شریف نے حضرت یحییٰ ابن سعید سے روایت کی۔

کہ قاسم ابن محمد نے اون لوگوں کو نماز میں بیٹھنا دکھایا تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کیا۔ اور بائیں پاؤں بچھایا اور اپنے بائیں سر پر بیٹھے۔ آپ دونوں قدموں پر نہ بیٹھے۔ پھر قاسم نے فرمایا کہ یہ ہی مجھے عبد اللہ ابن عبد اللہ ابن عمر نے دکھایا اور مجھے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عبد اللہ ابن عمر ایسا ہی کرتے تھے۔

أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ أَرَاهُمُ الْجُلُوسَ
فَنَصَّبَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى وَشَتَّى رِجْلَهُ الْيُسْرَى
وَجَلَسَ عَلَى وَرَكَبِ الْيُسْرَى وَلَمْ يَجْلِسْ
عَلَى قَدَمَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَرَأَيْتُمْ هَذَا عَبْدُ
اللَّهِ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدَّثَ شَيْئًا
أَنَّ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَفْعَلُ
ذَٰلِكَ۔

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر زمین پر بیٹھنا سنت صحابہ ہے اور صحابہ کرام نے یہ عمل اسی لئے کیا کہ حضور کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہوگا۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبد اللہ ابن عمر نماز کی ہر التحیات میں اس ہی طرح بیٹھتے تھے۔ مگر تم کہتے ہو کہ پہلی التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ دوسرے میں اس طرح بیٹھے۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث اس روایت کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ کہ سیدنا عبد اللہ ابن عمر دونوں التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے وہ حدیث نہایت قوی تھی۔

یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے۔ قیاس شرعی کے بھی خلاف اور حسب سنیوں میں تعارض ہو تو جو حدیث قیاس شرعی کے موافق ہوگی اُسے ترجیح ہوگی۔

تفسیر یہ کہ اس حدیث سے تہا قول ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں یہ تصریح نہیں کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ زمین پر سرین رکھ کر بیٹھتے تھے یہ ہے کہ دونوں قدروں پر نہ بیٹھتے تھے واقعی نمازی دونوں قدروں پر نہیں بیٹھتا۔ بلکہ صرف ایک قدم یعنی بائیں پر بیٹھتا ہے۔ لہذا اس میں تہا کی کوئی دلیل نہیں۔

اعتراف نمبر ۲۔ طحاوی شریف اور ابو داؤد نے محمد ابن عمرو ابن عطاء سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کا ملخص یہ ہے۔

سَمِعْتُ أَبَا حَمِيدَ السَّاعِدِيِّ فِي عَشْرَةٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَنَّهُ كَانَ فِي الْجُلُوسَةِ الْأُولَى يُثْنِي رَجُلَهُ الْيَسْرَى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا حَتَّى إِذَا كَانَتْ السَّجْدَةُ الَّتِي يَكُونُ فِي آخِرِهَا التَّسْلِيمِ آخَرُ رَجُلَهُ الْيَسْرَى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ فَقَالُوا تَسْبُعًا صَدَقْتَ۔

میں نے ابو حمید ساعدی کو دس صحابہ کرام کی جماعت میں فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سب میں حضور کی نماز کو زیادہ جانتا ہوں۔

فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلی التحیات میں اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پر بیٹھتے تھے۔ جب وہ سجدہ فرمالیتے۔ جس کے آخر میں سلام ہے تو اپنا بایاں پاؤں ایک جانب نکال دیتے اور اپنے بائیں سرین پر زمین پر بیٹھتے تو صحابہ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔

اس حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا کہ پہلی التحیات میں پاؤں پر اور دوسری التحیات میں زمین پر بیٹھنا سنت ہے اور ابو حمید ساعدی نے یہ حدیث دس صحابہ کی جماعت میں ذکر کی اور ان سب نے اس کی تصدیق فرمائی معلوم ہوا کہ عام صحابہ کا وہ ہی طریقہ تھا۔ جس پر ہم عامل ہیں۔ (یہ غیر مقلد دیباہوں کی مایہ ناز حدیث ہے)

جواب۔ یہ حدیث ضعیف ہی نہیں۔ بلکہ محض گڑھی ہوئی ہے کیونکہ اس کا راوی محمد ابن عمرو ابن عطاء ہے۔ جو بہت جھوٹا ہے۔ وہ کہتا تھا۔ سَمِعْتُ أَبَا حَمِيدٍ دَا بَا قْتَادَةَ مِّنْ أَبِی حَمِيدٍ اور ابو قتادہ سے سنا۔ حالانکہ حضرت ابو قتادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ انہی کے زمانہ

میں شہید ہوئے حضرت علی نے ہی ابو قتادہ کی نماز جنازہ پڑھی اور محمد ابن عمر و خلافت سیدری کے بعد پیدا ہوا۔ پھر ابو قتادہ سے کیے لا۔ ایسا جھوٹا آدمی بہتر قابل اعتبار نہیں۔ نہ اُس کی حدیث قابل عمل ہے و کیسے طحاوی شریف اسی باب کا آخر۔

ابو حمید ساعدی کی صحیح حدیث وہ ہے جو طحاوی شریف نے اسی باب میں بروایت عباس ابن سہیل روایت کی جو ہم پہلے فصل میں بیان کر چکے جس میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بائیں پاؤں بچھا کر اوس پر بیٹھتے اور التحیات پڑھتے تھے۔ افسوس ہے کہ آپ ایسی واہی اور ضعیف بلکہ جھوٹے راویوں کی روایتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ اور جو جب حنفی اپنی تائید میں صحیح حدیث پیش کریں تو اس پر جیلوں بہانوں سے ضعیف ضعیف کی رٹ لگاتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تب بھی گذشتہ اُن احادیث کے خلاف ہوگی جو ہم عرض کر چکے ہیں۔ ہماری تمام احادیث چونکہ قیاس شرعی کی تائید سے قوت حاصل کر چکیں۔ لہذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث بالکل ناقابل عمل۔

اغتراض نمبر ۳۔ نزدیکی شریف نے عباس ابن سہیل ساعدی سے روایت کی۔

ایک بار ابو حمید البواسید۔ سہیل ابن سعد اور محمد ابن مسلمہ جمع ہوئے۔ انہوں نے حضور کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابو حمید فرمانے لگے کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں حضور التحیات کے لیے بیٹھے تو آپ نے اپنا بائیں پاؤں بچھا دیا اور داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کر دیا اور اپنی داہنی ہتھیلی داہنے گھٹنے پر رکھی بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی دکھنے کی اونگھی اسے اشارہ فرمایا۔

قَالَ اجْتَمَعَ أَبُو حَمِيدٍ وَالْبُؤْسَيْدُ وَ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمَةَ فَذَكَرُوا صَلَوةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو حَمِيدٍ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَوةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْنِي لِلتَّشَهُّدِ وَأَفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَأَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنَى عَلَى قِبْلَتِهِ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَلَى رِجْلَتِهِ الْيُمْنَى وَكَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى رِجْلَتِهِ الْيُسْرَى وَأَشَارَ بِأَصْبَعِهِ يَغْنِي سَبَابَةَ۔

اُس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ہی طرح التحیات میں بیٹھتے تھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں۔ ورنہ آپ کے داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف نہ ہوتا۔ بلکہ یہ پاؤں کھڑا ہوتا۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر احتیات میں زمین پر بیٹھتے تھے۔ تم پہلی احتیات میں تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہو۔ دوسری میں زمین پر۔ یہ کیوں جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہو گا اپنی فکر کرو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری دوسری احتیات میں تین کام ہوتے ہیں۔ بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا تعجب ہے کہ اسے آپ نے اپنی تائید میں کیسے سمجھ لیا یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ داہنے پاؤں کے سینے کا قبلہ کی طرف ہونا تمہارے بھی خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے نیز خود انہی ابو سعید ساعدی سے اس کے خلاف بھی منقول ہے وہ تمام احادیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل اور خود اس فصل میں عرض کر چکے۔ لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں اور یہ ناقابل عمل۔

چوتھے یہ کہ اس ہی ترمذی میں اس ہی جگہ حضرت ابو داؤد کی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں حنفیوں کی طرح بیٹھنا مذکور ہے اس کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور فرمایا کہ اکثر علماء کا اس پر عمل ہے۔ آپ نے ایسی صحیح و صاف حدیث کو کیوں چھوڑا اور مجمل حدیث پر کیوں عمل کیا جو آپ کے بھی موافق نہیں معلوم ہوا کہ آپ حدیث کے متبع نہیں۔ اپنی رائے اباع کرتے ہیں آپ اپنا نام اہل حدیث نہیں۔ بلکہ اہل رائے یا اہل ضد رکھیں۔

اعتراف نمبر ۴۔ بائیں پاؤں پر بیٹھنے کے متعلق آپ نے جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ قابل حجت نہیں (پرلہذا سبق)

جواب۔ کہ حنفی کو آپ اس منتر سے نہ ڈرایا کریں۔ حنفی پر روایت کے ضعیف ہونے کا کوئی

اثر نہیں پڑتا۔ حنفی سمجھہ تعالیٰ اتنی حد میں پیش کرتے ہیں کہ اگر فرض محال وہ سب ضعیف بھی ہوں۔ تو بھی قوی ہو جاویں۔ نیز امام اعظمؒ جیسے جلیل القدر مجتہد سراج امت کا قبول فرمالینا ہی اس کو قوی کرنے کے لیے کافی ہے۔ حنفی مذہب کی دلائل یہ روایات نہیں۔ یہ تو ناٹیدیں ہیں۔ حنفیوں کی دلیل قول امام ہے ہمارا ایمان کتاب پر بھی ہے۔ سنت پر بھی اور اجتماع امت و قیاس مجتہد پر بھی ہمارے سامنے یہ آیت کریمہ ہے۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ
أُذِلِّي الْأَمْرَ مِنْكُمْ

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے
میں سے امر والوں (مجتہدین امت) کی

دسواں باب

بین رکعت تراویح

ہم میں رکعت تراویح کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ چکے ہیں جس کا نام ہے۔ لمعات المصابیح علی رکعات التراویح جس میں بہت تفصیل سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس کتاب کو مکمل کرنے کے لیے کچھ بطور اختصار یہاں عرض کیا جاتا ہے۔ جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ ہمارا مذکورہ رسالہ ملاحظہ کرے۔ خیال رہے کہ ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ تراویح آٹھ رکعت نہیں۔ ہاں اکثر مسلمان میں پڑھتے ہیں اور بعض مسلمان چالیس التبیغ غیر مقلد و باہلی وہ فرقہ ہے۔ جسے نماز گاہ ہے محض نفس پر بوجھ سمجھ کہ تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر سو رہتے ہیں اور کچھ روایتوں کا بہانہ بناتے ہیں۔ اس لیے ہم اس مسئلہ کو دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں بین رکعت تراویح کے دلائل دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین

پہلی فصل

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت صحابہ سنت عامۃ المسلمین ہے

آٹھ رکعت تراویح خلاف سنت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱۵۔ ابن ابی شیبہ۔ طبرانی نے کبیر میں۔ بیہقی۔ عبد ابن حمید اور امام بغوی نے سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرَيْنِ رَكْعَةً
سَوَى الْوُتْرَةِ ذَاكَ الْيَوْمِ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان شریف میں
بیس رکعت پڑھتے تھے وتر کے علاوہ بیہقی نے
مزید فرمایا کہ بغیر جماعت تراویح پڑھتے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خود حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم میں رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے صرف تین دن تراویح وہاں باجماعت پڑھنا مراد ہے یعنی بغیر جماعت
تو ہمیشہ پڑھتے تھے جماعت سے صرف تین دن پڑھیں۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یہی معلوم
ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ علی العین ہے کہ حضور نے ہمیشہ پڑھیں اور لوگوں کو رعیت بھی دی۔

حدیث نمبر ۶۔ امام مالک نے حضرت یزید ابن رومان سے روایت کی۔

كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي تَرَامِينِ عُمَرَ
الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعَشْرَيْنِ رَكْعَةً

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں لوگ
تیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ دوسرے یہ کہ وتر تین رکعت

ہیں۔ اسی لئے کل تیس رکعتیں ہوتیں۔

حدیث نمبر ۷۔ بیہقی نے معزم میں صحیح اسناد سے حضرت سائب ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَقُومُ فِي عَهْدِ عُمَرَ بِعَشْرَيْنِ
رَكْعَةً وَالْوُتْرَةَ

ہم صحابہ کرام عمر فاروق کے زمانہ میں بیس رکعت
اور وتر پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۸۔ ابن مہزیب نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ عَمْرًا ابْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَهُ أَنْ تَصَلِّيَ
بِالْبَيْلِ فِي رَمَضَانَ قَالَ إِنَّ النَّاسَ يَصُومُونَ
الْفَهْرَ وَلَا يُحْسِنُونَ أَنْ يَقْرَءُوا فَلَوْ قَرَأْتَ
عَلَيْهِمْ بِالْبَيْلِ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَذَا
شَيْءٌ كَمْ يَكُنْ فَقَالَ فَقَدْ
عَلِمْتُ وَلَكِنَّهُ حَسَنٌ فَصَلَّى
بِهِمْ عَشْرَتَيْنِ رَكْعَةً

حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات میں
تراویح نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگ دن میں روزہ رکھتے
ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے بہتر یہ
ہے کہ تم ان پر قرآن پڑھاؤ رات میں حضرت ابی
نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین یہ وہ کام ہے جو اس
سے پہلے نہ تھا آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں۔
لیکن یہ اچھا کام ہے تو حضرت ابی ان کو بیس رکعتیں
پڑھائیں۔

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ عہد فاروقی سے پہلے مسلمانوں میں تراویح جاری
ہی تھی۔ مگر باجماعت اہتمام سے ہمیشہ تراویح کا رواج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوا اصل
تراویح سنت رسول اللہ ہے اور جماعت۔ اہتمام ہمیشگی سنت فاروقی ہے۔
دوسرے یہ کہ میں رکعت تراویح پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا۔ کیونکہ حضرت ابی ابن کعب نے
تمام صحابہ کو بیس رکعت پڑھائیں۔ صحابہ کرام نے پڑھیں کسی نے اعتراض نہ کیا۔
تیسرے یہ کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے کہ حضرت ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ جماعت تراویح کی
باقاعدہ جماعت اہتمام سے بدعت ہے۔ اس سے پہلے نہ ہوئی۔ فاروق اعظم نے فرمایا بالکل ٹھیک
ہے واقعی یہ بدعت ہے مگر اچھی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کام حضور کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اگرچہ عہد صحابہ میں رائج ہو کہ تراویح
کی جماعت اگرچہ زمانہ فاروقی میں ہوئی۔ مگر اسے بدعت حسنہ فرمایا گیا۔

حدیث نمبر ۹۔ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابو عبد الرحمن سلمیٰ سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيَّ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ دَعَا الْقُرَّاءَ فِي رَمَضَانَ
رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرَاوِيحَاتٍ عَشْرَتَيْنِ
رَكْعَةً وَكَانَ عَلِيٌّ يُؤْتِرُهُمْ

کہ علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں
کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت
پڑھاؤ حضرت علیؓ انہیں وتیر پڑھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۰۔ بیہقی شریف نے حضرت ابو الحسناء سے روایت کی۔

أَنَّ عَلَى ابْنِ أَبِي طَالِبٍ أَمْرًا وَجَلًّا يُبْصَلِّي
بِالنَّاسِ خَمْسَ نَوَافِلٍ عَشْرِينَ رَكْعَةً

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ
لوگوں کو پانچ ترویجے یعنی بیس رکعت پڑھائیں

بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی گئیں ورنہ بیس رکعت کی احادیث بہت ہیں۔ اگر شوق ہو تو

ہماری لمحات المصاحیح اور صحیح الہامی ملاحظہ کریں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہوں نہ کہ آٹھ چند وجوہ سے ایک یہ

کہ دن رات میں بیس رکعت فرض و واجب ہیں۔ ۷ رکعت فرض تین رکعت واجب ماہ رمضان
میں بیس تراویح پڑھی جاویں۔ ان رکعات کی تکمیل اور مدارج پڑھانے کے لیے لہذا آٹھ رکعت تراویح
بالکل خلاف قیاس ہیں۔

دوسری یہ کہ صحابہ کرام تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے تھے بلکہ قرآن کریم کے رکوع
کو رکوع اس ہی لیے کہتے ہیں۔ کہ اتنی آیات پر حضرت عمر و عثمان و صحابہ کرام رکوع میں رکوع کرتے
تھے۔ اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن ہوا تھا۔ آٹھ رکعت ہوتیں تو چاہیے تھا کہ قرآن کریم
کے رکوع کل دو سو سو^{۱۶} ہوتے۔ حالانکہ قرآن کریم کے کل رکوع ۵۵۷ ہیں بیس رکعت کے حساب
سے ۵۴۰ رکوع ہوتے ہیں۔ کوئی وہابی صاحب آٹھ رکعت تراویح مان کر قرآن کریم کے رکوع
کی تعداد کی وجہ بیان فرماویں۔

تیسرے یہ کہ تراویح ترویجہ کی جمع ہے۔ ترویجہ ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر
راحت کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو بیچ میں ایک ترویجہ ہوتا۔ اس صورت
اس کا نام تراویح جمع نہ ہوتا جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے۔

علماء اُمت کا عمل۔ ہمیشہ سے قریب ساری امت کا عمل بیس رکعت تراویح پر رہا۔
اور آج بھی ہے۔ حرمین شریف اور ساری دنیا کے مسلمان بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے ہیں۔
چنانچہ ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَا رَوَى عَنْ عَلِيٍّ وَعَمْرٍو
وَعَنْهُمَا مِنْ أَهْلِ الْحَبَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرِينَ رَكْعَةً وَهُوَ قَوْلُ

اور اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے جو حضرت عمرو
علی و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یعنی
بیس رکعت تراویح اور یہی سفیان ثوری۔ ابن مبارک

سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَأَبْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَ
قَالَ الشَّافِعِيُّ هَكَذَا أَذْكَرُ لَكَ بِكَرْمَلَةٍ
يُصَلُّونَ عَشْرِينَ رُكْعَةً

اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا فرمان ہے امام شافعی
نے فرمایا کہ ہم نے مکہ والوں کو بیس رکعت تراویح پڑھنے
پایا۔

عمدہ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ نمبر ۳۵۵ میں ارشاد فرمایا۔

قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جَمْعٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ
وَبِهِ قَالَ الْكُوفِيُّونَ وَالشَّافِعِيُّ وَكَثَرُ
الْفُقَهَاءِ وَهُوَ الصَّحِيحُ عَنْ أَبِي ابْنِ
كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِنَ
الصَّحَابَةِ

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح ہی
جمہور علماء کا قول ہے یہ ہی کوئی حضرات اور امام
شافعی اور اکثر علماء فقہاء فرماتے ہیں اور یہ ہی
صحیح ہے ابی ابن کعب سے منقول ہے اس
میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔

مولانا علی قاری شرح نقایہ میں بیس رکعت تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَصَادَرُ أَجْمَاعٍ إِبْرَارِيٍّ الْبَيْهَقِيِّ
بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ كَانُوا يُقِيمُونَ
عَلَى عَهْدِ عُمَرَ رُكْعَةً وَعَلَى
عَهْدِ عُمَانَ وَعَلَى عَشْرِينَ

میں رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔
کیونکہ بیهقی نے صحیح اسناد سے روایت کی صحابہ
کرام اور سارے مسلمان حضرت عمر و عثمان و علی
رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا
کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر مینی فرماتے ہیں۔

أَجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلَى أَنَّ التَّارَوِيحَ
عَشْرُونَ رُكْعَةً

تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح بیس
رکعت ہیں۔

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

بیس رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے۔ بیس رکعت تراویح پر عام مسلمانوں کا عمل ہے۔ بیس رکعت
تراویح حرین شریفین میں پڑھی جاتی ہیں۔ بیس رکعت تراویح عقل کے مطابق ہیں۔ بیس رکعت تراویح
قرآنی رکوعات کی تعداد کے مناسب ہیں۔ بلکہ آج حرین طیبین میں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر اب
بھی وہاں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں۔ جس کا جی چاہے ہاکر و یکدے۔ نہ معلوم ہمارے ہاں کے

وہابی غیر مقلد کس کی تقلید کرتے ہیں۔ جو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح سنت رسول کے خلاف سنت صحابہ کے خلاف سنت مسلمان کے خلاف سنت علماء مجتہدین کے خلاف سنت حرمین طیبین کے خلاف ہے۔ ہاں ہوا نفس کے مطابق ہے کہ نماز نفس امارہ پر بوجھ ہے رب تعالیٰ نفس امارہ کے پھندوں سے نکالے اور سنت رسول پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

دوسری فصل

بیس رکعت تراویح پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدوں کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں کچھ ادھام رکیکہ اور کچھ شبہات فاسدہ ہیں۔ دل تو نہیں چاہتا تھا کہ ہم ان کا ذکر کریں مگر بحث مکمل کرنے کے لئے ان کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔ اعتراض نمبر ۱۔ امام مالک نے سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ ابْنَ الْخَطَّابِ ابْنَ
ابْنِ كَعْبٍ وَتَسْلِيمَ الدَّارِمِيَّ أَنْ يَقُومَا
لِلنَّاسِ بِأَحَدِي عَشْرَةَ مَرَّةً ۖ

وہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی ابن کعب اور تسلیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔ اگر

تراویح بیس رکعت ہوتیں۔ تو کل رکعات ۲۳ بنتیں مع وتر کے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی سخت خلاف ہے۔ کیونکہ اس جہاں آٹھ تراویح کا ثبوت ہوا۔ وہاں ہی تین وتر کا بھی ثبوت ہوا تب ہی تو کل رکعتیں گیارہ ہوں گی۔ آٹھ تراویح تین وتر۔ اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو کل نو رکعتیں ہوتیں۔ نہ کہ گیارہ۔ بناؤ تم ایک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہو کیا ایک ہی حدیث کے بعض حصہ کا اقرار ہے بعض کا انکار۔ لہذا اس روایت کا جو تم جواب دو گے وہ ہی جواب ہمارا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی محمد ابن یوسف ہیں۔ ان کی روایات میں سخت اضطراب

ہے۔ موطا امام مالک کی اس روایت میں تو ان سے گیارہ رکعتیں منقول ہوئیں۔ اور محمد ابن نصر موزنی

نے انہیں سے تیرہ رکعات نقل کیں۔ محدث عبد الرزاق نے انہی سے اکیس رکعتیں نقل فرمائیں وکیعہ فتح البہاری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۸ مطبوعہ مطبع خیر مصر۔ لہذا ان کی کوئی روایت معتبر نہیں تعجب ہے کہ آپ نفس امارہ کی خواہش پوری فرمانے کے لیے ایسی واهیات روایتوں کی اثر پکڑتے ہیں۔

تفسیر سے یہ کہ عہد فاروقی میں اولاً آٹھ رکعت تراویح کا حکم ہوا۔ پھر بارہ رکعت کا پھر آخر میں بیس رکعت پر ہمیشہ کے لیے عمل ہوا۔ چنانچہ اسی موطا امام مالک میں حضرت اعرج سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی۔ جس کے آخر الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ الْقَارِي يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي ثَمَانٍ رَكَعَاتٍ فَإِذَا أَقَامَهَا فِي اثْنَيْ عَشْرَةَ رَكَعَةً دَاعَى النَّاسَ أَنَّهُ قَدْ خَفِيفٌ

قاری آٹھ رکعت تراویح میں سورہ بقرہ پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ ان پر آسانی ہو گئی۔

اس حدیث کی شرح میں مولانا علی قاری مرقاة شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

ثَبَّتَ الْعِشْرُونَ فِي ذَمِّنْ عُمَرَ وَفِي الْمُوطَا رَوَايَةُ بِأَحَدِي عَشْرَةَ رَكَعَةً وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا أَنَّهُ وَقَعَ أَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَى الْعِشْرِينَ فَإِنَّهُ الْمَتَوَاتِرُ۔

ہاں بیس کا حکم حضرت عمر کے زمانہ میں ثابت ہوا موطا شریف میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں پہلے تو آٹھ رکعت کا حکم تھا۔ پھر بیس رکعت پر تراویح کا قرار ہوا یہ ہی مسلمانوں میں رائج ہے۔

معلوم ہوا آٹھ رکعت تراویح پر عمل متروک ہے۔ بیس رکعت تراویح صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں میں معمول۔

اعتراض نمبر ۲۔ تمہاری پیش کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیس تراویح پڑھتے تھے تو حضرت عمر نے پہلے آٹھ رکعت کا حکم ہی کیوں دیا خلافت سنت حکم صحابہ کی شان سے بعید ہے

جواب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو بیس رکعات تراویح پڑھیں۔ مگر صحابہ کو اس تعداد کا مصریحی حکم نہ دیا تھا۔ صرف رمضان کی راتوں میں نماز خصوصی کی رغبت دی تھی۔ بلکہ خود جماعت بھی باقاعدہ

ہمیشہ نہ کرائی۔ وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تراویح فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے صحابہ کرام پر تراویح کی رکعات کی تعداد ظاہر نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً اپنے اجتہاد سے آٹھ پھر بارہ مقرر فرمائیں۔ میں کی سند مل جانے پر میں ہی کا دائمی حکم دے دیا۔ اس زمانہ میں آج کی طرح حدیث کتابوں میں جمع نہ تھی۔ ایک ایک حدیث بہت کوشش و محنت سے حاصل کی جاتی تھی۔

اعترض نمبر ۳۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو سلمہ نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ تو ام المؤمنین نے ارشاد فرمایا۔

مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُنِي فِي مَصْنَانٍ وَلَا فِي غَيْرِهِمْ عَلَى أَحَدٍ عَشْرَ رَكَعَاتٍ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے۔ اگر میں پڑھتے تو

کل رکعات ۲۳ ہوتیں۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے اس لئے کہ اگر اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہے تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئیں۔ تب ہی تو کل رکعت گیارہ ہوئیں۔ تاؤ تم و تراویح ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو۔ جواب دو کیا بعض حدیث پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار۔

دوسرے یہ کہ حضرت ام المؤمنین یہاں نماز تہجد کا ذکر فرما رہی ہیں نہ کہ نماز تراویح کا اس ہی لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان و دیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کب پڑھی جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر غور کر لیتے تو ایسی جرأت نہ کرتے۔ اس ہی لئے ترمذی شریف نے اس حدیث کو باب صلوٰۃ ایل یعنی تہجد کے باب میں ذکر فرمایا۔ نیز اس ہی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں۔ دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ

یہ نماز سہرا آخر رات میں سوکر اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ تراویح سنونے کے بعد نہیں پڑھی جاتی تھی پڑھی جاتی ہے۔

تفسیر سے یہ کہ اگر اس نماز سے مراد تراویح ہے اور اٹھ تراویح حضور نے پڑھی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میں تراویح کا حکم کیوں دیا اور تمام صحابہ نے یہ حکم کیوں قبول کیا اور خود ام المؤمنین نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں نہ اعلان فرمایا کہ میں نے حضور کو اٹھ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ تم میں رکعت پڑھتے ہو۔ یہ خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے آپ کیوں خاموش رہیں ذرا ہوش کرو حدیث کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرو۔

دہائیوں سے سوالات

تمام دنیا کے دہائیوں سے حسب ذیل سوالات ہیں سارے مل کر ان کے جوابات دیں
بتاؤ۔ ۱۔ کہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے میں رکعت کا حکم کیوں دیا۔ کیا اس سنت کی ادنیٰ
خبر نہ تھی۔ آج قریب چودہ سو برس بعد تم کو پتہ لگا۔

(۲) اگر لغو باللہ خلفاء راشدین نے بدعت سیئہ کا حکم دے دیا تھا تو تمام صحابہ نے بے چون و
چرا قبول کیوں کر لیا کیا ان میں کوئی بھی حق گو اور متبع سنت نہ تھا آج اتنے عرصہ کے بعد تم حق گو بھی پیدا
ہوئے اور متبع سنت بھی۔

(۳) اگر تمام صحابہ بھی خاموش رہے تو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کے ایک سنت رسول
کے خلاف بدعت سیئہ کا رواج دیکھا تو وہ کیوں خاموش رہیں۔ ان پر تبلیغ حق فرض تھی یا نہیں
جیسے آج تم اٹھ رکعت تراویح کے لیے ایڑی چوٹی کا زبانی و قلبی بدنی و مالی زور لگا رہے ہو۔ انہوں
نے یہ کیوں نہ کیا۔ پھر تو ام المؤمنین سے تم افضل ہوئے۔

(۴) وہ تمام خلفاء راشدین اور سارے صحابہ بلکہ خود حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ
عنہم میں رکعت تراویح پڑھ کر۔ پڑھو اگر یا جاری ہونے ہوئے۔ دیکھ کر خاموش رہ کر ہدایت پر تھے
یا لغو باللہ گمراہ۔ اگر آج حنفی میں رکعت تراویح پڑھنے کا بنا، پر گمراہ اہل بدعت ہیں تو ان حضرات پر
تمہارا کیا فتوے ہے۔ جواب دو۔ جواب دو۔ جواب دو۔

(۵) اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے اور آٹھ رکعت تراویح سنت اور تم ہماروں نے
 چودہ سو برس بعد یہ سنت جاری کی۔ تو بتاؤ حرمین طہیین کے تمام مسلمان بدعتی اور گمراہ ہیں یا نہیں۔ اگر
 نہیں تو کیوں۔ اور اگر ہیں تو تم آج نجدی وہابیوں کو اس کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے۔ تمہارے فتوے
 صرف ہندو پاکستان میں فساد پھیلانے ہی کے لیے ہیں۔

(۶) حضرات ائمہ مجتہدین اور ان کے سارے متبعین جن میں لاکھوں اولیاء علماء و محدث فقہاء
 مفسرین داخل ہیں۔ جو سب بیس تراویح پڑھتے تھے۔ وہ سب بدعتی اور گمراہ تھے یا نہیں۔

(۷) اگر سارے یہ حضرات گمراہ تھے اور ہدایت پر تمہاری مٹھی بھر جاوے ہے۔ تو ان گمراہوں کی
 کتابوں سے حدیث لینا حدیث پڑھنا جائز ہے یا حرام اور ان کی روایت حدیث صحیح ہے یا نہیں
 جب بطل کی روایت صحیح نہیں۔ تو بدعتیہ کی روایت صحیح کیونکر ہو سکتی ہے۔

(۸) تمام دنیا کے مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں۔ تمہارے نزدیک گمراہ اور بدعتی ہیں یا نہیں۔
 اگر ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

مسلمانوں کے بڑے گروہ کی اتباع کرو۔
 اَتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ۔

اور قرآن کریم نے عامۃ المسلمین کو تحیرات اور شہداء علی الناس کیوں فرمایا؟
 امید ہے کہ حضرات وہابیہ نجد تک کے علماء سے مل کر ان سوالات کے جواب
 دیں۔ ہم منتظر ہیں۔

ہمارا مطالبہ۔ ہم ساری دنیا کے وہابیوں نجدیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحیح
 مرفوع حدیث مسلم بخاری یا کم از کم صحاح ستہ کی ایسی پیش کریں جس میں صراحتہ مذکور ہو کہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے یا اس کا حکم فرماتے تھے۔ مگر تراویح کا لفظ ہو۔ یا صحابہ کرام نے
 آٹھ تراویح دائمی طور پر قائم فرمائیں۔

اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک نہ دیکھا سکو گے۔ صرف خدا پر ہو۔ رب تعالیٰ توفیق بخشنے
 آمین۔ بیس رکعت تراویح کا ثبوت الحمد للہ حضور کے فعل شریف صحابہ کرام کے فرمان و عمل عامۃ المسلمین
 کے طریقہ شرعی اور عقل سے ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

لطیف، غیر مقلد وہابی جب کبھی حنفیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ تو تراویح بیس رکعت پڑھ

لیتے ہیں۔ جس کا بار بار مشاہدہ ہوا۔ اور ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی اپنے مذہب پر اعتماد نہیں۔

گیارہواں باب

ختم قرآن پر روشنی کرنا

عامۃ المسلمین کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ثواب اور روشنی قبر حاصل کرنے کے لیے یوں تو ہمیشہ ہی مگر رمضان شریف یا شب قدر اور ختم قرآن کے دن خصوصیت سے مسجدوں میں چراغاں یعنی دھوم دھام سے روشنی کرتے ہیں۔ مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں۔ دہائیوں کی مسجدیں بے رونق بے نور رہتی ہیں۔ انہیں مسجدوں میں چراغاں کرنے وہاں زینت دینے کی توفیق نہیں ملتی وہابی مسلمانوں کے اس کارِ ثواب کو بدعت حرام۔ بلکہ شرک تک کہتے ہیں۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں ان مسائل کا ثبوت دوسری فصل میں ان مسائل پر اعتراضات مع جوابات۔ ناظرین سے توقع انصاف اور اپنے رب سے امید قبول ہے۔

پہلی فصل

روشنی مسجد کا ثبوت

مسجدوں میں ہمیشہ روشنی کرنا۔ خصوصاً ماہ رمضان خصوصاً شب بقدر یا ختم قرآن شریف کے دن وہاں چراغاں کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ جس کا بہت ثواب ہے۔ ولأئیل لاختہ ہوں۔

(۱) اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ آمَنَ | اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

یا اللہ والیوم الآخر۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جماعت نماز قائم کرنا۔ وہاں صفائی رکھنا۔ عمدہ چٹایاں۔

فرش وغیرہ بچانا وہاں روشنی چراغوں کرنا وغیرہ سب مسجد کی آبادی میں داخل ہیں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد بیت المقدس میں کبریت احمر کی روشنی فرماتے تھے جس کی روشنی میں میلون تک عورتیں چرخہ کات لیتی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں روشنی و چراغ لگانا کرنا ایمان کی علامت ہے۔ تو ظاہر ہے کہ مسجدوں کو بے نور بے آباد رکھنا کفار کی نشانی۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ أَذِلُّ مَنْ اسْتَرْجَحَ فِي الْمَسَاجِدِ | وَهَ فَرَمَاتے ہیں کہ جس نے پہلے مسجدوں میں چراغ
تَيْمِمُ الدَّارِی | بھلائے وہ تہیم واری صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں روشنی کرنا سنت صحابی ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چراغ کا عام رواج نہ تھا۔ بوقت جماعت کھجور کی لکڑیاں بھلا کر روشنی کر لی جاتی تھی حضرت تہیم واری نے وہاں چراغ لگایا۔

(۳) ابو داؤد شریف نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں مسجد بیت
أَفْتِنَا فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَ رَسُولُ | المقدس شریف کے متعلق حکم دیں تو حضور نے
اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّوهُ فَصَلُّوْهُ | ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں جاؤ اور وہاں نماز پڑھو
وَكَاْنَتْ الْبِلَادُ فِي ذَلِكَ جَبْرًا فَإِنْ | اس زمانہ میں شہروں میں جنگ تھی تو فرمایا کہ اگر تم
لَمْ تَأْتُوْهُ فَصَلُّوْهُ فَإِنِ ابْعَثُوا | وہاں نہ پہنچ سکو اور نماز پڑھ سکو تو وہاں تیل
بِزَيْتٍ يُسْرَجُ فِي قَنَادِيلِهِ۔ | بھیج دو کہ وہاں کی قندیلوں میں جھلایا جاوے۔

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کر کے جانا سنت ہے۔ ہمارے حضور نے معراج میں وہاں تمام نبیوں کو نماز پڑھائی۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے پیغمبر سفر کر کے وہاں نماز پڑھنے پہنچے۔ دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں بہت قندیلیں روشن کی جاتی تھیں۔ جیسا قنادیل جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرے یہ کہ مسجد میں روشنی کرنے کا ثواب وہاں نماز پڑھنے کی طرح ہے۔ یعنی اعلیٰ درجہ کی عبادت اور باعت ثواب ہے جو تھے یہ کہ مسجد میں چراغ لگانے کے لئے دوسرے تیل بھیجنا سنت صحابہ ہے۔

(۴) حدیث امام رافعی محدث نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا ابْنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا
 فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ عَلَّقَ فِيهِ قَنْدِيلًا هَلَّى
 عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يَنْطَفِئَ
 ذَلِكَ الْقَنْدِيلُ۔
 معلوم ہوا کہ مسجد کی روشنی ستر ہزار فرشتوں کی دعا لینے کا ذریعہ ہے۔

(۵) حدیث ابن بخاری نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 مَنْ عَلَّقَ فِي مَسْجِدٍ قَنْدِيلًا هَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ
 أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يَنْطَفِئَ ذَلِكَ الْقَنْدِيلُ۔
 معلوم ہوا کہ جیسے مسجد میں چراغ جلانا ثواب ہے۔ ایسے ہی مسجد میں چراغ یا تیل یا بتی دینا بھی ثواب
 ہے۔ خواہ ایک چراغ ہو یا بہت۔

(۶) حدیث ابن شابرین محدث نے حضرت ابی اسحاق ہمدانی سے روایت کی۔
 قَالَ خَرَجَ عَلَيَّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ فِي أَوَّلِ
 لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَالْقَنَادِيلُ تَزْهَرُ
 كِتَابُ اللَّهِ تَنَلَّى فَقَالَ نُوِّرْ اللَّهُ لَكَ يَا
 ابْنَ الْخَطَّابِ فِي قَبْرِكَ كَمَا نُوِّرَتْ مَسَاجِدُ
 اللَّهِ تَعَالَى بِالْقُرْآنِ۔
 فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی شب کو حضرت علی رضی
 اللہ عنہ تشریف لائے مسجد نبوی میں قندیلیں جگمگا رہی
 تھیں اور قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا اے
 عمر ابن خطاب اللہ تعالیٰ تمہاری قبر روشن کرے جیسے تم
 نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن کے وقت روشن کر دیا۔

(۷) حدیث صحیح البہاری شریف نے بعض محدثین سے روایت کی کہ انہیں امیر المؤمنین علی رضی
 اللہ عنہ سے روایت پہنچی
 أَنَّهُ قَالَ نُوِّرَ اللَّهُ قَبْرَ عُمَرَ كَمَا
 نُوِّرَ عَلَيْنَا مَسَاجِدُنَا۔
 آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر روشن کرے
 جیسے اوہنوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔

ان آخری روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں مسجدوں میں چراغاں کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے شروع ہے۔ حضرت صحابہ کرام نے اس پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس انہیں دعائیں دیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ روشنی مسجد سے انشاء اللہ قبر منور ہوگی۔ لہذا اب جو اس روشنی مسجد کو روکتا ہے۔ وہ درپردہ سنت صحابہ پر اعتراض کرتا ہے۔ اس چراغاں کے روکنے والے اپنی قبر میں تاریک کر رہے ہیں۔

۸۱) قرآن رب تعالیٰ ان بند کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَسَّ جِدَارَ اللَّهِ
أَنْ يَكُفِّرَ بِهَا أَسْمَاءُ وَسَعَىٰ فِي خَوَارِجِهَا
اِس آیت میں ان لوگوں پر بھی عتاب ہے۔ جو مسجدوں میں نماز۔ ذکر الہی۔ تلاوت قرآن نعمت خوانی سے منع کریں۔ اور ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں چٹائیاں ڈالنے فرش بچھانے روشنی کرنے چراغاں وغیرہ سے روکیں کہ آبادی میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسجدوں کو آراستہ کرنا وہاں ہمیشہ یا بعض خصوصی موقعہ پر چراغاں کرنا اچھا ہے کیونکہ آج ہم اپنے مکانات میں زیب و زینت کرتے ہیں۔ بیاہ شادی وغیرہ پر خوب دل کھول کر روشنی و چراغاں کرتے ہیں۔ عمارتیں سجاتے ہیں۔ جب ہمارے گھر آراستگی روشنی چراغاں کے مستحق ہیں تو اللہ کا گھر جو تمام گھروں سے افضل ہے اسے عام گھروں سے زیادہ آراستہ کیا جاوے تاکہ مسجد کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو۔ یہ کام احترام مسجد اور تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد و تابعوں کے جس قدر اعتراضات اب تک ہم نے سنے ہیں۔ وہ نہایت دیانتداری سے مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ مسجدوں میں چراغاں کرنا فضول خرچی و اسراف ہے اور اسراف سے قرآن کریم میں

منع فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔
 كَلِمَاتٌ اشْتَرَبُوا دَلَّاتٌ لِّتَرْفَعُوا اَتَّاللّٰهُ
 لَا يَجِبُ الْمُسْرِفِيْنَ۔
 کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک اللہ
 تعالیٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔

جواب۔ مسجد کے چراغاں کو فضول خرچی کہنا غلط ہے۔ فضول خرچی اس خرچ کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی دینی یا دنیاوی نفع نہ ہو۔ مسجد کے چراغاں میں مسجد کی زینت ہے۔ جو عبادت اور باعث ثواب ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ جب ایک چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو باقی چراغاں بے کار ہیں اور بے کار خرچ فضول خرچی میں داخل ہے۔

جواب۔ جب ایک قبض و پاٹجامہ سے ستر حاصل ہو جاتا ہے تو چپائیے کہ اچکن واسکٹ پہننا فضول خرچی اور حرام ہو۔ جب چھ آنہ گز کے گاڑھے سے ستر چھپ جاتا ہے۔ تو چپائیے کہ دو روپے گز کی ٹمل۔ لٹھا۔ لیکن۔ وائل پہننا حرام ہو۔ جب گھر میں دو آنہ کے چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے۔ تو وہاں صد ہارو پی خرچ کر کے بجلی فٹنگ کرنا۔ اور گیس کی روشنی کرنا اسراف و حرام ہونا چاہیے۔ جب تھوڑا سا سے بھی راستہ طے ہو جاتا ہے تو انٹر بلک سیکنڈ۔ فسٹ میں روپیہ خرچ کرنا حرام ہونا چاہیے۔ جناب ایک دیئے سے تو روشنی حاصل ہوتی ہے اور زیادہ چراغوں سے مسجد کی زینت و رونق مسجد کی روشنی بھی عبادت ہے اور وہاں کی زینت بھی عبادت۔

اعتراض نمبر ۳۔ اگر مسجد میں چراغاں کرنا اچھی چیز ہے تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیوں نہ کیا۔ کیا تم حضور سے افضل ہو یا دین کے زیادہ ہمدرد ہو۔ جو کام حضور نہ کریں تمہیں کرنے کا کیا حق ہے۔

جواب۔ اگر واسکٹ۔ اچکن اعلیٰ درجہ کی ٹملیں پہننا اچھا کام ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہ استعمال فرمائیں جو کام حضور نے نہ کیا وہ اسے وہاں تو تم کیوں کرتے ہو۔ تم اپنے گھروں میں بجلی فٹنگ کیوں کرتے ہو تم اپنے گھر میں بجلی گیس کیوں بھرتے ہو۔ جناب حضور کے زمانہ شریف میں لوگوں کے گھر بھی سارے معمولی تھے۔ جہادوں کا زمانہ تھا اس طرف تو جہاد فرمانے کا موقع ہی نہ تھا جب صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے گھر اچھے بنائے۔ تو فقہاء صحابہ نے سوچا کہ دین

تو دنیا سے اعلیٰ ہے۔ اور اللہ کا گھر یعنی مسجد نبوی شریف ہمارے گھروں سے افضل۔ جب ہمارے گھر شاندار ہیں تو اللہ کا گھر بہت شاندار ہونا چاہیے۔ یہ سوچ کر حضرت عثمان نے مسجد نبوی شریف بہت عالی شان بنائی اور وہاں بہت زیب و زینت کی حضور فرماتے ہیں کہ۔

عَلَيْكُمْ سُنَّتِي وَسُنَّةَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ
تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت مضبوطی سے پکڑو
جیسے حضور کی سنت قابل عمل ہے۔ ایسے ہی حضور کے صحابہ کرام کی سنت لائق عمل حضور کے صحابہ نے مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا۔ بلکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی مسجد میں چراغاں کرنے کے لئے نیل بھیجے کا حکم دیا۔

اعتراف نمبر ۴۔ ابو داؤد شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَا أَمَرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ
عَبَّاسٍ لَتُزَخَّرَ فَهَلَاكَ زُخْرُفَتِ الْيَهُودِ
وَالنَّصَارَى۔
فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے مسجدیں سجانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح آراستہ کرو گے۔

اس حدیث سے یہی معلوم ہوا کہ مسجدیں سجانے کا حکم نہیں۔ یہ بھی پتہ لگا کہ عبادت خانے سجانا یہود و نصاریٰ کی سنت ہے نہ کہ مسلمانوں کا طریقہ اور ظاہر ہے کہ مسجد میں چراغاں کرنا بھی سجاوٹ ہی ہے لہذا یہ بھی منع ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی زینت اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے۔ تو انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر و عثمانؓ کو مسجدوں کی زینت دیتے وہاں چراغاں کرتے دیکھا اور منع نہ فرمایا۔ کیا خود ہی اپنی روایت کی مخالفت کی نیز کیا تمام صحابہ کرام اس حدیث کا وہ مطلب نہ سمجھے جو تم سمجھے نیز اس صورت میں یہ حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی کہ رب تعالیٰ نے مسجد کی زینت و آبادی کو ایمان کی علامت قرار دیا کہ فرمایا۔ اِنْ مَّا يَجْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ اِلَّا بِمَنِّهِ لَگاتہ تم نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔

دوسرے یہ کہ ایمان ہر زینت کی ممانعت نہیں بلکہ ناجائز ٹیپ ٹاپ پر عقاب ہے جیسے فوٹو تصویروں سے سجانا اس ہی لئے یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دی گئی۔ ان کے عبادت خانے

تعداد ویر و فوٹو سے سجائے جاتے ہیں۔ یا وہ زینت مراد ہے جو اللہ کے لیے نہ ہو وگلا دے اور نام و نمود یا کاری کے لیے ہو جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ مگر جو زینت و چراغاں صرف مسجد کے احترام اور رب تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو وہ بہتر ہے۔ رب تعالیٰ اپنے اور اپنے محبوب کے کلام کی صحیح فہم نصیب فرمائے۔

اعتراض نمبر ۵۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ دارمی اور ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کی۔
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَبَاهَى
 النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ
 وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا
 یقیناً علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں
 میں فخر کریں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں کی زینت علامت قیامت ہے۔ اس سے اللہ بچائے۔
 جواب۔ اس حدیث کے وہ ہی معنی ہیں۔ جو ہم اعتراض نمبر ۴ کے جواب میں عرض کر چکے یعنی فخریہ مسجدیں بنانا اور شیخی کے طور پر مسجدیں سجانا علامت قیامت ہے کہ ایک محلے والے دوسرے محلے والوں کے مقابلہ میں مسجد کو زینت دے کر انہیں طعنہ دیں کہ ہماری مسجد تمہاری مسجد سے زیادہ آراستہ ہے جناب فخر دیا کے لیے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ اخلاص کی نماز بھی منع ہو جاوے۔

یہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قریب قیامت لوگ مسجدوں میں جا کر سجائے ذکر اللہ کرنے کے دنیاوی باتیں ایک دوسرے کے مقابل شیخی مارا کریں گے۔ یہ سخت گناہ ہے اور اگر حدیث کے وہ ہی معنی ہوں جو ہم سمجھے یعنی مسجدوں کی زینت علامات قیامت ہے تو بھی اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی قیامت کی ہر علامت بُری نہیں۔ علیہ السلام کا نزول۔ امام مہدی کا ظہور بھی علامت قیامت ہے۔ مگر بُرا نہیں بلکہ بہت بابرکت ہے۔

اعتراض نمبر ۶۔ مسجدوں میں چراغاں کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔
 جواب۔ یہ غلط ہے۔ یہ تو سنت صحابہ ہے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور اگر یہ بدعت بھی ہو تو ہر بدعت نہ حرام ہے نہ گمراہی۔ بخاری شریف چھاپنا بدعت ہے مگر حرام نہیں۔ بلکہ ثواب ہے حدیث کا فن اسکی قسمیں بدعت ہیں مگر حرام نہیں بدعت کی نفیس تحقیق اسی سبأ الحق کے

پہلے حصہ میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ آج کلمہ و نماز بلکہ ساری عبادتوں میں بہت بدعتیں شامل ہیں ان بدعتوں پر ثواب ہے۔

بارہواں باب

شبینہ پڑھنا ثواب ہے

ہمیشہ سے صالح مسلمانوں کا دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں شبینہ کرتے ہیں کبھی ایک رات میں کبھی دو میں کبھی تین راتوں میں پورا قرآن شریف تلاویج میں ختم کرتے ہیں بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ رمضان کے علاوہ بھی روزانہ ایک قرآن شریف پڑھ لیتے تھے یہ سب کچھ جائز اور ثواب ہے۔ بشرطیکہ اتنی جلدی نہ پڑھے کہ حروف قرآن درست ادا نہ ہوں۔ نہ سستی اور کسل سے پڑھے۔ مگر بغیر مقلد و بالی اسے بھی حرام کہتے ہیں۔ رات بھر سنبھا دیکھنے والوں کو برا نہیں کہتے مگر تمام رات قرآن پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں۔ ادا پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں شبینہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

شبینہ کا ثبوت

ایک شب میں قرآن ختم کرنا باعث ثواب ہے اس کا ثبوت قرآن و حدیث عقل بلکہ خود دہائیوں کی کتابوں سے ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) قرآن کریم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔

اے پیار اور رحمنے! اے محبوب رات بھر قیام فرماؤ سو کچھ رات کے آدمی رات یا اس سے کچھ

يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ مَنِ قَامَ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا فَصَفَّهٖ
أَوْ انْقَضَ مِنْهُ أَوْ نَزَّ عَلَيْهِ وَنَزَّ مِثْلُ

النَّسَاءُ تَسْرَتِي لَا

کم کر دیا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن طہیر طہیر کر پڑھو۔

اس آیت کریمہ میں حضور کو قریبا تمام رات نماز پڑھنے کا حکم دیا اور شرفِ اسلام میں رات بھر عبادت کرنا فرض تھا۔ کچھ تھوڑا حصہ آرام کے لئے رکھا گیا تھا۔ پھر ایک سال کے بعد یہ فرضیت منسوخ ہو گئی۔ مگر استحباب اب بھی باقی ہے۔ اب جو شخص شبینہ میں تمام رات بجاگے۔ بہت کم سوئے وہ اس آیت پر عمل ہے۔ مگر چاہیے یہ کہ شبینہ وہ پڑھے جو قرآن صحیح پڑھ سکے۔ جیسا کہ تریل کے حکم سے معلوم ہو رہا ہے۔

(۲) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں نمازِ خسوف کا ذکر ہے۔ اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِيَامَةِ
مُوسَىٰ الْبَقَرَةِ۔

حضور نے گرن کی نماز میں بہت دراز قیام
فرمایا قریبا سورہ بقرہ کی بقدر۔

معلوم ہوا کہ حضور نے گرن کی نماز میں سورہ بقرہ یعنی دھائی پارہ کی برابر قرات کی شبینہ میں فی رکعت ڈیڑھ پارہ آتا ہے۔ جب ایک رکعت میں دھائی پارہ پڑھنا ثابت ہے۔ تو ڈیڑھ پارہ پڑھنا پابغہ اونٹے جائز ہے۔

(۳) حدیث ابو داؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور کی نماز تہجد کے متعلق ایک بہت دراز حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَصَلَّىٰ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيهِنَّ الْبَقَرَةَ
وَالْإِنشَاءَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَاءِ سِدَّةَ
وَالْإِنْعَامَ۔

حضور نے نماز تہجد میں چار رکعت پڑھیں۔ جن
میں سورہ بقرہ اکرال عمران اور سورہ نسا اور مائدہ
و سورہ النعام پڑھیں۔

دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی چار رکعتوں میں قریبا آٹھ پارے پڑھے یعنی فی رکعت قریبا دو پارے شبینہ میں ہر رکعت میں اسی قراۃ نہیں ہوتی۔ ڈیڑھ پارہ فی رکعت ہوتا ہے تو یہ کیوں حرام ہوگا۔

(۴) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | حضور نے نماز شب میں اتنا قیام فرمایا کہ قدم

حَتَّى تَوَسَّعَتْ قَدَمَاهُ فَفِيلٌ لَهُ يَمَا
تَصْنَعُ هَذَا وَقَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقْدَمُ
مِنْ ذُنُوبِكَ وَمَا نَاخَرَ قَالَ أَفَلَا
أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا

مبارک پرورم آگیا تو عرض کیا گیا کہ آپ ایسی مشقت
کیوں کرتے ہیں۔ آپ کی بدولت آپ کی اُمت
کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے تو فرمایا کہ کیا
میں بندہ شکر گزار نہ ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادات میں مشقت اٹھانا سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام
ہے۔ اگر کسی شبہینہ میں کسی مومن کے پاؤں پرورم آجائے تو اس خوش نصیب کو یہ سنت
نصیب ہو گئی۔ وہ پاؤں کو خود تو عبادت کی توفیق نہیں ملتی دوسروں کو بھی عبادت سے روکتے
ہیں۔

(۵) حدیث طحاوی شریف نے حضرت ابن سیرین سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ تَمِيمُ الدَّادِيُّ يُحِبُّ اللَّيْلَ
كَلَّمَ بِالْقُرْآنِ أَنْ يَكُنْ فِي رُكْعَةٍ

شبہینہ میں تو میں رکعت تراویح میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ حضرت تمیم داری صحابی
رسول تو ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

(۶) حدیث طحاوی شریف نے حضرت اسحاق ابن سعید سے روایت کی۔

عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ
أَنَّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رُكْعَةٍ

(۷) حدیث ابوالنعیم نے حلیہ میں حضرت عثمان ابن عبدالرحمن عتی سے روایت کی۔

قَالَ لِي أَبِي أَغْلَبْتُ اللَّيْلَةَ عَلَى الْمَقَامِ
فَلَمَّا صَلَّيْتُ الْعَمَّةَ تَخَلَّصْتُ
إِلَى الْمَقَامِ حَتَّى قُمْتُ فِيهِ فَبَيَّنَا
أَنَا قَائِمٌ إِذَا رَجُلٌ وَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ
كَتِفَيَّ فَإِذَا هُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ
فَبَدَأَ بِأَمْرِ الْقُرْآنِ فَقَرَأَ حَتَّى خَلَّمَ

مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ آج تمام رات
مقام ابراہیم پر جاؤں گا جب میں نماز عشاء پڑھ
چکا۔ تو مقام ابراہیم پر پہنچا میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ
اچانک ایک صاحب نے میری پشت پر ہاتھ
رکھا۔ وہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ تھے
آپ نے سورۃ فاتحہ سے قرآن شروع کیا۔ پس

الْقُرْآنَ فَرَكَمَ وَسَجَدَ ثُمَّ أَخَذَ لَعْلِكُمْ
فَلَا أَدْرِي أَصَلَّى قَبْلَ ذَلِكَ شَيْئًا
أَمْ لَا۔

پڑھتے رہے یہاں تک کہ قرآن ختم کر لیا۔ پھر
رکوع کیا اور سجدہ کیا پھر اپنے نعلین شریف
اٹھائے یہ مجھے خبر نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھی یا نہیں

(۸) حدیث ابو نعیم نے علیہ میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

كَانَ اسْوَدُ يَخْتُمُ الْقُرْآنَ فِي رَمَضَانَ
فِي كُلِّ لَيْلَتَيْنِ وَكَانَ يَنَامُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ
وَالْعِشَاءِ۔

کہ حضرت اسود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں
ہر دو رات میں ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور
مغرب و عشاء کے درمیان سوتے تھے۔

(۹) حدیث طحاوی شریف نے حضرت حماد سے روایت کی۔

عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ أَنَّهُ قَرَأَ
الْقُرْآنَ فِي دَكْعَةٍ فِي الْبَيْتِ
میں ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اکثر رات جاگنا نماز پڑھنا۔ روزانہ قیام فرمانا حتیٰ کہ پاؤں
پر درم آجاوے۔ ایک رکعت میں ڈھائی پارے پڑھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور
ایک رات دو رات بلکہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھنا سنت صحابہ ہے۔ جو شبہ کا
حرام یا شرک یا فسق کہے وہ نرا جاہل ہے۔

(۱۰) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب تلاوت القرآن میں صفحہ ۷۱۵ پر صحابہ کرام کا دستور اس طرح بیان
فرمایا۔

فَخَتَمَهُ جَمَاعَةٌ فِي يَوْمٍ ذَلِيلَةٍ مَرَّةً
وَأَخْرَوْنَ مَرَّتَيْنِ وَأَخْرَوْنَ ثَلَاثَ
مَرَّاتٍ وَخَتَمَهُ فِي دَكْعَةٍ مِّنْ لَّآ
يُحْصَوْنَ كَثْرَةً

ایک جماعت نے دن رات میں ایک ختم کیا
ایک نے دو بار بعضوں نے تین بار اور ایک
رکعت میں قرآن پڑھنے والے تو بے
شمار ہیں۔

عقل کا تقاضا۔ بھی یہی ہے کہ شبہ عبادت ہو نہ کہ حرام کیونکہ عبادت کا ثواب بقدر
مشقت ملتا ہے۔ گرمیوں کے روزے۔ تلوار کا جہاد۔ مشقت کے حج پر ثواب ملے گا۔ عذاب
نہ ہوگا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان رب کی رضا کے لئے تمام رات نماز بھی پڑھے۔ قرآن شریف

کی تلاوت بھی کرے اور سجائے ثواب کے عذاب پائے۔ قرآن کے ایک حرف پڑھنے پر وہ نیکیاں ہیں تو تعجب ہے کہ سارے قرآن پڑھنے پر سجائے نیکیوں کے اولنا عذاب ہو حضرت داؤد علیہ السلام بطور معجزہ تھوڑی دیر میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک شب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر نعوذ باللہ ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک شب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر نعوذ باللہ حضرت داؤد علیہ السلام بقول دہا بیہ پوری زبور پڑھنے پر گنہگار ہوتے ہوں گے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

لطیفہ :- وہابیوں نے اپنی کتاب ارواح ثلاثہ میں اپنے بانی مذہب مولوی اسماعیل صاحب کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مولوی اسماعیل صاحب عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے لوگوں نے خود ان سے اتنی دیر میں سارا قرآن سنا۔ اب میں وہابیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس لیے لعن طعن کرتے اور ان کی جناب میں گالیاں دے سکتے ہو کہ وہ جناب ماہ رمضان میں روزانہ دن کو ایک قرآن شریف اور شب کو ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ بلو تمہارے اسماعیل تو عصر سے مغرب تک ایک قرآن ختم کر لیتے تھے۔ وہ بھی اسی لعن طعن کے مستحق ہیں یا نہیں۔ وہ بھی فاسق و فاجر ہوئے یا نہیں یا تمہارا امام جو کرے۔ وہ مباح ہے۔ جواب دو۔

دوسری فصل

شبینہ پر اعتراضات و جوابات

شبینہ کے متعلق ہم وہ اعتراضات بھی نقل کرتے ہیں جو غیر مقلد وہابی کرتے ہیں۔ اور وہ اعتراضات بھی بیان کرتے ہیں جو آج تک ان کو سوجھے نہیں۔ ہم ان کی وکالت میں عرض کرتے ہیں مع جوابات کے رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَدَيْتِلَ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً

قرآن شریف کی تلاوت ٹھیک ٹھیک کر کرو۔

اور ظاہر ہے کہ جب ہر رکعت میں ڈیڑھ پارہ پڑھ کر سارا قرآن ایک رات میں ختم کیا جاوے گا

تو حافظ کو بہت تیز پڑھنا پڑے گا۔ جس سے سواء یعلمون، تعلمون سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہذا شبینہ پڑھنا حکم قرآن کے خلاف ہے۔

جواب۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارے باقی مذہب مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ بتاؤ وہ ٹیپہ ٹیپہ کر پڑھتے تھے یا یعلمون تعلمون وہ حرام کے نزدیک تھے یا نہیں۔ حضرت واؤد علیہ السلام بہت جلد ساری زبور پڑھ لیتے تھے حضرت عثمان غنیؓ تعلیم داری۔ عبداللہ ابن زبیر وغیرہم اکابر صحابہ نے ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا ہے۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی ایک رکعت میں دو پارے اور نماز خوف میں ایک رکعت میں ڈھائی پارے تلاوت فرماتے تھے۔ جن کے حوالے پہلی فصل میں گزر گئے۔ کیا آپ کا یہ اعتراض ان مستندوں پر بھی جاری ہوگا۔ اگر نہیں تو کیوں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض کو قوت لسانی ایسی بخشی ہے کہ وہ بہت تیز پڑھ کر بھی صاف اور واضح پڑھ سکتے ہیں۔ بعض میں یہ قوت نہیں۔ وہ اگر تیز پڑھیں تو صرف یعلمون تعلمون ہی سمجھ میں آوے گا۔ شبینہ صرف پہلی قسم کے حافظ پڑھیں دوسری قسم کے حافظ ہرگز نہ پڑھیں اس آیت کریمہ کا یہ ہی منشا ہے۔ آیت کریمہ اپنی جگہ حق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان بزرگ صحابہ کرام کا عمل شریف جنہوں نے ایک رکعت میں بہت دراز تلاوت کی اپنی جگہ حق ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ حدیث ترمذی۔ ابو داؤد۔ دارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی (مشکوٰۃ باب تلاوة القرآن)

بیشک فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تین دن سے کم میں قرآن پڑھے۔ وہ قرآن نہ سمجھے گا۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَفْقَهُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ہرگز نہ پڑھنا سہا بیٹے کیونکہ پھر قرآن سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہذا شبینہ بالکل منع ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے تم تو تین

شب کا شعبینہ بھی حرام کہتے ہو اور اس حدیث میں اس کی اجازت آگئی۔ دوسرے یہ کہ تمہارے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ وہ بھی اس زد میں آجاتے ہیں۔ ان کی صفائی پیش کرو۔ جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا۔

تفسیر سے یہ کہ سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں عام لوگوں کی بیان فرمائی۔ کہ علی العموم حفاظ اگر ایک یا دو دن میں ختم قرآن کریں۔ تو سمجھ نہ سکیں گے۔ بعض بنا سے جو اس پر قادر ہیں وہ اس حکم سے علیحدہ رہیں۔ جیسے حضرت عثمان وغیرہ ہم صحابہ کرام ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے۔ اس ہی لئے اس حدیث کی شرح میں مرقاٹ و لمعات شریف میں ہے کہ بعض بزرگ ایک دن و رات میں تین ختم کرتے تھے۔ بعض حضرات آٹھ ختم فرمایتے تھے اور شیخ ابوہریرہ مغربی ایک دن و رات میں ستر ہزار قرآن پڑھ لیتے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ حجر اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر آتے آتے ختم قرآن کر لیا۔ اور لوگوں نے حرف سبحنا (مرقاٹ جلد دوم صفحہ ۲۱۶ باب تلاوت القرآن میں ہے)

وَالْحَقُّ أَنَّ ذَٰلِكَ تَحْتَلِفُ بِالشَّخْصِ | حق یہ ہے کہ یہ کم مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہے
اغتراض نمبر ۳۔ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَاقْرَأْنِي كُلَّ سَبْعِ لَيَالٍ وَلَا تَزِدْ | ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرو۔ اس پر زیادہ
عَلَى ذَٰلِكَ (مشکوٰۃ صوم تطوع) نہ کرو

وکیف حضرت عبداللہ ابن عمرو نے حضور سے جلد ختم کرنے کی اجازت مانگی حضور نے اولاً تو حکم دیا کہ ایک ماہ میں ایک ختم کرو۔ اصرار کرنے پر ارشاد ہوا کہ ایک ہفتہ سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا چاہیئے لہذا شعبینہ منع ہے۔

جواب سرکار کا یہ جواب سیدنا عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ وہ ایک دورات میں ختم کرنے پر صاف نہ پڑھ سکتے ہوں گے۔ یا یہاں دائمی تلاوت کا ذکر ہے کہ اگر روزانہ ہر انسان ایک ختم کیا کرے تو دنیاوی کاروبار معطل ہو جاویں گے اگر سال میں ایک آدھ دن میں قرآن ختم کیا جادے تو کوئی حرج نہیں۔ جن صحابہ نے ایک ایک رکعت میں ایک

ایک قرآن پڑھا ہے اور نہیں یہ حدیث معلوم تھی۔ پھر بھی ایک رکعت میں ختم کرتے تھے۔
 اعتراض نمبر ۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک دو رات میں پورا قرآن نہ پڑھا اندازہاً
 بدعت ہے اور بدعت سے بچنا چاہیئے۔

جواب۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شب میں پورا قرآن پڑھنا دو وجہ سے ہے ایک
 یہ کہ آپ کی اول حیات شریف میں پورا قرآن اُتر ہی نہ تھا۔ وفات سے کچھ پہلے قرآن کی تکمیل
 ہوئی، لہذا وہاں ختم قرآن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ آپ نے اپنی امت پر رحم
 فرمایا تاکہ شبہینہ پڑھنا ان پر ضروری سنت نہ ہو جائے۔ پھر صحابہ نے شبہینہ پڑھا، جیسے
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح ہمیشہ نہ پڑھی، پھر صحابہ نے باقاعدہ جماعت سے پڑھی۔
 (شبہینہ سنت صحابہ ہے) جس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ وہی ثواب ملے گا، جو سنت رسول
 صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ سنت صحابہ کو بدعت کہہ کر منع کرنا دہائیوں کو ہی
 سجتا ہے ہم اہل سنت یہ نہیں کہہ سکتے۔

اعتراض نمبر ۵۔ آج کل شبہینہ کا یہ حال ہے، کہ حافظ تلاوت کر رہا ہے، مقتدیوں میں کوئی
 سو رہا ہے، کوئی اونگھ رہا ہے، کوئی سُست بیٹھا ہے۔ اس میں قرآن کریم کی بے ادبی
 ہے اس لیے شبہینہ بند ہو جانا چاہیئے۔

جواب۔ یہ محض جھوٹا الزام ہے، شبہینہ میں بعض لوگ باقاعدہ شبہینہ سننے آتے ہیں وہ کھڑے
 ہو کر خوب شوق سے سنتے ہیں۔ بعض محض شبہینہ دیکھنے آتے ہیں وہ لیٹے بیٹھے رہتے ہیں،
 جس میں کوئی حرج نہیں، قرآن سننا فرض کفایہ ہے، بعض کا سننا کافی ہے اور اگر بفرص محال
 مان بھی لیا جائے کہ سارے مسلمان سُستی سے سنتے ہیں تو کوشش کر کے سُستی دور کرو، شبہینہ
 بند نہ کرو، آج کل شادی بیاہ میں بہت گناہ کیئے جاتے ہیں، ناچ تماشے، باجے آتش بازی
 سب ہی کچھ ہوتی ہے۔ براہ مہربانی نکاح بند نہ کرو، بلکہ ان چیزوں کو روکنے کی کوشش کرو، حضور
 کے زمانہ میں کعبہ شریف میں بت تھے، تو حضور نے کعبہ نہ ڈھایا بلکہ جب رب نے قوت دی،
 تب بتوں کو نکال دیا، اگر مسجد میں کتا گھس جاوے۔ تو مسجد کو نہ گراؤ۔ کتے کو نکالو، اگر چارپائی
 میں کھٹل کپڑوں یا سر کے بالوں میں جوٹیں ہو جائیں، تو یہ کیڑے مارو، چارپائی یا کیڑے یا بالوں

کو آگ نہ لگا دو، وہابیوں کا یہ عجیب قاعدہ ہے کہ عبادتوں سے خرابیاں دور کرنے کی بجائے خود عبادت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اسی قسم کے بہانوں سے سارے امور خیر کو روکتے ہیں۔ جیسے میلاد شریف، ختم بزرگاں وغیرہ اگر سنی بھائیوں نے ہمارا یہ جواب یاد رکھا، تو انشاء اللہ وہابیوں کے فتنوں سے بچے رہیں گے ہم نے شہدینہ کے مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو اس لئے کر دی کہ آجکل عام طور سے وہابی اس کے پیچھے بڑے ہوئے ہیں، جہاں رمضان شریف میں کسی سبک شہدینہ کا اہتمام ہوا جھٹ دلو بند ہی اور غیر مقلد وہابیوں نے حرام و شرک کے فتوے جڑے۔

۱۳۷ تیرہواں باب

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو، اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو اسے پچا بیٹے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھو لے بشرطیکہ جماعت مل جائیگی قوی امید ہو اگر التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھو لے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے موقع پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے ہم نہایت دیا منداری سے اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

وہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں۔ جب انہیں سعید ابن عاص نے بلایا اس نے حضرت ابو موسیٰ

عَنْ أَبِيهِ حِينَ دَعَاهُمْ سَعِيدُ
ابْنُ الْعَاصِ دَعَا أَبَا مُوسَى وَحَدَّثَهُ
وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مَسْعُودٍ قَبْلَ أَنْ

فِي صَلَاةِ الْعِدَّةِ ثُمَّ حَرَجُوا مِنْ عِنْدِهِ
وَقَدْ أَتَمَّتِ الصَّلَاةُ فَجَلَسَ عَبْدُ اللَّهِ
إِلَى أَسْطَوَانَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى
الرَّكَعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ

تہ تیہ

حضرت مذاہد اور عبد اللہ ابن مسعود کو بلا یا نماز
فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرات سعید ابن
عاص کے پاس سے واپس ہوئے سالانہ فجر کی
تکبیر ہو چکی تھی حضرت ابن مسعود مسجد کے ایک
ستون کے پاس بیٹھ گئے پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں
پھر نماز میں شامل ہوئے۔

دیکھو حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے جو فقہ صحابی ہیں، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت مذاہد
کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں، پھر جماعت میں شامل ہوئے اور
اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام
طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔ اور
صحابہ کرام بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے۔ غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے
(۲) اسی طحاوی نے حضرت ابو مجاز سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِي صَلَاةِ
الْعِدَّةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ
وَالْإِمَامِ نَاصِرِ بْنِ عَمْرٍو
فَدَخَلَ فِي الصُّفِّ وَأَمَّا ابْنُ
عَبَّاسٍ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ
مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ
تَعَدَّ ابْنُ عُمَرَ مَكَانَهُ حَتَّى
طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَرَكِعَهُ رَكَعَتَيْنِ

وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ ابن
عمر اور عبد اللہ ابن عباس کے ساتھ مسجد
میں گیا۔ سالانہ نماز پڑھا رہا تھا حضرت
ابن عمر تو صف میں داخل ہو گئے۔ لیکن
حضرت ابن عباس نے اولاد و سننیں پڑھیں
پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب
امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر وہاں ہی بیٹھے رہے
جب سورج نکل آیا تو دو رکعتہ نقل پڑھیں

حضرت عبد اللہ ابن عباس نے جو بڑے فقیہ صحابی اور حضور کے اہل بیت اطہار میں سے
ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ و تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو سنتیں
پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳) اس طحاوی نے حضرت ابوالعثمان انصاری سے روایت کی۔

قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبَّاسٍ
وَالْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْعَدَاةِ وَلَمْ
يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ فَصَلَّى ابْنُ
عَبَّاسٍ الرَّكْعَتَيْنِ خَلْفَ
الْإِمَامِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَهُمَا۔

کہ حضرت عبداللہ ابن عباس مسجد میں اس
حال میں آئے کہ امام نماز فجر میں تھے۔ اور
حضرت ابن عباس نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی
تھیں۔ تو آپ نے امام کے پیچھے دو (دو) دو
رکعتیں پڑھیں پھر ان سب کے ساتھ شامل ہوئے

(۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ بَيْتِهِ
فَاقْبَمَتِ صَلَاةُ الصُّبْحِ فَرَكَمُ رَكْعَتَيْنِ
قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَهُوَ
فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ
فَصَلَّى الصُّبْحَ مَعَ النَّاسِ

فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنے گھر سے
نکلے اور نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ نے
مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو سنتیں پڑھیں
حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے
اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبد اللہ سے روایت کی۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّهُ كَانَ
يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ
صُفُوفٌ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَيَصَلِّي
الرَّكْعَتَيْنِ فِي نَاجِيَةِ الْمَسْجِدِ
ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلَاةِ

کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں
تشریف لاتے تھے، حالانکہ لوگ نماز فجر
میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد
کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھ لیتے
تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔

(۶) طحاوی شریف نے حضرت ابوالعثمان نہدی سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا فِي عَمْرٍاءِ بْنِ الْخَطَّابِ
قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ
الصُّبْحِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَتُصَلِّي
رَكْعَتَيْنِ فِي آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ

فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق کے پاس
سنت فجر پڑھنے سے پہلے آئے تھے۔
حالانکہ حضرت عمر نماز میں ہوتے تھے۔ تو ہم
مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے

لَمْ يَدْخُلْ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَوتِهِمْ -

تھے، پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ الْحَسَنُ يَقُولُ يُصَلِّيهِمَا فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَوتِهِمْ -

کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھتے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے۔

(۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

يَقُولُ أَتَقَطُّ ابْنَ عُمَرَ لَصَلَاةِ الْفَجْرِ وَقَدْ أَقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ فَصَلَّى الرَّكَعَتَيْنِ -

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبدالنور کو نماز فجر کے لیے بیدار کیا۔ حالانکہ فجر کی کعبہ ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔

(۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی سے روایت کی۔

كَانَ مَسْرُوقٌ يَخْجُرُ إِلَى الْقَوْمِ وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يَكُنْ مَرَّكَمُ رَكْعَتِي الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرَّكَعَتَيْنِ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَوتِهِمْ -

حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہو تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کیساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے۔

(۱۰) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ فَصَلَّى رَكْعَتِي الْفَجْرِ -

کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا، آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں، اگر شوقی ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے، پھر جماعت میں شریک ہو، کیونکہ تمام مؤکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے حتیٰ کہ مسلم بخاری ابوداؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے روایت کی۔

۱۸۱۵۱) كَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْئٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلَى رُكْعَتَيِ الْفَجْرِ

حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جتنی نگیانی و پابندی سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت کی نہ فرماتے تھے۔

اور احمد، طحاوی، ابو داؤد شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

۱۸۱۵۲) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَتَدْعُوَا رُكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَإِنْ كُذِرْتُمْ الْخِيَلُ

فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو، اگرچہ تمہیں دشمن کا لشکر بھاگ رہا ہو۔

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر ہر جائیں فرض پڑھ لیتے جاویں تو ان کی قضا نہیں ہوتی، سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لیتے جاتے ہیں، ادھر جماعت بھی واجب ہے اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے، تو واجب کا تارک ہوا، اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے، تو اتنی اہم سنت ٹوکہ کا تارک ہوا۔ لہذا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے، پھر جماعت میں شامل ہو جاوے دو عبادتیں کرنا بہتر ہے، ایک کو چھوڑنا بہتر نہیں۔

یہی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو، وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت کی مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے۔ لہذا ایسی جگہ کھڑا ہو، جہاں جماعت میں شامل نہ معلوم ہو، مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں ٹوکہ ہیں، مگر بعد فرض پڑھی جاسکتی ہیں، اور سنت عصر و عشاء ٹوکہ نہیں غیر ٹوکہ ہیں، اس لئے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکتے، سنت فجر ٹوکہ بھی ہیں۔ اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں، اس لئے اگر جماعت مل جانے کی امید ہو، تو پڑھ لے لیکن اگر جماعت نہ مل سکے، تو پھر سنت فجر چھوڑ دے، کہ جماعت واجب ہے۔ واجب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ پر ہم جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں، وہ مع جوابات نہایت دياننداری سے عرض کیئے دیتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

اعتراض نمبر ۱۔ طحاوی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ۔

آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر جو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر جو جانے پر اپنے گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھو، اگر وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرأت کی آواز جا رہی ہو، اور جماعت وہاں سے نظر آ رہی ہو، تو جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی نے سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے۔ تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے۔ بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو، حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہذا یہ حدیث گویا مجمل ہے جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا فرمان ہے، جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت

فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے، لہذا ان کا عمل وقول حضرت ابوہریرہؓ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر شہر شخص عمل نہیں کر سکتا، کیونکہ صاحب ترتیب جس پر ترتیب نماز فرض ہے، اگر اس کی عشاء قضاء ہو گئی ہو، اور جماعت فجر قائم ہو جاوے، تو وہ اولاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو، تب اس کے معنی یہ ہی ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے، بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے، تاکہ مذکورہ بالا خرابیاں لازم نہ آویں، حقیقی یہ ہی کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹے یہ کہ یہی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔

اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ	جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوائے
اِلَّا الْمَكْتُوبَةِ اِلَّا رَاْعَتِي الْفَجْرَ	فرض کوئی نماز جائز نہیں۔ بجز سنت
(از ماسحیہ طحاوی)	فجر کے

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا، یہی کیا یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی۔ عمل صحابہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

ساتویں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفلیں پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں۔ بلکہ مؤکدہ سنت ہے، یہ تاویل اس لیے ہے، تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن سحینہ سے روایت کی۔

قَالَ اُقِيْمَتِ صَلٰوةُ الْفَجْرِ فَاتَى	کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور صلی
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گزرے جو سنت

عَلَى رَجُلٍ يُصَلِّي رَكَعَتَيِ الْفَجْرِ فَقَامَ عَلَيْهِ وَلَا تَبْرَأُ النَّاسُ فَقَالَ اتَّصَلَيْتُمْهَا أَمْ بَعَثْتُ مَرَاتٍ -

فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض پکار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحتہ ذکر ہو گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے

جواب - یہ صاحب مالک ابن یحییٰ کے صاحبزادے عبداللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے۔ یہاں جماعت ہو رہی تھی، یعنی صف سے متصل، یہ واقعی کمرہ ہے، اسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غاب فرمایا، چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اسی حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے۔

ثُمَّ قَالَ ابْنُ عَبَّادٍ الرَّحْمَنُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِعَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَالِكٍ ابْنِ بَحِينَةَ وَهُوَ مُتَّصِفٌ ثُمَّ بَيَّنَّ يَدَيْهِ نِدَاءَ الصُّبْحِ فَقَالَ لَا تَجْعَلُوا هَذِهِ الصَّلَاةَ كَصَلَاةِ قَبْلُ الظُّهْرِ بَعْدَ هَذَا اجْعَلُوا بَيْنَهُمَا فِصْلًا

محمد ابن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے، تو حضور نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی پچھلی سنتوں کو طرح نہ بناؤ، سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا، کہ اگر سنت فجر جماعت

سے دور پڑھی جاوے تو بلا کراہتہ جائز ہے، جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے، یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا آپ کا اعتراض اصل سے ہی غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۳۔ جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی۔ اس لئے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیئے، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان دکا کر سنو اور خاموش رہو، لہذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس یٹے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے، اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں، کیا قرآن خلف الامام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے، تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو۔ جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرے یہ کہ قرآن پاک کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں۔ مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل درپیش آتی۔ ایک شخص کی تلاوت پر جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو، وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے، آج سائنس کا زور ہے۔ ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے۔ اگر سننا خاموش رہنا فرض عین ہو، تو مصیبت آجاوے، بہر حال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کی مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں، یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں، یہ التحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بُری چیز ہے

جواب۔ یہ مخالفت جب ہوگی۔ جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاوے اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں۔ اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں، بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے، دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے، اور وہ وضو کر کے واپس آئے۔ اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر شخص پہلے اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا۔ پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوگا۔ ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرورہ جائز ہے۔ سنت فجر بھی ضروری ہیں کہ اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کر لی

جاوین تو کوئی حرج نہیں۔

چودھواں باب

نمازیں جمع کرنا منع ہیں

ہر مسلمان پر لازم ہے، کہ ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرے، مقیم ہو یا مسافر، بیمار ہو یا تندرست، مگر غیر مقلد و باجی بحالت سفر ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء جمع کر کے پڑھتے ہیں، یعنی عصر کے وقت میں ظہر و عصر ملا کر اور عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل قرآن شریف کے بھی خلاف ہے۔ اور اجماع و حدیث صحیحہ کے بھی مخالف، ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد و باجیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

نمازیں جمع کرنا منع ہے

ہر نماز اپنے وقت میں پڑھنا فرض ہے اور عدا کسی نماز کو اپنے وقت کے بعد پڑھنا بلا عذر سخت گناہ اور منع ہے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱۔ رب تعالیٰ نماز کے اوقات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
كِتَابًا مَوْقُوتًا۔

مسلمانوں پر نماز فرض ہے۔ اپنے وقت میں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی ہر نماز کا اپنے وقت میں پڑھنا بھی فرض ہے، جیسے نماز کا تارک گنہگار ہے۔ ایسے ہی بلا عذر نماز کو بے وقت پڑھنے والا بھی مجرم ہے، اس آیت میں مقیم و مسافر کا کوئی فرق نہیں، ہر مومن کو یہ حکم

ہے کوئی ہو۔

نمبر ۲۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قَوْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝

خرابی ہے ان نمازیوں کے لیئے جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔

اس آیت میں نماز سستی سے پڑھنے والوں پر عتاب ہے، بلا عذر وقت گزار کر نماز پڑھنا بھی سستی میں داخل ہے، بلکہ اول درجہ کی سستی ہے۔

نمبر ۳۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝

نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

قرآن کریم نے کہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہر جگہ نماز قائم کر نیک حکم دیا ہے، نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھے، صبح پڑھے، صبح وقت پر پڑھے۔ نماز کا وقت گزرا کر پڑھنا نماز قائم کرنے کے خلاف ہے۔

نمبر ۴۔ رب تعالیٰ متقیوں کی تعریف اس طرح فرماتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا دَرَأْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝

قرآن ان متقی لوگوں کے لیئے ہادی سے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ متقی و پرہیزگار وہ مومن ہے، جو نماز قائم کرے، یعنی ہر نماز اسکے وقت پر پڑھے، اور ہمیشہ پڑھے، خواہ مقیم ہو یا مسافر، سفر میں ظہر یا عصر کا وقت نکال کر نماز پڑھنا ان آیات کریمہ کے صریح خلاف ہے۔

نمبر ۵۔ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَى الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ

فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا عمل سب سے اچھا ہے فرمایا وقت

قَالَ الْمَلَأْتُ بِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ أَحَى
قَالَ بِكَ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَحَى
قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ
حَدَّثَ شَيْئًا يَهْتَنُّ وَلَوْ اسْتَزِدَّتْهُ
كَزَادَنِي۔

پر نماز پڑھنی میں نے کہا پھر کونسا عمل فرمایا،
ماں باپ کی خدمت میں نے عرض کیا پھر
کونسا عمل فرمایا۔ اللہ کی راہ میں جہاد فرماتے
ہیں کہ حضور نے مجھے یہ باتیں فرمائیں اگر
زیادہ پوچھتا تو زیادہ بتاتے۔

نمبر ۱۰۔ احمد، ابوداؤد، مالک، نسائی نے حضرت عباد بن صامت سے روایت کی۔
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ
اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَحْسَنِ وَضُوءٍ هُنَّ
وَصَلَاةٌ هُنَّ يَوْقِيَهُنَّ وَأَتَمُّ مَرْكُوعٍ
هُنَّ وَخَشُوعُهُنَّ كَانَ لَهُ
عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ
يَغْفِرَ لَهُ الْخَطِيئَةَ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے کہ رب نے پانچ نمازیں فرض کیں جو
مسلمان ان کا وضو اچھی طرح کرے اور
انہیں ان کے وقت پر ادا کرے اور ان کا رکوع
اور حضور قلبی پورا کرے تو اس کے متعلق اللہ
کے کرم پر وعدہ ہے کہ اسے بخش
دے۔

نمبر ۱۱۔ ترمذی شریف نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تَوَحُّوهُنَّ أَكْصَلُوهُ
إِذَا أَنْتَ وَالْجَنَائِزَةُ إِذَا أَحْضَرْتُ
وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفُوهً۔

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
علی تین چیزوں میں دیر مت لگاؤ نماز جب
آجیاو سے اور جنازہ جب موجود ہو،
لڑکی جب تم اس کا کفو پاؤ۔

نمبر ۱۲۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ام فروہ سے روایت کی۔
قَالَتْ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَى الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ
قَالَ الصَّلَاةُ لِأَوَّلِ وَقْتِهَا۔

فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
دیر یافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے
فرمایا نماز پڑھنا اس کے اول وقت مستحب ہے

نمبر ۱۵۔ مسلم شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يُجْبِلُ وَيَرْقُبُ الشَّيْءَ حَتَّى إِذَا أَصْفَرَتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْئِي الشَّيْطَانِ قَامَ فَتَقَرَّبَ إِلَيْكَ كَمَا اللَّهُ إِلَّا قَلِيلًا

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کی انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب زرد ہو جائے اور سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچ جاوے تو چار چوہ مارے نہیں رب کا ذکر نہ کرے اگر

اس قسم کی احادیث بشمار ہیں، جن میں نماز کو وقت پر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دیر سے یا وقت مکروہ میں نماز پڑھنے پر سخت عقاب فرمایا، اسے منافقوں کا عمل قرار دیا گیا، یہاں بطور نمونہ چند احادیث پیش کی گئیں، افسوس ہے ان وہابی غیر مقلدوں پر جو گھر سے دو میل جا کر، سفر کا بہانہ بنا کر، وقت نکال کر نماز پڑھتے ہیں، نہ کوئی مجبوری ہوتی ہے، نہ کوئی عذر، صرف نفس امارہ کا دھوکہ ہے۔ کھانا وقت پر کھائیں، دنیاوی تمام کام خوب سنبھال کر کریں، مگر نمازیں بگاڑیں، جو اسلام کا پہلا فریضہ اور اعلیٰ رکن ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بیوں کی صحبت سے بچیں، اور سفر و حضر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھیں،

عقل کا تقاضا ہے۔ بھی یہ ہے کہ سفر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جاوے، ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں نہ پڑھے، کیوں کہ شریعت نے پانچوں نمازیں اور نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت سب کے اوقات علیہ علیہ مقرر فرمائے کہ ان میں سے کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا جاتا، مسافر بحالت سفر نماز فجر، نماز عصر، نماز عشاء کو اپنے وقت میں ہی پڑھنا ہے۔ ایسے ہی اگر مسافر نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت، نماز جمعہ پڑھے، تو ان کے مقررہ وقتوں ہی میں پڑھے گا۔ یہ نہیں کر سکتا کہ نماز تہجد سورج نکلنے کے بعد یا نماز جمعہ عصر کے وقت میں یا نماز فجر آفتاب نکلنے یا نماز عشاء صبح صادق ہو جانے پر پڑھے، تو ظہر اور مغرب نے کیا قصور کیا ہے کہ مسافر صاحب ظہر تو عصر کے وقت میں پڑھیں، اور مغرب عشاء کے وقت میں، حالانکہ سفر میں ان دونوں نمازوں کے وہ ہی وقت ہیں۔ جو حضر میں ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہابی صاحبان بتائیں کہ جب وہ سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے

وقت میں پڑھتے ہیں تو یہ ظہر اور مغرب ادا ہوتی ہے، یا قضاء اگر قضاء ہوتی ہے تو دیدہ و دانستہ نماز قضا کرنا سخت گناہ ہے۔ اور اگر ادا ہوتی ہے تو کیوں حضرت جبریل امین نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نمازوں کے اوقات عرض کیئے، تو یہ نہ فرمایا کہ مسافر کے لئے ظہر کا وقت آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت صبح صادق تک ہوگا، بلکہ ہر مسلمان کے لئے وقت ظہر عصر سے پہلے ختم ہونے اور وقت مغرب عشاء سے پہلے ختم ہونے کا حکم دیا تھا، پھر تم نے مسافر کے لئے ان دو نمازوں میں یہ وقت کی گنجائش کہاں سے نکالی، اور مسلمانوں کی نمازیں کیوں خراب کیں، بہر حال پانچوں نمازوں کے اوقات مسافر و مقیم ہر ایک کے لئے یکساں ہیں، ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ہر حال میں ہر نماز اس کے وقت میں پڑھے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابی اب تک اس مسئلہ کے متعلق جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم وہ تمام نقل کر کے ہر ایک کے جوابات عرض کرتے ہیں، آئندہ اگر کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ سَبِيرٍ وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو نماز ظہر و عصر جمع فرما لیتے تھے اور مغرب و عشاء بھی جمع فرماتے تھے۔

یہ حدیث ابو داؤد، ترمذی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف وغیرہ بہت محدثین نے مختلف راویوں سے کچھ فرق سے بیان فرمائی ہے۔ یہ ہی حدیث وہابیوں

کی انتہائی دلیل ہے، جسے وہ بہت قوی دلیل سمجھتے ہیں۔

جواب۔ اس کے چند جواب میں، بغور ملاحظہ فرماؤ۔

ایک یہ کہ ابو داؤد و شریف اور طحاوی شریف وغیرہم نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر سفر بغیر خوف کے مدینہ منورہ میں بھی ظہر و عصر، ایسے ہی مغرب و عشاء جمع فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ابو داؤد و شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

ابن عباس نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر مغرب و عشاء مدینہ منورہ میں بغیر بارش اور بغیر خوف کے جمع فرما لیتے تھے

قَالَ جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ۔

بلکہ اسی ابو داؤد و طحاوی شریف نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور مدینہ منورہ میں سات بلکہ آٹھ نمازیں جمع فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ابو داؤد و شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں سات نمازیں آٹھ نمازیں جمع کر کے ہم کو پڑھائیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء،

قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ ثَمَانِيًا وَسَبْعًا۔ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ۔

تو اسے دہاویو! تم صرف سفر میں، صرف ظہر و عصر یا مغرب و عشاء پر ہی مہربانی کیوں کرتے ہو؟ تمہیں چاہیے کہ روافض کی طرح سات سات آٹھ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ کر آرام کیا کرو، سفر میں بھی، اور گھر میں بھی، کیا بعض احادیث کو مانتے ہو، بعض کے انکاری ہو؟

دوسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ بخاری کی روایت میں یہ تو مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر جمع فرمائی، مگر یہ تفصیل نہیں، کہ کیسے جمع فرمائیں، آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھایا، ظہر کو عصر کے وقت میں، ایسے ہی مغرب و عشاء کے وقت میں پڑھی، یا عشاء مغرب کے وقت

میں، لہذا یہ حدیث مجمل ہے۔ اور مجمل حدیث بغیر تفصیل کے قابل عمل نہیں ہوتی۔
تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں ان نمازوں کو جمع فرمانا عذر سفر کی وجہ سے
تھا، ضرورت پر بہت سی منورہ چیزیں حلال ہو جاتی ہیں، اور جمع بھی صرف صورتہ تھا، حقیقتہً نہ
تھا، یعنی حضور علیہ السلام نے ظہر عصر کے وقت میں نہ پڑھی۔ بلکہ سفر کرتے کرتے ظہر کے آخر وقت
میں قیام فرمایا، ظہر آخر وقت میں ادا فرمائی، اور عشاء اول وقت میں، بظاہر معلوم یہ ہوا، کہ حضور علیہ
السلام نے دو نمازیں ایک وقت میں ادا فرمائیں، لیکن حقیقتہً ہر نماز اپنے وقت میں ہوئی
ظہر یا مغرب آپ نے آخر وقت میں پڑھی، عصر یا عشاء اول وقت میں۔ اس صورت میں
اس صورت میں یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہوئی نہ دوسری ان احادیث کے جو ہم نے
پہلی فصل میں پیش کیں۔

یہ جمع بالکل جائز ہے، یہ ہی ہمارا مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کی وہ حدیث جو طحاوی والبوداؤنی نے روایت کی۔ جس میں فرمایا
گیا۔ کہ حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں بغیر خوف بغیر بارش سات آٹھ نمازیں جمع فرمالتے تھے
وہاں سات آٹھ نمازیں مراد نہیں، بلکہ سات آٹھ رکعتیں مراد ہیں کہ اگر مغرب و عشاء صورتہً
جمع فرمائیں، تو فرض کی سات رکعتیں جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، اور اگر ظہر و
عصر جمع فرمائیں۔ تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، چار ظہر کی چار عصر کی، چونکہ یہ جمع صورتہً تھی نہ کہ
حقیقتہً لہذا سفر میں بھی جائز تھی، اور حضر میں بھی، بیان جواز کے لیئے، حدیث سمجھنے کے
لیئے شرعی عقل اور حدیث والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ غلامی چاہیئے جس
سے وہابی بے بہرہ ہیں۔

اس معنی کی تائید

نمازیں جمع کرنے کے جو معنی ہم نے بیان کیئے اس معنی کی تائید بہت سی احادیث
سے ہوتی ہے۔ جن میں سے بعض احادیث نقل کی جاتی ہیں۔ سنو اور عبرت پکڑو۔
حدیث تمیز۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ يَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ
يُؤَخِّرُ هَذِهِ فِي الْآخِرِ وَقَتَهَا وَيَجْعَلُ
هَذِهِ فِي أَوَّلِ وَقَتِهَا۔

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب و
عشاء اس طرح جمع فرماتے تھے کہ مغرب
اس کے آخر وقت میں ادا فرماتے تھے
اور عشاء اس کے اول وقت میں۔

حدیث نمبر ۲۔ بخاری شریف میں حضرت سالم سے ایک طویل حدیث روایت
کی جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ يَقْعَلُهُ
إِذَا أَحْجَلَهُ السَّيْرُ يَقِيمُ الْمَغْرِبَ
فِيصَلِّيَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ يُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَمًا
يَلْبِثُ حَتَّى يَقِيمَ الْعِشَاءَ فَيُصَلِّيَهَا
رُكْعَتَيْنِ۔

عبد اللہ ابن عمر بھی حضور علیہ السلام کا سا عمل
کرتے تھے کہ جب سفر میں جلدی ہوتی تو
مغرب کی تکبیر کہتے اور تین رکعت پڑھتے
پھر سلام پھیرتے پھر قنوتری دیر ٹھہرتے پھر
عشاء کی تکبیر فرماتے اور دو رکعت عشاء پڑھتے

حدیث نمبر ۳۔ نسائی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

قَالَ أَقْبَلَهَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ
فَلَمَّا كَانَ ذَلِكَ اللَّيْلَةَ سَارَيْنَا حَتَّى
أَمْسَيْنَا فَظَنْنَا أَنَّهُ نَسِيَ الصَّلَاةَ
فَقُلْنَا لَهُ الصَّلَاةُ فَسَكَتَ وَسَاءَ
حَتَّى كَادَ الشَّفَقُ أَنْ يَغِيبَ ثُمَّ
نَزَلَ فَصَلَّى وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَاءَ
ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ هَكَذَا كُنَّا
نَصْنَعُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ۔

فرماتے ہیں کہ ہم مکہ معظمہ سے حضرت ابن عمر
کے ساتھ آئے، جب یہ رات ہوئی تو آپ
چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہو گئی، ہم سمجھے کہ
حضرت عبد اللہ نماز بھول گئے ہم نے ان سے کہا
کہ نماز پڑھ لیجیے مگر آپ چلتے ہی رہے یہاں تک
کہ شفق ڈوبنے کے قریب ہو گئی تو اترے اور مغرب
پڑھی، شفق غائب ہو گئی تو نماز عشاء پڑھی پھر
ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم حضور کی مانند
بھی ایسا ہی کرتے تھے، جب سفر میں جلدی ہوتی۔

اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں، جن میں صراحتہ ارشاد ہوا ہے کہ سفر میں عصر و ظہر یا مغرب
و عشاء صرف سورۃ جمع کی جاویں گی، کہ مغرب اپنے آخر وقت میں پڑھی جاوے، عشاء اپنے

اول وقت میں، نہ تو ظہر عصر کے وقت میں پڑھی جاوے نہ مغرب عشاء کے وقت میں اگر ان احادیث کی تفصیل دیکھنی ہو؛ تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ہم نے صرف تین حدیثوں پر التفاسی، لہذا جنہیں کی توجیہ بالکل درست ہے، اس کی تائید قرآن کریم بھی کر رہا ہے۔ اور دیگر احادیث بھی وہابیوں کی توجیہ محض باطل ہے، قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی۔

اسے وہابیو! اگر تم ان احادیث کی وجہ سے سفر میں جمع حقیقی مانتے ہو تو حضرت ابن عباس کی حدیث کی وجہ سے بحالت اقامت سات بلکہ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ لیا کرو یہ حدیث ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، جب تم اس حدیث میں جمع صوری مراد لیتے ہو۔ تو یہاں جمع حقیقی کیوں مراد لیتے ہو؟ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار، اعتراض نمبر ۲۔ بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت ہے، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

<p>فرماتے ہیں، کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک موخر کرتے پھر دونوں نمازیں جمع فرماتے۔</p>	<p>قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا۔</p>
--	---

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر عصر کے وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ اِلَى الْعَصْرِ سے ظاہر ہے۔

جواب۔ آپ نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا، اِلَى سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے وقت سے پہلے نزل فرماتے تھے، غایت معنی سے خارج ہے۔ نہ کہ داخل عصر تک موخر فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ عصر کے قریب تک موخر فرماتے تھے۔ جیسا کہ اعتراض نمبر ۱ کے جواب کی حدیث سے معلوم ہوا۔ لہذا جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع حقیقی۔

اعتراض نمبر ۳۔ طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا كَانَ عِنْدَ غَيْبِ مَوْتِ الشَّفَقِ
نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا وَقَالَ زَكَّيْتُ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
هَكَذَا إِذَا اجْتَبَاهُ السَّيْرُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ
شفق غائب ہونے کا وقت آگیا تو اترے
پس مغرب و عشاء جمع فرمائیں اور فرمایا کہ میں نے
حضور کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جب سفر میں
جلدی ہوتی۔

اس حدیث میں صراحتہً مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما شفق غائب ہونے کے وقت اترے
یقیناً آپ نے مغرب و عشاء کے وقت میں پڑھی۔

جواب۔ یہ بھی آپ کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس کے معنی یہ کہ شفق غائب ہونے
کے بعد اترے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ جب شفق غائب ہونے لگی یعنی غائب ہونے کے قریب
ہوئی تب اترے۔ نماز مغرب پڑھتے ہی شفق غائب ہوگئی اور وقت عشاء آگیا۔ عشاء پڑھ
لی۔ ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ان ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل شریف بیان کر چکے ہیں
جس میں تصریح ہے کہ آپ نے مغرب آخر وقت میں پڑھی اور عشاء اول وقت میں وہ حدیث
تمہاری اس حدیث کی تفسیر ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ اگر ہر نماز اپنے وقت میں ہی پڑھنی چاہیے اور سفر وغیرہ عذر کی حالت میں
بھی ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا گناہ ہے تو حاجی لوگ عرفات میں نویں ذی الحجہ
کو ظہر و عصر لا کر کیوں پڑھتے ہیں۔ ظہر کے وقت میں عصر اور سوین ذی الحجہ کی شب کو مزدلفہ میں
مغرب و عشاء لا کر عشاء کے وقت میں کیوں پڑھتے ہیں۔ حنفی بھی وہاں نمازوں کا جمع کرنا جائز
کہتے ہیں۔ جب حج کے موقع پر نماز ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء حقیقی طور پر ایک ہی وقت
میں جمع ہو گئیں۔ تو اگر سفر میں جمع ہو جاویں۔ تو کیا حرج ہے۔ اسے حنفیو! تم قرآنی آیت اور یہ
احادیث حج میں کیوں بھول جاتے ہو؟ (یہ دہائیوں کا انتہائی اعتراض ہے)

جواب۔ جناب! تو عرفہ میں عصر ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے۔ نہ مزدلفہ میں مغرب
عشاء کے وقت میں۔ بلکہ وہاں حجاج کے لئے عصر کا وقت ظہر کی طرف اور مغرب کا وقت
عشاء کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ یعنی وہاں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع

ہوتا ہے۔ اور عصر کا وقت ظہر پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ جیسے وتر کا وقت عشاء کے فرض پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ لہذا وہاں نمازیں اپنے وقت سے نہ ہٹیں۔ بلکہ نمازوں کے اوقات ہٹ گئے نمازیں اپنے وقت ہی میں ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹاتے ہو۔ وقت ہٹ جانے اور نماز ہٹ جانے میں بڑا فرق ہے۔

اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر امام عرفہ میں ظہر اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھے اور عصر ہمیشہ کے وقت، تو سخت گنہگار ہوگا۔ گویا اس نے عصر قضا کر دی اور اگر اس دن مغرب کی نماز اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھی، اور عشاء اپنے معمولی وقت میں، تو نماز مغرب ہوگی ہی نہیں اور ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ گویا اس نے مغرب کی نماز وقت سے پہلے پڑھ لی۔ معلوم ہوا کہ آج ان نمازوں کے وقت ہی بدل دیئے گئے ہیں۔

لیکن اگر مسافر ظہر و عصر جمع نہ کرے۔ بلکہ ظہر اپنے وقت میں پڑھے۔ اور عصر اپنے وقت میں ایسے ہی مغرب اپنے وقت میں پڑھے، اور عشاء اپنے وقت میں، تو تم بھی اسے گنہگار نہیں مانتے، بلکہ اہمیت جائز کہتے ہو۔ معلوم ہوا کہ تمہارے نزدیک بھی سفر میں وقت نماز نہیں بدلتا۔ بلکہ نماز دوسرے وقت میں ادا کی جاتی ہے۔ لہذا مساجدوں کی عرفہ و مزدلفہ والی نمازیں۔ نہ قرآنی آیات کے خلاف ہیں، نہ احادیث کے مخالف۔ وہاں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے اور مسافر کا حقیقی طور پر نمازوں کا جمع کرنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، احادیث کے بھی۔ حج میں اوقات نماز میں تبدیلی۔ حدیث مشہور بلکہ حدیث صحیح متواتر معنوی سے ثابت ہے۔ اس پر اسی طرح عمل واجب ہے۔

جیسے آیت قرآنیہ پر عمل ضروری ہے

ہم نے یہاں جمع نماز کا مسئلہ مختصر طور سے عرض کر دیا ہے۔ اگر اس کی پوری تحقیق دیکھنا ہو تو ہمارا حاشیہ بخاری نعیم الباری میں یہ ہی بحث ملاحظہ کرو۔ ان شاء اللہ وہاں لطف آجاوے گا۔

ناظرین کو ان بحثوں سے پتہ لگ گیا ہوگا۔ کہ مذہب حنفی بفضلہ تعالیٰ نہایت مضبوط مدلل اور بہت ہی قوی اور قرآن مجید و احادیث کے بالکل مطابق ہے

دوبابی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اُن کے مذہب کی بنیاد محض غلطی پر قائم ہے۔ رب تعالیٰ ہم کو اسی مذہب حنفی پر قائم رکھے۔
ہمارا دین حنفی ہے۔ مذہب حنفی یعنی ملت ابراہیمی اور مذہب نعمانی۔

پندرہواں باب^{۱۵} سفر کا فاصلہ تین دن کی راہ ہے

شرعیعت اسلامیہ نے مسافر کو یہ سہولت دی ہے کہ اس پر چار رکعت فرض میں بجائے چار کے دو واجب فرمائی ہیں۔ لیکن وہابیوں غیر مقلدوں نے محض نفسانی خواہش سے نماز میں کمی کرنے کے لئے سفر کو ایسا عام کر دیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ گھر سے کھیت دیکھنے لگے۔ مسافر بن گئے۔ ایک آدھ میل سیر و تقریج کرنے شہر سے باہر نکلے۔ مسافر بن بیٹھے۔ اور نماز میں کمی کر دی۔ شرعاً سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے کہ جب انسان اپنے وطن سے تین دن کی مسافت کا ارادہ کر کے نکلے تو وہ مسافر ہے اس پر صرف چار رکعت والی فرضوں میں قصر واجب ہے۔ یعنی بجائے چار کے دو پڑھے۔

تین دن کی مسافت عام اچھے راستوں پر تقریباً ستاون میل انگریزی بنتے ہیں۔ ہر منزل ۱۹ میل کی کل تین منزلیں ۵۷ میل اور ریتلے یا پہاڑی راستہ اس سے کم بنے گا۔ غرضیکہ تین دن کے راہ کا اعتبار ہے۔

حاجیوں کو ضروری ہدایت

آج کل حرمین طہیین میں نجدیوں کی حکومت ہے۔ نجدی امام حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ سے منیٰ و عرفات میں آکر قصر نماز ادا کرتا ہے۔ حالانکہ منیٰ کا فاصلہ مکہ معظمہ سے صرف تین میل

ہے۔ اور عرفات کا فاصلہ نو میل۔ حنفی مذہب کی رو سے وہ امام قصر نہیں کر سکتا۔ اس لئے حنفی لوگ اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں۔ ورنہ نماز ہی نہ ہوگی۔

شافعی یا حنبلی امام کو ایسے موقع پر یہ چاہیے کہ ذی الحجہ کی آمد تاربخ کو مکہ معظمہ سے ۵۰ میل دور نکل جاوے۔ پھر واپس ہوتے ہوئے منیٰ و عرفات میں قصر پڑھے تاکہ حنفیوں کی نمازیں بھی اوس کے پیچھے درست ہوں حاجیوں کو بہت احتیاط چاہیے۔ اس باب کی بھی ہم دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں سفر کی اس مسافت کا ثبوت۔ دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

مسافت سفر تین دن کا ثبوت

سفر کی مسافت کم از کم تین دن کی راہ ہے۔ اس سے کم فاصلہ شرعاً سفر نہیں۔ نہ ایسے شخص پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ ولائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حدیث بخاری شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی۔

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر قریبی رشتہ دار کے نہ کرے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحَرٍّ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو اکیلے سفر کرنا حرام ہے۔ ذی رحم قرابتہ دار کے ساتھ سفر کر سکتی ہے۔ اسی سفر کی مدت حضور نے تین دن فرمائی معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن ہے۔

(۲) حدیث مسلم شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

حضور صلعم نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کیلئے تین دن تین راتیں مقرر فرمائی اور مقیم کے لیے ایک دن رات۔

قَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمَقِيمِ۔

حدیث نمبر ۲۹ - ابو داؤد - نسائی - ابن حبان - طحاوی - ابو داؤد - طبرانی - ترمذی
نے خزیمہ ابن ثابت انصاری وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے
ہیں حضور نے فرمایا کہ مقیم کیلئے موزوں پر
صبح کی مدت ایک دن ایک رات ہے اور
مسافر کیلئے تین دن تین راتیں ہیں۔

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنَّهُ قَالَ فِي الْمَسِيرِ عَلَى الْخَفِيفِ لِلْمَقِيمِ
يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَلِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ
وَلَيَالِيَهُنَّ

حدیث نمبر ۱۲۱ - اثرم نے اپنی سنن میں۔ ابن خزیمہ وارقطی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ
عنه سے روایت کی۔

وہ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
کہ حضور نے مسافر کیلئے تین دن تین رات تک
صبح کی اجازت دی اور مقیم کے لئے ایک
دن ایک رات جبکہ وضو کر کے موزے پہنے ہوں۔
خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ
رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ
وَلِلْمَقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً إِذَا تَطَهَّرَ فَلَبَسَ
خَفِيَّهُ أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ
وَهُوَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ (مشکوٰۃ)

حدیث نمبر ۱۵۱ - ترمذی - نسائی نے حضرت صفوان ابن عسال سے روایت کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے
تھے کہ جب ہم مسافر ہوں اپنے
موزے تین دن تین رات نہ

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُرْنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا
أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَانَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ
وَلَيَالِيَهُنَّ (مشکوٰۃ)

اتاریں۔ الخ

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسافر کو تین دن موزے پر مسح کرنے کی
اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے علیحدہ نہیں۔ اگر تین دن سے کم مسافت
بھی سفر بن جاوے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ مثلاً اگر
وہابی صاحب اپنے کھیت پر سیر کرنے ایک میل کے فاصلہ پر باکر مسافر بن جاویں۔ تو تین
دن مسح کر کے دکھاویں۔ ایسے ہی جو آدمی ایک دن چل کر گھر پہنچ جاوے۔ وہ اس اجازت

سے کیے فائدہ اٹھائے۔ لہذا تین دن سے کم سفر بن سکتا ہی نہیں ورنہ موزوں پر مسح کی یہ احادیث عمومی طور پر قابل عمل نہ رہیں گی۔ اس دلیل پر اچھی طرح غور کر لیا جاوے

حدیث نمبر ۱۶۔ امام محمد نے آثار میں حضرت علی ابن ربیعہ والہی سے روایت کی۔
 قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ أَلَا
 كُمْ تَقْصِرُ الصَّلَاةَ فَقَالَ الْغُرُفُ
 السُّوَيْدِ اءِ قُلْتُ لَا وَالْكِنِّي قَدْ
 سَمِعْتُ بِهَا قَالَ هِيَ ثَلَاثُ لَيَالٍ
 فَوَاحِدَةٌ فَإِذَا أَخْرَجْنَا إِلَيْهَا
 قَصَرْنَا الصَّلَاةَ۔
 فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ ابن
 عمر سے پوچھا کہ کتنی مسافت پر نماز کا قصر
 ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے مقام
 سویداہ دیکھا ہے میں نے کہا دیکھا تو نہیں
 سنا ہے۔ فرمایا وہ یہاں سے تین رات کے
 (فاصلہ کی رفتار سے) فاصلہ پر ہے ہم جب
 وہاں تک جاؤں تو قصر کر سکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۷۔ دارقطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔
 أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 قَالَ يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَا تَقْصِرُوا
 الصَّلَاةَ فِي أَذْيٍ مِنْ أَرْبَعَةِ بُرُجٍ
 مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ
 بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 کہ مکہ والو چار برید سے کم سفر میں
 نماز قصر نہ کرنا۔ یہ فاصلہ مکہ معظمہ
 سے عسفان کا ہے

حدیث نمبر ۱۸۔ مؤطا امام مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
 أَنَّهُ كَانَ يَقْصِرُ الصَّلَاةَ فِي مِثْلِ
 مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِي مِثْلِ
 مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِي مِثْلِ مَا
 بَيْنَ مَكَّةَ وَجَدَّةَ قَالَ يَحْيَى قَالَ مَالِكٌ
 وَذَلِكَ أَرْبَعَةُ بُرُجٍ۔
 کہ آپ نماز قصر کرتے تھے مکہ اور طائف
 اور مکہ عسفان اور مکہ اور جدہ کی برابر
 فاصلہ میں سیچھے فرماتے ہیں کہ
 امام مالک نے فرمایا یہ فاصلہ چار
 برید ہے۔

حدیث نمبر ۱۹۔ امام شافعی نے یہ اسناد صحیح حضرت عبداللہ ابن عباس سے
 روایت کی۔

أَنَّهُ سَيَلَّ الْقَصْرَ الصَّلَوَةَ إِلَى عِرْقَةٍ
قَالَ لَا وَلَكِنْ إِلَى عُسْفَانَ وَإِلَى جَدَّةَ
وَالِى الطَّائِفِ مَرَاةً إِلَّا مَا مَامُ
الشَّافِعِ وَقَالَ إِسْنَادُهُ
صَحِيحٌ

~~~~~

حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ کیا  
عرفات تک (۹ میل) جانے میں نماز قصر  
کی جاوے گی فرمایا نہیں۔ لیکن قصر کی جاوے  
گی عسفان یا جعدہ یا طائف تک اسے امام  
شافعی نے نقل فرمایا اور فرمایا کہ اس کی اسناد  
صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۳۲۰۔ امام محمد نے مؤطا شریف میں حضرت نافع سے روایت کی۔  
أَنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ الْبَرْدِيِّ  
فَلَا يَقْصِرُ الصَّلَوَةَ۔

خیال رہے کہ ۴۴ برید انگریزی میل کے حساب سے قریباً ۵۵ میل ہوتا ہے۔ یعنی ۳۶  
کوس تین منزلیں۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث  
وارد ہیں۔ جس کو شوق ہو وہ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرے ان تمام احادیث سے معلوم  
ہوا۔ کہ مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہیں نہ اس پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ سفر کے لیے چار برید  
فاصلہ یعنی تین منزلیں یا بیس۔ ساکرام کا اس ہی پر عمل تھا۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہ ہو کیونکہ شہر کے آس پاس کی  
زمین شہر کی فنا کہلاتی ہے۔ جس سے شہری ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جیسے قبرستان عید گاہ  
چراگاہیں گھوڑ دوڑ کے میدان یہاں پہنچ جانا شہر میں پہنچ جانا سمجھا جاتا ہے کوئی شخص اس  
جگہ سیر و تفریح کے لیے جا کر اپنے کو مسافر نہیں سمجھتا۔ نیز اگر اس جیسی مسافت کو سفر کہا  
جاوے تو چاہیے کہ کوئی عورت بغیر محرم کے مطلقاً شہر سے باہر نہ جاسکے۔ کیونکہ عورت  
کو بغیر محرم سفر کرنا حرام ہے۔ نیز اسلامی قانون ہے کہ مسافر تین دن رات موزوں پر مسج کر سکتا  
ہے۔ یہ قانون ہر مسافر کو عام نہ ہو سکے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ تو چاہیے کہ سفر  
کی کم از کم کوئی حد مقرر ہو۔ جسے عقل شرعی بھی سفر مانے اور جس سے یہ اسلامی قانون بھی ہر  
مسلمان پر جاری ہو۔ وہ حد تین دن ہی ہے۔

نیز تین دن کی مسافت کا سفر ہونا تو یقینی ہے۔ اس سے کم مسافت سفر ہونا مشکوک نماز کی چار رکعتیں یقین سے ثابت ہیں تو یقینی چیز کو مشکوک سے نہیں چھوڑ سکتے یقین کو یقین ہی زائل کر سکتا ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر وہابیوں کو صرف ایک ہی حدیث مل سکی ہے۔ جو مختلف کتب حدیث میں مختلف راویوں سے منقول ہے۔ چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالدِّينَةِ أَرْبَعًا وَصَلَّى بِنَدَى الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ۔  
 کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر دینہ منورہ میں چار رکعت پڑھیں اور ندی الحلیفہ میں نماز عصر دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

دیکھو ذوالحلیفہ دینہ منورہ سے صرف ۳ میل فاصلہ پر ہے۔ جسے آج کل بیرونی کہا جاتا ہے۔ یہ ہی اہل مدینہ کے لئے حج کا میقات ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ تو صرف ۳ میل فاصلے پر پہنچ کر قصر فرماتے تھے۔

جواب :- اس حدیث میں سیر و تفریح کے لئے صرف ذوالحلیفہ تک جانے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ سرکارِ بارادہ حج مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ذوالحلیفہ پہنچ کر وقت عصر آگیا۔ تو چونکہ آپ آگے جا رہے تھے۔ لہذا یہاں قصر فرمایا۔ اس لئے یہاں فرمایا گیا۔ صلی الظہر ایک باریہ واقعہ ہوا۔ کان یصلتی نہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ آپ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی تفسیر وہ حدیث ہے جو شوط امام مالک اور شوط امام محمد میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مَعْتَمِرًا قَصَرَ الصَّلَاةَ۔  
 کہ حضرت عبداللہ ابن عمر جب حج یا عمرہ کرتے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے۔ تو

رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر قصر پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل شریف تمہاری پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہے اس سے مسئلہ فقہی یہ معلوم ہوا کہ جو شخص سفر کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہو جاوے تو آبادی سے نکلنے ہی نماز قصر پڑھے گا۔ اور واپسی پر آبادی میں داخل ہونے پر وہ مقیم بنے گا یہ حدیث ہمارے بالکل موافق ہے۔

اعترض نمبر ۲۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے یہ حلال نہیں کہ ایک دن و رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کرے۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَوَمَّنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حَرَمَةٌ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن و رات کی مسافت طے کرنا سفر ہے کہ اسے حضور نے سفر فرمایا اور اس پر سفر کے احکام جاری کیئے کہ عورت کو بغیر محرم کے اتنی دور جانا حرام فرمادیا گیا۔ معلوم ہوا کہ سفر کے لیے تین دن کی مسافت ضروری نہیں ایک دن کا بھی ہو جاتا ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارا مذہب اس حدیث سے بھی ثابت نہ ہوا۔ تمہارا مذہب تو یہ ہے کہ شہر سے میل دو میل سیر و تفریح کے لیے جانا بھی سفر ہے اور اس حدیث میں ایک دن و رات مسافت کی قید ہے۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں تین دن کی روایت اسی بخاری شریف کی پیش کر چکے ہیں ہم کو دو روایتیں ملیں تین دن والی اور ایک دن والی۔ اگر ایک دن کی حدیث پہلی ہو اور تین دن کی حدیث بعد کی۔ تو ایک دن والی حدیث منسوخ ہے۔ اور اگر تین دن والی حدیث پہلی ہے۔ ایک دن والی حدیث سچے تو تین دن کی حدیث ایک دن والی حدیث سے منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تین دن میں ایک دن بھی آجاتا ہے۔ اور جب ایک دن کی مسافت پر عورت کو اکیلے سفر حرام ہے تو تین دن کا سفر بھی حرام ہوگا۔ لہذا تین دن کی روایت بہ

ہر حال قابل عمل ہے اور ایک دن کی حدیث پر عمل مشکوک اس لیے ایک دن کی حدیث قابل عمل نہیں۔ تین دن کی حدیث قابل عمل ہے کہ حرمت شک سے ثابت نہیں ہوتی۔ بہ ہر حال سفر کی مدت تین دن کی مسافت ہی ہو سکتی ہے۔

اعترض نمبر ۳۔ آج کل موٹر اور ریل وغیرہ سے تین دن کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہو جاتا ہے۔ تو بتاؤ موزوں پر مسج کی مدت تین دن یہ مسافر کیسے پوری کرے گا۔ تمہارے قول پر بھی یہ حدیث علی العموم قابل عمل نہ ہوئی۔

جواب۔ یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ ایک ہے قانون کا اپنا سقم کہ قانون خود ہر جگہ جاری نہ ہو سکے یہ قانون کا عیب ہے ایک ہے کسی عارضہ کی وجہ سے قانون جاری نہ ہونا یہ قانون کا اپنا سقم نہیں شریعت میں سفر پیدل یا اونٹ کی رفتار معتبر ہے اگر وہ تین دن کی ہے۔ تو سفر ہے۔ اسی رفتار میں ہر مسافر پر یہ مسج کا قانون حاوی اور جاری ہونا چاہیے اگر شخص ایک گھنٹہ میں اتنا سفر کر لیتا ہے تو یہ ایک خارجی عارضہ ہے جس کی وجہ سے یہ قانون کی زد سے بچ گیا۔ قانون اپنی جگہ درست ہے۔ تمہارے قول کی وجہ سے قانون میں سقم لازم آتا ہے۔ لہذا تمہارا قول باطل ہے۔ ہمارا قول درست۔

## سولہواں باب

### سفر میں سنت و نفل

مسافر کو بحالت سفر صرف فرض نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے کہ چار رکعت فرض دو پڑھے۔ فرض کے علاوہ تمام نفل و سنت، وتر و گھر کی طرح پورے پڑھے۔ ان نمازوں کا جو حکم گھر میں ہے۔ وہ ہی سفر میں ہے۔ نہ تو ان میں قصر ہے نہ یہ منع ہیں۔ نہ بالکل معاف مگر غیر منقلد و تابعی سفر میں نفل نہ خود پڑھتے ہیں۔ نہ اوروں کو پڑھنے دیتے ہیں۔ بعض تو اس میں بہت سخت ہیں۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ



کا شرعی ثبوت۔ دوسری فصل میں اس پر دہائیوں کے اعتراضات مع جوابات حق تعالیٰ قبول فرماوے۔

## پہلی فصل

سفر میں سنت و وتر نفل پوری پڑھو

مسافر صرف چار رکعت فرض میں قصر کرے۔ باقی ساری نماز پوری پڑھے۔ اسے روکنا یا منع کرنا سخت جرم ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

أَرْسَلْتُ إِلَيْكَ يُثَٰفِي عِبْدًا إِذَا صَلَّى  
کیا آپ نے اُس مُردہ کو دیکھا جو بندہ مؤمن کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو نماز سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ اور رب تعالیٰ کو بہت ناپسند اس ہی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وقت مکروہ میں نماز پڑھنے لگے۔ تو اسے نہ روکو تاکہ اس آیت کی زد میں نہ آجاؤ۔ جب نماز پڑھ چکے تو مسئلہ تباہ و (شامی وغیرہ) اس سے دہائیوں کو عبرت پکڑنا چاہیے جو مسافر مسلمانوں کو سنت و نفل سے بہت سختی سے روکتے ہیں۔ بلکہ لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ آخر وہ نماز ہی تو ہے۔ اس سے اتنی چڑکیوں ہے۔

نمبر ۲۔ رب تعالیٰ کفار مکہ کے عیوب اس طرح بیان فرماتا ہے۔

وَلَا تَطْعَمُ كُلَّ يَوْمٍ هِمًّا  
مَشَاءَ نَفِيمٍ مَّنَّاءَ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ  
اس کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا  
ذلیل۔ چنیل خور۔ بھلائی سے روکنے والا حد سے  
آگے بڑھنے والا سخت گنہگار ہے۔

معلوم ہوا کہ لوگوں کو بھلائی سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ ان کی بات ہرگز نہ ماننا چاہیے مسلمانوں کو بھلائیوں سے روکنا دہائیوں کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہے۔ سینا۔ جوئے اور شراب سے نہیں چڑنے چڑتے ہیں تو کس سے؟ سفر میں سنت و نفل نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان الا

بات ہرگز نہ مانے۔ اس آیت پر عمل کرے۔

نمبر ۳۔ رب تعالیٰ مومنوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

مومن وہ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت دے دیں تو نمازیں قائم کریں ابھی باتوں کا حکم دیں۔ بُری باتوں سے روکیں۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ آثَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

اگر خدا نہ کرے زمین میں وہابیوں کی سلطنت ہو جاوے۔ تو لوگوں کو کس چیز سے روکیں۔ سفر میں سنت و نفل نماز پڑھنے سے۔ اللہ کے ذکر کی مجلسوں سے۔ میلاد شریف ختم و فاتحہ و تلاوت قرآن سے۔ کن چنیوں کا حکم دیں گندے کنوؤں سے و منور کرنے کا۔ کتے خبیثے کھانے کا لڑکے پشیاں اور مٹی کے پاک سمجھنے کا۔ اپنے نطفے کی زنا کی لڑکی سے نکاح کر لینے کا۔ جیسا کہ ہم آخر کتاب میں وہابیوں کے خصوصی مسائل بیان کریں گے۔

حدیث ۴۷۵۔ ترمذی شریف اور طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کی۔ مگر قدرے لفظی اختلاف سے

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وطن اور سفر میں نمازیں پڑھی ہیں پس میں نے آپ کے ساتھ وطن میں ظہر چار رکعت پڑھی اسکے بعد دو رکعت سنت اور آپ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعت پڑھیں۔ اس کے بعد دو رکعتیں سنت عصر دو رکعت اس کے بعد کچھ نہ پڑھا۔ اور مغرب وطن سفر میں برابر تین رکعتیں اس میں کمی نہ فرماتے تھے وطن میں نہ سفر میں وہ دن کے وتر میں اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھیں

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَبَعْدَ هَاذِهِمَا كَعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ هَاذِهِمَا كَعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَ هَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ وَلَا يُنْقِصُ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ وَتُرُ النَّهَارِ وَبَعْدَ هَا رَكْعَتَيْنِ

طحاوی شریف میں یہ الفاظ اور زیادہ ہیں۔ وَصَلَّيْتُ الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ هَا

حضور علیہ السلام نے عشا کی نماز دو رکعتیں پڑھی۔

۱۔ اسکے بعد دو رکعتیں۔

رُكْعَتَيْنِ -

دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ظہر کے فرض دو اور بعد میں سنت دو مغرب کے فرض تین اور بعد میں سنتیں دو۔ عشاء کے فرض دو اور بعد میں سنتیں دو پڑھیں۔ اگر سفر میں سنت یا نفل پڑھنا ممنوع ہو تو سرکارِ پرانوار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں پڑھتے یہ وہابی سنت سے چڑھتے ہیں۔

نمبر ۷۔ ابو داؤد و ترمذی نے حضرت بلال ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ حَبِيبُ الرَّسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَإِذَا بَيَّعْتَهُ تَرَكَ رُكْعَتَيْنِ إِذَا مَرَّ أَمَّا غَيْتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ سفر کیئے۔ میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے آفتاب ڈھلنے کے بعد ظہر کے پہلے کی دو نفل چھوڑے ہوں۔

نمبر ۸۔ ابو داؤد و شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ وَارَادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهِ فَكَبَّرَ اللَّهُ

فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی ناکہ کو کعبہ کی طرف متوجہ فرما دیتے۔ پھر تکبیر کہہ کر نفل پڑھتے۔

نمبر ۹۔ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى مَرَأٍ حَلَّتْ بِهَا حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ يَوْمِيَّ أَيْمَاءَ صَلَوةَ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَأِضَ وَيُوتِرُ عَلَى رَأِحَلَتِهِ

فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں راستہ طے کرتے ہوئے نماز تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ ٹھہرے ہوئے مسافر کو سنت ٹو کہہ مکہ سے روکتے ہیں۔

نمبر ۱۱۔ مؤطا امام مالک میں حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ

فرماتے ہیں کہ بے شک عبداللہ ابن عمر اپنے

يَرَأِي رَبَّهُ عُبَيْدُ اللَّهِ يَنْقَلُ فِي  
السَّفَرِ فَلَا يُسْكِرُ عَلَيْهِ -

فرزند عبید اللہ کو سفر میں نفل پڑھنے دیکھتے تھے  
تو آپ منع نہ فرماتے تھے۔

نمبر ۱۲۔ ترمذی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ اَنْظَرَنِي السَّفَرَ رَكَعَتَيْنِ  
وَبَعْدَهَا رَكَعَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ  
وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ -

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ و  
سلم کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں  
اسکے بعد دو رکعت سنت اسے ترمذی  
نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے

نمبر ۱۳ و ۱۴۔ مسلم و ابوداؤد نے حضرت ابوقتاوہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سفر میں تعریس کی  
رات نماز صبح قضاء ہو جانے کی بہت دراز حدیث روایت کی جسکے بعض الفاظ یہ  
ہیں۔

صَلَّيْتُ رَكَعَتَيْنِ قَبْلَ  
الصُّبْحِ ثُمَّ صَلَّيْتُ الصُّبْحَ كَمَا  
كَانَ يُصَلِّي -

حضور علیہ السلام نے فجر کی سنتیں فرض سے پہلے  
پڑھیں پھر فجر کے فرض پڑھتے ہوئے ہمیشہ  
پڑھا کرتے تھے۔

نمبر ۱۵ تا ۱۸۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ابن ابی لیلیٰؓ سے روایت کی۔  
قَالَ مَا أَخْبَرَنَا أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّيْتُ الصُّبْحَ  
غَيْرَ أَمْرٍ هَافٍ ذَكَرْتُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّيَّ  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ غَتَلَ  
فِي بَيْتِهَا فَصَلَّى ثَمَانِ رَكَعَاتٍ -

فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ام ہانی کے سوا  
اور کسی نے یہ خبر نہ دی کہ اس نے حضور صلی  
اللہ علیہ وسلم کو نماز چاشت پڑھنے دیکھا۔ ام ہانی  
فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان  
کے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نفل نماز چاشت پڑھیں۔

دیکھو فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام مکہ معظمہ میں مسافر ہیں۔ اس کے باوجود حضور علیہ السلام  
نے اپنی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں نماز چاشت آٹھ رکعت پڑھی، حالانکہ  
نماز چاشت نفل ہے۔

نمبر ۱۹۔ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔



فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
وطن میں بھی نماز فرض ادا فرمائی اور سفر میں بھی ہم  
وطن میں فرض نماز سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے  
اور سفر میں بھی فرض سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے۔

قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْحَضَرِ وَصَلَاةَ السَّفَرِ  
فَكُنَّا نُصَلِّي فِي الْحَضَرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا  
وَكُنَّا نُصَلِّي فِي السَّفَرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا۔

نعمہ ۲۰۔ بخاری شریف نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر غیر قبلہ کی  
طرف نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ  
يُصَلِّي السُّجُودَ وَهُوَ مَأْكِبٌ فِي غَيْرِ الْقِبْلَةِ

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں سنت و نفل کی نہ نو معافی ہو اور نہ قصر

چند وجہ سے۔

ایک یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات نمازیں دو دو رکعت فرض کی

گئیں۔ پھر سفر میں تو وہ ہی دور ہیں۔ حضر میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی اور ظاہر ہے کہ

معراج میں فرض نمازیں ہی لازم کی گئیں تھیں۔ نہ کہ سنت و نوافل وغیرہ۔ لہذا قصر صرف فرض میں

ہوا نہ کہ نفل و سنت میں دوسرے یہ کہ بحالت سفر فرض نماز میں بہت پابندی ہے کہ سواری

پر سلتی ریل میں، غیر قبلہ کی طرف ادا نہیں ہو سکتی، سنت و نفل میں یہ کوئی پابندی نہیں، سواری

پر، غیر قبلہ کی طرف بھی ادا ہو جاتی ہیں، فرض کے لیے مسافر کو سفر توڑنا پڑتا ہے۔ جس سے دیر

لگتی ہے۔ اس لیے وہ نماز ادا ہی کر دی گئی۔ چونکہ سنت و نفل کے لیے سفر توڑنا نہیں پڑتا، سواری

پر ادا ہو جاتی ہیں۔ اس لیے نہ تو ان میں قصر کی ضرورت ہے، نہ معافی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

یہ سمجھنا کہ جب سفر میں فرض کم ہو گئے۔ تو سنتیں بھی کم ہونی چاہئیں غلط ہے، دیکھو صحیحہ

کے فرض سجائے چار کے دو رکعت ہیں، مگر سنت کوئی کم نہیں ہوتی۔ فرض علیحدہ نماز ہے

اور سنت و نفل علیحدہ یعنی سنت و نفل فرض کی ایسی تابع نہیں کہ اگر فرض پورے پڑھے

جیادیں تو سنتیں بھی پوری ہوں اور اگر فرض میں قصر ہو تو سنتوں میں بھی قصر ہو یا بالکل معاف

ہو جاویں۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد و تابعیوں کے پاس اس مسئلہ پر بہت ہی تھوڑے دلائل ہیں۔ جنہیں وہ ہر جگہ الفاظ بدل کر بیان کرتے ہیں، ہم ان کی وکالت میں ان کے سوالات کے جوابات پیش کرتے ہیں۔  
اعتراض نمبر ۱۔ مسلم و بخاری وغیرہ نے حضرت حفص بن عاصم سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي طَرِيقِ  
مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا اَنْظَهُرَكَ كَعَتَيْنِ  
ثُمَّ جَاءَ رَحْلَهُ وَجَلَسَ فَرَأَى  
نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هَؤُلَاءِ  
قُلْتُ يُسَبِّحُونَ قَالَ لَوْ كُنْتُ

مُسَبِّحًا أَتَمَمْتُ صَلَاتِي  
صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ  
لَا يَزِيدُ فِي السَّفَرِ عَلَى  
رَكَعَتَيْنِ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَوُ  
عُثْمَانُ كَذَلِكَ -

فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے راستہ میں تھا تو آپ نے ہم کو نماز ظہر دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنی منزل پر تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو کچھ لوگوں کو کھڑا ہوا دیکھا۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفل پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر نفل پڑھتا تو نماز ہی پوری پڑھتا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور میں نے حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ایسے ہی دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نفل و سنت پڑھنا سنت رسول (علیہ السلام) و سنت خلفائے راشدین کے خلاف ہے۔ اس لئے مسافر دو رکعت فرض پڑھے باقی کچھ نہ پڑھے۔

جواب ۱۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے سفر میں کہیں دو فرض سے زیادہ نہ پڑھے، اور تم کہتے ہو کہ مسافر یا ہے قصر پڑھے یا پوری۔ تم نے پوری نماز پڑھنے کا حکم اس حدیث کے خلاف کیوں دیا۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اس حدیث سے نفل نہ پڑھنا ثابت ہے اور ہماری پیش کردہ بہت سی احادیث سے نفل پڑھنا ثابت ہوا، تو آپ ان بہت سی احادیث کے مقابل صرف اس ایک حدیث پر کیوں عمل کرتے ہو۔ ان احادیث پر کیوں عمل نہیں کرتے؛ صرف نفسانی خواہش کی وجہ سے کہ نفس امارہ پر نماز بھاری ہے۔

تیسرے یہ کہ خود سیدنا عبد اللہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ احادیث ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے جن میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفر میں سواری پر نفل پڑھتے دیکھا، پھر ان ثبوت کی احادیث کو آپ نے کیوں نہ قبول کیا؛ صرف ایک اسی حدیث پر ہی کیوں عمل کیا؛ کیا نماز کم کرنے کا شوق ہے۔

چوتھے یہ کہ جب ثبوت و نفی میں تعارض ہو، تو ثبوت کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے۔ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو روایتیں ہیں، ثبوت نفل کی بھی اور نفی کی بھی، تو ثبوت کی روایت قابل عمل ہوگی نہ نفی کی۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کو جسمانی معراج نہیں ہوئی۔ دیگر صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہوئی، آج تمام دنیا معراج جسمانی کی قائل ہے؛ کیوں؟ اس لئے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہے۔

پانچویں یہ کہ جب احادیث میں تعارض نظر آئے، تو ان کے ایسے معنی کیئے جاویں، جن سے تعارض دور ہو جاوے، جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات میں تعارض ہے، تو ہماری اس حدیث کے معنی یہ ہیں، کہ نفل نماز اہتمام سے پڑھنا، ان کے لئے سفر توڑنا باقاعدہ انکر، زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا، چلتی سواری پر نفل درست نہ سمجھنا، یہ نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے، نہ ان خلفائے راشدین سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم، چنانچہ اس حدیث کے بعض الفاظ بھی یہ ہی بتا رہے ہیں، راوی فرماتے ہیں، کہ آپ نے بعض لوگوں کو ڈیرے پر کھڑے ہوئے نفل پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا۔ حالت بھی سفر کی تھی سفر بھی حج کا تھا راستہ بہت تھا جلد پہنچنا تھا۔ ان حضرات کے اس طریقہ عمل سے سفر میں دشواری ہوتی تھی، اس لئے آپ نے یہ فرمایا لہذا یہ حدیث نہ تو دوسری احادیث کے خلاف ہے، نہ خود حضرت ابن عمر کی دوسری روایتوں کے مخالف حدیث میں مقابلہ پیدا نہ کرو بلکہ موافقت کی کوشش کرو۔

چھٹے یہ کہ تمہاری اس حدیث میں بھی سفر میں نفل پڑھنے کی معافیت نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے صرف قیاس فرا کر یہ فرمایا کہ اگر نفل کا ایسا اہتمام ضروری ہوتا، تو نماز فرض ہی پوری کیوں نہ پڑھی جاتی۔

اعتراف نمبر ۲۔ جب سفر میں فرض نماز ہی بجائے چار کے دو رکعت ہو گئی۔ تو سنت و نفل تو فرض سے درجہ میں کم ہیں۔ چاہیے کہ وہ بھی یا تو بجائے چار کے دو ہو جائیں۔ یا بالکل معاف ہو جائیں۔

جواب۔ الحمد للہ کہ آپ قیاس کے قائل ہو گئے کہ سنت کو فرض پر قیاس کرنے لگے لیکن جیسے آپ دلیا آپ کا قیاس بہتر تھا۔ کہ مجتہدین ائمہ کی تقلید کر لی جوتی تاکہ آپ کو ایسے قیاسات نہ کرنے پڑھتے۔ جناب سنت و نفل کو فرض پر قیاس نہیں کر سکتے، فرض نماز میں صرف دو رکعتیں بھری پڑھی جاتی ہیں۔ باقی خالی مگر سنت و نفل کی چاروں رکعت بھری ہیں، فرمائیے، وہاں سنت و نفل فرض کی طرح کیوں نہ ہوں۔ وہاں بھی کہہ دو کہ جب فرض میں دو رکعت خالی ہیں تو چاہیے سنتیں و نفل کی چاروں رکعت خالی ہوں۔ جمعہ کے نماز میں فرض نماز بجائے چار کے دو رکعت ہو جاتی ہیں، مگر سنتیں بجائے گھٹنے کے بڑھ جاتی ہیں، اگر بعد فرض جمعہ چار سنتیں ٹوکہ ہیں، چاہیے کہ وہاں بھی یہی قیاس کرو کہ جب جمعہ کے فرض بجائے چار کے دو رہ گئے تو چاہیے کہ جمعہ کے بعد کی سنتیں بجائے دو کے ایک رکعت ہی رہ جاوے سنت و نفل میں قصر نہ ہونے کی وجہ ہم پہلی فصل کی عقلی دلیلوں میں عرض کر چکے کہ مسافر کو سنت کے لئے سفر توڑنا نہیں پڑتا۔ سواری پر ہی پڑھ سکتا ہے۔ اس لئے ان میں قصر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

خوٹے ضروری، یہ جو کہا گیا کہ نفل و سنت سواری پر پڑھی جا سکتی ہیں۔ سواری کا رُخ کدھری ہو۔ یہ مسافر کے لئے راستہ طے کرنے کی حالت میں ہے۔ جبکہ وہ جنگل میں ہو۔ شہر میں۔ یا کسی جگہ ٹھہرنے کی حالت کا یہ حکم نہیں۔ اگر مسافر کسی بستی میں دو چار دن کے لئے ٹھہرا ہوا ہو تو سنت و نفل بھی فرض کی طرح تمام شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کرے گا۔ غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک مسافر خواہ راستہ طے کر رہا ہو یا کہیں دو چار دن کے لئے ٹھہرا ہوا ہو



سنت و نفل نہ پڑھے۔

اعتراف نمبر ۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ للعالمین ہیں، حیب رب تعالیٰ نے سفر میں اپنی فرض نماز میں رعایت کر دی تو پچاس بیٹے کہ حضور بھی اپنی سنتوں میں کمی کریں۔ سنت کا اسی طرح رہنا حضور کی رحمت کے خلاف ہے۔

جواب :- جی ہاں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔ اس لئے حضور نے اپنی سنتیں کم نہ فرمائی نماز رحمت ہے۔ بوجھ نہیں شاید وہابیوں کے نفس پر نماز بوجھ ہوگی۔ اس لئے انہیں ایسے سوالات سوچتے ہیں۔ جناب اللہ کے فرض مومن کے بالغ ہونے پر لگتے ہیں، اور مرنے سے پہلے چھوڑ دیتے ہیں مگر سنت رسول اللہ کسی وقت اور کسی حالت میں مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتی مومن سنت رسول کی آغوش میں پیدا ہوتا ہے۔ سنت کے سایہ میں پرورش پاتا ہے۔ سنت کے دامن میں قرنا ہے اور ان شاء اللہ سنت دارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت دینا ہی میں قیامت میں اٹھے گا، دیکھو ختمہ عقیقہ بچے کو دو سال تک دوڑھ پلانا سنت ہی تو ہیں، پھر مرتے وقت وضو۔ کعبہ کو رخ ہونا مرد کا کفن تین کپڑے عورت کا کفن پانچ کپڑے یہ سب سنتیں ہی ہیں، اس لئے ہمارا نام اہل فرض یا اہل واجب نہیں اہل سنت ہے، ہمارے حضور کی سنت رحمت ہے، بوجھ نہیں رحمت کا کم نہ ہونا ہی اچھا رب تعالیٰ مالک الملک ہے، جب چاہے جتنی چاہے رحمت دے، اس کی رحمتیں یکساں نہیں ہوتیں، کبھی کم کبھی زیادہ، ایسے ہی فرض نماز مقیم کے لئے پوری مسافر کے لئے آدھی۔

## سنتروال باب

سفر میں قصر واجب ہے

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر فرض ہے۔ مسافر یہ نماز پوری نہیں پڑھ سکتا، اگر سہول کر سجاٹے دو کے چار پڑھ لے تو اس کا وہ ہی حکم ہوگا، جو کوئی فجر کے فرض

چار پڑھ لے کہ اگر پہلی التختیات پڑھ کر تیسری رکعت میں کھڑا ہوا تو سجدہ سہو کرے ورنہ نماز کا اعادہ کرے، لیکن اگر دیدہ دانستہ بجائے دو کے چار پڑھے تو نہ ہوگی، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں، کہ مسافر کو اختیار ہے۔ خواہ قصر پڑھے یا پوری مسافر کسی چیز کا پابند نہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات و جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

## پہلی فصل

### سفر میں قصر ضروری ہے

سفر میں قصر ضروری ہونے پر احناف کے پاس بہت دلائل ہیں، جن میں سے کچھ پیش کیے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۷۴۔ بخاری۔ مسلم۔ موطا امام محمد۔ موطا امام مالک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ لفظی فرق کے ساتھ روایت کی یہ لفظ مسلم و بخاری کے ہیں۔

قَالَتْ فَرَضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ  
ثُمَّ هَاجَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَتْ اَلْبَعَادُ ثَرْكَتُ  
صَلَاةِ السَّفَرِ عَلَى الْفَرَضِ اَلْأَوَّلِ

فرماتی ہیں کہ اولاً نماز دو دو رکعتیں فرض  
ہوئیں۔ پھر حضور نے ہجرت کی تو نماز میں  
چار رکعت فرض کی گئیں۔ اور نماز سفر پہلے ہی  
فرضیہ پر رہی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پہلے ہر نماز کی دو رکعتیں تھیں۔ بعد ہجرت بعض کی چار رکعتیں گروئی گئیں۔ مگر سفر کی نماز ویسے ہی رہی تو جیسے ہجرت سے پہلے اگر کوئی شخص چار رکعت پڑھ لیتا تو اس کی نماز نہ ہوتی۔ ایسے ہی اب بھی جو مسافر سفر میں چار فرض پڑھ لے تو بھی نماز نہ ہوگی۔ لفظ فرض۔ اور فرضیہ کو غور سے ملاحظہ کرو۔

موطا امام محمد و امام مالک کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فَرَضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ  
فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَأَقْرَبَتْ

اولاً سفر و حضر میں نماز دو دو رکعتیں فرض  
ہوئی تھیں پھر نماز سفر تو ویسے ہی رہی۔ اور

صَلَاةَ السَّفَرِ وَزَيْدٌ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ | نمازِ سفر میں زیادتی کر دی گئی۔

حدیث نمبر ۱۷۱۰ - مسلم شریف - نسائی - طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ اللَّهُ الصَّلَاةَ عَلَى  
لِسَانِ نَبِيِّكُمْ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي  
السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ  
رَكْعَةً

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی  
زبان شریف پر وطن میں چار رکعتیں اور سفر  
میں دو رکعتیں خوف میں ایک رکعت فرض  
کیں یعنی جماعت سے ایک رکعت

اس میں صراحت معلوم ہوا کہ سفر میں دو رکعت ہی فرض ہیں۔ جیسے وطن میں فجر کی نماز۔

حدیث نمبر ۱۷۱۱ تا ۱۷۱۳ - مسلم بخاری - ابو داؤد - ترمذی - نسائی - ابن ماجہ نے حضرت انس  
رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى  
مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ -

فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے  
ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف گئے  
تو حضور انور دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔

حدیث نمبر ۱۷۱۴ تا ۱۷۱۶ - بخاری - مسلم - نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَتِي رَكْعَتَيْنِ وَأَبَى بَكْرٌ  
وَعُمَرُ وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ  
إِمَارَتِهِ ثُمَّ أَتَمَّهَا -

فرماتے ہیں کہ میں نے متی میں حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے دو  
دو رکعتیں پڑھیں اور خلافت عثمانی کے شروع  
میں بھی پھر حضرت عثمان نے پوری پڑھنا شروع

کر دی

نہجہ

حدیث نمبر ۱۷۱۷ - طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ إِذَا تَرَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ فِي السَّفَرِ  
كَمَا افْتَرَضَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا -

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر  
میں دو رکعت ہی فرض فرمائی جیسے وطن میں  
چار رکعت فرض کیں۔

حدیث نمبر ۲۰۸ - نسائی ابن ماجہ - ابن حبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ صَلَوَةُ السَّفَرِ رُكْعَتَانِ وَ صَلَوَةُ  
 الصُّحْرِ رُكْعَتَانِ وَ صَلَوَةُ الْفِطْرِ رُكْعَتَانِ  
 وَ صَلَوَةُ الْجُمُعَةِ رُكْعَتَانِ تَمَامُهُ غَيْرُ  
 قَصْرِ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ نماز سفر دو رکعت پڑھنا ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے جمعہ عیدین  
 دو رکعت پڑھنا۔

حدیث نمبر ۲۱ - مسلم شریف نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کچھ دراز حدیث  
 نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ شریفیہ ہیں۔

فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ  
 اللَّهُ بِهِ فَأَقْبَلُوا صَدَقَتَهُ۔

اس حدیث میں فاقبلوا صیغہ امر ہے۔ امر و جواب کے لئے آتا ہے معلوم ہوا کہ ہر شخص  
 سفر میں چار رکعت پڑھے، وہ خدا تعالیٰ کے صدقہ سے منہ پھیرتا ہے، رب کا صدقہ قبول  
 کرنا اور سفر میں قصر کرنا فرض ہے۔

حدیث نمبر ۲۲ - طبرانی نے معجم صغیر میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے  
 روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ رُكْعَتَيْنِ  
 وَمَعَ ابْنِ بَكْرٍ رُكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ رُكْعَتَيْنِ  
 ثُمَّ تَفَرَّقَتْ بِكُمْ السَّبِيلَ فَوَاللَّهِ  
 لَوَدِدْتُ أَنْ أُحْطِيَ مِنْ أَدْبَعِ رُكْعَاتٍ

میں نے سفر میں حضور کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں  
 اور ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے دو رکعتیں  
 پڑھیں پھر تم لوگوں کو مختلف راہوں نے  
 متفرق کر دیا۔ قسم رب کی میں تمنی کرتا ہوں۔  
 کہ مجھے بجا آئے چار رکعتوں کے دو مقبول



رُكْعَتَيْنِ مُتَتَابِعَتَيْنِ۔

رکعتوں کا حصہ ملے۔

ہم نے بطور نمونہ صرف پائیس حدیثیں پیش کیں۔ ورنہ اس کے متعلق بے شمار احادیث ہیں۔ اون پیش کردہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں قصری فرض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء راشدین نے قصری پڑھی، چار رکعت پڑھنے سے صحابہ نے منع فرمایا۔ یا اس پر ناراضی کا اظہار کیا۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ سفر میں قصر فرض ہے۔ مسافر کو قصر و تمام دونوں کا اختیار دینا عقل شرعی کے بالکل خلاف ہے اس لیے کہ سفر میں ہر چار رکعت والی نماز کی پہلی دو رکعتیں بالافاق فرض ہیں آخری دو رکعتوں کے متعلق سوال ہوتا ہے کہ وہ بھی مسافر پر فرض ہیں، یا نہیں اگر فرض ہیں تو ان کے نہ پڑھنے کا اختیار کیوں فرض میں، اختیار نہیں ہوتا۔ فرض و اختیار جمع نہیں ہوتے اور اگر فرض نہیں بلکہ نفل ہیں، تو ایک تحریم سے فرض و نفل نمازوں کا ادا ہونا شرعی قاعدے کے خلاف ہے۔ جس کی مثال کسی جگہ نہ ملے گی، فرض کی تکمیل تحریم علیحدہ ہوتی ہے، نفل کی علیحدہ ایک تحریم سے ایک ہی نماز ہو سکتی ہے، نہ کہ دو۔

یہ ہر سال یہ اختیار کہ چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار شرعی عقل کے بالکل خلاف ہے نیز جیسے وطن میں چار رکعت ہی فرض ہیں، کم و بیش کا اختیار نہیں ایسے ہی سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ اختیار نہیں۔

## دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر ہم غیر مقلد و ہابیوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اتنے اعتراضات معہ جوابات عرض کیئے دیتے ہیں، جو انشاء اللہ خود انہیں بھی یاد نہ ہوں گے۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَإِذَا أَحْبَبَ رَبُّكُمْ فِي الْأَرْضِ فَلْيَسَّ

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ  
الصَّلَاةِ أَنْ يَفْتَنَكُمُ الْيَتِيمَ  
كَفَرُوا۔

نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں  
اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں  
گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر فرض نہیں۔ بلکہ اس کی اجازت ہے کیونکہ  
ارشاد باری ہوا کہ تم پر قصر میں گناہ نہیں، نہ قصر پڑھنے میں گناہ ہے، نہ قصر نہ پڑھنے میں۔  
جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ آیت ظاہری معنی سے تمہارے بھی خلاف  
ہے کیونکہ یہاں قصر کے لئے کفار کے خوف کی شرط ہے، کہ اگر تمہیں کفار سے خوف ہو تو قصر میں  
گناہ نہیں، اور تم کہتے ہو کہ امن کے سفر میں بھی قصر کی اجازت ہے، اب جو تم جواب دو گے  
وہ ہی ہمارا جواب ہے،

دوسرے یہ کہ یہ لَا جُنَاحَ ساجی کے صفا مردہ کی سعی کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے  
رب فرماتا ہے۔

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا  
جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا  
حالانکہ صفا مردہ کا طواف حج میں واجب ہے عمر میں فرض ایسے ہی سفر میں قصر فرض ہے  
لا جناح فرضیت کے خلاف نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر سفر میں قصر صرف مباح ہوتا تو قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا کہ تم پر قصر نہ کرنے میں  
گناہ نہیں، کیونکہ مباح کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کرنے اور نہ کرنے میں گناہ نہیں، ورنہ فرض کام  
نکرنے میں گناہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کے نہ کرنے میں گناہ ہوتا ہے، لہذا کرنے میں گناہ نہ ہونا مباح  
ہونے کی دلیل نہیں، فرض واجب بھی ایسے ہی ہوتے ہیں، پورے یہ کہ زمانہ نبوی میں صحابہ کرام  
کو خیال ہوا کہ بجائے چار رکعت کے دو رکعتیں پڑھنا گناہ ہو گا کہ یہ نماز ناقص ہے انہیں  
سمجھانے کے لئے یہ ارشاد ہوا لہذا آیت بالکل واضح ہے تمہارے لئے مفید نہیں۔

اعترض فیہ شرح سنہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔  
قَالَتْ كُلُّ ذَا لِكُفٍّ فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ  
فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

صَلَّيْكَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْرَ الصَّلَاةِ  
وَأَتَمَّ۔

سب کچھ کیا، قصر بھی کیا اور پوری نماز بھی  
پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر ہی سنت ہے اور پوری پڑھنی بھی سنت، صرف  
قصر فرض نہیں،

جواب :- اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔

ایک یہ کہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن یحییٰ ہے، جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف  
ہے۔ لہذا یہ حدیث بالکل قابلِ ثل نہیں، اور کچھ مرقات شریعت شکوۃ المیہ، روایت کی شرح۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مخالف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے  
کہ جلیل القدر صحابہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ سفر میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔  
تیسرے یہ کہ یہ حدیث بخود ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بھی خلاف  
ہے، جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کی، آپ فرماتی ہیں کہ اولاً نماز دو دو رکعت فرض ہوئی پھر سفر میں  
وہ ہی دو رکعتیں فرض رہیں وطن میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سفر  
میں دو رکعتیں فرض بھی ہوں۔ اور کبھی حضور علیہ السلام نے چار رکعت بھی پڑھ لی ہوں،  
لہذا یہ حدیث واجب التاویل ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں لفظ سفر نہیں، یعنی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام  
نے سفر میں قصر و اتمام فرمایا، لہذا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
شروع اسلام میں اولاً قصر یعنی ہر نماز دو دو رکعت پڑھی، پھر جب رکعتیں بڑھا دی گئیں کہ  
بعض چار رکعت کر دی گئیں اور بعض تین تو حضور علیہ السلام نے اتمام فرمایا یعنی دو سے زیادہ  
پڑھیں، اس صورت میں یہ حدیث بالکل واضح بھی ہو گئی اور گزشتہ احادیث کے خلاف بھی نہ رہی  
پانچویں یہ کہ اگر یہاں حالت سفر میں قصر و اتمام مراد، تب بھی مطلب یہ ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ  
والسلام نے بحالت سفر قصر پڑھی، اور جب کہیں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت فرمائی تو اتمام فرمایا  
اب بھی حدیث بالکل واضح ہے۔

لطیفہ عجیبہ - غیر مقلد و بالی ہمیشہ خفیوں سے مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ

کیا کرتے ہیں، مگر جب انہیں خود حدیث پیش کرنا پڑے، تو بخاری مسلم کی جو روایات ہو، صحیح ہو یا ضعیف ہر قسم کی حدیث پیش کر دینے سے شرم نہیں کرتے۔

یہ حدیث ایسی ضعیف ہے، کہ اسے صحاح ستہ نے روایت نہ کیا، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر نہ کیا، بلکہ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ قصر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین سے ثابت ہے، اتمام صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنا فعل ہے، چنانچہ امام ترمذی قصر نماز کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث یہ ہی ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ سفر میں قصر کرتے تھے اور ابو بکر صدیق بھی عمر فاروق بھی حضرت عثمان بھی اپنی شروع خلافت میں اور اس کے بعد بھی اکثر علماء صحابہ وغیرہ صحابہ کا عمل ہے۔

وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْصِرُ فِي السَّفَرِ وَالْأَوَّلِيَّاتِ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ۔

اور سفر میں اتمام کے متعلق امام ترمذی نہایت ضعیف طریقے سے فرماتے ہیں

وَقَدْ رَوَى عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَقُصِّرُ الصَّلَاةَ فِي السَّفَرِ۔

ہاں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ مرفوع حدیث قابل اعتبار ہوتی جو تم نے پیش کی۔ تو امام ترمذی حدیث مرفوعہ کو چھوڑ کر صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمل شریف کا ذکر نہ فرماتے۔

چُر لطف بات وہ ہے جو آگے فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلَى مَا رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ۔

عمل اس پر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے یعنی قصر

امام ترمذی کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی قصر و اتمام دونوں کا اختیار نہ دیا تھا، بلکہ آپ ہمیشہ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔ اہل علم



نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل شریف پر عمل کیا یعنی ہمیشہ قصر پڑھنا۔  
اعتراف نمبر ۳۔ نسائی و دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ خَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُمْرَةٍ وَرَمَضَانَ فَطَرَوْا وَصُمْتُ وَقَصَرُوا أَتَمَمْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَصَرْتُ وَأَتَمَمْتُ وَافْطَرْتُ وَصُمْتُ قَالَ أَحْسَنْتِ يَا عَائِشَةُ وَمَا عَابَ عَلَيَّ

فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے عمرہ میں گئی تو آپ نے روزہ نہ رکھا میں نے کیا، آپ نے نماز قصر پڑھی میں نے پوری پڑھی یعنی اتما کیا، تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے قصر کیا میں نے پوری پڑھی، آپ نے افطار کیا میں نے روزہ رکھا فرمایا اسے عائشہ تم نے اچھا کیا مجھ پر اعتراف نہ کیا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی جائز ہے اور اتما بھی۔

جواب۔ یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض غلط اور بناوٹی ہے، کیونکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ رمضان میں نہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کل چار عمرے کیے ہیں، جو سب کے سب ذی قعدہ میں تھے، البتہ حجۃ الوداع کے عمرہ کا احرام تو ذی قعدہ میں تھا، اور افعال عمرہ ذی الحجۃ میں ادا ہوئے۔ خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رمضان کے عمرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہونا ایسا عجیب اور سچیدہ مسئلہ ہے جسے وہابی صاحبان ہی حل فرما سکتے ہیں، وہابیوں پہلے اپنی بات عقل کی ترازو میں تولو، بعد کو بولو

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْى رَكْعَتَيْنِ وَالْبُؤْبُكِرِ وَعُمَرُ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ ثُمَّ أَنَّ عُثْمَانَ صَلَّى بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى مَعَ

اعتراف نمبر ۴۔ سلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ ابوبکر صدیق نے ان کے بعد عمر فاروق نے اور عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں، پھر حضرت عثمان نے چار رکعتیں منیٰ میں پڑھیں، حضرت ابن عمر حبیب امام کے

الْإِمَامُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْلَى وَحْدَكَ  
صَلَّى مَا كُنْتَ تَقِي

ساتھ پڑھتے تو چار پڑھتے، جب اکیلے  
پڑھتے تو دو پڑھتے تھے۔

اگر سفر میں قصر فرض اور تمام ناجائز ہوتا، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منیٰ شریف میں تمام کیوں کرتے؟۔  
جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بالکل خلاف ہے، آپ نے تو مسافر کو قصر و تمام کا اختیار دیا ہے، اگر چاہے قصر کرے، اگر چاہے پوری پڑھے، مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہمیشہ قصر پڑھی حضرت عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں جب قصر پڑھی تو تمام نہ کیا۔ پھر جب پوری پڑھنے لگے۔ تو کبھی قصر نہ پڑھی۔ اختیار کسی بزرگ نے نہ دیا۔ آپ کا یہ اختیار کہاں سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف منیٰ شریف میں تمام کیا عام سفر میں نہیں، معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سفر میں تمام کے قائل نہ تھے، کسی وجہ خاص سے صرف منیٰ شریف میں تمام فرماتے تھے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منیٰ میں تمام فرمانا اس لئے نہ تھا کہ آپ قصر و تمام دونوں جائز مانتے تھے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور تھی، کیا وجہ تھی، اس کے متعلق دو روایتیں ہیں امام احمد ابن حنبل نے روایت کی، کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت پڑھیں، تو لوگوں نے اس کا انکار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں کہ معظمہ میں اہل والا ہو گیا ہوں، اور میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا ہے، کہ جو کوئی کسی شہر میں گھروالا ہو جاوے، وہ وہاں مقیم کی نماز پڑھے، چنانچہ مسند امام احمد کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں

أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَبَعَ رَكَعَاتٍ فَإِنَّكَ  
النَّاسُ عَلَيْهِ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي

حضرت عثمان نے منیٰ شریف میں چار رکعت  
پڑھیں تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ

تَاَهَّلْتُ بِمَكَّةَ مُنْذُ قَدْ صُتُّ  
وَإِنِّي سَمِعْتُ الْإِمَامَ دُرْقَاةَ - فَتَحَ الْقَبِيرَ

نے فرمایا کہ جب سے میں مکہ معظمہ میں آیا، میں  
گھر والا ہو گیا ہوں۔

اس روایت سے تین مسئلہ معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں، ہر سفر میں نہیں، دوسرے یہ کہ عام صحابہ نے آپ کے اس فعل پر اعتراض کیا۔ جس سے پتہ لگا کہ تمام صحابہ ہمیشہ سفر میں قصر ہی کرتے تھے، اتمام کبھی نہ کرتے تھے، ورنہ آپ پر اعتراض نہ کرتے، تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ معظمہ میں زمین خرید لی، وہاں مکان بنوایا، وہاں اپنی ایک بیوی کو رکھا۔ اس لیے مکہ معظمہ آپ کا ایک قسم کا وطن بن گیا، اور اپنے وطن میں اگر کوئی ایک دن کے لیے بھی جائے تو مقیم ہوگا، اور قصر نہ پڑھے گا، پوری نماز پڑھے گا، لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل وہابیوں کے اس مسئلہ اختیار سے کوسوں دور ہے۔

دوسری روایت یہ ہے، کہ زمانہ عثمانی کے نو مسلم لوگوں نے حج میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر سمجھا، کہ اسلام میں نماز میں دو دو رکعتیں ہی فرض ہیں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس غلط فہمی کا علم ہوا، تو آپ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے صرف منیٰ میں اتمام کیا، یعنی چار رکعتیں پڑھیں، چنانچہ عبد الرزاق اور وارقطنی نے ابن جریج سے روایت کی۔

بَلَعْنِي أَنَّهُ أَوْفَى أَدْبَعًا بِمَنِيٍّ فَقَطُّ

مَنْ أَجَلَ أَنْ أَعْرَابِيًّا نَادَا هُوَ فِي مَسْجِدٍ

خَيْفَ بِمَنِيٍّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَا زِلْتُ

أُصَلِّيْهَا دُكْعَتَيْنِ مُنْذُ رَأَيْتُكَ عَامَ

الْأَوَّلِ صَلَّيْتُهَا دُكْعَتَيْنِ فَخَشَى عُثْمَانُ

أَنْ يُظَنَّ جَهْلَ النَّاسِ الصَّلَاةَ دُكْعَتَيْنِ

وَأَنَّهَا كَانَ أَوْفَاهَا بِمَنِيٍّ۔

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے صرف منیٰ میں ہی چار رکعتیں پڑھیں کیونکہ ایک

دیہاتی نے مسجد خیف میں آپ کو پکار کر کہا کہ میں تو

برابر دو رکعتیں ہی پڑھ رہا ہوں جب سے کہ سال گذشتہ

میں نے آپ کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھا، تو عثمان غنی

رضی اللہ عنہ کو خطرہ پیدا ہوا کہ جہلاء نماز کی دو رکعتیں ہی

سمجھ لیں گے اس لیے آپ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں۔

امام احمد اور عبد الرزاق کی یہ دونوں روایتیں اس طرح جمع کی جا سکتی ہیں، کہ جب حضرت عثمان غنی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کہ لوگوں کی اس غلط فہمی کا علم ہوا تو آپ نے مکہ معظمہ میں بھی اپنا گھر بار بنالیا تاکہ آپ یہاں آکر مقیم ہوا کریں اور نماز پوری پڑھا کریں۔

لہذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل شریف سے دہائی غیر مقلد کسی طرح دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

اختراض نمبر ۵۔ بیسے شریعت نے مسافر کو روزہ کا اختیار دیا ہے کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے مسافر پر سفر میں نہ روزہ رکھنا فرض ہے، نہ قضا کرنا فرض، ایسے ہی چاہیے کہ مسافر کو سفر میں نماز کا اختیار ہو کہ چاہے قصر کرے چاہے پوری پڑھے، اس پر قصر لازم کر دینا روزے کے اختیار کے خلاف ہے۔

جواب۔ شکر ہے کہ آپ بھی قیاس کے قائل ہو گئے، کہ نماز کے قصر کو روزے کی قضا پر قیاس کرنے لگے، مقلد حنفی قیاس کو مانیں تو تمہارے نزدیک مشرک ہو جائیں اور آپ قیاس کریں تو پیختہ توحید بیٹھے رہیں، افسوس۔

جناب روزہ سفر میں معاف نہیں ہوا، بلکہ مسافر کو روزہ قضا کر دینے کی اجازت ملی ہے، اگر سفر میں رکھے تو پورا، اگر قضا کرے تو پورے کی، لیکن فرض نماز سفر میں آدھی معاف ہو گئی ہے کہ چار رکعت والی نماز کی صرف دو رکعت باقی رہ گئیں، باقی دو رکعتیں نہ اب پڑھیے نہ وطن پہنچ کر، معافی اور حینیر ہے تاخیر کی اجازت کچھ اور، لہذا نماز کے قصر کو روزے کی تاخیر پر قیاس کرنا ماع الفارق ہے، مسافر پر روزہ معاف نہ ہوا، ورنہ اس کی قضا واجب نہ ہوتی، اس پر روزہ فرض ہے۔

مگر یہ دو رکعتیں اسے معاف ہیں، اس لئے ان کی قضا نہیں لہذا یہ رکعتیں اس کے لئے

نفل ہیں، اور نفل نماز فرض کے تحمیری سے ادا ہونا خلاف قاعدہ شرعیہ ہے۔

مسئلہ۔ مسافر پر فرض ہے کہ وطن میں پہنچتے ہی سفر کے رہے ہوئے روزوں کی قضا شروع کر دے۔ اگر سفر میں آٹھ روزے قضا ہو گئے، پھر وطن پہنچ کر چار دن بعد فوت ہو گیا۔ تو قیامت میں ان چار روزوں کی پکڑ ہوگی، باقی چار روزوں پر پکڑ نہیں کہ ان کے قضا کرنے کا وقت ہی نہ پایا، یہ ہی بیمار اور حائلۃ عورت کا حکم ہے، کہ شفا پاتے ہی روزوں کی قضا



شروع کریں۔

# اٹھارہواں باب

## نماز فجر اوجیالے میں پڑھو

حنفیوں کے نزدیک بہتر یہ ہے، کہ نماز فجر خوب اوجیالے میں پڑھی جاوے، جب سورج طلوع ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی ہو، تو جماعت کھڑی ہو، مگر غیہ مقلد و مایہوں کے نزدیک نماز فجر بالکل اول وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہیئے۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات

**نوٹ ضروری:** خیال رہے کہ مذہب حنفی میں دو نمازوں یعنی نماز مغرب اور موسم سرما کی ظہر کے سنوا تو تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا افضل ہیں، نماز مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ ایسے ہی سردی کے موسم میں نماز ظہر میں، اگر ہم کو اس کتاب کے طویل ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو تا تو ہم ہر نماز کی تاخیر پر دلائل قائم کرتے، صرف نماز فجر کی تاخیر پر مکمل بحث کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین غور کریں، کہ مذہب حنفی کتنا سخت اور مدلل ہے۔

## پہلی فصل

نماز فجر میں اوجیالا باعث ثواب ہے

ہر زمانہ اور ہر موسم میں مستحب یہ ہے، کہ نماز فجر خوب روشنی ہو جانے پر پڑھی جاوے البتہ دسویں ذی الحجہ کو حاجی لوگ مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھیں۔ اس پر بہت احادیث شاہد ہیں، جن میں سے بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر آٹا ۸۔ ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، ابن حبان، ابو داؤد طیالسی و طبرانی نے کچھ فرق سے حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْفِرُوا لِفَجْرِ فَإِنَّهُ أُعْطِيَ لِلْأَجْرِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا أَحَدُ بَيِّنَاتٍ صَحِيحَةٍ

وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز فجر خوب اور جیلا کر کے پڑھو کہ اس کا ثواب زیادہ ہے، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

خیال رکھ کہ اس حدیث میں اور جیلا کرنے سے مراد خوب اور جیلا کرنا ہے۔ جب کہ روشنی پھیل جاوے، یہ مطلب نہیں کہ فجر یقیناً ہو جاوے کیونکہ اس کے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں جس اور جیلا سے ثواب زیادہ ہوتا ہے، وہ یہ ہی روشنی ہے، جو ہم نے عرض کی۔

حدیث نمبر ۱۰۱۰۔ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
قَالَ مَا بَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ بَغَيْرِ وَقْتِهَا إِلَّا يَجْمَعُ فَإِنَّهُ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَيُصَلِّيُ صَلَاةَ الصُّبْحِ مِنَ الْعَدَقِ قَبْلَ وَقْتِهَا۔  
میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سوا۔ مزدلفہ کے کہ وہاں حضور نے مغرب و عشاء جمع فرمائی اور اس کی صبح نماز فجر اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔

اس نے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر کی نماز خوب روشنی میں پڑھتے تھے، مگر مزدلفہ میں دوسری ذوالحجہ کو اندھیرے میں یعنی وقت معتاد سے پہلے اگر حضور ہمیشہ ہی اول وقت فجر پڑھتے ہوتے تو مزدلفہ میں پہلے پڑھنے کے کیا معنی۔ کیونکہ اس سے پہلے تو فجر کا وقت ہوتا ہی نہیں،

خیال رکھ کہ مزدلفہ میں کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتی، ہاں نماز مغرب و عشاء کے وقت میں ادا ہوتی ہے، اور نماز فجر اپنے وقت میں اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ اور اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ حضور نے نماز فجر وقت سے پہلے یعنی رات میں پڑھی، بلکہ روزانہ کے وقت معبود سے پہلے پڑھی اس معنی پر حدیث بالکل واضح ہے۔

نمبر ۱۰۱۱۔ ابو داؤد، طیالسی، ابن ابی شیبہ، اسحاق ابن راہویہ، طبرانی نے معجم میں حضرت رافع ابن خدیج سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ كَوِّرْ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى يَنْصُرَ الْقَوْمَ مَوَاسِعَ نَبَاهِهِمْ مِنَ الْأَسْفَارِ

فرماتے ہیں کہ تم کو دیا حضور نے حضرت بلال کو فرمایا اس بلال نماز صبح میں اوجیالا کر لیا کرو یہاں تک کہ لوگ اوجیالا کی وجہ سے اپنے پیچھے ہوئے تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور النور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ایسے وقت پڑھنے کا حکم دیا جبکہ تیرا نماز اپنے تیر گرنے کی جگہ کا شاہدہ کر سکے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے۔ جب خوب روشنی پھیل جاوے۔

حدیث نمبر ۱۵۱۔ ولینے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَوَسَ بِالفَجْرِ نَوَسَ اللَّهُ فِي قَلْبِهِ وَقِيلَ فِي صَلَاتِهِ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نماز فجر روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور اس کے دل میں روشنی کرے ایک روایت میں ہے کہ اس کی نماز میں روشنی کرے۔

حدیث نمبر ۱۵۲۔ طبرانی نے اوسط میں اور بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ أُمَّتِي عَلَى الْفِطْرَةِ مَا اسْقَمَ بِصَلَاةِ الْفَجْرِ

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت دین فطرت پر رہے گی جب تک کہ نماز فجر اوجیالا میں پڑھے۔

حدیث نمبر ۱۵۳۔ طحاوی۔ بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے قصور سے فرق سے حضرت یسار ابن سلام سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ مَعَ ابْنِ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْثَدَةَ يَسْأَلُ لَهْ ابْنِ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يَنْصَرِفُ مِنْ

میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابوزرہ صحابی کے پاس گیا امیر سے والد ان سے حضور کی نماز متعلق پوچھتے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ حضور

صَلَاةُ الصُّبْحِ وَالْوُجُلُ يَعْرِفُ  
وَجْهَ جَلِيْسِهِ وَكَانَ يَقْرَأُ فِيهَا  
وَالسَّبَّحِينَ إِلَى الْمِائَةِ

نماز صبح سے اس وقت فارغ ہونے تھے جب  
ہر شخص اپنے ساتھی کا چہرہ پہچان لیتا تھا حالانکہ  
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ سے سو اتوں تک پڑھتے  
حدیث نمبر ۲۴۔ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن ابن زید سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَصَلِّي مَعَ رَافِعِ بْنِ  
مَسْعُودٍ فَكَانَ يُسَفِّرُ بِصَلَاةِ  
الصُّبْحِ

فرماتے ہیں کہ ہم عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ  
عنه کے ساتھ فجر کی نماز پڑھتے تھے، آپ خوب  
اجیالے میں نماز پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۵۔ بیہقی نے سنن کبریٰ میں ابوشیمان تہمدی سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ  
الْفَجْرَ مَا سَلَّمَ حَتَّى ظَنَّ الرَّجُلُ  
ذُوو الْعُقُولِ أَنَّ الشَّمْسَ  
طَلَعَتْ فَاكْمَأَسَلَّمَ قَالُوا يَا  
أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ كَادَتْ الشَّمْسُ  
تَطْلُعُ قَالَ فَتَكَلَّمُوا بِشَيْءٍ كَمْ  
أَفْهَمَهُ فَقُلْتُ أَيْ شَيْءٍ قَالَ  
قَالُوا لَوْ أَطْلَعَتِ الشَّمْسُ كَمْ  
تَجِدُنَا غَافِلِينَ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز فجر  
پڑھی، تو آپ نے نہ سلام پھیرا یہاں تک کہ عقل  
والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب آپ  
نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین  
سورج نکلنے ہی والا ہے، آپ نے کچھ فرمایا جو میں نہ  
سمجھ سکا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ سنت عمر  
نے کیا فرمایا لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا کہ اگر  
سورج نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔

حدیث نمبر ۲۶۔ بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْنَا بِالْبُؤْسِكِ صَلَاةَ الصُّبْحِ  
فَقَرَأَ آلُ عُمَرَ أَنْ فَقَالُوا كَادَتْ الشَّمْسُ  
تَطْلُعُ قَالَ لَوْ طَلَعَتْ لَمْ  
تَجِدُنَا غَافِلِينَ

فرماتے ہیں کہ ہم کو البؤسک صلیق نے نماز فجر پڑھائی  
اس میں سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ  
سورج نکلنے کے قریب ہے آپ نے فرمایا کہ اگر  
نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔

حدیث نمبر ۲۷ تا ۲۸۔ طحاوی اور ملا خضر محدث نے اپنی مستند میں امام اعظم ابو حنیفہ



سے انہوں نے حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا اجْتَمَعَ اصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ كَاجْتِمَاعِهِمْ عَلَى التَّوْبِ فِي الْفَجْرِ وَالْعَجَلِ فِي الْغَرْبِ قَالَ الطَّحَاوِيُّ لَا يَصِحُّ أَنْ يَجْتَمِعُوا عَلَى خِلَافٍ مَا كَانَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فراتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں اگر یہ ناممکن ہے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل پر متفق ہو جاویں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق خوب اوجیالے میں نماز فجر پڑھتے تھے، حتیٰ کہ لوگوں کو سورج نکل آنے کا شبہ ہو جاتا تھا اور صحابہ کرام کا متفقہ عمل اس پر تھا کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جاوے۔

حدیث نمبر ۲۹۔ طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ يَا قَنْبُرُ اسْفِرْ اسْفِرْ

فراتے ہیں، میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے۔ اے قنبر اوجیالا کرو اور اوجیالا کرو۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب اوجیالے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ اسفیر دوبار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں یہ انتیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں۔ اگر زیادہ تحقیق مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔ بہر حال پتہ لگا کہ اوجیالے میں فجر پڑھنا۔ سنت رسول اللہ سنت صحابہ اور صحابہ کرام کا اتفاقی عمل ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اوجیالے میں پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے لغوی معنی ہیں اوجیالا اور روشنی، لہذا نماز فجر اوجیالے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہو گا۔ اور اندھیرے میں پڑھنا۔ نام کے مخالف ہے۔ دوسرے یہ کہ اوجیالے

میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے، کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں۔ اگر جلدی بھی اٹھیں تو اس وقت استنجاء بعض کو غسل وضو کرنا سنتیں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس وقت سنتوں کے بعد استغفار اور کچھ اعمال اذکار کرتے ہیں۔ اول وقت فجر کی جماعت کو لینے میں بہت سے لوگ جماعت سے یا تکبیر اولیٰ سے رہ جاتے ہیں۔ اوجیالے میں پلھتے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکبیر اولیٰ میں شرکت کر سکتے ہیں دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو دراز قرأت سے اس لئے منع فرمادیا تھا کہ ان کے متفندیوں پر بار بار ہوتی تھی۔ جس چیز سے جماعت گھٹ جاوے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو، وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے۔ اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ لہذا اسفار بہتر ہے۔ تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا دشوار ہوگا۔ اوجیالے میں آسان چنانچہ حضرت عمر کو جب اندھیرے میں عین نماز کی حالت میں شبہ ہو گیا، تو صحابہ کرام نے فجر میں بہت اوجیالا کرنے کا اہتمام کیا۔ دیکھو۔ طحاوی شریف صحیح البخاری اور ابن ماجہ وغیرہ۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چند امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے۔ مغرب رات کی پہلی نماز ہے فجر دن کی پہلی نماز۔ مغرب کا روز بار بند ہونے کا وقت ہے، فجر کا روز بار کھلنے کا وقت مغرب نیند کا فجر بیداری کا پیش خیمہ ہے، ہمیشہ وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہوگا۔ اتنا ہی فجر کا جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسب ہوئی، تو جیسے نماز مغرب اوجیالے میں پڑھنا افضل ہے، ایسے ہی نماز فجر اوجیالے میں پڑھنا بہتر ہے

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراض و جواب

”تاخیر فجر پر اب تک دہائیوں غیر مقلدوں کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہم کو معلوم ہو سکے، وہ ہم تفصیل وار مع جواب عرض کرتے ہیں، اگر بعد میں اور کوئی اعتراض معلوم ہوا۔ تو

انشاء اللہ تیسرے اڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرُهَا الصَّلَاةُ  
إِذَا أَتَيْتَ وَالْجَنَازَةَ إِذَا حَضَرْتَ  
وَالْأَيِّمَ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُوًا۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ہے  
علی بنین پیروں میں دیر نہ لگاؤ نماز جب اس کا  
وقت آجائے، جنازہ جب حاضر ہو لڑکی  
کا نکاح جب اس کے لئے کفول جاوے۔

نیز اسی ترمذی میں سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ الْوَقْتُ الْأَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ  
رِضْوَانُ اللَّهِ وَالْوَقْتُ الْآخِرُ عَفْوُ  
اللَّهِ۔

فرماتے ہیں، کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
کہ نماز کا اول وقت رب کی رضا و خوشنودی  
ہے اور نماز کا آخر وقت اللہ تعالیٰ کی  
معافی ہے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اول وقت پڑھنی چاہیے جتنی لوگ فجر دیر میں پڑھ کر رب تعالیٰ  
کی رضامندی سے محروم ہیں۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے،  
کیونکہ تم بھی نماز عشاء اور گرمیوں کی ظہر میں تاخیر مستحب و بہتر جانتے ہو تم بھی خدا کی خوشنودی سے محروم  
ہو جو تمہارا جواب ہے، وہ ہی ہمارا۔

دوسرے یہ کہ ان حدیثوں میں اول وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے، نہ کہ  
مطلق وقت کا اول یعنی جب نماز کا مستحب وقت شروع ہو جائے تب دیر نہ لگاؤ نماز فجر  
میں روشنی ہی اول وقت ہے جیسے نماز عشاء کے لئے تہائی رات اول وقت ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ مسلم بخاری اور تمام محدثین نے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز  
فجر غلس یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، لہذا حنفیوں کا دیر سے فجر پڑھنا سنت کے خلاف ہے  
جواب۔ اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں، ایک یہ کہ غلس کے معنی ہیں، اندھیرا خواہ وقت  
کے اعتبار سے اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز فجر روشنی میں

ہی پڑھتے تھے۔

مگر مسجد میں اندھیرا ہوتا تھا۔ کیونکہ مسجد نبوی شریف بہت گہری بنی ہوئی تھی۔ چھت میں روشندان وغیرہ نہ تھے، اب بھی اگر مسجد میں روشندان نہ ہوں تو اندر بہت اندھیرا رہے کیونکہ بہت گہری بنی ہوئی ہے۔ صحن دور ہے، اس صورت میں یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔ دوسرے یہ کہ اگر غلص سے صبح کا اندھیرا ہی مراد ہو تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل شریف ہے۔ اور قول شریف وہ ہے، جو ہم پہلی فصل میں بتا چکے ہیں، یعنی حضور نے اندھیرے میں فجر پڑھی مگر ہم کو اوجیالے میں پڑھنے کا حکم دیا۔ اور جب حدیث قولی و فعلی میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قولی کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ فعلی حدیث میں خصوصیت کا احتمال ہے دیکھو، سرکار نے نور لویو یاں نکاح میں رکھیں، مگر ہم کو چار بیویوں کی اجازت دی۔ ہم حکم پر عمل کر کے صرف چار بیویاں رکھ سکتے ہیں، آپ کے فعل پر عمل نہ کریں گے۔ یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قول عمل پر راجح ہے۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ عام صحابہ کرام اوجیالے میں فجر پڑھتے تھے، حالانکہ انہوں نے حضور کا یہ عمل شریف دیکھا تھا، معلوم ہوا کہ حدیث قولی کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتے تھے۔ دوسری حدیث کو لائق عمل نہ سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کا اندھیرے میں ہونا قیاس شرعی کی خلاف ہے، اوجیالے میں ہونا قیاس کے مطابق لہذا اوجیالے والی حدیث کو ترجیح ہوگی۔ کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو اس حدیث کو ترجیح ہوتی ہے، جو مطابق قیاس ہو۔

وکیفوا ایک حدیث میں ہے۔ اَلْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ اگ کی کپی چیر کھانے سے وضو واجب ہوتا ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے کھانا کھا کر نماز پڑھ لی وضو نہ کیا۔ پہلی حدیث خلاف قیاس ہے۔ دوسری مطابق قیاس لہذا دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی پہلی حدیث کی تاویل کی گئی کہ وہاں وضو سے مراد کھانا کھا کر ہاتھ دھونا، کٹی کڑا ہے، ایسے ہی یہاں تاویل کی جاوے کہ غلص سے مراد مسجد کا اندھیرا ہے، نہ کہ وقت کا بہر حال ترجیح روشنی کی حدیث کو ہے۔



ہمارا اعلان ہے کہ کوئی وہابی صاحب ایسی مرفوع حدیث پیش کریں جس میں فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو جیسے ہم نے او جیالے میں فجر پڑھنے کی ایک دو نہیں، بہت احادیث پیش کر دیں، جن میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

پانچویں یہ کہ اندھیرے کی تمام احادیث بیان جواز کے لیے ہیں اور او جیالے کی تمام احادیث بیان استحباب کے لیے، لہذا دونوں حدیثیں موافق ہیں، مخالف نہیں یعنی اندھیرے میں فجر پڑھنا جائز ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر عمل فرمایا اور او جیالے میں فجر پڑھنا مستحب ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس کا حکم دیا۔

اعتراف نمبر ۲۔ مسلم و بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْتَصِرُ النِّسَاءُ مُتَشَفِّعَاتٍ بِمِرْوَاطِهِنَّ مَا يَكْرَهُنَّ مِنَ الْغُلَسِ۔

فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی مسجد سے واپس ہوتیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

معلوم ہو کہ نماز فجر اتنی جلدی شروع کرنا سنت ہے کہ جب سامنے یا سوا آئینے پڑھ کر نماز سے فارغ ہو، تو کوئی نمازی اندھیرے کی وجہ سے پہچانا نہ جاسکے، حنفی اتنا او جیالہ کر کے فجر پڑھتے ہیں، کہ شروع نماز کے وقت ہی لوگ پہچانے جاتے ہیں، ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔

جواب :- اس کے جوابات اعتراض ۲ کے جواب میں گذر چکے کہ یا تو یہ مسجد کا اندھیرا ہوتا تھا نہ کہ وقت کا، یا اس عمل شریف پر حضور علیہ السلام کے فرمان اور حکم کو ترجیح ہے، وغیرہ یہاں ایک جواب اور بھی ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ شریف میں عورتوں کو جماعت نماز میں حاضری کا حکم تھا، ان کے لحاظ سے نماز فجر جلدی پڑھی جاتی تھی، کہ وہ بیویاں پردہ سے گھر چلی جاویں، پھر عہد فاروقی میں عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا، تو یہ رعایت بھی ختم ہو گئی، عورتوں کو جماعت سے روکنے کی پوری تحقیق اور

اس کی وجہ ہماری کتاب اسلامی زندگی میں ملاحظہ کرو۔

اعتراف نمبر ۴۔ ترمذی شریف نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً بَوَقْتُهَا الْآخِرَ مَرَّتَيْنِ حَتَّى يَقْبِضَهُ اللَّهُ۔

فرماتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہ پڑھی یہاں تک کہ رب نے آپ کو وفات دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازیں خصوصاً نماز فجر اول وقت پڑھنا حضور علیہ السلام کی دائمی سنت ہے، یہ حکم منسوخ نہ ہوا، حضور علیہ السلام نے آخر حیات شریف تک اس پر عمل کیا افسوس کہ حنفی ایسی دائمی سنت سے محروم ہیں، جو حضور علیہ السلام نے ہمیشہ کی۔

جواب۔ اس اعتراف کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح بھی نہیں، اور اس کی اسناد متصل بھی نہیں کیونکہ اس حدیث کو اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا، اور اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کبھی ملاقات نہ کی، لہذا درمیان میں راوی رہ گیا ہے۔ اس لئے امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ فرمایا۔

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَكَيْفَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ۔

ابو عیسیٰ نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں۔

اس کے حاشیہ میں ہے۔

لَآئِنَّهُ كَمْ يَشَبُّتُ مُلَاقَاةُ الْحَقِّ مَعَ عَائِشَةَ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

کیونکہ اسحاق کی ملاقات حضرت عائشہ صدیقہ سے ثابت نہ ہوئی

لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں، افسوس ہے کہ وہابی ہم سے تو بالکل صحیح اور ٹھکانا حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، اور خود ایسی ضعیف اور ناقابل عمل حدیثیں پیش کر دینے میں تامل نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہے کیونکہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے بہت دفعہ نمازیں آخر وقت پڑھی ہیں، جب حضرت جبریل نماز کے اوقات عزیمت کرنے آئے، تو انہوں نے دو دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نمازیں پڑھائیں، پہلے دن تمام نمازیں اول وقت میں، دوسرے دن آخر وقت میں ایک دفعہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز کے اوقات پوچھے تو آپ نے اسے دو دن اپنے پاس ٹھہرایا، ایک دن نمازیں اول وقت میں پڑھائیں دوسرے دن آخر وقت، تعریس کی رات میں حضور علیہ السلام نے فجر کی نماز قضا پڑھی، غزوہ خندق میں حضور علیہ السلام نے کئی نمازیں قضا کر کے پڑھیں، عام طور پر سفر میں حضور علیہ السلام نماز ظہر آخر وقت اور عصر اور وقت پڑھتے تھے، ایسے ہی مغرب آخر وقت، عشاء اول وقت پڑھتے تھے۔ دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز فجر کے لئے بالکل آخر وقت تشریف لائے، اور بہت جلد فجر پڑھائی، بعد میں فرمایا کہ آج ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے کہ رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ اقدس پر رکھا (مشکوٰۃ باب الاسد)

غرضیکہ حضور علیہ السلام نے بار بار نمازیں آخر وقت میں پڑھیں، اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے کوئی نماز آخر وقت میں دوبار بھی نہ پڑھی، لہذا یہ روایت ناقابل عمل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، پھر تم نماز عشاء آخر وقت یعنی تنہائی رات گئے پڑھنا، مستحب کیوں کہتے ہو، اور گرمیوں میں ظہر آخر وقت میں مستحب کیوں بتاتے ہو۔ جو جواب تمہارا ہے، وہ ہی جواب ہمارا۔

آخر اضع نمبر ۵:۔ تم نے جو حدیث پیش کی تھی کہ فجر کو اوجیالا میں پڑھو، اس میں اوجیالا سے مراد صبح صادق کی وہ روشنی ہے، جس سے وقت فجر آجانا، یقینی ہو جاوے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر شگ کی حالت میں نہ پڑھو، بلکہ جب یقین ہو جاوے کہ وقت ہو گیا، تب پڑھو، وہاں اسفار سے وہ روشنی مراد نہیں، جو خفیوں نے سمجھی، یعنی نوبت اوجیالا بہت سے محدثین نے اس حدیث کا یہ ہی مطلب بیان کیا۔

جواب :- مگر نہ نہیں کیونکہ اتنا اوجیلا کرنا تو فرض ہے، شک کی حالت میں نماز فجر پڑھنا جائز ہی نہیں، اور یہاں فرمایا گیا کہ اس اوجیلے کا ثواب زیادہ ہے یعنی یہ اوجیلا مستحب سے نہ کہ فرض۔ لہذا اس اجابے سے مراد وہ ہی روشنی صبح سے جس میں فجر پڑھنا مستحب سے اور جو ہم نے معنی کیے۔ وہ جی درست میں۔ حدیث سمجھنے کے لئے فقہ ضروری ہے۔

## انیسواں باب

### ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

وقت ظہر سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے، جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے نصف النہار کے سایہ کے علاوہ دوگنا ہو جاوے، سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ دیر سے پڑھنا، کہ دوپہر کی تیزی جاتی رہے، کچھ ٹھنڈک ہو جاوے سنت ہے مگر غیر مقلد وہابی نماز ظہر پہلچاتی دوپہر ہی میں پڑھ لیتے ہیں، اور ایک مثل سایہ کے بعد عصر پڑھ لیتے ہیں، طرح طرح تنقیوں کو بہکا تے ہیں کہ تمہارا مذہب حدیث کے خلاف ہے اس لئے اس باب کی بعضی فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اختراعات مع جوابات، حنفیوں کو چاہیئے کہ اپنے دلائل اور وہابیوں کے جوابات یاد رکھیں۔

## پہلی فصل

### ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

سردیوں میں چونکہ دوپہر ٹھنڈی ہوتی ہے، لہذا اس زمانہ میں سورج ڈھلنے ہی ظہر پڑھنی سنت ہے، لیکن گرمیوں میں دیر سے پڑھنی سنت جبکہ ٹھنڈک ہو جاوے اور دوپہر کا جوش کم ہو جاوے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔



نمبر ۱۵۔ بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گرمی تیز ہو تو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نمبر ۱۶۔ ابوداؤد طحاوی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم بخاری، نسائی، بیہقی نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فِيمَ حَقَّ فَا بَرِدُوا بِالظُّهْرِ وَاشْتَكَّتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ أَكُلْ بَعْضِي بَعْضًا فَإِنَّ لَهَا بِنَفْسَيْنِ نَفْسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفْسٍ فِي الصَّيْفِ إِلَى

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گرمی کی تیزی و خشکی کی بھڑک سے ہے، لہذا ظہر ٹھنڈی کرو اگر نے رب کی بارگاہ میں شکایت کی عرض کیا کہ مولا میرے بعض نے بعض کو کھا ڈالا تو رب نے اگلے دو سالوں کی اجازت دی، ایک سال سردی میں ایک سال گرمی میں۔

نمبر ۱۷۔ نسائی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔

فرماتے ہیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تھی تو جلد پڑھ لیتے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گرمیوں میں ظہر جلد پڑھنا سنت سے خلاف ہے۔

نمبر ۱۸۔ بخاری، ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابوداؤد طحاوی، طحاوی، ابوعوانہ بیہقی نے حضرت ابو زہرہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ

فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، مؤذن نے ظہر

يُؤَذِّنُ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْرَدُكُمْ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ  
فَقَالَ أَبْرَدُكُمْ رَأَيْنَا بَيْتَ التَّلَوِّ فَقَالَ  
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ شِدَّةَ  
الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ حَهْمَةٍ فَإِذَا اشْتَدَّ  
الْحَرُّ فَأَبْرَدُوا بِالصَّلَاةِ قَالَ  
السَّيِّدُ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ  
صَحِيحٌ

کی اذان دینی چاہی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا، ٹھنڈا کرو، پھر انہوں نے اذان  
کا قصد کیا تو فرمایا ٹھنڈا کرو، یہاں تک کہ ہم  
نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا تو فرمایا نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم نے گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک  
سے ہے۔ پس جب گرمی تیز ہو تو نماز  
ٹھنڈی کیا کرو، ترمذی نے فرمایا یہ حدیث  
حسن و صحیح ہے۔

نمبر ۲۰۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
أَنَّ سَرَايَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ  
سَلَّمَ لَيُعْجَلُهَا فِي الشِّتَاءِ وَيُؤَخَّرُ  
هَآ فِي الصَّيْفِ۔

انہوں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر کی  
نماز سردیوں میں جلدی پڑھتے تھے اور گرمیوں  
میں دیر سے پڑھتے تھے۔

اس کے متعلق اور بھی بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں، مگر اختصاراً انہیں بیس  
حدیثوں پر اکتفا کرتا ہوں، اگر تفصیل دیکھنی ہو، تو صیغ البہاری۔ طحاوی وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ  
مضیال رہے۔ کہ نماز جمعہ کا وقت بھی ظہر کی طرح ہے۔ کہ گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے پڑھی  
جاوے بعض لوگ سخت گرمی میں بھی جمعہ کی نماز بالکل اول وقت پڑھ لیتے ہیں یہ خلاف  
سنت ہے غیر منقولہ دہلی تو زوال سے پہلے بھی نماز جمعہ پڑھ لینے سے گریز نہیں کرتے۔  
بخاری شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

فَرَمَاتُ هِيَ كَبِ سَخْتِ ثَمْدُكْ هَوْتِ  
تَوْحُورِ صِلَ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَمْ نَمَازِ جِلْدِ پڑھتے  
تھے۔ اور جب گرمی تیز ہوتی تو نماز ٹھنڈی  
کر کے پڑھتے تھے یعنی نماز جمعہ۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا اشْتَدَّ الْبُرْدُ بَكَرَ بِالصَّلَاةِ إِذَا  
اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ لَيَعْنِي  
الْجُمُعَةَ۔

غرضیکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی طرح سردیوں میں جلد اور گرمیوں میں کچھ دیر کر کے گرمی کی تیزی ٹوٹ جانے

پڑھنی چاہیے۔

حقل کا تقاضا بھی یہی ہے، کہ نماز ظہر گرمیوں میں ٹنڈی کر کے پڑھنا چاہیے، اگر تیز گرمی میں ظہر پڑھنا مسلمانوں کی تکلیف کا باعث ہے، اس سے جماعت گھٹ سہانیکا اندیشہ ہے، کیونکہ گرمیوں میں عام کاروباری لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ یعنی دوپہر میں آرام کرتے ہیں، اور دوپہر کی تپش گھر میں گزارنا چاہتے ہیں، اگر اس حالت میں نماز ظہر پڑھنی جاوے تو وہ لوگ سنت قیلولہ سے بھی محروم رہیں گے اور ان پر اس وقت مسجد کی حاضری گراں بھی پڑے گی ایسے موقعہ پر شریعت مظہر آسانی کرتی ہے۔

نتیجہ۔ مذکورہ بالا احادیث شریفہ اور دلیل عقل سے معلوم ہوا کہ نماز ظہر کا وقت دو ٹل سایہ تک رہتا ہے، اور عصر کا وقت دو ٹل سایہ سے شروع ہوتا ہے، اس کی پند و لیلیں ہیں۔

ایک یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر ٹنڈی کر کے پڑھتے تھے، اور اس کا حکم دیتے تھے، اور ظاہر ہے کہ تمام جگہ خصوصاً ملک عرب میں ایک ٹل سایہ کے بعد دوپہر کی تپش ٹوٹتی ہے، ایک ٹل تک سخت بھڑک رہتی ہے، اگر ایک ٹل پر وقت ظہر نکل جاوے، تو یہ احادیث غلط ہوں گی۔

دوسرے یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نماز ظہر پڑھی۔ جب ٹیلوں کا سایہ نمودار ہو گیا، ایک ٹل سایہ کے وقت ٹیلے کا سایہ نمودار نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھیلنے والے کی وجہ سے اس کا سایہ ایک ٹل کے بعد نمودار ہو سکتا ہے اگر ایک ٹل پر وقت ظہر نکل جاوے، تو یہ حدیث بھی غلط ہوگی۔

تیسرے یہ کہ نماز عصر کا وقت ہمیشہ ظہر کے وقت سے نہ ہونا چاہیے، اگر ایک ٹل پر وقت عصر ہو جایا کرے تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی ظہر سے بڑھ جاوے گا یہ قانون شرعی کے خلاف ہے، کیونکہ بخاری شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مرفوعہ نقل فرمائی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی مثال یہود و نصاریٰ کے متناہل اس طرح دی، کہ کوئی شخص کسی مزدور کو صبح سے دوپہر

تک ایک قیڑا پڑھ کر، دوسرے کو دوسرے نماز عصر تک ایک قیڑا پڑھ کر، تیسرے کو نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک دو قیڑا اجرت پڑھ کر، پہلے مزدور یہود ہیں، دوسرے مزدور نصاریٰ اور تیسرے مزدور مسلمان کہ ان کے عمل کا وقت تھوڑا، مزدوری دو گنی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

خبردار ہو کہ تم ہی وہ لوگ ہو جو نماز عصر سے سورج ڈوبے تک کام کرتے ہو تمہاری مزدوری دو گنی ہے۔

الْأَفَانْتُمُ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ مِنْ صَلَوةِ الْعَصْرِ إِلَى مَغْرِبِ الشَّمْسِ إِلَّا لَكُمْ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ۔

اگر عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا، تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی اس سے زیادہ ہوتا اس صورت میں مسلمانوں کی یہ مثال بیان نہ فرمائی جاتی۔ لہذا نماز عصر کا وقت ظہر سے کم ہونا چاہیے یہ جب ہی ہو سکتا ہے، جب وہ دو مثل سایہ سے شروع ہو، اگر ایک مثل پر عصر شروع ہو جاوے، تو بخاری شریف کی یہ حدیث بھی غلط ہو جاتی ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ عصر دو مثل پر شروع ہو جاتی ہے

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلد و تابعوں کے بعض اعتراضات تو وہ ہیں۔ جن کے جوابات ہم اس سے پہلے باب میں دے چکے ہیں، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز اول وقت میں پڑھنا افضل ہے یا جیسے تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ، نماز۔ توبہ۔ لڑکی کا نکاح بعض اعتراضات ان کے علاوہ ہیں، ہم وہ اعتراضات مع جوابات . . . . . عرض کرتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ ابو داؤد۔ ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ایک دراز حدیث روایت کی، جس میں ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل نے مجھے دو دن نماز پڑھائی، ایک دن ہر نماز اول وقت پڑھی دوسرے دن ہر نماز آخر وقت میں اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔



وَصَلَّى بِنِ الْعَصْرِ حِينَ صَارَ ظِلُّ  
كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ۔

حضرت جبریل نے مجھے پہلے دن عصر وقت  
پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا  
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ پر شروع ہو جاتا ہے، اور ظہر کا  
وقت اس سے پہلے نکل جاتا ہے۔

جواب :- اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اسی حدیث میں اس جگہ یہ بھی ہے

جب دوسرا دن ہوا تو مجھے حضرت جبریل نے نماز  
ظہر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔

فَلَمَّا كَانَ الْعَدُ صَلَّى بِنِ الظُّهْرِ حِينَ  
كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ

فرمائیے پہلے دن ایک سایہ پر نماز عصر پڑھائی اور دوسرے دن خاص اس ہی وقت نماز  
ظہر پڑھائی۔ حالانکہ وقت عصر ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد شروع ہوتا ہے، اگر ایک مثل سایہ پر  
وقت عصر داخل ہو جاتا ہے تو دوسرے دن اسی وقت نماز ظہر کیوں پڑھائی گئی، دوسرے  
بکہ اس حدیث میں اسی جگہ یہ الفاظ ہیں۔

وَصَلَّى بِنِ الْعَصْرِ حِينَ كَانَ  
ظِلُّهُ مِثْلَهُ۔

اور دوسرے دن مجھے نماز عصر جب پڑھائی  
جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر کا آخری وقت دو مثل سایہ ہے۔ حالانکہ آخری وقت  
سورج کا غروب ہے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث میں اول دن کی نماز عصر میں صرف ایک مثل سایہ کا ذکر ہے اور  
دوسرے دن کے آخر عصر میں دو مثل سایہ کا ذکر ہے اصل سایہ کا جو دو پہر کے وقت ہوتا ہے  
بالکل ذکر نہیں، حالانکہ تم بھی کہتے ہو کہ ایک مثل یا دو مثل اصل سایہ کے علاوہ ہونا چاہیے تو جو تمہارا  
جواب ہے، وہ جارا

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضور کو ایک مثل سایہ پر نماز عصر پڑھا دی گئی  
اور جو حدیثیں ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں، ان میں ذکر ہے کہ حضور نے گرمی میں نماز ظہر  
ٹھنڈی کر کے اور ٹیلے کا سایہ پڑھانے پر ادا فرمائی جو ایک مثل کے بعد ہوتا ہے تو حدیثیں آپس

میں متعارض ہوئیں، لہذا ہماری پیش کردہ حدیثوں کو ترجیح ہوگی، کیونکہ وہ قیاس شرعی کے مطابق ہیں اور یہ حدیث قابل عمل نہیں، کیونکہ قیاس شرعی کے خلاف ہے، تعارض کے وقت حدیث کو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔

پانچویں یہ کہ حضرت جبریل کا یہ عمل پہلے واقع ہوا کیونکہ شب معراج کی صبح کو ہوا جب کہ نماز فرض ہی ہوئی تھی اور حضور کا عمل جو ہم ثابت کر چکے ہیں، یعنی ٹھنڈک میں نماز پڑھنا بعد کا عمل ہے لہذا تمہاری پیش کردہ حدیث منسوخ ہے، ہماری پیش کردہ احادیث اس کی ناسخ اس لیے یہ حدیث قابل عمل نہیں۔

چھٹے یہ کہ شرعی قاعدہ ہے کہ یقینی چیز شک سے زائل نہیں ہو سکتی یقین کو یقین ہی دفعہ کر سکتا ہے، اس قاعدہ پر صدمہ مسائل نکالے گئے ہیں، سورج ڈھلنے سے وقت ظہر یقیناً آگیا اور ایک مثل سایہ پر اس وقت کا نکلنا مشکوک ہے، تو اس شک سے وقت ظہر نہ نکلے گا۔ اور وقت عصر داخل نہ ہوگا۔ و مثل پر ظہر کا نکلنا یقینی ہے۔ لہذا یہ ہی حکم قابل عمل ہے نہ کہ تمہارا قول۔

اعتراف نمبر ۲۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ نماز ظہر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ فرش بہت گرم ہوتا تھا۔ ہم اس پر سجدہ نہ کر سکتے تھے، اسی لیے مسجد کے بجگہ کپڑا یا ٹھنڈی بجری رکھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز ظہر گرمیوں میں بھی اول وقت ہی پڑھنی چاہیے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جن میں گرمیوں کی ظہر کی تاخیر کرنے ٹھنڈی کرنے کا حکم ہے، اور وہ حدیثیں قیاس شرعی کے مطابق لہذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث ناقابل عمل یا منسوخ ہے۔

دوسرے یہ کہ فرش کی گرمی خصوصاً ملک عرب میں بہت دیر تک یعنی ایک مثل سایہ کے بعد تک رہتی ہے، یہ گرمی پہلے کی ہوتی تھی۔ وقت ٹھنڈا ہو چکا تھا، لہذا یہ حدیث ان احادیث کے بالکل خلاف نہیں جن میں ٹھنڈک کا حکم ہے، یہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کی جاوے

اعتراف نمبر ۳۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ عصر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ بعد نماز

عصر اونٹ ذبح کر کے بوٹیاں بنا کر بھون کر آفتاب ڈوبنے سے پہلے کھا لیتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ نماز عصر کے بعد تین میل مسافت طے کر کے اپنے گھر پہنچ جاتے تھے اور ابھی سورج چمکتا ہوتا تھا۔ جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز دو مثل سے پہلے پڑھی جاتی تھی، کیونکہ دو مثل کے بعد اتنا وقت نہیں بچتا، کہ یہ کام کیے جاویں۔ (عام دہانی)

جواب :- یہ تمام حدیثیں درست ہیں مگر آپ کا یہ مذکورہ نتیجہ کھانا غلط۔ دو مثل کے بعد عصر پڑھ کر تین میل فاصلہ بخوبی طے ہو سکتا ہے، اہل عرب بہت تیز رفتار ہیں، ہمارے ہاں بھی بعض لوگ دس منٹ میں ایک میل چل لیتے ہیں۔ تین میل آدھ گھنٹے میں چلے جاتے ہیں، عصر کا وقت بعض زمانہ میں دو گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی اونٹ کا ذبح کر لینا اور بھون کر کھا لینا غروب آفتاب سے پہلے ہو سکتا ہے۔ اہل عرب ذبح اور گوشت صاف کرنے پکانے میں بہت ہی پھرتیلے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ ہے۔

اعتراف نمبر ۴۔ مسلم بخاری میں حضرت سہل ابن سعد سے روایت ہے۔

قَالَ مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا  
بِمَا نَحْمِلُ فِيهِ | ہم صحابہ نہیں قبیلو کرتے تھے، نہ ناشتہ  
کھاتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سخت گرمی میں بھی بہت جلد پڑھنی چاہیے کہ دوپہر کا آرام بلکہ صبح کا ناشتہ بھی بعد نماز کیا جاوے، پھر تم کیے کہتے ہو، کہ گرمیوں میں جمعہ ٹھنڈا کر کے پڑھو۔

جواب :- اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث ظاہری معنی سے تمہارے خلاف ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے، کہ نماز جمعہ ناشتہ اور قبیلو یعنی دوپہر کے آرام سے پہلے پڑھی جاوے تو چاہیے کہ فجر کے بعد فوراً جمعہ پڑھ لیا جاوے، کیونکہ ناشتہ تو بالکل سویرے ہوتا ہے۔ تم بھی اتنی جلد جمعہ پڑھ لینے کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمعہ کے دن جمعہ کی طیاری کی وجہ سے نماز سے پہلے نہ ناشتہ کرتے تھے نہ دوپہر کا آرام بعد نماز یہ سب کچھ کرتے تھے یعنی نماز کی وجہ سے ناشتہ اور آرام بھیج کر دیتے تھے، نہ کہ ناشتہ اور آرام کی وجہ سے جمعہ پہلے پڑھ لیتے تھے۔

جیسا کہ تم سمجھو۔

تفسیر سے یہ کہ اس حدیث میں سر دیوں کے جمعہ کا ذکر ہے کہ اس زمانہ میں دن چھوٹا ہوتا ہے دوپہر میں گرمی نہیں ہوتی، اس لئے سورج ڈھلتے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے، دوپہر کا کھانا اور آرام بعد جمعہ کرتے تھے، اب بھی مدینہ والے ایسا ہی کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ڈھلنے کے بعد جمعہ پڑھتے تھے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ

لہذا اس مذکورہ حدیث کے معنی یہ نہیں کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے سے پہلے پڑھ لی جاتی تھی چونکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی نائب ہے لہذا ظہر کے وقت میں ہی ادا ہوگی اور گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے سر دیوں میں سورج ڈھلتے ہی پڑھی جاوے گی ظہر کی طرح اب احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

# بیسواں باب

## آذان و تکبیر کے الفاظ

شرعیات میں آذان و اقامت کے تکبیر، الفاظ اور احکام قریباً یکساں ہیں، جو الفاظ آذان کے ہیں، وہ ہی تکبیر کے صرف حی علی الفلاح کے بعد قدامت الصلوٰۃ دو بار زیادہ ہے ترجیح نہ آذان میں ہے، نہ اقامت میں، آذان کے کل پندرہ کلمے ہیں، اور اقامت کے سترہ کلمے جیسا کہ عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کی آذان بھی اس آذان سے علیحدہ ہے اور اقامت بھی اس اقامت کے سوا ہے، وہ آذان کی دونوں شہادتوں کو دو دو بار کی بجائے چار چار بار کہتے ہیں، اولاً دو بار آہستہ پھر بلند آواز سے اسے ترجیح



کہتے ہیں، یعنی پہلے اُشہدُ اَنَّ لاَّ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ آہستہ کہتے ہیں۔ پھر چیخ کر ایسے ہی اُشہدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کو اس حساب سے ان کے نزدیک اذان کے کلمات پندرہ کے بجائے انیس ہیں اور اقامت تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہتے ہیں اس طرح کہ دونوں شہادتیں اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح۔ ایک ایک بار ان کے نزدیک اقامت کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہیں، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی اذان و اقامت وہ ہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس وجہ سے لعن طعن کرتے ہیں اور اس ذات کریم کو گایا دیتے ہیں پہلی فصل میں اس مروجہ اسلامی اذان کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات اللہ رسول قبول فرماوے۔

## پہلی فصل

### موجودہ اذان و اقامت کا ثبوت

مخبر ہے کہ اذان اقامت کے کلمات دو دو ہیں، نہ اذان میں ترجیع ہے، نہ اقامت تکبیر کے کلمات ایک ایک پہلی تکبیر چار بار آخر میں کل لا الہ الا اللہ ایک بار باقی تمام الفاظ دو دو وائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۱۱۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان۔ بیہقی۔ دارقطنی نے سیدنا عبد اللہ ابن

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔  
اَنَّهُ قَالَ كَانَ الْاَذَانُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ  
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ  
وَالْاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ اَنَّهُ يَقُولُ  
قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ اَلَمْ

وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ  
میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے اور تکبیر ایک  
ایک بار اس کے سوا کہ تکبیر میں قد قامت الصلوٰۃ  
بھی کہتے تھے۔

اس حدیث کے متعلق ابن جوزی جیسے ناقد کہتے ہیں۔

یہ اسناد صحیح ہے۔ سعید المقبری کی ابن حبان  
نے توثیق کی۔

هَذَا اسنادٌ صَحِيحٌ سَعِيدُ الْمُقْبَرِيِّ  
وَتَفَقَّهَ ابْنُ حَبَانَ وَغَيْرُهُ دِهَابِي

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان میں ترجیح نہیں دینا اذان کے کلمات دو در نہ ہوتے شہادتیں چار چار بار ہوتیں، اقامت کے ایک بار ہونے کا جواب دوسری فصل میں عرض کیا جاوے گا حدیث نمبر ۷۔ طبرانی نے معجم اوسط میں ابو مخذومہ موزون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتہ حضرت ابراہیم بن اسماعیل ابن عبد الملک ابن ابی مخذومہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا عبد الملک ابن ابی مخذومہ کو سنا وہ فرماتے تھے کہ انہوں نے اپنے والد ابو مخذومہ کو فرماتے سنا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان کا ایک ایک لفظ بتایا، اللہ اکبر اللہ اکبر آخر تک اس میں ترجیح کا ذکر نہ فرمایا۔

قَالَ سَمِعْتُ جَدِّي عَبْدَ الْمَلِكِ ابْنَ ابْنِي مُحَمَّدٍ وَرَدَهُ يَقُولُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاكَ أَبَا مُحَمَّدٍ وَرَدَهُ يَقُولُ أَلْقَى عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَذَانَ حَرْفًا حَرْفًا اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ إِلَى آخِرِهِ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ تَرْجِيحًا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ اذان میں ترجیح کا حکم حضور نے نہ دیا لہذا ترجیح سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۸ و ۹ :- ابن ابی شیبہ ترمذی نے حضرت ابن ابی سیلی تابعی سے کچھ اختلاف الفاظ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ عبد اللہ ابن زید انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موزون اذان اور تکبیر دو دو بار کہتے تھے۔

قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ مَوْذُونٌ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ،

اس حدیث سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ اذان میں ترجیح نہیں، دوسرے یہ کہ اقامت یعنی تکبیر کے کلمات دو دو بار کہے جاویں، نہ کہ ایک ایک بار۔

حدیث نمبر ۱۰ :- بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

آپ فرماتے تھے کہ اذان بھی دو دو بار ہے تکبیر بھی دو دو بار اور آپ رضی اللہ عنہ، ایک شخص پر گزرے جو اقامت ایک ایک

أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ الْأَذَانَ مَشْنًى مَشْنًى وَالْإِقَامَةَ مَشْنًى مَشْنًى وَمَرَّ بِرَجُلٍ يُقِيمُ مَرَّةً مَرَّةً فَقَالَ اجْعَلْهَا

مَثْنَى مَثْنَى لَا أَمَّ لَكَ

بارگاہ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا اسے دو دو بار کرتیری  
ماں نہ رہے۔

حدیث نمبر ۱۱۔ ابو داؤد شریف نے حضرت مغاذ بن جبل سے ایک طویل حدیث بیان فرمائی  
جس میں عبد اللہ ابن زید انصاری کی خواب کا واقعہ مذکور ہے، جو انہوں نے اذان کے متعلق دیکھی  
تھی، انہوں نے حضور کی خدمت میں آکر عرض کیا، کہ میں نے فرشتے کو خواب میں دیکھا، جس نے قبلہ  
کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر اللہ اکبر اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ الخ کہا پھر کچھ ٹھہر کر اذان کی طرح تکبیر بھی کہی الخ  
حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ لَقِنَهَا بِلَا لَا  
فَأَذَّنَ بِهَا

راوی کہتے ہیں کہ حضور نے عبد اللہ سے فرمایا  
کہ یہ اذان حضرت بلال پر تلقین کرو پس حضرت  
بلال نے اذان انہی کلمات سے دی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ تو خواب والے فرشتے نے اذان میں ترجیع کی تعلیم دی نہ اسلام  
کی پہلی اذان میں ترجیع تھی۔ جو حضرت بلال نے حضور کی موجودگی میں عبد اللہ ابن زید کی تعلیم سے  
کہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اقامت بھی اذان کی طرح دو دو بار ہے۔ لیکن اس میں قد قامت الصلوٰۃ  
بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲ و ۱۳۔ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ سے روایت کی۔  
قَالَ حَدَّثَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَرْثَدٍ  
الْأَنْصَارِيَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ  
مَرَجُلًا قَامَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَحْضَرَ اِنْ  
فَقَامَ عَلَى حَائِطٍ فَأَذَّنَ مَثْنَى مَثْنَى  
وَأَتَانَا مَثْنَى مَثْنَى

فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور کے بہت صحابہ نے  
خبر دی کہ عبد اللہ ابن زید انصاری حضور کی خدمت  
میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ میں نے خواب میں  
دیکھا، جیسے ایک مرد کھڑا ہوا اس پر دو ستر  
کپڑے ہیں۔ پس وہ دیوار پر کھڑا ہوا اور  
اذان بھی دو دو بار دی، تکبیر بھی دو دو  
بار کہی۔

خیال دھکے کہ اذان کی تعلیم رب تعالیٰ نے صحابہ کرام کو خواب میں فرشتہ کے ذریعہ دی اس خواب میں نہ تو اذان میں ترجیع ہے، نہ اقامت ایک ایک بار معلوم ہوا کہ حنفی اذان و تکبیر وہ ہے، جس کی رب نے تعلیم دی۔

حدیث نمبر ۱۷۱۸۔ واقظنی، عبد الرزاق، طحاوی شریف نے حضرت اسود بن یزید سے روایت کی اَنْ بَلَا لَا كَانَ يَشْنِي الْاَذَانَ وَيَشْنِي الْاِقَامَةَ وَكَانَ يَبْدَأُ بِالتَّكْبِيرِ وَيَخْتِمُ بِالتَّكْبِيرِ۔  
بے شک حضرت بلال اذان بھی دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت بھی دو دو بار ان دونوں کو تکبیر ہے ہی شروع کرتے تھے تکبیر پر ہی ختم کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۷۱۹۔ طبرانی نے اپنی کتاب مسند الشاہین میں حضرت جناد بن ابی امیر سے روایت کی۔ عَنْ بِلَالٍ اَنَّهُ كَانَ يَجْعَلُ الْاَذَانَ وَالْاِقَامَةَ سَوَاءً مَشْنًى مَشْنًى۔  
وہ حضرت بلال سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اذان و اقامت دونوں برابر کہتے تھے یعنی دو دو بار۔

حدیث نمبر ۱۷۲۰۔ واقظنی نے حضرت ابو جحیفہ سے روایت کی۔

حدیث نمبر ۱۷۲۱۔ طحاوی نے حضرت حماد بن ابراہیم سے روایت کی۔ قَالَ كَانَ ثَوْبَانُ يُؤَذِّنُ مَشْنًى مَشْنًى۔  
حضرت بلال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت دو دو بار۔

حدیث نمبر ۱۷۲۲۔ طحاوی نے حضرت عبید بن موسیٰ سلمہ ابن اکوع سے روایت کی۔

حدیث نمبر ۱۷۲۳۔ طحاوی نے حضرت عبید بن موسیٰ سلمہ ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان اَذَانَ وَالْاِقَامَةَ اَنَّ سَلْمَةَ ابْنَ الْاَكُوْعِ كَانَ يَشْنِي الْاَذَانَ وَالْاِقَامَةَ۔  
حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان و اقامت دو دو بار کہتے تھے۔

ہم نے یہ بیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں اگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح البہاری، طحاوی شریف وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ان احادیث سے حسب ذیل چیزیں معلوم ہوں گی۔

۱۔ عبد اللہ ابن زید ابن عبد اللہ ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی خواب جو اسلامی اذان کی اصل ہے



اس میں نہ تو ترجیح کا ذکر ہے نہ اقامت ایک ایک بار کا، بلکہ وہ ہی اذان و تکبیر مذکور ہے جو عام طور پر رائج ہے۔

عقل فرشتے نے جو اذان کی تعلیم دی، اس میں ترجیح بھی نہیں، اور اقامت ایک ایک بار بھی نہیں، وہ ہی ہماری اذان ہے۔

۳۔ حضور علیہ السلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال، حضرت ثوبان وغیرہم ہمیشہ وہ ہی اذان و اقامت دیتے تھے جو عام مسلمانوں میں مروج ہے، یعنی حقیقی اذان و اقامت۔

۴۔ حلیل القدر صحابہ و تابعین جلیے حضرت علی، عبداللہ ابن عمر، سلمہ ابن الوع، عبداللہ ابن زید، ابراہیم نخعی، حضرت عبید، ابو حنیفہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہی اذان کہتے اور کہلاتے تھے جو مروجہ ہے، ترجیح یا اقامت ایک ایک بار کے قائل نہ تھے۔

۵۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک ایک اقامت کہنے والے پر ناراض ہوتے تھے دو دو بار کہلاتے تھے، اگر ترجیح یا اقامت ایک بار سنت ہوتی، تو یہ حضرات جو مزاج شناس رسول سنت کے متبع، بدعت سے متنفر تھے، انہوں نے اس کو کیوں ترک کیا، اور کرنے والوں کو کیوں روکا اور ان پر کیوں ملامت کی۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اذان کی شہادتوں میں ترجیح نہ ہو، کیونکہ اذان میں اصل چیز صلوٰۃ اور فلاح ہے، کہ اذان نماز ہی کے ارکان و دعوت کے لئے ہے، باقی کلمات تکبیر و شہادت وغیرہ برکت یا تمہید یا نماز کی ترغیب کے لئے ہیں، جب صلوٰۃ اور فلاح میں تکرار اور ترجیح نہیں جو اصل اذان ہے تو ان کلمات میں بھی ترجیح نہ ہونی چاہیے۔ جو اس کے تابع ہیں۔

دوسرے یہ کہ اذان کا مقصد ہے، نماز کی عام اطلاع اس لئے اذان بلند مقام پر اونچی آواز سے کہنی چاہیے، کانوں میں انگلیاں لگا لی جاویں تاکہ آواز خوب اونچی نکلے اب ان دو شہادتوں کو اولاً آہستہ آہستہ کہنا، مقصد اذان کے بالکل خلاف ہے۔ اس کا ہر کلمہ بلند آواز سے چاہیے دیکھو اذان کے اول میں تکبیر چار دفعہ کہی جاتی ہے مگر چاروں بار خوب اونچی آواز سے اگر شہادتیں بھی چار دفعہ ہوتیں تو چاروں بار اونچی آواز سے ہوتیں۔

تیسرے یہ کہ اقامت اذان ہی کی طرح ہے، حتیٰ کہ اسے بعض احادیث میں اذان فرمایا

کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا بَیِّنَ کُلِّ اَذْنَتَیْنِ صَلَوةٌ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی اذان و اقامت کے درمیان ہاں فرق صرف قَدْ قَامَتِ الْمَصلَوةُ کا ہے، کہ اقامت میں ہے اذان میں نہیں، تو چاہیے کہ اقامت کے الفاظ بھی اذان کی طرح دو دو بار ہوں۔ چوتھے یہ کہ اذان میں بعض الفاظ مکرر آئے ہیں، کہ اول میں بھی میں آخر میں بھی جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ غیر مکرر ہیں، کہ صرف ایک جگہ آئے جیسے صلوٰۃ فلاح، جو الفاظ مکرر ہیں وہ پہلی بار دو گئے ہیں، دوسری بار اس کے نصف تکبیر پہلی بار چار دفعہ ہے اور کچھلی بار دو دفعہ، شہادت توحید پہلی بار دو دفعہ ہے تو آخر بار ایک دفعہ۔ تو چاہیے کہ تکبیر میں بھی ایسا ہی ہو۔ لہذا حنفی اذان و اقامت جو آج عام مسلمانوں میں رائج ہے۔ بالکل صحیح اور سنت کے مطابق ہے۔ اس پر طعن کرنا بہالت و حماقت ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات

حنفی اذان و اقامت پر بغیر مقلد و بانی اب تک جو اعتراضات کر سکے ہیں اور جن کی اطلاع ہم کو پہنچی ہے، وہ تمام مع جوابات عرض کرتے ہیں، اگر آئندہ اور نئے اعتراضات ہمارے علم میں آئے تو ان شاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں ان کے جوابات بھی عرض کر دیئے جائیں گے۔ اعتراض نمبر ۱۔ مسلم شریف نے حضرت ابو محمد زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوری اذان کی حدیث نقل کی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنفس نفیس اذان کی تلقین فرمائی، اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

ثُمَّ تَعُوذُ فَيَقُولُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ | دونوں شہادتوں کے بعد پھر بولے اور کہوا شہد اَنْ  
اِلَّا اللهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ | لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ الخ  
اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ  
اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محمد زہری کو اذان کی

شہادتیں میں ترجیح سکھائی، لہذا اذان میں ترجیح سنت ہے۔  
جواب ۱۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت ابو مخذومہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات سخت متعارض ہیں اس حدیث میں قنودہ ترجیح کا ذکر فرماتے ہیں، اور ان ہی کی روایت ہم پہلی فصل میں سجوال طبرانی پیش کر چکے ہیں اس میں ترجیح کا ذکر بالکل نہیں، الطحاوی شریف نے انہیں ابی مخذومہ سے جو حدیث نقل کی اس میں اول اذان میں بجائے چار کے دو بار تکبیر کا ذکر ہے۔ لہذا ابو مخذومہ کی روایت متعارض کی وجہ سے ناقابل عمل ہے جیسا کہ متعارض کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابو مخذومہ کی یہ ترجیح والی حدیث تمام ان مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں، جن میں ترجیح کا ذکر نہیں، لہذا وہ احادیث مشہورہ قابل عمل ہیں۔ نہ کہ یہ حدیث واحد۔

تیسرے یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال اور حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں انہوں نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اور بعد میں کبھی اذان میں ترجیح نہ فرمائی۔ لہذا ان کا عمل زیادہ قابل قبول ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں ابو مخذومہ کو عام صحابہ نے ترک کر دیا۔ ان کا عمل ترجیح پر نہ تھا۔ بلکہ ترجیح کے خلاف تھا۔ لہذا وہ ہی زیادہ قوی ہے۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث ابو مخذومہ قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے مطابق، لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں نہ کہ یہ حدیث جیسا کہ متعارض کا حکم ہے۔

چھٹے وہ جواب ہے جو غنائیہ شرح ہدایہ نے دیا کہ سیدنا ابو مخذومہ کو زمانہ کفر میں توجید و رسالت سے سخت نفرت تھی اور حضور علیہ السلام کی بہت مخالفت، جب یہ اسلام لائے اور حضور علیہ السلام نے انہیں اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے شرم کی وجہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ آہستہ آہستہ کہا۔ بلند آواز سے نہ کہا، تو حضور علیہ السلام نے انہیں دوبارہ بلند آواز سے یہ کلمات ادا کرنے کا حکم دیا یہ دوبارہ کہلوانا اس وقت تھا۔ تعلیم کے لئے اور شرم و در کرنے کے لئے، لہذا یہ حکم عارضی ہے۔ جیسے اگر آج کوئی شخص آہستہ

آہستہ اذان کہہ دے۔ تو دوبارہ بلند آواز سے کہلوائی جاتی ہے۔ اس صورت میں ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہماری پہلی فصل کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

ساتویں وہ جواب ہے جو فتح القدیر نے دیا کہ حضرت ابو محذورہ نے یہ دونوں شہادتیں بغیر تہ کے کہہ دی تھیں، اس لئے دوبارہ مد کے ساتھ کہلوائیں۔ بہر حال یہ ترجیح ایک خصوصی واقعہ تھا۔ نہ کہ سنت اسلام۔

اعتراض نمبر ۲۔ ابو داؤد، نسائی اور دارمی نے حضرت ابو محذورہ سے روایت کی۔  
 اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ  
 الْاَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْاِقَامَةَ  
 سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً۔  
 بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 انہیں اذان ۱۹ کلمے اور تکیہ ۷ کلمے  
 سکھائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے کلمے انیس ہیں، یہ ترجیح سے ہی بنتے ہیں، اگر اذان میں ترجیح نہ ہو، تو کل پندرہ کلمے ہیں۔ لہذا ترجیح اذان میں چاہیئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس حدیث سے اذان میں ترجیح ثابت ہوتی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت کے کلمات دو دو بار ہیں۔ اگر تمہاری طرح ایک ایک بار کلمات ہوتے تو اس کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہوتے، کیا آدھی حدیث پر ایمان لاتے ہو آدھی کے انکاری ہو۔

ترجیح اذان کے تمام وہ جوابات ہیں جو اعتراض ۱ کے ماتحت گذر گئے، اگر حضور علیہ السلام نے حضرت ابو محذورہ کو ترجیح ایک خاص وجہ سے تعلیم دی تھی۔ وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۳۔ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ذَكَرُوا النَّادِ وَالنَّاقُوسَ فَكَوْثَا  
 الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى  
 فَأَمْرٌ بِلَالٍ أَنْ يَشْفَعَ  
 الْاَذَانَ وَيُؤْتِرَ  
 الْاِقَامَةَ  
 فرماتے ہیں کہ صحابہ نے اعلان نماز کے لئے آگ  
 اور ناقوس کی تجویز کی تو یہود و عیسائیوں کا ذکر بھی  
 کیا کہ وہ بھی ان چیزوں سے اعلان بہادت کرتے  
 ہیں تو حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان دو دو بار  
 کہیں اور اقامت ایک ایک بار



اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جاویں۔  
 جواب :- اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے  
 معلوم ہوا کہ اقامت کے سارے کلمات ایک ایک بار ہوں۔ مگر تم کہتے ہو کہ اقامت میں اولاً  
 تکبیر چار بار ہو۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ دو بار ہو، پھر تکبیر دو بار ہو لہذا جو جواب تمہارا ہے وہ ہی  
 ہمارا۔ اگر کہو کہ دوسری حدیثوں میں قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کو دو بار کہنے کا حکم ہے تو خفیٰ کہیں گے کہ دوسری  
 احادیث میں یہ بھی ہے کہ اقامت کے تمامی کلمات دو بار کہے جاویں وہ احادیث قابل عمل کیوں نہیں؟  
 دوسرے یہ کہ اس حدیث میں حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب کا بالکل ذکر نہیں، بلکہ فرمایا گیا  
 کہ جب صحابہ نے آگ یا ناقوس کے ذریعہ اعلان نماز کا مشورہ کیا اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ اس میں  
 یہود و نصاریٰ سے مشابہت ہے۔ اسلامی اعلان ان کے خلاف چاہیے تو فوراً ہی حضرت  
 بلال کو اذان و اقامت کا حکم دیا گیا تو اس اذان و اقامت سے موجودہ مرویہ شرعی اذان مراد نہیں  
 بلکہ لغوی اذان یعنی اعلان نماز مراد ہے جو محلہ میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جماعت  
 مسجد والوں کو جمع کرنے کے لیے کیا جاوے کہ آجاؤ جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ اعلان ایک  
 ہی بار کافی تھا۔ اس لیے ایک بار کا ذکر ہوا، پھر اس کے بعد عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی  
 خواب کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے مرویہ اذان و اقامت قائم کی گئی وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے تیسرے  
 یہ کہ حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب میں فرشتے نے جو اقامت کی تعلیم دی اس میں الفاظ و اقامت  
 دو دو بار ہیں۔ اور وہ خواب ہی اذان و اقامت کی اصل ہے۔ لہذا وہ ہی روایت قابل عمل ہے۔  
 دوسری روایات جو اسکے خلاف ہیں واجب التاویل ہیں یا ناقابل عمل۔ خیال رکھئے کہ یہ خواب  
 صرف حضرت عبداللہ کی نہیں بلکہ ان کے علاوہ سات صحابہ نے یہ ہی خواب دیکھا۔ گویا یہ حدیث  
 متواتر کے حکم میں ہو گئی۔

چوتھے یہ کہ روایات کا اسی پر اتفاق ہے، کہ حضرت بلال اور ابن ام مکتوم نے اذان میں ترجیع  
 اپنے آخر و تم تک نہ کی۔ دیکھو مرقاة شرح مشکوٰۃ، نیز ان بزرگوں کی اقامت میں اقامت کے کلمات  
 دو دو ہی رہے۔ تلمیح کیے ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت بلال جلیلہ مشہور مؤذن حضرت ابن ام مکتوم اپنی  
 ساری عمر نہ تو اذان میں ترجیع کریں نہ تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہیں حالانکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے یہ حکم دیا ہو۔ لہذا ترجیح وغیرہ کی ساری روایتیں واجب التاویل ہیں۔ پانچویں یہ کہ یہ روایات قیاس شرعی کے مخالف ہیں اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے موافق، لہذا انہیں کو ترجیح ہوگی جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اَلْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ آگ کی پکی چیز استعمال کرنے سے ومنور واجب ہے۔ دوسری روایت میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر نماز پڑھی، ومنورہ فرمایا ان احادیث میں تعارض ہوا، تو قیاس کی وجہ سے دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی اب کوئی نہیں کہتا کہ کھانا کھائیے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ کلی قانون ہے

## ایک سوال باب ۲۱

### متنفل کے پیچھے فرض نماز

مسئلہ شرعی یہ ہے نفل والے کے پیچھے فرض نماز ادا نہیں ہوتی، ہاں فرض والے کے پیچھے نفل نماز ہو جاتی ہے۔ فرض نماز میں یہ بھی ضروری ہے کہ امام بھی فرض پڑھ رہا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ امام و مقتدی دونوں ایک ہی نماز پڑھیں، ظہر والا عصر والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا مگر غیر مقلد و بالی کہتے ہیں کہ فرض نماز نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔

فوط ضروری۔ بالغ مسلمان کی کوئی نماز نابالغ بچے کے پیچھے جائز نہیں، نہ فرض نہ تراویح نہ نفل، کیونکہ بچے پر نماز فرض نہیں محض نفل ہے، اور بچے کی نفل شروع کرنے کے بعد بھی نفل ہی رہتی ہے۔ اگر بچہ نفل شروع کرے توڑ دے تو اس پر اس کی قضاء ضروری نہیں لیکن بالغ کی نفل شروع ہو کر ضروری ہو جاتی ہے۔ کہ اگر توڑ دے تو قضاء لازمی ہے، اس لئے بالغ کوئی نماز بچے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا، مگر غیر مقتدی و بامیوں کے نزدیک یہ سب کچھ جائز ہے۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر

افترافات مع جوابات -

## پہلی فصل

### متنفل کے پیچھے مقررہ کی نماز ناجائز ہے

فرض نماز نفل والے پیچھے ادا نہیں ہو سکتی، اس پر بہت احادیث شریفہ اور قیاس شرعی شاہد ہیں، جن میں سے کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر ۴۴ - ترمذی، احمد، ابوداؤد و شافعی، مشکوٰۃ نے باب الاذان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔ اے اللہ اماموں کو ہدایت دے، اور مؤذنین کو بخش دے

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمِنٌ اللَّهُمَّ ارْشِدِ الْأِمَمَةَ وَاعْفُ عَنِ الْمُؤَذِّنِينَ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سارے عقیدوں کی نمازوں کو اپنی نماز کے ضمن میں لیے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اعلیٰ شے ادنیٰ کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے نہ کہ ادنیٰ شے اعلیٰ کو فرض نفل کو اپنے اندر لے سکتا ہے کہ نفل سے اعلیٰ ہے، نفل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ فرض سے ادنیٰ ہے ایسے ہی ہر فرض نماز اپنے شل فرض کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے۔ نہ کہ دوسرے فرض کو لہذا اگر امام نماز عصر پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے نفل کی قضاء نہیں پڑھی جاسکتی کہ نماز عصر نماز ظہر کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ یہ دونوں نمازیں علیحدہ ہیں۔

حدیث نمبر ۵ - امام احمد نے حضرت سلیم سلمیٰ سے روایت کی۔

أَنَّ أَقِيَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مَعَاذَ ابْنِ جَبَلٍ يَا تَبْنِيَا بَعْدَ مَا نَدَامَ وَتَكُونُ فِي أَحْمَلِ لَنَا بِالنَّهَارِ فَيُنَادِي بِالصَّلَاةِ فَتُخْرِجُ إِلَيْهِ فَيُطَوِّلُ عَلَيْنَا فَقَالَ

حضرت سلیم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ حضرت معاذ ابن جبل ہمارے پاس ہمارے سو جانے کے بعد آتے ہیں۔ ہم لوگ دن میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر نماز کی اذان دیتے ہیں۔ ہم کھل کر ان کے پاس آئے

لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا مَعَاذَ لَا تَكُنْ فِتَانًا  
إِمَّا أَنْ تَصْصِي مَعِيَ وَإِمَّا أَنْ تُخَفِّفَ  
عَلَى قَوْمِكَ

بِسْمِ اللَّهِ

ہیں وہ نماز بہت دراز پڑھاتے ہیں تو ان سے  
حضور نے فرمایا کہ اسے معاذ فتنہ کا باعث نہ بنو یا  
تو میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو یا اپنی قوم کو ملکی نماز  
پڑھایا کرو۔

خیال رکھو کہ حضرت معاذ ابن جبل نماز عشاء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھ کر اپنی قوم میں  
پہنچ کر انہیں نماز پڑھاتے اور دراز پڑھاتے تھے جس کی شکایت بارگاہ نبوی میں ہوئی جس کا واقع  
یہاں ذکر ہوا۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل کو اس کی اجازت نہ دی کہ حضور  
کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنی قوم کو پڑھائیں کیونکہ نفل والے کے پیچھے فرض جائز نہیں۔ بلکہ فرمایا کہ یا  
میرے پیچھے پڑھو، تو قوم کو نہ پڑھاؤ۔ یا قوم کو پڑھاؤ تو میرے پیچھے نہ پڑھو۔

حدیث نمبر ۶۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سے انہوں نے حضرت ابراہیم  
نخعی سے روایت کی۔

قَالَ إِذَا دَخَلْتَ فِي صَلَاةِ الْقَوْمِ وَأَنْتَ  
لَا تَتَّبِعُ صَلَاتَهُمْ لَا تَجْزِكَ وَإِنْ صَلَّيْ  
الْإِمَامُ صَلَاتَهُ وَلَوْحَى الَّذِي خَلَفَهُ  
غَيْرُهَا أَجْزَأُ الْإِمَامَ وَلَمْ تَجْزِهِمْ  
رَوَاهُ الْإِمَامُ مُحَمَّدٌ فِي الْأَثَارِ

فرماتے ہیں کہ جب تم قوم کی نماز میں شامل ہو اور تم  
ان کی نماز کی نیت نہ کرو۔ تو تمہیں یہ نماز کافی  
نہیں اور اگر امام ایک نماز پڑھے اور پیچھے والا  
مقتدی دوسری نماز کی نیت کرے تو امام کی  
نماز تو ہو جاوے گی اور پیچھے والے کی نہ ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ علماء ملت کا بھی یہی مسلک ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز نہیں  
پڑھی جاسکتی۔ ایسے ہی ایک فرض کے پیچھے دوسرے فرض ادا نہیں ہو سکتا۔

عقل۔ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا نہ ہو، کیونکہ امام پیشوا ہے  
مقتدی اس کا تابع اور امام کی نماز اصل ہے مقتدی کی نماز اس پر متفرع، اس لیے امام کے  
سہو سے مقتدی پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن مقتدی کے سہو سے نہ امام پر سجدہ  
سہو واجب نہ خود اس مقتدی پر امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے۔ مگر مقتدی کی



قنات امام کے لینے کافی نہیں۔ حنفیوں کے نزدیک تو مطلقاً وہابیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کے سلیں۔ اگر امام بے وضو نماز پڑھاوے تو مقتدی کی نماز بھی نہ ہوگی۔ لیکن اگر مقتدی بے وضو پڑھے تو امام کی نماز درست ہوگی۔ امام سجدہ کی آیت آیت تلاوت کرے تو مقتدی پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔ مقتدی سنے یا نہ سنے۔ لیکن اگر مقتدی امام کے سچے سجدہ کی آیت تلاوت کرے، تو نہ امام پر سجدہ تلاوت واجب ہو نہ خود اس مقتدی پر۔ اگر امام مقیم ہو اور مقتدی مسافر تو مقتدی کو پوری نماز پڑھنی پڑے گی۔ لیکن اگر امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم تو امام پوری نماز نہ پڑھے گا۔ بلکہ قصر کرے گا۔ اس قسم کے بہت مسائل ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مقتدی اور اس کی نماز تابع ہے امام اور امام کی نماز اصل و متبوع ہے متبوع تابع سے یا تو برابر ہو یا اعلیٰ اور نفل نماز، فرض نماز سے درجہ کم ہے۔ تو چاہیے کہ نفل کے سچے فرض ادا نہ ہوں تاکہ اعلیٰ و افضل ادنیٰ کے تابع نہ ہو جاوے۔ اسی طرح ایک فرض دوسرے فرض کے سچے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک نوع دوسرے نوع کے تابع نہیں ہو سکتی۔ جب نماز عید پڑھانے والے امام کے سچے نماز فجر نہیں ہو سکتی، مغرب پڑھانے والے کے سچے وتر نہیں ہو سکتے تو ظہر والے کے سچے عشاء کی قضاء بھی نہیں ہو سکتی غرضکہ ضروری یہ ہے کہ یا تو امام و مقتدی کی نماز ایک ہو یا مقتدی کی نماز امام کی نماز سے ادنیٰ ہو کہ امام فرض پڑھے رہا ہو۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

ہم اس پر غیر مقلد وہابیوں کی وکالت میں ان کی طرف سے وہ اعتراضات بھی عرض کیے دیتے ہیں، جو وہ کیا کرتے ہیں، اور وہ بھی جواب تک ان کو سوجھے بھی نہ ہوں گے اور ان تمام کے جوابات دیئے دیتے ہیں۔

الاعتراض نمبر ۱۔ عام محدثین نے تحدیث روایت کی کہ معراج کی رات نماز پنجگانہ فرض ہوئیں۔ اس کے بعد دو دن تک حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور کو پانچوں نمازیں پڑھائیں پہلے دن پہر نماز اول وقت میں دوسرے دن آخر وقت میں اور پھر عرض کیا کہ حضور ان وقتوں کے

دریان ان نمازوں کے اوقات ہیں۔ دیکھو حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں اور حضرت جبریلؑ کے ایسے نقل کیونکہ نماز پیچگانہ فرشتوں پر فرض نہیں مگر اس کے باوجود جبریلؑ علیہ السلام امام ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی معلوم ہوا کہ نقل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے بلکہ اسلام میں پہلی نماز ایسی ہی ہوئی۔ یعنی نقل کے پیچھے فرض اور یہ فعل سنت نبوی بھی ہے اور سنت جبریلؑ بھی۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ بتاؤ جبریلؑ علیہ السلام یہ نمازیں پڑھانے رب کے حکم سے آئے تھے یا خود اپنی طرف سے آگئے بغیر حکم الہی۔ دوسری بات تو باطل ہے کیونکہ حضرت جبریلؑ بغیر حکم الہی کبھی نہیں آتے رب فرمانا ہے۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ | ہم رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے

لہذا ماننا پڑے گا۔ کہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئے۔ جب حضرت جبریلؑ کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو ان پر فرض ہو گئیں۔ رب کا حکم ہی فرض بنانے والی چیز ہے۔ لہذا ان نمازوں میں نقل کے پیچھے فرض نہ پڑھے گئے

دوسرے یہ کہ ان دو دنوں میں نہ حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں نہ صحابہ پر کیونکہ اگرچہ معراج کی رات میں نمازیں فرض کر دی گئیں۔ لیکن ابھی ان کا طریقہ ادا اور وقت کی تعلیم نہ دی گئی قانون تشریح سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا۔ اس لیے تمام مسلمانوں نے نہ تو حضرت جبریلؑ کے پیچھے یہ نمازیں پڑھیں نہ ان دنوں کی نمازیں قضا کیں۔ لہذا حضور نے حضرت جبریلؑ علیہ السلام کے پیچھے نقل پڑھے الحمد للہ کہ تمہارا اقرار منجر سے اوکھ گیا۔

اعتراف نمبر ۲۔ مسلم و بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ مَعَاذُ ابْنِ جَبْرِ يُصَلِّي  
مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ  
يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ۔  
فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم میں آتے اور انہیں نماز پڑھاتے تھے۔

دیکھو حضرت معاذ عشا کے فرض حضور کے پیچھے پڑھ لیتے تھے پھر اپنی قوم میں آکر پڑھاتے تھے آپ کی نماز نقل تھی اور سارے مقتدیوں کی نماز فرض۔ معلوم ہوا کہ نقل والے کے پیچھے فرض

پڑھنا سنت صحابہ ہے

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں اور قوم کے ساتھ فرض ادا کرتے ہوں حضرت معاذ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں حضور کے پیچھے فرض پڑھ لیا کرتا ہوں اور مقتدیوں کے آگے نفل کی نیت کرتا ہوں لہذا آپ کے لئے یہ حدیث بالکل بے فائدہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ نے یہ کام حضور کی اجازت سے کیا کہ انہیں حضور نے اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو اور نفل مقتدیوں کے ساتھ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا جو کہ واقعہ میں درست نہ تھا۔ بارہا صحابہ کرام سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں، اگر جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت معاذ کے اس عمل کی اطلاع دی گئی، تو حضور نے انہیں اس سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھا کر دیا مقتدیوں کو ملکی نماز پڑھایا کرو۔ معلوم ہوا کہ حضرت معاذ کا یہ اجتہاد سنت نبوی کے خلاف ہو نیکی وجہ سے ناقابل عمل ہے۔

اعتراض نمبر ۳۔ بیہقی اور بخاری نے انہی حضرت جابر سے حضرت معاذ کا یہ ہی واقعہ روایت کیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ كَانَ مَعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ  
إِلَى قَوْمِهِ فَيُصَلِّي بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهُ  
نَافِلَةٌ۔

فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ نماز عشاء پڑھ لیتے تھے۔ پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تھے تو انہیں عشاء پڑھاتے تھے یہ نماز ان کی نفل ہوتی تھی

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفل نہ پڑھتے تھے بلکہ فرض ہی پڑھتے تھے اور مقتدیوں کے آگے نفل ادا کرتے تھے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ حضور کے پیچھے نفل اور مقتدیوں کے ساتھ فرض پڑھتے تھے

جواب۔ آپ کی یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ حضرت

معاذ کا یہ واقعہ نقل کر کے اپنے انداز سے اور قیاس سے فرماتے ہیں، کہ حضور کے ساتھ فرض پڑھتے تھے، اس میں یہ نہیں کہ حضرت معاذ نے اپنی نیت و ارادے کا پتہ دیا ہو۔ دوسرے کی نیت کے متعلق اس سے بغیر پوچھے، یقین سے نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس میں یہ ہے کہ انہیں حضور نے اس کی اجازت دی۔ لہذا یہ حدیث کسی طرح آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اعتراض نمبر ۴۔ بخاری شریف نے حضرت عمرو ابن سلمہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہماری قوم ایک گھاٹ پر رہتی تھی جہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے میں حجازی قافلوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور قرآنی آیات پوچھتا رہتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد میرے والد مدینہ منورہ حاضر ہو کر اپنی قوم کی طرف سے اسلام لائے وہاں سے نماز کے احکام معلوم کئے ان سے حضور نے فرمایا کہ اذان کوئی دے دیا کرے مگر نماز وہ پڑھائے جسے زیادہ قرآن کریم یاد ہو۔ جب واپس ہوئے تو انہیں پتہ لگا کہ مجھے قرآن کریم سب سے زیادہ یاد تھا۔ مجھے امام بنا دیا۔ اس وقت میری عمر چھ سات سال تھی، میں قوم کو نماز پڑھاتا تھا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَكَانَتْ عَلَى بُرْدَةَ كُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ  
قَلَصْتُ عَنِّي فَقَالَتْ اِمْرَاؤَةٌ مِّنَ  
الْحَيِّ لَا تَنْظُرُونَ عَنَّا اِنَّكَ قَادِرٌ بِكُمْ  
فَاَسْتَرَوْا فَاقْطَعُوْا لِيْ قِمِيصًا  
(مشکوٰۃ باب الامارۃ)

مجھ پر ایک چادر ہوتی تھی، کہ جب میں سجدہ کرتا تو کھل جاتی تو قبیلے کی ایک عورت نے کہا کہ اپنے قاری صاحب کے چوڑے کیوں نہیں ڈھکیلتے تو لوگوں نے میرے لئے کپڑا خرید کر قمیض سی دی۔

دیکھو عمرو ابن سلمہ صحابی ہیں، اور تمام صحابہ ان کے پیچھے نماز فرض پڑھتے ہیں، عمرو ابن سلمہ کی عمر شریف چھ سال ہے ان پر کوئی نماز فرض نہیں بچے کی نفل بھی بہت ادنیٰ ہوتی ہے لیکن جو ان پڑھے ان کے پیچھے فرض ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا ہو جاتے ہیں جواب۔ اس کے وہ ہی جوابات ہیں جو اعتراض ۳ کے ماتحت لکھ گئے کہ ان کا یہ نفل اپنی رائے سے تھا۔ نہ کہ حضور کے فرمان سے چونکہ یہ حضرات تازہ اسلام لائے تھے۔ احکام شرعی کی خبر نہ تھی بے خبری میں ایسا کیا۔ اگر آپ اس حدیث سے میثلہ ثابت کرتے ہو تو یہ بھی



مان لو کہ ننگے لام کے سچے بھی نماز جائز ہے۔ کیونکہ عمر و ابن سلمہ خود فرماتے ہیں کہ میرا کپڑا اتنا چھوٹا تھا۔ کہ مسجد میں چادر مٹ جاتی اور پتھر ننگے ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود یہ حضرات نمازیں پڑھتے رہے کسی نے نماز نہ ٹوٹائی کیوں مسائل شرعیہ سے بے خبری کی وجہ سے افسوس کہ آپ حضرات آنکھ بند کر کے حدیث پڑھتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں کے پاس صریح مرفوع حدیث موجود نہیں نہ حدیث قولی نہ فعلی یوں ہی چند شبہات کی بنا پر اس مسئلہ کے سچے پڑے ہوئے ہیں۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ محض عداوت سے تبرک کرتے اور ان کی جناب میں گستاخیاں کالی گلوچ بکتے ہیں

## باب سوال باب ۳۲

### خون اور قے سے وضو ٹوٹ جانا ہے

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ آٹھ چیزیں وضو توڑ دیتی ہیں، جو چیز پشیا ب پانہ اند کی راہ سے نکلے غفلت کی نیند، غشی، نش، جنون، نماز میں ٹھٹھہ لگا کر ہنسا، بہتا ہوا خون، منہ بہر کر قے ان کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نہ تو بہتا ہوا خون وضو توڑے، نہ منہ بہر کر قے، لہذا کوئی محقق کسی غیر مقلد کے سچے نماز نہ پڑھے، کیونکہ یہ لوگ بد عقیدہ بھی ہیں اور ان کے وضو کا بھی اعتبار نہیں کیا خبر ہے کہ قے کر کے یا تکبیر وغیرہ کر کے آئیں اور بغیر وضو کیے مصلے پر کھڑے ہو جائیں، چونکہ غیر مقلد اس مسئلے پر بھی بہت شور مچاتے ہیں۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

## پہلی فصل

قے اور بہت خون بھی وضو توڑتا ہے۔

حنفیوں کے نزدیک منہ بھر قے اور جسم سے خون کا نکل کر ظاہر بدن پر بہ کرنا بیچ جانا وضو توڑ دیتا ہے۔ ظاہر بدن وہ ہے جس کا دھونا غسل میں فرض ہے، وائل ملاحظہ ہوں۔

نمبر ۱۔ دارقطنی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ  
الْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ | وضو واجب ہے ہر بہتے ہوئے خون سے

نمبر ۲۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ  
وَسَلَّمَ مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ أَوْ رَعَاتٌ أَوْ قَلَسٌ أَوْ مَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ | کسی کو قے یا کھیر یا نڈی آجائے تو نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔

نمبر ۳۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فاطمہ بنت ابی حبیش حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ مجھے استحاضہ کا خون آنا ہے کہیں کبھی پاک نہیں ہوتی، کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے رگ کا خون ہے۔

لہذا۔

اجْتَنَبِي الصَّلَاةَ أَيَّامَ مَحِيضِكَ ثُمَّ اغْتَسَلِي وَتَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ وَإِنْ فَطَرَ السَّدَمُ عَلَى الْحَصِيِّ۔ | حیض کے زمانہ میں نماز سے بچو۔ پھر غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو پھر نماز پڑھو، اگرچہ خون چٹائی پر ٹپکتا رہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استحاضہ کا خون وضو توڑ دیتا ہے، ورنہ حضور علیہ السلام ان بی بی صاحبہ پر معذور کے احکام جاری نہ فرماتے اور ہر نماز کے وقت ان پر وضو لازم نہ فرماتے دیکھو جسے ریح یا قطرے کی بیماری ہو وہ۔ ہر نماز کے وقت ایک وضو کر کے نماز پڑھتا رہے کیونکہ ریح اور پیشاب وضو توڑنے والی چیز ہے۔

نمبر ۴۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی۔

آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو نماز میں قے یا نکیر آجاوے وہ نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے جب تک کہ بات نہ کی ہو۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ

نمبر ۵ و ۶۔ ترمذی و ابوداؤد نے حضرت طلق ابن علی سے روایت کی۔

ایک بدوی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں کوئی شخص جنگل میں ہوتا ہے اسکی ریج نکل جاتی ہے اور پانی میں تگی ہوتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قے کرے تو وضو کرے (ملخصاً)

قَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَسْرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَاءَ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ

کذا فی جمع الفوائد من جامع الاصول وجمع الزوائد۔

نمبر ۷۔ ترمذی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قے آئی تو آپ نے وضو کیا پھر میں و مشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ملا تو ابوالدرداء کی یہ حدیث بیان کی آپ نے فرمایا ابوالدرداء نے سچ کہا پانی میں سے ہی وضو کیا یعنی میں نے ہی وضو کر لیا تھا۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَنَوَضَّأَ فَلَقِيتُ ثَوْبَانَ فِي مَسْجِدٍ وَمَشَقٌّ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ صَدَقَ أَنَا عَبَبْتُ لَهُ وَضُوءَهُ وَ حَدِيثُ حُسَيْنٍ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ۔

نمبر ۸۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

آپ مرفوع فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں نکیر آجاوے تو علیحدہ ہو جاوے اور خون کو دھو دے پھر وضو لوٹائے

وَقَعَهُ قَالَ إِذَا رَعَفَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيُغْسِلْ عُنْتَهُ الدَّمَ ثُمَّ لْيَعِدْ وَضُوءَهُ

نمبر ۹۔ وارقظنی نے حضرت ابوسید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا قَاءَ أَحَدُكُمْ أَوْ رَعَفَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ  
أَوْ أَحْدَثَ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَتَوَضَّأْ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب  
تم میں سے کسی کو نماز میں قے یا نکسیر آجائے یا اور  
کوئی حدت کرے، تو علیحدہ ہو جاوے اور منوٹو کرے

نمبر ۱۰۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَنْ رَعَفَ فِي صَلَاةٍ فَلْيَتَوَضَّأْ  
فَلْيَتَوَضَّأْ فَإِنَّ لَكُمْ تَكْلِمَ بَيْنِي عَلَى  
صَلَاتِهِ وَإِنْ تَكَلَّمْتُمْ اسْتَأْنَفَ

فرماتے ہیں کہ جسے نماز میں کبیر آجائے تو وہ  
علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے پھر اگر کلام انکیا ہو  
تو باقی نماز پوری کرے اور اگر کلام کر لیا ہو تو نئے سرے سے پڑھے

نمبر ۱۱۔ امام مالک نے حضرت یزید ابن قسطلیشی سے روایت کی۔

إِنَّهُ رَأَى سَعِيدَ ابْنَ الْمُسَيَّبِ رَعَفَ  
وَهُوَ يَصَلِّي فَأَتَى حُجْرَةَ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ  
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى الْوَضُوءَ  
فَتَوَضَّأَ ثُمَّ رَجَعَ قَبْلِي عَلَى مَا هَذَا صَلَّى

انہوں نے حضرت سعید ابن مسیب کو دیکھا کہ  
انہیں نماز میں نکسیر آگئی تو آپ حضرت ام سلمہ زوجہ  
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آئے تو انہیں پانی دیا  
گیا انہوں نے منوٹو کیا، پھر واپس آئے اور بقیہ نماز پوری کی۔

نمبر ۱۲۔ ابو داؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا أَحْدَثَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَأْخُذْ  
بِأَنْفِهِ ثُمَّ لْيَتَوَضَّأْ

فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب  
نماز میں کسی کا منوٹوٹ یا جاوے تو وہ اپنی  
ناک پکڑے پھر پہلا جاوے۔

(مشکوٰۃ باب ایحوز من العمل)

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو تدبیر یہ بتائی، کہ اگر نماز میں کسی کی ریح نکل جاوے  
تو اپنے عیب کو چھپانے کے لئے ناک پر ہاتھ رکھ دے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی پھر مسجد  
نے نکل کر وضو کی جگہ جا کر وضو کر لے، اگر نکسیر سے وضو نہ ٹوٹتا ہو تا تو یہ تدبیر بے فائدہ ہوتی ہم نے بطور  
نمونہ بارہ حدیثیں پیش کر دیں، ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث موجود ہیں اگر شوق ہو تو صحیح البخاری  
تریب کا مطالعہ فرماؤ۔



عقل کا تقاضا بھی یہ ہی ہے کہ بہتا خون اور منہ بھر قے وضو توڑ دے کیونکہ وضو طہارت اور پاکی ہے، ناپاکی نکلنے سے وضو ٹوٹ جانا چاہیئے، اسی لئے پیشاب، پانسانہ اور ریح سے وضو جاتا رہتا ہے، بہتا خون، منہ بھر ناپاک ہے، قرآن کریم فرماتا ہے۔ اَوْدَمَ مَا مَسَّ وَجْهًا اِیْہِ یَسْتَسْخِیْطُ خُوْنٌ وَالْاَسْمَانُ زُرِّیْجٌ سَہْلٌ ہُوْنَاہُے۔ تاکہ ناپاک خون اللہ کے نام پر نکل جاوے۔ تو جیسے پیشاب پانسانہ اور ریح نکلنے پر وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ناپاک چیز نکلی، ایسے ہی بہتا ہوا خون اور قے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جانا چاہیئے، کیونکہ یہ بھی نجس ہے، جو جسم سے نکلا، نیز استحاضہ اور بواسیر کے خون سے اور مرد کی پیشاب کی جگہ سے خون نکلنے سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے، استحاضہ کے خون کے متعلق تو حدیث مرفوعہ بھی وارد ہے۔ جیسا کہ ہم اس فصل میں عرض کر چکے، جب یہ تین قسم کے خون وضو توڑ دیتے ہیں تو لامحالہ دوسری جگہ سے خون نکل کر بھی وضو توڑے گا۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلد و باہیوں کے پاس اس مسئلہ پر کوئی قوی دلیل نہیں، صرف کچھ شبہات اور وصیای ہیں، مگر تکمیل بحث کے لئے ہم ان کے جوابات بھی دیئے دیتے ہیں۔  
اعراض نمبر ۱۔ احمد و ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لَا وَضُوءَ إِلَّا مِنْ صَوْتٍ أَوْ رِيحٍ | نہیں ہے وضو مگر آواز سے یا آہستہ ریح سے  
اس سے معلوم ہوا کہ وضو صرف ریح سے ٹوٹتا ہے، خون قے اس کے علاوہ ہے لہذا اس سے وضو نہیں ٹوٹتا چاہیئے الا حصر کے لیے ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ پیشاب، پانسانہ، بلکہ عورت یا شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور الا کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ریح کے کسی چیز سے وضو نہ جادے تو جو تمہارا جواب

ہے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ریح نکلے کا شبہ ہو تو بغیر آواز یا بدبو یا یقینی احساس ہوئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اس کی تفسیر وہ حدیث ہے، جو مسلم شریف نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی

اِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَاسْكَلْ عَلَيْهِ أَخْرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا فَلَا يُخْرَجُ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا يَجِدُ رِيحًا۔

جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ حرکت پائے اس لیے اسے شبہ ہو جاوے کہ کچھ ہوا نکلی یا نہیں تو مسجد سے نکلے، یہاں تک کہ آواز نہ، یا بو پائے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے۔ جسے ریح نکلنے کا شبہ ہو، حدیث کا منشاء کچھ اور ہے اور آپ کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

اغتراض نمبر ۲۔ حاکم نے حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّهُ كَانَ فِي عَزْوَدَةِ ذَاتِ الرَّقَاعِ فَرَمَحِي رَجُلٌ مِنْهُ فَتَرَفَهُ الدَّمُ فَزَكَمَ وَسَجَدَ وَصَلَّى فِي صَلَاتِهِ۔

کہ آپ غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک صحابی کے تیر لگا ان کے خون نکلا، مگر انہوں نے رکوع کیا سجدہ کیا اور نماز پوری کر لی۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی کو عین نماز کی حالت میں تیر لگا خون نکلا، مگر انہوں نے نماز نہ توڑی بلکہ رکوع سجدہ کر کے نماز مکمل کر لی، اگر خون نکلتا وضو توڑتا تو اسی وقت آپ نماز توڑ کر وضو کرتے پھر نماز یا نئے سرے سے پڑھتے یا وہ ہی پوری فرماتے، معلوم ہوا کہ خون وضو نہیں توڑتا۔

جواب۔ اس اغتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب ان صحابی کے تیر لگا خون بہا تو یقیناً ان کے کپڑے اور جسم خون آلودہ ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود وہ نماز پڑھتے ہی رہے، تو چاہیے کہ آپ خون، پیشاب یا خانہ سے بھرے ہوئے کپڑوں میں نماز جائز کہو، حالانکہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے، کہ نمازی کا بدن و کپڑا پاک ہونا چاہیے، لہذا یہ حدیث کسی طرح قابل غل نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ان صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت

سے یہ عمل کیا، معلوم ہوتا ہے دوسری واقفیت انہیں نہ تھی۔ اس لئے ایسا کر گزرے۔  
 قیسرے یہ کہ حدیث تمام ان مرفوع و موقوف حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں  
 عرض کر چکے، لہذا ناقابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، کیونکہ رب تعالیٰ نے بدن و کپڑے  
 پاک رکھنے کا حکم دیا ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِينَ جَاءُوا فَا حُجُّوْا گندگی سے دور رہو۔  
 اور فرماتا ہے۔ وَثِيَابَكُمْ فَطَهِّرُوا اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ  
 ان بزرگ نے گندے جسم اور گندے کپڑوں میں نماز پڑھ لی۔ لہذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔  
 پانچویں یہ کہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ صحابی جن کا یہ واقعہ ہے، کون ہیں فقیہ ہیں یا غیر فقیہ اگر فقیہ ہیں  
 تو انہوں نے اجتہاد سے یہ کام کیا جو حدیث مرفوعہ اور تمام فقہاء صحابہ کے خلاف ہے اور جو  
 اجتہاد حدیث کے خلاف ہو وہ واجب ترک ہے، اور اگر غیر فقیہ ہیں تو ان سے

یہ ہوا بہر حال حدیث کی طرح قابل عمل نہیں۔

تیسرا اعتراض۔ اگر خون وضو توڑتا ہے۔ تو پہلے کہ تھوڑا خون بہتا نہ ہو وہ بھی وضو توڑ دے  
 جیسے پیشاب ناقص وضو ہے، بے یا صرف ایک قطرہ ہی نکلے، جب تھوڑا خون یعنی نہ  
 بہنے والا وضو نہیں توڑتا، تو زیادہ خون بھی ناقص وضو نہیں، ایسے ہی قے اگر ناقص وضو ہے تو خواہ  
 منہ بھر کر ہو یا تھوڑی، وضو توڑ دیتی ہے۔ یہ فرق تم نے کہاں سے نکالا؟

جواب۔ الحمد للہ آپ قیاس کے قائل تو ہوئے کہ زیادہ خون کو تھوڑے خون پر اور خون کو پیشاب  
 پر قیاس کرنے لگے مگر جیسے آپ میں دیے ہی آپ کا قیاس۔ جناب گندگی کا نکلنا وضو توڑتا ہے  
 پیشاب مطلقاً گندہ ہے، تھوڑا ہو زیادہ، خون بہنے والا گندہ ہے، رب تعالیٰ قبول فرماتا ہے  
 اَوْ دُمًا مَّسْفُوحًا نہ بہنے والا گندہ نہیں، آپ کا یہ قیاس قرآنی آیت کے خلاف ہے نیز ہر  
 گندگی اپنے معدن میں جہاں وہ پیدا ہو پاک ہوتی ہے، معدن سے نکل کر ناپاک ہوتی ہے دیکھو  
 آنتوں میں پانچاندہ اور مثانہ میں پیشاب بھرا ہے۔ مگر پاک ہے اس لئے آپ کی نماز درست ہوتی  
 ہے۔ اگر یہ ناپاک ہوتے تو نماز کسی طرح جائز نہ ہوتی کہ گندگی اٹھائے ہوئے کی نماز نہیں ہوتی ایسے  
 ہی گندہ اندھا جو اندر سے خون ہو گیا ہو جیب میں ڈال کر نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے اندر کا خون

چونکہ اپنے معدن میں ہے پاک ہے۔ جب یہ سمجھ لیا، تو اب پیشاب اور خون نکلنے میں فرق سمجھو۔ پیشاب کی جگہ نشانہ ہے، وہ نشانہ سے ہٹ کر پیشاب کی نالی میں آکر چھٹتا ہے، لہذا نجس ہے اگرچہ ایک بوند ہو مگر خون سارے جسم میں دوڑ رہا ہے اور کھال کے نیچے اس کا معدن ہے۔ اگر کہیں سوئی چھبگئی اور خون چمک گیا، مگر بہا نہیں، تو وہ اپنی معدن میں رہ کر چمکا ہے، ناپاک نہیں، ہاں جب بہے تو سمجھو کہ اپنے معدن سے علیحدہ ہو گیا اور ناپاک، اس فرق کی بنا پر پیشاب تو چمک کر بھی وضو توڑ دیتا ہے، مگر خون بہ کر توڑے گا۔ غرض کہ خون کا نکلنا اور بہ چمکنا کچھ اور لہذا خون کو پیشاب پر قباس کرنا مع الفارق ہے۔

اغتراض نمبر ۴۔ حدیثی شرح بخاری نے ایسی بہت سی حدیثیں نقل کیں۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ وَكَمْ يَتَوَضَّأُ | بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی اور وضو نہ کیا۔

اگر قے وضو توڑتی، تو حضور قے کر کے وضو کیوں نہ فرماتے؟

جواب۔ ماشاء اللہ کیسا نفیس اغتراض ہے، جناب یہ بھی احادیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے تشریف لائے اور وضو کے لیے پانی پیش کیا گیا۔ مگر حضور علیہ السلام نے وضو نہ کیا تو کہہ دینا کہ پیشاب پانچا نہ بھی وضو نہیں توڑتا، جناب وضو نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت وضو کی ضرورت نہ تھی۔ وضو ٹوٹ جانے پر فوراً وضو کرنا واجب نہیں، ہاں اگر حضور فرماتے کہ قے وضو نہیں توڑتی، تو آپ پیش کر سکتے تھے۔ اگر یہ احادیث اس مسئلہ کی دلیل ہو سکتیں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ضرور پیش فرماتے امام ترمذی نے خون وقفے کے ناقص وضو ہونے پر نہایت صحیح حدیث پیش کی اور ناقص نہ ہونے پر کوئی حدیث بیان نہ کی، صرف علماء کا مذہب بیان فرمایا، معلوم ہوا کہ ان کی نظر میں قے و خون کے وضو نہ توڑنے کی کوئی حدیث نہیں۔ کیونکہ وہ ہر مسئلہ پر حدیث پیش ہیں۔

اغتراض نمبر ۵۔ قے و خون کے متعلق آپ نے جو احادیث پیش کیں، جن میں ارشاد ہوا کہ جس نمازی کو نماز میں قے یا نمکیر آجائے تو وہ وضو کرے، وہاں وضو سے مراد خون وقفے سے کپڑا دھو لینا ہے، نہ کہ شرعی وضو جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اَلْوُضُوءُ مِمَّا مَتَّئْتُهُ



النَّارُ اگ کی پکی چیز کھانے سے وضو ہے، وہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا۔ کلی کرنا ہے نہ کہ شرعی وضو، کیونکہ کھانے کے ہاتھ دھونا، کلی کرنا سنت ہے، یہ ناقض وضو نہیں، ایسے ہی یہاں ہے لہذا تمہارے دلائل غلط ہیں۔

جواب :- واقعی آپ کا یہ سوال ایسا ہے جو آج تک کسی کو نہ سوچا ہوگا۔ ذہن نے بہت رسائی کی، اسی کا نام تحریف ہے، اولاً تو آپ نے یہ غور نہ کیا کہ وہاں وضو کے عرفی معنی خود حضور علیہ السلام نے بیان فرما دیئے، کہ ایک بار کھانا تناول کر کے ہاتھ دھوئے کلی کی اور فرمایا، هَذَا وَضُوٌّ مَعْرُوفٌ مَسْنُونٌ اگ کی پکی چیز کھانے سے وضو یہ ہے، یہاں آپ یہ معنی چھوڑ کر غیر معروف معنی کیوں مراد لے رہے ہو۔ نیز اس حدیث میں یہ ہے کہ جس کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے۔ تو وضو کرے اور نماز کی بنا کرے یعنی باقی نماز پوری کرے، اگر کپڑا دھونا مراد ہوتا تو نماز کی بنا ہائز نہ ہوتی بلکہ دوبارہ پڑھنی پڑتی، جس کا کپڑا نماز میں نجس ہو جاوے اور وہ دھوئے، وہ بنا نہیں کر سکتا دوبارہ پڑھے گا۔ لہذا آپ کی یہ توجیہ محض باطل ہے۔

## تیسواں باب

### ناپاک کنواں پاک کرنا

مشکل شرعی یہ ہے کہ اگر کنوئیں، گڑھے یا گڑھے وغیرہ میں تھوڑی سی بھی ناپاکی گر جاوے تو ان کا پانی نجس ہو جاوے گا، کہ نہ پیا جاسکتا ہے، نہ اس سے وضو وغیرہ جائز ایک قطرہ پشیاں کنوئیں کو گندا کر دیتا ہے، سمندر، تالاب یا بہتا پانی ان کے احکام جہلا گانہ ہیں۔ مگر غیر منقلد وہابی کہتے ہیں کہ جب پانی دو ٹکے ہو تو اس میں خواہ کتنی ہی نجاست پڑ جاوے ناپاک نہ ہوگا، جب تک کہ اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدے، لہذا ان کے نزدیک کنوئیں میں خوب گلو مٹو کنواں پاک ہے شرعی سے اس کا پانی پیو۔ وضو کرو، پھر طرہ یہ ہے کہ اس مسئلے پر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کو گالیاں دیتے ہیں، کہ انہوں نے گندگی گر جانے پر کنویں کو پاک کیوں نہیں قرار دیا۔ مسلمانوں کو پیشاب کیوں نہ پینے دیا۔ حنفیوں کو پہاٹیے کہ نہ تو غیر مقلد وہابیوں کے پیچھے نمازیں پڑھیں نہ ان کے کنوؤں کا پانی بے تحقیق پیئیں۔ ان کے کنویں اکثر گندے ہوتے ہیں، جن سے یہ لوگ کپڑے دھوتے، نہاتے اور وضو کرتے ہیں، نہ ان کے بدن پاک، نہ کپڑے پاک چونکہ اس مسئلہ کا یہ لوگ بہت مذاق اڑاتے اور آواز سے کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ احادیث کے بالکل خلاف ہے، اس لیے ہم اس مسئلہ کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس مسئلہ کے دلائل، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

## پہلی فصل

### کنوئیں کا ناپاک صحیح ہونا

کنواں خواہ کتنا ہی گہرا ہو، اور اس میں کتنا ہی پانی ہو۔ اگر اس میں ایک قطرہ شراب یا پیشاب یا چوبلی وغیرہ گر کر مر جاوے تو ناپاک ہے بغیر پاک کیے اس کا پانی باستعمال کے قابل نہیں اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔ جن میں سے ہم بطور نمونہ چند پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

نمبر ۴۷۱۔ مسلم، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ  
خَلَّى أَنْ يَبَالِي فِي الْمَاءِ التَّارِكِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ بِهِ

نمبر ۴۷۲۔ مسلم و طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ

أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ،

فَقَالَ كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَاهُ بَيْرَةُ قَالَ

يَتَنَادَلُ تَنَادُلًا

فرمایا علیحدہ پانی لے لے۔

پہرہ حدیث احمد۔ ابن حبان، عبد الرزاق، وغیرہم بہت محدثین نے مختلف راویوں سے

بالفاظ مختلفہ روایت فرمائی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گڑھے کنوئیں اور تمام ٹمھرے ہوئے پانیوں میں نہ پیشاب کرے۔ نہ جنابت کا غسل، اگر ایسا کر لیا گیا تو پانی گندہ ہو کر قابل استعمال نہ رہے گا۔ اگر دو ٹمکے پانی گندگی کرنے سے ناپاک نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ ممانعت نہ فرماتے نمبر ۱۲۱۔ ترمذی حاکم و دیگر، ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا دَلَعْتَ الْكَلْبَ فِي الْأَنْاءِ غَسِلَ سَبْعَ  
مَرَّاتٍ أَوْ لَهَنَ بِالْتَّرَابِ وَإِذَا دَلَعْتَ  
الْهَرَّةَ غَسِلَ مَرَّةً الْلفظ لابن عساکر

فرماتے ہیں، کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب برتن میں کتا چاٹ جاوے تو سات بار دھویا جاوے پہلی بار مٹی سے مانجھا جاوے اور جب مٹی چاٹ جاوے تو ایک بار دھویا جاوے اور ان احادیث سے پتہ لگا کہ اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے تو برتن سات بار دھویا جاوے اور ایک بار مٹی سے بھی مانجھا جاوے اور اگر مٹی برتن سے پی لے تو ایک بار ہی دھویا جاوے برتن خواہ چھوٹا ہو بھیسے ہانڈی، ٹوٹا یا ٹبر، جھین دو چار ٹمکے پانی آجاوے اگر دو ٹمکے پانی کسی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا، تو وہ برتن کیوں ناپاک ہو جاتا ہے جھین یہ پانی ہے، کتے کا منہ تو پانی میں پڑا اور پانی برتن سے لگا ہوا ہے جب برتن نجس ہو گیا تو پانی یقیناً نجس ہو گیا خواہ دو ٹمکے ہو یا کم و بیش۔

نمبر ۱۲۱ تا ۱۵۱۔ دارقطنی، طحاوی نے ابوالطفیل سے اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔  
اَنَّ عَلَامًا وَقَعَ فِي بَيْتِ مَرْمَزَمَ  
فَنَزَحَتْ۔  
زمانہ صحابہ میں چاہ زمزم میں ایک لڑکا گر گیا، تو کنوئیں کا پانی نکالا گیا۔

نمبر ۱۵۱ و ۱۵۲۔ ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت عطاء سے روایت کی، عطاء تابعی ہیں۔

اَنَّ حَبْشًا وَقَعَ فِي زَمْزَمَ فَمَاتَ فَأَمَرَ  
بِهِ ابْنُ الرَّبِّ بِفِنْرٍ مَلَأَهُهَا فَجَعَلَ  
الْمَاءُ لَا يَنْقُطُ فَنَظَرَ فَإِذَا عَيْنُ  
رَبِّهِ مِنْ قِبَلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَالَ  
کہ ایک حبشی چاہ زمزم میں گر کر مر گیا حضرت عبداللہ ابن زبیر نے حکم دیا، پانی نکالا گیا، پانی ختم نہ ہوا تھا اندر دیکھا تو ایک چشمہ آب سنگ اسود کی طرف سے آ رہا تھا ابن زبیر رضی اللہ عنہ

ابْنُ الزُّبَيْرِ حَسْبُكُمْ

نے فرمایا کہ کافی ہے۔

نمبر ۱۸۔ بہیقی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ حَبَّتَيَا وَقَعَا فِي نَرٍ مُّؤَمَّمَاتٍ فَأَنْزَلَ رَجُلًا إِلَيْهِمَا فَأَخْرَجَهُ ثُمَّ قَالَ اضْحَكُوا مَا فِيهَا مِنْ مَّاءٍ۔

وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ چاہہ زہر میں ایک حبشی گر کر مر گیا تو آپ نے ایک آدمی کو اتار اس نے اسے نکالا، پھر ابن عباس نے فرمایا کہ جو پانی کنوئیں میں ہے اسے نکال دو۔

ان احادیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ اگر کنوئیں میں کوئی خون والا جاندار مر جاوے تو کنوئیں نجس ہو جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ ہاپاک کنوئیں کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا پانی نکال دیا جاوے اسکی دیواریں وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں، تیسرے یہ کہ اگر کنوئیں کا پانی ٹوٹ نہ سکے تو پیرواہ نہ کی جاوے، ہو پانی فی الحال موجود ہے وہ جی نکال دیا جاوے، ہو جی میں آتا رہے اس کا مضائقہ نہیں چوتھے یہ کہ جس ڈول و رسی سے ہاپاک کنوئیں کا پانی نکالا جاوے اسے دھونا ضروری نہیں، کنوئیں کیساتھ وہ بھی پاک ہو جاویں گے، اگر غیر مقررہ پانی ان احادیث میں غور فرمائیں۔ تو امام صاحب کو گالیاں دینا، حقیقوں کا مذاق اڑانا آوازے کنا چھوڑ دیں۔

نمبر ۱۹۔ طحاوی شریف نے امام شعبی تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ فِي الطَّبِيرِ وَالسُّتُورِ وَنَحْوِ هُمَا يَقَعُ فِي الْبُئْرِ قَالَ يُنَزَّحُ مِنْهَا اَرْبَعُونَ دَلًّا۔

امام شعبی چڑیا، بلی وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر یہ کنوئیں میں مر جاویں تو چالیس ڈول پانی نکالا جاوے۔

نمبر ۲۰۔ طحاوی نے حضرت حماد ابن سلیمان تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ فِي زُجَاجَةٍ وَقَعَتْ فِيْ بِئْرٍ فَمَاتَتْ قَالَ يُنَزَّحُ قَدْرُ اَرْبَعِينَ دَلًّا وَاَوْخَمْسِينَ ثُمَّ يُتَوَضَّأُ مِنْهَا۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں مرغی گر کر مر جائے تو اس سے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جاویں پھر اس سے وضو کیا جاوے۔

نمبر ۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت مسیرہ اور زاذان سے روایت کی۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ دَاوُدَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِذَا سَقَطَتْ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے



الْفَارَقَةُ أَوَّلَ الدَّائِبَةِ فِي الْبَيْتِ فَخَرَجَ جُحُمًا  
حَتَّى يَغْلِبَكَ الْمَاءُ -

ہیں کہ آپ نے فرمایا جب چوبایا کوئی اور جالو کنوئیں میں  
مر جائے تو اسکا پانی نکالو یہاں تک کہ پانی تم پر غالب آجائے

نمبر ۲۲ - طحاوی نے حضرت ابراہیم خلیلی سے روایت کی -

عَنْ اِبْرَاهِيمَ فِي الْبَيْتِ تَقَعُ فِيهَا الْفَارَقَةُ  
قَالَ يُنَزَّحُ مِنْهَا دَلْوٌ -

ابراہیم خلیلی فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں چوبایا گر  
جائے تو اس سے کچھ ڈول نکالے جاویں -

نمبر ۲۳ - شیخ علاؤ الدین محدث نے سبوالطحاوی حضرت انس سے روایت کی (روالہ اعلم)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّهُ قَالَ فِي الْفَارَقَةِ اِذَا مَا تَنَزَّحَ  
فِي الْبَيْتِ وَ اُخْرِجَتْ مِنْ سَاعَتِهَا يُنَزَّحُ  
مِنْهَا عَشْرُونَ دَلْوًا -

حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا  
کہ جب چوبایا کنوئیں میں گر جائے اور فرسٹال لیا  
جائے تو بیس ڈول نکالے جاویں -

نمبر ۲۴ - ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حضرت خالد ابن مسلمہ سے روایت کی -

اَنَّ عَلِيًّا سَمِعَ عَلَمَنَ بَالَ فِي بَيْتٍ وَقَالَ  
يُنَزَّحُ (انتصار الحق ص ۲۵)

حضرت علی سے پوچھا گیا اس بارے میں کہ کوئی کنوئیں  
میں پیشاب کر دے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی نکال دیا جائے -

یہ جو ہمیں روایتیں بطور نمونہ پیش کی گئیں جن سے معلوم ہوا کہ گندی چیز گر جانے سے کنوئیں نجس  
ہو جاتا، اور پانی کا نکالنا اس کی پاکی ہے، اگر زیادہ تحقیق دیکھنی ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری  
شریف کا مطالعہ فرمادیں -

عقل کا نقصان دہی یہ ہے کہ کنوئیں وغیرہ نجاست پڑنے سے نجس ہو جاویں، کیونکہ جب  
نجاست لگ جائے سے کپڑا جسم ترین وغیرہ تمام چیزیں نجس ہو جاتی ہیں، تو پانی جو تیلی چیز ہے جس میں  
نجاست بہت زیادہ سرایت کر جاتی ہے - بدرجہ اولیٰ ناپاک ہو جانا چاہیے - نیز جب دو ٹکے  
دودھ تیل - پتلہ لگی، شہد، کستی نجاست پڑھنے سے نجس ہو جاتے ہیں - تو پانی ان چیزوں سے  
زیادہ پتلہ ہے، وہ بھی ضرور ناپاک ہو جانا چاہیے - ورنہ فرق بیان کرو کہ دو ٹکے دودھ کیوں ناپاک  
ہو جاتا ہے اور اتنا پانی کیوں نہیں نجس ہوتا اس لیے کہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سوکر  
جاگو تو بغیر ہاتھ دھوئے پانی میں نہ ڈالو (مسلم و بخاری)، پانی خواہ دو قفے ہو یا کم و بیش، دیکھو  
بے ہوش آدمی میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا، ہاں ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے

مختلف ہیں تانبے، شیشے کے برتن صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتے ہیں، ناپاک جوتا صرف پلنے پھرنے اور مٹی سے رگڑھانے سے پاک ہو جاتا ہے، نجس زمین صرف سوکھ جانے اور اثر نجات جاتے رہنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ نجس کپڑا و جسم دھونے سے پاک ہوتے ہیں، ایسے ہی ناپاک کنواں پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے ناپاک دودھ، تیل پاک دودھ و تیل کے ساتھ ملکر نہ جانے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ بہر حال حق یہ ہے کہ کنواں وغیرہ نجات کرنے سے نجس ہو جاتا ہے۔ پھر ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات جوابات

اب تک غیر منقلد و باہمی اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم ان کے جوابات تفصیل وار عرض کرتے ہیں، اگر اس کے بعد کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو ان شاء اللہ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں، عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم بضاعہ کنوئیں سے دھو کر سکتے ہیں، بضاعہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے کپڑے، کتوں کے گوشت اور بدبودار چیزیں ڈالی جاتی تھیں تو حضور نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔

قَالَ قَيْسٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ اُتَوَضَّاءُ مِنْ بَيْرُبِضَاعَةٍ وَهِيَ بَيْرُبُكُنْفِي فِيهَا الْحَيْضُ وَلَحُومُ الْكِلَابِ وَالسِّنِّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يَنْجَسُهُ شَيْءٌ

بضاعہ مذریعہ پاک میں ایک کنواں تھا۔ جس میں ہر قسم کی گندگی حتیٰ کہ مرنے والے بھی پھینک دیے جاتے تھے، مگر اس کے باوجود مہرکار نے کنوئیں کی گندگی حتیٰ کہ ناپاک کا حکم نہ دیا تعجب ہے کہ حضور تو بضاعہ کنوئیں کو کتے، حیض کے کپڑے اور ہر قسم کی گندگی گرنے پر بھی ناپاک نہیں فرماتے، مگر امام ابو حنیفہ ایک قندارہ پیشاب گر جانے پر بھی سارا کنواں ناپاک کہہ دیتے ہیں، حنفیوں کا یہ مسئلہ حدیث کے بالکل خلاف ہے کیا ابو حنیفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پاک و ستھرے تھے۔

جواب :- اس اعتراض کے چند جوابات ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں پانی میں کوئی قید نہیں، کہ کتنا پانی ناپاک نہیں، تو چاہئے کہ گھڑے لوٹے میں بھی حیض کے کپڑے کتوں کے گوشت ڈال کر پیا کرو، کیونکہ پانی کو کوئی چیز ناپاک کرتی ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہاں پانی سے کنوئیں کا پانی ہی مراد ہو، اور مطلب یہ ہو کہ کنوئیں کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، تو بھی آپ کے خلاف ہے، کیونکہ تم کہتے ہو کہ اگر نجاست سے کنوئیں کے پانی کا رنگ یا بلویا مزہ بدل جاوے تو نجس ہو جاوے گا، وہ کوئی کنواں ہے جو مرے کتوں، حیض کپڑوں اور بدبو دار چیزوں کے گرنے کے باوجود ان کا رنگ، بو، مزہ نہ بدے، دن رات کا تجربہ ہے کہ اگر ایک مرغی بھی کنوئیں میں پھول پھٹ جاوے تو پانی میں سخت تعفن آ جاتا ہے اس حدیث کی رو سے آپ کو فتویٰ دینا چاہیئے کہ وہابیوں کے کنوئوں میں مردار، کتے، سور، حیض کے کپڑے خوب ڈالے جا دیں اور تم اسی بدبو دار پانی کو پیتے رہو، تم نے بواور مزہ بدلنے کی قید کہاں سے لگائی۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ حضور علیہ السلام ٹھہرے پانی میں پیشاب کر نیکو بھی منع فرماتے ہیں اور یہاں مردار کتے ڈالنے سے ممانعت نہیں فرماتے، لہذا یہ حدیث قابلِ عمل نہیں تمام مشہور حدیثوں کے خلاف ہے

چوتھے یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور جب احادیث ہیں تعارض ہو تو جو حدیث خلافِ قیاس ہو، وہ واجبِ الترتک ہے اور جو مطابق قیاس ہو وہ واجبِ العمل ہے لہذا ان احادیث پر عمل کرو، جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ بضائعِ کنواں ہمارے ملک کے کنوئوں کی طرح نہ تھا۔ بلکہ اس کے نیچے پانی جاری تھا۔ جیسا کہ آج کے منظمہ کے کنوئیں نہرِ زمیہ پر بنے ہوئے ہیں، اور مدنیہ منورہ کے کنوئیں نہرِ زرقا پر واقع ہیں، بظاہر کنوئیں معلوم ہوتے ہیں، مگر درحقیقت وہ آبِ رواں کی نہر ہیں، چونکہ پانی جاری تھا، اس لئے جو گندگی گری بگنی، پاک و صاف پانی آگیا نہ اس میں بو تھی، نہ کوئی گندگی جاری نہر اور جاری دریا

کا حکم یہ ہی ہے۔

چنانچہ امام طحاوی نے امام واقدی سے نقل کیا۔

أَنَّ بَيْرُصَاعَةً كَانَتْ طَرِيقًا لِلْمَاءِ إِلَى الْبَسَاطِينِ فَكَانَ الْمَاءُ لَا يَسْتَقَرُّ فِيهَا  
إِسْوَاقًا لِكُنُوءِ الْبَانِي كَارِاسَةِ تَحَاوِغُونَ فِي جَانِبِهَا  
اس میں پانی ٹھہرنا نہ تھا۔

اس صورت میں تمام احادیث متفق ہو گئیں اور مشد بائیں مل ہو گیا۔ لہذا کنواں گندگی گرنے سے

نجس ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُسْأَلُ عَنِ الْمَاءِ يَكُونُ فِيهِ  
الْفَلَاةُ مِنَ الْأَرْضِ وَمَا يُؤْبَهُ مِنَ  
السَّيْبَاءِ وَالذَّوَابِّ قَالَ إِذَا كَانَ الْمَاءُ  
قُلْتَيْنِ كَمْ يَحْمِلُ الْغُبْثَ  
فرماتے ہیں کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو  
سالا نکہ آپ سے اس پانی کے متعلق سوال ہوا جو  
جنگلوں میں ہوتا ہے جس پر درختوں سے اور جانور  
وارو ہوتے ہیں، تو حضور نے فرمایا کہ جب پانی دو  
ٹکے ہو تو نجاست کو نہیں اٹھاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو ٹکے پانی نجاست گرنے سے نجس نہیں ہوتا، امام ترمذی نے محمد ابن اسحاق  
سے روایت کی کہ دو ٹکے پانچ مشکیزہ ہوتے ہیں، جب پانچ مشکیزے پانی نجس نہیں ہوتا تو کنوئیں  
میں تو سینکڑوں مشکیزے پانی ہوتا ہے، وہ کیسے نجس ہو سکتا ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے  
معلوم ہوتا ہے کہ دو ٹکے پانی کبھی ناپاک نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی نجاست گرے نجس میں مقدار  
نجاست کی قید نہیں تو یہاں یہ کہ اگر دو ٹکے پانی میں چار ٹکے پیشاب پڑ جاوے اور اس کا بو، مزہ،  
رنگ سب پیشاب کا سا ہو جاوے تب بھی وہ پانی پیتے رہیں، رنگ و بو نہ بدلنے کی قید تم نے  
کہاں سے لگائی؟ یہ بھی حدیث کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ کَمْ يَحْمِلُ الْغُبْثَ کے یہ معنی کیسے ہوئے کہ نجس نہیں ہوتا اس کے معنی ہیں  
نجاست برداشت نہیں کرتا۔ یعنی نجس ہو جاتا ہے، جب یہ احتمال بھی موجود ہے تو تمہارا استدلال  
باطل ہے۔



تفسیر سے یہ کہ اگر یہی معنی کیے جائیں کہ دو ٹکے پانی کبھی نجس نہیں ہوتا، تو یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے کہ حضور نے ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا خواہ دو ٹکے پانی جو پاک و بیش اور سیدنا محمد اللہ ابن عباس نے سپاہ زمرہ میں ایک جہشی کرنے پر اس کا پانی نکھوایا، یہ کیوں وہاں تو ہزاروں ٹکے پانی تھا۔ لہذا یہ حدیث لائق عمل نہیں چوتھے یہ کہ قلتیں قلتہ کا تثنیہ ہے، قلتہ ٹکے کو بھی کہتے ہیں اور انسان کی قدر و قامت کو بھی اور پہاڑ کی چوٹی کو بھی یہاں قلتہ کے معنی انسانی قدر و قامت ہے۔ اور اس سے گہرائی کا اندازہ بتانا مقصود نہیں بلکہ لمبائی کا اندازہ بیان کرنا مقصود ہے یعنی جب پانی بہہ رہا ہو اور دو قامت انسان کی بقدر اسے بہتہ کیلئے فاصلہ مل جاوے تو اب کسی چیز سے نجس نہ ہوگا کیونکہ وہ پانی نہروں کی طرح رواں جاری ہے گندگی کو بہاے جاوے گا۔ فوراً دوسرا پانی آوے گا، اس معنی سے احادیث میں تعارض بھی نہیں ہوگا۔ اور ہر حدیث واجب العمل بھی ہوگی۔ یہ وجہ بہت بہتر ہے۔ کیونکہ اگر قلتہ کے معنی ہوں مثلاً تو پتہ نہ چلے گا۔ کہ کتنا بڑا ٹکہ کہاں کا ٹکہ اور پانچ ٹکے مقدار مقرر کرنا بھی درست نہیں کہ حدیث میں یہ مقدار مذکور نہیں۔ نیز یہ خبر نہیں کہ مشکیزہ کتنا بڑا اور کہاں کا غرض کہ حدیث محل ہوگی، محل پر عمل ناممکن ہے، پانچویں یہ کہ اس حدیث میں وہ صورت مراد ہے کہ دو ٹکے پانی زمین پر خوب پھیلا ہوا بڑے حوض کی مقدار میں ہو یعنی سو یا نقد سطح ہوگی سو۔ اب چونکہ یہ پانی تالاب کے حکم میں ہو گیا، لہذا معمولی گندگی کرنے سے ناپاک نہ ہوگا۔ اس صورت میں بھی احادیث میں تعارض نہیں۔

اعتراف نمبر ۳۴۔ حنفیوں کا ڈول بڑے کمال والا ہے کہ ناپاک کنوئیں سے صرف ناپاک پانی چھانٹ کر نکال لیا ہے، پاک پانی چھوڑ آتا ہے۔ حیرت ہے کہ جب کنوئیں میں چڑیا مگڑی جس سے جس سے سارا کنواں ناپاک ہو گیا اور حنفیوں نے اس میں سے صرف تیس ڈول نکالے تو یا تو کہو کہ سارا کنواں ناپاک ہی نہ ہوا تھا۔ صرف تیس ڈول پانی ناپاک تھا جسے یہ کرا ماتی ڈول چھانٹ کر نکال لایا۔ اگر کل کنواں ناپاک ہو گیا تھا۔ تو تیس ڈول نکل جانے سارا پانی پاک کیلئے ہو گیا۔

جواب۔ یہ کرامت دہا بیوں کے ڈول میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جب کنوئیں کا پانی بوسرہ رنگ بدل جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جاوے اور کنواں چشمہ والا ہو، جس کا پانی ٹوٹ نہ سکے اب وہاں صاحبان اسے پاک کریں۔ بتاؤ اس صورت میں کل کنواں ناپاک ہوا ہے یا کچھ ڈول اگر کچھ ڈول پانی ناپاک

ہو رہے، تو وہابیوں کا ڈول واقعی کراہتی ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر صرف گندہ پانی نکال لایا۔ اور پاک پانی کو ہاتھ نہ لگایا اور اگر کل کنواں نپاک ہوا تھا تو کنوئیں کا کل پانی نکالا بھی نہیں، پانی کے اس پاس کی دیواریں دھوئی بھی نہ گئیں اور کنواں پاک ہو گیا یہ کیسے ہوا اس کا جواب دیہاتی دیں گے وہ ہی ہماری طرف سے بھی سمجھ لیں۔ جناب عالی چڑیا مر جانے سے سارا ہی کنواں نپاک ہو جاتا ہے۔ مگر نپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں کوئی چیز سوکھ کر کوئی جل کر کوئی بہہ کر کوئی صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی اس کنوئیں کا پانی صرف آسانی کیلئے چالیس ڈول نکال دینے سے پاک ہو جاتا ہے۔ دیکھو منی نپاک ہے۔ لیکن جب کپڑے میں لگ کر خشک ہو جاوے، تو صرف مل کر جھاڑ دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے تمہارا بھی یہ عقیدہ ہے، اکیسے یہ کپڑا بغیر دھوئے پاک کیسے ہو گیا۔ صرف آسانی کے لئے ایسے ہی آسانی کے لئے صرف چالیس ڈول نکال دینے سے سارا کنواں پاک ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ اگر چڑیا چوم مرنے سے کنواں نپاک ہو جاتا ہے۔ تو نپاک پانی کی وجہ سے کنوئیں کی دیوار بھی نجس ہو گئی اور جب اسے پاک کرنے کے لئے ڈول ڈالا گیا، تو وہ ڈول درسی بھی نجس ہو گئی تو چاہیئے تھا کہ اسے پاک کر نیکو دیوار بھی دھوئی جاتی اور ڈول درسی بھی پاک کی جاتی۔

جواب :- اس اعتراض کا جواب اعتراض نمبر ۳ کے جواب میں گزر گیا کہ ایسے موقعہ پر شریعت آسانی کرتی ہے کنوئیں کی دیواریں اور ڈول درسی دھونے میں سخت دشواری تھی۔ اس لیے اس کی معافی دی گئی۔ تم بھی اپنے گندے کنوئیں پاک کرتے وقت نہ کنوئیں کی دیواریں دھوتے ہو نہ ڈول درسی آپ کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے اور نص کے مقابل قیاس دوڑانا جائز نہیں ہم پہلی فصل میں بتا چکے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس وغیرہم صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہہاں نمرم پاک کیا، مگر نہ اس کی دیواریں دھوئیں نہ ڈول درسی۔

# چوبیسواں باب

## نماز جمعہ وعیدین گاؤں میں نہیں ہوتی

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ نماز جمعہ و نماز عید و بقر عید گاؤں میں نہیں ہوتی۔ ان تینوں نمازوں کیلئے شہر یا شہر کی محفہ جگہ میں ہونا شرط ہے نہ گاؤں والوں پر جمعہ وعیدین لازم ہے نہ وہاں گاؤں میں یہ نمازیں جائز ہیں۔ ہاں اگر گاؤں والے شہر آکر یہ نمازیں پڑھیں تو ثواب پائیں گے مگر غیر مقلد و بالی کہتے ہیں کہ جمعہ وعیدین ہر جگہ جائز ہے نماز ظہر کی طرح ہر گاؤں شہر میں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

خوٹے ضی و دی، خیال رہے کہ شہر وہ بستی ہے جہاں کوچے و بازار ہوں۔ مندریات کی چیزیں مل جاتی ہوں۔ اور وہاں کوئی ساکم بھی رہتا ہو۔ جہاں یہ نہ ہو وہ گاؤں ہے۔

## پہلی فصل

نماز جمعہ وعیدین کیلئے دوسری شرط جماعت، خطبہ وغیرہ کی طرح شہر یا قضاء شہر بھی شرط ہے کہ یہ نمازیں صرف شہر میں ہوں گی، گاؤں میں نہیں ہو سکتیں۔ ولأئلا خطبہ ہوں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو جائے۔ تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارتیں چھوڑ دو۔

نمبر ۱۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَوَدَّعَىٰ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔

اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو اذان جمعہ ہو جانے پر دو حکم دیئے جمعہ کے لئے حاضر ہونا دوسرے تجارتی کاروبار چھوڑ دینا جس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا جہاں تجارتی کاروبار

ہوں اور ظاہر ہے کہ تجارتی کاروبار بازاروں منڈیوں میں ہی ہوتے ہیں اور بازار و منڈیاں شہروں ہی میں ہوتی ہیں۔

حدیث نمبر ۳۱۔ عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں ابو عبید نے غریب میں مردی نے کتاب الجمعہ میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرَ جَامِعٍ  
آپ نے فرمایا کہ جمعہ اور بکیر تشریق نہیں ہو سکتے مگر بڑے شہر میں۔

حدیث نمبر ۴۔ ابن ابی شیبہ نے ابن ابی امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

قَالَ لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ وَلَا صَلَوةَ فِطْرٍ وَلَا أَهْجَى إِلَّا فِي مِصْرَ جَامِعٍ أَوْ مَدِينَةٍ عَظِيمَةٍ  
آپ نے فرمایا کہ نہ تو جمعہ ہوتا ہے، نہ بکیر تشریق نہ عید بقر عید کی نماز مگر بڑے شہر میں۔

حدیث نمبر ۵۔ بہیقی نے عرفہ میں انہی حضرت علی سے روایت کی۔

قَالَ لَا تَشْرِيقَ وَلَا جُمُعَةَ إِلَّا فِي مِصْرَ جَامِعٍ  
آپ نے فرمایا کہ نہیں ہے جمعہ اور نہ بکیر تشریق مگر بڑے شہر میں۔

حدیث نمبر ۶۔ فتح الباری شرح بخاری جلد ۲۔ ص ۳۱۴ میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے۔

قَالَ لَيْسَ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى جُمُعَةٌ إِنَّمَا الْجُمُعَةُ عَلَى أَهْلِ الْأَمْصَارِ مِثْلَ الْمَدَائِنِ  
آپ نے فرمایا کہ گاؤں والوں پر غار جمعہ فرض نہیں ہے بلکہ شہر والوں پر فرض ہے۔

حدیث نمبر ۷۔ مسلم بخاری، ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے۔

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِي فَيَأْتُونَ فِي الْغُبَاةِ وَالْعَرَقِ الْخ  
لوگ نماز جمعہ کے لیے اپنی منزلوں اور گاؤں سے مدینہ منورہ آتے تھے انہیں غبار لگ جاتا تھا اور پسینہ آجاتا تھا

حدیث نمبر ۸۔ ترمذی نے حضرت ثوبد سے انہوں نے قبا والوں میں سے ایک صاحب سے انہوں نے اپنے والد سے جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں روایت کیا۔

قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَشْهَدَ الْجُمُعَةَ مِنْ قَبَا  
فرمایا ہم قبا والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نماز جمعہ کیلئے قبا سے چل کر مدینہ آئیں۔

حدیث نمبر ۹۔ ترمذی نے حضرت ابوبہریرہ سے روایت کی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی۔



قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ آذَاهُ الْيَسْلُ إِلَى  
أَهْلِهِ

فرمایا جمعہ اس پر فرض ہے جو جمعہ پڑھ کر رات  
تک اپنے گھر واپس نہ پہنچ جائے

حدیث نمبر ۱۱۲۔ ابن مہب نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کیا۔

أَنَّ أَهْلَ قُبَاءٍ كَانُوا يَجْمَعُونَ مَعَ رَسُولِ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

قباء والے لوگ جمعہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۱۳ و ۱۱۴۔ موطا امام مالک باب لَا جُمُعَةَ فِي الْعَوَالِيِ اور موطا امام محمد باب صَلَوةُ

الْعِيدَيْنِ وَأَمْرُ الْخُطْبَةِ میں بروایت ابن شہاب عن ابی عبیدہ موسیٰ ابن ازہر ہے۔

قَالَ شَرِذْتُ الْعِيدَ مَعَ عُمَانَ فَصَلَّيْتُ  
ثُمَّ انْصَرَفْتُ وَقَالَ إِنَّهُ قَدْ اجْتَمَعَ كَلَمٌ  
فِي يَوْمِكُمْ هَذَا عِيدَانِ فَمَنْ أَحَبَّ  
مِنْ أَهْلِ الْعَالِيَةِ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ  
فَيَنْتَظِرْهَا وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ  
فَقَدْ آذَنْتُ لَهُ۔

فرمایا میں حضرت عثمان کے ساتھ نماز عید میں حاضر  
ہوا آپ نے نماز پڑھی پھر لوٹے اور فرمایا کہ آج کے دن  
میں دو عیدین جمع ہوگئی ہیں، تو گاؤں والوں میں  
سے جو صاحب جمعہ کا انتظار کرنا چاہیں وہ  
کریں اور جو واپس جانا چاہیں میں انہیں اجازت  
دیتا ہوں۔

ان آخری احادیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ میں قبا اور دیگر گاؤں سے لوگ نماز جمعہ  
وعیدین پڑھنے کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے۔ خواہ وہ اپنے گاؤں میں یہ نمازیں نہ پڑھ لیتے تھے  
اگر گاؤں میں نماز جمعہ جانتے ہوئی تو یہ حضرات وہاں ہی پڑھ لیا کرتے، اگر دو غبار پیش اور پسینہ کی رحمتیں  
اٹھا کر جمعہ وعیدین کے ایسے مدینہ طیبہ نہ آیا کرتے۔ سناری کے لفظ يَنْتَظِرُ الْجُمُعَةَ اور موطا کے لفظ أَنْ  
يَرْجِعَ سے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں، ورنہ ان کے باری باری آنے کے کیا معنی اور

صرف عید پڑھ کر جو جمعہ کے دن تقی بغیر جمعہ پڑھ لوٹ جائیگا کیا مطلب؟

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمعہ گاؤں اور جنگلوں میں ہونے کہ صرف شہر میں ہو کیونکہ حضور نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کا حج الوداع بروز جمعہ ہوا یعنی ۹ ذی الحجہ ۶۳۰ء کے دن جمعہ تھا۔ جس میں ایک لاکھ سے  
زیادہ صحابہ کا اجتماع تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو خود میدان عرفات میں جمعہ پڑھا نہ مکہ کے  
حاجیوں کو اس کا حکم دیا نیز صحابہ کرام نے بہت ملک فتح کیے مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ان حضرات

نے گاؤں میں جمعے قائم کیے ہوں چنانچہ فتح القدیر باب الجمعہ میں ہے -

وَلِهَذَا الْمَذْهَبُ يُقَالُ عَنْ الصَّحَابَةِ حِينَ  
فَتَحُوا الْبَلَادَ وَاسْتَعْلَوْا بِصَرْبِ الْمَنَابِرِ  
وَالْجَمْعِ الْإِنْفِ الْأَمْصَارِ

صحابہ کرام سے کہیں منقول نہ ہوا کہ جب انہوں  
نے علاقے فتح کیے تو انہوں نے شہروں کے سوا  
کہیں اور عید اور جمعے قائم کیے ہوں۔

اگر جمعہ ظہر کی طرح ہر جگہ ہو جایا کرتا تو یہ حضرات ہر جگہ ہی جمعے قائم کرتے جیسے جمعہ کیلئے خطبہ جماعت  
وغیرہ شرط ہے جو نماز ظہر کیلئے شرط نہیں نیز جمعہ مسافر اور عورت و بیمار پر فرض نہیں، ظہر سب  
پر فرض ہے ایسے ہی اگر جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے غرض کہ جمعہ سارے احکام میں ظہر  
کی طرح نہیں۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

اعتراض نمبر ۱۔ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق اطلاق ثابت ہے، وہاں شہر کی قید  
نہیں تو تم مذکورہ احادیث کی وجہ سے قرآن میں قید کیے گاسکتے ہو۔ قرآنی مطلق حدیث واحدہ  
مقید نہیں ہو سکتا۔

جواب۔ اس کے چند جوابات ہیں ایک لازمی باقی تحقیقی جواب لازمی تو یہ ہے، کہ قرآن شریف  
میں نماز جمعہ کے لئے کوئی شرط نہیں لگائی گئی نہ وقت کی، نہ خطبہ کی، نہ جماعت کی، نہ بیکہ کی، نہ چاہیے  
کہ نماز جمعہ دن رات فجر مغرب ہر وقت میں پڑھایا کرو، نیز خطبہ کی بھی پابندی نہ ہو۔ جنگل اور  
گھر میں اکیلا آدمی بھی جمعہ پڑھ سکے حالانکہ آپ لوگ بھی اس کے قائل نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیت  
جمعہ مطلق نہیں بلکہ محل ہے اور محل کی تفصیل حدیث واحدہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ  
احادیث واحدہ نہیں عرفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ نہ پڑھنا تمام ان حاجی صاحبان نے  
دیکھا۔ بنگلی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی، جس فعل شریف کو اتنے صحابہ دیکھیں، وہ خبر واحدہ  
کیونکر ہوگی۔ چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں شہر کے شرط ہونے کی طرف اشارہ موجود ہے کہ رب  
نے مکہ جمعہ کے ساتھ فرمایا وَذُو الْبَيْتِ بِمَكَّةَ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔

اعترض نمبر ۲۔ بخاری وغیرہ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ مسجد نبوی شریف کے بعد سب پہلا جمعہ مسجد عبدالقیس میں ہوا جو بحرین کے ایک قریہ جواثی میں واقع ہے معلوم ہوا کہ قریہ یعنی گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ عربی میں قریہ صرف گاؤں کو نہیں کہتے مطلقاً بستی کو کہتے ہیں گاؤں ہو یا شہر قرآن کریم میں بہت جگہ شہر کو قریہ کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ  
مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ۔

دیکھو اس آیت میں کہ معظمہ و طائف کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ یہ بڑے شہر ہیں، مگر معظمہ کی شہریت تو قرآن سے ثابت ہے۔ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ اور فرماتا ہے

وَأَسْأَلُ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا۔ | آپ پوچھیں اس شہر سے جس میں ہم تھے۔

دیکھو اس آیت میں مگر کو قریہ فرمایا گیا جو عظیم الشان شہر ہے۔

ع۔ حَتَّىٰ إِذَا أَتَىٰ أَهْلَ قَرْيَةٍ يَسْتَنْظِمُونَ  
أَهْلَهَا۔

یہ دونوں (مؤوی و خضر علیہما السلام) ایک بستی میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا

اس آیت میں انطاکیہ کو قریہ فرمایا گیا، حالانکہ بڑا شہر ہے، بہر حال قریہ شہر کو بھی کہتے ہیں جواثی

گاؤں نہ تھا، بلکہ شہر تھا۔ چنانچہ صحاح میں ہے

أَنَّ جَوَاثِي حِصْنٌ بِالْبَحْرَيْنِ جَوَاثِي بَحْرَيْنِ میں ایک قلعہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ قلعہ شہروں میں ہوتا ہے۔ (فتح القدیر) مبسوط میں ہے

إِنَّهَا مَدِينَةٌ بِالْبَحْرَيْنِ وہ بحرین میں ایک شہر ہے۔

بہر حال جن لوگوں نے کہا ہے کہ جواثی قریہ ہے انکی مراد قریہ سے شہر ہے، دوسرے یہ کہ اگر یہاں قریہ یعنی گاؤں ہو تو اس کی پہلی حالت مراد ہے یعنی پہلے وہ گاؤں تھا، جمعہ قائم ہونے کے وقت

شہر بن چکا تھا، لہذا شہر والی روایتیں بھی درست ہیں گاؤں والی بھی تیسرے یہ کہ اگر جمعہ قائم ہونے کے وقت بھی گاؤں تھا، تو وہاں جمعہ پڑھنا صحابہ کرام کے اپنے اجتہاد سے تھا نہ کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے حکم سے ان بزرگوں کو یہ معلوم نہ تھا۔ (از فتح القدیر وغیرہ)

اعتراف نمبر ۳۳۔ بیہقی شریف میں بروایت عبدالرحمن ابن کعب عن کعب ابن مالک ہے فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے جمعہ ہم کو سعد ابن زرارہ نے مقام حرہ بنی بیاضہ پر پڑھایا، پوچھا گیا کہ وہاں کتنے آدمی رہتے تھے۔ تو فرمایا صرف چالیس آدمی تھے حضرت کعب جب بھی اذان سنتے تو حضرت سعد کو دعائیں دیتے تھے دیکھو سعد بن زرارہ بھی صحابی ہیں اور حضرت کعب ابن مالک بھی ان بزرگوں نے مع دوسرے صحابہ کرام ایسی جگہ جمعہ پڑھایا جہاں صرف چالیس کی بستی تھی۔ معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔

جواب۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے کا ہے جب کہ جمعہ ابھی فرض بھی نہ ہوا تھا۔ بیعت عقبہ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلام پھیلا اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جیسے یہود ہفتہ کے دن اور عیسائی اتوار کے دن اپنے عبادت خانوں میں جمع ہو کر عبادتیں کرتے ہیں ہم بھی عرب کے دن جمع ہو کر عبادت کیا کریں۔ چنانچہ حضرت اسعد بن زرارہ نے حرہ بنی بیاضہ میں ایک خاص جگہ مسجد کی شکل کی بنائی اور وہاں عرب کے دن جمع ہونا نماز و دعا کرنا شروع کر دیا اور اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا یعنی مسلمانوں کے اجتماع کا دن یہ نماز ان بزرگوں کی اپنی اجتہاد ہی نماز تھی۔ نہ کہ موجودہ اسلامی جمعہ پھر رب تعالیٰ نے اسی دن میں نماز جمعہ فرض فرمائی اس کی تحقیق بیہقی میں اسی مقام پر اور فتح القدیر میں جمعہ کی بحث میں ملاحظہ کرو اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ نماز مروجہ جمعہ ہی کی نماز تھی۔ تو حرہ بنی بیاضہ مستقل گاؤں نہ تھا۔ بلکہ مدینہ منورہ کے مضافات ہیں۔ سے تھا۔ یعنی فنائے شہر اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فنائے شہر کے جنگلوں میں بھی جمعہ وعیدین جائز ہیں۔

اعتراف نمبر ۳۴۔ بخاری شریف میں حضرت یونس سے مروی ہے کہ جناب زریق ابن حکیم نے ابن شہاب کو خط لکھا کہ کیا میں اپنی زمین ایلمہ میں جمعہ پڑھ لیا کروں جہاں چند سوڈانی وغیرہ مسلمان رہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا مندر دیکھو، محمد ابن شہاب نے زریق کو ایک بہت چھوٹے سے گاؤں ایلمہ میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ جمعہ گاؤں میں جائز ہے۔

جواب۔ اس کا جواب بخاری شریف کے اسی مقام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محمد ابن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ اپنے اجتہاد سے دیا ہے نہ کہ کسی حدیث کی بنا پر انہیں سلسلہ معلوم نہ تھا۔ وہ سمجھے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی ہر جگہ ہو جاتا ہوگا لہذا یہ حکم دے دیا چنانچہ بخاری



میں اس جگہ اس شہاب کا پورا خط نقل کیا ہے جس میں اس فتوے کی یہ دلیل نقل فرمائی ہے کہ مجھ سے  
 سالم نے ان سے عبد اللہ بن عمر نے ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا  
 ہے۔ اس سے قیامت میں اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب  
 کو گاؤں میں جواز جمعہ کی کوئی حدیث نہ ملی صرف اس حدیث سے استنباط کیا۔

اعتراف نمبر ۵۔ تمہاری پیش کردہ حدیثیں سب حضرت علی کے اقوال ہیں نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 فرمان ایک صحابی کے قول سے قرآنی آیت کے خلاف فتویٰ کیونکر دیا جاسکتا ہے۔  
 جواب۔ صحابہ کرام کے اقوال بھی حدیث ہیں جنہیں حدیث موقوف کہا جاتا ہے، اور یہ حدیثیں  
 اگر قیاسات کی قسم کی نہ ہوں تو حدیث مرفوعہ کے حکم میں ہوتی ہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جانتے تھے  
 کہ قرآن شریف میں جمعہ کی نماز کے لئے شہر کی صراحت قید نہ لگائی گئی اور پھر آپ نے فرمایا کہ گاؤں میں جمعہ  
 جائز نہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی رائے سے یہ کلام نہیں فرمایا ہے، بلکہ سنو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے سن کر فرمایا اسی لئے صاحب ہدایہ نے یہ حدیث مرفوعاً نقل فرمائی کیونکہ ایسی حدیثیں مرفوعہ  
 کے حکم میں ہی ہوتی ہیں۔

اعتراف نمبر ۶۔ جمعہ کی نماز نماز ظہر کے قائم مقام ہے اسی لئے جمعہ کے دن ظہر نہیں پڑھی جاتی  
 صرف جمعہ ہی پڑھا جاتا ہے۔ جب ظہر گاؤں و شہر ہر جگہ ہو جاتی ہے تو جمعہ بھی ہر جگہ ہو جانا چاہیئے۔  
 جواب۔ یہ اعتراف تم پر بھی پڑ سکتا ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی اکیلے  
 جماعت سے منگول میں گھر میں مسجد میں ہر جگہ ہو جانا چاہیئے۔ اللہ کے بند و جب جمعہ اور ظہر میں بہت  
 سے فرق ہیں کہ ظہر کی کعتیں چار جمعہ کی دو ظہر میں سنت نمونہ چھ چار تو فرضوں سے پہلے اور دو بعد میں  
 جمعہ میں آٹھ چار فرض سے پہلے اور چار بعد ظہر میں جماعت شرط نہیں اور جمعہ میں شرط ہے۔ ظہر میں خطبہ  
 شرط نہیں جمعہ میں شرط ظہر میں ایک اذان جمعہ میں ۲ ظہر گھر میں بھی جائز نہ گھر جمعہ کے لئے اذان عام کی جگہ  
 ہونا ضروری ظہر سارے مسلمانوں پر فرض مگر جمعہ عورت و مسافر پر فرض نہیں، جب جمعہ اور ظہر میں اتنے  
 فرق موجود ہیں تو اگر یہ فرق بھی ہو جائے کہ جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ جمعہ  
 ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوا تھا۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو ہجرت سے پہلے کہ مغربہ میں جمعہ  
 پڑھا۔ اور نہ ہجرت کے بعد قبا کے قیام کے دوران میں کیونکہ اس وقت مکہ معظمہ دارالاسلام نہ تھا۔

اور قیاس شریف شہر نہ تھا، جمعہ کے لیے دونوں چیزیں شرط ہیں۔  
اعتراض نمبر ۷۔ خفی کہتے ہیں کہ موسم حج میں منی میں جمعہ پڑھا جائے، معنی تو گاؤں بھی نہیں محض جنگل  
ہے اگر جمعہ کے لیے شہر شرط تھا تو منی میں جمعہ جائز نہ کیوں ہو گیا۔

جواب۔ حج کے زمانہ میں منی شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں ہر قسم کی عمارتیں گلی کوچے بازار تو پہلے ہی  
بنے ہوئے ہیں حج کے موسم میں وہ سب آباد ہو جاتے ہیں اور وہاں ساکم بھی موجود ہوتا ہے۔ اس  
لیے وہاں جمعہ جائز ہے۔ اس زمانہ میں دہلی و کانپور کے مقابلہ کا شہر بن جاتا ہے عرفات محض  
میدان ہے چاہے تو تھا کہ وہاں نماز عید بھی پڑھی جاتی مگر چونکہ اُس دن حج کے مشاغل بہت زیادہ  
ہیں اس لیے حجاج پر عید معاف ہے۔ رمی۔ قربانی۔ حجامت۔ طواف زیارت یہ سب دسویں  
تاریخ کو کیئے جاتے ہیں ان کی ادا میں شام ہو جاتی ہے۔ خیال رہے کہ مسافر پر نہ جمعہ فرض ہے نہ  
عید واجب اور اکثر حجاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔

(نوٹ خیر وری) جہاں مسلمان گاؤں میں جمعہ پڑھ لیتے ہوں، وہاں ان کو ظہر احتیاطی پڑھنے  
کا تاکید حکم دیا جائے ورنہ ان کا فرض ادا نہ ہوگا نماز ظہر رہ جائے گی۔

## پچیسواں باب

### نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں تلاوت قرآن مطلقاً خلاف سنت ہے اس میں نہ تو  
سورۃ فاتحہ پڑھی جاوے نہ کوئی اور سورت کہ اگر اس نماز میں صرف حمد الہی درود شریف اور  
دعا پڑھی جاوے ہاں اگر الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت ثناء الہی یا دعا کی نیت سے پڑھے  
تو جائز ہے تلاوت کی نیت سے جائز نہیں، تلاوت اور دعا کی نیتوں کے احکام مختلف ہیں  
دیکھو ناپاکی اجناس کی حالت میں آیتہ قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام ہے، دعا کی

نیت سے پڑھنا درست کسی نے پوچھا، آپ کا مزاج کیسا ہے۔ ہم نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اگر ہم ناپاکی کی حالت میں ہوں تب بھی یہ کہہ دینا جائز ہے۔ لیکن اگر تلاوت قرآنی کی نیت سے یہ آیت پڑھی تو سخت جرم ہے، مگر یہ مقدور ہوا ہی کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن کی نیت سے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اپنے دلائل، دوسری فصل میں اسی پر سوال و جواب۔

## پہلی فصل

### اس مسئلہ پر دلائل

نمبر ۱۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔  
وَلَا تَقْصِرْ عَلٰی اَحَدٍ مِنْهُمْ مَّاتَ | منافقین میں سے کوئی مر جائے تو آپؐ پر نماز جنازہ نہ پڑھیں  
آیت کریمہ میں نماز جنازہ کو صلوٰۃ فرمایا مگر ساتھ میں علیٰ ارشاد فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے۔ عرفی نماز نہیں جیسے رب فرماتا ہے۔

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا | اے مسلمانو تم نبی پر درود و سلام پڑھو  
یہاں صلُّوْا علیہ میں نماز مراد نہیں بلکہ درود دعا مراد ہے۔ کیونکہ اس کے بعد علیٰ ارشاد ہے جب صلوٰۃ کے بعد علیٰ ہو تو وہ بمعنی دعا رحمت ہوتی ہے نہ کہ عرفی نماز اور ظاہر ہے کہ سورۃ فاتحہ و تلاوت قرآنی عرفی نماز کا کرْن ہے نہ کہ دعا کا۔ دعا کے لیے توحید الہی درود شریف چاہیئے چونکہ جنازہ درحقیقت دعا ہے نہ کہ عرفی نماز لہذا اس میں تلاوت قرآن کیسی اسی لئے اس میں رکوع مسجد نہیں اور اس میں میت کو آگے رکھا جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۔ مؤطا امام مالک میں بروایت نافع عن ابن عمر ہے  
اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا یَقْرَأُ عَرَفِی الصَّلٰوۃِ | سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز جنازہ میں تلاوت قرآن  
عَلِی الْجَنَائِزَۃِ دفع القدیر نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳۔ اسی مؤطا امام مالک میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔  
عَمِّنْ سَمِعْتُ اَبَاہُرَیْرَۃً کَیْفَ یُصَلِّیْ | روایت ہے اس سے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے

عَلَى الْجَنَائِزَةِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَا  
لَعْمُرِكَ أَخْبَرْتُكَ أَتَبِعُهَا مِنْ عِنْدِ  
أَهْلِهَا فَإِذَا وَضَعْتَ كَبَّرْتَ وَحَمَدُ  
اللَّهِ وَصَلَّيْتُ عَلَى نَبِيِّهِ ثُمَّ  
أَقُولُ اللَّهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ  
عَبْدِكَ وَابْنُ أُمْتِكَ كَانَ  
يَشْهَدُ الْخ (رفع)

پوچھا کہ وہ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں تو آپ نے  
فرمایا تمہاری عمر کی قسم میں بتاتا ہوں میں میت کے  
گھر سے اس کے ساتھ جاتا ہوں جب میت  
رکھی جاتی ہے تو تکبیریں کہتا ہوں اور اللہ کی حمد اس  
کے نبی صلعم پر درود عرض کرتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا  
ہوں الہی تیرا یہ بندہ تیرے فلاں سے بندہ سے فلاں  
بندی کا لڑکا توحید و رسالت کی گواہی دیتا تھا الخ

غور کرو کہ حضرت ابو ہریرہ کی بتائی ہوئی نماز جنازہ میں حمد و درود دعا کا ذکر تو ہے۔ مگر تلاوت قرآن  
کا بالکل ذکر نہیں معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳۴۳۔ ابو داؤد ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت فرمایا۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُ عَلَى الْمَيِّتِ فَاخْلَصُوا  
لَهُ الدُّعَاءَ۔  
فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم  
میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خلص  
دعا کرو۔

ہم لوگ اس حدیث کے معنی کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو خلوص دل سے اس کے  
لیے دعا مانگو اس سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہے مگر حضرات دہانی اس کے معنی یہ کرتے ہیں۔  
کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو نماز میں خلص دعا کرو۔

ان کے اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہیں صرف دعا ہے کہ خلص  
اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں اور چیز کی تلاوت نہ ہو تو ان کے ہاں مطلب یہ ہے کہ جیسے نمازوں  
میں تلاوت، رکوع، سجدہ، التحیات، دعا وغیرہ سب کچھ ہوتی ہے اس جہت سے نماز میں  
سب دعا کے کچھ نہ ہو رہی حمد و درود یہ دعا کے توابع سے ہے کہ دعا کے ادب میں سے ہے  
بہر حال یہ حدیث ان کے معنی سے ہی انہی کے خلاف ہے۔ اور احناف کی تائید  
کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۱۔ عینی شرح بخاری جلد دوم ص ۱۵۴ باب قراۃ الفاتحہ علی الجنائزہ میں



حسب ذیل احادیث ہیں۔

وَمِنْ مَنْ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى  
الْجَنَازَةِ وَمِنْكُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلِيُّ  
ابْنُ أَبِي طَالِبٍ وَأَبْنُ عُمَرَ وَالْبُؤْهَرِيُّ  
وَمِنْ التَّالِعِينَ عَطَاءٌ وَطَاوُسٌ وَسَعِيدٌ  
وَأَبْنُ الْمُسَيْبِ وَأَبْنُ سِيرِينَ وَسَعِيدُ  
ابْنِ جُبَيْرٍ وَالشَّعْبِيُّ وَالْحَكَمُ قَالَ ابْنُ  
الْمُزْدَلِجِيِّ قَالَ مُجَاهِدٌ وَحَمَّادُ  
الشَّوْبَرِيِّ وَقَالَ مَالِكٌ قِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ  
لَيْسَتْ مَحْمُولًا بِهَا فِي بَلَدٍ نَافِي صَلَاةِ  
الْجَنَازَةِ۔

اور جو حضرات نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ  
کرتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے، ان میں  
حضرت عمر ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، ابن  
عمر اور ابو ہریرہ میں اور تابعین میں سے حضرت عطاء  
طاووس، سعید ابن مسیب، محمد ابن سیرین، سعید  
ابن جبیر، امام شعبی اور حکم میں۔ ابن منزر کہتے ہیں  
کہ یہی قول مجاہد اور حماد ثوری کا ہے، امام مالک  
فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں نماز جنازہ  
کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنے کا رواج  
نہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ ہو، کیونکہ عام نمازوں میں جیسے  
تلاوت قرآن رکن ہے ویسے ہی انہیں رکوع، سجدہ، التحیات میں بیٹھا بھی رکن ہے، اور ان نمازوں  
میں قریائیت یا کسی زندہ آدمی کا منہ اپنے سامنے ہونا حرام ہے نماز جنازہ میں نہ تو رکوع۔ سجود  
التحیات ہے اور یہ نماز میت کو آگے رکھ کر ادا کی جاتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا  
ہے اور دعا میں حمد، درود تو ہے مگر تلاوت قرآن نہیں لہذا نماز جنازہ میں تلاوت بھی نہیں، وہابی  
حضرت کو چاہیے کہ جب نماز جنازہ میں تلاوت کرتے ہیں تو رکوع سجدہ بھی کیا کریں ہمارے ہاں  
پنجاب میں نماز جنازہ شروع ہوتے وقت پکار کر ایک آدمی نیت کی یوں تلقین کرتا ہے۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا واسطے  
سامعیت کے منہ طرف کعبہ شریف کے پیچھے اس امام کے، اس سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان نماز  
جنازہ کو حمد، درود دعا کا مجموعہ ہی سمجھتے ہیں اسے مردہ پنجگانہ نماز نہیں سمجھتے، یہ ہر حال نماز  
جنازہ میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم کو جس قدر اعتراضات مل سکے ہیں، ان کے جوابات عرض کرتے ہیں اگر بعد میں کوئی نیا اعتراض ملا تو ان شاء اللہ اگلے ادیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاوے گا۔  
اعتراض نمبر ۱۔ مشکوٰۃ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔

روایت ہے طلحہ ابن عبد اللہ ابن عوف سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کے پیچھے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو آپ سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا میں نے اس لئے پڑھی کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔

عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَقَالَ لَتَعْلَمُوا أَنَهَا سُنَّةٌ۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ہے اور صحابہ کا عمل۔

**جواب۔** اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ اس روایت میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بعد میت کو ایصال ثواب کے لئے پڑھی جو جیسا کہ فقہ اہل کوف سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ تعقیب کی ہے، دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ کس تکبیر کے بعد پڑھی، تیسرے یہ کہ اگر اپنی طرف سے کوئی تکبیر بھی مقرر کر لو تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ نبیت حمد و ثناء پڑھی یا نبیت تلاوت، نبیت دعاء و تلاوت پڑھنا ہم بھی جائز کہتے ہیں، چوتھے یہ کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ و تابعین کو سخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے یہ عمل اس لئے کیا تاکہ تم جان لو یہ سنت ہے پتہ سلا کہ صحابہ کرام نہ تو پڑھتے تھے اور نہ اسے سنت جانتے تھے اسی لئے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑھی۔ پانچویں یہ کہ آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ ہے۔ بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ سجائے دوسری ثناء اور دعاء کے سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے۔ ہم ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے نماز

جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی ہو، ساتویں یہ کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس کے کسی صحابی سے جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں، بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ ہم فصل اول میں عرض کر چکے ہیں۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

وَلَمْ يَثْبُتَ الْقِرَاءَةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ میں قراوت ثابت نہیں۔

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بالکل محمل ہے۔ جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

دوسرا اعتراض۔ مشکوٰۃ شریف، ترمذی، البداؤد، ابن ماجہ میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ | کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر سورۃ فاتحہ پڑھی۔

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَلِكَ الْقَوِيِّ | ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس کی یہ حدیث اسناداً قوی نہیں، ابراہیم ابن عثمان منکر حدیث ہیں۔

دوسرے یہ کہ البداؤد نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ انہوں نے عبداللہ ابن عباس کی حدیث موقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوٰۃ غلطی سے البداؤد کا نام لے گئے (مرفقاۃ) تفسیر سے یہ کہ اگر حدیث صحیح بھی مان لو تو بھی اس سے نماز جنازہ کے اندر سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا جو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لئے سورۃ

فاتحہ پڑھی ہو۔ یہاں اس کا بیان ہے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے  
 و احتمال دارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش  
 ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ  
 آلمان متعارف است  
 یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 نماز جنازہ سے پہلے یا بعد، جنازہ پر برکت کیلئے  
 پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا تعجب ہے کہ  
 حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جواز یا استحباب ثابت کرنے کے لئے نہایت کھری صحیح مسالی  
 حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود وجوب ثابت کرنے کے لئے ایسی محمل اور مکر و ضعیف حدیثیں  
 پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے۔

اغتراض نمبر ۳۔ جب تم نماز جنازہ کو نماز کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو۔  
 حدیث شریف میں ہے۔ لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (بغیر سورہ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی)  
 نماز جنازہ بھی نماز ہے یہ بھی بغیر سورہ فاتحہ نہ ہوتی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرے تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ نماز جنازہ  
 میں رکوع سجدہ بھی کیا کریں، کیونکہ نماز دل میں یہ بھی فرض ہے تحقیقی جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ  
 نہیں بلکہ دعا ہے اسے نماز کہنا صرف اس لئے ہے کہ اس میں نماز کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں،  
 جیسے وضو قبلہ کو رخ۔ اگر یہ نماز ہوتی تو اس میں میت کو کبھی اگر نہ رکھا جاتا۔

## خاتمہ

آخر کتاب میں ہم چند ہم ضروری مسائل عرض کرتے ہیں، جن سے اہلسنت و احناف کے دل  
 باغ باغ ہو جاویں، گلشن تقلید کے ایسے پھول سنگھانے ہیں، جن سے ان کے دماغ ایمان مہک  
 جاویں، کیونکہ وہ بالی غیر تقلیدین کی خشک گفتگو سنتے سنتے دل گھبرا گیا۔



## ۲۶ پہلا مسئلہ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب

غیر منقولہ وہابی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سخت دشمن ہیں۔ ان کے مسائل پر پستیایاں کتے اور مذاق اڑاتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے امام اعظمؒ کی تاریخ ولادت سگ، اور تاریخ وفات بولم جہاں پاک لکھی ہے۔ نعوذ باللہ اسی کے جواب میں بعض احناف، نے کہا وہابی اور گہ کے عدد ایک ہی ہیں یعنی ۲۴ گدی بھی مردار خور ہے اور یہ لوگ بھی گزرے ہوئے بزرگوں کے تبرائی، غیبت کو قرآن کریم نے مرے بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے۔ خیال رہے کہ وہابی کے عدد چوبیس، چوبہ کے عدد چوبیس، وہابی چوبہ کی طرح دین کرتے ہیں، گدی کی طرح غیبت کر کے مردار کھاتے ہیں۔ مجھے اس سے صدمہ ہوا، دل نے چاہا کہ اس عالی جناب کے کچھ حالات اور مناقب مسلمانوں کو سناؤں اور بتاؤں کہ حضرت امام کا اسلام میں کیا درجہ و منزلت ہے، شائد رب تعالیٰ ان بزرگوں کی مدح خوانی کو میرے لئے کفارہ سیات بنا دے اور مجھے ان بزرگوں کے غلاموں میں حشر نصیب فرماوے۔ مسلمان اپنے امام کے مناقب سنیں اور ایمان تازہ کریں۔

امام اعظم کا نام و نسب :- حضرت امام ابو حنیفہ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوطی ہے۔ حضرت زوطی یعنی امام کے دادا فارسی النسل ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق زار اور آپ کے خاص مقربین بارگاہ میں سے تھے آپ ہی کی محبت سے کوفہ میں قیام اختیار کیا، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دار الخلافہ تھا۔ حضرت زوطی اپنے فرزند حضرت ثابت کو جو سچے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دعا کیلئے لے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ثابت کیلئے دعا فرمائی اور بہت برکت کی بشارت دی۔ حضرت امام حضور علی رضی اللہ عنہ کی کرامت و بشارت، ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ہجری میں بغداد میں وفات پائی، خیزران قبرستان میں دفن ہوئے، آپ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ستر سال عمر شریف ہوئی۔

حضرت امام نے بہت صحابہ کا زمانہ پایا، جن میں سے چار صحابہ سے ملاقات کی، انس ابن مالک

جو بصرے میں تھے، عبداللہ ابن ابی اوفی جو کوفہ میں تھے، ہبیل ابن سعد ساعدی جو مدینہ منورہ میں تھے ابو طفیل عامر ابن واصلہ جو مکہ معظمہ میں تھے اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں، مگر یہ قول راجح ہے امام اعظم حضرت حماد کے شاگرد رشید اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص اور مخصوص صحبت یافتہ ہیں۔ دو سال تک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی معیت نصیب ہوئی۔ حضرت امام کو منصور بادشاہ کوفہ سے بغداد لایا۔ پھر آپ سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کر لیا اور خواست کی آپ نے انکار کیا اس پر آپ کو قید کر دیا اور قید میں ہی یہ آفتاب عالم و عل غروب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

امام اعظم کے مناقب - حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کے فضائل و مناقب ہماری حدود سے باہر ہیں۔ حضرت امام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ اور حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی نہ مٹنے والی کرامت ہیں۔ امت مصطفویہ کے چار شاخ دینی مشکلات کو حل فرمانے والے ہیں۔ الحمد للہ اہل سنت احناف بڑے خوش نصیب ہیں، ہمارا رسول رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا پیر غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہمارا امام اعظم عظمت و عزت ہمارے ہی نصیب میں ہے۔ بفضلہ تعالیٰ و کرمہ ہم تبرک کے لیے چند مناقب عرض کرنے میں، جتنی نہیں اور باغ باغ ہوں علی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی پیشینگوئی اور فضیلت نہایت اہتمام سے بیان فرمائی چنانچہ مسلم و بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم، شیرازی، طبرانی نے قیس ابن ثابت ابن عبادہ سے روایت کی۔ اگر ایمان شریا تارے کے پاس ہوتا تو فارسی اولاد میں سے بعض لوگ وہاں سے لے آتے مسلم بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ قسم اسکی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر دین شریا تارے میں لٹکا ہوتا تو فارس کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا۔

كُوْكَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الشَّرِيْكَاتِ لَتَنَادُوْهُ  
رِجَالٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ وَفِيْ رِوَايَةِ الْبَغَايِ  
وَالْمُسْلِمِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيْدهُ كُوْكَانَ  
السَّيِّئِ مَعْلُقًا بِالشَّرِيْكَاتِ لَتَنَادُوْهُ رَجُلٌ  
مِّنْ فَارِسٍ۔

تباؤ فارسی النسل میں اس شان کا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کون ہوا؟

۲ علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم کے فضائل میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان اس میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَرْفُوعٌ بِرَأْسِکَ الدُّنْیَا سِتَّةٌ خَمْسِینَ | سنہ ڈیڑھ سو میں دنیا کی زینت اٹھالی جاوے  
وَمِائَةٌ گئی۔

سنہ ڈیڑھ سو میں حضرت امام اعظم کی وفات شریف ہے معلوم ہوا کہ امام اعظم دنیا سے شریعت کی زینت، شریعت کی رونق علم و عمل کی ریائش تھے، امام کردی نے فرمایا کہ اس حدیث سے حضرت امام ابو حنیفہ کی طرف ہی اشارہ ہے۔

۳ حضرت امام اعظم دنیا سے اسلام میں پہلے وہ عالم دین ہیں جنہوں نے فقہ اور اجتہاد کی بنیاد رکھ کر ساری امت رسول پر احسان عظیم فرمایا باقی تمام ائمہ جیسے امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسی بنیاد پر عمارت قائم کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں جو اچھا و نیک طریقہ ایجاد کرے اسے اپنا بھی ثواب ملے گا اور تمام عمل کرنے والوں کا بھی۔

۴ حضرت امام اعظم تمام فقہاء و محدثین کے بلا واسطہ یا بالواسطہ استاد ہیں، یہ تمام حضرات امام اعظم کے شاگرد و چنانچہ امام شافعی حضرت امام محمد کے سوتیلے بیٹے اور ان کے شاگرد ہیں، ایسے ہی امام مالک نے حضرت امام کی تصنیفات سے فیض حاصل کیا، نیز امام بخاری محدثین کے استاد ہیں اور امام بخاری کے بہت استاد و شیخ حنفی ہیں۔ گویا آسمان علم کے سورج امام اعظم میں باقی علماء تارے۔

۵ امام اعظم رحمۃ اللہ کے بلا واسطہ شاگرد ایک لاکھ سے زیادہ ہیں جن میں سے اکثر مجتہد ہیں۔ جیسے امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر، امام ابن مبارک جو دنیا سے علم کے چمکتے ہوئے تارے ہیں حضرت امام محمد صاحب نے نو سو نو سے زنی شاندار کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے چھ کتابیں بڑے پائے کی ہیں۔ یہیں کتب ظاہر الروایت کہا جاتا ہے۔ اور یہ تمام کتب فقہ کی اصل مانی جاتی ہیں۔

۶ تمام نبیوں کے سردار چار نبی ہیں آسمانی صحیفوں کی سردار چار کتب، فرشتوں کے سردار

پار فرشتے صحابہ میں افضل واعلیٰ پیاریار، علمائے مجتہدین میں افضل پیارام پیران پیارنیوں میں  
 حضور افضل پیارکتیوں میں قرآن افضل، پیار فرشتوں میں حضرت جبریل افضل، پیاریار میں ابوبکر  
 صدیق افضل پیاراموں میں امام اعظم افضل، اسی لیے امام شافعی نے فرمایا، کہ فقہاء ابوحنیفہ کی اولاد  
 ہیں، وہ ان سب کے والد۔

ع ۷ امام اعظم جیسے آسمان علم کے سورج ہیں ویسے ہی میدان عمل کے شہسوار چنانچہ آپ نے پالیس  
 سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، پالیس سال ایسے روزے رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی، گھر  
 سے کھانا لائے۔ باہر طلباء کو کھلا دیا۔ گھر والے سمجھے کہ باہر جا کر کھایا، باہر والے سمجھے کہ گھر میں کھا کر  
 تشریف لائے۔ ہمیشہ ماہ رمضان میں اسٹھ قرآن کریم ختم کرتے تھے، ایک قرآن دن میں، ایک  
 رات میں اور ایک سارے مہینے میں تراویح میں مقلدوں کیساتھ پیچن حج کیٹے۔

ع ۸ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار قبول دعا کے لیے اکبر اعظم ہے چنانچہ حضرت امام شافعی  
 قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے۔ تو میں بغداد شریف امام اعظم کے مزار  
 شریف پر حاضر ہوتا ہوں، دو رکعت نفل پڑھ کر امام اعظم کی قبر شریف کی برکت سے دعا کرتا ہوں  
 بہت ہی جلد حاجت پوری ہوتی ہے امام شافعی جب امام اعظم قدس سرہ کی قبر انور پر حاضر  
 ہوتے۔ تو حنفی نماز پڑھتے تھے، کہ قنوت نازل نہ پڑھتے تھے کسی نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے  
 فرمایا کہ اس قبر والے کا احترام و ادب کرتا ہوں۔ شامی۔

خیال رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام شافعی بغداد شریف میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے  
 مزار کے ادب میں سنت ترک فرما دیتے تھے، مطلب یہ ہے کہ کوئی امام یا مقلد یقین سے نہیں  
 کہہ سکتا کہ میں برحق ہوں، دوسرے آئمہ غلطی پر کہہ اپنے حق ہونے کا ظن غالب کرتا ہے یہ بھی کہنا ہے  
 کہ شاید دوسرے امام کا قول حق ہو، عقائد میں یقین ہے اور آئمہ کے اختلافی مسائل میں ہر ایک کو ظن  
 غالب ہے۔ تو گویا حضرت امام شافعی نے یہاں حاضر ہو کر اس پر عمل کیا جسے امام اعظم سنت سمجھتے  
 ہیں اس میں ایک سنت کا ترک دوسری سنت پر عمل ہے لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔  
 ع ۹ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سوا بار رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ آخری بار جو دعا رب  
 پوچھی اور رب نے جو جواب دیا وہ وہ المختار میں تفصیل وار درج ہے۔



۱۰ امت محمدیہ کے بڑے بڑے اولیاء اللہ، غوث و قطب، ابوال، اقواد حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں اور آپ کے مقلد ہیں جس قدر اولیاء مذہب حنفی میں ہیں دوسرے مذہب میں نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم ابن ابراہیم، شقیق طنجی، معروف کرخی، حضرت یازید بسطامی، قنصل ابن عیاض خراسانی، داؤد ابن نصر، ابن نصیر ابن سلیمان طائی، ابو عابد لفاف خزر دیلمی، خلف ابن الیوب، عبداللہ ابن مبارک دلی، فقیہ، محدث، وکیع ابن جراح شیخ الاسلام ابو بکر ابن راقی ترمذی جیسے سردارانِ اولیاء حنفی ہی ہیں، اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں، غرضیکہ مذہب حنفی مذہب اولیاء ہے، آج بھی تقریباً سارے اولیاء اللہ حنفی ہی ہیں، فخر پاک و ہند حضرت داتا گنج بخش، بھیروی، گن استان مرجع خلاق ہے۔ حنفی تھے آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کے بڑے فضائل کشف سے بیان فرمائے اسی طرح تمام شیعہ، قادری، نقشبندی، سہروردی، مشائخ سب حنفی ہیں۔

۱۱ حضرت امام اعظم کا مذہب حنفی عالم میں اتنا شائع ہوا، اتنا پھیلا کہ جہاں اسلام ہے، وہاں مذہب حنفی ہے، اکثر مسلمان حنفی ہیں، عربین، طبریہ میں اکثر حنفی بلکہ دنیا کے اسلام کے بعض خطے ایسے بھی ہیں جہاں صرف حنفی مذہب ہی ہے، دوسرے مذہب کو عوام جانتے بھی نہیں، جیسے بلج، بھارت، کابل، قندھار اور تقریباً سارا ہندوستان اور پاکستان کہ یہاں شافعی، حنبلی، مالکی دیکھنے میں نہیں آئے کچھ غیر مقلد وہابی جو کہیں کہیں وہ دیکھے جاتے ہیں مگر یہ بھی بھر جماعت ایسی کم ہے کہ اس کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے اس مقبولیت عامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم مقبول بارگاہ الہی ہیں اور مذہب حنفی عند اللہ محبوب ہے۔

۱۲ امام اعظم کے مخالفین نے بھی امام اعظم کے فضائل و مناقب میں بہت عظیم الشان کتابیں لکھیں چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان لکھی اور سبط ابن جوزی نے کتاب الماقتضار الامام ائمۃ الامصار و وجہ دل میں لکھی، امام جلال الدین سیوطی شافعی نے تبیض الصحیفۃ فی المناقب ابی حنیفہ لکھی، علامہ یوسف ابن عبداللہ ہادی حنبلی نے تنویر الصحیفۃ فی ترجمۃ ابی حنیفہ تحریر فرمائی جس میں ابن عبداللہ کا قول نقل فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ جیسا عالم، فقیہ، متقی بہترین نہ دیکھا۔

غرض کہ امت مرحومہ حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہ کے فضل و کمال کے گواہ ہیں۔ مگر مٹھی بھر دہائی ان کی شان میں کمواس کریں، تو کیا اعتبار، اگر چہ گاڈ سورج کو برا کہے تو سورج سیاہ نہیں ہو جاتا، جیسے آج روافض حضرات صحابہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ ایسے ہی دہائی غیر مفید حضرات امام پر ہنر۔

ع ۱۳ تمام ائمہ مجتہدین میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت قریب ہے، کہ آپ کی ولادت پاک سنہ ہجری میں ہے آپ تابعی ہیں آپ نے چار صحابہ سے ملاقات و راایت کی۔ جنہوں نے آپ کی تابعیت کا انکار کیا محض تعصب سے کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ سیدنا عبد اللہ ابن ابی اوفیٰ جیسے صحابی امام اعظم کے زمانہ میں کوفہ میں ہوں اور حضرت امام ان سے نہ ملیں! آج بزرگوں سے ملنے دنیا کچی آتی ہے۔ صحابہ کی شان کا کیا پوچھنا۔ بہر حال آپ تابعی ہیں۔ اور آپ کو صحیح حدیثیں حضور سے ملیں، خیر القرآن میں ہوئے۔ خیال رکھئے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سنہ ہجری میں ہے۔ وفات سنہ ۱۵۰ میں، عمر شریف ستر سال، مزار شریف بغداد میں، امام مالک کی ولادت سنہ ہجری میں وفات سنہ ۱۶۹ میں عمر شریف ۸۹ سال، مزار شریف مدینہ منورہ میں امام شافعی کی ولادت شریف سنہ ۲۴۰ میں وفات سنہ ۲۴۰ میں عمر شریف ۵۴ سال، آپ امام اعظم کی وفات کے دن پیدا ہوئے، امام احمد ابن حنبل کی ولادت شریف سنہ ۲۴۰ میں وفات سنہ ۲۴۱ میں عمر شریف ۷۷ سال۔

ع ۱۴ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل بیت نبوت سے خاص فیوض و برکات حاصل کیے جو دوسرے ائمہ کو حاصل نہ ہوئے۔ کیونکہ امام اعظم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس پاک میں دو سال حاضر رہے خود فرماتے ہیں۔ لَوْلَا الشَّيْئَانِ لَهْلَلْتُ النَّعْمَانَ الْكَرْدِہِ دو سال نہ ملتے تو نعمان یعنی میں ہلاک ہو جاتا۔

ع ۱۵ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو بکر صدیق کے مظہر اتم ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق حضور علیہ السلام کے خلیفہ اول ہیں اور امام اعظم حضور کی امت کے مجتہد اول صدیق اکبر جامع قرآن ہیں امام اعظم جامع مسائل فقہ اور قواعد وینیہ ہیں حضرت صدیق اکبر نے حضور کے بعد پہلے عدل و انصاف کے قوانین خلافت کی بنیاد رکھی، امام اعظم نے اجتہاد اور تفقہ کی بنیاد رکھی، ابو بکر

صدیق نے امت مصطفویٰ کی بروقت مدد و اعانت کی کہ انہیں اختلاف سے بچالیا، شیرازہ یکسر نہ دیا، امام اعظم نے مسلمانوں کی اتنی بڑی مدد کی کہ انہیں کفر و الحاد و زندہ قرہ کی آندھیوں سے بچالیا، آج ان کے اجتہاد علمی کی برکت سے امت مسلمہ کفار و مرتدین کے فتنوں سے محفوظ ہے۔

ع ۱۶ جیسے حضور غوث اعظم تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ سب کی گردن پر حضور غوث پاک کا قدم ہے، آپ طریقت کے امام اول ہیں کسی نے کیا خوب کہا۔ شعر

غوث اعظم در میان اولیاء | چوں جناب مصطفیٰ در انبیاء

ایسے ہی امام اعظم تمام علماء کے سردار ہیں کہ تمام علماء شریف آپ کے زیر سایہ ہیں اسی لیے طریقت کے امام اول کا لقب غوث اعظم ہوا اور شریعت کے امام اول کا لقب امام اعظم بغداد شریف مجمع بحرین ہے کہ دونوں امام دہاں آرام فرما ہیں۔

## دوسرا مسئلہ

### تقلید کی اہمیت

ہم نے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے عباد الحق حصہ اول میں مسئلہ تقلید بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے، جس کا جواب آج تک وہابی غیر تقلیدین سے نہ بن سکا اگر شوق ہو تو وہاں مطالعہ فرمادیں، اس جگہ کتاب کی تکمیل کے لیے کچھ بطور اختصار تقلید کی ضرورت تقلید کے فوائد تقلید نہ کرنے کے نقصانات عرض کیے جاتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرمادے آمین۔

خیال رکھئے کہ امت بحمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ و اکل الحیۃ میں بعض وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیدار کیا وہ حضرات آسمان نبوت کے تارے ساری امت کے ہادی و امام ہیں ان کے حق میں خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی۔

أَصْحَابِي كَأَلْبُتُّومِ بِاللَّيْلِ إِذَا قُتِلُوا قُتِلُوا  
میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

رب تعالیٰ نے انہیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک کی برکت سے گمراہی

بدعت کی فسق و فجور سے محفوظ و مامون رکھا، خود ارشاد فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ كَلِمَةُ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا۔  
رب تعالیٰ نے ان صحابہ پر پرہیزگاری کا کلمہ لازم فرمایا اور وہ اس کے مستحق ہیں۔

دوسری جگہ صحابہ کرام کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

وَكَسَّرَ كَا إِلَيْكُمْ الْكُفْرُ وَالْفُسُوقُ وَالْعِصْيَانُ۔  
اے صحابہ کرام رب نے کفر و فسق اور گناہوں سے تمہارے دلوں میں نفرت ڈال دی

اور تمام صحابہ سے رب نے جنتی ہونے کا وعدہ فرمایا کہ ارشاد فرمایا۔

وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ۔  
رب نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمایا۔

بلکہ رب تعالیٰ نے جماعت صحابہ کو تمام جہان کے ایمان کا معیار بتایا کہ جسکا ایمان ان کی طرح ہو

وہ مومن ہے جس کا ایمان ان کے خلاف ہو وہ بے دین ہے۔ کہ فرمایا

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُ بِهِ۔  
اگر یہ لوگ تمہارے ایمان کی طرح ایمان لادیں۔

فَقَدْ أَهْتَدُوا۔  
تو ہدایت پر ہوں گے۔

اگر صحابہ کرام کے فضائل و مراتب دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا مطالعہ

کرو۔ بہر حال حضور کی صحبت شریف کی برکت سے صحابہ کرام کے دل روشن سینے نورانی تھے،

وہ حضرات فرش پر قدسی صفات کے حامل تھے۔ نہ ان میں دینی جھگڑے تھے نہ بہت سے فرقے

نہ مذہبی اختلاف نہ فتنے و فساد لہذا اس خیر القرون کو باقاعدہ تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تمام

جہان کے امام تھے وہ کس کو تقلید کرتے۔

بعد میں مسلمانوں میں مذاہب کا اختلاف خیالات انتشار مسائل کی فراوانی فلسفہ و منطق کا الحاق

پیدا ہوا، تب علماء ملت نے قرآن و حدیث سے مسائل استنباط فرمائے دین محمدی کے جزئیات

کو آئینہ کی طرح صاف فرمایا امت نے محسوس کیا، کہ اب تقلید ائمہ کے بغیر چارہ نہیں غرض کہ

بعد کے مسلمان تین قسم کے ہو گئے، عوام، علماء، مجتہدین، عوام نے علماء کی پیروی اور علماء نے

ائمہ مجتہدین کی تقلید کو لازم و ضروری سمجھا، یہ تقلید و اجتہاد ضروریات زمانہ کے لحاظ سے لازم ہوئی۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ اولاً جب تک ضرورت پیش نہ آئی صحابہ کرام نے قرآن کریم سے کئی کئی



شکل میں جمع نہ فرمایا، عہد عثمانی میں جب ضرورت پڑی تو قرآن کتابی شکل میں جمع ہوا۔ پھر بہت عرصہ کے بعد قرآن میں زیر زبر لگائے گئے پھر بہت عرصہ کے بعد اس میں رکوع سپارے مرتب کئے گئے کسی صحابی نے جمع حدیث اور حدیث کے اقسام و احکام بنانے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی، بخاری مسلم وغیرہ عہد صحابہ کے بہت بعد کی کتابیں ہیں، غرضکہ دینی ضرورتیں بڑھتی گئیں، یہ چیزیں بنتی گئیں۔ یہ ہی حال آئمہ کی تقلید کا ہے، جیسے آج یہ نہیں کہا جاسکتا، کہ قرآن کا جمع، اعراب سپارے بنانا، علم حدیث اور کتب حدیث، بدعت ہیں، عہد نبوی یا عہد صحابہ میں نہ تھے ایسے ہی یہ بھی کہنا حماقت ہے کہ تقلید آئمہ اور علم فقہ بدعت ہے عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا۔ آج اگر جمع شدہ قرآن اور مسلم بخاری ضروری ہیں۔ تو امانو کی تقلید بھی لازم ہے۔ ہم اسجگہ نہایت اختصار سے تقلید کی اہمیت قرآن حدیث عمل امت عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ سنئے اور ایمان تازہ کیجئے رب فرماتا ہے۔

وَأَفَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ | پھر اگر تم جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھو۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دینی بات میں اپنی اٹکل نہ لگائے ناواقف کو ضروری ہے کہ واقف سے پوچھے جاہل عالم سے پوچھے، غیر مجتہد عالم مجتہد علماء سے دریافت کریں، اس ہی کا نام تقلید ہے۔

۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ | اسے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے امرواے علماء کی، قرآن کریم پر عمل اللہ کی اطاعت ہے حدیث شریف پر عمل حضور کی فرمانبرداری اور فقہ پر عمل اولی الامر کی اطاعت ہے، یہ تینوں اطاعتیں ضروری ہیں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ یہاں اولو الامر سے مراد علماء دین ہیں نہ کہ سلاطین، کیوں کہ بادشاہوں پر علماء کی اطاعت بہر حال ضروری ہے۔ مگر علماء پر بادشاہوں کی اطاعت بہر حال میں واجب نہیں، صرف انہی احکام میں واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں ایسے ہی حکام و سلاطین علماء سے احکام حاصل کریں گے۔

اول سبقت کر نواے مہاجرین اور انصار اور  
وہ جنہوں نے ان کی اتباع کی اللہ ان سے  
راضی ہوایہ اللہ سے راضی۔

۳ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ  
وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ  
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

اس سے پتہ لگا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تین جماعتوں سے راضی ہے۔ مہاجرین، انصار اور  
قیامت ان کی اتباع و تقلید کرنے والے مسلمان غیر مقلد ان تینوں جماعتوں سے خارج کیونکہ نہ  
تو وہ مہاجر صحابی ہیں نہ انصاری، اور نہ ان کے مقلد ان کے نزدیک تقلید شرک ہے۔

۴ وَاتَّبَعُ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَىٰ

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا راستہ اختیار کرے  
سچاروں امام خود بھی اللہ کے مقبول بندے ہیں اور تمام اولیاء علماء صالحین مومنین ان کے مقلد لہذا  
تقلید مقبولوں کا راستہ ہے غیر مقلدیت و ہابیت مردودوں کا راستہ ہے۔

۵ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ  
كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔

معلوم ہوا کہ صرف ہمارا تقویٰ و پرہیزگاری بخشش کے لیے کافی نہیں، پرہیزگاری کے ساتھ  
اچھوں کی سنت بھی لازم ہے ورنہ راستہ میں دیکھتی کا اندیشہ ہے سچاروں امام اچھے ہیں، اور امت  
کے سارے اچھوں نے تقلید کی سارے اولیاء علماء محدثین مفسرین مقلد گزرے، غیر مقلدوں میں  
اگر کوئی دلی گڑا ہو تو دکھا دو جس شاخ میں پھل پھول پتے نہ لگیں وہ چولہے کے لائق ہوتی ہے کیونکہ  
اس کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا ہے ایسے ہی جس فرقہ میں اولیاء اللہ نہ ہوں، وہ دوزخ کے قابل  
ہے، کیونکہ اس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ چکا ہے۔

۶ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ  
الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیدھے راستہ کی پہچان یہ ہے کہ اس پر اولیاء اللہ علماء صالحین ہوں  
دیکھ لو سارے اولیاء صالحین مقلد ہیں، حضور غوث پاک خواجہ اجیری خواجہ بہاؤ الدین نقشبند امام  
ترندی وغیرہ جیسے پایہ کے بزرگ مقلدین گزرے لہذا تقلید سیدھا جنت کا راستہ ہے۔ اور

وہا بیت غیر مقلدیت طبعاً راستہ جو دوزخ تک پہنچائے گا۔

جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے جادوہ پھرے گا ہم ادھر ہی پھر دینگے اور اسے دوزخ میں پہنچائینگے۔

عَنْ وَمَنْ يَشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْهُدَىٰ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو منہ حق پر مخالفت کرے کفار کی ہے، وہ ہی سزا ان کو دے دیں گی بھی ہے جو مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر اپنی ڈیڑھا اینٹ کی مسجد الگ بنائیں، تعلید عام مسلمانوں کا راستہ ہے غیر مقلدان سب سے علیحدہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔

اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور نبی تمہارے گواہ۔

عَنْ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان رب تعالیٰ کے دنیا و آخرت میں گواہ ہیں، جس آدمی یا جس راستہ یا جس مشد کو عام مسلمان اچھا کہیں واقعی اچھا ہے اور جس کو بُرا کہیں وہ واقعہ میں بُرا عام و کبھی نہ مسلمان تقلید کو اچھا کہتے ہیں، مقلد ہیں اور غیر مقلدوں کو بُرا جانتے ہیں۔ لہذا تقلید ہی اچھا راستہ ہے اور مقلدین اچھی جماعت۔

## احادیث شریفہ

اس بارے میں احادیث بہت ہیں کچھ بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ شَرِّ شَيْءٍ فِي النَّاسِ (مشکوٰۃ)

بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں علیحدہ ہی جاویگا۔

معلوم ہوا کہ مومن کو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنا چاہیے، جماعت سے علیحدگی دوزخ میں جانے کا راستہ ہے، عام المسلمین مقلد ہیں۔ غیر مقلد اپنا انجام سوچ لیں۔

حدیث نمبر ۲۴۴ - مسلم ترمذی - احمد نے حضرت حارثہ اشعری سے روایت کی۔

جو شخص بالشت برابر جماعت سے نکل گیا۔ اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قَبْلَ شَبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

حدیث نمبر ۵ - مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایمان مذنیہ منورہ کی طرف ایسا سمٹ آوے گا۔ جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَأْتِي إِلَى الْمَذْنِيَّةِ كَمَا تَأْتِي الْحَيَّةُ إِلَى حُجْرِهَا (مشکوٰۃ باب العقائد)

معلوم ہوا کہ مذنیہ منورہ ہمیشہ سے اسلام کا مرکز ہے۔ اور رہیگا۔ وہاں انشاء اللہ کبھی نہ ہوگا الحمد للہ کہ سارے حجاز خصوصاً مکہ معظمہ و مدینہ میں سارے مسلمان مقلد تھے اور مقلد ہیں وطن غیر مقلد ایک بھی نہیں نذیر حسین دہلوی شریف حسین کے زمانہ میں حرمین شریفین گئے۔ غیر مقلدیت کی وجہ سے گرفتار کر لیئے گئے وہاں تقیہ کر کے مقلد بن کر جان چھڑائی۔ پھر ہندوستان آکر غیر مقلد بن گئے۔ نذیر حسین غیر مقلدوں کے سرگروہ گزرے ہیں۔ اب اگرچہ وہاں نجدیوں کی سلطنت ہے۔ مگر نجدی بھی اپنے کو غیر مقلد کہتے ہوئے ڈرتے ہیں، اپنے کو حنبلی کہتے ہیں۔ اگر تقلید شرک ہوتی تو حرمین طیبین اس سے پاک و صاف رہتے۔

حدیث نمبر ۶ - امام احمد نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جیسے بھیڑیا ریلوے علیحدہ رہنے والی یا کنارہ والی یا بچھر جانوالی کا شکار کرتا ہے ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والے کا شکار کرتا ہے تم گھاٹیوں سے بچو جماعت اور عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ ذئبُ الْإِنْسَانِ كَذئبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَّ وَ الْفَاحِشِيَّةَ وَ النَّاجِيَّةَ إِيَّاكُمْ وَ الشَّعَابَ وَ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَ الْعَامَّةِ۔

(مشکوٰۃ باب الاعتصام)

میری امت گمراہی پر کسی متفق نہ ہوگی جماعت

عَلَّا يَجْتَمِعَ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ وَ يَدَّ



اللہ علی الجماعۃ فان من شدَّ  
شدَّ فی الناس (مشکوٰۃ)

پر اللہ کی رحمت ہے، جو جماعت سے الگ  
رہا وہ دوزخ میں الگ ہو کر جاوے گا۔

ان اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے نجات کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے  
عقائد عامۃ المسلمین کے سے رکھے جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آ  
گیا، عام جماعت مسلمین مقلد ہے۔ لہذا غیر مقلد رہنا جماعت مسلمین سے علیحدگی ہے۔  
عمل مسلمین۔ ہمیشہ سے ہر طبقہ کے مسلمان مقلد ہوئے، محدثین، مفسرین، فقہاء، اولیاء  
اللہ ان میں کوئی غیر مقلد و بابی نہیں، چنانچہ امام قسطنطینی اور تاج الدین بسکائی نے صراحتاً امام نووی نے  
اشارۃ فرمایا کہ امام بخاری شافعی ہیں، ترمذی ابو داؤد، نسائی، واقفنی وغیرہ تمام محدثین شافعی ہیں۔  
طحاوی و امام زمخشری، عینی شارح، بخاری، طیبی، علی قاری، عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم تمام محدثین  
حنفی ہیں۔

تفسیر کبیر، تفسیر خازن، بیضاوی، جلالین، تنویر المقیاس والے سارے مفسرین شافعی ہیں۔  
تفسیر مدارک، تفسیر ضاوی والے سارے مفسرین حنفی، فقہاء اور اولیاء اللہ سارے کے سارے  
مقلد ہیں اور عام اولیاء حنفی ہیں جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، غیر مقلد و بابی سوچیں، کہ ان میں  
کتنے محدث، کتنے مفسر، کتنے فقہاء کتنے اولیاء ہیں، ان کی جڑ کس زمین پر قائم ہے اور وہ کس  
درخت کی شاخ یا کس شاخ کا پھل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تقلید اشد ضروری فرضیہ ہے اور غیر مقلدیت نجدت زہر  
قاتل ہے، ایمان کے لئے سخت خطرناک ہے چند وجوہ سے ایک یہ کہ قرآن و حدیث مسائل  
نکالنے کے لئے آسان نہیں، ان سے مسائل کا استنباط سخت دشوار ہے، اس ہی لئے رب  
تعالیٰ نے قرآن سکھانے کے لئے اتنے بڑے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اگر اسے سمجھنے  
کے لئے صرف عقل انسانی کافی ہوتی تو اس کی تعلیم کے حضور سید الانبیاء نہ بھیجے جاتے  
فرماتا ہے۔

يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ۔ | وہ رسول مسلمانوں کو قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔  
جیسے قرآن سمجھانے کے لئے حضور بھیجے گئے ایسے ہی حدیث سمجھانے کیلئے ائمہ مجتہدین بھیجے جاتے۔

فرمائے گئے جو لوگ آج تقلید سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن و حدیث میں ایسی ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ خدا کی پناہ میں نے بڑے بڑے غیر مقلد و بابیوں کو بار بار اعلان کیا کہ حدیث سمجھنا تو کیا تم صرف یہ ہی بتا دو کہ حدیث اور سنت میں فرق کیا ہے۔ حدیث کے کتنے ہیں، اور سنت کے تم اپنے کو اہل حدیث کہتے ہو۔ ہم اہل سنت ہیں بتاؤ تم میں ہم میں فرق کیا ہے۔ مگر یہ فرق حدیث سے ثابت کیا جاوے، آج تک نہ بنا سکے اور ان شاء اللہ قیامت تک نہ بنا سکیں گے۔ ہمارا اعلان عام ہے کہ آج بھی کوئی دہائی صاحب تکلیف کر کے جواب دیں، حدیث سمجھنا اس سے مسائل نکالنا تو ان بیچاروں کو نصیب ہی کہاں صرف رفع یدین اور آئین بالہجر کی چار حدیثیں بنے سمجھے رٹ لیں، اور اہل حدیث بن گئے حدیث سمجھنا تو خدا کے فضل سے مقلدوں کا ہی کام ہے اگر فہم حدیث کا لطف اٹھانا ہے۔ تو ہمارے حاشیہ بخاری عربی یعنی نعیم الہادی کا مطالعہ فرماؤ جس میں بقضہ تعالیٰ ایک ایک حدیث سے آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استنباط کیا ہے کہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے، بطور مثال ایک عام مشہور مختصر سی حدیث پیش کرتا ہوں۔

أَحَدُ جَبَلٍ يُحِثُّنَا وَنَحِثُّهُ۔ | أَحَدُهَا زَهْمٌ سَعَى حُبِّهِ كَرَاهٍ، هَمٌّ اس سے محبت کرتے ہیں۔

ہم نے حسب ذیل مسائل شریعت و طریقت کے مستنبط کیئے۔

۱۔ حضور کی محبوبیت صرف انسانوں سے خاص نہیں، بے عقل جانور بے جان لکڑی پتھر بھی حضور کے چاہنے والے ہیں۔ حسن یوسف لاکھوں نے دیکھا، مگر عاشق صرف زلیخا، حسن محمدی آج کسی نے نہ دیکھا مگر عاشق کروڑوں۔ حضور ساری مخلوق کے محبوب ہیں، کیوں نہ ہوں، کہ خالق کے محبوب ہیں۔

۲۔ جس انسان کو حضور سے محبت نہ ہو وہ پتھروں سے زیادہ سخت اور جانوروں سے بھی گیارہ گنا برا ہے۔

۳۔ جو حب حضور پتھر کے دل کا حال جانتے ہیں کہ فرماتے ہیں احد ہم سے محبت کرتا ہے تو انسانوں کے دل کے راز کیوں نہ جانیں ان سے کوئی غیب چھپا نہیں۔

۴۔ حضور کی بارگاہ میں عشق و محبت اور ولی کیفیت زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں وہ

دل کی گہرائیوں کو جانتے ہیں، احمد نے منہ سے کچھ نہ کہا، مگر اس کے دل کا حال حضور پر روشن تھا۔ اگر حضور انسانوں کے دلی حالات نہ جانیں تو کل قیامت میں شفاعت کیسے کریں گے جو بھی حضور سے شفاعت کی درخواست کرے تو حضور فرما دیں کہ مجھے خبر نہیں تو مومن تھا یا کافر شفاعت کیسے کروں کیونکہ بعض وہ بھی ہوں گے جو بغیر وضو کیے فوت ہوئے ان کے چہروں پر آثار وضو کی چمک نہ ہوگی۔

۵۵ تمام عبادتوں کا بدلہ جنت ہے مگر محبت مصطفویٰ کا نتیجہ محبت ہے کہ فرمایا احمد ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں، لہذا عشق رسول عبادات سے اعلیٰ ہے کہ اس کا بدلہ جنت والا محبوب ہے۔

بخاری شریف کی ایک اور حدیث سنو اور اس سے ایمانی و عرفانی مسائل کا استنباط ملاحظہ کرو ایمان تازہ کرو۔

حدیث: حضور دراز گوش پر سوار جا رہے ہیں سامنے دو قبریں نمودار ہوئیں دراز گوش دو پاؤں سے کھڑا ہو گیا، حضور اتر پڑے اور فرمایا کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے جسے دیکھ کر خچر گھبرا گیا۔ ان میں سے ایک تو اونٹوں کا چرواہا تھا، جو اونٹوں کے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا، اس لئے عذاب قبر میں گرفتار ہوئے، یہ فرما کر کھجور کی شاخ کی دو چیریں فرما کر دونوں قبروں پر گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ تر ہیں، عذاب قبر میں تخفیف ہوگی۔

قوائد: اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔ حضور کی چشم مبارک کے لئے کوئی چیز آدر نہیں، آپ پس پردہ بھی دیکھتے ہیں، دیکھو عذاب ہزاروں من مٹی کے نیچے یعنی قبر کے اندر ہو رہا ہے، مگر نگاہ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے اوپر سے ملاحظہ فرما رہی ہے۔

۲۔ جس جانور پر حضور سوار ہو جاویں، اس جانور کی آنکھ سے بھی حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ خچر نے حضور کی برکت سے قبر کا عذاب دیکھ لیا اور بھڑک گیا ورنہ ہمارے خچر دن رات قبرستان سے گزرتے ہیں، انہیں بھڑکتے، لہذا اگر حضور کسی دلی پر نظر کرے فرما دیں تو اس

کی نگاہ سے بھی غیبی حجاب اٹھا جائیں گے۔

۳ حضور ہر شخص کے ظاہر و خفیہ اگلے پچھلے تمام اعمال جانتے ہیں۔ کہ فرما دیا کہ ایک چغیل خور تھا، دوسرا پیشاب سے پرہیز کرتا تھا، حالانکہ ان دونوں نے یہ اعمال حضور کے سامنے نہ کئے تھے لہذا حضور ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں۔

۴ حضور عذاب الہی سے بچانا عذاب و در کرنا بھی جانتے ہیں۔ گویا روحانی بیماریوں اور ان کے علاج سے خبردار ہیں، کہ ان قبر والوں کا عذاب دفع کرنے کے لئے تر شاخیں قبروں پر گڑھ کر فرمایا کہ ان سے عذاب بھکا ہوگا۔

۵ ترسبزہ کی تسبیح کی برکت سے مومن کا عذاب قبر بھکا ہوتا ہے۔ لہذا اگر قبر پر تلاوت قرآن یا ذکر اللہ کیا جاوے تو میت کو فائدہ ہوگا۔ کیونکہ مومن کی تسبیح و تہلیل سے ترسبزہ کی تسبیح اعلیٰ ہے۔

۶ اگرچہ خشک چیزیں بھی تسبیح پڑھتی ہیں، وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يَسْتَمِعُ بِحَمْدِہِ مگر انکی تسبیح سے عذاب قبر دفع نہیں ہوتا، ذکر کی تاثیر کے لئے زبان بھی تاثیر والی چاہیئے، لہذا دہائی وغیرہ خشکوں کی تلاوت قرآن وغیرہ بے فائدہ ہے، مومن جس کے دل میں محبت مصطفیٰ کی تری و سبزی ہے اس کا ذکر تاثیر والا ہے۔

۷ مومن کی قبر پر سبزہ پھول وغیرہ ڈالنا مفید ہے کہ اس سے قبر والے کو فائدہ ہے حضور نے سبز شاخ قبر پر لگائی اور فرمایا جب تک کہ یہ تر رہے گی تب تک عذاب میں تخفیف ہوگی۔

۸ حلال ہالور کا پیشاب نجس ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہیں دیکھو اونٹ حلال ہے مگر اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہوتیں۔

یہاں تک تو ہم نے آپ کو اپنے حاشیہ بخاری کی کچھ سیر کرائی۔ اب ہمارے حاشیہ القرآن کی بھی کچھ سیر کر لو، صرف ایک آیت کے فوائد عرض کرتا ہوں۔

فَمَا دَلَّہُمْ عَلٰی مَوْتِہِمْ اِلَّا دَاۤیْمَةُ الْاَرْضِ | جنات کو حضرت سلیمان کی وفات نہ بتائی مگر  
فَاَکَلُ مِنْ سَنَاتِہٖ | زمین کی دیمک نے جو آپ کا عصا کھاتی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بحالت نماز ہوئی بیت المقدس کی تعمیر ہو رہی تھی، آپ



اسی طرح لکڑی کے سہارے کھڑے رہے چھ ماہ کے بعد دیکھ کر لاشی کھائی۔ لاشی گرنیکی وجہ سے آپ کا جسم شریف زمین پر آ رہا۔ تب جنات جو بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے۔ کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔

فائدے :- اس آیت اور واقعہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

۱۔ انبیاء کرام کے اجسام وفات کے بعد گھنے یا بگڑنے سے محفوظ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم شریف چھ ماہ تک قائم رہا، مگر کوئی فرق نہ آیا۔

۲۔ انبیاء کرام کے اجسام شریف کو کبھی انہیں کھا سکتا۔ دیکھو دیکھ کر حضرت سلیمان کی لاشی کھائی پاؤں شریف نہ کھایا لہذا یعقوب کو یقین تھا کہ یوسفؑ کو بھیڑیے نے نہ کھایا یہ فرزند غلط کہہ رہے ہیں

۳۔ پیغمبر کا کفن بھی گھنے میلہ ہو نیسے محفوظ ہے، دیکھو حضرت سلیمان کا لباس شریف ان چھ ماہ میں نہ گلانا میلہ ہوا، ورنہ جنات کو آپ کی وفات کا پتہ چل جاتا۔

۴۔ انبیاء کرام بعد وفات بھی دنیاوی و دینی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ دیکھو حضرت سلیمان نے بعد وفات مسجد بیت المقدس کی تکمیل کرا دی۔

۵۔ دینی ضرورت کی وجہ سے پیغمبر کے دفن و کفن میں دیر لگا دینا سنت الہیہ ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے تکمیل مسجد کے لیے حضرت سلیمان کو بعد وفات چھ ماہ تک بغیر کفن و فن رکھا، لہذا صحابہ کرام کا تکمیل خلافت کے لیے حضور کے کفن و دفن میں تاخیر کرنا بالکل صحیح تھا کیونکہ تکمیل خلافت تکمیل مسجد سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

۶۔ ہاٹ فیل یعنی اچانک موت اللہ کے نیک بندوں کے لیے عذاب نہیں بلکہ رحمت ہے۔ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہوئی، مگر رحمت تھی ہاں غافل کے لیے عذاب ہے کہ اسے توبہ کا وقت نہیں ملتا۔ لہذا حدیث شریف واضح ہے۔

ایک اور آیت کریمہ کے فوائد و مسائل سنو جو ہم نے اپنے اس حاشیہ القرآن میں بیان کیے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دو خاص نعمتوں کا

ذکر فرمایا اور ان کے شکریہ میں رب کی تسبیح و حمد کا حکم دیا ایک تو فتح مکہ دوسرے فتح کے دن اور اس کے بعد لوگوں کا جوق در جوق اور فوج اسلحہ قبول کرنا۔

اس آیت سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے

۱۔ صحابہ کرام کی تعداد دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ ہزار ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں افواج یعنی فوجیں فرمایا دو چار آدمیوں کی فوجیں نہیں ہوتیں جیسے حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ رسول ہیں اور چار مرسل اسے ہی صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ بدر والے اور چار غطفاء راشدین جو کہے کہ مومن صحابہ کل چار پانچ تھے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے۔

۲۔ فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان رب تعالیٰ کے ہاں قبول ہوا کہ انہیں رب نے فرمایا کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ ان کا داخل فی الدین ہو جانا قرآن سے ثابت ہوا لہذا ابوسفیان، ہند، عکرمہ، امیر معاویہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سچے پکے مخلص مومن ہیں جو ان کے ایمان کا انکار کرے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔

۳۔ فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں میں سے کوئی مرتد نہ ہوا یہ حضرات ایمان پر قائم رہے ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ ان کے ایمان میں داخل ہونے کی یہ صریحی آیت موجود ہے، اسلام سے نکل جانے کی کوئی آیت نہیں نیز رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کا ذکر بطور نعمت الہیہ کیا اگر یہ لوگ آئندہ ایمان سے نکل جانے والے ہوتے تو رب تعالیٰ سچائے تسبیح و تحمید کے حکم کے یوں فرماتا کہ محبوب ان کے ایمان کا اعتبار نہ کریں یہ لوگ پھر جائینگے، اب بتادینگی واقعہ ان کا کفر ثابت کرے، وہ جھوٹا ہے کہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔

وہا ابسو! بولو آج تک قرآن و حدیث کے ایسے ایمان افروز عارفانہ مسائل کی دہائی صاحب کے ذہن شریف میں بھی آئے، یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ نے مقلدوں کو ہی بخشی ہے۔ تم نے صرف غلط سطرچے کرنا ہی سیکھے ہیں۔

حنفی بھائیو! اگر تمہیں اس جیسے صدہا عارفانہ، عاشقانہ ایمانی مسائل دیکھنے کا شوق ہو، تو ہمارا حاشیہ القرآن اردو اور حاشیہ بخاری الف شرح بخاری عربی کا مطالعہ کرو۔

دوسرے یہ کہ قرآن و حدیث طب ایمانی کی دوائیں ہیں جب طب یونانی کی دوائیں ہر شخص اپنی رائے سے نہیں کر سکتا اگر کریگا تو جان سے ہاتھ دھو بیگا۔ ایسے ہی قرآن و حدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، اگر نکالے گا تو وہابیوں کی طرح ایمان سے ہاتھ دھوئے گا۔

تیسرے یہ کہ قرآن و حدیث سمندر ہیں، جلیے سمندر سے ہر شخص موتی نہیں نکال سکتا، ایسے ہی قرآن و حدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، تمہیں موتی سمندر سے نہ ملیں گے بلکہ جوہر ہی کی دوکان سے ایسے ہی تمہیں مسائل قرآن و حدیث سے نہ ملیں گے، بلکہ امام ابو حنیفہ و شافعی وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دوکانوں سے ملیں گے۔

چوتھے یہ کہ دنیا میں ہر شخص کسی پیشوا کا مقلد ہوتا ہے۔ کھانا پکانا۔ کپڑا سینا پہننا وغیرہ۔ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں اس کے ماہروں کی تقلید نہ کی جاوے، دین تو دنیا سے کہیں اہم ہے اگر اس میں ہر شخص بے نیکیے اونٹ کی طرح بے قید ہو کر جس کا جس طرف منہ اٹھا دھر چل دیا تو دین تباہ ہو جائیگا غیر مقلد وہابیوں کو چاہیے کہ پاؤں میں ٹوپی، سر پر چوٹہ ٹانگوں میں کرتے اور کندھے پر پاشچامہ پہنا کریں، کیونکہ عام لوگوں کی طرح لباس پہننے میں تقلید ہے یہ ہیں، غیر مقلد، یہ کیا بات ہے کہ آپ ہر کام میں ہر طرح مقلد اور صرف تین چار مسئلے قرأت خلف الامام رفع یدین وغیرہ ہیں۔ غیر مقلد اگر غیر مقلد ہو تو پورے بنو ہر کام کو لکھا کرو، ہر بات نرالی کہو۔

پانچویں یہ کہ بظاہر احادیث میں اتنا تعارض معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ ایک مسئلہ کے متعلق جب احادیث دیکھی جاویں تو چکر آ جاتا ہے اگر تقلید نہ کی جاوے، صرف حدیثیں دیکھی جاویں تو حیرانی ہوتی ہے کہ یا اللہ کیا کریں کہ ہر جائیں کوئی وہابی صاحب دو رکعت نماز ایسی پڑھ کر دکھائیں، جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو، ایک ایک مسئلہ پر دس دس قسم کی روایتیں موجود ہیں حضور و تر ایک رکعت پڑھتے تھے تین یا پانچ پڑھتے تھے، سات پڑھتے تھے، تو گیارہ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اب غیر مقلد ایسی وتر پڑھ کر دکھائیں، کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جاوے۔

ایک وہابی صاحب نے آئین بالجہر کی ایک حدیث پڑھی میں نے آئین بالا خفاء کی پانچ پڑھ دیں۔ بیچارے منہ تھکتے رہ گئے یہ کام مجتہد کا ہے کہ دیکھے کون حدیث ناسخ ہے کون منسوخ کون حدیث ظاہری معنی پر ہے کون ذاب التاویل، حدیث پر وہ عمل کرے جو مزاج شناس

رسول ہو۔ اور زلزلہ دار پیغمبر مزاج شناسی زلزلہ داری ہر ایرے غیرے کا کام نہیں۔

## دہابی اور حدیث

غیر مقلدوں کا اصلی نام دہابی ہے، لقب سنجری کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمد ابن عبدالوہاب ہے جو سنجہ کا رہنے والا تھا، اگر انہیں مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جاوے تو دہابی کہا جاتا ہے اور اگر جابائے پیدائش کی طرف نسبت دی جاوے تو سنجری جیسے مزار غلام احمد قادیانی کی امت کو مزارئی بھی کہتے ہیں اور قادیانی بھی پہلی نسبت مورث کی طرف ہے، دوسری نسبت جابائے پیدائش کی طرف اسی جماعت کی پیشین گوئی خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی کہ سنجہ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

هَٰذَاكَ الزَّكَالُ وَالْفِتْنُ وَيُخْرِجُ  
مِنْهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ۔

سنجہ میں زلزلے اور فتنے ہوں گے، اور وہاں سے ایک شیطانی فرقہ نکلے گا۔

غرض کہ اس جماعت کا بانی محمد ابن عبدالوہاب سنجری ہے اور اس کا ہندوستان میں پرورش کرنے والا اسماعیل دہلوی ہے، اس فرقہ کے حالات ہماری کتاب جہاد الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرماؤ یہ لوگ عام مسلمانوں کو مشرک اور صرف اپنی جماعت کو موحّد کہتے ہیں۔ مقلدوں کے جانی دشمن اور ائمہ الربیع حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہم جمعین کی شان اقدس میں تبرّے کرتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہتے ہیں، یہ لوگ پہلے تو اپنے کو فخریہ طور پر دہابی کہتے تھے، چنانچہ ان کی بہت کتب کے نام تحفہ دہابیہ وغیرہ ہیں، مگر اب دہابی کے نام سے چڑھتے ہیں، ان کے عقائد و اعمال نہایت ہی گندے اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بد نما داغ ہیں، ہم یہاں اہل حدیث نام پر مختصر سا تبصرہ کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ ان کا نام بھی درست نہیں، مسلمانوں سے امید انصاف ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے امید قبول ہے

خیال رہے کہ دنیا میں کوئی شخص اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہو سکتا ہی نہیں، کسی کا



اہل حدیث یا عامل بالمحدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے۔ جیسے دو تفتیشین یا دو ضدین کا جمع ہونا غیر ممکن کیونکہ حدیث کے لغوی معنی ہیں بات گفتگو یا کلام رب فرماتا ہے۔

عَلٰی فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَكَ يُؤْمِنُونَ۔ قرآن کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے۔

عَلَلَهُمُ الَّذِي جَاءَكَ بِالْحَقِّ بِأَنَّهُمْ كَانُوا أَكْثَرَ بِالْأُولَىٰ نَاظِرِينَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا۔

عَلَىٰ سَائِرِ النَّاسِ مِنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ بَعْضُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ۔ بعض لوگ وہ ہیں جو کھیل کی باتیں و ناول قسطے خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔

اس تفسیری آیت میں ناول قسطے کہانیوں کو حدیث فرمایا گیا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث اس کلام و عبارت کا نام ہے۔ جس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال یا اعمال اسی طرح صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بیان کئے جادیں، اس عامل بالمحدیث فرقے سے سوال ہے کہ تم کونسی حدیث پر عامل ہو، لغوی پر یا اصطلاحی پر مگر لغوی حدیث پر عامل ہونو چاہیے کہ ہر ناول کو قصہ خواں اہل حدیث ہو کہ وہ حدیث یعنی باتیں کرتا ہے ہر سچی جھوٹی بات پر عمل کرتا ہے، اگر اصطلاحی حدیث پر عامل ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ ہر حدیث پر عامل ہو یا بعض پر دوسری بات تو غلط ہے۔ کیونکہ حضور کے کسی نہ کسی فرمان پر ہر شخص ہی عامل ہے، حضور فرماتے ہیں، کہ سچ نجات دیتا ہے جھوٹ ہلاک کرتا ہے، ہر مشرک و کافر اس کا قاتل ہے، وہ سب ہی اہل حدیث ہو گئے۔ تم حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مسلمانوں کو اہل حدیث کیوں نہیں مانتے یہ تو ہزار ہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، اگر اہل حدیث کے معنی ہیں حضور کی ساری حدیثوں پر عمل کرنے والے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ حضور کی بعض حدیثیں منسوخ ہیں بعض حدیثوں میں حضور کے وہ خصوصی اعمال شریف بیان ہوئے جو حضور کے لیے مباح یا فرض تھے،

ہمارے لیے حرام ہیں، جیسے منبر پر نماز پڑھنا اونٹ پر طواف فرمانا۔ حضرت حسین سید الشہداء خاتم آل عباسی اللہ عنہ کے لیے سجدہ دراز فرمانا۔ حضرت امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر لے کر نماز پڑھنا، نو بیویاں نکاح میں رکھنا۔ بغیر مہر نکاح ہونا ازواج میں عدل و مہر واجب نہ ہونا۔ بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ یوں پڑھتے تھے، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَتَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سِوَاكَ كُفً مُّعْبُودٌ وَ فِيهِ نَارٌ مِّنْ نَّارِ اللَّهِ وَ يَوْمَئِذٍ يَكْفُرُونَ لَكَ وَ يَكْفُرُونَ بِكِتَابِكَ وَ هَٰذَا جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۖ اِیٰہی رسول اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، یہ حضرات اسی

حدیث پر عمل کر کے اس طرح کلمہ کا ورد نہیں کر سکتے، غرضکہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اقوال و اعمال بھی ذکر ہیں جو حضور کے لئے کمال ہیں، ہمارے لئے کفر۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال کریمہ جو بیان یا اجتہادی خطا سے سرزد ہوئے حدیث میں مذکور ہیں، عامل بالحدیث صاحبان کو چاہیے کہ ان پر بھی عمل کیا کریں۔ ہر حدیث پر جو عامل ہوئے بہر حال کوئی شخص ہر حدیث پر عمل نہیں کر سکتا، جو اس معنی سے اپنے کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہے۔ وہ غلط کہتا ہے۔ جب نام ہی جھوٹ ہے۔ تو اللہ کے فضل سے کام بھی سارے کھوٹے ہی ہوں گے، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ | لازم پکڑو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔

یہ نہ فرمایا کہ میری حدیث کو لازم پکڑو، کیونکہ ہر حدیث لائق عمل نہیں ہر سنت لائق عمل ہے حضور کے وہ اعمال طیبہ جو منسوخ بھی نہ ہوئے ہوں، حضور سے خاص بھی نہ ہوں خطاؤں الیسا تا بھی سرزد نہ ہوں، بلکہ امت کے لئے لائق عمل ہوں، انہیں سنت کہا جاتا ہے۔ لہذا ہمارا نام اہل سنت بالکل حق و درست ہے۔ کہ ہم بفضلہ تعالیٰ حضور کی ہر سنت پر عامل ہیں۔ مگر وہابیوں کا نام اہل حدیث بالکل غلط ہے، کہ ہر حدیث پر عمل ناممکن۔

اب حدیثوں کی یہ چھانٹ کہ کون سی حدیث منسوخ ہے کون حکم کون حدیث حضور کی خصائص میں سے ہے، کون سب کی اتباع کے لئے کون فعل شریف اقتداء کے لئے ہے، کون نہیں کس فرمان کا کیا منشاء ہے کس حدیث سے کیا مسئلہ صراحتہ ثابت ہے اور کون مسئلہ اشارہ کون دلالت کون اقتضائے سب کچھ امام مجتہد ہی بتا سکتے ہیں۔ ہم جیسے عوام وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ جیسے قرآن پر عمل کرنا حدیث کا کام ہے، ایسے ہی حدیث پر عمل کرنا امام مجتہد کا کام یوں سمجھو کہ حدیث شریف رب تک پہنچنے کا راستہ ہے اور امام مجتہد اس راستہ کا نور جیسے بغیر روشنی راہ طے نہیں ہوتا، بغیر امام و مجتہد حضور کی سنتوں پر عمل ناممکن ہے۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں۔

الْقُرْآنُ وَالْحَدِيثُ يُضِلُّانِ إِلَّا بِالْمُجْتَهِدِ | بغیر مجتہد قرآن و حدیث گمراہی کا باعث ہیں۔

رب تعالیٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ  
كَثِيرًا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ بہت کو ہدایت  
دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کر دیتا ہے۔

چکڑ الوی اس ہی لئے گمراہ ہیں کہ وہ قرآن شریف بغیر حدیث کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں،  
براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے ہیں، وہابی غیر مقلد اسی لئے راہ سے ہٹکے ہوئے ہیں کہ  
یہ حدیث کو بغیر علم کی روشنی اور بغیر امام مجتہد کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، مقلدین اہل سنت  
کا ان شاء اللہ بیڑا پار ہے کہ ان کے پاس کتاب اللہ بھی ہے سنت رسول اللہ بھی اور سراج  
امت امام مجتہد کا نور بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حدیث بننا ناممکن اور جھوٹ ہے، اہل سنت بننا حق و درست  
ہے۔ اہل سنت وہ ہی ہو سکے گا۔ جو کسی امام کا مقلد ہوگا، قیامت میں رب تعالیٰ بھی اپنے  
بندوں کو اماموں کے ساتھ پکارے گا۔ رب فرماتا ہے۔

يَوْمَ تَذْعُو كُلُّ اُنَاثٍ بِاُمَامِہِم | اس دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کیساتھ بلائیں گے  
خیال رکھو کہ قرآن و سنت کا سمندر ہم مقلد بھی عبور کرتے ہیں، اور غیر مقلد وہابی بھی۔ لیکن ہم  
تقلید کے جہاز کے ذریعہ جس کے نام خدا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کی ذمہ  
داری پر سفر کر رہے ہیں، غیر مقلد وہابی خود اپنی ذمہ داری پر اس سمندر میں جھلانگ لگا رہے ہیں۔  
انشاء اللہ مقلدوں کا بیڑا پار ہے، اور وہابیوں کا انجام غرقابی ہے۔

آخر میں ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کی پہلی عبادت نماز ہے، براہ  
مہربانی آپ احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتادیں کہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مکروہ  
تحرمی اور حرام میں کیا فرق ہے۔ اور نماز میں کتنے فرض ہیں۔ کتنے واجب، کتنی سنتیں، کتنے مستحب  
کتنے مکروہ تنزیہی، کتنے مکروہ تحرمی اور کتنے حرام انشاء اللہ تا قیامت یہ تمام مسائل یہ حضرات محدث  
سے نہیں بتا سکتے۔ حالانکہ دن رات ان مسائل سے واسطہ ہوتا ہے۔ تو دوستو صدیقیوں کرتے  
ہو، تقلید اختیار کرو۔ جس میں دینی و دنیا کی بھلائی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب یکم رمضان ۱۳۷۶ھ اپریل ۱۹۵۷ء بروز دوشنبہ کو شروع ہو کر

۳ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ یکم جولائی ۱۹۵۷ء بروز دوشنبہ یعنی دو ماہ دو دن میں اختتام کو

پہنچی۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اسے قبول فرمائے۔ میرے لیے کفارہ سیات اور صدقہ جاریہ بنائے۔ مسلمانوں کے لئے اسے نافع بنائے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ بے کس گناہگار کے لئے حسن خاتمہ اور معافی سبب کی دعا کرے کہ اس ہی لالچ میں میں نے یہ محنت کی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ وَتَوْفِرَ عَرْشُهُ سَيِّدِنَا  
مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ اٰمِيْنَ  
بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۝

(مجموعہ تصانیف کتب گزشتہ دو سالہ کی اشاعت و توزیع کے لئے)

## احمد یار خاں اشرفی بدایونی

سرپرست مدرسہ غوثیہ تعلیمیہ گجرات (مغربی پاکستان) ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ و شنبہ مبارکہ یکم جولائی ۱۹۵۷ء

## فہرست مضامین ”جاء الحق“ حصہ دوم

| صفحہ | مضمون                              | صفحہ | مضمون                                     | صفحہ | مضمون                                                                    | صفحہ | مضمون                                |
|------|------------------------------------|------|-------------------------------------------|------|--------------------------------------------------------------------------|------|--------------------------------------|
| ۳۰   | اللہ آہستہ پڑھنا                   | ۱۴   | دوسرا باب ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے | ۹    | حدیث کا ضعف مقلد کو مفر نہیں گردانی کیلئے موت پہلا باب قانون نکات اٹھانا | ۲    | وجہ تصنیف کتاب                       |
| ۳۲   | عقلی دلیل                          | ۱۵   | اس کے عقلی دلائل                          | ۱۰   | پہلی فصل اسکا ثبوت                                                       | ۴    | حدیث صحیح حسن ضعیف                   |
| ۳۳   | دوسری فصل اس پر سوال و جواب        | ۱۶   | دوسری فصل اس پر اعتراض                    | ۱۱   | اس کے عقلی دلائل                                                         | ۵    | کن چیزوں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے |
| ۳۴   | چوتھا باب امام کے پیچھے قرأت مذکور | ۱۸   | دو جواب عجیب لطیفہ                        | ۱۲   | تیسرا باب نماز میں لبس                                                   | ۶    | امام صاحب کی احادیث ضعیف نہیں۔       |



| صفحہ | مضمون                | صفحہ | مضمون                                   | صفحہ | مضمون                                       | صفحہ | مضمون                                        |
|------|----------------------|------|-----------------------------------------|------|---------------------------------------------|------|----------------------------------------------|
| ۱۴۲  | سوال و جواب          | ۱۱۲  | دعاؤں سے سزا دینا                       | ۷۵   | ساتواں باب تو سب میں                        | ۲۷   | قرأت خلف اللام کس آیت سے منسوخ ہے۔           |
| ۱۴۳  | تشرحوں باب مقرر      | ۱۱۳  | پروردہ شعی کرنا پہلی فصل                | ۸۰   | و ترقین کھت میں اس پر                       | ۳۰   | عقل کا تقاضا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت منع ہے |
| ۱۴۴  | میں قصر واجب ہے      | ۱۱۴  | دوسری فصل اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات | ۸۲   | احکام میں فرق                               | ۳۱   | دوسری فصل اس مسئلہ پر                        |
| ۱۴۵  | دوسری فصل اس         | ۱۱۵  | باہواں باب شہد ثواب ہے                  | ۸۵   | قنوت نازلہ منع ہے                           | ۳۲   | سوالات و جوابات                              |
| ۱۴۶  | پر سوال و جواب       | ۱۱۶  | دوسری فصل شہدین                         | ۸۸   | حضور نے کن دشمنوں کو معافی دی اور کن کے لیے | ۳۳   | تلاوت و تعلیم قرآن میں فرق                   |
| ۱۴۷  | عثمان غنی نے مٹی میں | ۱۱۷  | پر اعتراضات و جوابات                    | ۸۹   | بد دعا فرمائی                               | ۳۴   | اسی صحابہ مقتدی کی قنوت کے مخالف ہیں۔        |
| ۱۴۸  | اتمام کیوں کیا       | ۱۱۸  | تیرھواں باب بوقت                        | ۹۱   | عقلی دلائل                                  | ۳۵   | پانچواں باب امین آیت کھو                     |
| ۱۴۹  | اٹھارواں باب فجر     | ۱۱۹  | جماعت سنت فجر پڑھنا                     | ۹۲   | دوسری فصل اس پر                             | ۳۶   | دوسری فصل اس مسئلہ پر                        |
| ۱۵۰  | میں ادجالا کرے       | ۱۲۰  | دوسری فصل اس پر                         | ۹۳   | اعتراضات و جوابات                           | ۳۷   | اعتراضات و جوابات                            |
| ۱۵۱  | دوسری فصل اس         | ۱۲۱  | چودھواں باب نمازیں                      | ۹۴   | وتر میں دعائے قنوت                          | ۳۸   | اونچی امین کی حدیث قرآن و عقل کے خلاف ہے۔    |
| ۱۵۲  | پر سوال و جواب       | ۱۲۲  | جمع کرنا منع ہے۔                        | ۹۵   | سہید پڑھو                                   | ۳۹   | چھٹا باب رفع یدین نہ کرو                     |
| ۱۵۳  | انیسواں باب نفل      | ۱۲۳  | دوسری فصل اس پر                         | ۹۶   | نالواں باب التحیات میں                      | ۴۰   | امام اعظم کا امام اذاعی سے                   |
| ۱۵۴  | ٹھٹھ کی کر کے ٹھٹھ   | ۱۲۴  | اعتراضات و جوابات                       | ۹۷   | بیٹھنے کی کیفیت                             | ۴۱   | رفع یدین کی متعلق عجیب مناظرہ                |
| ۱۵۵  | دوسری فصل اس پر      | ۱۲۵  | پندرھواں باب سفر                        | ۹۸   | دوسری فصل اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات     | ۴۲   | عقلی دلیل                                    |
| ۱۵۶  | سوال و جواب          | ۱۲۶  | کافا صدقین دن کی راہ                    | ۹۹   | دسواں باب میں کھت                           | ۴۳   | دوسری فصل اس پر سوال و جواب                  |
| ۱۵۷  | بیسواں باب اذان      | ۱۲۷  | دوسری فصل اس پر سوال و جواب             | ۱۰۰  | تراویح پہلی فصل                             | ۴۴   | نحر کے عجیب معنی                             |
| ۱۵۸  | تجکیر کے الفاظ       | ۱۲۸  | دوسری فصل اس پر سوال و جواب             | ۱۰۱  | اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات               | ۴۵   | اذابت الحدیث فہو ہدی                         |
| ۱۵۹  | دوسری فصل اس         | ۱۲۹  | دوسری فصل اس پر سوال و جواب             | ۱۰۲  | سولہواں باب سفر میں                         | ۴۶   | کی نفیس تحقیق                                |
| ۱۶۰  | پر سوال و جواب       | ۱۳۰  | سنت و نفل                               | ۱۰۳  | سولہواں باب سفر میں                         | ۴۷   |                                              |
| ۱۶۱  | کیسواں باب منتقل     | ۱۳۱  | دوسری فصل اس پر                         | ۱۰۴  | سولہواں باب سفر میں                         | ۴۸   |                                              |
| ۱۶۲  | کے چھ نماز ناجائز    | ۱۳۲  | دوسری فصل اس پر                         | ۱۰۵  | سولہواں باب سفر میں                         | ۴۹   |                                              |
| ۱۶۳  | دوسری فصل اس         | ۱۳۳  | دوسری فصل اس پر                         | ۱۰۶  | سولہواں باب سفر میں                         | ۵۰   |                                              |

| صفحہ | مضمون                   | صفحہ | مضمون                | صفحہ | مضمون                 | صفحہ | مضمون               |
|------|-------------------------|------|----------------------|------|-----------------------|------|---------------------|
| ۲۵۳  | صحابہ یثقل کیوں نہ تھے۔ | ۲۳۸  | کی تلاوت نہ کرو      | ۲۲۱  | کنوای پاک کرنا۔       | ۲۰۹  | پرسوال و جواب       |
|      |                         | ۲۳۹  | پہلی فصل ویرانی      | ۲۲۲  | دوسری فصل اس          |      | بایسواں باب قے و    |
|      |                         | ۲۴۲  | خاتمہ امام ابو حنیفہ |      |                       | ۲۱۳  | نوں سے وضو ٹوٹ جانا |
|      | قرآن و حدیث سے          | ۲۴۵  | کے فضائل و مناقب     | ۲۲۶  | پرسوال و جواب         | ۲۱۴  | دوسری فصل اس پر     |
|      | مسائل کے استنباط        |      | سپاروں اماموں کے     |      | چوبیسواں باب نماز     |      |                     |
| ۲۵۵  | کا نمونہ                |      | ولادت، وفات، عمر     |      | جمعہ و عیدین گاؤں میں | ۲۱۷  | سوال و جواب         |
| ۲۴۴  | وہابی اور حدیث          | ۲۵۰  | مزار                 | ۲۳۱  | نہیں ہوتی۔            |      | قے اور خون میں عجیب |
|      | سنت و حدیث              |      | دوسرے مسئلہ تقلید    | ۲۳۴  | دوسری فصل             | ۲۱۹  | فرق                 |
| ۲۴۵  | کا فرق                  | ۲۵۱  | کی اہمیت             |      | سچسواں باب نماز       |      | تیسواں باب ناپاک    |
|      |                         |      |                      |      | جنازہ میں الحمد شریف  |      |                     |